علیؑ کی بیٹیؑ

سوانح حیات

مؤلف

ڈاکٹر علی قائمی

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

نام کتاب	:	علیؑ کی بیٹیؑ
مؤلف	:	ڈاکٹر علی قائمی
ترجمہ واضافہ جات	:	سیّد محمد حسین زیدی البا ہروی (مرحوم ومغفور)
کمپوزنگ	:	سیّد قارب حسین زیدی البا ہروی
زیر اہتمام	:	حسن پبلی کیشنز، اُردو بازار، لاہور
ناشر	:	بسم اللہ پبلی کیشنز، جعفریہ کالونی، لاہور
باردوم	:	دسمبر 2007ء
ہدیہ	:	-/400

واحد تقسیم کار

حسن پبلی کیشنز

38۔غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔فون: 7223842

ای میل: hasanpublication@yahoo.com

فہرس

انتساب

جنابِ شریکۃ الحسین سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارک سے متعلق یہ حقیر سطور پیش کرتے ہوئے اپنے والدین مرحومین اور اپنے استادِ محترم سیّد وزیر حسن مرحوم کو کسی طرح بھلانے کی جرأت نہیں کرسکتا جن کی دعاؤں نے مجھے اس قابل کیا کہ یہ سوانحِ حیات معرضِ تحریر میں لانے کے قابل ہوا ہوں۔ پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں ان حضرات کی مغفرت کیلئے زندگی کے ہر سانس کے ساتھ دست بدعا ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ جس عظیم ہستی کی حیاتِ پاک کے متعلق یہ حقیر الفاظ لکھ رہا ہوں، ان کی عظمت کے طفیل یہ میرے محسنین بھی اگر اپنی تمام انسانی کمزوریوں کے باوجود مقامِ نجاتِ اُخروی حاصل کرلیں تو خالقِ بے نیاز کی عین نوازش ہوگی جبکہ ہر حالت میں اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔

سال 1995ء کی بہار کا موسم تھا کہ میرے آقا و مولا امامِ ہشتم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف بخشا کہ اپنی اہلیہ، دو بچوں اور اپنے محترم استادِ مرحوم کے کچھ فرزندان کے ہمراہ مشہد مقدس کی پاک سرزمین پر حاضری دوں۔ اس سفر کے دوران ایک شب قم کے قریب مسجدِ جمکران میں امامِ زمانہ علیہ السلام کی نماز ادا کرنے کے بعد مسجد کے کتب خانہ سے کتاب ''زندگی حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' خریدنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کا اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں ترجمہ پیش کرنے کی سعی جنابِ سید الشہداء علیہ السلام اور ان کی شریکۂ کار کے نام لیواؤں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ مؤخر الذکر معظمہؑ کے متعلق جہاں تک ممکن ہو، اُنؑ کے ماننے والوں کو انؑ کے تعارف سے واقفیت بہم پہنچا سکوں۔

کام بہت مشکل ہے، اس قدر مشکل کہ مشکل کشاؑ کی عظیم صاحبزادیؑ کی خدمت میں ہی اپنی مشکل کشائی کی درخواست پیش کرسکتا ہوں، اس اُمید کے ساتھ کے یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے کبھی کوئی سائل مایوس نہیں لوٹا۔

✿✿✿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرِ عقیدت

میں اپنی اس حقیر کاوش کو حضور حجت ابن الحسن امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ کی خدمتِ اقدس میں اس گزارش کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ جس مقدس و عظیم ہستی کی حیاتِ اقدس سے متعلق یہ سطور قلم بند کرنے کی میں نے سعی کی ہے، اس کا مقام میرے وہم و گمان سے ہر حالت میں اس قدر بلند و ارفع ہے کہ طائرِ خیال کی پرواز وہاں تک قطعاً کوتاہ ہے، دامنِ الفاظ اس قدر تہی کہ زبان یارائے بیان سے بالکل عاری ہے۔ ذکر ایسی ہستی کا ہے جو کربلا کے عظیم واقعہ اور اس کے نتائج کے تصور میں رنگ بھرنے کی ذمہ دار اور سید الشہداء علیہ السلام کی شریکِ کار ہے۔

حقیر کے پیشِ نظر خریدارانِ یوسفؑ میں اپنا نام لکھوانے والی وہ بڑھیا ہے جو اپنے کاتے ہوئے سُوت کے عوض یوسفؑ کو خریدنا اپنی جگہ پر ناممکن جانتے ہوئے صرف خریداروں میں اپنا نام لکھوانے کی آرزو لے کر آئی تھی۔ اس کی اس آرزو کو ایسا نوازا گیا کہ جب تک ذکرِ یوسفؑ دُنیا میں باقی ہے، اس بڑھیا کا نام بھی خریدارانِ یوسفؑ میں باقی رہے گا، لہٰذا یہ حقیر سطور بحضورِ حجتِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ پیش کرنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ:

"شاهاں چه عجب گر بنوازند گدارا"

عرضِ مترجم

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے حالاتِ زندگی زیرِعنوان 'علیؑ کی بیٹیؑ' ہدیۂ قارئین پیش کئے جاتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ ہرگز ہرگز نہیں کرسکتے کہ یہ مخدومۂ کربلا کی سوانح حیات ہے کیونکہ سید الشہداء علیہ السلام کی شریکِ کار بہن کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہم اسے بجا طور پر جلال الدین رومیؔ کے الفاظ میں ''اے بـرون از وھـم وقال وقیلِ من'' کہہ سکتے ہیں، البتہ اتنی عظیم ہستی کے مقامِ تاریخ کو بیان کرنے کی ایک کمزور و ناتواں سعی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ مخدومۂ عالم کے مقامِ شراکتِ کربلا کے بارے میں ہم جناب سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کا یہ جملہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حسینؑ عازمِ جہاد ہوئے تو زینبؑ ان کے ساتھ تھیں لیکن جب زینبؑ کا جہاد شروع ہوا تو حسینؑ ان کے ہمراہ نہ تھے۔

اتنی عظیم ہستی کیلئے ہم اپنی اس کمزور کاوش کو ایک سعیٔ ناتواں سے زیادہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ وہ شخصیت ہیں جن کے بغیر تصویرِ کربلا میں رنگ بھرتے نظر نہیں آتے۔ ہم تو صرف یہ استدعا اپنے قارئین سے کرتے ہیں کہ اس سعی کو ہمارے لئے توشۂ آخرت بننے کی دعا فرمائیں۔

اس مرقعہ کی تدوین میں دو قسم کے حضرات نے ہماری استعانت فرمائی ہے جن کے ہم تہِ دل سے اس اصول کے تحت شکر گزار ہیں کہ جو شخص اللہ کے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ ان میں پہلی قسم ان حضرات کی ہے جنہوں نے ہمارے مسودہ کو باری باری مطالعہ فرمایا تاکہ اس میں کم سے کم غلطیاں پائی جائیں۔ پھر بھی ہم عرض کریں گے کہ اگر کوئی غلطی قارئینِ کرام کو نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اس کاوش کے آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کردیا جائے۔ ہم اپنے ان معاونین کی عالی ظرفی کی تعریف کیلئے مناسب الفاظ نہیں پاتے جنہوں نے ہمیں اپنے اسمائے گرامی کے اظہار سے بھی منع فرمایا ہے البتہ ہم اپنے قارئین کیلئے بھی دست بدعا ہیں کہ ان کی مساعی مخدومۂ عالم قبول فرمائیں اور یہ قبولیت ان کیلئے توشۂ آخرت بن جائے۔ اس مسودہ کا پانچ مرتبہ مطالعہ کیا گیا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو ہماری بے بضاعتی اور مخدومۂ عالم کی بلندیٔ مقام پر محمول کیا جائے۔

دوسرا طبقہ اُن حضرات کا ہے جنہوں نے اس مسودہ کی اشاعت کے لئے ہماری مالی استعانت فرمائی ہے۔ خداوند تعالی

سے درخواست ہے کہ وہ ان سب حضرات کی مساعی کو درجۂ قبولیت پر سرفراز فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔ ہم ان سب حضرات کے تہِ دل سے شکر گزار ہیں اور اپنے معزز قارئین سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ ہماری اس کاوش کی قبولیت کیلئے دعا فرمائیں۔
شخصیت اتنی عظیم ہے کہ حضرت عبداللہؓ ابنِ عباس جیسے حضرات جنہیں امام المفسرین کہا جاتا ہے، جب کوئی قولِ رسولؐ پیش کرتے ہیں اور ان سے اس کی سند دریافت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس قولِ رسولؐ کی ہم سے ہماری عقیلہؑ نے روایت فرمائی ہے۔ ان کے اس ارشاد کو سب سننے والے قبول کرتے ہیں۔ یہی واقعات اس عظیم ہستی کے سامنے ہماری بے بضاعتی کا ثبوت ہیں۔

ہمیں کامل امید ہے کہ ہماری اس سعی کو قارئینِ کرام پسند فرمائیں گے۔

احقر

محمد حسنین زیدی الباھروی

بسم اللہ پبلی کیشنز، جعفریہ کالونی، بند روڈ، لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اھداء

ہدیہ

- امامِ شاہد وشہید حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے حضورِ اقدس
- بحضورِ شہیدۂ اسلام جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
- بحضور سیدہ زینبؑ علیہا السلام جو
- پدرِ بزرگوار کے دامنِ ادب کی زینت
- والدۂ گرامی کے دل کا چین اور نورِ نظر،
- پدرِ بزرگوار کی ہم زبان وہم سخن،
- مادرِ عظیم کی ہمراز،
- ہستیٔ تاریخ ساز،
- سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مشن کی کامیابی کی ذمہ دار،
- دہنِ مبارک میں زبانِ علیؑ کی حامل،
- حیاتِ اقدس میں تحمل ووقارِ فاطمہؑ کی ورثہ دار،
- جس کے کارناموں پر عقول حیران وششدر،
- جس کی توصیف میں زبانیں عاجز،

راقم الحروف بھی دیگر توصیف کنندگان کی طرح اس ناچیز ہدیہ کی قبولیت کا آرزومند ہے۔

مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مرتبہ ایک بہت ہی معزز اور قوم کا درد رکھنے والی علم دوست شخصیت سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی علمی خدمت انجام دینے کی فکر میں رہتے ہیں اور اُن کے بعض کام واقعی اُن کی علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ میں نے اس ملاقات کے دوران اُن سے حسبِ معمول دریافت کیا کہ اب اُن کا کیا ارادہ ہے تو اُنہوں نے فرمایا کہ اب میں علامہ سیّد محمد حسین طباطبائی کی مشہورِ زمانہ تفسیر ''المیزان'' کا اُردو ترجمہ کروار ہا ہوں اور جلد ہی وہ ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور میں نے مترجم کا نام دریافت کیا تو جو نام اُنہوں نے بتایا، وہ یقیناً عربی زبان پر عبور رکھنے والی شخصیت کا نام تھا لیکن میں جانتا تھا کہ فلسفہ اور بالخصوص، جو علامہ طباطبائی کا خاص موضوع ہے، اس پر اُس ادبی شخصیت کی گرفت نہیں ہے۔ اس لئے میں نے دوبارہ پوچھا کہ وہ صاحب تو فلسفہ پر عبور نہیں رکھتے، پھر ترجمے کا حق کیسے ادا کر پائیں گے؟ اس پر وہ بڑے تعجب سے کہنے لگے: ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ انہیں تو عربی سے اُردو ترجمہ کرنا ہے اور وہ عربی اور اُردو دونوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں''۔

پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ صرف زبان پر عبور حاصل کر لینا کافی نہیں ہوتا، ترجمے کیلئے ضروری ہے کہ جو آدمی ترجمہ کر رہا ہے، اُس کا بھی اُس موضوع یا شعبہ سے تعلق ہونا چاہئے جس سے متعلق کتاب ہے۔ پھر میں نے انہیں مثالیں دے کر سمجھایا کہ ہر انگلش جاننے والا کیمسٹری یا فزکس اور دیگر موضوعات کی کتابیں، جنہیں اُس نے نہ پڑھا ہو، اُن کتابوں کا ترجمہ کر سکتا ہے۔ میرے دوست کو میری بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی۔ پھر ذرا میں نے تفصیل سے بات کی کہ علامہ طباطبائی بنیادی طور پر فلسفی ہیں۔ لہٰذا پہلے تو اُن کے بیان کے مزاج اور اصطلاحوں کو، جس انداز میں وہ استعمال کرتے ہیں، وہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی ترجمہ کا حق ادا ہو سکتا ہے ورنہ اس تفسیر کا بھی وہی حشر ہوگا (ترجمے کے بعد) جو بہت ہی عمدہ تفاسیر اور دیگر کتب کا ہو چکا ہے۔

بعض جگہ مصنف یا مؤلف کے مقصود و مطلوب کے بالکل برخلاف بات ہو جاتی ہے۔ ہاں! بعض ترجمے اتنے عمدہ اور شائستہ ہیں کہ لگتا ہے کہ مصنف یا مؤلف نے اُردو ہی میں کتاب لکھی ہے۔ ان عمدہ ترجموں کی پذیرائی اسی لئے ہوئی کہ مترجم

مصنف یا مؤلف کے مزاجِ بیان اور اصطلاحات کے استعمال کو بخوبی جانتا ہے۔

بہرحال میری اس گفتگو کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ اُس وقت اپنے ارادے سے منحرف ہو گئے۔ اب جو ایک جلد کا ترجمہ آیا ہے، وہ میری نظر سے نہیں گزرا، اس لئے تبصرہ کا حق بھی نہیں رکھتا۔

اتنی لمبی تمہید باندھنے کا مقصد یہ تھا کہ جناب سیّد محمد حسین زیدی البا ہروی کی شخصیت کا تعارف کرانے میں آسانی ہو جائے۔ جن اہلِ علم کی نظر سے ڈاکٹر علی قائمی کی کتاب ''زندگانیِ حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' گزری ہے، وہ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ اصل نسخہ کو پڑھنے کے بعد جب انسان اُس کتاب کے ترجمہ بعنوان ''علیؑ کی بیٹی'' کا مطالعہ کرتا ہے تو بے ساختہ یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ کتاب اُردو ہی میں لکھی گئی ہے۔

محمد حسین زیدی البا ہروی صاحب نے صرف کتاب کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ہماری علاقائی ضرورتوں اور مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت جانفشانی سے وضاحتیں اور حاشیہ جات رقم فرمائے ہیں اور اصل کتاب میں جہاں حوالہ نہیں تھا، اُس جگہ ترجمہ میں حوالہ درج کر کے اُردو کے قارئین کیلئے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔

ترجمہ میں اتنی روانی ہے کہ پڑھنے والا کتاب میں کھو جاتا ہے اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں کرتا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ کتاب کے مترجم کیلئے خود اُس کے رجحانات بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور محمد حسین زیدی البا ہروی کی تاریخ کے موضوع سے دلچسپی اور تاریخ کا گہرا مطالعہ اصل کتاب کے اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے۔

صرف ''علیؑ کی بیٹی''، نہیں، محمد حسین زیدی صاحب کی دیگر کاوشیں بھی میری نظر سے گزری ہیں، وہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر جو خدمت وہ انجام دے کر گئے ہیں، وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ اب اُن کے نیک اور صالح وارثوں نے اُن کے کام کو سنبھالا ہے اور اس کام کو آگے بڑھانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ میری دُعا ہے کہ دین کی خدمت کا یہ جذبہ اُن کے وارثوں میں اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ برقرار رہے اور محمد حسین زیدی صاحب کی رُوح کو اُن کے وارثوں کے عمل سے ہمیشہ خوشی ملے۔ خدا ہم سب کو مذہبِ حقہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

والسلام

سیّد حسن ظفر نقوی

03 اکتوبر 2007ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخِ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخِ انسانیت میں جن شخصیتوں کے منفرد و ممتاز اور اعلیٰ و پاکیزہ کردار کا تذکرہ اپنی رُوحانی آب و تاب کے ساتھ دلوں میں روشنی اور ذہنوں میں تازگی بکھیرتا ہے، اُن میں ایک معتبر ترین نام شیرِ خدا کی شیر دل بیٹی حضرت زینبؑ بنتِ علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے جنھوں نے دامانِ امامت و آغوشِ عصمت میں آنکھ کھولی۔ دبستانِ عظمت میں علم و معرفت کی متاعِ فکر و عمل پائی اور دینِ خداوندی و شریعتِ محمدیؐ کی بقا و دوام کو یقینی بنانے میں علویؑ شجاعت و فاطمیؑ شہامت کے ایسے درخشندہ و تابندہ اور پائندہ مظاہرے دکھائے جو رہتی دُنیا تک آنے والی نسلوں اور عاشقانِ حق و حقیقت اور رہروانِ راہِ صداقت کیلئے مشعلِ راہ و چراغِ منزل ہیں۔

وہ بی بی جس کی رگوں میں علیؑ و فاطمہؑ کے لہو کی گرمی ہو، جس کی آنکھوں میں رسالت کا نور، کانوں میں امامت کی صدا اور زبان پر ذکرِ خدا ہو، یقیناً ایسے باپ کی زینت، ماں کی عزت اور دین کی دولت ہی کہا جائے گا۔ جس کی زندگی کے پاکیزہ سفر کا پہلا مرحلہ مودّت کی عظمتوں اور بندگیٔ پروردگار کی رفعتوں کا امین ہو، وہ یقیناً عصمتِ صغریٰ کی مقدس صفت کی حامل اور عالمۂ غیرِ معلّمہ ہونے کے خدائی اعزاز کی حقدار و پاسدار ہوگی۔

اس ہستی کی حیاتِ طیبہ کے فرازوں کی تصویر کشی محال و ناممکن نہ سہی مگر آسان و معمولی اور ہر کس و ناکس کا کام بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مقصد کیلئے باطنی و رُوحانی پاکیزگی، فکری و اعتقادی پختگی، علمی و ادبی بلندی اور ان سب سے بڑھ کر یا ان سب سے پہلے اور ان کے ساتھ ساتھ خدائی توفیق کی نعمت سے بہرہ مندی بنیادی و اصولی شرط اور لازمی و ناقابلِ انکار رکن و اساس ہے۔ جن خوش نصیبوں کو یہ سب نعمتیں حاصل ہوئیں اور انہوں نے ان نعمتوں کی قدر دانی و عملی شکر گزاری کی توفیق بھی پائی، ان میں ایک نام بلکہ مقبولِ بارگاہ نام جنابِ مستطاب، دانش مندِ گرامی قدر سیّد محمد حسین زیدی نور اللہ مرقدہٗ کا ہے جنھوں نے پوری زندگی خدمتِ دین و نشرِ معارفِ آئمہ معصومین علیہم السلام کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ ان کی متعدد علمی کاوشوں اور تحریری آثار میں نمایاں بلکہ نہایت آشکار و شاہکار وہ عظیم و ضخیم کتاب ہے جس کا کعبۂ بحث اور قبلۂ موضوع علیؑ کی بیٹی یعنی حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔

زیدی صاحب مرحوم نے اس سلسلہ میں جس غیر معمولی انہماک و التفات اور ہمت و استقامت سے کام لیا، اس کا ثبوت کسی بیان و وضاحت کا محتاج نہیں بلکہ کتاب کا ہر قاری زبانی و عملی طور پر اس کا معترف نظر آتا ہے۔ یہ کتاب تالیف و ترجمہ اور تحقیق و حواشی کے حسین امتزاج کا خوبصورت نمونہ ہے اور تاریخ کے پس منظر و پیش منظر نامہ کی صورت میں گفتہ و ناگفتہ حقائق کا ایسا منفرد مجموعہ ہے جس کی روشنی راہِ حق کے ہر راہی کو نشانِ منزل دکھاتی ہے اور تاریخ کے بھولے بھٹکے مسافر کو اس کی مطلوبہ راہ پر لا کھڑا کرتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ زیدی صاحب کی یہ مخلصانہ کوشش اور مؤمنانہ کاوش جنابِ سیّدہؑ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے گی اور ان کیلئے بہترین زادِ راہ قرار پائے گی۔ مرحوم زیدی صاحب کے فرزندانِ نیک نام اس عقیدتی و عبادتی عمل کو باقی اور جاری و ساری رکھنے میں لائقِ تحسین اور ہماری دُعاؤں کے حقدار ہیں۔ خداوندِ عالم ''علیؑ کی بیٹیؑ'' کے صدقہ میں ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے، آمین۔

العبد

حسن رضا غدیری

21.08.20007

لندن۔

آہ! سید محمد حسین زیدی!

سید محمد حسین زیدی جو بلاشبہ ملتِ جعفریہ کا گرانقدر سرمایہ تھے، شب نیمہ شعبان (12 نومبر 2000ء) 12 بجکر 40 منٹ پر رات کو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت کر گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ)۔ مرحوم جون 1923ء میں ایک خالص مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت کے مراحل مکمل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے اور 1983ء میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے سے محکمہ انہار سے ریٹائر ہوئے۔ انہیں اُردو، انگریزی اور فارسی زبانوں پر گہری دسترس حاصل تھی اور اسلامی تاریخ پر اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اُردو اور انگریزی تحریر میں بھی اُنہیں کمال حاصل تھا اور وہ ایک فصیح البیان مقرر بھی تھے۔ انہوں نے متعدد کتب کا فارسی سے اُردو اور انگریزی میں ترجمہ کیا جن میں زندگانیِ امام حسین علیہ السلام اور زندگانیِ حضرت زینب سلام اللہ علیہا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آخر الذکر کتاب ''علیؑ کی بیٹیؑ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے جس کا دُوسرا ایڈیشن اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اُردو زبان میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بارے میں اس سے بہتر کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ مصباح القرآن کی طرف سے شائع شدہ اکثر کتب کی اصلاح بھی انہی کے قلم سے ہوئی ہے اور آیت اللہ جعفر سبحانی کی تفسیر موضوعی ''منشور جاوید قرآن'' کی دو جلدوں کا ترجمہ بھی انہوں نے ہی کیا ہے۔

چونکہ مرحوم عام معنی میں عالم یا مولانا کے طور پر معروف نہ تھے، لہٰذا عوامی سطح پر ان کی شخصیت کو شہرت نہ مل سکی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ علمی لحاظ سے اُن کی شخصیت ایسی تھی کہ بہت سے جانے پہچانے علماء بھی ان کے سامنے کوتاہ قد دکھائی دیتے تھے۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار، متواضع، مخلص اور صاحبِ تقویٰ انسان تھے۔

اُن کی وفات ملت کیلئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور اُن کے اہلِ خانہ، دیگر اقارب اور دوستوں کیلئے ایک بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں جوارِ آئمہ معصومین علیہم السلام میں قیامِ رفیع عطا فرمائے۔ (آمین)۔

فرزندان

اکتوبر 2007ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب

حق و باطل کی کشمکش اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل، اقوامِ نوح و عاد و ثمود کا اپنے اپنے قائدین کے خلاف برسرِ پیکار ہونا، طالوت و جالوت کی جنگ، بنی اسرائیل کی موسیٰ و ہارونؑ سے مسلسل مخالفت، نمرود و ابراہیمؑ کے واقعات، حضرت یوسفؑ سے برادرانِ یوسف کا حسد، حضراتِ عیسیٰ و زکریاؑ و یحییٰؑ پر بنی اسرائیل کے مظالم، وغیرہ سب حق و باطل کی طویل کشمکش کے مظہر ہیں۔ یہ تمام واقعات جہاں استقلالِ حق کو ثابت کرتے ہیں وہیں باطل کے رنگ بدل بدل کر حق کے خلاف نبردآزما ہونے میں باطل کی فطرت کے مظہر بھی ہیں۔ یہ کشمکش فرمانِ خداوندی ''جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا'' کے عملی نفاذ تک جاری رہے گی۔

حق و باطل کی اس طویل جنگ میں اُن واقعات کا ذکر بھی ناگزیر ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسلمان حکومتوں میں پیش آتے رہے اور جن کا نتیجۂ صریح بلکہ منطقی نتیجہ (Corollary) واقعۂ کربلا کی صورت میں صفحاتِ تاریخ پر ابھرا۔ یہ واقعہ دنیا میں تاریخِ انسانیت کے واقعات کے درمیان نہایت جلی الفاظ میں نظر آتا ہے اور اس کے متعلق دنیا کی مختلف زبانوں میں اور مختلف اوقات میں بہت کچھ معرضِ تحریر میں آچکا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمان حکومتوں کے اربابِ اختیار نے اپنے اختیار کا ہر طریقہ استعمال کرتے ہوئے اس عظیم و حیرت انگیز واقعہ کو اپنے اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنے کی ہر زمانہ میں کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود اس واقعہ کے بنیادی کردار اتنے عظیم ہیں کہ ان کا ذکر کسی طرح لوحِ تخیل سے نہ مٹایا جاسکا ہے اور نہ ہی کسی طرح اسے فراموش کرنا ممکن ہوا ہے، اس لئے کہ عالمِ انسانیت کے عقلمند ترین انسانوں نے ان کے وجود کو بنی نوعِ انسان کے لئے ایک متاعِ بے بہا کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

ہم اس سلسلہ میں اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جنابِ ثانیٔ زہراؑ، حضرت زینبؑ کبریٰ، امیر المومنین

حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی، عقیلۃ القریش، عالمۂ غیرِ معلّمہ، شریکۃ الحسینؑ، انقلابِ کربلا کی روحِ رواں، سیدؑ الشہداء کے مشن کی سرچشمۂ تکمیل، کی حیاتِ اقدس کے حالات کو سپردِ قلم کرنے کی جسارت کر رہے ہیں کہ بہت ممکن ہے یہ سعی ہماری بخشش کا بہانہ بن جائے، ورنہ آپؑ کے مقامِ عالی کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جب زینت دہِ منبرِ سلونی کی نورِ نظر نے دوشِ شتر کے منبر سے خطاب شروع فرمایا تو عرب کے عربی دان حیران و پریشان ہو کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ خود علیؑ خطاب فرما رہے ہیں۔

یہ کہنا عین مطابقِ واقعہ ہوگا کہ اسلام نے ہماری مخدومہ ہی کے خانۂ اقدس میں جنم لیا تھا۔ جن لوگوں کے سامنے اسلام کے عالمگیر تخیل کو پیش کیا گیا تھا، وہ ایک آزاد قوم کے آزاد افراد تھے، ایسے آزاد کہ ہر فرد کسی قیمت پر اپنی انفرادیت سے الگ ہونے کو کسی طرح تیار نہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایڈ ورڈ گبن کی کتاب Decline and Fall of Roman Empire سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو ایک غیر جانبدار مؤرخ ہے۔ عرب کی آزاد انفرادیت کے بارے میں یہ مؤرخ اس طرح رقمطراز ہے:

"The slaves of domestic tyranny may vainly exult in their national independence; but the Arab is personally free, and he enjoys in some degree, the benefits of society, without forfeiting the prerogatives of nature". page 216, Vol: V, (Everymen's Library Edition).

''داخلی استبداد کے غلام ممکن ہے اپنی قومی آزادی کے تخیل پر بلاوجہ اتراتے ہوں، لیکن عرب شخصی وانفرادی طور پر بالکل آزاد ہے اور وہ کسی حد تک معاشرہ کے جملہ فوائد سے، کسی قسم کی پاداش کے بغیر، اپنے فطری استحقاق سے بہرہ مند ہونے کا حقدار ہے''۔

یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے اپنے امراء و حکمرانوں کے اختیارات کے استعمال میں ذرا سی بے اعتدالی بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ جہاں کہیں ان کی آزادیٔ خیال سے کوئی بات ٹکراتی، وہ فوراً پوری جماعت سے علیحدگی کا اعلان کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ چنانچہ یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتا ہے:

"If the Arabian princes abuse their power, they are quickly punished by the desertion of their subjects, who had been accustomed to a mild and parental jurisdiction. Their spirit is free, their steps are unconfined,

the desert is open, and the tribes and families are held together by a mutual and voluntary compact....... .

In the more simple state of the Arabs, the nation is free, because each of her sons disdains a base submission to the will of a master. His breast is fortified with the austere virtues of courage, patience and sobriety; the love of independence prompts him to exercise the habits of self-command; and the fear of dishounour guards him from the meaner apprehension of pain, of danger and death. The gravity and firmness of the mind is auspicious in his outward demeanour; his speech is slow, weighty and concise; he is seldom provoked to laughter; his only gesture is that of stroking his beard, the venerable symbol of manhood; and the sense of his own importance teaches him to accost his equals without levity, and his superiors without awe__p.p. 217-218.

''اگر عرب حکمران اپنے اختیار کا غلط استعمال کریں تو رعایا کی علیحدگی کی صورت میں جلد ہی انہیں سزا مل جاتی ہے جو ایک معتدل اور شفیق وحلیم آبائی دائرۂ اختیار کے زیر اثر رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کی روح آزاد، آمدورفت غیر محدود، صحرا کشادہ ومنفصل، جس میں قبائل اور خاندان آپس میں مشترکہ طور پر باہمی رضا کارانہ عہد وپیمان کے ذریعہ منسلک ہوتے ہیں۔

''عربوں کے بارے میں سہل تر زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک آزاد قوم ہے کیونکہ اس قوم کا ہر فرد امیر قوم کی غلامانہ ماتحتی سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا سینہ وقلب شجاعت، صبر اور شکیبائی جیسی عمدہ صفات سے معمور ہوتا ہے، آزادئ خیال کی محبت اس کو ذاتی جرأت پر ابھارتی ہے جس کا وہ فطری طور پر عادی ہوتا ہے، بے حرمتی کا خوف اس کو تکلیف کے کم مایہ احساس، دیگر خطرات اور موت کے ڈر سے دور رکھتا ہے۔ اس کے خارجی طور وطریق اس کی ذہنی واخلاقی پختگی ومتانت کے مظہر ہوتے ہیں۔ اس کی گفتگو آہستہ، وزن دار اور مختصر و بامعنی ہوتی ہے۔ وہ قہقہہ لگانے پر کم ہی ترغیب پاتا ہے۔ اس کا واحد اظہارِ جذبات داڑھی پر ہاتھ پھیرنا ہوتا ہے جو ایک باعزت مردانگی کی علامت ہوتی ہے۔ اس کی ذاتی اہمیت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ وہ اپنے برابر والوں کے سامنے کبھی اوچھے پن کا مظاہرہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے سے بڑوں کی طرف سے خوفزدہ ہوتا ہے'' (ص ۲۱۷، ۲۱۸، ج ۵)۔

ایسی آزاد قوم کے سامنے، جس کے افراد کا تصورِ آزادی تمام دنیا سے مختلف تھا، اسلام کو پیش کیا گیا اور یہ اسلام ورسولؐ

اسلام کا عظیم ترین معجزہ ہے کہ آزادی کے اپنے انفرادی تخیل کو صدیوں سے اپنے دلوں میں پالنے والی یہ قوم ایک خدا کی بندگی اور ایک نبی کی اطاعت پر مرتکز ہوگئی، جیسا کہ یہی فاضل مؤرخ رقمطراز ہے:

"It is not the propagation, but the permanancy of his religion, that deserves our wonder: the same pure and perfect impression which he engraved at Mecca and Madina is preserved, after the revolution of twelve centuries, by the Indian, the African and the Turkish proselytes of the Koran....... .

" 'I believe in one God, and Mohammad the apostle of God' is the simple and invariable profession of Islam. The intellectual image of the Deity has never been degraded by any visible idol; the honours of the prophet have never transgressed the measure of human virtue; and his living precepts have restrained the gratitude of his disciples within the bounds of reason and religion....... .

"From the Atlantic to the Gauges the Koran is acknowledged as the fundamental code, not only of theology but of civil and criminal jurisprudence; and the laws of which regulate the actions and the property of mankind are guarded by the infallible and immutable sanction of the will of God. p.p. 290-292 (Vol: V).

''ہماری حیرت اس کے دین کی صرف توسیع ہی کی نہیں بلکہ اس کے استقلال واستحکام کی مستحق ہے؛ وہی پاکیزہ اور مکمل نقش جو اس نے مکہ اور مدینہ کی سرزمینوں پر قائم کیا تھا، بارہ طویل صدیوں کے انقلابات کے بعد آج بھی ہندی، افریقی اور قرآن کے ترکی جدید الایمان افراد کے قلوب پر اُسی طرح مستقل طو. پر قائم ہے......

''میں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں'، اسلام کا بالکل سہل اور مستقل کلمہ ہے۔ معبود کا ذہنی تصور کبھی کسی نظر آنے والے بُت کی موجودگی نے کم نہیں کیا، رسول کی عظمت نے کبھی اقدار انسانیت کی خلاف ورزی نہیں کی اور اس کے زندگی کے اُمور نے اس کے ماننے والوں اور پیروان کے مقامِ شکر کو بھی عقل و دین کی حدود سے باہر نہیں نکلنے دیا......

''بحرِ اوقیانوس سے لے کر گنگا کی وادی تک قرآن کو نہ صرف بنیادی آئین کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ ضروریاتِ دین یا دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلوں کیلئے اور تمام قوانینِ عمل و وراثت کیلئے، قرآن کو ہر حالت میں حکمِ آخر اور غیر متغیر

قانونِ پروردگار تسلیم کیا جاتا ہے''۔(ص:۲۹۰-۲۹۲، ج۵)۔

اسلام کی یہ حیاتِ مستقل نواسۂ رسولؐ خدا سید الشہداء علیہ السلام کی مرہونِ منت ہے کیونکہ وقت کا حاکم تو برملا کہہ رہا تھا کہ بنی ہاشم نے نبوت کا ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ اُن پر نہ کوئی وحی نازل ہوتی تھی، نہ فرشتے آتے تھے۔ نیز یہ کہ کاش کشتگانِ بدرو اُحد آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بنی ہاشم سے ان کا بدلہ لے لیا۔

لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، بلکہ دنیا کا ہر ذی شعور انسان کربلا کے خونین واقعات کا مطالعہ کر کے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حسینؑ مظلوم کے اس عظیم کارنامہ میں ثانیٔ زہرا برابر کی شریک ہیں۔ جس طرح بھائی بقائے اسلام کا ذمہ دار ہے، جس طرح بھائی کے خونِ ناحق کی لہروں نے باطل کی حشر سامانیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا کر رکھ دیا، اسی طرح بہن کے کردار و مظلومیت نے حسینیت کو حیاتِ دوام دے کر دم لیا۔ پس جس طرح اسلام حسینؑ سے زندہ ہے، اسی طرح حسینیت زینبؑ سے زندہ ہے۔ ناممکن ہے کہ حسینؑ کا ذکر ہو اور اس کے ساتھ زینبؑ کا ذکر نہ ہو۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس طرح اسلام کیلئے ذکرِ حسینؑ ناگزیر ہے، اسی طرح تذکرۂ زینبؑ کے بغیر تصورِ اسلام میں رنگ بھرنا ممکن نہیں۔ اسی لئے آج دنیا یہ کہنے پر مجبور ہے:

سلام عصمتِ زہراؑ کی ورثہ دار سلام — سلام جرأتِ حیدرؑ کی یادگار سلام
سلام سبطِ نبیؐ کی شریکِ کار سلام — سلام مملکتِ غم کی تاجدار سلام

وقارِ مریمؑ و حوّا سلام ہو تجھ پر
سلام ثانیٔ زہرؑا ہو تجھ پر

گواہ ہے تری ہمت پہ کربلا کی زمیں — امامِ وقت کو کی تو نے صبر کی تلقین
بجھا کے شمعِ تمنا جلا کے شمعِ یقیں — لٹا کے اپنی کمائی بچا کے دولتِ دیں

سکون و صبر کی اک کائنات لے کے چلی
اجل کی گود سے نکلی حیات لے کے چلی

نفس نفس میں مقاصد کی عظمتوں کا خیال — قدم قدم پہ بھتیجے کی زندگی کا سوال
کھلے جو بال تو بکھرا حسینیت کا جمال — ردا چھنی تو بڑھا عصمتوں کا اور جلال

نقیبِ فتحِ شہِ مشرقین بن کے اُٹھی
نہ تھے حسینؑ تو زینبؑ حسینؑ بن کے اُٹھی

اپنی مخدومہ کی تاریخِ حیات کوکسی قسم کے مناظرہ یا اختلافِ فکر میں ملوث کرنا اس عظیم ہستی کی توہین ہوگی، تاہم اُن حالات کو بلاکم وکاست اور بلاتبصرہ بیان کرنا ایک اخلاقی مجبوری ہے جو وصالِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف پچاس برس بعد، جو تاریخی اعتبار سے چند لمحوں سے زیادہ عرصہ نہیں بنتا، رسولؐ اکرم کی پیاری بیٹی کی اولاد پر اس قدر سنگین وگراں گزر گئے کہ اس کے بیٹوں کو بیدردی سے تیر وشمشیر کا تختۂ مشق بنا کر اُن کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے اور اس کی بیٹیوں کی اسیری ودربدری کے باعث بنے۔ یہ سب کچھ کرنے والے اُسی رسولؐ اعظم کا کلمہ پڑھنے والے تھے، جو حافظِ قرآن بھی تھے، نمازگزار بھی تھے، کہہ رہے تھے کہ حسینؑ کو جلدی قتل کرو مبادا کہ نمازِ عصر قضا ہوجائے۔ اسی کو معین الدینؒ چشتی نے اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کیا ہے:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبیؐ را بہ کیں کشند	دعوائے دیں کنندوخداوندِ دیں کشند
قرآں کنند حفظ و طٰہٰ کشند بہ تیغ	یٰسین کنند حرز و امامِ مبیں کشند

لہٰذا واقعات سے نتائج کا اخذ کرنا قاریانِ کرام کا کام ہے، ہمارا مقصد تو صرف اُس عظیم الشان کردار کو سامنے لانا ہے جس کی وجہ سے آج بھی حسینیت زندہ ہے، انسانیت زندہ ہے، شرافت زندہ ہے، خدا اور رسولؐ کا نام زندہ ہے، حتیٰ کہ اسلام زندہ ہے۔

ہمارا ہدف کربلا کی ہمہ گیر وبے مثال المیہ کے اس انتہائی اندوہناک حصہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق مولائے کائنات حضرت علیؑ کی نورِ نظر اور سیدۃ النساء العالمین جنابِ زہراؑ کی لختِ جگر سے ہے۔ ہمیں اُس بے سروسامانی سے متعلق حقائق کو بے نقاب کرنا ہوگا جن کے باعث ثانیٔ زہراؑ کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق اور پھر دمشق سے مدینہ تک کی دربدری کی قائد نظر آتی ہیں۔ ہمیں اُن حالات کا تجزیہ کرنا ہوگا جن نے بنی امیہ کے لئے، جو بدترین دشمنانِ رسولِؐ اسلام تھے، حکومتِ اسلام کے تمام راستے ہموار ہوتے گئے، یہ لوگ فتحِ مکہ میں غلامی سے آزاد ہوکر اتنی طاقت وقوت پکڑ گئے کہ ان کے گستاخ ہاتھ اولادِ رسولؐ ہاشمی کی گردنوں تک بڑھ آئے۔

ہم ایک بار پھر اپنے قارئین کی توجہ اُسی متعصب مؤرخ ایڈورڈ گبن کی طرف مبذول کرواتے ہیں جس کی تحریر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نبیؐ کے پیاروں پر جو مظالم روا رکھے گئے، عیسائی ودیگر غیر مسلم دنیا بھی اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"The persecutors of Mohammad usurped the inheritances of his children; and the champions of idolatory became the supreme heads of his religion and empire. The opposition of Abu Sophian had been fierce and obstinate; his converson was tardy and reluctant; his new faith was fortified by necessity and interest; he served, he fought, perhaps he believed; and the sins of the time of ignorance were expiated by the recent merits of the family of Ommiyah. Moawiyah, the son of Abu Sophian, and of the cruel Hinda, was dignified in his early youth with the office or title of secretary of the prophet; the judgement of Omar intrusted him with the government of Syria; and he administered that important province above forty years, either in a subordinate or supreme rank". (Decline & Fall of Roman Empire, by Edward Gibbon, page 285, Vol: V, Everyman's Library Edition).

''(حضرت) محمدؐ پر ظلم کرنے والوں نے ان کی اولاد کی وراثت کو غصب کر لیا، اور بت پرستی کے ماہرین ان کے دین اور سلطنت کے سربراہ بن بیٹھے۔ ابوسفیان کی مخالفت ظالمانہ اور متردد واقع ہوئی تھی۔ اس کا قبولِ اسلام بہ تعویق اور بہ اکراہ تھا، اس کا نیا دین اس کی ضرورت اور طمع کی پیداوار تھا۔ اس نے جنگیں کیں، خدمتِ خلق بھی کی، شاید ایمان بھی لایا اور اس کے خیال میں بنی امیہ کی تازہ اقتدار نے اس کے جاہلیت کے گناہوں کا کفارہ بھی کر دیا ہو۔ ابوسفیان اور ظالم و بے رحم ہندہ کے بیٹے امیر معاویہ نے اپنے عنفوانِ شباب میں کاتبِ وحی ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا، حضرت عمرؓ کے عدل نے اسے شام کی حکومت کے لئے بھی اعتماد میں لیا، اس نے شام کے اہم صوبہ پر چالیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ حکمرانی کی جس میں ماتحتی اور سرداری دونوں کیفیات شامل تھیں۔''

ملاحظہ فرمایئے! اس مستشرق مؤرخ کا تخیل، جس کی بنیاد اسلام کے مختلف فرقوں کے باہمی تعصب پر نہیں بلکہ قطعاً غیر جانبدارانہ احساس پر ہوسکتی ہے، کس قدر حقیقت کے قریب ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو فطرت کے عین مطابق ہوگا کہ ابوسفیان اور ہندہ نے جب دیکھا ہوگا کہ دنیوی اقتدار بنی ہاشم سے ہٹ کر دیگر قبائل کے افراد میں منتقل ہوسکتا ہے، بلکہ ہوگیا ہے تو یقیناً ابوسفیان نے بھی حصولِ اقتدار کا خواب ضرور دیکھا ہوگا اور اس کی اولاد وافرادِ قبیلہ نے عرب کی وحشت ناک اور کینہ پرور طینت کے زیر اثر بنی ہاشم سے بدر و اُحد کے کشتگان کے انتقام لینے کے لئے کیا کیا ارمان نہ کئے ہوں گے! ہم اس سلسلہ میں جنس

امیر علی مرحوم کی مشہورِ زمانہ کتاب "Spirit of Islam" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ فاضل مؤلف حضرت امام حسن علیہ السلام کی امیر معاویہ کے ساتھ صلح اور خلافت سے عارضی دستبرداری کے بعد رقم طراز ہے:

"But the Ommeyyade's animosity pursued him even there(in Madina), and before many months were over he (Imam Hasan A.H.)was poisoned to death. The star of Hind's son was now in the ascendance, and Abu Sufian's ambition to become the king of Mecca was fulfilled on a grander scale by Mu'awiyah. Thus was the son of two most implacable foes of the Prophet, by the strangest freak of the fortune recorded in history, seated on the throne of the Caliphs. Lest it be considered our estimate of Mu'awiyah's character is actuated by prejudice, we give the words of a historian who cannot be accused of bias in favour of either side. 'Astute, unscrupulous, and pitiless, says Osborn, 'the first Khalifa of the Ommayas shrank from no crime necessary to secure his position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable opponent. The grandson of the Prophet he caused to be poisoned; Malek-al-Ashtar, the heroic lieutenant of Ali was destroyed in a like way. To secure the succession of his son Yazid, Mu'wiyah hesitated not to break the word he had pledged to Husain, the surviving son of Ali. And yet this cool, calculating, thoroughly atheistic Arab ruled over the regions of Islam, and the sceptre remained among his descendants for the space of nearly one hundred and twenty years. The explanation of this anomaly is to be found in two circumstances, to which I have more than once averted. The one is, that the truly devout and earnest Mohammadan conceived that he manifested his religion most effectually by withdrawing himself from the affairs of the world. The other is the tribal spirit of Arabs.'

"(Spirit of Islam, page-299).

''لیکن بنی امیہ کے عناد نے وہاں (مدینہ میں) بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور چند ماہ کے بعد ہی انہیں (امام حسنؑ کو) زہر سے شہید کر دیا گیا۔ ہند کے بیٹے کا ستارۂ اقبال اب عروج پر تھا اور ابوسفیان کی مکہ پر حکمرانی کی امنگ اب امیر معاویہ کے ذریعہ

بلند تر پیمانہ پر پوری ہوگئی۔ اس طرح رسولؐ اسلام کے دو بدترین وسنگین ترین دشمنوں کا بیٹا، تقدیر کی عجیب ترین ستم ظریفی کے ذریعہ، جس کا کوئی اور نمونہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تختِ خلافت پر متمکن ہوگیا۔ مبادا کہ امیر معاویہ کے کردار کے بارے میں ہمیں کسی تعصب کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے، ہم ایک ایسے مؤرخ کے الفاظ پیش کیے دیتے ہیں جس کو طرفین میں کسی کے خلاف کسی طرح کے تعصب کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔

مؤرخ Osborn لکھتا ہے: "بنی امیہ کا عیار و بے باک و بے رحم پہلا خلیفہ اپنی حکومت کو پختہ و مضبوط کرنے کی خاطر کسی قسم کے جرم کرنے میں کوئی کمزوری نہ دکھاتا تھا۔ اپنے کسی خوفناک دشمن کو راستہ سے ہٹانے کے لئے دشمن کو قتل کروادینا اس کا قطعی معمول تھا۔ نواسۂ رسولؐ کو اس نے زہر سے شہید کروایا؛ مالکؓ اشتر کو جو حضرت علی علیہ السلام کے دستِ راست کی حیثیت رکھتے تھے، اسی طرح راستہ سے ہٹایا گیا۔ اپنے بیٹے یزید (لع) کی جانشینی کی خاطر امیر معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو توڑ ڈالنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی، جواب حضرت علی علیہ السلام کے وارث صاحبزادے تھے۔ اس کے باوجود اس سنگدل اور خودغرض اور مکمل طور پر ملحد عرب نے بلادِ اسلامیہ پر مطلق طور پر حکمرانی کی اور اس کے جانشین تقریباً ایک سو بیس سال تک اقتدار پر ہر طرح قابض رہے۔ اس بے قاعدگی کی وجوہات دو باتوں میں پائی جاتی ہیں جن کی طرف میں ایک سے زیادہ مرتبہ اشارہ کرچکا ہوں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ایک سچا و پاکباز مسلمان یہ عقیدہ رکھنے لگا تھا کہ اس کا دین صحیح معنی میں دینوی منقلبات سے واضح طور پر الگ رہنے میں ہی مضمر ہے جبکہ دوسری کیفیت کا تعلق عربوں کی قبائلی ذہنیت سے ہے......"۔ (سپرٹ آف اسلام، ص ۲۹۹)۔

یہی مؤرخ ودانشور آگے چل کر لکھتے ہیں:

"With the rise of Mu'awiyah the oligarchical rule of the heathen times displaced the democratic rule of Islam. Paganism, with all its attendant depravity, revived, and vice and immorality followed everywhere in the wake of Ommeyyade governers and the Syrian soldiery. Hijaz and Irak groaned under the usurper's rule; but his hold on the throat of Islam was too strong to be shaken off with impunity. The wealth which he pitilessly extracted from his subjects, he lavished on his mercinaries, who in return helped him to repress all murmurings. Before his death, he convened the chief officers of his army and made them take the oath of fealty to his

son Yazid, whom he had designated as his successor to the throne. This was Yazid's title to Caliphate! On Mu'awiyah's death, the Domitian of the house of Ommeyya ascended the throne founded by his father on fraud and treachery. As cruel and treacherous as Mu'awiyah, he did not, like his father, possess the capacity to clothe his cruelties in the guise of policy. His depraved nature knew no pity or justice. He killed and tortured for the pleasure he derived from human suffering. Addicted to the grossest of vices, his boon companions were the most abandoned of both sexes. Such was the Caliph____the Commander of the Faithful"____ p.p. 299-300.

''امیر معاویہ کے اقتدار حاصل کر لینے سے زمانۂ جاہلیت کے اقتدار امراء کے رواج نے ایک بار پھر اسلام کے جمہوری طرزِ حکومت کی جگہ لے لی۔ کفر نے فسق و فجور کی قوت کے ساتھ دوبارہ زندگی پالی۔ علیٰ ہذا القیاس بنی امیہ کے عاملوں اور فوج نے ہر طرح کے عیوب اور بداخلاقیوں کی جگہ پالی۔ حجاز اور عراق غاصب حکمران کے تحت نالہ و فریاد کرنے لگے۔ لیکن اسلام کی گردن پر اس کا شکنجہ اس قدر شدید تھا کہ کسی قسم کا خوف اس پر غالب نہ آ سکتا تھا۔ وہ اپنی رعایا سے نہایت بے رحمی سے دولت وصول کر کے اپنے خودغرض خوشامدیوں پر لٹاتا تا جو اس کے عوض ہر قسم کی احتجاجی آواز کو دبانے میں اس کے معاون تھے۔ اپنی موت سے پہلے اس نے اپنے سالارانِ فوج کو جمع کیا اور ان سے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جسے اُس نے تختِ خلافت کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس عمل کو آپ یزید کے لئے حقِ خلافت تصور کریں۔ لہٰذا امیر معاویہ کی موت پر بنی امیہ کا یہ عیاش شہزادہ اس تخت پر متمکن ہوا جسے اس کے باپ نے غاصبانہ عیاری اور بغاوت سے حاصل کیا تھا۔ اگرچہ وہ غداری اور ظلم میں امیر معاویہ کے بالکل ہم پلہ تھا، تاہم اپنے باپ کی اس قوت کا مالک نہ تھا جس سے وہ اپنے مظالم کو حکمتِ عملی کے پردہ میں چھپا لیتا تھا۔ وہ انسانوں کو اذیت دینے کی مسرت سے صرف لطف اندوز ہونے کی خاطر لوگوں کو قتل کرتا اور دکھ پہنچاتا تھا۔ بدترین قسم کے عیوب کا عادی ہوتے ہوئے دونوں اصناف، مرد و عورت، کے بدقماش انسان اس کے ساتھی تھے۔ یہ خلیفہ اس نوعیت کا 'امیر المؤمنین' تھا۔''

یزید بن امیر معاویہ اور خود امیر معاویہ کی اس کردار نگاری کی تشریح کے بعد یہی دانشور امام حسین علیہ السلام کے کردار کو جن الفاظ میں پیش کرتا ہے، اس سے ہر ذی شعور قاری اندازہ لگا سکتا ہے کہ حسینؑ جیسے عظیم کردار کا مالک یزید جیسے بدکردار شخص

کی بیعت کس طرح کر سکتا تھا۔ اسی لئے جب عاملِ مدینہ نے آپؑ کو بیعتِ یزید (لع) کے لئے طلب کیا تو آپؑ نے یہ کہہ کر اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا کہ مجھ جیسا آدمی یزید جیسے شخص کی بیعت کیسے کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس مسلمہ حقیقت کا کسی طرح انکار نہیں کر سکتی کہ یزید ہر لحاظ سے نقوشِ اسلام کو مسخ کرنے پر تلا ہوا تھا، جس کی تفصیل اسی کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گی۔

جسٹس امیر علی آگے لکھتے ہیں:

"Husain, the second son of Ali, had inherited his father's chivalric nature and virtues.......

He united in his person the right of descent from Ali, with the holy character of grandson of the Apostle. In the terms of peace signed between Mu'awiyah and Hasan, his right to the caliphate had been expressly reserved. Husain had never deigned to acknowledge the title of the tyrant of Damascus, whose vices he despised, and whose character he regarded with abhorrence___p.300 ibid.

''حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے امام حسین علیہ السلام کو اپنے پدرِ بزرگوار کی شجاعت اور حسنِ سیرت ورثہ میں ملی تھیں......وہ اپنے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کی وراثت کے حقدار تھے اور رسولؐ اکرم کے نواسہ کے طور پر حقیقی پاکیزہ کردار کے مالک تھے۔ امیر معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق ان کا حقِ خلافت واضح طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے دمشق کے غاصب فرمانروا کی خلافت کو تسلیم کرنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا جس کے عیوب سے آپ کو نفرت تھی اور جس کے کردار کو وہ حقارت ونفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔''

مندرجہ بالا تشریح ہر ذی شعور انسان کے لئے حسینؑ و یزید کے کردار کے موازنہ میں معاون ثابت ہوگی۔ تاریخِ انسانیت کے ان دونوں کرداروں کا موازنہ شاعرِ مشرق نے بھی کیا ہے۔ وہ اپنی مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں لکھتے ہیں:

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم　　　ز آتشِ او شعلہ ھا اندوختیم

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید　　　ایں دو طاقت از حیات آمد پدید

علیٰ ہذا القیاس 'اسرارِ خودی' میں امام حسینؑ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر کہتے ہیں:

درنوائے زندگی سوز از حسینؑ　　　اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ

ایک طرف امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ گرامی اسلام کو پیش آنے والے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہے، دوسری طرف دمشق کا ناز پروردہ غاصب و جابر خلیفہ علی الاعلان شریعتِ اسلام کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شاعرِ مشرق اسی لئے کہتے ہیں:

چون خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حریت را زھر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیرا لامم — چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ھا کارید ورفت
بھرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

کربلا کی تاریخ کا ہر ورق گواہ ہے کہ کربلا میں نہ صرف یہ کہ نواسۂ رسولؐ نے قربان گاہِ ایمان پر اپنا خون نذر کر کے دین کو بچا لیا، اسلام کو حیاتِ جاوید دے دی، بلکہ اپنے ہمراہ ایسے انسانوں کا انتخاب کیا جو ہر صورت اور ہر حالت میں اپنے قائد کے ہم نوا اور ایسے پیرو کار ثابت ہوئے جنہوں نے ہر کیفیت میں اپنے عظیم قائد کے مشن کی خاطر اپنی جانیں اسی قربان گاہ کی نظر کر دیں، جنہوں نے اپنے معصوم قائد کے اپنی بیعت کو ان پر سے اٹھا لینے کے باوجود کربلا کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ مرزا غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے:

عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا مت پوچھ — عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے تمام ہمراہیوں کو، مرد ہوں یا خواتین، بچے ہوں یا بوڑھے، عربی النسل ہوں یا عجمی، اپنے اپنے مقام پر حسین بنا دیا تھا اور بنی نوعِ انسان کے لئے ایک کلیہ پیش کر دیا کہ کردار سازی کا انحصار صرف اور صرف رہبر کے اپنے کردار پر ہوا کرتا ہے۔ انہی انصارانِ سید الشہداءؑ میں ہماری مخدومہ جنابِ ثانیٔ زہراؑ بھی ہیں جو آپؑ کی تمام ذمہ داریوں میں برابر کی شریک ہیں۔ پیام شاہجہان پوری نے ہماری مخدومہ کے بارے میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

یزیدیت کو پنپنے نہیں دیا تو نے — قدم قدم پہ بنا دی ہے کربلا تو نے

بہر حال کربلا کے واقعہ میں، جو بعد وفاتِ رسولِ اکرمؐ پیدا ہونے والے بعض واقعات کا فطری و منطقی نتیجہ ہے، ثانیٔ زہراؑ کے مقامِ بلند پر روشنی ڈالنے کے لئے اُن حالات کا جائزہ لینا ہوگا جو اس خونریزی بلکہ قتلِ عام کا باعث بنے۔ ہم اس سلسلہ میں چند جملے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے پیش کرتے ہیں جو ترجمۂ ''نہج البلاغہ''، حصہ دوم، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور کے مقدمہ کی ابتداء کرتے ہیں۔ مولانا مذکور اس طرح رقم طراز ہیں:

''امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔مگر قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندانِ رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی، اور وہ اس سے کھیل نہ سکیں گے۔ اسی لئے قریش خلافت کو اہلِ بیتؑ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔

''دورِ جاہلیت میں بنی امیہ نے قریش کی قیادت کی تھی۔ اب اسلام میں بھی سرداری چاہتے تھے۔ پہلے دو خلفاء کے زمانہ میں ابھر نہ سکے۔مگر تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ ہی سے تھے۔اب امویوں کو اپنی سلطنت قائم کر لینے کا موقعہ ملا اور انہوں نے طے کر لیا کہ حکومت ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔

''خلافت کا معاملہ اب تک اسی طرح طے ہوا کرتا تھا کہ مدینہ کے اکابر مہاجرین وانصار کسی شخص پر اتفاق کر لیتے تھے اور اُسی کو خلیفہ مان لیا جاتا تھا۔مگر یہ دستور بنی اُمیہ کے مفیدِ مطلب نہ تھا کیونکہ حضرت عثمانؓ کے بعد تین ہی سربرآوردہ مہاجر باقی رہتے تھے، علیؑ، طلحہؓ اور زبیرؓ۔ پرانے دستور کے مطابق انہی میں سے کوئی خلیفہ ہوتا۔مگر اُن میں سے کوئی بھی اموی نہ تھا۔ یہ صورتِ حال بنی امیہ کو منظور نہیں ہوسکتی تھی۔اُن کے مقاصد کے لئے یہ ضروری تھا کہ پرانا دستور ٹوٹ جائے، انتشار پیدا ہو اور خلافت کا فیصلہ تلوار کے سپرد ہو جائے۔ اُمویوں کو انتشار اور خانہ جنگی میں اپنی کامیابی اس لئے دکھائی دیتی تھی کہ صوبوں کی حکومتیں انہی کے ہاتھوں میں تھیں اور اُن کے لیڈر امیر معاویہ بن ابی سفیان، گورنر شام، بہت طاقتور ہو چکے تھے۔

''ایک طرف یہ اموی سیاست تھی، دوسری طرف اکابر مہاجرین میں طلحہؓ اور زبیرؓ بہت دولتمند ہو گئے تھے اور اقتدار حکومت میں نمایاں شرکت چاہتے تھے۔ یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو عثمانی حکومت کی خرابیاں اچھالنے اور لوگوں کو مخالفت پر ابھارنے لگے۔''

مولانا موصوف کی تمام تحریر کا تجزیہ تو اپنے اپنے مقام پر آتا رہیگا، یہاں تجزیہ پیش کرنا طوالت کا باعث ہوسکتا ہے، تاہم یہ تحریر ایسے حضرات وشخصیات کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے جو اہلِ بیتؑ کے حصولِ اقتدار کے خلاف تھے۔ مولانا نے جس جرأت سے کام لے کر بعض اسماء پیش کیے ہیں، ہم اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک اور بات بھی ہمیں عرض کرنا ہوگی، وہ یہ کہ خلافتِ رسولِ اکرمؐ کے سلسلہ میں مذکورہ اندیشہ جات صرف قریش ہی کے دل میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ انصارِ مدینہ کی جماعت بھی اس اندیشہ میں برابر کی شریک ہے اور حصولِ اقتدار کی کوشش میں اکابرِ انصار کی قریش سے جو بحث ہوئی ہے، اس کو اوراقِ تاریخ سے نہ تو نکالا جاسکتا ہے اور نہ ہی تاریخ کا کوئی طالبِ علم اسے نظر انداز کرسکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ فکر صرف قریش ہی

کو نہ تھی کہ خلافت کو اہلِ بیتِؑ رسولؐ میں جانے سے روکا جائے بلکہ اور لوگ بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ بہر حال جو جماعت بھی کامیاب ہو جاتی اس کا مقصد و ہدف ایک ہی تھا، یعنی حصولِ اقتدار۔ اسی حصولِ اقتدار کی خواہش کا نتیجہ صریح اختلاف کا باعث بنا جو حادثۂ کربلا پر منتج ہوا۔

ہم ہر حال میں مولانا موصوف کی صاف گوئی کے متشکر ہیں۔ ان کے یہ چند جملے اپنے اندر حقائق کا ایک سمندر لئے ہوئے ہیں۔ یہی وہ حالات ہیں جن کے تحت اولادِ رسولِؐ اکرم لقمۂ شمشیرِ ظلم و ستم بنی اور رسولؐ کی بیٹیاں جن میں ثانیٔ زہراؑ سرِ فہرست ہیں، ظلم و دربدری کا شکار بنیں۔

آیئے اب مولانا کے چند جملوں پر غور کرتے ہیں:

''قریش خلافت کو اہلِ بیتؑ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے''۔ یہ اس لئے ہوا کہ ''قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندانِ رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی''۔

ہم اس سلسلہ میں چند سوالات کی جرائت کرتے ہیں:

ا۔ یہ اندیشہ کیوں پیدا ہوا؟

ب۔ یہ اندیشہ کب پیدا ہوا؟

ج۔ اگر یہ اندیشہ رکھنے والے قریش اپنی کوشش میں ناکام رہتے تو کیا ہوتا، اور خلافت اگر ان کے خیال میں' خاندانِ رسالت میں چلی جاتی تو کیا دینِ اسلام کے لئے نقصان دہ صورت پیدا ہو جاتی؟

د۔ کیا اس اندیشہ کے مالکوں کا خیال تھا کہ خاندانِ رسالت کے حصولِ اقتدار سے ان کے مفادات مجروح ہوں گے؛ نیز اُن کے مفادات کی نوعیت کیا خاندانِ رسالت کے لئے نقصان دہ نہ تھی؟

ھ۔ کیا خلافت کو خاندانِ رسالت سے روکنے والے افراد کے افکار و معیارِ فکر خاندانِ رسالت کے افکار سے مختلف نہ تھے؛ اگر مختلف نہ تھے تو اس اندیشہ کی اساس کیا تھی؟

و۔ کیا خاندانِ رسالت کے افکار و اقدامات اندیشہ بین افراد کے لئے مضر ہوتے ہوئے اسلام کے لئے بھی ضرر رساں تھے، یا ہو سکتے تھے؟

ز۔ اگر خاندانِ رسالت کی فکر میں اسلام کی بقا مضمر تھی تو پھر قریش کو یہ اندیشے کیوں پیدا ہوئے؟

ح۔ خاندانِ رسالت کی زندگیاں اسلام کے لئے وقف تھیں۔لہٰذا قریش کے اندیشہ بین حضرات کے اندیشے اصولِ اسلام سے کیسے مطابقت رکھ سکتے تھے؟

ط۔ ان حالات میں اُن قریش کو دینی اعتبار سے کیا سمجھا جائے جو بظاہر جامۂ اسلام میں ملبوس تھے؟

ی۔ قریش نے اپنے اندیشوں کی کامیابی وتکمیل کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے؟

ک۔ کیا ان ذرائع کی کامیابی کے لئے اختیار کردہ طریقِ کار اسلامی فکر کے مطابق تھا؟

ل۔ خاندانِ رسالت کو اقتدار سے دور رکھنے میں کامیابی کے نتائج کیا نکلے؟

م۔ کیا قریش کی یہ کامیابی اُن کے لئے سودمند ہوتے ہوئے خاندانِ رسالت کے استحصال واستیصال کا باعث نہ ہوئی؟

ن۔ رسولِ اکرم کی وفات کے وقت بنی امیہ کی کوئی امتیازی حیثیت باقی نہ تھی، بلکہ فتحِ مکہ میں یہ قبیلہ آزاد کردہ غلاموں کا مقام حاصل کر چکا تھا۔ان حالات میں قریش کے اندیشوں کی کامیابی کیا بنی اُمیہ کی دُنیوی طاقت کی بحالی کا باعث بنتی نظر نہیں آتی؟

س۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا، اُس وقت بنی امیہ کی طاقت واہمیت ختم ہو چکی تھیں۔اُن کا تصورِ سرداری جس کی طرف مولانا نے ایامِ جاہلیت کے حوالہ سے اشارہ فرمایا ہے، خاک میں مل چکا تھا، لیکن اندیشہ بین قریش کی حصولِ خلافت میں کامیابی نے ان کو دوبارہ طاقتور بنا کر ہوسِ اقتدار کو ان کے دماغ میں ایک بار پھر تازہ کر دیا۔اس طرح کیا قریش کا یہ طرزِ عمل اور طریقِ کار سنتِ رسولؐ سے متصادم نہ ہوا؟

ع۔ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کی طاقت کی بحالی انہیں اندیشہ بین حضرات کی کامیابی کی مرہونِ منت ہے۔لہٰذا ان اندیشہ بین قریش کی ناکامی کیا خاندانِ رسالت کے لئے بالخصوص اور اسلام کے لئے بالعموم سودمند نہ ہوتی؟

ف۔ کیا ان اندیشوں اور اندیشہ بین قریش کی ناکامی سے اہلِ بیتِ رسالت غارتگری و در بدری سے نہ بچ جاتے؟

ص۔ بنی امیہ کے برسرِ اقتدار آنے سے اہلِ بیتؑ رسولؐ تباہ و برباد ہوئے۔اس طرح کیا درحقیقت اندیشہ بین اور کامیاب قریش اہلِ بیتؑ اور اسلام کی بربادی کا باعث اور ذمہ دار نہ ہوئے؟

اس تمام بحث اور تجزیہ تاریخ کا منطقی نتیجہ اس حقیقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ تمام افکار و اقدامات اہلِ بیتؑ کی اس تباہی اور کربلا کے خونین حادثہ کے، جس کو جسٹس امیر علی نے Massacre of Karbala (کربلا کا قتلِ عام) کا نام دیا

ہے، کے ذمہ دار ہیں جنھوں نے بنی امیہ کی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کیا۔ لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ اندیشہ بین حضرات کو، وہ قریش ہوں یا کوئی اور، قتلِ حسینؑ اور اسیریٔ زینبؑ کی ذمہ داری سے مبرا قرار دیا جائے؟ تاریخ کی اس حقیقت سے چشم پوشی بہت بڑا ظلم ہوگا کہ وہ لوگ جن کی تمام معاشرتی و جنگی قابلیت رسولِ اکرمؐ نے اپنے ہاتھوں بالکل نیست و نابود کردی تھی، بعض عواقب کے زیرِ اثر، صرف پچاس برس کے قلیل عرصہ میں اسقدر طاقت پکڑ گئے کہ انکے ہاتھ اسی معلمِ اخلاق و انسانیت کی اولاد کی گردنوں تک جا پہنچے، اس پٹے ہوئے گروہ کو اسقدر قوت و غلبہ حاصل ہوگیا کہ یہ لوگ فرشِ خاک سے اٹھ کر نبیؐ کے پیاروں کی لاشوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال کرتے ہوئے تختِ خلافت کی سیڑھوں کو پھلانگتے چلے گئے اور ساتھ ہی لبادۂ دین کو اپنے ناپاک جسم پر تانے رکھنے کے لئے ''امیر المومنین'' کا لقب بھی بلا روک ٹوک اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔

مولانا موصوف کا دُوسرا غور طلب جملہ: ''جاہلیت میں بنی امیہ نے قریش کی قیادت کی تھی۔ اب اسلام میں بھی سرداری چاہتے تھے''۔

ا۔ اسلام میں سرداری کا خواب بنی اُمیہ نے کب سے دیکھنا شروع کیا جبکہ رسولِ اکرمؐ نے ان کی طاقت و دنیوی وجاہت کو خاک میں ملا دیا تھا؟

ب۔ اپنے مکمل استیصال کے بعد بنی امیہ کے ذہنوں میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟

ج۔ کیا اس خیال کی محرک ان کی بنی ہاشم سے روایتی دشمنی نہ تھی جس کا اظہار بعد میں یزید نے بالکل کھلے الفاظ میں کردیا؟

د۔ کیا بنی ہاشم کی خلافت سے علیحدگی ان کی اس ذہنی تحریک کا باعث نہیں ہوئی؟

تیسرا غور طلب جملہ: ''اُمویوں کو انتشار اور خانہ جنگی میں اپنی کامیابی اس لئے دکھائی دیتی تھی کہ صوبوں کی حکومتیں انہی کے ہاتھوں میں تھیں اور اُن کے لیڈر امیر معاویہ بن ابوسفیان، گورنرِ شام بہت طاقتور ہو چکے تھے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

فتح مکہ میں مکمل تباہی کے بعد یہ لیڈر شپ اور طاقت امیر معاویہ کو کیسے مل گئی جبکہ یہ وہ موقع تھا جب فتحِ مکہ میں ابوسفیان کی طاقت کا چراغ بجھ چکا تھا۔ اب اس کی حیثیت، ہماری مخدومہ کی زبان میں، ایک آزاد شدہ غلام سے زیادہ نہ تھی۔ وہ اور اس کی 'جگر خوارہ' بیوی کسی نہ کسی حیثیت سے رسولِ اکرمؐ کی بیعت میں داخل ہوکر اپنے زمانۂ جاہلیت کے وقار کو دفن کر چکے تھے۔ پھر اُن کے نورِ نظر کو یہ قوت کیسے حاصل ہوئی؟ نہ صرف یہ بلکہ یہ طاقت اتنی بڑھی کہ ابوسفیان کا بیٹا ایک

صوبہ کی گورنری سے امیر المؤمنین کے لقب پر قابض ہو گیا۔ اس طاقت اور لیڈری کا سہرا ہرگز صرف حضرت عثمانؓ کے سر پر نہیں بلکہ وہ تمام حالات اور افراد اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے جن کی وجہ اور مدد سے شام کی گورنری کا استمراری پٹہ امیرِ شام کے نام لکھ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیں اور بھی کئی نام ملتے ہیں جو ہر مرحلہ پر حصولِ اقتدار کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ ہمارے اس خیال کا مؤید مولانا موصوف کا اگلا فقرہ ہے:

''دوسری طرف اکابر مہاجرین میں طلحہؓ اور زبیرؓ بہت دولت مند ہو گئے تھے اور اقتدارِ حکومت میں نمایاں شرکت چاہتے تھے''۔

ہم کہتے ہیں وہ ایسا کیوں نہ چاہتے! وہ دیکھ رہے تھے کہ بنی امیہ کا پٹا ہوا قبیلہ تختِ خلافت کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے، بلکہ اس کو اپنے قدموں تلے روندنے کے خواب بھی دیکھ رہا ہے، تو بقول مولانا یہ دونوں تو ''اکابر مہاجرین'' میں سے تھے۔ اگر ان کے قلوب میں عروسِ خلافت سے متمتع ہونے کی آرزو کروٹ لے رہی تھی تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے!

یہ سب امور و حالات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو خلافت سے دور رکھنے سے پیدا ہوئے جن کی شخصیت کو ہر زمانہ اور ہر عقیدہ کے مفکرین نے رہنما تسلیم کیا ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جنکا صریح و واضح نتیجہ کربلا کے قتلِ عام کی صورت میں ظاہر ہوا جس کا بیان مخدومۂ عالم ثانیٔ زہرا جنابِ زینبؑ کبریٰ کی عظیم شخصیت کے شمول کے بغیر پایۂ تکمیل تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ اپنے دعویٰ کی تصدیق کیلئے ہم 'تھامس کارلائل' کا صرف ایک مقولہ پیش کر کے اپنے بیان کو آگے بڑھائیں گے۔ یہ مفکر اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "On Heroes and Heroworship" میں اپنے مقالہ "Hero as a Prophet" میں لکھتا ہے:

"As for this Ali one cannot but like him. A noble-minded creature as he shows himself, now and always afterwards, fiercely daring, something chivalrous in him, brave as a lion, yet with a grace, truth and affection, worthy of a Christian Knight".

''جہاں تک علیؑ کا تعلق ہے، کوئی شخص اس کو پسند کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے آپ کو (دنیا کے سامنے) ایک نہایت ہی

شریف النفس ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے، جو ہمیشہ ہر میدان میں بے انتہا دلیر و شجاع، اپنے کردار میں اولوالعزم، جری و با اخلاق فرد، شیرِ ببر کی طرح بہادر، لیکن بڑے وقار کا حامل، اپنے اندر صداقت و محبت کے مجموعہ کے ساتھ، جو ہر صورت میں ایک عیسائی مردِ میدان سردار کی شایانِ شان ہیں''۔

جہاں تک فکرِ اسلامی کا تعلق ہے، شاعرِ مشرق کا خراجِ عقیدت ملاحظہ فرمائیں، وہ مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں کہتے ہیں:

مرسلِ حق کرد نامش بو تراب	حق یداللہ خواند در اُم الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست	سرِّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست
ہر کہ در آفاق گردد بوترابؑ	باز گرداند ز مغرب آفتاب
از خود آگاہی یداللّٰہی کند	از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ملاحظہ فرمائیں کہ ان صفات کے مالک علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو اگر اس بہانہ سے کہ..... قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندانِ رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی''، خلافت سے دور نہ رکھا جاتا تو کیا اوراقِ تاریخ کربلا کے خونین واقعہ سے رنگین ہو سکتے تھے، جس کو تا قیامت زندہ رکھنے میں ہماری مخدومہ سید الشہداءعلیہ السلام کے ساتھ برابر کی شریک ہیں؟

حادثۂ کربلا میں ہماری مخدومہ کے عظیم کردار نے ثابت کر دیا کہ عظیم علیؑ کی عظیم صاحبزادی کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسی کہ وہ صفحاتِ تاریخ پر نظر آ رہی ہیں اور قیامت تک نظر آتی رہیں گی۔ اسی لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب علیؑ کی بیٹی کی آواز کوفہ کے بازار میں پالانِ شتر سے بلند ہوئی تو وہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے منبرِ سلونی پر علیؑ کو دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے ان کے فرمودات کو سنا تھا، گھبرا کر ایک دم بول اٹھے کہ اتنے عرصہ کے بعد علیؑ کہاں سے آ گئے ہیں!

امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظمتِ کردار کی طرف چند اشارے ضروری تھے، اس لئے کہ انہی بنیادوں پر علیؑ کی اس عظیم نورِ نظر کے کردار کی عظیم الشان عمارت استوار ہوتی نظر آ رہی ہے۔ جس طرح باپ کی پوری حیاتِ پاک میں کردار کے اعتبار سے کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا، بلکہ مزاح میں 'مزاح' کا بہانہ بنا کر علیؑ کے حق میں خلافت کا فیصلہ نہ کرنے والی زبان سے ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ الفاظ نکلتے سنائی دیتے ہیں: ''خداوندا! میری زندگی میں وہ دن طلوع نہ ہو جب میں کسی مشکل میں گرفتار ہوں اور ابوالحسنؑ میرے پاس نہ ہوں''، اسی طرح مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا، کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق، قید ہو یا بازار یا دربار، کسی جگہ علیؑ کی لختِ جگر نے کسی قسم کی کوئی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دی۔ نہ صرف یہ بلکہ استقامت کی اس بلند چٹان، استقلال کے

اس عظیم پیکر کو دیکھ کر دنیا کے سب ذی شعور انسان انسانِ کامل علیؑ جیسے اور رسولؐ اکرم جیسے مصلح اعظم کے کردار کی جھلک دیکھ لیتے ہیں اور عقلِ انسانی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کربلا کا مرقع کس قدر نامکمل و بے رنگ رہ جاتا اگر اس میں سیدالشہداءعلیہ السلام کے ساتھ ثانیِ زہرؑا نظر نہ آتیں۔

ان تمام اشارات کی تشریحات کتابِ ہذا میں اپنے مقام پر آئیں گی۔ ہماری مخدومہ کو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا کہ یہ سیدۂ طاہرؑہ کی نورِ نظر تھیں اور کردارِ سیدؑہ اپنے پورے وجود کے ساتھ آپ کی ہستی میں نظر آرہا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ عظیم شخصیات کے کرداروں کی نمائندگی صحیح طور پر ان کی اولادیں ہی کیا کرتی ہیں۔ اسی لئے اولادِ سیدہ طاہرؑہ کے متعلق شاعرِ مشرق نے ''رموزِ بےخودی'' میں کہا ہے:

سیرتِ فرزندہا از امہات　　　　جوہرِ صدق وصفا از امہات

ہماری اس ناچیز و کمزور کاوش میں قارئین دیکھ لیں گے کہ عالمِ انسانیت کو جس قدر حسینؑ کی ضرورت ہے، زینبؑ کی ضرورت کسی طرح اس سے کم نہیں۔

تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ اتنی عظیم ہستیوں پر بھی ناواقفیت کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ نے جہاں ان عظیم کرداروں کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے وہاں ایسے حالات و واقعات کو بھی جنم دیا ہے جن سے ان کے کردار کے خدوخال سعیٔ مسلسل کے بغیر نظر نہ آسکیں۔ تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے جو ہجرت کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسولِ اکرم کو اختیار کرنا پڑی، اُن کی اولاد کو اُسی طرح ہجرت سے متعدد مقامات پر دوچار ہونا پڑا جس کی انتہا یہ ہے کہ اولادِ رسولؐ کی قبور حجاز وایران وعراق وشام وہندوستان ومصر جیسے دور دراز ملکوں میں بکھر کر رہ گئی ہیں، یہاں تک کہ کئی مواقع میں ان بزرگوں کے مدفن تک کا صحیح تعین کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ خود امیرالمؤمنین علیہ السلام جیسی شخصیت کے مزار کا تعین کرنا بھی مشکل ہوگیا ہے کیونکہ حضرت سے منسوب ایک عظیم الشان مزار افغانستان کے شہر 'مزار شریف' میں خلائقِ عالم کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ثانیٔ زہرؑا کے مزارِ مبارک کے بارے میں بھی اسی قسم کی مشکلات درپیش ہیں۔ آپؑ کا مزار شام میں دمشق کے قریب بتایا جاتا ہے، اسی طرح قاہرہ کے قریب بھی حضرتؑ کا ایک مزار بنا ہوا ہے، نیز مدینہ منورہ میں بھی آپؑ کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

اسی طرح کربلا کے المیہ کے بارے میں بھی، جو اپنے مقام پر احیائے دین کا ذمہ دارترین واقعہ ہے، بہت زیادہ اختلافی واقعات موجود ہیں جن میں صحیح وغلط معلوم کرنے کے لئے قاری کو صرف اپنی درایت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ مؤرخین اپنی

تمام کاوش کے باوجود کسی ایک قاتلِ امام حسین علیہ السلام کا تعین نہیں کر سکتے۔ کئی ملاعین کے نام لئے جاتے ہیں جو یزید کی فوج میں سرداروں کے عہدوں پر تھے۔ پھر اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ کب کربلا سے روانہ ہو کر کوفہ پہنچا، کوفہ میں کب تک ان کا قیام رہا، کب اسیرانِ اولادِ رسولؐ کو دمشق بھیجا گیا، دمشق میں کب تک قیام رہا، کتنے دن بعد انہیں رہائی نصیب ہوئی، کس راستہ سے اور کتنے عرصہ بعد یہ قافلہ مدینہ واپس پہنچا وغیرہ کا تعین کسی طرح ممکن نہیں۔ غرضیکہ دشمنانِ خاندانِ رسولؐ کے برسرِ اقتدار رہنے کی وجہ سے اس عظیم خانوادہ کے تمام حالات زمانہ کی گرد کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں۔

ہم نے جس معظمہ کی حیاتِ پاک کے بیان کرنے کی یہ حقیر سے کوشش کی ہے، وہ تاریخِ انسانیت کی کوئی کمزور یا انجانی شخصیت نہیں ہیں۔ ان کے شوہر، جیسا کہ اس سوانح عمری میں اپنے مقام پر آئیگا، کسی معمولی شخصیت کے مالک نہ تھے۔ ابھی حجاز اور دوسری عرب دنیا میں وہ اشخاص زندہ موجود تھے جنہوں نے دورانِ حیاتِ رسولؐ پاک ان ہستیوں کے ساتھ اللہ کے حبیبؐ کا برتاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کی عظمت کے سلسلہ میں خود ابنِ زیاد ملعون کے لشکر میں کچھ لوگ متذبذب تھے، اُن کے ذہن یہ قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے کہ کوئی حکومت فرزندِ رسولؐ کے قتل اور دخترانِ رسولؐ کو اسیر و در بدر کرنے کی جسارت بھی کر لے گی۔ ایسے لوگوں کی زندگی میں جب یہ تباہ حال قافلہ ثانیٔ زہراؑ کی سربراہی میں مدینہ پہنچا تو مدینہ کے لوگوں کا کیا ردِعمل ہوا ہوگا۔ واقعۂ کربلا کے بعد مدینہ کا لٹنا، خانۂ کعبہ پر آتشباری، مسلم بن عقبہ جیسے سفاک شخص کے مدینہ میں مظالم، اسی ردِعمل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں شریکۃ الحسینؑ اور ان کے افرادِ خاندان کی مدینہ میں صرف موجودگی ہی حکومتِ وقت کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہوگی اور واقعۂ کربلا کے صرف ایک برس بعد تک ہماری مخدومہؑ کی زندگی اور مدینہ میں قیام سے حکمران جماعت کس قدر خوفزدہ ہوگی۔ سوچنا پڑے گا کہ اربابِ اختیار کا یہ خوف کیا رنگ لایا ہوگا اور کیسے حالات پیدا ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کو مدینہ چھوڑنا پڑا ہوگا۔

اس سوانح میں مختصراً ان حالات کا جائزہ لینے کی کمزور و حقیر سی کوشش کی گئی ہے جو اس کیفیت کا باعث بنے جو مقابرِ اہلِ بیتؑ کے مقامات متعین کرنے میں دشواری کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

مقدمۂ کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے مسلک و ہم خیال حضرات کی خدمت میں چند گذارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ثانیٔ زہراؑ کی ہستی کو بہت بڑی اکثریت نے ضرورتِ گریہ سے بڑھ کر نہیں سمجھا۔ آج ایسی عظیم المرتبت ہستی کو جس کی خموشی اور پھر گفتگو نے کاخِ حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا تھا، جس نے کوفہ و شام کے بازاروں

اور درباروں میں حق وصداقت کے پرچم کو دائمی طور پر ایسا بلند کیا کہ بدترین دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جس نے ان تمام ذمہ داریوں کو جو امامِ وقت سے متعلق تھیں، زمانہ کے امام واولی الامر کی علالت کے باعث پورا کر کے شریکۃ الحسینؑ کا لقب حاصل کیا، نہایت بے بس ومجبور شخصیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہی شخصیت ہے جس کی گفتگو نے مقابلہ میں اس وقت کے جابرترین حکمران کو پچھتاوے اور ندامت کے الفاظ کہنے پر مجبور کر دیا، حالانکہ وہ اس وقت بھی جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ تمام واقعات کتابِ ہذا میں اپنی اپنی مناسب جگہ پر ہدیۂ قارئین کئے جائیں گے۔

ہمیں یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کوفہ وشام کے درباروں اور بازاروں میں بہیمیت وبربریت کے مقابلہ میں حق و صداقت کے علم کو بلند رکھنے والی شخصیات ہرگز بے بس ومجبور قرار نہیں دی جاسکتیں، بلکہ ان کا ہر فرد زندگی کے ہر ہر لمحہ اور ہر ہر قدم پر شجاعت واستقامت کی مستقل چٹان نظر آتا ہے۔ جو مخدومہؑ اس قدر ہمت واستقلال وشجاعت وصبر کی مالکہ ہو کہ کربلا کی خونین جنگ کے بعد جلتے ہوئے اور لٹے ہوئے خیام میں سے اسلام کی قیمتی ترین متاع، خاندانِ رسولؐ کی آخری یادگار اپنے مریض بھتیجے کو اپنی ضعیف کمر پر اٹھا کر بچالائی ہو، اس کے بارے میں بے بسی، مجبوری، بے صبری اور بے چارگی کے الفاظ بیان کرنا سوءِ ادبی اور غلط بیانی کی بدترین مثال ہے یا نہیں؟

ہم کوشش کریں گے کہ ضروری مقامات پر مستند روایات کو پیش کریں جن سے قارئینِ کرام کو اخذِ نتائج میں سہولت وآسانی ہو۔ ہم ایسے حالات وواقعات مناسب وموزوں مواقع پر بطور حاشیہ لکھیں گے اور حوالہ ہائے کتب بھی پیش کریں گے۔ تاہم یہ نہایت ہی نحیف اور کمزور کوشش سے زیادہ نہیں اس لئے کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی حقیقت یا تو خود انہی کو معلوم ہے یا پھر ان کے خالق کو اس کا علم ہوسکتا ہے۔ ہم تو اس بیان میں خریدارانِ یوسفؑ میں شامل اس ضعیفہ سے بھی کمزور تر ہیں جو جانتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سُوت کے عوض وہ یوسفؑ کو خرید تو نہیں سکتی، تاہم اسے یہ افتخار ضرور حاصل ہو جائے گا کہ جب تک تاریخ کے صفحات پر یوسفؑ اور خریدارانِ یوسفؑ کا ذکر باقی ہے، اس ضعیفہ کا نام بھی خریدارانِ یوسفؑ کی صف میں سے نہیں نکالا جا سکتا۔ لہٰذا یہ حقیری کوشش اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ شاید ہمارا کوئی جملہ شہنشاہِ ولایت، قسیم النّار والجنّة کی عظیم نورِ نظر کو پسند آجائے اور ہماری نجات کا باعث بن جائے، کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے دروازہ سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔

گر قبول اُفتد زہے عزوشرف

پیش لفظ

مقدمہ

سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا کے نام نامی سے نہ صرف مکتبِ تشیع کے افراد آشنا ہیں بلکہ یہ وہ ہستی ہیں جن کی ذاتِ گرامی سے تاریخ دان طبقہ مکمل طور پر واقف ہے۔ یہ وہ عظیم خاتونؑ ہیں جو عالمِ بشریت کی طویل تاریخ میں بنیادی نقوش کی حامل ہیں۔ آپؑ کا اسمِ گرامی دنیائے اسلام کی تاریخ میں ایسی بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس کو موجدِ اقدارِ تاریخ گردانتے ہوئے عنوان ہائے درخشاں کا مالک قرار دیا جاتا ہے۔ تاریخِ بشریت میں آپؑ نے اہم ترین کردار کی بنیاد رکھی جس سے دامنِ تاریخِ اسلام روشن و مزین ہے۔

کتبِ مقاتل میں آپؑ کا اسمِ گرامی جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ نظر آتا ہے۔ مؤرخین نے آپؑ کو واقعۂ کربلا کی شخصیتِ دوم قرار دیا ہے، اہم ترین حصۂ تاریخ جانا ہے اور تاریخِ انسانیت میں عظیم ترین فریاد گرِ المیۂ کربلا تسلیم کیا ہے۔ شعرائے عالم نے آپؑ کے صبر و تحمل اور علمائے اخلاق نے آپؑ کی عفت و تقویٰ و استقامت کو بے مثال جانا ہے۔ دنیا بھر کے انقلابیوں نے آپؑ کو خونِ ناحق کی تشہیر اور پیغامِ حسینیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ایسی عظیم خاتون تسلیم کیا ہے جو اپنے مقام پر نمونہ ہیں۔ دنیائے شیعیت نے تو بجا طور پر آپؑ کو سید الشہداء علیہ السلام کی فتح و کامرانی، مکتب و اصولِ اسلام کی دفاع کنندہ اور امامتِ حقہ کی ولایت کی مؤسسہ کے طور پر متعارف کروایا ہے۔

جنابِ زینبؑ کا تعارف

جنابِ سرورِ کائنات، پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گراں قدر نواسی، امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام اور جنابِ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دخترِ عقیلہ، امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی خواہرِ شجاع، واقعۂ فاجعۂ کربلا کی یادگار، نمونۂ صبر و استقامت، سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بعد بے نظیر شجاعت و پامردی کی حامل خاتونِ عظیم، زینبؑ عالیہ امام حسینؑ کی عظیم قربانی کی حصہ دار ہیں۔ آپؑ حادثۂ کربلا کی امانت دار، مقصدیت کی جاں نثار اور شہادت وخونِ ناحق کی مبلغ ہیں۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جن کا وجودِ عظیم خدمتِ اسلام کے لئے وقف رہا، دفاعِ دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی دی، شریعت و اصولِ اسلام کی حفاظت میں اپنی جان، اپنے خاندان، اپنے بچوں، اپنی جان اور آبرو تک کسی چیز کی پرواہ

نہ کی۔ آپؑ نے اپنی زندگی میں بے شمار مصائب کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ آپؑ کی حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں ہولناک سانحات اور خوفناک حادثات آپؑ کے سر سے گزرے لیکن سب بے مثال صدمات و بے پناہ مصائب میں آپؑ نے اپنے ہدفِ زندگی کو ہرگز فراموش نہ کیا۔ آپؑ نے اپنے آپ کو اسلام کے لئے ہر فداکاری کا ذمہ دار جانا اور اُمتِ مسلمہ کیلئے مثالی خاتون کا کردار پیش کیا۔

عظمتِ سیدۂ زینبؑ

ہم سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی عظمت کے بیان کا یارا و طاقت نہیں رکھتے۔ علامہ ماسقانی مرحوم کہتے ہیں: ''میں اپنی زبان سے اسمِ زینبؑ ادا کرتا ہوں اور آپ اسے سُن لیتے ہیں۔ لیکن آپ کو کیا معلوم کہ زینبؑ کیا ہے، کون ہے؟ آپؑ عقیلۂ بنی ہاشم ہیں۔ ایسی صفاتِ حمیدہ کی مالک ہیں کہ آپؑ کی والدۂ گرامی کے بعد دنیا کی کوئی خاتون ان صفات کی حامل نہیں ہوئیں۔ آپؑ اپنی عظمت و افتخار میں اُس مقامِ عالی پر فائز ہوئیں کہ صدیقۂ صغریٰ کہلانے کی بجا طور پر مستحق ہیں۔

(اقول زینبؑ. وما زینب؟ وما ادریک مازینب؟ هِیَ عَقِیْلَةُ بَنِیْ هَاشِم، وقد حَازَتْ مِنَ الصِفَاتِ الْحَمِیْدَة مَالَمْ یَحُزْهَا بَعْدَ اُمِّهَا اَحَدٌ، حَتّٰی اَنْ یُقَالَ هِیَ الصِّدِّیْقَةُ الصُّغْریٰ) (فاطمة الزهرا علیها السلام، ص 644)۔

آپؑ آغوشِ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی تربیت یافتہ، علومِ اسلامیہ کو وسعت عطا کرنے والی، مقامِ ولایتِ حقہ کے دفاع کی ذمہ دار اور تاریخِ عاشورا میں درخشاں ترین حیثیت کی حامل ہیں۔ آپؑ کا مقام ایک ایسے پیغام رساں کا پیغام ہے جس نے خونِ ناحقِ شہداء کو دنیا کے غافل ترین انسانوں کے کانوں تک پہنچایا اور اُس کی بازگشت سے صفحاتِ تاریخ کو روشن کیا۔ کربلا کے شہدائے ناحق کے پیغام کی نشر و اشاعت میں اگرچہ آپؑ کو ناگفتہ بہ صدمات اور دربدری کا سامنا کرنا پڑا، تاہم آپؑ نے اپنے بے مثل و عدیل کردار و شجاعت و پرہیزگارانہ طریقِ کار کی مدد سے اس پیغام کو ثمر آور کیا۔

سیدہ زینبؑ زنانِ عالم کی صحیح پیشوا، صنفِ خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت، نمونہ برائے کردارِ خواتین، سید الشہداء علیہ السلام کے موقف کی تصدیق کنندہ اور مسلمان خواتین میں سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بعد درخشاں ترین شخصیت کی مالک ہیں۔ آپؑ وہ خاتونِ معظم ہیں کہ اپنے مقامِ عفت و تقویٰ کے تحفظ میں اپنی بے مائیگی و دربدری کے دور، اغیار کے مجمع میں بحیثیت سیدہ فاطمہؑ سامنے آئیں اور اپنے اُسوۂ تبلیغِ اسلام کی نوعیت سے بنی امیہ کے قصرِ حیات میں لرزہ پیدا کر دیا۔

آپؑ کی داستانِ حیات

ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی احساسِ ذمہ داری سے روشن، دینِ اسلام سے متعلق ادراکِ تحفظ اور اپنے ہدفِ زندگی کی خاطر ترکِ لذاتِ دنیا سے معمور تھی۔ آپؑ نے ایسے گھر میں آنکھ کھولی جو کاشانۂ وحی اور قرآن ورسالت کے نور سے روشن تھا، جس کے تمام افراد ابلاغِ قرآن کی خاطر شہادت وقربانیوں کے خوگر تھے، جن کی جملہ اقدارِ حیات حدودِ امکانی تک اپنے اہداف کی خاطر قربان تھیں۔ رعدوبرق کے مثال اپنی مختصر زندگی میں ایسے غوغہائے بے پناہ کے مقابل آئیں جو کبھی گوشِ فلک نے سنے نہ تھے، ایسی ایسی برق ہائے حوادث سے دوچار ہوئیں جن سے چشم ہائے زمانہ خیرہ ہوتی تھیں، ایسے شدید و ناگفتہ بہ حوادث و حالات سے دوچار ہوئیں جن میں پاکیزہ ترین سرہائے جوانان کو گردن سے جدا ہوتے دیکھا۔

سیدہ زینبؑ اپنی حیاتِ اقدس کے دورِ آخر میں المیۂ کربلا سے دوچار ہوئیں جس میں اسلام کا مقابلہ اپنی تمام اقدار و اصول کے ساتھ کفرِ کامل سے تھا اور جس میں امام حسین علیہ السلام، نواسۂ پیغمبرِ خدا، جو دینِ اسلام کی حقیقی نمائندگی فرما رہے تھے، درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ لیکن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے ہرگز یہ بات برداشت نہ کی کہ سید الشہداء علیہ السلام اور اُن کے ہمراہیوں کے خون کے آثار مٹ جائیں۔ لہٰذا آپؑ نے اقدامِ سید الشہداء علیہ السلام کو لباسِ ابدیت سے مزین فرمایا۔

پس اس عظیم مخدومہ کی داستان ہمتِ بلند کو مقامِ تجسیم سے سرفراز کرتی ہے۔ آپؑ نے اپنی ہمت واستقلال کو فدائے اسلام کیا اور قیامِ سید الشہداء علیہ السلام کو مقامِ جاوداں مہیا کیا۔ دراصل جاودانیٔ واقعۂ کربلا زینبؑ عالیہ کی عظیم ہمت وشجاعت کی مرہونِ منت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر زینبؑ عالیہ کا وجود نہ ہوتا تو نہ قیامِ حسینی کو اسقدر استقلال حاصل ہوتا اور نہ ہی اس عظیم واقعہ سے دنیا اس قدر واقفیت حاصل کرتی۔ اصلِ حقیقت یہی ہے کہ کربلا میں سید الشہداء علیہ السلام کی عظیم قربانی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے ماہرانہ لائحۂ عمل کے بغیر دامنِ فنا میں روپوش ہو جاتی کیونکہ ثانیٔ زہرؑا کے بغیر اور کوئی نہ تھا جو پیامِ شبیری کو اس کے مقصدِ حقیقی کی منزل تک پہنچاتا۔ واقعۂ کربلا میں بہت سی خواتین شامل تھیں جن کے کمالِ اخلاص کی مثال نہیں ملتی، تاہم کوئی بی بی جلالِ زینبؑ عالیہ کی حامل نہ تھی۔ بس یہی وہ عظیم شخصیت تھی جس نے اپنے لباسِ اسیری سے عمارتِ شہادت کو سہارا دے کر اقدام وقیامِ شبیری سے عالمِ انسانیت کو روشناس کیا۔

حیاتِ زینبؑ کے مطالعہ کی اہمیت

سوال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں چودہ صدیوں کا عرصہ گزرنے کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا اور زینبؑ علیا علیہما السلام جیسی

عظیم خواتین کوعنوان بنا کر کچھ لکھنے کی کیا ضرورت پیش آتی ہے۔اس سلسلہ میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اُن کے کارہائے نمایاں کوزندہ رکھنے کی خاطر ہے۔تاریخ کے نشیب وفراز میں نسلیں فنا ہوکرختم ہو جاتی ہیں،تاہم جو کچھ اُن سے متعلق باقی رہ جاتا ہے،وہ اُن سے منسوب لافانی حقائق اور درس ہائے مستقل کا سلسلہ ہوتا ہے جن کا نور متعلقہ مردوں اور خواتین کے چہرہ ہائے مبارکہ سے ساطع ہوکرنسلِ انسانی کی ہدایت کے لئے نمونہ بنتا رہتا ہے۔اُن کی حیاتِ اقدس کی تاریخ کا مطالعہ درس آموز،اُن کی عظمت وجلالت کی تابندگی مشعلِ راہ،اُن کے فیوضاتِ معنوی حیات بخش اور اُن کے آستانہ ہائے مقدس باعثِ برکت ہیں۔لازم ہے کہ اُن بزرگوں کی معرفت حاصل کی جائے اور انہیں دیگر افرادِ تاریخ سے الگ پہچانا جائے تاکہ بنی نوعِ انسان اُن کی پیروی سے کردارِ نیک کی طرف رجوع کریں۔اصولی طور پر بزرگانِ دین کے سوانح کا تذکرہ اُن کی پیروی،اُن کی شریعت کے سیکھنے اور زندگی کے مستقل فضائل اختیار کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

انسانی معاشرہ میں اِن بزرگ خواتین کے اسوۂ حسنہ وحیاتِ مقدسہ کا مطالعہ اشد ضروری ہے،بالخصوص جبکہ دورِحاضر میں نیک وبد کی شناخت کے لئے شدید دشواریاں پیش آتی ہیں اور جبکہ دونوں قسم کے بے شمار نمونے سامنے آتے ہیں۔دورِحاضر میں ہمیں زندگی کی صحیح روِش کی تلاش کی خاطر سیدہ طاہرہ وسیدہ زینب علیہا السلام جیسی عظیم ہستیوں کی تاریخِ حیات کا مطالعہ پہلے کی نسبت بہت ضروری ہوگیا ہے تاکہ ہم اپنے دور کی اس ضرورت سے بہ طرزِ احسن عہدہ برا ہوسکیں۔سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ ہماری مستورات کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے،اُن کے قلوب کو مستحکم کرتا ہے،انہیں اسلوبِ زندگی،سلیقۂ حیات اور فرائضِ روزمرہ سکھاتا ہے،اُنہیں اُس طریقِ کار کا درس دیتا ہے جو عورت کو صحیح معنی میں عورت بناتا اور اُس کے لئے شرافت وآبرو کا نمونہ پیش کرتا ہے۔اُسے بتاتا ہے کہ عورت کا امتیاز اُس کی عزتِ نفس،خود آگہی،احساسِ فرائض اور اُن تمام اقدار کے نتائج کے تلاش کرنے میں ہے۔اُس کی کامیابی وکامرانی ہرگز اس کی تجمل پرستی میں نہیں بلکہ روحانیت،اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ راستہ پر چلنے اور زندگی کی گراوٹوں سے آزادی کے حصول کی کوشش میں مضمر ہے،نہ کہ ایسے اعمال پر کاربند رہنے میں۔

اِس موضوع پر دیگر تصنیفات

اس موضوع پر ایسی تصنیفات،جو ایسی بزرگ خواتین کا مفصل تعارف پیش کرتی ہوں جن کے کردار وافکار زنانِ عالم کے لئے نمونہ بن سکیں،بالخصوص ایسی کتب جو جوان نسل کے احاطۂ مطالعہ میں آسکیں،بہت کم ہیں۔بزرگ مصنف ومحققین

اصول ہائے اسلام نے اپنے اپنے مقام پر ان ہستیوں کے اسوہ واحوال کی طرف اشارے کئے ہیں۔علی ہذالقیاس کبھی کبھی مقررین بھی ایسی عظیم خواتین کے حالات اوراُن کے تعارف کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں انشاءاللہ اجرِ جزیل مرحمت فرمائیگا،تاہم لازم ہے کہ جس کثرت کے ساتھ اُن کے مصائب بیان کئے جاتے ہیں، اُسی تفصیل کے ساتھ اُن کے فضائل کا ذکر بھی کیا جائے کہ اصل حالات وواقعات سامنے آپائیں اوران کی وضاحت ہو۔ہم نے اس کاوش میں اسی ہدف وموقف کو سامنے رکھا ہے اور حالات کو تلاش کیا ہے۔ نیز کوشش کی ہے کہ ان تاریخ ساز وشرافتِ انسانی کی علمبردار ہستیوں کا عام فہم وپسندیدہ زبان میں اُسوہ پیش کریں۔ ہماری کوشش ہے کہ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے تاریخی واقعاتِ زندگی کو عام فہم مباحث کی صورت میں پیش کریں کہ آپؑ کا اسوۂ حسنہ خواتین کے اذہان میں جاگزیں ہوکر درسِ عمل کا ذوق پیدا کرے اوروہ اس عظیم مخدرہ کے تصورِحیات سے سبق حاصل کرکے اس کو عملی طور پر مشعلِ راہ بناسکیں۔ہم نے اس سلسلہ میں سعی کی ہے کہ اس قدر بُعدِ زمانی کے باوجود سیدہ زینب علیہا السلام کے نمونۂ کردار کو قارئین کے اذہان میں اُجاگر کریں کہ صحیح تربیتِ اسلامی کے زیرِ اثر کیسی کیسی پُرافتخار مخدرات جامۂ بشری میں نظر آتی ہیں اور عظمتِ کردار کی کون سی حدود کی یہ مظہر ہیں۔ ہمارے اس مقصد کے حصول کے لئے جو حقیقت ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ سیدۂ زینب صحیح ترین اسوۂ اسلامی کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ہماری عاجزی وتمنا

ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ہمیں اس کٹھن منزل تک پہنچنے کے لئے توفیقِ کامل حاصل ہے،اس لئے کہ ہمارا موضوع بحث و گفتگو ایک عظیم،گرانقدر، دریادل معظّمہ کا اسوۂ حسنہ ہے،جن کی پروازِ کردارِ لامحدود کے سامنے مرغِ تخیل کی پرواز کی حدود متعین نہیں ہوسکتیں اور ہمیں صدقِ دل سے اعتراف ہے کہ ہمارا مقام ایک بحرِ بیکراں میں حقیر تنکے سے زیادہ ہرگز نہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہم ثانیٔ زہرؑا کے مقامِ بلند کے مقابل اپنے آپ کو قطعی طور پر خوار وزبوں، بے مقدار، بلکہ نا قابلِ ذکر جانتے ہیں۔اپنی ہستی و وجود کو اس خاندان کے دریائے عظمت میں بصورتِ ارادت وعقیدت غریق جانتے ہوئے بھی ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اس خانوادہ کے ذکرِ معرفت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گوشہ کا ادراک بھی صحیح کرسکیں۔ ہم اُن کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم وتعظیم خم کرکے اپنے قلم کو اُن کی معرفت کی کوشش اوراُن کے مقامِ عالی کی توصیف میں حرکت دے رہے ہیں۔تاہم ہمیں اعتراف ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس باعظمت خاندان کی حضرت زینبؑ علیا جیسی فردِ بزرگ کے حالات گوش ہائے قارئین تک پہنچانے کے مشکل ترین فرض کے ساتھ انصاف کرپائیں؟ صرف یہ امید وآرزو ہے کہ ہم اپنی

باقی عمر میں اس خاندانِ مکرم کی دہلیز پر سر رکھ کر کسی حد تک ان کے فضائل کی معرفت حاصل کر سکیں۔ اس کوشش میں ہم جنابِ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے پدرِ عالی مقدار (مشکل کشائے مخلوقِ کائنات) حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے امداد کے طالب ہیں کہ اس خاندان کی ارواحِ پُرفتوح کی معرفت کے تحقق کو ہمارے لئے ممکن فرما دیں کہ ذکرِ مخدومہ آپ ہی کی شہادت کا دیباچہ ہے۔

علی قائمی

صبح ۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ ق

مطابق ۱۳۷۱/۱۲/۱۴ھ ش

۱۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا خاندانِ پاک

بنیادی طور پر طہارت اور خاندانی شرافت وہ اساسی مسائل ہیں جن کو اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اُمورِ مسلمین کی سپردگی کیلئے انتخابِ افراد اور شریکِ زندگی کے طور پر اختیار کرنے کیلئے صحیح انتخاب کے بارے میں اصولِ اسلام میں بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ایسے اہم موارد میں صرف اُن لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے جو شرافت ونجابت کے حامل اور خاندانی اصالت کے مالک ہوں۔ انہی اصولوں کی روشنی میں ہم ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے خانوادۂ پاک کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے آپ کے بابرکت ونجیب خاندان کے سلسلہ میں اپنے فکر کی بنیاد رکھیں گے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے بابرکت وعظیم خاندان جیسا کائنات بھر میں اور کونسا خاندان دارائے نجابت وبزرگی ہو سکتا ہے! آپ وہ مولود ہیں جن کے خاندان کی طہارت، حسب ونسب کی پاکیزگی ونجابت، عظمتِ نسب میں زنانِ عالم میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

آپ کے جدِ امجد

آپ کے جدِ ابزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم الانبیاء، سلسلۂ نبوتِ پروردگار کے آخری فرد، منزلِ الہام ووحی، بہترینِ دین وکتاب لانے والے، مقامِ ''وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم'' (سورۂ قلم: 4) کے مالک، رحمتِ پروردگار کے نمائندۂ مجسم اور کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی وعنایات کا باعث ہیں۔ ''وَ مَا اَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَۃً لِّلعَالَمِینَ'' (سورۂ انبیاء: 1.7) جن کی شان کی توصیف، ''لَو لَاکَ لَمَا خَلَقتُ الاَفلَاکَ'' (حدیثِ قدسی) جن کا قصیدہ اور ''وَلَسَوفَ یُعطِیکَ رَبُّکَ فَتَرضیٰ'' (سورۂ ضحیٰ: 5) جن کی شان ہے۔

علامہ محسن امین آنجناب کو شجرۂ طیبۂ نبوت کی شاخوں میں سے ایک شاخ جو نبوت کی اصل کے ساتھ پیوستہ ہو، قرار دیتے ہیں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو آپ کی تاریخِ حیات میں آپ کی اہمیت وعظمت کے مقامِ بلند کے لئے سزاوار وشائستہ تسلیم کرتے ہیں۔ علمائے اہلِ سنت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو راویٔ احادیثِ رسولؐ اکرم تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے بہت سے محدثین نے آپ کی تصدیق کی بناء پر احادیث نقل کی ہیں (اسد الغابہ، ج ۵)۔

ثانیِ زہراؑ کے والدِ بزرگوار

آپ کے والدِ بزرگوار حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی، آنحضرتؐ کے چچازاد، آپؐ کے وصی وخلیفۂ حق، " اَعۡلَمُ النَّاسَ بَعۡدَ رَسُوۡلٍ، احادیثِ" اَقۡضَاکُمۡ، اَعۡدَلُکُمۡ، اَدۡرَعُکُمۡ، اَعۡبَدُکُمۡ" کے مصداق ہیں (ان تمام کلمات کیلئے معتبر احادیث موجود ہیں)۔ پیغمبرِ اکرمؐ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق کی آپ نورِ نظر ہیں کہ چشمِ عالم نے عرصۂ گیتی پر جن کی نظیر نہیں دیکھی۔

آپؑ کی وہ ہستی ہے جس نے معرکہ ہائے صدرِ اسلام میں دستورِ رسالت کو اپنی نوکِ شمشیر سے کفر واسلام کی کشمکش کے دوران رقم فرمایا اور غزوۂ خندق میں اپنی کاری ضربت کی مدد سے اپنے لئے عبادتِ ثقلین سے برتری کا تمغہ حاصل کیا (حدیث: "ضَرۡبَةُ عَلِيٍ يَوۡمَ الۡخَنۡدَقِ اَفۡضَلُ مِنۡ عِبَادَةِ الثَّقَلَيۡنِ ")۔

زینبِ عالیہؑ اس عظیم باپ کی نورِ نظر ہیں جو ان تمام قوتوں کے حامل ہوتے ہوئے بھی تاریخ کی مظلوم ترین فرد اور غریبِ سقیفہ ہیں۔ آپ اُس عظیم ہستی کی پارۂ جگر ہیں جن کی شان کے بارے میں متعدد آیاتِ قرآن گواہی دیتی ہیں۔ قارئینِ کرام آیۂ طعام (سورۂ دہر:8)، آیۂ زکوٰۃ (سورۂ مائدہ:55)، آیۂ ولایت (سورۂ نساء:59)، آیۂ تطہیر (سورۂ احزاب:33)، آیۂ مباہلہ (سورۂ آلِ عمران:61) وغیرہم کی طرف رجوع فرمائیں۔

آپ اُس عظیم باپ کی بیٹی ہیں جس نے اپنی خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں بہترین نظامِ حکومت قائم کیا، مملکت میں بلند ترین نظامِ عدل وانصاف کو رواج دیا، ایسا عدل کہ اپنی حکومت کے اختتام پر خود اپنی جان کی قربانی دے دی۔ اپنے دورِ اقتدار میں بے انتہا مصروفیات ومشاغل کے باوجود خوراک کے بوجھ اپنی پشت مبارک پر اٹھاتے، کوفہ کے فقراء اور بھوکے لوگوں کے گھروں پر اس طرح تشریف لے جاتے کہ انہیں شناخت بھی نہ ہو پاتی (کہ اُن کیلئے خوراک لانے والا ان کے امیر المؤمنینؑ کے سوا اور کوئی نہیں)۔ اس طرح بھوکی رعایا کو سیر فرماتے اور مظلوموں کی دعائیں حاصل کرتے۔

آپ کی والدۂ گرامی

سیدہ زینبؑ عالیہ کی والدۂ گرامی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، سیدۃ النساء العالمین اور قرآنِ حکیم کے مطابق خیرِ کثیر (اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ) کی مصداق ہیں۔ یہ وہ بیٹی ہیں جن کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے وسیلہ سے خلقِ خدا کیلئے تمام زمانوں میں حجتِ خدا قرار دیا۔ آنحضرتؐ سیدۂ طاہرہؑ کے دست ہائے مبارک کو چومتے اور فرماتے: "میری بیٹی

فاطمہؑ بہشت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے اور مجھے فاطمہؑ سے بہشت کی خوشبو آتی ہے۔''

مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ زہرا رسولِ اکرمؐ کی پیاری صاحبزادی تھیں۔ آپ سب سے زیادہ آنحضرتؐ سے مشابہ اور ختم الانبیاؐ کی عظیم و اہم ترین یادگار تھیں۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کیلئے ''اُمِّ اَبِیھَا'' کی کنیت بتائی گئی ہے [1]۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ایسی مجاہدہ و شہیدہ مادرِ گرامی کے بطنِ مبارک سے دنیا میں تشریف لائیں، ایسی مخدومہ کے

1۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال ''رموزِ بےخودی'' میں زیرِ عنوان ''در معنی این کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نساء اسلام'' سیدہ طاہرہؑ کی خدمت میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

مریمؑ از یک نسبتِ عیسٰی عزیز — از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز
نورِ چشمِ رحمۃً للعالمینؐ — آں امامِ اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتٰی — مرتضٰیؑ، مشکل کشاؑ، شیرِؑ خدا
پادشاہ و کلبائے ایوانِ او — یک حسام و یک زرہ سامانِ او
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
آں یکے شمعِ شبستانِ حرم — حافظِ جمعیتِ خیرؐالامم
تا نشیند آتشِ پیکار و کیں — پشت پا زد و برسرِ تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرارِ جہاں — قوتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ — اھلِ حق حریت آموز از حسینؑ
سیرتِ فرزندھا از امہات — جوھرِ صدق و صفا از امہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ — مادراں را اُسوۂ کامل بتولؑ
نوری و ھم آتشی فرماں برش — گم رضایش در رضائے شوھرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ھائے اُو زبالیں بے نیاز — گوھر افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ اُو برچید جبریلؑ از زمیں — ھمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں
رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست — پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفٰیؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے — سجدہ ھا برخاکِ اُو پاشیدمے

دودھ سے پرورش پائی جو عالمِ اسلام میں واحد معصومہ ہیں۔ آپ ہی کے دامنِ عاطفت میں زینبؑ پلتی رہیں، ایسی مادرِ عظیم کی نورِ نظر ہیں جن کے مقامِ طہارت پر قرآنِ حکیم کی آیت گواہ ہے ("اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا" احزاب:33) اور آپ کا رشتہ رسولِؐ اکرم سے آیۂ مباہلہ کے ذریعہ بھی پیوستہ ہے جس میں آپ کی والدہ محترمہ اصطلاحِ 'نِسَآءَ نَا' (سورۂ آلِ عمران:61) کی مصداق ہیں۔ بااین ہمہ آپ آغوشِ رسالت کی پروردہ بھی ہیں۔

آپ اپنی مادرِ محترمہ کی محرمِ راز ہیں۔ جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات سے متعلق بہت سے رموز، وفاتِ رسالت مآبؐ کے بعد اختلافات رونما ہونے والے مسائل، حتیٰ کہ شہادت و تدفینِ امیر المومنین علیہ السلام سے مربوط روایات جنابِ زینبِ عالیہ کی اسناد سے حاصل ہوتی ہیں (فاطمۃ الزہرا۔ الرحمانی)۔

برادرانِ ذی وقار

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بھائی معصوم اور مقامِ خلافت و امامت کے مالک ہیں۔ بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ بن علیؑ سبطِ اوّل اور جوانانِ اہلِ جنت کے دو سرداروں میں پہلے سردار ہیں۔ آپؑ امام ہیں، آپؑ کا لقب مجتبیٰ ہے جس کی تائید رسولِ اکرم صلی اللہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمائی ہے۔ آپؑ اُس ہستی کے مالک ہیں جس کے ارادۂ مصمم اور جسکی شجاعت کے باعث تاریخ کے حساس ترین موقعہ کا فیصلہ ہوا جس سے اسلام نے بہت فائدہ اٹھایا۔ آپؑ نے جہلاء کے عائد کردہ اتہامات والزامات کو تو قبول فرمایا لیکن ذلتِ اسلام اور قرآن فراموشی کو ہرگز پسند نہ کیا (صلحِ امام حسنؑ، ترجمہ: آیۃ اللہ خامنہ ای)۔

آپ کے دوسرے بھائی حضرت امام حسینؑ ابنِ علیؑ جوانانِ جنت کے دوسرے سردار ہیں۔ اس سلسلہ میں حدیثِ رسولؐ اکرم مشہور و موجود ہے:

"اَلۡحَسَنُؑ وَالۡحُسَیۡنُؑ سَیِّدَا شَبَابِ اَهۡلِ الۡجَنَّةِ".

سیدہ زینبؑ امام حسین علیہ السلام کے جہاد میں ان کی برابر کی شریکِ کار ہیں، وہ حسینؑ جنہوں نے اپنے لئے شہادت کا انتخاب کر کے ایک عظیم و جاوید شہادت کی بنیاد قائم کی اور اس طرح اسلام کو زندگی اور مکتبِ تشیع کو حیات و شہرتِ جاوید و دائم سے ہمکنار کیا۔

آپ کے ایک اور بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں جو واقعہ کربلا میں سپاہِ حسینیؑ کے ذمہ دارِ سقایت اور علمدارِ لشکر ہیں، جن کے خلوص و محبت راہِ حق کے عاشقان و دلدادگان کیلئے سبق مہیا کرتے ہیں۔ آپ روزِ عاشور امام حسینؑ کے قوتِ بازو اور

زورِ پشت و کمر ہیں، جیسا کہ امامِ عالی مقام نے آپ کی شہادت کے بعد فرمایا، ''اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے'' (منتہی الآمال)۔

ان کے علاوہ حضرت ام البنین سلام اللہ علیہا کے دوسرے صاحبزادگان ثانیِ زہراؑ کے بھائی ہیں جنہوں نے جہادِ عاشورہ میں ہدفِ جنابِ سیدالشہدؑاء کی اعانت میں بے نظیر شجاعت کا مظاہرہ کیا اور خورشیدِ امامت کے گرد متعدد قمر ہائے درخشاں کی مانند ہالہ کئے رہے۔ اسطرح اُنھوں نے اپنی شہادتوں سے کربلا کے ہدفِ مقدس کی خاطر اپنا مقامِ رفیع پیدا کیا۔

آپ کے ایک اور بھائی حضرت محمدؐ بن علی (المشہو رمحمد حنفیہ) ہیں جو شدید علالت کے باعث (حکمِ امامؑ سے) میدانِ کربلا میں حاضر ہونے سے معذور رہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مقدس خاندان کی شان

سیدہ زینبؑ علیا نسلِ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہیں جو ہر قسم کی خطا سے معصوم ومحفوظ ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد بھی معصوم ہیں، معصوم مادرِ گرامی کی نورِ نظر اور امام حسنؑ وامام حسین علیہما السلام جیسے معصوم بھائیوں کی خواہرِ محترم ہیں۔ ایسے گھر کی فرد ہیں جس میں والدِ نامدار شہیدِ محراب، والدۂ معظمہ شہیدہ ومعصومہ ومظلومہ، ایسے شہیدانِ راہِ خدا بھائیوں کی بہن جو نسل در نسل راہِ خدا میں قربانیاں پیش کرتے رہے۔

آپ کے خاندان کی شان میں آیۂ تطہیر (احزاب:33)، آیۂ مباہلہ (آلِ عمران:61)، آیۂ مودّۃ (شوریٰ:23)، آیۂ اطعام (دھر:8)، آیۂ زکوٰۃ (مائدہ:55)، آیۂ ولایت (نساء:59) اور دیگر بہت سی آیاتِ قرآن نازل ہوئیں۔

علیٰ ہذا القیاس آپؑ کے پاک خاندان کی شان میں حدیثِ ثقلین (انی تارک فی کم الثقلین....)، حدیثِ ولایت (من کنت مولاہ....)، حدیثِ منزلت (انت منی بمنزلة هارون...)، حدیثِ مواخاۃ (انت اخی....)، حدیثِ سفینہ (مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح....) وغیرہ وارد ہوئی ہیں۔

پس زینبِ عالیہؑ جمالِ ظاہر و باطن کی حامل، اہلِ بیتؑ عظام کے شجرِ مقدس کی فرد، مصداقِ غیرتِ رسولؐ، نسلِ ابو طالبؑ کی نمائندہ، خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی نواسی، امامِ معصوم کی بیٹی، امامِ معصوم کی بہن، امامِ معصوم کی پھوپھی، تابع معصوم اور نسلِ معصوم سے ہیں۔

لہٰذا ایسی صاحبِ عظمت ہستی، زینبؑ، کے مانند کون ہوسکتا ہے؟ کون ہے جو آپ کی شان و مرتبت اور حسب ونسب میں برابری کر سکے؟ یہی وجہ ہے کہ زبان آپ کے بیانِ اوصاف سے عاجز ہے۔

نوٹ مترجم

آپ کے بھائی بہنوں میں سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کے علاوہ درج ذیل حضراتِ گرامی کے اسمائے مبارک آتے ہیں:

1۔ محمد الاوسط، شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ آپ کی والدۂ گرامی کا نام امامہؑ بنتِ ابی العاص ہے۔

2۔ عبداللہؑ، عثمانؑ اور جعفرؑ، حضرت عباسؑ کے بھائی ہیں۔ اُن کی والدۂ محترمہ فاطمہؑ بنتِ خزام کلابیہ المعروف اُم البنین ہیں۔ یہ سب حضرات کربلا میں شہید ہوئے۔

3۔ محمد الاصغرؑ، یہ بھی شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ ان کی والدۂ محترمہ لیلیٰؑ بنتِ مسعود دارمیہ ہیں۔ اسما بنتِ عمیس بھی بتایا جاتا ہے۔ (سیرتِ امیر المومنین مؤلفہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم)۔

4۔ عونؑ بن علیؑ، کربلا کے شہداء میں ہیں۔ ان کی والدۂ گرامی حضرت اسماء بنتِ عمیس ہیں۔

(سراج المبین مؤلفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی)۔

۲۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت با سعادت

تاریخ کے مطابق حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی تین صاحبزادیاں تھیں، جبکہ تینوں کے نام زینب ہی ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے:

1۔ زینبؑ، جن کا دوسرا نام رقیہ ہے۔ ان کا مدفن مشہور روایات کے مطابق مدینہ میں ہے۔

2۔ زینبؑ کبریٰ جو عقیلۂ بنی ہاشم کہلاتی ہیں، شام میں مدفون ہیں۔ (بعض روایات کے مطابق ان کا مزار مصر میں ہے)۔

3۔ زینبِ صغریٰ جو اُم کلثومؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی قبرِ مبارک شام میں ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ بھی مصر میں مدفون ہیں (روایت ڈاکٹر بنت الشاطی)۔

بہر حال ہماری گفتگو جناب زینبِ کبریٰ علیہا السلام سے متعلق ہے۔ آپ حضرات علیؑ و فاطمہؑ کے گلشنِ اقدس کا تیسرا ثمر ہیں۔ روایات کے مطابق آپ کا مزار شام میں 'زینبیہ' کے مقام پر واقعہ ہے۔ بعض راوی آپ کا مزارِ اقدس مصر میں اسی نام یعنی 'زینبیہ' ہی کے مقام پر بتلاتے ہیں۔ (ممکن ہے ان کا خیال حقیقت کے قریب تر ہو، تاہم مناسب مقام پر ہم آئندہ صفحات میں اس بارے میں بحث کریں گے)۔

امیر المومنین علیہ السلام کی دُخترِ اکبر

جنابِ زینبِ عالیہؑ، جن کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں، حضرت علی علیہ السلام کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی اولاد میں ان کا مقام تیسرا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اقوالِ مؤرخین میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم جو بات ہم عرض کر رہے ہیں اس پر شیعہ مؤرخین متفق ہیں۔ (بعض حضرات جنابِ فاطمہؑ طاہرہ کی پہلی صاحبزادی کا نام رقیہ بتاتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے ان کی شادی ہوئی تھی جن سے زید نامی بیٹا متولد ہوا تھا جو امام حسنؑ کی خلافت کے زمانہ میں انتقال کر گیا تھا۔ ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی اسلام کے بزرگ افراد و مؤرخین نے اس قول کو قبول کیا ہے)۔

مکتب ہائے تشیع و تسنن دونوں کے صحیح و واثق اسناد اس امر پر موجود پائے جاتے ہیں کہ زینبِ عالیہ سلام اللہ علیہا حیاتِ جنابِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا ہوئیں:

"اَنَّھا وَ لِدَتْ فِیْ حَیاۃِالنّبی صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلم" (تاریخ ابن کثیر)۔

یہ بات کہ آپ نے کتنا عرصہ حیاتِ رسولؐ اکرم دیکھا، مؤرخین کے درمیان ایک امرِ موردِ اختلاف ہے۔ مؤرخین نے مختلف اسانیدِ تاریخ کی بنا پر چھ یا سات برس کا عرصہ تحریر کیا ہے (آپؑ کی تاریخ ولادت کا تعین اسی تناظر میں کیا جانا چاہئے)۔

آپ کا سنِ ولادت

سنِ وفات کی طرح آپؑ کی تاریخِ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں یہ روایات ملاحظہ فرمائیں:

- بعض حضرات نے آپ کی ولادت 9 ہجری میں ذکر کی ہے جس کی سب اسناد ضعیف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہیں ولادتِ حضرت ام کلثومؑ سے اشتباہ ہوا ہے۔
- بعض مؤرخین نے آپ کا سنِ ولادت 6 ہجری ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں۔
- بعض لوگوں نے سنِ ولادت 5 ہجری بتلایا ہے۔
- کچھ حضرات نے 4 ہجری حضرت کا سنِ ولادت قرار دیا ہے جو ضعیف روایت ہے اور شیعہ مؤرخین کے نزدیک اس کی کوئی سند نہیں۔
- ثقہ ترین روایت یہی ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت 5 ہجری میں ہوئی۔

علامہ مجلسیؒ اور دیگر علمائے اعلام نے اسی روایت کو قبول فرمایا ہے جو ہر حالت میں ولادتِ امام حسین علیہ السلام کے دو

سال بعد قرار پاتی ہے۔ مصری مؤرخ ڈاکٹر بنت الشاطی نے بھی اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے (زینب الکبریٰ: نقدی، ص33۔ نهضة الحسین، شہرستانی۔ بنات النبی، ص199)۔

"وَلَدَتِ الزَّهْراء طِفْلَتَهَا الْاُولیٰ فِی الْعامِ الخَامِسِ مِن الْهِجْرَةِ".

آپ کی ولادت 6 ہجری میں بھی مابینِ مؤرخین مشہور ہے جنہوں نے اس روایت کو مستند جانتے ہوئے اس بارے میں روایات تحریر کی ہیں۔ وہ مقر ہیں کہ آپ کی ولادتِ باسعادت وفاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ سال قبل ہوئی۔

"فَاِنَّ الْحَسَنَ وُلِدَ قَبْلَ وَفَاتَ جَدِّهٖ بِثَمانِ سِنِین، وَ الْحُسَیْنِ بِسَبعِ سِنِین، وَ زَینَبَ الْکُبْریٰ بِخَمْسِ سِنِین". (باب زینبیہ: سیوطی)۔

آپؑ کی ولادت کا مہینہ و تاریخ

اس سلسلہ میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

- بعض مؤرخین آپ کی تاریخِ ولادت ۵ جمادی الاول قرار دیتے ہیں اور یہ رائے مستند سمجھی جاتی ہے (زینبؑ کبریٰ)
- بعض تاریخ ولادت ماہِ رمضان کی آخری تاریخوں میں تحریر کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے (فاطمہ زہرؑا: 646)۔
- بعض نے ماہِ شعبان کے آخر میں یوم ولادت لکھا ہے لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے۔
- المختصر اہلِ تشیع کے بزرگ مؤرخین نے ۵ جمادی الاول ہی کو زینبؑ عالیہ کی تاریخِ ولادت باسعادت تسلیم کیا ہے۔

آپؑ کی ولادتِ باسعادت مدینہ منورہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے بیت الشرف میں واقع ہوئی اور آپ کے والدین کے لئے بہت زیادہ مسرت وشادمانی کا باعث ہوئی۔

ہالۂ غم

روایاتِ مستند سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت کے دن جبکہ ہر طرف انبساط و شادمانی نظر آرہی تھی، حضرت رسولؐ خدا، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور جنابِ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے چہرہ ہائے اقدس پر یکا یک غم و اندوہ کے سائے نظر آنے لگے۔ ڈاکٹر بنت الشاطی اور دیگر مؤرخین نے بھی یہ روایات رقم کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت سلمانؓ فارسی، جو خانوادۂ رسولؐ کے دوستانِ خاص میں شمار ہوتے ہیں، امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ولادتِ ثانیِ زہراؑ کی خوشخبری پر مبارکباد کیلئے حاضر ہوئے۔ اس ملاقات میں انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو

رنجیدہ پاکر وجۂ غم دریافت کی۔ حضرتؑ نے سیدہ زینبؑ کی آئندہ زندگی کے حوادث اور اُن واقعات کا ذکر فرمایا جو اس مخدومہ کو کربلا میں پیش آنے والے تھے، اور بیان کرتے ہوئے گریہ فرمایا (زینبؑ بانوئے قہرمانِ کربلا: ص 27)۔

اس کے علاوہ بھی کئی روایات نقطۂ استناد کو پہنچتی ہیں کہ آپ کی ولادت کے بعد بہت سے حالاتِ غم اور حکایاتِ اندوہ آپ کے بارے میں ذکر ہوتی رہیں جن میں اُن واقعات کا تذکرہ پایا جاتا ہے جو واقعاتِ کربلا کے مصائب کے سلسلہ میں محترمہ کو پیش آنے والے تھے۔

اس پیش گوئی کے مواقع

ان واقعات کی پیش گوئی کس نے اور کب کی، اس بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپ کے قبل از ولادت جبکہ آپ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے شکمِ مبارک میں تھیں، آپ نے اپنی اس عظیم صاحبزادی سے متعلق یہ خبر خود جنابِ رسولِؐ خدا سے سُن لی تھی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ روایت حضرت علی علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے شہزادی محترمہ کی ولادت کے بعد نقل ہوئی اور آپ نے بھی یہ خبر دہنِ مبارکِ رسولؐ ہی سے حاصل کی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسولِؐ اکرم نے شہزادی کی ولادت کے بعد آپ کا نام رکھتے ہوئے ان حالات و واقعات کی خبر دی تھی۔

روایاتِ صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت کے بعد رسولِؐ گرامیٔ اسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص زینبِؑ کبریٰ پر گریہ کرے گا، اس کو اُن کے برابر ثواب ملے گا (چہاردہ معصومینؑ، عمادزادہ: ص 17)۔

(ہمیں یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ رسولِؐ اکرم کے اس فرمان سے مراد صرف حضرتؑ کی جنابِ زینبؑ کے ساتھ محبت اور معرفت کی وجہ سے ہے یا اُن پر گذرنے والے واقعات و مصائب کے خیال سے ہے)۔

۳۔ سیّدہ زینبؑ کے اسما و القابِ گرامی

اسمِ گرامی زینبِ کبریٰ ہے، بنی ہاشم کی بزرگ ترین خواتین میں سے ہیں۔ یہ وہ اسمِ گرامی ہے جو جنابِ رسولِؐ خدا نے آپ کے لئے اُس دور میں تجویز فرمایا جب عربوں کے ذہنوں میں ابھی اندیشہ ہائے دورِ جاہلیت باقی تھے، جب وہ بیٹی کی ولادت کو نہ صرف یہ کہ مبارک و مسعود نہ جانتے تھے بلکہ بیٹی کی پیدائش کو اپنے خاندان کیلئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔

جاہلیت کے اُس تاریک دور میں جب بیٹیاں اکثر پیدا ہوتے ہی موت کی آغوش میں پہنچا دی جاتی تھیں، ظہورِ اسلام

کے بعد رسولِؐ اکرم کے خانۂ اقدس میں جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت سے، جن کی ذاتِ گرامی مخلوقِ خدا کیلئے حجتِ خدا کا مقام رکھتی ہے، خواتین کی صنف کو احترام و محبت سے دیکھا جانے لگا۔ پیغمبرؐ اکرم نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عزت و احترام کر کے لوگوں کو سکھلا دیا کہ بیٹی کی جانب کس طرح رجوع کرنا اور اس کے مقام کا کس طرح ادراک کرنا چاہیئے۔ نتیجہ کے طور پر لوگوں کے اذہان کم و بیش بدلنے لگے اور انہوں نے اسلامی تصور کو اپنانا شروع کیا، تاہم ابھی کچھ متعصب و بداندیش ایسے تھے جو بیٹی کے وجود سے کراہت رکھتے تھے کہ اُسی دور میں حضرت علی علیہ السلام کے مقدس گھر میں جنابِ زینبؑ کی ولادت ہوئی جن کو وہی احترام و عزت حاصل ہوئی جو جناب رسولِؐ اکرم کی جانب سے اُن کی والدہ محترمہ جناب سیدہ طاہرہؑ کو ملی تھی۔ اس طرح یہ دوسری ہستی تھی جس پر مخلوقِ خدا میں خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوئی۔ یہ ایسی حجت تھی جس نے جاہلانِ عرب کے تاریک ذہنوں اور غلط افکار پر تازیانۂ جدید و تازہ کا کام کیا کہ آپ کا اسمِ گرامی ''زین اب'' یعنی اپنے والدِ بزرگوار کی زینت قرار پایا، خاندانِ امیر المومنین علی علیہ السلام نے آپ کی ذات سے فروغِ تازہ حاصل کیا، درآنحالیکہ ابھی وہ دور جاری تھا جب کئی دوسرے خاندانوں میں بیٹی کی ولادت کی خبر سن کر غم واندوہ سے باپ کا چہرہ سیاہ ہو جایا کرتا تھا۔ (وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۔ نحل:58)۔

ثانیِ زہراؑ کا نام تجویز کرنے کی کیفیت

جب آپؑ دُنیا میں تشریف لائیں تو جناب فاطمۃ الزہراؑ نے اپنے شوہرِ نامدار سے درخواست کی کہ نوزائیدہ بیٹی کا نام تجویز فرمائیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ اس کام میں جناب رسولِؐ خدا پر، جو اُن دنوں سفر پر تھے، سبقت نہیں کر سکتے۔

جب رسولِؐ اکرم سفر سے واپس تشریف لائے تو اُن سے درخواست کی گئی کہ نومولود شہزادی کے لئے نام تجویز فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ اس کام میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جائیں گے۔ پس جبرئیلِ امین نازل ہوئے اور عرض کی کہ پروردگار آپ پر سلام بھیجنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ شہزادی کا نام زینبؑ رکھا جائے۔ (زینبؑ الکبریٰ: ص 329)

آپ کا نام تجویز کرنے کے سلسلہ میں دیگر مؤرخین، بلکہ محققینِ اہلِ سنت نے بھی رسولِؐ اکرم کی موجودگی و منشاء کی تائید کی ہے۔ (چہاردہ معصومؑ: ص 337)

ڈاکٹر بنت الشاطی، مصنفہ کتاب ''زینب بطلة کربلا'' (کربلا کی شیر دل خاتون) اپنی ایک اور کتاب میں، جو انہوں نے دخترانِ رسولِؐ اکرم کے بارے میں تحریر کی ہے، لکھتی ہیں:

''فاطمہؑ کی بیٹی دنیا میں آئیں تو اُس کے نانا نے اُس کے نام کو ''زینب'' کی زینت بخشی۔''

''وَلَدتِ الزَهرا ء طَفلَتَها و........ وَ سَمّا ها جَدُّها زَینَب........ (بنات النبیؐ ص199)

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی کئی کنیات ذکر ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کتب تاریخ میں زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی مشہور ترین کنیت ''اُم کلثوم'' ہے اور اس کی نسبت بھی رسولؐ خدا ہی کی طرف دی جاتی ہے (حوالۂ اولیٰ) فرق صرف یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے حضرت علی علیہ السلام کی دو بیٹیاں ہوئیں، ایک کا اسمِ گرامی زینبؑ کبریٰ ہے جو اُم کلثومِ کبریٰ کہلاتی ہیں اور دوسری بیٹی کا نام زینبؑ صغریٰ ہے جن کو اُم کلثومِ صغریٰ کہتے ہیں (روضة الشهداء)۔

آپ کی ایک اور کنیت ''ام الحسنؑ'' ہے (تحفۃ العالم۔ سید جعفر آلِ بحر العلوم)۔ اس کنیت کی نسبت بھی جناب رسولِ اکرمؐ ہی کی طرف دی جاتی ہے، اگرچہ بعض محققین اس کو تسلیم نہیں کرتے تاہم اسنادِ تاریخ سے اس کی تائید ہوتی ہے (اسباب الطالبین: ابن عتیبة)۔

اس سلسلہ میں ایک اور نکتہ قابلِ ذکر ہے، وہ یہ کہ عربوں میں دستور تھا کہ وہ لڑکپن کے دوران ہی افراد کی کنیت مقرر کر دیتے تھے۔ اس بات کو ضروری نہ جانتے تھے کہ کوئی بڑا ہو کر ماں یا باپ بنے اور اس کے بعد اس کی اولاد کے نام پر اس کی کنیت مقرر کی جائے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے القاب

جنابِ زینبِ عالیہ کی حیاتِ اقدس کا کچھ زمانہ گذرنے اور آپ کی عظیم صفات کے ظاہر ہونے کے بعد آپ کے متعدد القاب کی تعیین کی نوبت آئی اور آپ کی مخصوص صفات کے اعتبار سے لوگ آپ کو موسوم کرنے لگے۔ ہم ان تمام مباحث کو جمع کرنے اور آپ کی جملہ صفات و القاب کا ذکر کرنے کی قوت نہیں رکھتے، تاہم بعض کتب تاریخ و سیر میں جن بعض موارد کا ذکر فرمایا گیا ہے، ہم وہ پیش کئے دیتے ہیں:

آپ کو عظیم و خردمند خاتون کو طور پر ''عقیلہ'' کا نام دیا گیا ہے، لغت کی کتب میں لکھا ہے (ابو الفراج اصفہانی):

''العقیله الکریمة المخدّره'' (المنجد).

''لَبیَة جَزُ لة عاقله'' یعنی تیز فہم، تیز ادراک و خردمند خاتون۔ (سیوطی: زینبیہ)

''عقیلة جلیلة'' یعنی پُر شوکت و پُر جلال بی بی۔ (فرید وجدی)

"امراۃ عاقلۃ" یعنی خردمند مخدومہؑ۔ (ابنِ اثیر)

"عقیلۃ طالبین" یعنی عقیلۂ خاندانِ ابوطالبؑ۔ (زینبؑ اخت الحسینؑ، ص13)

"محدثۃ" ، چونکہ آپ احادیثِ پیغمبرؐ کی راوی ہیں، اس لئے کہ آپ کا اسمِ گرامی موردِ الہام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اور یہ وہ بخشش ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پاک و نیک بندوں پر پرحمت فرماتا ہے (زینبؑ الکبریٰ)۔

"بطلۃ کربلا" یعنی کربلا کی شجاع خاتون۔ (بنت الشاطی)

"اھل التقی" یعنی جو اہلِ تقویٰ اور شب و روز مصروفِ عبادت ہوں۔ (الانوار القدسیہ: شرف الدین)

آپ کیلئے سب سے بڑا لقب فرمودۂ جناب امام زین العابدین علیہ السلام ہے، آپؑ نے فرمایا:

"اَنتِ بِحَمْدِاللهِ عا لِمَةٌ غَيْرَ مُعَلَّمه، فَهِمَةٌ غَيْرَ مُفَهَّمَة"۔

یعنی "الحمدللہ! آپؑ وہ عالمہ ہیں جس نے کسی انسان سے سبق نہیں لیا اور ایسی بافہم خاتون ہیں کہ کسی بشرِ عامہ نے آپ کو عقل و فہم تعلیم نہیں کی"۔ (بارہ محرم: کوفہ)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خاندان میں آپ زیادہ تر عقیلۂ بنی ہاشم کے نام سے مشہور ہیں، یہاں تک کہ کہیں کہیں تو اس لقب نے آپ کے اسمِ گرامی کی جگہ لے لی ہے۔ ادباء کی زبان میں زیادہ تر نگہبان و امین، "مھین" بنی ہاشم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

آپؑ کے دیگر القاب

کتاب "فاطمۃ الزہراؑ" کے مصنف نے اپنی مختصر لیکن جامع تحقیق کے دوران اولادِ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے حالات رقم کرتے ہوئے سیدہ زینبؑ کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنی تحقیق کے سلسلہ میں انہوں نے بعض اسناد کے حوالہ سے ثانیِ زہراؑ کے القاب کی ایک فہرست تحریر فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ مصنفِ کتاب "احمد الرحمانی الہمدانی" نے درجِ ذیل کتب سے استناد فرمایا ہے:

زینبؑ الکبریٰ: النقدی — خصائص الزینبیہ: الجزائری

الانوار القدسیہ: سید شرف الدین — عقیلۃ الوحی: سید شرف الدین

دیوانِ کمپانی: آیۃ اللہ غروی اصفہانی وغیرہ وغیرہ

1۔	عالمه غير معلمه	عالمہ بغیرِ استاد و معلم
2۔	فهمه غير مفهمّه	سمجھانے والے سے بے نیاز فہمیدہ
3۔	كعبة الرزايا	مصائبِ بزرگ کی آماجگاہ
4۔	نائبة الزهراً	سیدہ فاطمۃ الزہرا کی جانشین
5۔	نائبة الحسينً	جانشینِ امام حسین علیہ السلام
6۔	مليكتة النساء	خواتین کی سرادار
7۔	عقيلة النساء	دنیائے خواتین کی خاتون خردمند
8۔	عديلة الخامس من اهل الكساء	خامسِ آلِ عبا امام حسینؑ کی ہمت
9۔	شريكة الشهداء	شہداء کی شریکِ شہادت
10۔	كفيلة السجاد	سیدالساجدین علیہ السلام کی سرپرست
11۔	ناموس رواق العظمة	آستانۂ عظمت کی ناموس
12۔	سيدة العقائل	صنفِ خواتین کی سردار
13۔	سرِّ ابيها	اپنے پدرِ بزرگوار کی رازداں
14۔	وليدة ا لفصاحة	فصاحت و بلاغت کی پیداوار
15۔	سلالة ا لولاية	خلاصۂ ولایت
16۔	شقيقة الحسن	امام حسن علیہ السلام کی خواہرِ عزیز
17۔	عقيلة خدر رسالة	حریم رسالت کی مخدومہ
18۔	رضيعة الولاية	دامانِ ولایت کی پروردہ
19۔	البليغة	بلاغت پر عبور رکھنے والی خاتون
20۔	الفصيحة	فصاحت کی مالک خاتون
21۔	الكلملة	خاتونِ کاملہ

22۔ عابدہ آلِ علیؑ	خاندانِ علیؑ کی عابدہ
23۔ الصدیقة الصغری	صدیقۂ صغریٰ (ثانیِ زہراؑ)
24۔ المو ثقه	موردِ وثوق واعتماد بی بی
25۔ عقیلة الطالبین	خاندانِ ابوطالبؑ کی عاقلہ
26۔ الفاضله	ملکۂ فضل وفضیلت
27۔ عقیلة الوحی	خاندانِ وحی کی عقیلہ
28۔ شمه قلادة الجلالة	شوکت وجلال کی دُرِ درخشاں
29۔ نجمة سماء النبالة	آسمانِ نجابت وشرافت کا ستارہ
30۔ المعصومة الصغریٰ	معصومۂ صغریٰ
31۔ قرنیة النوائب	مصائب کی ہمدم
32۔ محبوبة المصطفیٰ	رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب
33۔ قرة عین المرتضے	علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نورِ چشم
34۔ صابرة محتسبة	نگہبان (مخدومۂ صبر)
35۔ عقیلة النبوة	خانۂ نبوت کی خاتونِ اعلیٰ
36۔ ربّةخدرا لقدس	حریمِ قدس کی نگہبان
37۔ قبلة البرٰیا	نیک وابرار کی قبلہ نما
38۔ رضیعة الوحی	پستانِ وحی کے دودھ سے پلی ہوئی بی بی
39۔ باب حطّة الخطایا	گنہ گاروں کی پناہ گاہ
40۔ حضرة علی وفاطمة	علیؑ وفاطمہؑ کی پارۂ جگر
41۔ ربیة الفضل	خاندانِ فضیلت کی پرورش یافتہ
42۔ بطلة کربلا	کربلا کی ذمہ دار ہستی (قہرمان)

43۔	عظیمة لواھا	رایتِ بزرگ کی مالکہ
44۔	عقیلة القریش	قریش کی عقیلہ
45۔	البالیة	گریہ کرنے والی اشک ریز بی بی
46۔	سلیلة الزھراء	خلاصہء فاطمۃ الزہرا
47۔	امین الله	اللہ تعالیٰ کی امانت دار
48۔	آیة من آیات الله	آیاتِ خدا میں سے ایک آیت
49۔	مظلومة وحیده	بے مثل مظلومہ
50۔	عارفه	عارف ورمز شناس بی بیؑ (فاطمۃ الزہراؑ:ص636)

اسنادِ مزید

بعض اسناد میں آپ کو **معینة الولایة** بھی کہا گیا ہے، اس لئے کہ آپؑ یاورِ مقامِ ولایت تھیں، جس کی تفصیل یہ ہے:

''دورِ امیر المومنین علیہ السلام میں اپنی شوہرداری، خانہ داری، پرورشِ اولاد کے باوجود اپنے والدِ بزرگوار کے ذاتی اُمور کی آپ ہی منتظم تھیں۔

''اپنے امامؑ بھائیوں کے زمانہ میں آپ ہر شخص سے زیادہ اپنے بھائیوں کی ولایت کی محرمِ راز اور اُنؑ کے ہمراہ رہتیں۔

''امام حسینؑ کے واقعہ کے دوران نہ صرف یہ کہ آپ امام کی مددگار و شریکِ جنگ بلکہ شریکِ مصائبِ عاشور تھیں۔

''شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام کی مددگار، خطراتِ موت میں آپؑ کی محافظ، بیماری میں آپؑ کی مونس وکفیل، مشاورت دہندہ اور آپؑ کی رازدار تھیں۔

''بعض اسناد میں آپ کو اس لئے عقیلہ کہا گیا ہے کہ عظیم القدر حضرات کے درمیان اور اپنے خاندانِ پُرعظمت میں آپ محبوب ترین اور عقل مند ترین مخدومہ تھیں۔

''آپ بیک وقت خاتونِ سرپرست، کربلا کی شیر دل، محدثہ اور دیگر ایسے ہی اسمائے گرامی کی مالک ہیں، جن کی تفصیل کو ہم مختصر کر رہے ہیں''۔

✿✿✿

۱۔ ثانیِ زہرؑا کا بچپن اور آپؑ کی تربیت

عالمِ انسانیت میں کم ہی ایسی بچیاں ہوئی ہوں گی جن کو ایسا عمدہ ماحول ملا ہو اور جنہوں نے اسقدر بلند پایہ تربیت حاصل کی ہو۔ ثانیِ زہرؑا کو بہترین ماحولِ تربیت نصیب ہوا۔ آپ نے گہوارۂ عصمت میں آنکھ کھولی اور ایسے ماحول میں سنِ رشد کو پہنچیں جو منصبِ وحی کا حامل اور سایۂ تطہیر سے ملا تھا۔ کون ایسا خوش نصیب بچہ ہوگا جو آغوشِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پرورش پاتا ہو، سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی عظیم مادرِ گرامی سے مادی ومعنوی خوراک حاصل کرتا ہو، جو اپنے سر پر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسے پدرِ عالی قدر کا سایہ رکھتا ہو اور بچپن میں جناب حسن اور جناب حسین علیہما السلام جیسے دو معصوم بھائیوں کے ساتھ کھیلا ہو جو جوانانِ جنت کے دو سردار ہیں!

کیا ایسی فضا و ماحول میں خیر وسعادت کے علاوہ اور بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ کیا ایسے گھرانے میں یہ توقع ممکن ہے کہ جناب زینبؑ عالیہ کے علاوہ کسی اور فطرت ومزاج کی خاتون پیدا ہو جو اپنے مقام پر خواتینِ عالم کیلئے باعثِ افتخار بن جائے؟

آغوشِ پاکِ مادرِ گرامی

سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی پارۂ جگر، آپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا کر سنِ رشد کو پہنچیں۔ زینبؑ علیا کا گوشت وخون سیدۂ طاہرہ کے گوشت وخون سے بنا، ایسی بیٹی جو دو بیٹوں کے بعد پہلی بچی کے طور پر دنیا میں آتی ہے، جس کی آمد گھر کی رونق اور خوشیوں کو زندہ کرتی ہے اور جس کو دیکھ کر ماں کا دل مسرت وشادمانی حاصل کرتا ہے، سیدہ فاطمہؑ زہرا کا دودھ پیا جو سینۂ عظمت وعصمت وتقویٰ کی مالک ہیں۔ تقریباً چھ برس اپنی والدۂ مخدومہ کے ہمراہ رہیں اور اس تمام عرصہ میں اپنی مادرِ گرامی کی ہمراز وہم آواز تھیں۔ سیدہ طاہرہؑ کی تنہائی اس بیٹی کے دم سے باقی نہ رہی اور وجودِ زینبؑ نے خانۂ سیدہؑ کی خلوت کو منور کیا۔

زینبؑ عالیہ اپنی والدۂ گرامی کے ساتھ منسلک رہیں، آپ کی ہم نوا وہمراز وہم خیال بنیں، اس طرح کہ آپ کی شخصیت اپنی والدۂ محترمہ کی شخصیت کے ساتھ اس طرح استوار ہوئی کہ آپ نہ صرف فاطمۂ ثانی وصدیقۂ صغریٰ کہلائیں بلکہ آپ کو عصمتِ کبریٰ کا پرتو تسلیم کیا گیا۔ اپنی مادرِ اقدس کے مقامِ بزرگ، اُن کے اخلاق وصفات وراہ ورسم، رسولؐ اکرم کے

ساتھ اُن کے تعلق و متعلقہ فرائض، پدرِ عالی مقام کی خدمت، رسولِ خدا کی اطاعت اور ان کا مددگارِ نبوت کا مقام، سب باتیں سیدہ زینبؑ کے لئے ایسے اسباق بنے جن کے مستقل اثرات ثانیِ زہرا کی مدت العمر میں باقی رہے۔

سیدہ زینبؑ کا معاونِ ولایت کا کردار، قرآن آموزی اور تعلیمِ قرآن کے لئے تشکیلِ درس، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور محبت خدائے بزرگ، امدادِ بیچارگان اور سب سے بڑی بات آپ کا راہِ خدا میں ایثار و مبارزہ، قرآن کی خاطر اپنی تمام قوتوں اور زندگی کی قربانی وغیرہ، سب باتوں کیلئے چاہئے کہ قارئینِ کرام سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اسوۂ حسنہ کی جستجو کریں 1۔

پیغمبر کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنارِ عاطفت کا زمانہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا اسمِ گرامی 'زینبؑ' رکھا۔ ثانیِ زہرا کو دیکھ کر آنحضرتؐ کو آپ کی دخترِ گرامی 'زینبؑ'[2] یاد آتی تھیں جنہوں نے صدیقۂ صغریٰ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ قبل وفات پائی تھی اور آنحضرتؐ اُن کے فراق میں غمگین رہتے تھے۔

آنحضرتؐ کو اُن سے گہری محبت تھی، انہیں اپنی آغوش میں بٹھاتے اور اُن سے راز و نیاز بھی کرتے۔ اُن کی تربیت بھی اپنی مادرِ گرامی کی طرح آنحضرتؐ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ بہ الفاظِ دیگر یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ یہ اور اُن کی والدۂ محترمہ ایک ہی طریق پر پرورش پائیں۔

چنانچہ ثانیِ زہرا پیغمبر اکرمؐ سے بہت زیادہ مانوس تھیں، آپ آنحضرتؐ کی نوازشات سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوئیں، آنحضرتؐ سے بہت سی ایسی باتیں سنیں اور سیکھیں جن کو مستقبل کے محدثین نے ثانیِ زہرا سے نقل کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ اہلِ سنت حضرات کے محدثین اس اعتبار سے سیدہ زینبؑ کو صحابیاتِ رسولِ خدا میں شامل کرتے ہیں (اسد الغابہ، ج5، 'زینبؑ')۔

آپ کی تربیت کے چند اولین برس بیتِ رسالت، محیطِ نبوت اور خانۂ وحی میں بسر ہوئے، وہ گھر جو خمسۂ آلِ طیب کا

1۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں:

سیرتِ فرزندھا از امہات — جوھرِ صدق و صفا از امہات

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ — مادراں را اسوۂ کامل بتول

2۔ یہ زینبؑ حضرت ام المومنین ام سلمہ کی صاحبزادی، ربیبۂ رسولؐ تھیں۔ تھوڑی سی رسول اللہؐ کی صحبت اور اُن کے فیض سے انہوں نے نمایاں فقہی شخصیت تعمیر کر لی تھی۔ ملاحظہ ہو "کربلا کی شیر دل خاتون" ص ۳۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، مقدمہ از علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کاموںپوری۔ رسولِ اکرمؐ کی ان سے محبت کی وجہ حضرت ام سلمہؓ کی محبتِ رسولؐ بھی ہو سکتی ہے (مترجم)۔

خانۂ سعادت اور مرکزِ حیات و رشد و ہدایت تھا۔ اسی گھر میں آیۂ تطہیر اور پورے کا پورا قرآن نازل ہوا، اس گھر کے شاگرد علیؑ و فاطمہؑ جیسے عظیم افراد تھے جن کے معلم خود حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

اس طرح ثانیِ زہراؑ نے آغوشِ پیغمبرؐ اسلام میں ہوش سنبھالا اور نبوت و ولایت کے شجرۂ طیبہ کی اہم ترین شاخ قرار پائیں۔ اسی دامنِ تربیت میں آپ نے مدارج کمال طے کر کے علم، عفت، تقویٰ، عبادت، محبتِ خداوند تعالیٰ اور خدمتِ دین کی صفات میں اکملیت پا کر تربیتِ روحانی کے بلند ترین درجات کو طے کیا۔

دورِ ولایتِ پدرِ بزرگوار

صدیقۂ صغریٰ نے دامانِ ولایتِ علی مرتضےٰ علیہ السلام میں پرورش پائی۔ آپ اپنے والدِ گرامی کی محبت و عنایت کا مرکز اور آپ کی مبارک آنکھوں کا نور تھیں۔ (قرۃ العین المرتضیٰ۔ زینبیّۃ)

ایک وقت وہ تھا جب امیر المومنینؑ نے خود اپنے دستِ مبارک سے لقمۂ غذا آپ کے دہن مبارک میں دیتے اور اپنے لطف و عنایت کی حرارت سے آپ کی پرورش فرماتے۔ آپ نے آغوشِ پدر و مکتب ولایت سے درس پایا، بابِ مدینۂ علم میں ہوش سنبھالا اور پرورش پائی۔ وفاتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد آپ کی والدۂ گرامی کی دنیا سے رحلت آپ کے پدرِ عالی قدر کی آپ کی طرف زیادہ محبت کا سبب بنی۔ ایسے عظیم باپ کی نگہداشت، زندگی کے مراحل میں اپنے ذاتی مسائل میں گرانقدر باپ سے حصولِ درس و اسباقِ اخلاق، دیانت و توحید، برداشت و تحمل کی تربیت پائی اور یہ ماحول و کیفیت و محبت و ربط ۴۰ھ یعنی روزِ شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام تک مستقل طور پر جاری رہا۔

ان عظیم باپ بیٹی کی تاریخِ زندگی مفصل موجود ہے۔ بعض اسنادِ تاریخ نشان دہی کرتی ہیں کہ بعض اوقات باپ اور بیٹی کے درمیان راز و نیاز کی ردّ و بدل بھی ہوا کرتی تھی جن کی طرف ہم بطور نمونہ اشارہ کرتے ہیں:

''اِلْتَفَتَ (عليٌّ) اِلی زَيْنَب وَ كَانَتْ عَلَی يَسَارِهِ''.

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت زینبؑ کی طرف، جو آپ کے بائیں طرف تھیں، توجہ فرمائی۔

''فَقَالَتْ يَا اَبَتَاهُ اَتُحِبُّنَا''.

خوردسال زینبؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا: ''بابا جان! کیا آپ کو ہم سے محبت ہے؟''

''قَالَ نَعَمْ، اَوْلَادُنَا اَكْبَادُنَا''.

فرمایا: ''یقیناً میری بیٹی! میری اولاد میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔''

''فَقَالَتْ يَا اَبَتَاهُ، حُبَّانِ لا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ الْمُومنينِ''۔

عرض کیا: ''باباجان! مومن کے دل میں دومحبتیں تو جمع نہیں ہوتیں''۔

''حُبُّ اللهِ وَحُبّ الْاَولادِ''۔

''یہ دومحبتیں اللہ کی محبت اوراولاد کی محبت ہیں''۔

''وَ اِنْ كَانَ لَابُدَّ''۔

''اوراگر یہ محبت ناگزیر ہوتو پھر چاہئے کہ.....

''فَالشَفْقَةُ لَنَاوَ الْحُبُّ لِلّٰهِ خالِصًا''۔

''ہماری طرف نظرمہر ہواور محبت اللہ تعالیٰ کی جانب مخصوص ہو''۔

''فَاز داد عَلِيٌّ حُبًّا''۔

''اپنی عزیز بیٹی کی اس تیزفہمی کے باعث ہی حضرت علیؑ کی محبت آپ سے اورزیادہ ہوتی تھی'' (الحدیث، ج1،ص74)

برادرانِ عظیم کی ہمراہی

صدیقۂ صغریٰ کا تعلق اُس گھرانے سے ہے جہاں آپ نے ایسے دو بھائیوں کے ساتھ بچپن گذارااور دوایسے بھائی آپ کے ہم تربیت رہے جو دونوں حاملِ مقامِ عصمت ہیں، دونوں اس امت کے امام ہیں خواہ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں:

''اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَينُ اِمَامَانِ قَامَااَوْ قَعَدَا'' (صلح امام حسن علیہ السلام)۔

دونوں اُن پانچ ہستیوں میں شامل ہیں جن کواصحابِ کساء کہا جاتا ہے۔(مفاتیح الجنان)۔

یہ بہن بھائی مدینہ میں مقامِ رُشدکو پہنچے، وہیں پرورش پائی اور اُس گھر میں رہتے تھے جو مرکزِ وحیٔ الٰہی تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن پر تربیتِ روحانی کی خاطر خاص نظرِ عنایت تھی اور جتنی دیر تک اپنے پاک والدین کی نظروں کے سامنے رہتے اُن کے دیدار سے ماں باپ کی آنکھیں روشن رہتیں۔

زینبؑ عالیہ بچپن میں اپنے اس گھر میں بے حد خوش وخرم رہتی تھیں جبکہ ابھی تک کسی رنج وغم کا سایہ اُن پر نہیں پڑا تھا اور یہی اس بی بی کا دورِ شادمانی تھا۔ یہی وہ دور تھا جس کے آخر میں وفاتِ جناب رسالت مآبؐ،حقِ والدِ بزرگوار کا نہ ملنا، پھر وفاتِ والدۂ گرامی، ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے ثانیٔ زہراؑ کے ظاہری دورِ انبساط وشادمانی کواُن سے چھین لیا۔

۲۔ ثانیِ زہراؑ کے اپنے گھر کی تشکیل

جنابِ ثانیِ زہراؑ کا بچپن گزرا، مصائب و مشکلاتِ زندگی یکے بعد دیگرے ہجوم کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خوردسالی کے دوران پدرِ بزرگوار کے سایۂ عاطفت، اپنی کیفیت مزاج اور نرم خوئی کی بدولت جو آپ کی فطرت کا حصہ تھی، آپ اس قابل ہوئیں کہ ان تمام حادثات و واقعاتِ ناخوشگوار کو برداشت کیا اور اُس عظیم پیمان و پیغام پر نظر رکھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ دنیا کا کونسا ذی شعور انسان ہے جو آپ کے کردار سے متاثر اور آپ کا مرہونِ منت نہ ہو!

آخر آپ کے دورِ جوانی و شباب کا آغاز ہوا۔ آپ باغِ فاطمہؑ زہرا کا ثمر تھیں۔ موقعہ آیا کہ آپ کے خانوادہ کی تشکیل کی نوبت آئے اور آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے ہر انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ ہر انسان کے فرائضِ حیات میں شامل ہے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی خواستگاری

جب زینبؑ عالیہ جوانی کی عمر کو پہنچیں تو بہت سے اشراف و رؤسائے قبائلِ عرب نے آپ کے رشتہ کی خواستگاری کی۔ ان میں بعض دولتمند و مالدار تھے جو یہ زعم رکھتے تھے کہ اپنی دولت و ثروت کے بل پر سیدہ زینبؑ سے ازدواج کا افتخار حاصل کر لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اشعث بن قیس، جو قبیلہ کندہ کے رؤساء سے تھا اور حضرت ابوبکر کا بہنوئی تھا، اپنے مقام پر یہ غرور رکھتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اُس کے رشتے کے پیشِ نظر حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس کو داماد کے طور پر قبول فرما لیں گے۔ وہ ایک روز حضرت علی علیہ السلام کے خانۂ اشرف میں تھا کہ اُس نے دور سے شہزادی کو گزرتے دیکھا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے شہزادی کیلئے خواستگاری کی۔ حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس کی درخواست کو مسترد فرما دیا بلکہ اُس کے اُس غرور کی وجہ سے جو اُس کی درخواست کا سبب بنا تھا، اُس کی سرزنش بھی فرمائی۔ (عقد الفرید، ج3، ص301)

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے خواستگاروں میں ایک حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ طیار بھی تھے جو امیر المومنین علیہ السلام کے خانۂ اقدس میں آمد و رفت رکھتے تھے اور جن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خود جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام دلی محبت رکھتے تھے۔

عبداللہ ابنِ جعفر کے دل میں بھی زینب عالیہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی حسرت پرورش پا رہی تھی لیکن فطری شرم و حیا

مانع تھی کہ براہِ راست حضرتؑ سے خواستگاری کریں۔ پس انہوں نے ایک قاصد کو تیار کر کے حضورِ امیرالمومنین علیہ السلام میں درخواست پیش کی۔ حضرت نے اس بات کو پسند فرمایا اور اُن کی درخواست قبول فرمائی 1۔

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر

آپ حضرت جعفر طیار کے فرزند تھے، (وہ شہید جن کے بارے میں رسولِ اکرم نے فرمایا، بہشت میں وہ دو بہشتی پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں)۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت جعفر طیار، امیرالمومنین علیہ السلام کے حقیقی بھائی آپ سے پہلے مجاہدینِ راہِ خدا کے ہمراہ اسلام کی خاطر درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیار کی بخشش و سخاوت اس بات کا سبب بنی کہ لوگ انہیں ''ابالمساکین'' یعنی مساکین کا باپ کہنے لگے۔ یہی میراثِ معنوی بعدازاں اُن کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو نصیب ہوئی۔

---

1 (i) امیرالمومنینؑ پیغمبرِ اسلام کی زبانِ مبارک سے وہ جملہ بھی سن چکے تھے جو آنحضرتؐ نے علیؑ و جعفرؑ کی اولاد کی بابت فرمایا تھا:

''بنا تنالبنینا و بنو نالبنا تنا''۔ ''ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کیلئے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لئے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ خاندان کے بزرگ کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے نواسے اور نواسیاں، پوتے اور پوتیاں آپس میں ازدواجی سلسلوں میں منسلک ہو جائیں تاکہ اس کی نسل کا پاکیزہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور اس کے وجود کے ظاہری آثار مٹنے نہ پائیں۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو رسولِ خدا کا یہ جملہ کیونکر بھول سکتا تھا اس لئے کہ علیؑ نے اپنی مقدس زندگی کے پاکیزہ مراحل کو تعلیماتِ نبوی سے پوری طرح ہم آہنگ کر لیا تھا، علیؑ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ پیغمبرِ اسلام نے اُن جلیل القدر بھائی اور اسلام کے عظیم سپاہی جناب جعفر طیار شہید کی اولاد کے سلسلہ میں اپنے اس حقیقت آمیز جملہ میں کیا رہنمائی فرمائی ہے۔

(''زینبؑ، زینبؑ ہے'' ص ۶۷۔۶۸، مؤلفہ۔ صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری)

(ii) ثانیِ زہراؑ اور عبداللہ ابنِ جعفر، عون اور حضرت امِ کلثومؑ کے عقد رسولؐ اللہ کی مخصوص وصیت کی بنا پر ہوئے۔ علامہ ابن شہر آشوب (م ۵۸۸ھ) نے مناقب ص ۱۶۳ میں کتاب الاحکام الشریعہ کے حوالہ سے خزارقی سے نقل کیا ہے کہ سرورِ انبیاء نے اولادِ علیؑ و جعفرؑ کو دیکھا تو فرمایا: ''بنا تنالبنینا و بنو نالبنا تنا''، ''ہمارے لڑکے ہماری لڑکیوں کیلئے ہیں اور ہماری لڑکیاں ہمارے لڑکوں کیلئے ہیں۔'' اس سے عموماً خاندان کی لڑکیاں آپس میں ہی منسوب ہوتیں..... عبداللہ ابنِ جعفر اور اُن کے بھائی پہلے ہی سے امیرالمومنینؑ کی تربیت میں تھے اور انہی کی سرپرستی میں رہتے۔ حضرت زینبؑ سے شادی کے بعد بھی دونوں امیرالمومنینؑ ہی کے ساتھ رہے۔ حضرت امِ کلثومؑ کے شوہر عون بھی اپنی بیوی کے ساتھ اپنی سسرال ہی میں رہتے (کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۴۸، مقدمہ از ڈاکٹر مجتبےٰ حسن کامونپوری)۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت میں حضرت جعفر طیار جماعتِ مہاجرین میں شامل (بلکہ ان کے سردار) تھے۔آپ کے صاجزادے عبداللہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے (الاصابہ، ج4،ص48)۔1

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر طیار کی کنیت ابومحمد وابوجعفر ہے۔آپ جنابِ زینبؑ کبریٰ کے چچازاد ہیں۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت عبداللہ نے مصاحبت رسولؐ اکرم کا شرف بھی پایا۔آنحضرتؐ نے انہیں اپنا موردِ عنایت قرار دیا۔حتیٰ کہ انہیں اپنے ہمراہ مرکب پر سوار فرماتے اور راستہ میں اُن سے باتیں کرتے ہوئے احادیث بھی القاء فرماتے۔کہتے ہیں کہ بعد میں حضرت عبداللہ رسولِؐ اکرم کے ساتھ ہونے والے مباحث کا تذکرہ فرمایا کرتے (اسدالغابہ، ج3،ص144)۔

اُن کی بیان کردہ روایات مستند تسلیم کی جاتی تھیں (مقاتل الطالبین، ص91)۔

وفاتِ پیغمبرؐ اسلام کے وقت اُن کی عمر تقریباً دس سال تھی۔

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی شخصیت

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر سے جنابِ رسولِؐ خدا کو حد درجہ محبت تھی اور آنحضرتؐ نے، جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا، انہیں دعائے خیر دی۔ابنِ حجر انہیں شبیہِ پیغمبرؐ اسلام بتاتے اور اُن کے لئے آنحضرتؐ کا یہ قول تحریر کرتے ہیں:

"وَ امّا عَبْدُاللہ فَیشْبَہُ خُلُقِی وَ خَلْقِی".

یعنی "عبداللہ اخلاق وصفات میں بالکل میری شبیہ ہے"۔(الاصابہ، ج3،ص49)

تمام مؤرخین جنہوں نے عبداللہ ابنِ جعفر کے بارے میں لکھا ہے انہیں کرامت وعزتِ نفس کی صفات سے یاد کرتے ہیں، بالخصوص اُن کی سخاوت پر بہت بحث کی گئی ہے۔اُس دور کی تاریخ میں عرب کے دس افراد کا سخاوت کی شہرت کے سلسلہ

1(i)۔حضرت عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی اور ظہورِ اسلام کے بعد حبشہ میں پیدا ہونے والے وہ پہلے فرد ہیں۔

("زینبؑ، زینبؑ ہے"، ص۹۷،م۔صادق، ترجمہ آغا حسن رضا غدیری)۔

(ii)۔عبداللہ ابنِ جعفر حبشہ میں پیدا ہوئے۔عبداللہ ابنِ جعفر ہی کے نام پر حضرت جعفر طیار کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔چند روزہ قیام میں حضرت جعفر کا حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر اتنا اثر ہو گیا کہ جب اُس کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو عبداللہ کے نام پر اپنے بیٹے کا نام بھی اس نے عبداللہ رکھا اور اسماء کی تربیت میں اپنے بیٹے کو دے دیا۔عبداللہ ابنِ جعفر اور فرزند نجاشی دونوں رضاعی بھائی تھے۔(تذکرہ خواص الامہ، سبط ابنِ جوزی، ص۱۰۶ "کربلا کی شیر دل خاتون"، ص۴۰۔۴۱، مقدمہ علامہ ڈاکٹر مجتبےٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور۔

میں ذکر آتا ہے۔ جن میں سب نے حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کو اُن سب سے اونچی جگہ پر شمار کیا ہے بلکہ بعض مؤرخین نے تو حضرت عبداللہ کو قطب السخاء یعنی سخاوت کا منبع و مرکز قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب: ابن عبدالبر)

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر بڑے مالی استحکام کے مالک تھے۔ اپنے اس مال کو سخاوت و بخشش کی راہ میں صرف کرتے۔ اکثر مؤرخین نے انہیں اسی بنا پر کریم و سخی لوگوں کا سید و سردار تسلیم کیا ہے۔ ایک شاعر نے ان کی توصیف میں یہ شعر بھی کہا ہے:

وَلَو لَمْ یَکُنْ فِی کَفِّهِ غَیرُ رُوحِهِ

لَجَادَ لِهَا فَلْیَتَّقِ اللّٰه سَائِلُهُ

یعنی ''اگر اس کے ہاتھ میں اُس کی جان کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اُس کو بھی بخش دینے کو تیار تھا اور اُس کے پاس آنے والے سائل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتا اور ایسی درخواست اُس سے نہ کرتا''۔ 1

1۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی یہ سخاوت جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھی، جیسا کہ بہت سے مؤرخین کے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہم یہاں دورِ حاضر کے چند مؤرخین کے اقوال ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ کی دولت، اُن کے معیارِ سخاوت اور اس سلسلہ میں اُن کی فطرت کے آئینہ دار ہیں۔

(ا)۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر مدینہ کے متمول اکابرین میں سے تھے۔ آپ کا مال و دولت دراصل نتیجۂ دُعائے سرکارِ دو عالمؐ تھا۔ حضرت جعفرؓ طیار کی شہادت کے بعد آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! عبداللہ ابنِ جعفر کے کاروبار میں برکت دے۔ چنانچہ اسی دعا کے اثر سے وہ مدینہ کے مشہور سوداگر تھے۔ اس قدر سخاوت فرمایا کرتے تھے کہ ''منبع جود و سخا'' مشہور ہو گئے تھے۔ آپ کا درِ دولت ہمیشہ حاجت روائے فقراء رہا (حیاتِ طیبہ حضرت زینبؑ: آیت اللہ عبدالحسین دستغیب، ترجمہ مولانا سید ہادی حسن نقوی، ص۲۰، لاہور)۔

(ب)۔ ابوجعفر عبداللہ ابنِ جعفر ہاشمی آپ کے شریکِ حیات تھے۔

اُن کی والدہ اسماء بنتِ عمیس اور والد جعفرؓ طیار دونوں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ حبش میں عبداللہ ابنِ جعفر پیدا ہوئے..... عبداللہ باپ کے ساتھ مدینہ آئے۔ حضرت جعفر طیار جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے۔ اس سانحہ کو رسولؐ اللہ نے بہت محسوس کیا..... عبداللہ اور اُن کے بھائیوں کے متعلق فرمایا: ''اَنَا وَلِیُّهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ'' (استیعاب، عبدالبر، ج۱، ص۲۴۲) یعنی ''میں دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا ولی ہوں''..... عبداللہ ابنِ جعفر کہتے ہیں..... ''رسولؐ اللہ ایک دن گھر میں آئے۔ میں ایک بکری کی خرید کیلئے گفتگو کر رہا تھا۔ حضرتؐ نے دعا دی۔ فرمایا: 'خداوندا! عبداللہ کی تجارت میں برکت دے'۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ میری تجارت میں ہمیشہ برکت ہوتی رہی' (تذکرہ خواص الامہ، ص۱۰۹) ایک دن رسولؐ اللہ نے عبداللہ ابنِ جعفر کو دیکھا کہ وہ مٹی سے بچوں کے کھلونے تیار کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے پوچھا کہ اسے کیا کرو گے؟ کہا: ''اسے بیچوں گا''۔ حضرتؐ نے فرمایا: 'اس کی قیمت کا کیا کرو گے؟' کہا: (جاری)

دورِ حکومتِ حق

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو حضرت عبداللہ پر مکمل اعتماد تھا۔ حضرت کی جنگوں اور دیگر امور میں عبداللہ شریک رہتے اور حضرت کی توجہ کا مرکز ہوتے تھے۔ جنگِ صفین میں تو عبداللہ حضرت کی فوج کے کمان دار اور حکام میں نظر آتے ہیں۔ لوگ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کوئی حاجت رکھتے اور حاضر ہونے میں شرم محسوس کرتے، یا اور کوئی وجہ حضرت کے سامنے پیش ہونے میں مانع ہوتی تو حضرت عبداللہ کو واسطہ قرار دے کر اپنی گزارشات خدمتِ امام میں پیش کرتے۔ لوگوں کا یہ طریقِ کار حضرات حسنین علیہم السلام کے ہوتے ہوئے بھی بروئے کار لایا جاتا اور دونوں اماموں کے احترام و مرتبت کے پیشِ نظر لوگ حضرت عبداللہ کے توسل سے ہی درخواست گزار ہوتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''کھانے کیلئے کھجوریں خریدوں گا۔'' حضرتؐ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ بارک له صفقة بمنة'' یعنی ''پروردگار عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔'' اس دعا کا اثر یہ تھا کہ عبداللہ جو تجارتی کاروبار کرتے اُس میں نفع ہوتا۔ ایک دن اُن کی تجارت اس درجہ کو پہنچی کہ ضرب المثل بن گئی۔ (مناقب سروی ماژندرانی، ج۱،ص۱۴۶ مطبوعہ بمبئی، ۱۳۰۲ھ)

سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے عبداللہ کے کاروبار میں برکت کی دعا دی.....
حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد اسماء بنتِ عمیس امیر المومنین علیہ السلام کے عقد میں آگئیں۔ حضرت جعفر طیار کی شہادت کے بعد ہی سے عبداللہ اور اُن کے بھائی امیر المومنینؑ کی تربیت میں آگئے تھے۔ عبداللہ کی والدہ اسماء سے امیر المومنین علیہ السلام کے عقد کے بعد عبداللہ اور اُن کے بھائی بہنوں کو اسی گھر کا قرب حاصل ہوگیا۔ عبداللہ ابنِ جعفر اور اُن کے بھائی بہن حضرت علیؑ کی تربیت میں رہے اور حضرت علیؑ سے فیض اٹھاتے رہے۔ الٰہیاتی مسائل، حربی واقفیت، اخلاقی و سیاسی تعلیم حضرتؑ ہی سے پائی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و خطابت میں عبداللہ نے اپنی ممتاز حیثیت بنالی.....سپاہیانہ تربیت عبداللہ کی حضرت علیؑ کی نگرانی میں ہوئی۔ وہ اُن کی جنگوں میں اُن کے دستِ راست رہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی تلوار اُن کے پاس رہتی۔ ایک بار عبداللہ سواری پر تھے کہ اچانک ایک سائل نے اُن سے سوال کیا۔ وہ گھوڑے پر سے اترے اور سواری اور جو سامان اُس پر تھا، وہ سب سائل کو دے دیا۔ اس سامان میں حضرت علیؑ کی تلوار بھی تھی۔ انہوں نے سائل سے کہا: ''تلوار سے دھوکہ نہ کھا جانا۔ یہ علیؑ کی تلوار ہے۔ (ہدایہ و بنایہ، ابن کثیر دمشقی، ج۸،ص۱۰۱).....عبداللہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ جتنے بڑے وہ دولتمند تھے اُسی دریا دلی سے ضرورتمندوں کی خبر گیری کرتے، علم و ادب کی سرپرستی کرتے.....ابنِ عبدالبر لکھتے ہیں کہ عبداللہ کریم و جواد و ظریف و خلیق و عفیف و سخی تھے۔ ''دریائے سخاوت (بحرالجود)'' اُن کا لقب پڑ گیا تھا۔ وہ بڑے ادب نواز تھے۔ شعر و سخن کی ترقی میں اُن کی دولت کام آتی تھی۔ ''نصیب'' یا ''قیس الرقیات'' شاعر نے ایک بار اُن کی مدح کی (جاری)

حضرت عبداللہ امیر المومنین علیہ السلام کی جنگوں کے دوران اپنے عظیم چچا کے ہمراہ ہوتے۔ اُن کی شجاعت و جرأت کا یہ عالم تھا کہ انہیں موت کی پرواہ نہ تھی۔ لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام اکثر مواقع پر انہیں سالاریٔ جنگ اور سپہ سالاریٔ لشکر کے منصب پر فائز کرتے (زینبؑ بطلة کربلا)۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ہر طرح اطاعت گزار رہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اُنہوں نے اُسے اونٹ، گھوڑا، کپڑے، درہم ودینار بخش دیئے۔ اُسے بہت کہا گیا تو انہوں نے کہا: ''یہ کیا ہے، ایک 'فانی دولت' ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کا ادب ایک زندہ خدمت ہے۔'' (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ص۳۵۴)

تجارت کا مشغلہ بھی ان کا خاندانی تھا اور بخشش وسخاوت بھی ان کی میراث تھی۔ سخاوت ہی کی وجہ سے عبداللہ کے والدِ ماجد حضرت جعفر طیار کا لقب ''ابوالمساکین'' پڑ گیا تھا۔ (ترجمہ اسد الغابہ، ج۲، ص۲۲۲، تذکرہ خواص الامہ، ص۱۰۶، ماخوذ از ''کربلا کی شیر دل خاتون، ص۴۰ تا ۴۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، مصنفہ بنت الشاطی، مصری)۔

(ج) جناب عبداللہ ابنِ جعفر عہدِ طفولیت سے عالمِ شباب تک اپنے بھائیوں کے ہمراہ اپنے چچا امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی خدمت مین رہے اور اولادِ علیؑ کے ساتھ رہ کر مولائے کائنات سے علم ومعرفت کے اعلیٰ مراتب کسب کیئے، اسلامی اخلاق کی روحانی غذا حاصل کی اور اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات سے اس قدر ہم آہنگ کیا کہ مسلمانوں کی بزرگ اور باعظمت شخصیتوں میں شمار ہونے لگے۔

جناب عبداللہ اپنے زمانہ میں سخاوت وتوانگری میں معروف تھے.....ایک دن کچھ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخی وتوانگر کے متعلق آپس میں بحث کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک گروہ نے دعویٰ کیا کہ اس وقت مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخی عبداللہ ابنِ جعفر ہیں۔ دوسروں نے اس کا ثبوت طلب کیا تو اُن میں سے ایک شخص حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے پاس آیا اور دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سوار ہوکر شہر سے باہر جا رہے ہیں.....وہ شخص آگے بڑھا، آپ کی سواری کی باگیں تھام لیں اور اُن سے کہا: ''میں مسافر ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' یہ سُن کر عبداللہ اپنی سواری سے اُتر پڑے اور فرمایا کہ اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور اس پر رکھی ہوئی تھیلی سے جس قدر چاہے رقم لے لو، البتہ اس پر رکھی ہوئی شمشیر نہ اٹھانا کیونکہ وہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی یادگار ہے.....وہ (تھیلی) قیمتی جواہرات سے بھری ہوئی تھی اور نقد رقم چار ہزار دینار بھی تھے، اور علیؑ کی شمشیر بھی تھی جو ان جواہرات اور نقدی کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ قیمتی تھی۔ اُس شخص نے واپس آکر وہ تمام واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو سب نے کہا کہ عبداللہ ابنِ جعفر کا عمل بتاتا ہے کہ جس نے اُن کا نام ''بحر الجود''، دریائے سخاوت رکھا اس نے بالکل بجا اور ٹھیک کیا ہے۔ (زینب بنتِ علیؑ، مؤلفہ عبدالعزیز سید الاہل، ص۶۰) (جاری)

امام حسین علیہ السلام سے ان کی اطاعت و ارادت کا معیار ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے:

''جب ان کے صاحبزادوں عون و محمد کی خبر شہادت حضرت عبداللہ کو مدینہ میں ملی تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کیلئے مجلسِ عزا منعقد نہ کی بلکہ صرف عزائے امام حسین علیہ السلام کے لئے صفِ ماتم بچھائی۔ کہتے تھے کہ میرے بیٹوں کا المیہ مجھ پر آسان و سہل ہے کیونکہ انہوں نے میرے بھائی اور دیگر مجاہدوں کے ہمراہ جہاد و فدا کاری کو اختیار کیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اگرچہ میں خود نصرتِ حسینؑ کے لئے موجود نہ تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ میرے فرزندوں نے یہ سعادت حاصل کی۔''

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

عبداللہ ابنِ قیس اور معقل ابنِ ضرار اپنے زمانہ کے معروف شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی شان میں جو اشعار کہے ہیں اُن میں حضرت عبداللہ کی سخاوت اور عظمتِ کردار کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ابنِ قیس کہتا ہے:

وما کنت الا کاغر ابن جعفر — دای‌ء الهال لایبقی فالبقیٰ له ذکرٗ

(زینبؑ کبریٰ، مؤلفہ جعفر نقدی، ص ۸۹)

جعفرِ طیار کے فرزند کی عظمت یہ ہے — مالِ دنیا دے کے اپنا نام زندہ کر دیا

کس طرح اُس کی شان کا ادا حق میں کروں — جس نے ظرفِ عشقِ حق کو عظمتوں سے بھر دیا (غدیریؔ)

ابنِ ضرار نے کہا:

انک یا بن جعفر نعم الفتیٰ — و نعم ماوی طارق اذا اتیٰ

و رب ضعف طرق الحی سریٰ — صادف زاداً وحدیثاً ما اشتھیٰ

ترا عزمِ جواں اے ابنِ جعفر — ترے جود و سخا کا ترجماں ہے

ترے در سے ہر اک نے فیض پایا — ترا گھر بے کسوں کا آستاں ہے (غدیریؔ)

حضرت عبداللہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے عام طور پر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی نعمتیں فراواں کر کے احسان فرمایا ہے اور میں اُس کے عظیم احسان کا بدلہ اُن نعمتوں کو اُس کے بندوں پر خرچ کر کے ہی دے سکتا ہوں کیونکہ یہ سب کچھ اُسی کا عطا کردہ ہے اور میں اس کی نعمتوں کا شکر اس طرح ادا کرتا ہوں کہ اُس کے مستحق بندوں کو اُن نعمتوں سے فیضیاب کرتا ہوں، جس پر خدا مجھے مزید عنایت فرماتا ہے۔ (ماخوذ از ''زینبؑ، زینبؑ ہے، مصنفہ م۔ صادق، ترجمہ علامہ آغا حسن رضا غدیری، ص ۷۵ تا ۸۷)۔

(۵) روایت شده که پیغمبرؐ بعبدالله بن جعفر گذشت و او بعادتِ اطفال چیزے از گِل ساخته بود. (جاری)

حضرت عبداللہ کی کربلا میں عدم موجودگی کی وجہ

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ حضرت عبداللہ کی اس قدر محبت وعقیدت کے باوجود واقعۂ کربلا میں اُن کی عدم موجودگی کی کئی وجوہات پیش کی جاتی ہیں، تاہم اُن کی اس عدم موجودگی میں کسی طرح کی بے ارادتی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ اس زمانہ میں تقریباً نابینا ہو چکے تھے اور صعوباتِ سفر یا جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس زمانہ میں شام میں تھے جبکہ انکی زوجہ محترمہ جناب زینب سلام اللہ علیہا اپنے برادرِ بزرگ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کیلئے مدینہ گئی ہوئی تھیں، تاہم انہوں نے پہلے ہی سے کربلا کی جانب اپنے بھائی کے ہمراہ سفر کرنے

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

فرمودند چه میکنی بایں؟ عرض کرد میخواهم بفروشم. فرمودند پولش را چه میکنی؟ عرض کرد خرما بخرم و بخورم. پیغمبرؐ فرمود اللّهم بارک فی صفقه بمینه. بعد ازیں چیزی نخرید نگر اینکه فائده نمود.

و در عقدالفرید است که جناب عبدالله بزن فقیرئه مالِ زیادی داد. عرض کردند ایں زن ترا نمیشناخت و بعطاء قلیل راضی بود. فرمود اگر او مرا نمیشناخت من خودم را میشناسم و اگر او بعطاء کم راضی بود من راضی نبو دم مگر بعطاء زیاد.

و از بعضی تواریخ نقل شده که فرزدق شاعر آمد نزدمروان بن حکم ازو و عطیئه طلبید. پس ادا با کرد از عطاء. جناب عبدالله ابنِ جعفر فرمود چه مقدار متوقع بودی که مروان بتوبدهد. گفت سالی هزاراشرفی؟

فرمود چند سال امید داری که زندگی بنمائی؟ گفت چهل سال. عبدالله بغلامش فرمود وکیل مرا حاضر کن. ادراحاضر کرد. فرمود چهل هزار اشرفی بفرزدق بده. گرفت و خوشنودمراجعت کرد.

و گفته شده که مردے قدرے شکر آوردبمدینئه طیبه که ادرا بفروشد. کساد شدو کسے شکر از و نخرید. گفتند اگر بروی نزد عبدالله ابنِ جعفر او خواهد خرید و پولِ شکرت را خواهد داد. آمد خدمتِ آں بزرگوار، عرض کرد. جناب عبدالله شکرها رازو گرفت و نثار کرد بفقراء. چوں آں مرد دید که فقراء آں شکر ها را میبرند عرض کرد خدمتِ شوم خود منهم بردارم. فرمود بردار. فرمود پولِ شکرت چه میشود؟عرض کرد چهار هزار. فرمود با و دادند و دو مرتبه آمد، مطالبهٔ پولِ شکرش را کرد. بازدگر چهار هزار بوے دادند. بعد فرمود این دوازده هزار: پس آنمرد معجبا بر گشت و انشاء کرد:

لا خیر فی ا لمجتدی فی الخیر تشله   فاستمطرو امن قریش خیر مختد ع

تخال فیه اذا حاورته بلها   من جوده و هو وافی العقل و الورع (جاری)

کی اجازت اپنے شوہرِ نامدار سے حاصل کر رکھی تھی۔ ہماری نظروں میں مؤخرالذکر روایت بالکل ضعیف و ناقابلِ قبول ہے۔
بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مدینہ ہی میں تھے اور اپنے کاروبار وغیرہ کی درستی کے بعد امام حسین علیہ السلام کے قافلہ کے ساتھ جا کر ملنے کا عزم رکھتے تھے۔ لیکن جب اس کام سے فارغ ہوئے تو بہت دیر ہو چکی تھی اور امام حسین علیہ السلام شہید ہو چکے تھے۔

ہمارے نزدیک یہ روایت پہلی روایت سے بھی ضعیف تر اور خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ امامِ مظلوم کی مدینہ سے روانگی اور حضرت کی شہادت کے درمیان کچھ مہینوں کا عرصہ ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ اس تمام طویل عرصہ کے دوران تمام واقعہ سے غافل و بےخبر رہے، یا یہ کہ اتنے عرصے میں اپنے کاروبار و مشاغل کو سنبھال نہ پائے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''روایت ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ عبداللہ ابنِ جعفر کے پاس سے گزرے۔ وہ بچوں کی طرح مٹی سے کچھ بناتے تھے۔ فرمایا: ''اسے کیا کرو گے؟'' عرض کیا: چاہتا ہوں کہ اسے بیچ دوں'۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: ''رقم کا کیا کرو گے؟'' عرض کیا: ''کھجوریں خرید کر کھاؤں گا۔'' آنحضرتؐ نے فرمایا: ''پروردگار! عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما'' اس کے بعد عبداللہ نے جو بھی خریدا اس میں انہیں فائدہ ہوا۔

عقد الفرید میں روایت ہے کہ جنابِ عبداللہ نے ایک فقیر عورت کو بہت سا مال دے دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عورت آپ کو نہیں پہچانتی تھی اور تھوڑی عطا پر راضی ہو جاتی۔ فرمایا کہ اگر وہ مجھے نہیں پہچانتی تھی تو میں تو اپنے آپ کو پہچانتا ہوں۔ اگر وہ کم بخشش پر راضی تھی تو کیا ہوا میں تو کم بخشش پر راضی نہ تھا۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ شاعر فرزدق مروان بن حکم کے پاس آیا اور اس سے خیرات مانگی۔ اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے پوچھا کہ مروان سے کس قدر بخشش کی تجھے توقع تھی؟ عرض کیا کہ ایک ہزار اشرفی سالانہ۔ فرمایا کہ کتنے سال زندہ رہنے کی توقع رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ چالیس سال۔ فرمایا کہ ہمارے وکیل کو بلاؤ۔ اسے بلایا گیا تو فرمایا کہ فرزدق کو چالیس ہزار اشرفی دے دو۔ اس نے یہ رقم لی اور خوشی خوشی واپس ہوا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ طیبہ میں کچھ شکر فروخت کرنے کیلئے لایا۔ وہ پریشان ہو گیا کیونکہ کسی نے اس سے شکر خرید نہ کی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تو عبداللہ ابنِ جعفر کے پاس جائے تو وہ خرید لیں گے اور تیری شکر کی قیمت تجھے دے دیں گے۔ پس وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملہ اُن بزرگوار کے سامنے پیش کیا۔ جناب عبداللہ نے اس سے شکر لے لی اور فقراء کو بخش دی۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ فقراء وہ شکر لے جا رہے ہیں تو عرض کیا کہ کیا میں خود بھی اس میں سے کچھ لے لوں؟ فرمایا کہ لے لو۔ پھر پوچھا تیری شکر کی کیا قیمت بنتی ہے؟ اس نے عرض کیا: چار ہزار۔ فرمایا کہ رقم اسے دے دو۔ وہ شخص دو مرتبہ آیا اور شکر کی قیمت مانگی۔ فرمایا اسے چار (جاری)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کا مدینہ میں رہ جانا امام حسین علیہ السلام کے اصلاحِ احوال کی خاطر تھا جس کیلئے امام نے انہیں پابند کر دیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ اگر امام کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ میں اپنا کوئی نائب چھوڑ کر

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہزار اور دے دو۔ پھر تیسری مرتبہ مطالبہ کیا۔ پھر چار ہزار دیدیئے اور فرمایا کہ یہ بارہ ہزار ہو گئے۔

پس وہ شخص تعجب کرتا ہوا واپس ہوا اور مندرجہ بالا شعر کہے: (منتخب التواریخ ص ۱۲۷، ۱۲۸)۔

(ھ)......نجاشی کو حضرت جعفر علیہ السلام کے ساتھ الفت و محبت ہوگئی۔ اس عرصہ میں بطنِ اسماء بنتِ عمیس سے تین لڑکے پیدا ہوئے جن میں عبداللہ سب سے بڑے تھے ___ ابنِ جوزی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ پیدا ہوئے تو چند روز کے بعد نجاشی کو بھی خدا نے ایک لڑکا عطا فرمایا۔ چونکہ نجاشی کو مدت سے لڑکا ہونے کی آرزو تھی جواب پوری ہوئی، اس نے خیال کیا کہ یہ برکتِ قدمِ عبداللہ ایسا ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے فرزند کا نام بھی عبداللہ رکھا اور جنابِ جعفرؑ سے استدعا کی کہ آپ کی زوجہ اسماء بنتِ عمیس تھوڑا سا دودھ اس لڑکے کو بھی پلا دیا کریں تاکہ اُس شیرِ پاک سے پرورش ہونے کی وجہ سے یہ لڑکا بھی خوش خو و مجمع مکارم ہو۔

......ابنِ جوزی نے اپنے تذکرہ میں روایت کی ہے کہ عبداللہ نے یحییٰ ابنِ ابی العلیٰ سے کہا کہ مجھے وہ وقت یاد ہے جب جناب رسولؐ مختار نے تشریف لا کر میری مادر کو میرے باپ کی خبرِ شہادت سنائی، مجھے اور میرے بھائی کو حضرتؐ اپنے سینہ سے لگا کر ہمارے سروں پر دستِ شفقت پھیرتے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہمارے حق میں یہ دعا فرمائی:

''بارِالٰہی! جعفر نے عمدہ ثوابوں کی طرف سبقت کی۔ تو اس کی ذریت میں ایسا اچھا قائم مقام پیدا کر جیسا کہ سب کی ذریت میں اچھا قائم مقام ہوا کرتا ہے...... آپؐ مجھے ساتھ لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور بحالتِ حزن و اندوہ منبر پر گئے اور مجھے ساتھ بٹھا لیا اور لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ منبر سے اتر کر آپؐ مجھے اپنے ہمراہ دولت سرا میں لے گئے اور ارشاد کیا کہ ہمارے لئے کھانا لایا جائے۔ پہلے میں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد میرے بھائی کو طلب کر کے کھانا کھلایا۔ تین روز تک ہم جنابِ رسولؐ خدا کے ہمراہ آپؐ کی ازواج کے گھروں میں رہے۔ اس کے بعد ہم اپنے گھر چلے گئے اور پھر آنحضرتؐ ہماری ملاقات کے لئے ہمارے مکان پر تشریف لائے جبکہ میں اپنی بکری کو دانہ کھلا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرتؐ نے چشم پُر آب ہو کر میرے حق میں یہ دعا فرمائی:' **اللّٰھم بارک فی صفقة**' (خداوندا! ان کے گروہ میں برکت عطا فرما)۔ یہ جناب سید الانبیاؐ کی دعا کی برکت ہے کہ ہر روزگار اور معاملہ میں مجھے نفع ہوا۔

تذکرۂ ابنِ جوزی میں ہے کہ جب ماتمِ جعفرؑ کے تین روز گزر گئے تو جناب خاتم الانبیاء اولادِ جعفرؑ کے مکان پر تشریف لے گئے اور محمد و عون و عبداللہ پسرانِ جعفرؑ کو اپنے پاس طلب فرمایا۔ پھر حجام کو بلا کر اُن کے بال ترشوائے اور فرمایا کہ محمد تو میرے چچا ابو طالبؑ سے، عون خلق میں مجھ سے مشابہ ہے۔ پھر عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد کیا:'' خداوندا! خیر و برکت کے ساتھ جعفر کا قائم مقام (جاری)

جائیں تو اس کیلئے اور کئی حضرات بھی موجود تھے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک سب سے پہلی روایت ہی قبولیت سے قریب ترین باقی رہ جاتی ہے 1۔ (حاشیہ صفحہ 84 پر ملاحظہ فرمائیں)۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

مقرر فرما اور عبداللہ کے کاروبار میں برکت عطا کر۔''

اس کے بعد اسماء نے آکر اس الطاف وعنایت پر اظہارِ تشکر کیا جو آنحضرتؐ نے اولادِ جعفرؑ کے ساتھ کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسماء سے فرمایا: ''ان کی نسبت کیا تمہیں مفلسی کا خوف ہے؟ دنیا وآخرت میں مَیں اِن کا ولی ہوں۔''

.......جنابِ رسولِ خدا کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی سفر پر مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے اہلِ بیتؑ کے لڑکوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ ایک سفر سے واپس ہونے کے وقت، عبداللہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں پہلے پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ نے اول مجھے سینہ سے لگایا اور بعد ازاں مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر فرزندانِ جناب فاطمہؑ میں سے ایک صاحبزادہ آیا۔ یہ یاد نہیں کہ حسنؑ تھے یا حسینؑ۔ اُسے بھی آنحضرتؐ نے سینہ سے لگا کر اپنے آگے بٹھالیا اور اُسی طرح واردِ مدینہ ہوئے۔

.......کتاب ناسخ التواریخ میں معجزاتِ رسولؐ کے ذیل میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ ابنِ جعفر کے حق میں برکت کی دعا کی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ ابنِ جعفر مال وحشمت سے مالا مال ہوگئے اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ اہلِ مدینہ جب کسی سے قرض لیتے تھے تو اُس کی ادائیگی کا وعدہ عبداللہ کی عطا پر مشروط کر دیتے تھے۔

ابوالفراج نے کتابِ آغانی میں روایت کی ہے کہ ایک روز جناب سیدالأنبیاء نے عبداللہ کو دیکھا جبکہ وہ طفل تھے کہ بیٹھے کھیل رہے تھے اور مٹی کا ایک اونٹ بنا رکھا تھا۔ آنحضرتؐ نے تبسم فرما کر دریافت کیا کہ اسے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میں اسے فروخت کرونگا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ اس کی جو قیمت ملے گی اُسے کس کام میں لاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس کے خرمے خرید کر کھاؤں گا۔ آپ نے عبداللہ کے حق میں دعائے خیر کی جس کے اثر سے آپ کبھی محتاج نہ ہوئے اور جو معاملہ کیا اُس میں نفع ہوا۔

.......زندگی بھر جنابِ رسولِؐ خدا فرزندگانِ جعفر علیہ السلام پر شفقت فرماتے رہے۔ آپ کی رحلت کے بعد اُسی طرح حضرت علیؑ بھی عنایت ومرحمت فرمایا کرتے، یہاں تک کہ عبداللہ بالغ ہوگئے۔ تمام بنی ہاشم میں عبداللہ کو حُسنِ صورت ومال وحشمت وسخاوت کی وجہ سے امتیازِ خاص حاصل تھا اور جنابِ امیرؑ بھی آپ پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ جب جنابِ زینبؑ کی عمر شادی کے قابل ہوگئی تو عبداللہ نے اپنے چچا حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس محترمہ سے عقد کی درخواست کی اور دیگر بزرگانِ بنی ہاشم نے بھی حضرت سے اس درخواست کی تائید کی۔ اُس زمانہ میں عبداللہ میں اتنی خوبیاں جمع تھیں کہ قریش میں کسی کو حاصل نہ تھیں۔ آپ ایسے خوش رو اور صبیح تھے کہ آپ کو حضرت عبداللہ، پدرِ بزرگوارِ جناب رسالتمآبؐ سے مشابہ پا کر ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ آپ بڑے ہو کر عالم (جاری)

حضرت عبداللہ کا امام حسینؑ کو سفرِ عراق سے منع کرنا اور نصرتِ امامؑ کا عزم

اسنادِ تاریخ گواہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے بہت کوشش کی کہ امام حسین علیہ السلام کو سفرِ عراق سے روکیں۔ حضرت عبداللہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے لئے عراق میں خطرات محسوس کر رہے تھے اور انہیں یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور فقیہ تھے۔ چنانچہ مفسرینِ قرآن اور راویانِ حدیث میں آپ کا شمار ہے۔ علاوہ علم و دانش کے آپ حقوقِ امام کے عارف اور فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے۔ دربارِ معاویہ و یزید میں آپ کے مناظرے مشہور ہیں۔ صحاحِ عامہ و خاصہ میں آپ سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ شرافتِ نسب اسی سے ظاہر ہے کہ آپ کو حضرت ختمی مرتبت سے نسبت قرابت حاصل تھی، اس طرح کہ عبداللہ حضرتِ جعفر کے فرزند اور ابوطالب وعبدالمطلب کے فرزند زادہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور سید الانبیاء کے ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ اس کے سوا آپ مالدار اور ایسے سخی تھے کہ جواد کے لقب سے مشہور تھے۔ اکثر شاعروں نے جو اشعار آپ کی سخاوت کی تعریف میں بکثرت نظم کئے وہ آج تک کتب میں درج ہیں۔ آپ کی استدعا نے بارگاہِ مرتضویٰ میں درجۂ اجابت حاصل کیا اور جناب امیرؑ نے بعدِ عقد حضرت زینبؑ کو زنانِ بنی ہاشم کے ہمراہ عبداللہ کے گھر روانہ فرما دیا۔ اُس وقت اُس مخدومہ کا سن مبارک تقریباً گیارہ سال کا تھا۔ چند روز کے بعد عبداللہ نے دعوتِ ولیمہ کی۔

جنابِ امیر المومنین علیہ السلام حضرت زینبؑ کے دیکھنے کے لئے روزانہ عبداللہ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کو زینبؑ سے بہت محبت تھی اور اُن کے حق میں آپ دعائے خیر فرماتے۔ اوّل تو اولادِ جعفرؑ ہونے کی وجہ سے اور دوسرے جنابِ زینبؑ کے سبب سے جو شفقت و عنایت آپ امام حسین علیہ السلام سے کرتے تھے اسی قدر عبداللہ سے فرماتے تھے۔ زمانۂ خلافتِ ظاہری میں جب حضرت علیؑ نے کوفہ کو ہجرت کی تو ان دونوں کو بھی ہمراہ لیا۔ وہاں جنابِ زینبؑ کی یہ جلالتِ شان تھی کہ کوفہ اور عراق کی عورتیں اور امیر زادیاں آپ کی زیارت کی متمنی رہتی تھیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہو جاتا تھا وہ فخریہ اس کا اظہار کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ تمام غزوات اور جنگوں میں علیؑ مرتضیٰ کے ہم رکاب رہے تا آنکہ حضرتؑ نے شہادت پائی اور خلافت امام حسنؑ کی طرف منتقل ہوئی۔ امام حسنؑ نے پہلے معاویہ سے جنگ کی مگر پھر حسبِ مصلحت اس سے صلح کر کے ۴۱ھ میں مع اہلِ بیت مدینہ مراجعت فرمائی، ان میں جنابِ زینبؑ بھی شامل تھیں۔ پس تمام اہلِ بیتِ عصمت مدینہ میں رہنے لگے۔ جب امام حسن علیہ السلام زہرِ دغا سے شہید ہو گئے تو خامسِ آلِ عبا حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی عہد پر عمل کیا جو حسنؑ مجتبیٰ نے معاویہ کے ساتھ کیا تھا اور کچھ مخالفت نہ کی۔ اب بنی ہاشم میں امام حسین علیہ السلام ہی سید و سردار تھے۔ آپ بھی اپنی خواہر اور حضرت عبداللہ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔

(ماخوذ از ''رضا کار، لاہور، شریکۃ الحسینؑ نمبر ۱۹۶۱ء'' ص ۵۹ تا ۶۳) (جاری)

وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جواُن کے والدِ بزرگوار کے ساتھ رکھا تھا۔ تاہم اس کے برعکس وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُن کے لئے مدینہ بھی جائے امن نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مدینہ سے امام حسین

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

مندرجہ بالا اقتباسات نہایت مختصر طور پر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی شخصیت و کردار کی وضاحت کرتے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ بنی ہاشم کے فرد حضرت جعفر طیار کی اولاد کو ایسے ہی کردار کا مالک ہونا ایک فطری امر ہے۔ اسلام کی خاطر محسنِ اسلام حضرت ابو طالبؑ کی جاں فشانیاں ہر ذی شعور انسان کے سمجھنے کیلئے کافی ہیں کہ اولادِ ابو طالبؑ کس طرح مقاصدِ اسلام کی ترویج و تحریک میں پیچھے رہ سکتی ہے۔ جعفر طیار فتحِ خیبر کے موقع پر حبش سے واپس جب مدینہ منورہ پہنچے تو اس روز حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ جعفر کے آجانے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے، حالانکہ یہ فتح وہ تھی کہ جس نے نوزائیدہ مسلم معاشرہ کی اقتصادی کیفیت کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ نہ صرف اقتصادی حالت بلکہ قومِ مسلم اس وقت کی اقوامِ عالم کے سامنے ایک ٹھوس قوت بن کر سامنے آگئی اور ایران و روم کی مہذب و طاقتور مملکتیں سوچنے پر مجبور ہوگئیں کہ ریگزارِ عرب کے تند خو و غیر مہذب خانہ بدوش ایک زندہ قوت بن چکے ہیں، لہٰذا ان سے ٹکرانا ہر قسم کے خطرات سے ٹکرانے کے مترادف ہوگا۔ اسی زمانہ میں جعفر طیار کے فرزندِ اکبر حضرت عبداللہ نے بنی ہاشم کے قبیلہ میں آنکھ کھولی اور سب سے پہلے محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ سایہ تربیت کا شرف پایا، آنحضرتؐ کی دعاؤں کا مصداق بنے اور انہی دعاؤں کی برکت سے اقتصادی و معاشرتی و علمی تربیت حاصل کر کے منازلِ حیات کی ابتدا کی۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مستقل طور پر حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے زیرِ تربیت رہ کر اسباقِ کردار سازی میں ترقی حاصل کر کے آپ کی دامادی کا شرف پایا۔ اسی تربیت کا اثر اوراقِ تاریخ کی زینت بنا ہوا نظر آتا ہے کہ یتیمِ جعفرِ طیار ہر موقعہ و معرکہ میں سایہ کی طرح اپنے عظیم عم بزرگوار کے ساتھ موجود پائے جاتے ہیں۔ ان تمام معرکوں میں شجاعت و شرافت و سخاوت و نجابت کے وہ مناظر بنی ہاشم کے اس شہزادے سے دیکھنے میں آتے ہیں کہ جب اس دور کے شجاع ترین انسانوں کا ذکر آتا ہے تو ان میں عبداللہ ابنِ جعفر کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ شجاعت میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا بلکہ فیاضی و سخاوت میں بھی معصومین علیہم السلام کو چھوڑ کر تاریخ عالم ان کے برابر کوئی فرد پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آخر کیوں نہ ایسا ہوتا کہ یہ وہ شخصیت ہے جس کو کاروبارِ معیشت میں برکت کیلئے اللہ تعالیٰ کے حبیب جیسی عظیم ہستی کی دعائیں حاصل ہیں جو نہ صرف یہ کہ حبیب پروردگار ہیں بلکہ باعثِ تخلیق کائنات اور عالمین کیلئے رحمت کا تاج جن کے سرِ مبارک کی زینت بنا ہوا ہے۔

عبداللہ ابنِ جعفر نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی جس کا سربراہ قرآن حکیم کی اصطلاح میں خُلقِ عظیم کا مالک بنا۔ اسی خُلقِ عظیم کے اخلاق اور حیدرِ کرار جیسی شخصیت کی شجاعت کا پرتو آپ کے ہر لمحۂ زندگی میں نظر آتا ہے۔

علیہ السلام کیلئے امن نامہ حاصل کیا تھا۔ تاہم امام حسینؑ حالات و مسائل کو بہتر اور وسیع تر زاویہ سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے مشورہ اور طریقِ خیر خواہی کو قبول نہ فرمایا۔ بعض مؤرخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ ابنِ جعفر اپنے دل سے نہ چاہتے تھے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہمراہیٔ امام علیہ السلام اختیار کریں، اس لئے امام علیہ السلام کو سفرِ عراق سے روک رہے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی شان و مقام کا تقاضا ہے کہ ہم اُن کے اس خیال سے کسی طرح متفق نہیں ہیں۔ اُن کا اپنے صاحبزادوں کو امامؑ کے ہمراہ بھیجنا مؤرخین کے اس خیال و مصلحت کی تائید نہیں کرتا۔

(حاشیہ صفحہ 81)۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی کربلا میں عدم موجودگی تاریخ اہلِ بیتؑ کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افرادِ اہلِ بیت کے کردار کو مسلمان مؤرخین نے کئی طرح کے تاریخی دھندلکوں سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کی اصل وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ کربلا کے مشہور مؤرخ سید ریاض علی ریاضؔ بناری نے اپنی کتاب ''شہیدِ اعظم'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کربلا کی تاریخ لکھنے والا سب سے پہلا فرد دشمن کا آدمی تھا۔ اس حقیقت سے انکار کرنا حقائق سے انکار کے مترادف ہوگا۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی مسلمانوں کی تاریخ میں بنی ہاشم کے افراد کے مخالفین کی نیت اور ان کے دشمنوں کے تعصب سے انکار نہیں کر سکتا۔ جس طرح بنی امیہ نے بنی ہاشم کو برباد کرنے کی کوشش میں اپنی تمام قوت صرف کر دی، یا جس طرح بنی عباس نے بنی فاطمہؑ کے قلع قمع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، یہ سب تاریخ کے چند ایک ایسے گھناؤنے ابواب ہیں جن سے کسی ذی شعور قاری کیلئے فرار ممکن نہیں۔ انہی ابواب میں اہم ترین واقعات میں سے ایک عبداللہ ابنِ جعفر کی شخصیت کو زنگ آلود کرنے کی کوششیں ہیں جس تحریک میں مؤرخینِ مخالف نے بڑی بڑی مضحکہ خیز کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ یہی مؤرخین اپنے اپنے مقام پر عبداللہ ابنِ جعفر کی عظمتِ کردار کا ذکر کرتے ہیں، اس محبت کا ذکر کرتے ہیں جو ان کو رسولؐ پاک، امیر المومنینؑ، حضراتِ حسنینؑ کے ساتھ حاصل تھی، ان دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں جن کے نتیجہ میں انہیں فروغِ تجارت اور جذبۂ سخاوت حاصل ہوا، اور پھر یہی مؤرخین ان کے اور ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کے درمیان اختلافات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

ہم گزشتہ صفحات میں عبداللہ ابنِ جعفر کی شخصیت پر روشنی ڈال چکے ہیں، تاہم ایک بار پھر ہمیں تاریخ کے دھندلکوں میں جھانکنے کیلئے اس موضوع کی طرف پلٹنا ہوگا اور چند ایک مصنفین کے مندرجات کا ذکر کرنا ہوگا جن سے یہ اندازہ لگانا صحیح طور پر ممکن ہوگا کہ ان کی کربلا میں عدم موجودگی کی اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے جوان بیٹوں کو خدمتِ امامؑ میں پیش کر رہا ہو، امام علیہ السلام کو پیش آنے والے خطرات سے اچھی طرح واقف ہو، اپنی متاعِ حیات زوجۂ محترمہ کو تمام صعوبات کو جانتے ہوئے امامؑ کے ہمراہ بھیج رہا ہو، حسینؑ اور ان کے مشن و موقف سے پوری طرح اپنی آگہی کا ذکر کر رہا ہو، عقلِ سلیم کیسے تسلیم کرے گی کہ وہ شخص اپنے دنیوی حالات کے پیشِ نظر جان دینے سے بچنے کیلئے ہمراہیانِ سید الشہداء علیہ السلام میں شامل نہ ہو رہا ہو۔ اس مقصد کے پیشِ نظر ہم ذیل میں (جاری)

حقیقت یہ ہے کہ جب عبداللہ نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے عزمِ عراق کوملتوی نہیں فرمارہے تو انہوں نے اپنے فرزندان عون ومحمد کوامام کے ہمراہ کردیا (زندگانیِ فاطمہ زہرؑا، ڈاکٹر شہیدی، ص 247) اور انہیں تاکید فرمائی کہ کسی صورت میں نصرتِ امامؑ سے کنارہ نہ کریں بلکہ اگر لازم ہو تو رکابِ امامؑ میں جہاد کریں۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کا یہ عمل ان کی وفاداری و کمالِ خلوص کا آئینہ دار ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) چند ایک اقتباسات پیش کر کے ان کے نتائج پر نہایت مختصر بحث ہدیۂ قارئین کریں گے۔

علامہ ڈاکٹر سید مجتبےٰ حسن کاموں پوری اس سلسلہ میں اپنے تحقیقی مقالہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''عبداللہ ابنِ جعفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسولؐ اللہ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا اور مجھ سے ایک ایسی بات بیان فرمائی کہ میں اسے کبھی بیان نہ کرونگا۔ وَاَسَرَ اِلَیَّ حَدِیثاً لا اُحَدِّثُہُ اَبَداً (خواص الامہ، ص۱۰۹) ''عبداللہ ابنِ زبیر نے ایک دن عبداللہ ابنِ جعفر سے کہا: 'آپ کو وہ دن یاد ہے کہ ہم اور آپ اور ابنِ عباس کی رسولؐ اللہ سے ملاقات ہوئی'۔ عبداللہ ابنِ جعفر نے کہا: 'خوب یاد ہے۔ حضرتؐ نے ہمیں سوار کر لیا اور تمہیں چھوڑ دیا'۔'' (مسلم و بخاری۔ تذکرہ خواص الامہ، ص۱۰۹)۔

''.....عبداللہ ابنِ جعفر اور اُن کے بھائی بہن حضرت علی علیہ السلام کی تربیت میں رہے اور حضرت علی علیہ السلام سے فیض اٹھاتے رہے۔ الٰہیاتی مسائل، حربی واقفیت، اخلاقی و سیاسی تعلیم حضرتؑ سے ہی پائی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و خطابت میں عبداللہ نے اپنی ممتاز حیثیت بنالی۔

''عبداللہ کا کوئی بیٹا بیمار ہو گیا تھا۔ وہ اس کی دیکھ بھال کیلئے اُس کے پاس آئے اور کہا یہ پڑھو: 'لا الـــه الا الله الــحــلــيــم الــكــريــم، سبحان الله رب العرش العظيم، اللّٰهم ارحمني اللّٰهم تجاوز عنّي، اللّٰهم اعف عنّي فانك عفو غفور، اس کے بعد کہا کہ یہ وہ کلمات ہیں جو میرے چچا علیؑ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ خود انہیں جنابِ رسولؐ خدا نے یہ کلمات تعلیم فرمائے تھے'۔ حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۲۳۱)۔

''سپاہیانہ تربیت عبداللہ کی حضرت علیؑ کی نگرانی میں ہوئی۔ وہ اُن کی جنگوں میں اُن کے دستِ راست رہے۔ امیر المومنینؑ کی تلوار اُن کے پاس رہتی تھی۔ ایک بار عبداللہ سواری پر تھے کہ اچانک ایک سائل نے اُن سے سوال کر لیا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سواری اور اُس پر جو سامان تھا وہ سب سائل کو دے دیا۔ اُس سامان میں حضرت علیؑ کی تلوار بھی تھی۔ انہوں نے سائل سے کہا کہ تلوار سے دھوکا نہ کھا جانا۔ یہ علیؑ کی تلوار ہے (ہدایہ ونہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج۸، ص۱۰۱)۔

''عبداللہ ابنِ جعفر کی ساری زندگی انسانی کمالات سے مالا مال ہے۔ انہوں نے جنابِ رسولؐ خدا سے حدیثیں سنی تھیں۔ اُن سے اُن کی اولاد نے یہ روایتیں لیں۔ دوسرے حلقہ کے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اُن کے پاس بھی اُن کی روایات ہیں۔ مثلاً عروہ (جاری)

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی

حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے اس مقام و کردار کے پیشِ نظر صدیقۂ صغریٰ کی اُن کے ساتھ شادی ہوئی۔ یہ شادی اگرچہ رسولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد ظہور میں آئی تاہم یہ رشتہ آنحضرتؐ کی خواہش کے مطابق طے ہوا تھا (زینبؑ الکبریٰ، ص 128)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) بن زبیر، سعد بن ابراہیم اکبر، شعبی، مؤرخ عجلی، عبداللہ ابنِ شداد، ... بن سعد، عباس بن سعد بن سہل وغیرہ (استیعاب عبدالبر، ج ا، ص ۲۵۴)۔

''دوسرے مکتبِ خیال کے جن لوگوں نے بنی ہاشم، بنی فاطمہؑ اور حضرت علیؑ سے روایتیں لی ہیں ان کے متعلق عموماً یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہوشیاری سے انہیں پرکھیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا تھا کہ وہ آلِ محمدؐ کے نظریات کے خلاف حدیثیں گھڑیں اور اُن سے منسوب کردیں۔ اُن کی کوشش رہی ہے کہ آلِ محمدؐ اور اُن کے حلقۂ فکر میں اختلافِ رائے اور بے اعتمادی دکھائیں۔

''.....عبداللہ ابنِ جعفر کے معاملہ میں بھی ایسا ہوا ہے.....اس طرح کے واقعات خاص مقصد سے تصنیف کئے گئے ہیں۔ انہیں مردہ واقعات سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

''.....عبداللہ میں اپنے علم و فضل اور بہترین خدمات کی وجہ سے یہ اہلیت تھی کہ وہ حضرت علیؑ کی دامادی کا شرف حاصل کریں اور عقیلۂ بنی ہاشم، ثانیِ زہراؑ، حضرت زینبؑ کبریٰ کے شریکِ زندگی بن سکیں، بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ ثانیِ زہراؑ اور عبداللہ ابنِ جعفر، اور عون اور حضرت امِ کلثومؑ کے عقد رسولؐ اللہ کی مخصوص وصیت کی بنا پر ہوئے.....عبداللہ ابنِ جعفر اور اُن کے بھائی پہلے ہی سے امیر المومنینؑ کی تربیت میں تھے اور اُنہی کی سرپرستی میں رہتے۔ حضرت زینبؑ سے شادی کے بعد بھی دونوں امیر المومنینؑ ہی کے ساتھ رہے۔ حضرت امِ کلثومؑ کے شوہر عون بھی اپنی بیوی کے ساتھ اپنے سسرال ہی میں رہتے۔

''امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔

''ترحّل الحسنُ بن علی ومعه اخوه الحسین و بقیه اخوتهم و ابن عمهم عبدالله ابن جعفر من ارض العراق الی ارض المدینة'' (البدایه و النهایة ابن کثیر دمشقی، ج ۸، ص ۱۹۹)

''کوفہ سے مدینہ کو حسنؑ ابنِ علیؑ واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے بھائی حسینؑ اور دوسرے بھائی اور اُن کے چچیرے بھائی عبداللہ ابنِ جعفر بھی تھے۔

''امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بہنیں اور بہنوئی امام حسینؑ کے ساتھ رہنے لگے۔ عبداللہ، عون، یہ سب امام حسینؑ کو اپنا دینی سرپرست سمجھتے.....عبداللہ اپنے مسائل میں امام حسینؑ کے حکم کے منتظر رہتے۔ اگر ان کی اولاد کی کوئی نسبت لاتا تو برجستہ کہتے کہ اس مسئلہ میں امام حسینؑ سے رجوع کرنا چاہئے اور امام حسینؑ جو فیصلہ کرتے وہ عبداللہ کیلئے خوشی کا باعث ہوتا۔ امام حسینؑ کے دوستوں کو (جاری)

روایات میں آیا ہے (نیز ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں) کہ رسولِ اکرم جب اولادِ جعفر و اولادِ علیؑ کو دیکھتے تو فرماتے:
''ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کیلئے ہیں اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کیلئے'' (بانوئے شجاع زینبِ کبریٰ، ص 55)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) دوست سمجھتے اور اُن کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے۔ زندگی کے متعلق اُن کے نقطۂ نظر کے خاص حامی تھے.....

''ثانیِ زہراؑ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہم سفر ہونا عبداللہ ابنِ جعفر کی عین مرضی تھی۔ وہ سو فیصدی امام کے مسلک پر یقین رکھتے تھے۔ رسولؐ اللہ کے ساتھ ایک دن جب وہ سواری پر سوار تھے اور حضرتؐ نے اُن سے کوئی بھید کی بات کہی جسے عبداللہ نے کہا میں کبھی ظاہر نہ کروں گا، غالباً اس کا تعلق واقعۂ کربلا کی پیشین گوئی سے تھا۔ کیا بعید ہے کہ اس پیشین گوئی میں حضرت زینبؑ اور بچوں کا ذکر بھی آیا ہو اور عبداللہ نے اُس کی روشنی میں بیوی کو امام کے ساتھ کر دیا اور بچوں کو بھی ساتھ کر دیا ہو.....

''جب سانحۂ کربلا کی اطلاع مدینہ آئی تو عبداللہ کے غلام ''ابوالسلاک'' نے بچوں کے قتل پر احمقانہ تاثرات کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ اُس کی گستاخی پر اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکے، اُس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کم بخت تو یہ کہتا ہے؟ واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی اُن کے ساتھ قتل کیا جاتا۔ واللہ آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے سبب تسلّی ہے کہ اگر میں خود حسینؑ کی مدد نہ کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر لیا۔ (شہیدِ کربلا، مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع، سابق مفتی دیوبند، ص ۹۰، مطبوعہ ۱۹۵۷ھ)۔

''مشہور مؤرخ طبریؔ کے الفاظ یہ ہیں:

''واللہ لو شھدتہ لا حببت ان لا افارقہ حتیٰ اقتل معہ، واللہ انہ لمما یسخی بنفسی من ولدی و یھون علی المصاب بھما انھما اُصیبا مع اخی و ابن عمی مواسین لہ صابرین معہ ثم اقبل مع جلسائہ و قال: الحمدللّٰہ لقد عزّ علیّ المصاب بمصرع الحسین ان لا اکون اٰسلیۃ بنفسی فلقد اٰساہ ولدای'' (طبری، ج۶، ص ۲۶۸)۔

''بخدا اگر میں وہاں موجود ہوتا تو میری بھی یہ تمنا ہوتی کہ اُن کے ساتھ قتل ہو جاؤں۔ میرے دل کو اس سے کچھ تسکین ہوتی ہے کہ میرے دونوں بیٹے میرے بھائی کی خدمت کرتے کرتے ثباتِ قدم کے ساتھ کام آئے۔ پھر انہوں نے حاضرین کی طرف رُخ کر کے کہا کہ اگر حسینؑ پر میں اپنی جان قربان نہ کر سکا تو میرے دونوں بیٹوں نے یہ فرض انجام دیا۔''

''ان تمام معتبر واقعات کی کڑیوں کو ملانے کے بعد کون ایسا عقلمند ہوگا جو یہ کہے گا کہ عبداللہ ابنِ جعفر امامؑ کے سفر کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنی بیوی کو اس جُرم پر طلاق دے دی کہ وہ کیوں امامؑ کے ساتھ ہم سفر ہوئیں۔''
(ماخوذ از ''کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۴۳ تا ۶۴، مقدمہ علامہ سید مجتبےٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

مندرجہ بالا اقتباسات سے جہاں عبداللہ ابنِ جعفر کی عظمتِ کردار کی وضاحت ہو جاتی ہے وہاں یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح آشکار ہوتی ہے کہ عبداللہ ابنِ جعفر کے کربلا میں موجود نہ ہونے اور ان کے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا سے اختلافات کی حقیقت (جاری)

روایاتِ صحیح تصدیق کرتی ہیں کہ دونوں کی عمر میں تقریباً چار سال کا فرق تھا کیونکہ رسولِ خدا کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ دس سال کے اور سیدہ زینبؑ تقریباً چھ سال کی تھیں (مقاتل الطالبین، ص 91)۔ بعض لوگوں نے دونوں کی عمروں میں دس برس کا فرق بھی لکھا ہے لیکن یہ امر بعید از حقیقت ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر تعین ممکن نہیں تاہم شادی کے وقت سیدہ زینبؑ کی عمر بارہ برس اور حضرت عبداللہ کی سولہ تا بیس برس بتائی جاتی ہے۔ یہ ازدواج پہلی صدی ہجری کی دوسری دہائی کے درمیان یا تیسری دہائی کے اوائل میں حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت میں قرار پایا۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بنی عباس کے حکمرانوں اور درباری مؤرخین کی اہلِ بیت سے دشمنی کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔

اس سلسلہ میں ہم مزید تحقیقی تخیل آگے پیش کرتے ہیں۔

''جب امام حسینؑ نے مدینہ کو خیر باد کہنے کا عزم کیا تو اس وقت جناب عبداللہ ابنِ جعفر سخت بیمار تھے اور ان کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ امامؑ نے جب مکہ سے عراق کی جانب سفر کرنے کا پختہ ارادہ کیا تو عبداللہ ابن جعفر کو اس کی خبر ہوئی اور انہوں نے امامؑ کی خدمت میں ایک خط اپنے دو بیٹوں محمد اور عون کے ہاتھوں روانہ کیا جس میں آپ کے عزمِ سفر کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

'' 'امابعد! میں نے سنا ہے کہ آپ مکہ سے عزمِ سفر کر چکے ہیں۔ آپ خدا کے واسطے میرا خط دیکھتے ہی مکہ سے سفر کرنے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس خطرناک سفر میں آپ کے دشمن آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور آپ کے اہلِ بیت کو اذیت و آزار پہنچائیں گے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو لوگ نورِ الٰہی سے بہرہ ور ہونے سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ آپ ہی دنیائے بشریت کو راہِ حقیقت دکھانے والے ہیں اور اہلِ ایمان کی اُمیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا آپ عراق جانے میں جلدی نہ کریں۔ میں آپ کیلئے یزید سے امان حاصل کرلوں گا اور آپ کی جان، مال، اولاد اور خاندان کو بنی امیہ کے شر سے نجات دلاؤں گا۔ والسلام۔'

''عبداللہ نے اپنے تئیں یہ سوچا کہ مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید سے تحفظ و امان کی ضمانت لے کر امامؑ کو بنی امیہ کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی جاسکتی ہے اور اس طرح امامِ وقت کی جان بچ سکتی ہے۔ چنانچہ اسی تصور کی بنیاد پر جناب عبداللہ ابنِ جعفر مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید کے پاس آئے اور اُس سے امام کو تحفظ کی ضمانت دینے کے متعلق بات چیت کی۔ عمرو بن سعید کے پاس مدینہ اور مکہ دونوں شہروں کی حکومت تھی۔ گورنر کو جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر کی بات پسند آئی اور اُس نے فوراً امام حسینؑ کے نام خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

'' 'مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کی طرف عزمِ سفر کر چکے ہیں۔ میں اس سفر کو آپ کیلئے نہایت خطرناک سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ اس کے ہمراہ واپس تشریف لے آئیں اور ہم آپ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے کیلئے تیار ہیں اور آپ کی شان و عظمت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونے دیں گے، بلکہ آپ ہمیں ایک اچھے اور نیک ساتھی کی طرح پائیں گے۔ میری ان باتوں پر خدا گواہ ہے اور وہی صحیح معنوں میں اپنے بندوں کی حفاظت اور تحفظ کا ضامن ہے۔ والسلام۔' (جاری)

حضرت علی علیہ السلام نے جناب زینبؑ کا مہر اُن کی مادرِ گرامی کے مہر کے برابر ۴۸۰۔۵۰۰ درہم مقرر فرمایا (مولاّ ئے کائنات نے اپنی بیٹی زینبؑ کیلئے اسی مقدار میں حقِ مہر معین کیا جو اُن کی ماں فاطمہ زہراؑ کا تھا یعنی ۴۸۰ درہم ___ (زینبؑ، زینبؑ ہے، مصنفہ م۔صادق، ترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص ۶۸)۔

اس ازدواج کی ایک شرط یہ رکھی گئی تھی کہ اگر امام حسینؑ عازمِ سفر ہوں گے تو زینبؑ انؑ کی ہمراہی اختیار کرنے کی مجاز ہوں گی اور عبداللہ اس بات میں مانع نہ ہوں گے۔ اسی طرح دونوں بہن بھائی یعنی سیدہ زینبؑ اور امام حسینؑ کی ملاقاتِ پیہم کی شرط بھی رکھی گئی جبکہ شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے ہوں (زینبؑ کبریٰ، ص 89)۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) (یادر ہے کہ یہ خط ملنے سے پہلے ہی امام حسینؑ مکہ سے روانۂ سفر ہو چکے تھے)۔

''امام حسین علیہ السلام نے اپنے چچازاد بھائی جناب عبداللہ ابنِ جعفر کے نام جو خط بھیجا اس میں آپ نے اپنے سفر کے مقاصد اور اسباب پر مکمل روشنی ڈالی اور جناب عبداللہ کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنا مضبوط موقف مکمل طور پر واضح کر دیا تاکہ حالات کا کوئی پہلو اُن سے پوشیدہ نہ رہے۔ امامؑ نے اپنے خط میں لکھا:

'' 'مجھے آپ کا خط ملا ہے اور میں نے اُسے اچھی طرح پڑھ لیا ہے اور آپ کے مقصد سے مطلع ہو چکا ہوں۔ میں آپ کو حقیقت حال سے باخبر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے خواب میں اپنے جدِ بزرگوار محمد مصطفٰے کو دیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے مجھے ایک حتمی اور یقینی امر کی خبر دی ہے۔ لہٰذا اب صورتِ حال جو بھی ہو میں اس پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کروں گا۔ اے میرے مخلص چچازاد! خدا کی قسم! اگر میں زمین کی تاریک گہرائیوں کے دامن میں چھپ جاؤں تب بھی یہ لوگ مجھے وہاں سے نکال کر قتل کر ڈالیں گے اور خدا کی قسم! بنی امیہ کے مجھ پر ظلم و استبداد کی مثال ویسی ہی ہے جیسے ''یوم السبت'' کی بابت یہودیوں کا عمل۔ والسلام۔'

''جب جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر کے پاس امام حسین علیہ السلام کا مکتوبِ گرامی پہنچا تو انہیں امامؑ کے عزم و ارادہ کے پس منظر سے آگاہی حاصل ہوگئی اور ہر قسم کا ابہام دور ہوگیا۔

''تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے عزمِ سفر کیا تو سیدہ زینبؑ جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر کے پاس آئیں اور اُن سے اپنے ماں جائے کے ساتھ شریکِ سفر ہونے کی اجازت طلب کی اور اپنے شوہر سے کہا: ''اے میرے سرتاج! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ شریکِ سفر ہو جاؤں؟''

عبداللہ نے کہا: اے میری پاکباز رفیقہ حیات! اگر مجھے یہ ناگہانی مرض لاحق نہ ہوتا تو میں بھی اپنے آقا کے ہمراہ جاتا اور اُنؑ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کرتا۔

''اس کے بعد جنابِ عبداللہ نے سیدہ زینبؑ سے ایسا جملہ کہا جو نہ فقط عبداللہ کی عظمت و جلالت کا ترجمان تھا بلکہ (جاری)

ثانیِ زہراؑ اور حضرت عبداللہ کی شادی ایک امرِ طبعی بھی قرار پاتی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ اسماء بنتِ عمیس حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔ اُن کی شہادت کے بعد اُن کی شادی حضرت ابوبکرؓ سے ہوئی جن کی وفات کے بعد اُن کی شادی حضرت علی علیہ السلام سے ہوئی۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ حضرتِ عبداللہ کی والدہ تو موجود تھیں جبکہ سیدہ زینبؑ بغیر والدہ کے تھیں۔ اسی طرح امیرالمومنین علیہ السلام جنابِ زینبؑ کے پدرِ نامدار بھی تھے اور حضرت عبداللہ کی بے پدری میں اُن کے عمِ بزرگوار بھی۔ اس طرح یہ شادی قریب ترین عزیزوں ہی کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت زینبؑ کی اُمیدوں کی تکمیل کا سبب بھی تھا۔ عبداللہ نے کہا: 'کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سہارے بیٹے محمد اور عون بھی اپنے ماموں کی خدمت میں اس سفر کے شریک بنیں؟'

''عبداللہ کا یہ جملہ درحقیقت سیدہ زینبؑ کے دل کی آواز تھی۔ چنانچہ آپ نے اس پیشکش کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی قرار دیتے ہوئے قبول کیا۔ سیدہ زینبؑ اپنے بامعرفت اور جلیل القدر شوہر سے رخصت ہو کر اپنے دونوں نورِ نظر محمد اور عون کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں۔'' (''زینبؑ زینبؑ ہے'' مؤلفہ م۔ صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری، ص۱۴۳ تا ۱۴۵)

ہم ایک بار پھر کتاب ''منتخب التواریخ'' کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ مؤلفِ کتاب حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی کربلا میں عدمِ شرکت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

'' در عمدة المطالب است که جناب جعفر هشت پسر داشت و مادرِ همه اسماء بنتِ عمیس بود و عقبِ جناب جعفر منحصر شد از جناب عبدالله ابنِ جعفر زوجِ حضرت زینبؑ و جناب عبدالله درسنه هشتاد یاد رسنه نود در مدینه یاد را بوا از دنیا رفت و دربقیع دفن شد.

ودر انوار العلویه است وقتیکه سید الشهداء خواست بر د و جانبِ عرا ق عبدالله ابنِ جعفر عازم شد با آن بزرگوار بیرون شود سیدالشهدٔاء راضی نشد چون عبدالله مکفوف البصربود و چشمهایش نابینا بود عرض کرد یاسیدی حال که راضی نمیشوی من درخدمت باشم اذن بده دو پسرِ من درر کابت حاضر شوند.

حضرت قبول فرمودند چون خبرِ شهادت حضرت سید الشهداء بمدینه رسید جناب عبدالله ابنِ جعفر وغلامش از واقعۀ کربلا سوال کردند خبرِ شهادت دو فرزندش را شنید غلامش که مربی ایں دو طفل بود، گفت آنچه از سیدالشهداء بما رسید. عبدالله گفت ایں سخن را بسیدالشهداء جسارت کردی خواست عصابرسرِ آن غلام بزند فرار کرد بعد ابداً اورادر منزلِ خودراه نداد.

و از زیارتِ ناحیه مقدسه استفاده میشود که دو پسر جناب عبدالله کربلا شهید شدند یکے جناب عون ابنِ عبدالله ودیگری محمد بن عبدالله و متحمل است که هر دو از حضرت زینبؑ بودند. (جاری)

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد

مؤرخین اس ازدواج کے نتیجہ میں چار یا پانچ اولادوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

''جعفر (محمد) اور عون جن کی نسل باقی نہیں کیونکہ ان دونوں نے کربلا میں شہادت پائی''۔

''علی، جن سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی نسل چلی''۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) کتاب عمدۃ المطالب میں وارد ہے کہ جناب جعفر طیار کی آٹھ اولادیں تھیں جن سب کی والدہ گرامی اسماء بنتِ عمیس تھیں لیکن حضرت جعفر کی نسل جناب عبداللہ ابنِ جعفر سے چلی جو حضرت زینب کے شوہر تھے۔ جناب عبداللہ نے ۸۰ھ یا ۹۰ھ میں مدینہ یا ابوا میں اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

کتاب انوار العلویہ میں وارد ہوتا ہے کہ جب جنابِ سیدالشہداء علیہ السلام نے چاہا کہ عازمِ عراق ہوں تو عبداللہ ابنِ جعفر نے ارادہ کیا کہ اُن بزرگوار کے ہمراہ جائیں لیکن جناب سیدالشہداء علیہ السلام اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ عبداللہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی۔ لہٰذا انہوں نے خدمتِ امام میں عرض کیا کہ اے میرے آقا! اب جبکہ آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر رہوں تو اجازت دیجئے کہ میرے دو بیٹے آپ کی رکاب میں حاضر رہیں۔

جناب سیّد الشہداء علیہ السلام نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ جب سیّد الشہداء کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی جناب عبداللہ ابنِ جعفر اور ان کے غلام نے کربلا میں رونما ہونے والے واقعہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ کے دونوں بیٹوں کی شہادت کی خبر سُن کر آپ کے غلام نے، جس نے دونوں شاہزادوں کو پالا تھا، کہا کہ یہ رنج ہمیں سیدالشہداء کی وجہ سے پہنچا۔

حضرت عبداللہ نے (سخت ناراضی سے) غلام سے کہا کہ تو نے جنابِ سیدالشہداؑ کے لئے یہ بات کہنے کی جسارت کی؟ آپ نے چاہا کہ اپنا عصا اس غلام کے سر پر ماریں۔ وہ بھاگ گیا اور اس کے بعد کبھی اس غلام کو اپنے درِ دولت پر آنے کی اجازت نہ دی۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب عبداللہ ابنِ جعفر کے دو فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک جناب عون ابنِ عبداللہ ابنِ جعفر اور دوسرے محمد ابنِ عبداللہ ابنِ جعفر جو دونوں حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے تھے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی بینائی درست ہوتی اور جناب سیدالشہداء علیہ السلام اجازت مرحمت فرماتے تو وہ امامؑ کے ہمراہ ہر حالت میں شریکِ جہادِ کربلا ہوتے بالخصوص جبکہ حضرت عبداللہ زمانہ بھر میں عرب کے شجاع ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔ اپنے جوان بیٹوں کو رکابِ امام میں حاضر رہنے کیلئے پیش کر دینا، نیز اپنی زوجہ محترمہ جناب ثانیِ زہراؑ کو بخوشی ہمراہیٔ امامؑ کی اجازت دے دینا، جیسا کہ ہم سابق میں پیش کر آئے ہیں، اس بات کی مزید تصدیق کرتا ہے کہ عبداللہ ابنِ جعفر ہرگز ہرگز اقدامِ امام سے کوئی اختلاف نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا اس قسم کی تمام روایات قابلِ قبول (جاری)

''امِ کلثوم، جناب زینبؑ کی صاحبزادی۔ ان کیلئے معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے رشتہ مانگا لیکن حضرت عبداللہ نے اُن کی شادی کا اختیار امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر دیا جنہوں نے اس بیٹی کا عقد قاسم ابن محمد ابنِ جعفر کے ساتھ کر دیا (زندگانیِ فاطمہ زہراؑ، شہیدی، ص245)۔

بعض تاریخ نگاروں نے آپ کے بیٹوں میں علی، عون، عباس وغیرہ کا ذکر کیا ہے لیکن اُن کی کوئی وضاحت بیان نہیں کی (المجدی، ص18)۔

علامہ طبرسیؒ سیدہ زینبؑ کی چار اولادوں کا ذکر کرتے ہیں، جو جعفر، عون، علی اور امِ کلثوم پر مشتمل ہیں (اعلام الوریٰ)۔

بعض لوگوں نے زینبؑ علیا کے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کا ذکر کیا ہے (تاریخ طبری)۔

کچھ اور لوگوں نے حضرت کے پانچ بچوں علی، عون، عباس، محمد اور امِ کلثوم کا تذکرہ کیا ہے (اسد الغابہ، ج5، ص469)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) قرار نہیں پاتیں اور ان کی حقیقت ہوا خواہانِ بنی امیہ و بنی عباس کے متعصب رویہ سے زیادہ کچھ نہیں جو ان لوگوں کو اہلِ بیتِ رسولؐ اکرم کے خلاف حاصل تھا۔ علاوہ ازیں واقعۂ کربلا میں اولادِ عقیل وجعفر کی فداکاریاں صفحاتِ تاریخ کی زینت ہیں۔ لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ ان کے بزرگ ترین فرد یعنی حضرت عبداللہ ابنِ جعفر، جن کو حضورِ سید الانبیاء اور امیر المومنین علیہ السلام کی خصوصی محبت و شفقت ودعائیں حاصل تھیں، کس طرح نہضتِ امامؑ سے اختلاف کر سکتے تھے۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے یعنی حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو عزمِ عراق سے روکنا، حضرتؑ کے افکار کے باعث اُن کی بے چینی، عمرو بن سعید، حاکم مکہ ومدینہ سے حضرت کیلئے امان نامہ کا حصول، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کو تقاضائے بشریت سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ ہر ذی شعور قاری کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ یا دیگر مقتدر حضرات جو اس زمانہ میں موجود تھے، کسی صورت میں بھی سید الشہداء علیہ السلام کی سیاسی بصیرت کی برابری نہیں کر سکتے۔ جو لوگ حضرتؑ کو عازمِ عراق ہونے سے روک رہے تھے ان کے جذبۂ محبت وعقیدتِ امامؑ میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اگرچہ انفرادی طور پر ہر فرد کے کردار کے بارے میں تاریخی تنقید میں کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام عبداللہ ابنِ زبیر کو بتلاتے ہیں کہ آپ وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتے جس کے خون سے حرم کی زمین رنگین ہوگی، گویا حضرتؑ واضح الفاظ میں عبداللہ ابنِ زبیر کو مکہ بلکہ مسجد الحرام میں، ان کے قتل کی خبر دے رہے ہیں، ایسا واقعہ جو کربلا کے سانحہ کے کئی سال بعد رونما ہوا، تو ہمیں جناب سید الشہداء علیہ السلام کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے دیگر ہم عصروں کو حاصل نہ تھی۔

اس کے علاوہ ہر قاری کو یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ہوگی کہ یزید جو اپنے والد امیر معاویہ کی اس ہدایت کے باوجود کہ اپنے تمام مخالفین میں فرزندِ رسول کا احترام ہر قسم کی دشمنی ہوتے ہوئے بھی ملحوظ رکھنا، فرزندِ رسولؐ سے بیعت لینے پر کس قدر مصر تھا۔ پھر (جاری)

مؤرخین نے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی یعنی علی، عون، عباس اور ام کلثوم بھی لکھے ہیں 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا حاکم مدینہ کے نام امامؑ سے بیعت لینے کے بارے میں تہدید آمیز خط، نیز بصورتِ انکار امامؑ کا سر قلم کر کے شام بھیجنے کی ہدایت، ایسے واقعات ہیں جن کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس یزید کے یہ تمام احکامات کسی طرح ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے تاکیدی نصب العین کو مخفی نہیں رہنے دیتے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں کہنا پڑیگا کہ یزید اپنے مقام پر یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر اسے امام حسین علیہ السلام کی بیعت حاصل نہیں ہوتی تو باقی تمام مسلمانوں کا اس کی بیعت میں آ جانا ایک بے معنی عمل ہوگا۔ ہمارے خیال میں دورِ حاضر کے اسلام میں جمہوریت کے قائلین تو یقیناً اس بات کو تسلیم کریں گے کہ یزید اگر امام حسین علیہ السلام کی بیعت کو نظر انداز کر دیتا تو کسی طرح اصولِ جمہوریت پر زد نہ پڑتی۔ لیکن یزید کا امامؑ سے بیعت لینے پر اصرار اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے تمام تر اقتدار و اختیار و شاہانہ شان و شوکت کے باوجود یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرتؑ کے انکارِ بیعت سے اس کا قصرِ جمہوری اقتدار خاک میں مل جائیگا۔ اسی لئے تاریخ کے اوراق اس کے اصرار کی تمام صورتوں کو ظاہر کر رہے ہیں یعنی کبھی وہ اپنے عاملوں کو بیعتِ امام سے مایوس ہو کر حج کے موقعہ پر حاجیوں کے لباس میں اپنے کارندوں کو مامور کر رہا ہے کہ دورانِ حج امام کو قتل کر دیں۔ یہ سب باتیں اور اقدامات امامؑ کی موجودگی کو اس کے اقتدار کیلئے کس قدر خطرہ کا باعث قرار دے رہے ہیں۔

ان حالات میں کیسے کوئی ذی شعور ذہن عمرو بن سعید، عاملِ مکہ و مدینہ کی طرف سے امامؑ کیلئے امان نامہ کی حیثیت سے چشم پوشی کر سکتا ہے۔ اگر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے حاصل کردہ اس امان نامہ کی کوئی قدر و قیمت و حیثیت ہو سکتی تھی تو وہ امامؑ کے علاوہ دیگر افرادِ زمانہ کے لئے ہو سکتی تھی۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے اس اقدام کو صرف امامؑ سے محبت و عقیدت سے زیادہ کسی جذبہ کی کیفیت قرار دینا واقفیت سے گریز کے مترادف ہوگا۔ چونکہ جناب سید الشہداء عبداللہ ابنِ جعفر اور دیگر اکابرینِ زمانہ سے زیادہ سیاسی بصیرت کے مالک تھے اس لئے آپ اس امان نامہ کی اہمیت کو دیگر افراد سے زیادہ سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں یزید کے حکم سے ان دو مقدس شہروں کی شہادتِ حسینؑ کے بعد جو تباہی و بربادی عمل میں لائی گئی جبکہ بہت سے اصحابِ رسولؐ اور ان کی اولادیں وہاں موجود تھیں، یزید کی نیت میں کسی طرح کا حُسنِ ظن رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) عبداللہ ابنِ جعفر کی اولاد میں جو بطنِ حضرت زینبؑ سے ہوئی، مؤرخین نے اختلاف کیا ہے۔ جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے، جیسا کہ ابنِ جوزی نے لکھا ہے کہ آپ کے بطن سے چار لڑکے علی و عون الاکبر و محمد و عباس اور ایک لڑکی اُمِ کلثوم ہوئی۔ منجملہ ان کے عون و محمد میدانِ کربلا میں شہید ہوئے......

بحار الانوار اور دیگر کتب میں مسطور ہے کہ اُمِ کلثوم دخترِ جناب زینبؑ تمام صفات و کمال و عقل و ذکاوت میں اپنا مثل نہ رکھتی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حدِ رُشد کو پہنچ گئی تھیں۔

معاویہ ابنِ ابی سفیان نے جو ہوشیاری اور سیاست میں یگانۂ عصر تھا، استحکامِ سلطنتِ یزید کی یہ تدبیر خیال کی کہ اگر بنی (جاری)

تاہم سندِ قوی تر چار بیٹوں اور ایک بیٹی ہی کی ہے (تاریخ الخمیس، ج 2، ص 317)۔

بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ صدیقہ صغریٰ کے دو بیٹے کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور حضرت زینبؑ و حضرت عبداللہ کی نسل اُن کے صاحبزادے علی سے آگے بڑھی (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) ہاشم کے ساتھ پیوندِ مواصلت ہو جائے تو پھر ممکن ہے کہ یہ مخالفت جاتی رہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے عامل مروان کو لکھا کہ وہ یزید کے لئے امِ کلثوم دخترِ عبداللہ کی خواستگاری کرے۔ مروان نے عبداللہ کے پاس آ کر معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ امِ کلثوم کا مجھے اختیار نہیں بلکہ ہمارے سید و سردار امام حسین علیہ السلام اس امر میں مختار ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حضرت بنی ہاشم کے سردار ہیں، وہ امِ کلثوم کے ماموں بھی ہیں۔ یہ سن کر مروان نے خدمتِ امام حسینؑ میں حاضر ہو کر آپ کو بھی معاویہ کے منشاء سے مطلع کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں استخارہ کروں گا۔

جب مسجدِ رسولؐ میں آدمی جمع ہو گئے تو مروان بھی اپنے ساتھ کچھ آدمی لئے ہوئے حاضرِ خدمتِ امام حسین علیہ السلام ہوا اور کہا کہ معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یزید کے لئے امِ کلثوم بنتِ عبداللہ کی خواستگاری کروں اور بنی ہاشم و بنی امیہ کے درمیان صلح و دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا وہ مہر ادا کردوں جو عبداللہ مقرر کریں۔ علاوہ اس کے عبداللہ کے ذمہ جو قرض ہوگا وہ بھی ادا کیا جائے گا۔ میں یزید سے واقف ہوں۔ یہ کفو و پیوند بے نظیر ہوگا۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ اس پیوند پر سب لوگ آپ پر غبطہ کریں گے اور اب بھی اکثر آدمی یزید پر غبطہ کرتے ہیں۔ یزید وہ شخص ہے کہ ابر اُس کے دیدار کا محتاج ہے (یہ کلمہ زبانِ عرب میں نہایت تعظیم کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے)۔

جب مروان یہ کہہ کر خاموش ہوا تو ستائشِ یزداں و ادائے خطبہ کے بعد جناب خامسِ آلِ عبا نے ارشاد فرمایا کہ اے مروان! تو نے جو یہ کہا کہ امِ کلثوم کا مہر عبداللہ مقرر کریں تو جو کچھ جناب رسولِؐ خدا نے اپنی دختروں اور عورتوں کے لئے سنت مقرر کر دی ہے ہم اُس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ تیرا جو یہ بیان ہے کہ عبداللہ کا قرض ادا کیا جائے گا، میں دریافت کرتا ہوں کہ ہماری عورتوں نے کب اپنے باپ کا قرض ادا کرایا ہے۔ تمہارا یہ کہنا بھی کہ اس رشتہ سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں صلح و آشتی ہو جائے گی، غلط ہے۔ ہمیں خدا کیلئے تم سے مخالفت ہے، دنیا کے لئے ہم صلح کرنا نہیں چاہتے۔ تمہارا یہ بیان بھی درست نہیں کہ اس رشتہ سے ہمارا فائدہ ہے اور یزید سے زیادہ لوگ ہم پر غبطہ کریں گے۔ آگاہ ہو کہ جو ہم پر غبطہ کرتے ہیں وہ جاہل ہیں اور اس پر غبطہ کرنے والے اہلِ عقل ہیں۔ تمہارا یہ کہنا بھی خلافِ عقل ہے کہ سحاب دیدارِ یزید کا محتاج ہے کیونکہ یہ مقام سوائے ہمارے جد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کیلئے نہیں ہے۔

یہ کہہ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ گواہ رہیں کہ امِ کلثوم دخترِ عبداللہ کا عقد میں نے اُس کے پسرِ عم قاسم ابنِ محمد ابنِ جعفرؑ سے کر دیا اور مہر سنت قرار دیا اور اُسے میں نے اپنی وہ زمین ہبہ کر دی جس کی آمدنی آٹھ ہزار دینار سالانہ ہے تاکہ ان دونوں کی معیشت کیلئے وہ زمین کفیل ہو۔

حضرت عبداللہ نے ۸۰ھ میں مدینہ میں جنابِ زینبؑ کبریٰ کی وفات کے اٹھارہ سال بعد داعئ اجل کو لبیک کہا۔

۳۔ ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ مبارکہ پر ایک نظر

ہم نے بتایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن جعفر امیر و دولتمند آدمی تھے اور عرب کے سخی حضرات میں مشہور و معروف حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے گھر کا شمار عرب کے اشراف جاگیرداروں میں ہوتا تھا جن کے بہت سے خدمت گار و کارندے ہوتے تھے۔ تاہم تاریخ گواہ ہے کہ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی کو ہرگز امارت میں گرفتار نہ کیا اور نہ ہی کبھی دولت و ثروت سے دل لگایا۔

ثانیِ زہراؑ صحیح معنی میں زاہدہ تھیں۔ آپ کے پدرِ گرامی کے قول کے مطابق زہد کی تعریف یہ ہے کہ انسان دنیا و دولت کا مالک ہو لیکن یہ نہیں کہ دنیا اور اُس کی دولت انسان کو اپنا غلام بنالیں (ماخوذ از نہج البلاغہ)۔ (اَلزُّهْدُ اَنْ لا تملک الدُّنیاؕ وَ اَنْتَ مالکه) اس زہد کی بہترین دلیل یہ ہے کہ آسائش و آرام، دولت و ثروت، نوکر و غلام، نرم و گرم بستر اور زیب و زینت و زیور کو ترک کر دے کہ یہی اسلام کا مقدس ہدف ہے۔

کتنی عجیب و حیران کن بات ہے کہ اس قدر دولت و ثروت و اختیار و ناز و نعمت کی مالکہ ہوتے ہوئے ثانیِ زہراؑ کو ان میں کسی چیز سے وابستگی نہ تھی! ایسی کتنی ہستیاں ہیں جو پُر از آرام و آسائش گھر کی مالک ہوں، مہربان شوہر اور محبوب و عزیز اولاد رکھتی ہوں اور پھر اپنے مقدس اہداف کے حصول کی خاطر دربدری و بھوک و پیاس کو گوارا و اختیار کریں! کیا یہ سب کچھ زہدِ اسلامی کا حصہ ہے؟

ثانیِ زہراؑ کی قبلِ از دواج زندگی

ثانیِ زہراؑ نے بہت جلد زندگی کی ذمہ داریوں میں قدم رکھا۔ ابھی صرف چھ سال کی تھیں کہ آپ کے عظیم نانا اور اس کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی آپ کی مادرِ گرامی داغِ مفارقت دے گئیں۔ لہٰذا آپ کو امورِ خانہ داری اور گھر کے فرائض کی سرپرستی میں مصروف ہونا پڑا۔ آپ کے اس دور کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ گھر کی زندگی و رونق والدۂ محترمہ کی وفات کے باعث ویرانی میں بدل چکی ہے، صحنِ خانہ آپ کیلئے تاریک ہے، گھر کا ایک حصہ اُس دہشتناک منظر کی یاد دلا رہا ہے جہاں مادرِ گرامی ضربِ شدید سے زخمی فرشِ خاک پر گر کر تڑپتی رہیں، گھر کے سب در و دیوار اس یاد کو تازہ کر رہے ہیں، انہی حالات میں مظلوم باپ کے چہرۂ اقدس کے اذیت ناک تاثرات، جن کا حق چھینا گیا ہے اور جن کی رفیقہ حیات کو موت کی آغوش تک پہنچا دیا جاتا

ہے، پھر دونوں بہن بھائی اللہ تعالیٰ کے حرمِ پاک کے مقدس کبوتروں کی مانند پروبالِ متبرک سے آراستہ لیکن بال و پر شکستہ ہیں، گوشہ نشین ہیں اور اپنے خاندان کے مصائب کو یاد کر کے آنسو بہاتے ہیں۔

ان حالات میں ایک طرف تو آپ کو ماں باپ کی جگہ امورِ خانہ داری کی زندگی اختیار کرنا پڑی اور دوسری طرف بہن بھائیوں کی دیکھ بھال و استعانت کا بوجھ بھی آپ پر ہی آن پڑا۔ لہٰذا خورد سالی ہی میں آپ کو خاندان کیلئے خاتونِ خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالنا پڑیں درآنحالیکہ ابھی آپ کا لڑکپن وکھیل کود سے لطف اندوز ہونے کا زمانہ تھا۔ انہی حالات میں آپ اس نوعیت سے سنِ بلوغ کو پہنچیں گویا بہن بھائیوں کیلئے بدرجۂ ماں تھیں اور آپ کے جملہ امورِ خانہ داری سے بھی بطریقِ شائستہ عہدہ براہونا پڑا۔

ثانیِ زہراؑ کی شادی کے بعد کی زندگی

تاریخ زینبؑ عالیہ کی زندگی میں صدق وصفا واخلاق ومحبت کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتی ۔ آپ نے ایک ایسے شفیق شوہر کے زیرِاثر زندگی کی ابتداء کی جن کے اہلِ خانہ اُن کے چچازاد اور آپ کے مقامِ عالی کی اقدار کو سمجھتے تھے ۔شوہرِ نامدار ثانیِ زہراؑ کی معرفت رکھتے ،آپ کی شان ومرتبہ سے آگاہ اور جانتے تھے کہ یہ سیدہ فاطمۃ الزھرا سلام اللہ علیہا کی یادگار اور حضرت علی علیہ السلام کی نورِ نظر ہیں۔

اسی طرح صدیقۂ صغریٰ حضرت عبداللہ کے لئے ایک مہربان زوجہ اور اُن کی اولاد کے لئے مادرِ مہربان وفرض شناس نظر آتی ہیں۔ آپ اپنی زندگی کو اپنے فرائض کی مطابقت سے آراستہ کرتی اور تیزی کے ساتھ واقعات وحالات کے حساس مواقع کا ادراک کرتے ہوئے صحیح لائحۂ عمل اختیار کر لیتی ہیں۔

علیؑ کی عظیم بیٹی کا گھر مصیبت زدوں کے لئے جائے امید، بے پناہوں کے لئے پناہ گاہ، گردونواح کی خواتین کے لئے علم ودانش اور تفسیرِ قرآن وفرائضِ دینی کی تعلیم کا مرکز قرار پاتا ہے۔ آپ کی زندگی کا نصب العین اس طرح منظم ہوتا ہے کہ جس میں کسی طرح کی رکاوٹ کا شائبہ نہیں ہے۔

زینبؑ عالیہ اپنی خانہ داری، اپنے شوہر کی خدمت اور اپنی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری خود سنبھالتی ہیں، اپنی عبادت و دعا ومناجات کے لئے بھی اوقات مقرر فرماتی ہیں، اپنے پدرِ بزرگوار اور برادرانِ ذی وقار کی خاطر اس طرح لائحۂ عمل وضع کرتی ہیں کہ کسی طرح بھی یہ تمام فرائض نہ تو آپس میں الجھتے ہیں اور نہ ہی ان میں کہیں کمی نظر آتی ہے۔ ہمارے قارئین کو ہماری اس

سعی کے مطالعہ سے اس تمام طریقِ کار کا ثبوت مل جائے گا۔

ثانیِ زہراؑ کی حیات حیرت انگیز

زینبؑ عالیہ کی زندگی اور آپ کا طریقِ کار حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ آپ ایک خاتون کی حیثیت سے نرم دل ورقیق القلب ہیں لیکن جہاں حالات وضرورت تقاضا کرتے ہیں تو یہی نرم خو خاتونِ معظمہ اپنے ہدف کے حصول کی خاطر پہاڑ کی طرح مستقل ومضبوط دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ایک ماں ہیں اور ہر ماں کی طرح مرکزِ مہر ومحبت ورحمت ہیں، لیکن جہاں فرائضِ دینی، اسلام کی حفاظت اور وجودِ قرآن کا دفاع مقصود ہو تو اپنے عزیز ترین بیٹوں کو قربان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

خواتین اپنے مصائب میں جب پناہ کی طالب ہوتیں تو سیدہ زینبؑ انہیں پناہ فراہم کرتیں۔ خواتین عام طور پر جنگ و جراحت کے موقعہ پر اپنے عزیزوں کی اموات سے دوچار ہوتیں تو بے ہوش ہو جاتیں اور ضعف ونقاہت کے باعث ایسے مناظر سے اپنے آپ کو دور رکھتیں لیکن جناب زینبؑ نے واقعات کا ایسی قوتِ قلب کے ساتھ مقابلہ کیا کہ آپ کا عزم واستقامت جناب سید الساجدین علیہ السلام کیلئے باعثِ تسکین ثابت ہوا۔

آپ کا اپنا گھر ہے، زندگی کا سازوسامان ہے، شوہر واولاد ہیں۔ فطری امر ہے کہ ان سب کے ساتھ اُنس ومحبت ہو۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود آپ اپنے آئندہ پیش آنے والے حالات سے، ان حالات میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے اپنی شادی کی شرائط میں امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی کو اہم ترین شرط قرار دیتی ہیں تاکہ اس عظیم شہادت اور پیغامِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اور یہی بات ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب کا باعث بنتی ہے۔

حیاتِ زینبؑ کبریٰ کا ماحصل

ثانیِ زہراؑ کی تمام مقدس زندگی جدوجہد میں گذری۔ آپ کی پوری زندگی میں کوئی دم آسودگی کا میسر آتا نظر نہیں آتا۔ تمام عمر تکمیلِ ہدف، احساسِ ذمہ داری اور عبادتِ پروردگار کی نذر کر دی۔ ایسے ایسے شدائد ومصائب کو برداشت کیا جو اگر سخت پتھروں پر پڑتے تو وہ یقیناً ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جاتے۔ ایک خاتونِ خانہ نشیں اور ان تمام مشکلات وکشمکش کا مقابلہ، مقامِ تعجب کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے! اپنی مقدس زندگی کے آخری ایک دو سال تو آپ نے اس قدر جدوجہد اور مسلسل ذہنی کشمکش میں بسر کیے کہ ان حالات نے مؤرخین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ آپ کی حیاتِ اقدس اور کاروبارِ زندگی اس نہج پر انجام پائے کہ

مغرب کے اکثر دانشور اس کو معجزہ اور خود خاتونِؑ کربلا کو زندگی کے عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ آپ ایسی خاتون ہیں جن کو دیکھ کر زمانہ کے بڑے بڑے مرد غرقِ حیرت ہیں اور جن کے لائحۂ عمل نے دنیا کے بڑے بڑے سیاست دانوں کو میدانِ سیاست کے بحرِ تعجب میں غوطہ زن کر کے رکھ دیا ہے۔

خاتونِؑ کربلا اُس وقت دنیا سے تشریف لے گئیں جب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے دقیق مشن میں اپنے کردارِ فرض کو انتہا تک پہنچا لیا۔ آپ نے امام حسین علیہ السلام کے روزِ عاشور کے اقدام کو پوری تفصیل کے ساتھ تاریخ کے اوراق پر دشمنانِ دین کی بداعمالیوں سمیت انتہا کی پختگی کے ساتھ ثبت کیا، خود نہتہ ہو کر دشمن کے ہتھیاروں کو کُند کر دیا اور اپنی فصاحت و بلاغت کے زور سے دلائل کے ساتھ بنی اُمیہ کی حکومت کے تزک و احتشام کو پارہ پارہ کر دیا۔

جب آپ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور ان کے لائحۂ عملِ حیات کا اس زاویۂ نظر سے مطالعہ کریں گے تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہیں گے کہ سیدہؑ زینبؑ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں (مخدومہؑ کے القاب میں ایک لقب ''آیۃ اللہ'' بھی ہے)۔

۱۔ محبت و اُنسِ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک سفر سے واپس لوٹے تو اطلاع پائی کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ایک بیٹی متولد ہوئی ہے۔آنحضرتؐ مبارکباد کیلئے خانۂ سیدہ طاہرہؑ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ نو وارد مہمان کا آپ کو دیدار کرایا جائے۔ پس شہزادی کو رسولؐ خدا کے حضور پیش کیا گیا۔آنحضرتؐ نے نومولود بچی کو آغوشِ مبارک میں لیا، اپنا چہرۂ مبارک اُس کے چہرہ پر رکھا اور اپنی فوت شدہ بیٹی (قبل ازیں ذکر ہوا کہ وہ جناب امّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کی پہلے شوہر سے صاحبزادی تھیں جن سے آنحضرتؐ بہت پیار کرتے تھے) کے نام پر نومولود بچی کا نام زینب تجویز فرمایا۔ نام رکھنے کے بعد آنحضرتؐ قدرے غم ناک ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سیدہ زینبؑ کی آئندہ کی پُر از مصائب زندگی کا نقشہ آنحضرتؐ کی آنکھوں میں پھر گیا۔اچانک آنحضرتؐ گریہ فرمانے لگے۔ جب وجہ ورازِ گریہ پوچھا گیا تو آنحضرتؐ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا کہ میری اور آپ کی وفات کے بعد یہ دختر بے انتہا شدائد ومصائب سے دوچار ہوگی اور یہی میرے گریہ کا سبب ہے (الطراز المذہب، ص47)۔

محبتِ رسولِؐ اکرم کی کیفیت

زینبؑ عالیہ نے حیاتِ رسولؐ اکرم کا چھ برس مشاہدہ کیا۔ اکثر آنحضرتؐ کی آغوش کی زینت رہتیں۔ آنحضرتؐ ثانیِ زہراؑ سے بہت محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو وہ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر تھیں، دوسرے اُن سے دُخترِ ربیبۂ رسولؐ کی یاد تازہ ہوتی جو تھوڑا عرصہ قبل ہی فوت ہوئی تھیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا کہ رسولِؐ اکرم شہزادی کو نہ دیکھتے یا اپنی زینتِ آغوش نہ بناتے۔ نواسی کی بچپن کی پیاری پیاری باتیں جو کبھی سمجھ بوجھ وعقل و دانش سے، خالی نہ ہوتیں اور جن کو آنحضرتؐ دوسروں کے سامنے دہرایا کرتے، آنحضرتؐ کی بہت زیادہ خوشی و پیار کا باعث بنتیں۔ اسی طرح تمام پند ونصائح جو آنحضرتؐ نواسی کے بچپن میں انہیں بتاتے وہ اُن کی آئندہ زندگی کے لئے درس ہائے بے بہا بن جاتے۔

مؤرخین ومحدثین نے سیدہ زینبؑ کو آنحضرتؐ کے صحابہ میں قرار دیا ہے (اسد الغابہ، ج5)۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس جیسے افراد، جنہیں ''حبـر الامۃ''، سب سے پہلے مفسرِ قرآن اور دانشور کہا جاتا ہے، شہزادی

سے نقلِ حدیث کرتے اور کہا کرتے: قَالَتْ عَقِیلَتُنا زَینَب (ہماری عقیلہ زینبؑ نے یوں فرمایا ہے....) اس کے بعد فرمودۂ زینبؑ عالیہ سے اپنی بات کا دوسرے لوگوں کے سامنے استناد فرماتے (اسد الغابہ، ج5)۔

محبتِ رسولؐ کا حاصل

صدیقۂ صغریٰ رسولِ اکرم سے بہت مانوس تھیں۔ آپ کو اپنے عظیم نانا کی زیارت کا بے حد شوق تھا۔ جب بھی فراغت پاتیں اس سے فائدہ اٹھاتیں اور زیارتِ محبوبِ خدا سے شرفیاب ہوتیں۔ اس سلسلہ میں حسنین علیہما السلام اکثر سبقت کر لیتے تاہم سیدہ زینبؑ بھی اُن کے پیچھے پیچھے پہنچ کر اس محفلِ محبت کی شمع ہائے تجلی میں اضافہ کرتیں اور یہ سب خانۂ مبارکِ رسولِؐ خدا کی رونق وروشنی کا سبب بنتے۔

خانۂ رسولؐ مقبول مرکزِ نزولِ وحی تھا، برکاتِ پروردگار یہاں نازل ہوتی تھیں۔ یہاں کے ماحول وفضا عطرِ فردوس سے مملو ہوتے تھے۔ لہٰذا فطری طور پر یہ سب اس فضائے جاں فزا کے مشتاق رہتے اور اُن کی ارواح اس ماحول میں زندگی بسر کرنے کی آرزومند رہتیں۔ اس ماحول پر مستزاد پیغمبرؐ خدا کے زمزمہ ہائے ہدایت اُن کی رہنمائی، شوق اور محبت میں اس لئے بھی اضافہ کا سبب بنتے کہ اس طرح ان کیلئے آئینِ مقدسِ رسولؐ سے واقفیت میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا۔

زینبؑ عالیہ نے ایسی فضا و ماحول میں پرورش پائی۔ نانا کی زیارت کا شوق اس درس آموزی میں شوقِ مزید کا باعث تھا۔ تحمل و برداشت میں اضافہ کا سبق، مسائلِ دینی سے واقفیت، بحث و دلائل کے اسباق، توحید و خداشناسی کا تعارف، عبادت و زہد وتقویٰ کی منازل ومقامات، صراطِ مستقیم اور فرض شناسی کے جذبات کے درس اور دیگر متعدد رہنما اصولوں کی تعلیم وغیرہ.......

پھر یہ سب اسباقِ دانش جو بچپن کے دوران شہزادی نے اخذ کئے، پتھر پر لکیر ثابت ہوئے، بمصداقِ حدیثِ رسولِؐ اکرم:

"اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ".

معصوم باپ اور معصومہ ماں کے سایۂ تربیت نے اس پر مزید اضافہ کیا، پھر حسن وحسین علیہما السلام جیسے عظیم بھائیوں کی محبت وہمراہی نے ان کیفیات کو اور آگے بڑھایا کہ ثانیِ زہراؑ ان سب حضرات کے آنکھوں کا نور اور ایسی کامیاب وعظیم ہستی بن گئیں کہ اس تمام عقل و دانش کے آثار ہم آپ کی آئندہ زندگی میں ہر لحظہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کی عظمت کے یہی آثار ہمیں واقعاتِ روزِ عاشورا اور اس کے بعد کے حالات میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں [1]۔

1۔ مسلمہ حقیقت ہے کہ بچہ کی شعوری نشو ونما اور فکری قوت کا رازحُسنِ تربیت کی معنوی تاثیر میں مضمر ہے اور والدین کے (جاری)

۲۔ مقدس والدین کی معیت یعنی زیرِ سایۂ والدین

صدیقۂ صغریٰ سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم باپ اور جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی مقدس مادرِ گرامی کے گھر میں دنیا میں تشریف لائیں۔ آپ دو بھائیوں کے بعد پیدا ہوئیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کے مبارک ازدواج کا تیسرا نتیجہ آپ بنیں۔ چونکہ سب سے پہلی بیٹی تھیں اس لئے فطری امر ہے کہ گھر میں اہم ترین وعزیز ترین مقام کی مالک قرار پائیں۔ گھر والے آپ کو بہت عزت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علاوہ ازیں دو بھائیوں سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے آپ خصوصی حمایت و توجہ ومحبت کی مالک تھیں۔ دونوں بھائی بھی بہن سے بہت محبت رکھتے تھے، چھوٹی بہن کے ساتھ بچپن کے مشاغل میں مصروف رہتے، ان کو گود میں اٹھانے اور اپنے ساتھ رکھنے کے آرزومند رہتے۔ گھر کا ہر فرد چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ انہیں اپنے ساتھ رکھے اور ان سے محبت کو ظاہر کرے۔ لہٰذا اس گھر میں زینبؑ عالیہ کو کسی طرح کی تنہائی نہ تھی۔ ہر وقت یا تو آغوشِ رسولؐ میں

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اخلاق وعادات، بچے کی ابتدائی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سیدہ زینبؑ وہ باعظمت خاتون ہیں جن کا عہدِ طفولیت، فضیلتوں کے ایسے پاکیزہ ماحول میں گزرا جو اپنی تمام جہتوں سے کمالات میں گھرا ہوتھا اور اُس پر ہر سمت روحانی اقدار محیط تھیں۔

رسولِ اکرم نے انہیں اپنی روحانی عنایتوں سے نوازا اور اپنے اخلاقِ کریم سے سیدہ زینبؑ کی فکری تربیت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم کیں.......

سیدہ زینبؑ کا شماراُن عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پاکیزہ ماحول کی تاثیر سے فکر ونظر اور اخلاق وکردار کی عظمتوں کو حاصل کیا کیونکہ جنابِ زینبؑ نے مرکزِ وحی میں نشوونما پائی اور درسگاہِ توحید میں فکری تربیت حاصل کی۔

سیدہ زینبؑ کو اپنے جدِ امجد رسولؐ خُدا کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، وہ رسولؐ خُدا جنہوں نے ایک انسانِ کامل ہونے کی حیثیت سے دنیائے بشریت کو عدل وانصاف کی روشنی سے منور کر دیا اور فضیلتوں وکمالات کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ حضرت محمد مصطفےٰؐ اخلاق کی عظمت سے عالمِ انسانیت پر چھا گئے اور لوگوں کو کلمۂ توحید کے سایہ میں توحید کا پاکیزہ درس دیا۔ سیدہ زینب نے اپنے جد رسولؐ خدا کے اخلاقِ کریمہ کو اپنی زندگی کا معیارِ عمل بنایا۔

سیدہ زینبؑ نے ایک پاک وپاکیزہ گھر میں اپنی حیاتِ طیبہ کی ارتقائی منزلیں طے کیں اور اپنے عظیم المرتبت جدِ بزرگوار کی نگاہِ لطف وعنایت کا مرکز بن کر اہل بیتؑ اطہار کی شفقتوں اور محبتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

(زینبؑ، زینبؑ ہے، مؤلفہ م۔صادق۔ مترجمہ آغا حسن رضا غدیری)

ہوتیں، یا بھائیوں کے ہمراہ بچپن کے مشاغل سے لطف اٹھاتیں، یا آغوشِ پدر و سایۂ مادر آپ کو میسر رہتا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیّدہ زینبؑ کا بچپن خوش حالی و شادمانی کا زمانہ تھا۔

مادرِ اقدس کے زیرِ سایہ

پیدائش کے بعد پرورش کا زمانہ مادرِ گرامی کے زیرِ سایہ گذرا۔ شیر خواری کے دوران بھی اپنی عظیم ماں سے نگاہِ رموز آمیز کا تبادلہ کرتی تھیں۔ سفرِ آخرت اختیار کرنے کے دن تک ہمیشہ سیرتِ والدہ کو سامنے رکھا اور یہی کوشش رہی کہ روزگارِ حیات اور اُمورِ خانہ داری کو پوری تندہی کے ساتھ اُسی روِش پر قائم رکھیں۔ بچپن کے اختتام تک لڑکپن کی تمام باتوں میں اپنی والدۂ محترمہ کی پیروی کرتیں اور اُن کی ہم سخن رہیں۔ گفتگو بھی انہی کی زبان میں سیکھی۔ اپنی والدہ کی ہمدم و ہمراز رہیں۔ بیٹے تو ہمیشہ بیٹیوں کی نسبت زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہا کرتے ہیں اور بچپن کی تمام سرگرمیوں کو اپنے ہم سن لڑکوں میں جاری رکھتے ہیں۔ لیکن سیدہ زینبؑ بیٹی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اپنی مادرِ عالیہ کے پہلو میں ہی رہیں۔

اس بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ زندگی کے تمام فرائض اور چھوٹی چھوٹی باتیں سب مادرِ گرامیؑ ہی سے سیکھتی ہیں۔ آپ کی عبادت کو دیکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی کیفیت مشاہدہ کرتی ہیں، آپ کی آسیہ گردانی کی شاہد بنتی ہیں، اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ امورِ خانہ داری کی انجام دہی، باورچی خانہ کے امور، یہ سب زینبؑ عالیہ کے لئے سبق آموزی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اسی دوران رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیائے ناپائیدار سے کوچ فرماتے ہیں، تمام خاندان سوگوار ہو جاتا ہے جبکہ سیدہ طاہرہ علیہا السلام دخترِ رسولؐ ہوتے ہوئے، ایسی بیٹی جن کو باپ کی ہستی خود اپنی جان سے عزیز تر ہے، سب سے بڑی عزادارِ رسولؐ اکرم نظر آتی ہیں۔ اُس زمانہ میں زینبِؑ عالیہ ہی وہ شخصیت ہیں جو سب سے زیادہ، گھر ہو یا باہر، حتیٰ کہ اپنی والدۂ مکرمہ کے بیت الحزن میں نہ صرف اُن کی اشک افشانی کی سب سے بڑی شاہد ہیں بلکہ کسی وقت اُن کی تسلی کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ صحیح ہے کہ زینبِؑ عالیہ اپنی مادرِ گرامی کی اشک ریزی میں انہیں تسلی دیتی ہوں گی اور اپنی بچپن کی زبان میں کہتی ہوں گی: ''اماں جان! زیادہ نہ روئیں، یا رونا بس کر دیں''، تاہم بیٹی ہوتے ہوئے اگرچہ ماں کی ہمدرد و مانوس ہیں، گہری محبت رکھتی ہیں، پھر بھی کم سنی کے باعث اظہارِ غم و ہمدردی محدود ہی رکھتی ہیں [1]۔ نتیجہ یہ کہ اپنی عظیم ماں کو اشک ریز دیکھ کر خود بھی رونے لگتی

1۔ سیدہ طاہرہؑ کے غم کی عکاسی خود اپنے اس شعر سے ہوتی ہے جس سے بہتر مفہومِ غم ادا نہیں ہوتا:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا ۔۔۔ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(جاری)

ہیں اور یہ نوبت آتی ہے کہ خود مادرِ گرامی اُن کو تسلی دیتی ہیں، اُن کے آنسو پونچھتی ہیں، گود میں لیتی ہیں اور فرماتی ہیں: ''پیاری بیٹی! مت رو''۔

زینبِؑ عالیہ کو اس سے آرام تو ملتا ہے، خاموش ہو جاتی ہیں، پھر بھی اپنی محترم والدہ کے غم و احساسِ مظلومیت وصدمات و مصائب کا کیا علاج کریں؟ مصیبت یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ چند روز ہی گزرتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ کو اپنی مقدس والدہ کے بے جان جسم کے قریب بیٹھنا پڑتا ہے اور اب زینبِؑ عالیہ ایک اور طوفانِ گریہ کی آماجگاہ نظر آتی ہیں 1۔

پدرِ بزرگوار کے سایہ تلے

شہزادی کو بچپن میں پدرِ بزرگوار کا سایۂ عاطفت اور قرب حاصل ہے۔ آپ اُن کے اُنس و محبت سے بہرہ ور ہوتی ہیں اور اُن سے بہت سے اسباق حاصل کرتی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام بمصداق ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا'' بابِ مدینۂ علم ہیں جبکہ ثانیِ زہراؑ ہر وقت اس گھر اور دروازہ میں موجود ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے دہنِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کے لئے درس اور افزائشِ دانش کا سبب ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)''بابا! آپ کے بعد جو مصیبتیں مجھ پر پڑیں اگر روشن دنوں پر پڑتیں تو وہ تاریک راتوں میں بدل جاتے''۔

1 (حاشیہ صفحہ ہذا)۔ سیدہ زینبؑ نے جناب فاطمہؑ زہرا کی عصمت پرور آغوش میں اپنی زندگی کے بنیادی اصول سیکھے اور جب آپ نے ابتدائی تربیت کے دور کے آخری مراحل طے کر لئے تو اپنے آپ کو نبوت و امامت کی رفعتوں میں گھرا ہوا پایا اور مرکزِ رسالت و محورِ امامت سے بہرہ ور ہونے پر اپنی اکتسابی عظمت کے احساس کو قوت بخشی۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ولادت کے بعد کسبِ کمال کی جو منزلیں سیدہ زینبؑ نے پائیں وہ کسی دوسری نومولود بچی کو نصیب نہیں ہوئیں اور تربیت کی جن اقدار کو سیدہ زینبؑ نے حاصل کیا وہ کسی کو میسر نہ آسکیں۔ یہ سب کچھ اُس معظمہ کی فطری عظمتوں اور ذاتی رفعتوں کے مبارک آثار کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سیدہ زینبؑ نے کسبِ کمال کی عظیم منزلیں طے کرنے کے لئے صبر و استقامت کو اپنا شعار بنالیا۔ چنانچہ آپ کے معراجِ عرفان کی بابت کہا جاتا ہے کہ جب بھی سیدہ زینبؑ قرآن مجید کی تلاوت کا شرف حاصل کرتیں اور حقائق و معارفِ الٰہیہ کے ادراک کے لئے اپنے والدِ گرامی کے حضور اپنی کیفیتِ اخلاص کا اظہار کرتیں تو مولائے کائنات سے آیاتِ الٰہی کی تفسیر دریافت کر کے احساسِ عظمت حاصل کرتی تھیں اور اپنے مضبوط ارادے کے ساتھ حقائق و علوم کے ادراک کے لئے زانوئے ادب خم کر کے اپنی فضیلتوں میں اضافہ کرتی تھیں یہاں تک کہ جنابِ امیرالمومنینؑ اپنی باعظمت بیٹی زینبؑ کی پاکیزگیٔ افکار سے متاثر ہو کر مستقبل کے حالات اور خوفناک (جاری)

والدہ گرامی کی وفات کے بعد باوجود یکہ ثانیِ زہراؑ کا ابھی بچپن کا زمانہ ہے تاہم آپ جملہ امورِ خانہ داری کو سنبھال لیتی ہیں۔ اپنی عظیم والدہ گرامی کی تربیت ونصیحت کی بنا پر پدرِ بزرگوار کی خدمت، حتیٰ کہ بھائیوں سے متعلق کام کاج کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی سنبھالتی ہیں۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام خواہش رکھتے ہیں کہ اپنی اس کم سن مگر عظیم صاحبزادی کو مستقبل میں پیش آنے والے حوادث اور رموزِ سربستہ سے تھوڑا تھوڑا آگاہ کرتے رہیں۔ لیکن آپ کو دیکھتے ہی زینبِ عالیہ ایسی سب اطلاعات کے جواب میں بغیر کسی حیرت وتعجب کے جواب دیتی ہیں کہ میری ماں نے مجھے یہ سب کچھ بتا رکھا ہے (زینبؑ الکبریٰ)۔

اپنے والدِ محترم کے گھر میں ثانیِ زہراؑ کو معمول کے خلاف مقام واہمیت ومنزلت حاصل تھی۔ زمانہ کے حوادث کے پیشِ نظر آپ کی تربیت اس طریقہ پر صورت پذیر ہوئی کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کے خلا کو اُن کے خانۂ اقدس میں پُر کر سکتی تھیں۔ یہ حقیقت اس حد تک زیرِ عمل تھی کہ شادی سے پہلے اور اس کے بعد بھی ثانیِ زہراؑ نہ صرف اپنے والدِ ماجد سے متعلق تمام اُمور کی

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) واقعات کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے تھے اور جب سیدہ زینبؑ نے مولائے کائنات کو اپنی آزمائش وامتحان کی سخت گھڑیوں سے باخبر ہونے کے متعلق بتایا تو علیؑ کے پاس خاموشی اور دل کی دھڑکن کو قابو میں رکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا (السیدہ زینبؑ، مؤلفہ بنت الشاطی)۔

(ل)۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا گھر پیغمبرؐ اسلام کے سرورِ قلب کا مرکز تھا اور آنحضرتؐ اپنے شب وروز کے مقدس لمحات میں اپنی لختِ جگر بیٹی کے کاشانۂ عصمت میں تشریف لا کر اپنا دل بہلاتے اور جب بھی بیت الزہراؑ میں قدم رنجہ فرماتے تو اپنے نواسے اور نواسیوں کو ہاتھوں پر اٹھا کر بوسے دیتے نہ تھکتے تھے۔ اسی ماحول میں سیدہ زینبؑ نے اپنی ماں فاطمہؑ کو صفات اور اخلاقِ محمدیؐ سے آراستہ وپیراستہ ہوتے دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی نازنین دختر کو اپنی خصوصی عنایتوں سے کیونکر نوازا ہے۔

فاطمہ زہراؑ کی تمام فضیلتیں سیدہ زینبؑ کے مقدس وجود میں سما گئیں، خواہ وہ فاطمہؑ کا زہد وتقویٰ ہو یا مصائب وآلام میں صبر وتحمل، سب ہی زینبؑ کو میراث میں ملیں.......

سیدہ زینبؑ کو اپنی زندگی کے پانچ برس اپنے جدِ بزرگوار محمد مصطفےٰؐ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی اور چھ سال کے لگ بھگ اپنی والدہ گرامی فاطمہؑ زہرا کے حضور رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اپنی والدہ گرامی مخدومۂ عالم، صدیقۂ کبریٰ فاطمہؑ زہرا کے شب وروز کے معمولات کو نزدیک سے دیکھتی رہیں کہ وہ بی بی بارگاہِ الٰہی میں کس قدر خضوع وخشوع کے ساتھ سر بسجود ہوتی ہیں اور خود بھوک وپیاس کو برداشت کر کے شہر کے فقراء، مساکین اور نادار غریب لوگوں کو اپنی غذا دے دیتی ہیں۔ رات کی تاریکی میں فاطمہؑ زہرا کی عبادت کا روح پرور منظر ہمیشہ سیدہ زینبؑ کی آنکھوں کے سامنے رہا۔ (جاری)

نگہداشت کرتی تھیں بلکہ بھائیوں کا بھی پورا خیال رکھتی تھیں اور اُن تمام فرائض سے بطریقِ احسن عہدہ براہو رہی تھیں 1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) عہدِ طفولیت میں سیدہ زینبؑ نے جن مناظر کا مشاہدہ کیا اور گھر کے مقدس ماحول میں جن روحانی اقدار کو دیکھا وہ سب کچھ ان کے دل پر نقش ہو چکا تھا اور زندگی کے آخری لمحوں تک سیدہ زینبؑ نے ان اقدار کو معیارِ عمل قرار دیا، اس لئے کہ بچپن میں جو کچھ صفحۂ ذہن پر ثبت ہو جائے وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے اور یہ بچپن کی پاکیزہ تربیت کے آثار تھے جو سیدہ زینبؑ کی پوری زندگی میں نمایاں رہے (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۵۴ تا ۵۶)۔

(ب) خاتونِ کربلا کی والدۂ گرامی لختِ جگرِ سرورِ انبیاءؐ، فخرِ مریم عذرا، حضرت فاطمہؑ زہرا تھیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں:

مزرعِ تسلیم راحاصل بتولؑ — مادراں را اُسوۂ کامل بتولؑ

تاریخِ انسانی میں پہلی بار پیکرِ خاتونِ جنت میں عورت اپنی تمام حیثیتوں میں تکمیل کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ وہ بہترین بیٹی اپنے بہترین باپ کی، وہ بہترین بیوی اپنے بہترین شوہر کی، وہ بہترین ماں اپنے فرزندان سردارانِ جوانانِ جنت کی تھیں۔

حضرت زینبؑ وامِ کلثومؑ یہ دو بہنیں اپنی ماں کی زندہ تصویر تھیں، خصوصاً خاتونِ کربلا اندازِ طبیعت، اندازِ فکر، تصورِ حیات میں خاتونِ جنت کا نقشِ ثانی معلوم ہوتی تھیں......خاتونِ کربلا نے ماں سے بیان و اظہار اور احتجاج و استدلال کی غیر معمولی صلاحیت وراثت میں پائی (کربلا کی شیر دل خاتون، مقدمہ از علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن لاہور، ص ۲۹، ۳۰)۔

اسی پاکیزہ تربیت کا نتیجہ ہے جو حادثۂ کربلا میں صبر و استقلال کے مجسمہ کے طور پر ثانیِ زہراؑ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ کربلا کے خونین واقعہ کے بعد جبکہ اولادِ رسولؐ اکرم کے تمام مرد تہ تیغ ہو چکے، پھر اُن کے جسم ہائے نازنین و معصوم پامالِ سُمِ اسپاں کئے گئے، خیامِ اہلِ بیتؑ کو نذرِ آتش کیا گیا، سید الشہداء علیہ السلام کے لشکر کا تمام سامان لوٹ لیا گیا، مخدراتِ عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں تک چھین لی گئیں، غرضیکہ بہیمیت و بربریت کے ایسے مظاہرے کئے گئے جن کے سامنے شرافتِ انسان انگشت بدنداں ہے اور شرمسار بھی کہ اشرف المخلوقات کہلانے والا انسان اس حد تک بھی اپنے آپ کو گرا سکتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ علیؑ و سیدہؑ کی یہ عظیم بیٹی، کربلا کے لٹے ہوئے خیام ہوں یا کوفہ و شام کے ہیبت ناک قید خانے، سرہائے شہداء سامنے نیزوں پر سوار ہوں یا دربار و بازار کی اذیت ناک کیفیات، کسی حالت میں نہ صبر و استقلال و استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوڑتی ہیں، نہ ہی عبادت و ریاضت میں کسی طرح کی کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے اور انسانیت لرزہ براندام ہے اس صبر کو دیکھتے ہوئے اور معیارِ ایمان و عبادت کو مشاہدہ کرتے ہوئے کہ اس تمام خوفناک سلسلۂ مظالم سے گذرنے کے بعد بھی نمازِ واجب تو ایک طرف، ہماری مخدومہ کی نمازِ نافلہ و تہجد تک کسی طرح قضا نہیں ہوتی بلکہ اسی پابندی و خشوع و خضوع سے پورا سلسلۂ عبادتِ پروردگار اور اظہارِ تشکرِ خالق جاری ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہٰذا) (ل)۔ ایک دن پیغمبرؐ اکرم گھر میں تشریف لائے اور حسنؑ کو کاندھوں پر اٹھا لیا۔ جب حضرت علیؑ نے دیکھا تو (جاری)

خدمتِ پدرِ بزرگوار

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد اُن کی وصیت کے مطابق جلد ہی عقدِ ثانی فرمالیا۔ جناب سیدہؑ کی وصیت یہ تھی کہ مرد کبھی زوجہ کے بغیر بے نیاز زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ میرے بچے بھی ماں کے خواہش مند ہوں گے۔ لہٰذا میری بہن (سوتیلی بہن) کی بیٹی امامہ اُن کی سرپرستی کے لئے بہت زیادہ مناسب ہو گی (منتہی الآمال، ج1)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے حسینؑ کو کاندھوں پر اٹھالیا اور جب حضرت فاطمہؑ نے دیکھا تو انہوں نے زینبؑ کو اٹھا کر کاندھوں پر بٹھالیا۔

یہ واقعہ شعوری محبت کی ایک تابندہ مثال ہے۔

سیدہ زینبؑ ایک دن اپنے والدِ بزرگوار امیر المومنین حضرت علیؑ کی خدمت میں آئیں جبکہ آپ کے بچپن کا زمانہ تھا اور بچوں کی عادت کے مطابق کان سے لگ کر ایک بات پوچھنے لگیں:

بابا جان! کیا آپ ہمیں محبوب رکھتے ہیں؟

امیر المومنینؑ نے جواب دیا: میں تمہیں محبوب کیوں نہ رکھوں، تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو۔

زینبؑ نے عرض کی: بابا جان! محبت تو صرف خدا کے لئے ہے، ہمارے لئے تو شفقت ہے۔

امیر المومنینؑ نے سیدہ زینبؑ کی عالمانہ بات سن کر فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ایسی باعظمت بیٹی عطا فرمائی ہے۔

عہدِ طفولیت ہی میں ایمان کی نورانی عظمتیں سیدہ زینبؑ کے وجود میں راسخ ہو چکی تھیں۔ ایک دن سیدہ زینبؑ اپنے والد بزرگوار کی گود مین بیٹھی ہوئی تھیں اور امیر المومنین علیہ السلام اپنی پیاری بیٹی کو گفتگو کے ذریعہ بہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''کہو، ایک''۔

زینبؑ نے کہا، ''ایک''۔

''کہو، دو''۔ حضرت زینبؑ خاموش رہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے پوچھا: ''بیٹی خاموش کیوں ہوگئیں؟ کہو: دو''۔ زینبؑ نے عرض کیا: ''بابا جان! جس زبان سے 'ایک' کہا ہے اس سے 'دو' نہیں کہہ سکتی''۔

یہ واقعہ سیدہ زینبؑ کی معرفتِ توحید کے کمال کی بہترین مثال ہے کہ بچپن ہی میں توحید و یکتائیِ پروردگار کی پاسدار رہیں۔

حضرت فاطمہؑ زہرا بسترِ مرگ پر تھیں اور آپ کے پہلو میں آپ کی غمزدہ بیٹی زینبؑ بیٹھی تھیں۔ اس وقت جنابِ (جاری)

لہٰذا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اُن کے ساتھ شادی کر لی۔ اب لازم تو یہ تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی نئی زوجہ آپ کی زندگی کے امور کی نگہداشت کرتیں، لیکن مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جن خدمات کی ذمہ داری ثانیِ زہرؑا نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، وہ انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار کی زندگی کے آخر تک انجام دیں۔ باپ کی خدمت کا معیار وہی رہا جو اُن کی والدۂ محترمہ یعنی جنابِ سیدۂ طاہرہ نے شہزادی کے پدرِ ذی وقار کیلئے روا رکھا تھا۔ اس میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ حق یہ ہے کہ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) زینبؑ کی عمر چھ برس تھی اور اپنی ماں کی زندگی کے آخری لمحات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس حالت میں جبکہ سیدہ فاطمہؑ دنیا کو الوداع کہنے والی تھیں زینبؑ کی خواہش تھی کہ اپنی جلیل القدر ماں سے باتیں کرتی رہوں تا کہ آخری گھڑیوں میں اُن کی نصیحتوں سے فیض یاب ہوتی رہوں۔

سیدہ فاطمہؑ نے اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال میں پوری توجہ دینا اور اُن کے ساتھ ایک "شفیق ماں" جیسا سلوک کرنا۔

ظاہر ہے کہ اگر سیدہ زینبؑ میں ایک شفیق ماں کا کردار پیش کرنے کی صلاحیتیں نہ ہوتیں تو حضرت فاطمہؑ یہ اہم ذمہ داری ان کے سپرد نہ کرتیں جبکہ اُن سے بڑے بھائی بھی موجود تھے جو امامت وخلافتِ رسولؐ کی نہایت اہم ذمہ داری کے حامل تھے۔

سیدہ زینبؑ نے اپنی ماں کی وصیت کے مطابق زندگی کے آخری لمحات تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔

(سیدہ زینبؑ، مؤلفہ بنتِ شاطی، ص۴۰ زینبؑ، زینبؑ ہے، ص۵۸ تا ۶۰)

(ب) خاتونِ کربلا کو اس عظیم باپ کی ذہنی وعملی وراثت ملی جس کی شخصیت سرورِ انبیاء کے بعد تمام دنیا کے تاریخی انسانوں میں نمایاں مقام رکھتی تھی...... انہوں نے اپنے باپ سے اپنے دونوں بھائی حسن وحسین علیہما السلام کے بعد ذہن کا ورثہ سب سے زیادہ پایا تھا۔

وہ اپنے نانا، نانی، دادا، دادی اور اپنے والدین کے علاوہ بھائیوں میں امام حسنؑ وحسینؑ سے متاثر تھیں اور خود اُن سے اُن کے چھوٹے بھائی بہن اور عزیز ومتعلقین مستفید ہوئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے نسوانی ترقی پر اپنے عہد میں بہت کام کیا۔ اُن کے عہد میں اتنی بڑی صلاحیت کی عورتیں پیدا ہوئیں کہ آج بھی اُن کا نام تاریخ میں آتا ہے۔ خاتونِ کربلا ان سب کی پیش رو تھیں......

تقریباً ۵ھ میں ثانیِ زہرؑا کی ولادت ہوئی اور ۴۰ھ میں امیر المومنینؑ کی شہادت ہوگئی۔ پینتیس (۳۵) سال کی طویل مدت میں بیٹی نے باپ کے فکر وعمل سے کتنا فیض پایا، اس کے اندازہ کیلئے علم وفن کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ زینبؑ بنتِ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ ربیبۂ رسولؐ تھیں۔ تھوڑی سی رسول اللہؐ کی صحبت میں اور ماں کے فیض سے انہوں نے نمایاں فقہی شخصیت تعمیر کر لی۔ ابن عبد البر ان کے متعلق لکھتے ہیں: "كَانَتْ مِنْ أَفْقَهِ أَهْلِ زَمَانِهَا" (استیعاب، ج۲، ص۷۵، ۷۶)۔

یعنی زینبؑ بنتِ اُم سلمہؓ اپنے زمانہ میں بہت بڑی فقیہہ خاتون تھیں۔ خاتونِ کربلا کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کا (جاری)

سیدۂ طاہرہؑ کا اپنے پدرِ بزرگوار پیغمبرِ اسلامؐ کی طرف بھی بعینہ ایسا ہی رویہ تھا (زندگانیِ فاطمہ زہراؑ، ص245)۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے اپنے پدرِ بزرگوار سے متعلق مقام کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ جو لوگ اس خاندان کی روش سے آشنا تھے وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ''ابی زینبؑ'' کہا کرتے تھے۔ بعض کتبِ تاریخ میں تو اس قسم کی روایات درجۂ استناد سے ثابت ہیں کہ روایت کرتے ہوئے راویان اس طرح کہتے ہیں: ''قال ابو زینبؑ''، یعنی حضرت امیر المومنینؑ نے اس طرح فرمایا۔

یہی معیارِ خدمت گزاریٔ پدرِ عالی قدر ثانیِ زہراؑ کی شادی کے بعد تک مستقل طور پر جاری رہا۔ ہم تو یہاں تک کہنا چاہتے ہیں کہ جناب زینبؑ کی حضرت عبداللہ کے ساتھ شادی، آپ کے اپنے گھر کی تشکیل اور آپ کی خانگی زندگی کسی طرح اس طریقِ کار میں کسی حد تک بھی مانع نہ ہوسکی۔ یہ خدمتِ والدِ بزرگوار پوری باقاعدگی وتندہی کے ساتھ اُس زمانہ میں بھی بدستور جاری رہی جب امیر المومنین علیہ السلام کی دوسری ازواجِ مطہرات صاحبِ اولاد ہونے لگیں اور خود سیدہ زینبؑ بھی صاحبِ اولاد ہوگئیں۔ بہرحال بی بی کسی زمانہ میں کسی وقت بھی خدمتِ پدرِ بزرگوار سے غافل نہ رہیں بلکہ ہمیشہ اس اندیشہ میں مبتلا رہیں کہ مبادا اُن کے پدرِ عالی قدر اُن کی جدائی محسوس کرتے ہوئے کسی طرح اُن سے دور ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) ذہن صرف اپنے زمانہ کی خواتین سے نہیں بلکہ بعد میں آنے والی خواتین سے بھی برتر تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے فلسفۂ الٰہیات، فلسفۂ زندگی، فلسفۂ معاشرت اور تحریر وتقریر سے خاتونؑ کربلا پوری طرح مستفید ہوئیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد اسیری کی حالت میں آپ کی ہوشربا تقریر پر خزیمہ اسدی نے برجستہ تبصرہ کیا تھا کہ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ خاتونؑ کربلا کے باپ حضرت علی علیہ السلام تقریر فرمارہے تھے۔ حضرت علیؑ سے مشابہت پر سامعین کے ذہن کا اُدھر متوجہ ہونا غیر معمولی مناسبت کی وجہ سے تھا۔ حضرت علیؑ اور خاتونِؑ کربلا دونوں کی فکری یک رنگی سے صحیح واقفیت ہی پتہ لگا سکتی ہے کہ باپ بیٹی کا ذہنی تعلق کتنا شاندار تھا۔ کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے عہدِ حکومت میں سینکڑوں تقریریں کیں تھیں۔ کوفہ میں ثانیِ زہراؑ کی تقریر پر اہلِ کوفہ کا تبصرہ کہ اس میں علیؑ کا رنگ جھلک رہا ہے، حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے (ثانیِ زہراؑ کی تقاریر کی تفصیل آئندہ اپنے اپنے مواقع پر پیش کی جائیں گی):

تکلم کردنش راهر که دیدے فاش میگفتے لسانِ حیدریؑ گویا که در طیّ لساں دارد

نسلی ورثہ اور ذاتی صفات دونوں اہمیت رکھتے ہیں، اور خاتونؑ کربلا ان دونوں زیوروں سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ آپ کے خاندانی فضائل اور ذاتی کمالات دونوں ہی آپ کی شخصیت وعظمت کی روح ہیں۔ (کربلا کی شیر دل خاتون۔ مقدمہ از علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامونپوری، ص۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)۔

ہمراہئ پدرِ بزرگوار

آخر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت (ظاہری) کا دور آیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فتنۂ حضراتِ طلحہ وزبیر شروع ہوگیا اور حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی ریشہ دوانیاں ہونے لگیں۔ حضراتِ طلحہ وزبیر کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے ۳۶ھ میں امیر المومنین علیہ السلام عازمِ کوفہ ہوئے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپؑ اپنی شہادت تک کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپؑ نے کوفہ ہی کو اپنا دار السلطنت قرار دے دیا۔ اس زمانہ میں باپ کی محبت اور آپؑ کے شوہر حضرت عبداللہ کا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اُنس اس بات کا سبب بنا کہ یہ بھی اُن کے ہمراہ کوفہ چلے جائیں اور وہیں قیام پذیر ہوں۔

سیدہ زینبؑ کا یہ سفر عام مسافرت کی طرح تکان و پریشانی کا سفر نہ تھا کیونکہ اس سفر کا ایک ہدف و مقصد تھا۔ دیکھا جائے تو یہ ایک مسلسل سلسلۂ سفر تھا، یعنی باپ کے ہمراہ کوفہ، کبھی بھائیوں کے ساتھ مدینہ کو واپسی، پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد مدینہ سے مکہ، کربلا، شام وغیرہ کے طویل سفر......لیکن سب باہدف سفر! آپ کا سفر اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ بطرفِ کوفہ پانچ سال کے طویل عرصے پر محیط تھا لیکن اس سفر میں آپ کو کبھی بھی احساسِ دشواری وملال نہ ہوا۔

ثانیِ زہراؑ کوفہ میں اپنے شوہرِ نامدار کے ہمراہ اُسی طرح خدمتِ پدرِ بزرگوار میں مصروف اور اُن کی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ اُس زمانہ میں سیدہ زینبؑ امیر المومنین علیہ السلام کے رموز ومتعلقات کی ایسی امانت دار رہیں کہ کسی اور کو ان باتوں کا علم یا ان سے آگہی نہ ہوتی تھی۔ آپ دار الخلافہ میں رہتی تھیں اور امیر المومنینؑ کو پیش آنے والے جملہ حوادث ومہمات کی، جو آپ کے تاریخی دورِ حکومت میں پیش آتے رہے، کماحقہ طور پر شاہد اور اُن سے آگاہ رہیں۔

آپ کی یہ محبت اور اطلاعات تاریخ ساز تھیں جو زمانۂ رشد میں پیش آرہی تھیں۔ آپ نے ایسے واقعات ملاحظہ کئے اور ایسے ایسے حالات سے دوچار ہوئیں جو کسی خاتون کی دسترس اور پہنچ میں نہیں آسکتے۔ یہ سب رموز و واقعات وحوادث آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار کی معیت میں تجربہ کئے جو بعد کی زندگی میں آپ کیلئے عملی اسباق ثابت ہوئے۔ آپ کی اپنے پدرِ بزرگوار کے ساتھ یہ معیت اُس دن تک جاری رہی جب آپ کو اپنے مشفق وعظیم باپ کا شگافتہ سرِ مبارک اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا اور اُس کے بعد......

۴۔ بھائیوں کے ہم قدم

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی کا طویل حصہ اپنے برادرانِ باصفا کے ہمراہ بسر کیا۔ یہ ہمراہی واتحادِ زندگانی

جس محبت، استقلال، عقیدت اور خلوص کا مظہر ہے وہ کسی بھائی بہن کے درمیان نہیں دیکھا گیا۔ آپ نے صحبتِ معصومین کو بہت زیادہ ملاحظہ فرمایا، اس صحبتِ معصومین میں حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہزادی کی والدۂ گرامی کا ماحول بھی شامل ہے جس میں آپ کی اوائل عمر کا کافی حصہ گزرا۔ آپ کے والدِ بزرگوار حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کی رفاقت، جو خود معصوم اور پیغمبرؐ اسلام کے خلیفہ برحق ہیں، سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کی تربیت جو تنہا خاتون معصومہ ہیں، جن کا بی بی نے دودھ پیا اور بچپن وطفولیت جن کی آغوشِ مبارک میں گذرا، نیز دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کا زمانہ بھی دیکھا جو زمانہ امام حسن مجتبیٰؑ، امام حسین سید الشہداء، امام علی ابن الحسین، زین العابدین وسید الساجدین، اور ایک روایت کے مطابق کچھ عرصہ امام محمد ابنِ علی باقر علیہم السلام پر مشتمل ہے۔ ان آئمہ معصومین کی ہمراہی کا طرۂ امتیاز ثانیِ زہراؑ کا اُن فیوضات سے بہرہ اندوز ہونا ہے جن کے باعث آپ ثانیِ زہراؑ، یادگارِ معصومینؑ اور قبلۂ خلائق قرار پائیں۔ نتیجے کے طور پر آپؑ اس شان کی مالکہ بنیں کہ اپنے والدِ معظمؑ، برادرانِ مکرم اور اپنے معصوم بھتیجے کی مشورہ گردان تسلیم کی گئیں۔

ثانیِ زہرؑا کا دُوسرا سفر

پہلے سفر میں ثانیِ زہراؑ اپنے شوہر باوقار اور اولادِ سعادت آثار کے ہمراہ کوفہ تشریف لے گئیں۔ پانچ سال سے کم عرصہ آپ نے اس شہر میں گزارا۔ آپ کا یہ قیامِ کوفہ امیر المومنین علیہ السلام کی شقی ترین شخص کے ہاتھوں شہادت پر اختتام کو پہنچا۔ شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد لوگوں نے امام حسنِ مجتبےٰ علیہ السلام کی بیعت کی، لیکن کوفیوں کی عہد شکنی حیاتِ اسلام کے لئے خطرہ کا باعث بنی جس کے باعث امام حسن علیہ السلام کو امیر معاویہ سے صلح کرنا پڑی جو اپنے مقام پر آتشِ پیکار کو خاموش کرنے کے لئے تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے[1]۔

امام حسن علیہ السلام بعد صلح عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس مرتبہ سیدہ زینبؑ نے اپنے شوہر واولاد کے ہمراہ قیامِ کوفہ کو ترک کیا اور اپنے برادرانِ محترم کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔ یہ ترکِ کوفہ بالکل مختلف کیفیت رکھتا تھا۔ ایک دن وہ تھا جب ثانیِ زہراؑ اس شہر میں ملکۂ بلادِ اسلامیہ کے جلال کی مالکہ تھیں اور کوفہ کی خواتین آپ سے کسبِ علم کرتی تھیں۔ اس طرح آپ وہاں بہت ہی معزز ومحترم مقام کی حامل تھیں۔

1۔ صلح امام حسنؑ، ترجمہ: سید علی خامنہ ای۔

شاعرِ مشرق اسی سلسلہ میں کہتے ہیں:

تانشیند آتشِ پیکار وکیں　　پشتِ پا زد بر سرِ تاج ونگیں　　(مترجم)

اس نقلِ مقام کے بعد آپ بیس (20) سال مدینہ میں قیام پذیر رہیں، دس سال امام حسن علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں اور دس سال حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی امامت کے دور میں۔ اس تمام مدت کے دوران امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں بھائی اپنے اپنے گھروں میں اپنی ازواج و اولاد کے ہمراہ رہتے تھے جبکہ خود سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا اپنے شوہر و اولاد کے ساتھ اپنے گھر میں قیام رکھتی تھیں۔ تاہم معمول یہی تھا کہ زندگی کے خصوصی و اہم مسائل میں دونوں امام بھائی مشورہ کے لئے اکثر ثانیِ زہراؑ کے طرف رجوع فرماتے اور اپنے مسائل و رموز کے حل کی خاطر اپنی عزیز بہن کو مشاورت میں شریک فرماتے۔

اس تمام مدت میں زینبِؑ عالیہ نے ماحول کی بہت زیادہ نامرادیاں و پریشانیاں اور نشیب و فراز ملاحظہ فرمائے۔ آپ نے حوادثِ روزگار کے بے انتہا مکر و فریب اور فسادات کو ان کی پوری اہمیت کے ساتھ محسوس کیا۔ آپ دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح اسلام کے خلاف کینہ پرور لوگ طاقت پکڑ چکے ہیں اور کس طرح وہ اُن کے برادرانِ گرامی سے جو حضرت رسولِؐ اکرم اور جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی یادگار ہیں، اپنے مشرک کشتگان کا انتقام لینے کے درپے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آپ کو امام حسن مجتبیٰؑ کی زہر سے شہادت کا مشاہدہ کرنا پڑا اور اُن کے بعد امام حسین علیہ السلام کے خلاف دشمنی اور سازشوں کو دیکھنا پڑا جن کا انجام حضرت کی شہادت کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان تمام مراحل میں سیدۂ طاہرہ کی عظیم بیٹی کو اپنے بھائیوں کے ہم قدم ساتھ ساتھ اور ان کے مصائب میں شریک و حصہ دار رہنا پڑا۔

محبتِ امام حسین علیہ السلام

تاریخ نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی امام حسین علیہ السلام سے محبت کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے۔ مقررین و مؤلفین نے اس موضوع پر سیر حاصل مباحث کئے ہیں۔ بعض مؤرخین تو اس سلسلہ میں مبالغہ آمیزی تک جا پہنچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ کی یہ محبت اسی صورت میں بے مثل و بے نظیر زمانۂ شیر خوارگی و طفولیت ہی سے موجود تھی۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

اس محبت کی کیفیت یہ تھی کہ اگر گہوارہ میں آپ گریہ کناں ہوتیں تو دیدارِ حسینؑ یا اُن کی صرف آواز سن لینا ہی بی بی کے لئے باعثِ آرام ہو جاتا (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

''بچپن میں سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہی کھیلتی تھیں اور اپنے اس بھائی کا دیدار آپ کیلئے خوشی و

شادمانی کا باعث ہوتا'' (لہوف، سید ابن طاؤس)۔

''حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے ساتھ صدیقۂ صغریٰ کے عقد میں دیدارِ حسین علیہ السلام اور سفر میں امامؑ کیساتھ چلنے کی شروع ہی میں شرط رکھی گئی تھی (زینبؑ الکبریٰ، ص89)۔

''روایت ہے کہ شادی کے بعد ایک روز سیدہ زینبؑ کو گریہ کرتے ہوئے پایا گیا۔ سببِ گریہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بی بی نے تین روز سے امام حسین علیہ السلام کو نہیں دیکھا (زینبؑ اخت الحسین علیہ السلام)۔

''اپنا گھر چھوڑ کر ثانیِ فاطمہؑ کا امام حسینؑ کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو جانا اس عشقِ حسینؑ کی ایک اور علامت ہے۔

''شبِ عاشور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں گفتگو و اشعارِ سید الشہداؑ کو سن کر آپ کا غش کر جانا (یا دھر اف لک من خلیل ..... بررسی (تحقیق) تاریخِ عاشورا)۔ نیز اس کے بعد کے دیگر واقعات اور اسی سلسلہ کی کڑیاں وغیرہ اسی جذبہ کی شاہد ہیں۔

سید الشہداء علیہ السلام کے نزدیک منزلتِ زینبؑ عالیہ

بے شمار تاریخی روایات شاہد ہیں کہ یہ عشق و ربط دونوں طرف سے تھا۔ امام حسین علیہ السلام بھی اپنی اس بہن کو عام بہن بھائی کے رشتہ سے زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی بہن کو محرمِ راز بنا رکھا تھا اور اسرار ہائے امامت تک آپ کے سپرد کر کے اپنا امانت دار قرار دیتے تھے۔ غرضیکہ ان دونوں بہن بھائی کی زندگی سے متعلق اس قسم کی شدید محبت کی بے شمار داستانیں موجود ہیں۔

مستند روایات نشان دہی کرتی ہیں کہ زینبؑ عالیہ اپنے بھائی کی امین تھیں۔ زندگی کے عمومی اور خاندانِ اہلِ بیتؑ کے مسائل میں آپ کو ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ دینی امور سے متعلق ہدایات ان کی محافظت میں قرار دی جاتیں اور سب انہی سے دریافت کرتے تھے (زینبؑ الکبریٰ، ص22)۔

ثانیِ زہراؑ کی شان و مقام ان باتوں سے ظاہر ہیں کہ:

''امام حسینؑ ایک روز تلاوتِ قرآنِ مجید میں مصروف تھے کہ سیدہ زینبؑ ان کے پاس تشریف لائیں۔ امام حسینؑ نے قرآن کو ایک طرف رکھ دیا اور اُن کے احترام کی خاطر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے (ریاحین الشریعہ، ج3، ص67)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام انہیں دیکھتے ہی جگہ خالی کر دیتے، خوش ہو کر اپنے پہلو میں بٹھا لیتے

اور خود قریب تشریف فرما ہوتے (ریاحین الشریعہ، ج3،ص 67)۔

''ایک مرتبہ دن کا وقت تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی، ثانیِ زہراؑ محوِ خواب تھیں اور سورج کی شعائیں آپ کے چہرہ پر پڑ رہیں تھیں، ممکن نہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام اُن کے لئے کسی سایہ کا انتظام کر پاتے، لہٰذا خود اس طرح اپنی بہن کے قریب کھڑے ہو گئے کہ آپؑ کا سایہ اُن پر پڑنے لگے اور آپؑ تمازتِ آفتاب سے بچی رہیں (روایت ابنِ مصفور)۔

معیارِ احترام

دوسرے بھائیوں کے نزدیک بھی زینبؑ عالیہ کے لئے معیارِ احترام مختلف نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی بی بی گھوڑے پر سوار ہونا چاہتیں اور عازمِ سفر ہوتیں تو آپ کے برادرِ عزیز ابوالفضل العباس علیہ السلام آگے بڑھ کر اپنے زانو کو جھکا دیتے تا کہ ثانیِ زہراؑ اس پر پاؤں رکھ کر آسانی سے سوار ہو جائیں (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

دُوسرے لفظوں میں ہر شخص کی کوشش ہوتی کہ آپ کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ جب آپ کہیں جانا چاہتیں تو آپ کے بھائی ہمیشہ آپ کی حفاظت کی خاطر آپ کی ہمراہی اختیار کرتے کہ تنہا نہ رہیں۔ جب بھی شہزادی کو خواہش ہوتی کہ بھائی اُن کے پاس ہوں تو وہ سب اُن کی خدمت میں حاضر رہتے اور ان کی ہر خواہش بجا لاتے۔ خاندان کے تمام افراد، مرد ہوں یا خواتین، سیدہ زینبؑ کی بات کو حرفِ آخر جانتے اور سب آپ کا حکم من وعن بجالاتے۔ مصائب وشدائد کے مواقع پر ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی کہ ایسے واقعات کی زینبؑ علیا کو کم سے کم اطلاع ہو مبادا کہ وہ پریشان ہوں اور حالات کے تاثرات آپ پر اپنا سایہ ڈالیں۔

جب امیر المومنین علیہ السلام ابنِ ملجم ملعون سے مجروح ہوئے آپ کے صاحبزادوں نے صدائے ''قد قُتِل'' سنی تو مسجد کی جانب دوڑے جہاں اپنے پدرِ بزرگوار کو خون میں غلطاں پایا۔ انہوں نے سب طرف سے آپ کے جسم کو سہارا دے کر اٹھایا کہ گھر لے جائیں۔ گھر کے قریب پہنچ کر امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کہ انہیں زمین پر کھڑا کر دیں تا کہ آپ اپنے قدموں سے چل کر خانۂ اقدس میں وارد ہوں۔ مبادا کہ سیدہ زینبؑ اور آپ کی دیگر دختران آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر پریشان وخوف زدہ ہو جائیں (منتہی الآمال، ج1)۔

علیٰ ہذا القیاس جب امام حسن علیہ السلام کو زہر ملا اور سیدہ زینبؑ کو خبر ہوئی تو بہ سرعت آپ نے اپنے آپ کو امام حسنؑ کے خانۂ اقدس میں پہنچا دیا۔ آپ کی آمد سے پہلے امامؑ نے ایک طشت میں خون کی قے کی تھی۔ سیدہ زینبؑ کی اطلاع پاتے ہی

امامؑ نے حکم دیا کہ اُس طشت کو اٹھا کر لے جائیں تا کہ زینبؑ عالیہ اسے دیکھ کر مضطرب نہ ہو جائیں (منتہی الآمال، ج 1)۔

ثانیِ زہراؑ کا تیسرا سفر

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی تمام توجہ اور محبت اپنے دوسرے بھائی امام حسینؑ پر مرکوز ہوگئی۔ دس برس آپ اُن کے ساتھ رہیں اور شاید ہی کوئی ایسا دن ہوگا جب دونوں بھائی بہن ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے ہوں۔ دونوں بہن بھائی کے درمیان اظہارِ اُلفت ومحبت اور جملہ راز ورموزِ الٰہی حسبِ معمول انجام پذیر رہتے۔

کچھ عرصہ بعد امیر معاویہ اپنی موت سے ہم کنار ہوا تو یزید تخت نشین ہوا اور اُس کی بیعت لی گئی۔ یہ بہت بڑا سانحہ تھا اور عظیم مرحلہ۔ عالمِ خواب میں امام حسین علیہ السلام کو حکم ہوا:

''اُخرُجْ اِلَی الْعِرَاقِ اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیْلاً'' (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

یعنی ''عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ اپنے دین کی خاطر تمہیں خاک وخون میں غلطاں دیکھے''۔

پس امام حسین علیہ السلام نے اپنے لئے سفر اور مدینہ سے روانگی کو واجب جانا اور اپنے مقصدِ حیات کی طرف روانہ ہوئے (لہوف)۔ یہ یک شنبہ (اتوار) ۲۸/رجب ۶۰ھ کی شب تھی [1]۔

1۔(الف) شاعرِ مشرق ان کیفیات کی اپنی مثنوی ''رموزِ بےخودی'' میں اسطرح تصویر کشی کرتے ہیں:

چون خلافت رشته از قرآں گسیخت	حریّت را زهر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوهٔ خیرالاُمم	چون سحابِ قبله باراں در قدم
برزمینِ کربلا بارید و رفت	لاله در ویرانه ها کارید و رفت
بحر حق درخاک وخوں غلطیده است	پس بنائے لااله گردیده است
تا قیامت قطع استبداد کرد	موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

(ب)۔ آغا شاعر دہلوی مرحوم نے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ایک مرثیہ لکھا ہے جس میں شہزادی کا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں:

کہتے ہیں کوئی زمانہ تھا کسی بی بی کا	باپ تھا حاکمِ کوفہ و رئیسِ بطحا
علم کا باب جسے کہتی تھی ساری دُنیا	جس سے تھا حَیَّ عَلٰی خَیرِ الْعَمَلْ کا چرچا

سب اُسے عدل کا سلطان کہا کرتے تھے
اُس کی تلوار کو میزان کہا کرتے تھے

(جاری)

سیدہ زینبؑ نے پہلے ہی سے حاصل کردہ اجازت اور حضرت عبداللہ کے ساتھ اپنے عقد میں مقرر شدہ شرط کے مطابق امام حسینؑ کے قافلہ کے ہمراہ روانگی اختیار کی۔ آپ نے بڑی عزت وحرمت کے ساتھ اپنے کجاوۂ سفر کو زینت بخشی اور بعد از طے منازل 3 رشعبان کو مکہ تشریف لائیں۔ اسی سال موسم حج میں آپ عراق کو روانہ ہوئیں اور روایات کے مطابق 3 رمحرم الحرام 61ھ کو کربلا میں وارد ہوئیں۔ اس کے بعد جناب امام حسینؑ اور اپنے دُوسرے بھائیوں کی شہادت تک وہیں قیام فرمایا۔

۴۔ دیگر افراد کے ساتھ روابط یعنی خدمتِ عامّہ

ثانی زہراؑ اپنی مادرِ گرامی کی وفاتِ حسرت آیات (بلکہ شہادت) کے بعد خانۂ امیرالمومنین علیہ السلام کے نظم ونسق کی

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اقتدار ایسا تھا دُنیا میں نہیں جس کی مثال — جن تو کیا جان، فرشتے نہ ہلائیں پر و بال
کانپتے اک نظرِ غیظ سے تھے دشت و جبال — بارہا لے کے مصلّے کو گئی بادِ شمال

آسمانوں کی خبر صاف ملا کرتی تھی
واقعات اپنے زمیں روز کہا کرتی تھی

عترتِ پاک تھا شہزادیٔ عالم کا لقب — خاندانوں کے بڑے کرتے تھے چھوٹوں کا ادب
اپنی مخدومہ سمجھتی تھیں نسایانِ عرب — نہ کسی کا یہ حسب تھا نہ کسی کا یہ نسب

سب سے افضل تھے وہ بی بیؑ کے گھرانے والے
جن کے محتاج تھے دُنیا کے خزانے والے

بھائی بھی دو تھے اُسی بی بیؑ کے باشوکت وشان — دونوں تھے قوتِ بازو وہ برابر کے جوان
لوگ سردارِ جناں کہتے تھے، یہ تھی پہچان — جس طرف جاتے تھے ہوتی تھیں نگاہیں قربان

سب میں مشہور تھے مکہ و منیٰ کے فرزند
نازشِ خلق تھے خاصانِ خدا کے فرزند

ہاں مگر نام میں اُس سیدّہؑ کے تھا یہ اثر — صاحبِ دل ہو اگر کوئی تو ہل جائے جگر
مرجعِ رنج والم موردِ آفات و ضرر — بنتِ زہراؑ و نبیؐ شیرِ خدا کی دُختر

کیا اثر ہے نہیں معلوم کہ جی کٹتا ہے
نام پر حضرتِ زینبؑ کے جگر پھٹتا ہے

(جاری)

ذمہ دار قرار پائیں۔آپ نے خاتونِ خاندان اور منتظم خانہ کا مقام حاصل فرمایا۔اسی زمانہ میں امامہؑ، جوحضرت زینبؑ (دخترِ ربیبۂ رسولِ اکرم، جن کی والدۂ گرامی حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہؓ تھیں) کی صاحبزادی تھیں، امیر المؤمنین علیہ السلام کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ یہ رسولِ اکرم کی نواسی بھی کہی جاسکتی ہیں۔انہی رشتوں سے یہ جنابِ زینب کبریٰ کی خالہ زاد بھی تھیں اور اُن کی والدۂ مقدسہ کی جانشین بھی بنیں (چہاردہ معصومؑ، جواد فاضل)۔

حضرت امامہؑ فضل وکمال کی مالکہ، عارفۂ حقوقِ اہلِ بیتؑ، صالحہ دردین، سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے محبت رکھنے والی اور آپؑ کی وفات کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت کیلئے وصیتِ فاطمہ زہراؑ کی حامل تھیں۔سیدۂ عالیہؑ کی اولاد سے بے انتہا محبت رکھتی تھیں اور اپنے آپ کو ان کی خدمت گذار جانتی تھیں۔امیر المومنین علیہ السلام اور سیدہ طاہرہؑ کی اولادِ امجاد کی سرپرستی ومحبت میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

زینبِؑ عالیہ ان کی زیرِ سرپرستی آگئیں درآنحالیکہ اُن کو خود بھی امورِ خانہ داری اور نظمِ خاندان میں کسی طرح کی ناتجربہ کاری نہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے عرصہ میں ثانیِ زہراؑ نے گھر کے نظم ونسق، خدمتِ والدِ بزرگوار اور برادرانِ عالی قدر سے متعلق جملہ امور کی نگہداشت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ بہت سے اُمور میں خود امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اس عظیم صاحبزادیؑ کی جانب رجوع فرمانے لگے۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

کون زینبؑ! جسے بچپن میں بھی راحت نہ ملی — چاشنی درد نے بخشی کوئی لذت نہ ملی
نام کو بھی خوشی غم کی بدولت نہ ملی — تھی وہ دُکھیاری کہ دم بھر کو فراغت نہ ملی

باپ نے آب کشی کر کے بھرے ہوں بھرنے
چکیاں پیس کے پالا ہو جسے مادرؑ نے

پہلے نانا سے چھٹیں پھر ہوئی ماںؑ کی رحلت — ہوش آیا تھا کہ باباؑ نے اُٹھائی ضربت
پھر بڑے بھائی حسنؑ سے ہوئی انؑ کی فرقت — کربلا میں تو وہ گزری کہ نہ پوچھو حالت

تیر پر تیر پڑے صبر کا پہلو نہ گیا
لاش پر لاش گری آنکھ سے آنسو نہ گیا

سیدہ زینبؑ کا خانۂ امیر المومنینؑ میں قیام

زمانۂ رُشد میں پہنچ کر ثانیِ زہراؑ نے امیر المومنین علیہ السلام کے خانۂ اقدس کا پورا انتظام سنبھال لیا۔ آپؑ سے متعلق تمام امور کا شہزادی خود خیال رکھنے لگیں۔ یہ گھر لوگوں کے لئے پناہ گاہ اور مسائل میں مقامِ رجوع تھا۔ مصیبت زدہ، ستم رسیدہ، مستضعف، مسائلِ دین سے ناواقف، حتیٰ کہ موردِ شکوک، گرفتارانِ بلا وغیرہ کی مستقل طور پر اس پاک گھر میں آمد و رفت رہتی تھی۔ مردوں سے متعلق جملہ مسائل ذاتی طور پر خود حضرت علیؑ یا ثانیِ زہراؑ کے بھائی صاحبان سرانجام دیتے تھے اور جہاں معاملہ خواتین سے متعلق مسائل کا آجاتا تو وہاں ثانیِ زہراؑ اُن تمام مسائل کو حل فرماتیں۔ آپ کی یہ اہمیت اس لئے تھی کہ آپ یادگارِ جنابِ سیدہؑ اور اُن کی جانشین تھیں، لہٰذا مدینہ منورہ کی تمام خواتین آپ کو نائبۃ الزہراؑ تسلیم کرتی تھیں (فاطمہ زہراؑ، ص636)۔

اس زمانہ میں لاتعداد مباحث و مسائلِ علمی سامنے آتے جن کو صدیقۂ صغریٰؑ حل فرماتیں، بے شمار بھوکے، غریب اور ستم رسیدہ لوگ خانۂ علیؑ پر حاضر ہوتے اور کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ثانیِ زہراؑ کے دروازہ سے کوئی ناامید لوٹتا کیونکہ آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ مصیبت زدہ لوگوں کی حاجات کو پورا کریں اور مشکلات میں گرفتار لوگوں کی مشکلات کو ہر ممکن طریقہ سے رفع کریں۔

اپنے شوہرِ نامدار حضرت عبداللہ کے خانۂ اقدس میں

آخر ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی اور آپ نے اپنے گھر کی تشکیل فرمائی۔ آپ کے لئے ہر قسم کا سامانِ آرام و آسائش موجود تھا۔ نہایت عیش و عشرت سے بالشِ ناز کا سہارا لے کر خدمت گذاروں سے خدمت لے سکتی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ عیش و آرام سے نہایت خوشگوار و لذت بخش زندگی بسر کریں، لیکن سیدہ طاہرہؑ کی عظیم بیٹی ان تمام امور سے بلند تر شان کی مالکہ تھیں۔ ثانیِ زہراؑ اپنے آپ کو اور اپنی حیاتِ مقدس کو ذاتی عیش و عشرت و آرام و آسائش کی خوگر ہونے کی بجائے دوسرے لوگوں کے کام آنے اور اُن کی امداد و دستگیری کا ذمہ دار جانتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تمام عمر خدمتِ انسانیت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھا۔

حضرت عبداللہ کے اموال میں جو ذاتی اختیاراتِ تصرف آپ کو حاصل تھے اُن سے آپ نے اپنے شوہر کے گھر کو محتاجوں کی پناہ گاہ اور ستم خوردہ لوگوں کی امید گاہ بنا دیا۔ کوئی کمزور و غرض مند ایسا نہ ہوتا جو آپ کے درِ عنایت سے خالی ہاتھ اور مایوس چلا جائے۔ کسی ستم خوردہ کو ناامید نہ پلٹاتیں، سائل کبھی انکار نہ سنتا اور فقیر کبھی اس دروازہ سے اپنے فقر کو لے کر واپس نہ جاتا۔ حد یہ کہ مستند روایات کے مطابق فقراء کی درخواستوں سے پہلے ہی آپ انہیں اپنی عطا سے مالا مال فرما دیتیں۔

اس تمام خدمتِ انسانیت کے باوجود اپنے زمانہ کی خواتین کی رہبری و ہدایت کا سلسلہ بھی اپنے مقام پر قائم تھا۔ بے شمار خواتین اپنی مشکلات لے کر ثانیِ زہرؑا کی خدمت میں پیش ہوتیں اور مشکلات کو حل کروا کر واپس ہوتیں۔ آپ کے مکتبِ علم سے لاتعداد شاگردوں نے استفادہ کیا، زیورِ علم سے آراستہ ہوئیں اور عالمِ خواتین میں درخشندہ مقامات کی حامل ہوئیں۔

قیامِ کوفہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی کوفہ تشریف آوری کے بعد آپ کے دورِ خلافت میں، ثانیِ زہرؑا اپنے شوہرِ نامدار حضرت عبداللہ ابنِ جعفر طیار اور اپنی اولادِ امجاد کے ہمراہ کوفہ تشریف لے آئیں اور وہیں رہنے لگیں۔ یہاں جنابِ زینبؑ کبریٰ علیؑ مرتضیٰ کی بڑی صاحبزادی ہوتے ہوئے خواتین کے درمیان ملکۂ دُنیائے اسلام کے طور پر بلند ترین مقام کی مالکہ تھیں۔ آپ اپنے پدرِ بزرگوار کے دارا لسلطنت میں فطری طور پر زنانِ کوفہ کیلئے درجۂ مرجعیت رکھتی تھیں۔ آپ کی کوفہ میں موجودگی زنانِ کوفہ کیلئے نہ صرف باعثِ افتخار تھی بلکہ معاملاتِ دین میں اُن کیلئے کسبِ علم کا موقعہ فراہم کرتے ہوئے سرمایۂ خلافتِ امیرالمومنین علیہ السلام سمجھی جاتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں اُس عظیم مملکت کے لئے سیدہ زینبؑ جیسی صالحہ و جامعۂ صفات، نمونۂ رہبری، مظہرِ عفت و اخلاق، ہمہ صفت موصوف عالمہ و فاضلہ خاتون کا وجود سرمایۂ افتخارِ سلطنت تھا۔

کوفہ میں ثانیِ زہرؑا کا خانۂ اقدس محتاج خواتین کی پناہ گاہ، معلوماتِ دینی کی خواہش مند مستورات کے لئے مقامِ آگہی، فقراء و تہی دست افراد کے لئے منزلِ حاجت روائی سمجھا جاتا تھا۔ لاتعداد مسائلِ دینی جن کا تعلق صنفِ نازک سے ہوتا وہ آپ کے توسط سے حل ہوتے۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کے ذریعہ معارف و دانائی کے بے شمار مطالب خواتین کو القاء ہوتے۔ مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ زینبؑ عالیہ نے کوفہ میں تفسیرِ قرآن کا درس شروع کر رکھا تھا، زنانِ کوفہ اُس میں شریک ہوتیں، یہاں تک کہ خود امیرالمومنین علیہ السلام بعض اوقات اپنی بیٹی کے عملِ تدریس کو ملاحظہ فرماتے اور بہت سے نکات آپ کو تعلیم فرماتے (علیؑ و فرزندانش)۔

اہالیانِ کوفہ کے لئے شہزادی کی خدمات کی تفصیل کو بیان کرنے کی خاطر ایک الگ تصنیف کی ضرورت ہے اور زندگانیِ زینبؑ سے متعلق بے شمار کتب آپ کی اس مصروفیت کے متعدد گوشوں سے پردہ اُٹھاتی ہیں [1]۔

1۔(ا)۔ جب سیدہ زینبؑ کوفہ میں تشریف لائیں تو وہاں کی اہلِ ایمان خواتین رسولؐ زادیؑ کی خدمت میں جمع ہو گئیں اور اُن سے درخواست کی کہ انہیں معارفِ الٰہیہ سے مستفید فرمائیں۔ چنانچہ سیدہ زینبؑ نے کوفہ کی مستورات کے لئے درسِ تفسیرِ قرآن (جاری)

کمکِ اسیران

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کاروانِ کربلا کی سردار ہیں۔ اسیرانِ کربلا کی حفاظت وخبر گیری اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور اس ذمہ داری میں پوری طرح کوشاں ہیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کے اہلِ بیتؑ اور دیگر شہداء کے ورثاء بالخصوص بچوں پر لطف و مدارات ملحوظ ہے۔ آتش زدگی کے مرحلہ میں اور اس اندوہناک موقعہ پر اپنے آپ کو عظیم پیغام کی حامل اور جملہ شہداء کی عظیم قربانیوں کے پیام کی تشہیر کی ذمہ دار جانتی ہیں۔

ثانیِ زہراؑ کو امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے خصوصی محبت تھی۔ اسیری کے دوران بچوں کو پوری خوراک نہ ملتی تھی۔ آپ اکثر اپنے حصہ کا کھانا بچوں میں تقسیم کر کے خود بھوکی رہ جاتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف و ناطاقتی کی شدت کے باعث آپ بیٹھ کر نماز ہائے نافلہ ادا فرماتیں (زینبؑ از عاشورا تا اربعین)۔

آپ کے فرائض سنگین ومشکل تھے تاہم سب کچھ تحمل سے برداشت کرتیں۔ اُن کی سرپرستی بھی کرتیں اور دورانِ گریہ اُن کی تسلی وتشفی بھی۔ مصیبت زدہ خواتین کو تسلی دیتیں اور سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت وتسکین فرماتیں کہ بخدا یہ انتہائی تعجب خیز کیفیت تھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

شروع کیا اور خواتین کی کثیر تعداد کو علومِ الٰہی سے فیضیاب فرمایا۔ ایک روز سیدہ زینبؑ ''کھیعص'' کی تفسیر بیان کر رہی تھیں۔ ابھی اپنے بیان کا آغاز ہی کیا تھا کہ امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام تشریف لائے اور دیکھا کہ سیدہ زینبؑ ''کھیعص'' کی تفسیر بیان کر رہی ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: ''اے میری نورِ نظر بیٹی! کیا تو جانتی ہے کہ ان کلمات میں کیا رموز پوشیدہ ہیں؟'' سیدہؑ نے عرض کی: ''بابا جان! آپ وضاحت کے ساتھ فرمایئے۔''

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''بیٹی ان کلمات میں تم پر آنے والے مصائب کے رموز واسرار پوشیدہ ہیں اور تمہاری اُن مصیبتوں کے اشارے ہیں جو آلِ رسولؐ پر آنے والی ہیں۔''

سیدہ زینبؑ نے عرض کی: ''بابا جان! اُن مصائب کی تشریح فرمایئے''۔

امیر المومنین علیہ السلام نے کربلا وکوفہ وشام میں پیش آنے والے تمام حالات کی تصویر کشی کی اور تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔ مصائب وآلام کی شدت کا سن کر سیدہؑ دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، مؤلفہ م۔ صادق، ترجمہ: علامہ حسن رضا غدیری، ص ۸۹)۔ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

(ب) جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ میں قیام پذیر ہوئے تو اشراف کوفہ کی مستورات اپنے مردوں کے ذریعہ آپ سے گزارش کرتیں کہ جنابِ ثانیِ زہراؑ کی زیارت سے مشرف ہونے اور اُن سے کسبِ فیض کی اجازت دیں۔ عورتیں آتیں، قدم بوسی کے بعد وہیں بیٹھ جاتیں اور قرآن مجید کی تفسیر کا علم حاصل کرتیں۔ ایک دن خود جنابِ امیرؑ اس درس میں تشریف لے گئے۔ اُس دن آپ کا موضوع سورۂ مریم تھا۔ آپ نے کچھ اس طرح سے تفسیر بیان کی کہ خود حضرت داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ خواتین کے چلے جانے کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: ''بیٹی! اس سورہ کے شروع میں جو حروفِ مقطعات ''**کھیعص**'' ہیں یہ واقعۂ کربلا کے اندوہناک مصائب اور آلام پر دلالت کرتے ہیں۔ 'ک' سے کربلا، 'ہ' سے ہلاکتِ حسینؑ، 'ی' سے یزید (قاتلِ حسینؑ)، 'ع' سے عطش (پیاس) اور 'ص' سے صبرِ حسینؑ'' (حیاتِ طیبہ حضرت زینبؑ، مؤلفہ شہید آیۃ اللہ سید عبدالحسین دستغیب، ترجمہ: مولانا ہادی حسن نقوی، ص ۱۱،۱۲)۔

(ج) جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ میں تشریف فرما تھے تو یہ مخدرہ اپنے مکان میں مجلس کر کے عورتوں کے سامنے تفسیرِ قرآن بیان فرمایا کرتی تھیں۔ ایک روز آپ ''**کھیعص**'' کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ جناب امیر المومنینؑ بھی تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اے نورِ دیدہ! میں نے اس تفسیر کو سنا جو تم عورتوں کے سامنے بیان کر رہی تھیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے لختِ جگر! ان حروف میں بطور رمز اشارہ اُن مصیبتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو تم پر اور نیز عترتِ پیغمبرؐ پر وارد ہونگی۔ پھر حضرتؑ نے اُن تمام مصائب کو اپنی دختر نیک اختر کے سامنے بیان کیا جو گذرنے والے تھے۔ یہ سن کر اُس مظلومہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور فریادِ آہ و نالہ بلند ہوئی۔ تعجب ہے کہ اُس معظّمہ کو اپنے مصائب کا علم تھا مگر پھر حضرت کی زبانِ مبارک سے سن کر دل بے قابو ہو گیا (رضا کار، لاہور، شریکۃ الحسینؑ نمبر 61ء، ص 23،24)۔

۱۔ سرِ آغاز ۔ دُنیائے مصائب و آلام میں ورُود

ثانیِ زہراؑ کی زندگی بعض خصوصیات اپنے دامن میں رکھتی ہے۔آپ نے تقریباً چھپن (56) سال عمر پائی۔اس میں چھ سال معمول کے مطابق زمانۂ طبیعی تھا۔کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا یہ عرصہ خوشی و شادمانی کا زمانہ تھا، اگرچہ اس دور میں بھی امیر المومنین علیہ السلام کی پُر از فقر زندگی تکالیف سے خالی نہ تھی جو تلخیوں کا موجب ہو جاتی تھی۔تاہم بچپن کے اس عالم میں یہ حقیقت باعثِ اطمینانِ قلب تھی کہ قوی و شجاع والدِ بزرگوار کا سایہ، مادرِ مہربان کا پہلو، برادرانِ ارجمند و عزیز کی معیت جیسے حالات حاصلِ زندگی تھے۔ان تمام کیفیات کے علاوہ جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفیق سایہ نصیب تھا جن کی محبت و شفقت تمام خلاہائے مادّی وظاہری کو پُر کر کے ہر قسم کی کمی ومحرومی کو دور کررہی تھی۔

شہزادی کو اچانک طوفانِ حوادث نے گھیر لیا۔دستِ اجل آپ کے باغِ حیات پر حملہ آور ہوا اور نخل ہائے حیات اُس کی زد میں آنے لگے۔گلشنِ حیات پر یکے بعد دیگرے یلغارِ حوادث ہونے لگی اور مصائب و آلامِ عظیم خرمنِ ہستی پر یورش کرنے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے باقی پچاس (50) سال میں زینبِؑ علیا کو رنج و مصائب، بلیات و حرماں نصیبی کے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عجیب وغریب خواب

سیدہ زینبؑ نے بچپن کے زمانہ ہی میں ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاتِ حسرت آیات کے سال کا آخر تھا۔آپ نے اپنے بچپن کی زبان میں اپنے شفیق نانا جنابِ رسولِؐ خدا کی خدمت میں اس طرح اپنا خواب بیان کیا:

''میں یکہ وتنہا بیابان میں ایک بلند مکان پر کھڑی تھی کہ یکا یک بلا خیز آندھی اٹھی، بہت تیز ہوا چلنے لگی، ہر طرف اس قدر گرد وغبار اٹھا کہ روزِ روشن شبِ تاریک میں بدل گیا۔میرے قریب ایک درخت تھا۔میں پناہ کی خاطر اُس درخت کی طرف بڑھی اور اس سے لپٹ گئی، لیکن درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔میں نے پناہ کے لئے درخت کی ایک شاخ کو پکڑا لیکن وہ شاخ ٹوٹ گئی۔میں نے دوسری شاخ کا سہارا لیا، لیکن وہ بھی ٹوٹ گئی۔ایک دوشاخہ کی طرف بڑھی اور اُس کی پناہ لی۔وہ دوشاخہ بھی ٹوٹ

گیا۔ میں سرگردان و پریشان و حیرت زدہ ہو کر اپنی جگہ پر خوفزدہ کھڑی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی.......

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پریشان خواب کو سن کر سخت مضطرب ہوئے، آپؐ کے چہرۂ اقدس کا رنگ اتر گیا، آپؐ نے اس خواب کی تعبیر کو سمجھا اور اس طرح بیان فرمایا:

''وہ درخت جو جڑ سے اکھڑ گیا، میں ہوں، گویا میری موت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔

''وہ شاخ جس کی تم نے پناہ لینا چاہی، تمہاری والدۂ گرامی ہیں۔

''دوسری شاخ تمہارے والدِ بزرگوار ہیں۔

''اُس کے بعد جس دو شاخہ کی طرف تم بڑھیں، وہ تمہارے دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ ہیں'' (فاطمۃؑ الزہرا، ص ۵۸)۔

تعبیرِ خواب کے آخر میں فرمایا: ''یہ خواب آزمائشِ تقدیر میں تمہاری بزرگی و استقامت کا مظہر ہے۔ تم اس آزمائش میں بہ طریقِ احسن پورا اُترو گی۔ بعد کے مصائب میں تمہاری استقامت بہت بلند درجہ پر ہوگی۔'' (واقعاتِ مابعد سے آپ کی مراد واقعۂ کربلا تھی) (چہاردہ معصومؑ، عمادزادہ)۔

سیدۂ طاہرہؑ کا خوابِ رسولؐ خدا سننا اور اُس کی تعبیر

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے بھی اُسی سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب سنا اور حضرتؐ سے اُس خواب کی تعبیر معلوم کی۔ پس ایک روز آنحضرتؐ نے سیدہ فاطمۃؑ الزہرا سے فرمایا:

''جبرئیلِ امینؑ ہر سال میرے ہمراہ ایک بار قرآنِ کریم کا اعادہ کرتے ہیں۔ امسال انہوں نے دو بار ایسا کیا ہے''۔

سیدہ طاہرہؑ نے عرض کیا: ''بابا جان! اس کے کیا معنی ہوئے؟''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے یہ میری عمر کا آخری سال ہے اور یہ امر اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے''۔

یہ سُن کر سیدۂ طاہرہ کے آنسو جاری ہو گئے اور آنحضرتؐ نے اُن کی تسلی و تشفی فرمائی (فاطمہؑ، فاطمہؑ ہے)۔

یہ دونوں واقعات مشابہ ہیں، اس لئے کہ دونوں خواب ایک ہی حادثہ کی خبر دیتے ہیں، یعنی حادثۂ وفاتِ حضورؐ ختمی مرتبت اور اہلِ بیتؑ پر آغازِ مصائب 1۔

1۔ اس قسم کے متعدد خواب صفحاتِ تاریخ کی زینت پائے جاتے ہیں جس سے ثانیِ زہراؑ کے مصائب اور اہلِ بیتؑ عظام کیساتھ زمانہ کی چیرہ دستیوں کی خبر ملتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اُن کے مستقل اذہان کو مستقبل میں ہونے والے واقعات و آلام سے خبردار (جاری)

باالفاظِ دیگر مصائب کے جام ہائے تلخ ایک ایک کرکے بھر رہے ہیں اور پینے والوں کے طلبگار ہیں:

هر که ایں دار مقرب تر است　　　　جامِ بلا بیشترش می دهند

''اس دارِ فانی میں جو شخص جس قدر مقرب (بارگاہِ الٰہی) ہے اسی قدر اُس کو جامِ بلا و مصیبت زیادہ دیا جاتا ہے''۔

حیاتِ سیدہ زینبؑ میں یہیں سے تبدیلی بصورتِ مصائبِ بلاخیز شروع ہوتی ہے جس کی ابتدا وفاتِ رسولِؐ مقبول اور حالاتِ سقیفہ بنی ساعدہ سے ہوتی ہے۔ انہی مصائب کی انتہا کربلا میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام، اسیریٔ ثانیِ زہرؑا، خونِ حسینؑ کے پیغام کی تشہیر اور نتیجہ کے طور پر خاندانِ بنی اُمیہ کی بیخ کنی پر ہوئی، جس کا انجام بالآخر اِن دو اُمور پر منتج ہوا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) کرنے کیلئے نظامِ قدرت کا حصہ ہو، تاہم جب واقعات درحقیقت رونما ہو گئے تو اُن کے مقابلہ میں افرادِ اہلِ بیت، بالخصوص ثانیِ زہرؑا کی استقامت وصبر واستقلال اور طوفانِ حوادث میں پائے ثبات کی پختگی عالمِ انسانیت کے ہر شعبہ کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ صاحبِ کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' رقم طراز ہیں:

''پیغمبرؐ اسلام کی زندگی کے آخری ایام کا واقعہ ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیؑ ابنِ ابی طالبؑ اور سیدۂ عالم حضرت فاطمہؑ زہرا حسبِ معمول آنحضرتؐ کے حضور شرفیاب ہوئے اور ہر ایک نے پیغمبرؐ خدا کو اپنا اپنا خواب بیان کیا۔

''سرورِ انبیاء نے اُن کے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے اپنے سفرِ آخرت کی خبر دی تو علیؑ و فاطمہؑ بلند آواز سے گریہ کناں ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ سیدہ زینبؑ بھی وہاں موجود تھیں جن کا سن بہت چھوٹا تھا۔ انہوں نے بھی اپنا خواب پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں بیان کرتے ہوئے کہا:

''ناناجان! میں نے کل ایک خواب دیکھا ہے جس کی تفصیل یوں ہے: ایک سیاہ آندھی چلی جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی اور آندھی کی شدت مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ دھکیل کر لے گئی۔ اس حالت میں میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا اور میں ہوا کے تیز جھونکوں کی شکار ہو کر اُس درخت سے لپٹ گئی، مگر آندھی نے اُس درخت کو اکھیڑ ڈالا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ پھر میں اُس درخت کی ایک مضبوط ٹہنی سے لپٹ گئی مگر وہ بھی آندھی کے تیز جھونکوں کا شکار ہو کر گر پڑی۔ پھر میں نے درخت کی دو شاخوں میں سے ایک کو تھام لیا لیکن آندھی کے بے رحم جھونکوں نے اُسے بھی توڑ ڈالا اور وہ ٹکڑا بالآخر مجھ سے دور چلا گیا۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی''۔

''پیغمبرؐ اکرم سیّدہ زینبؑ کا خواب سن کر زاروقطار رونے لگے اور فرمایا:

''درخت سے مراد تیرا جد رسولِؐ خدا، پہلی مضبوط ٹہنی سے مراد تیری والدہ فاطمہؑ زہرا، دوسری ٹہنی سے مراد تیرے والدِ گرامی علیؑ مرتضیٰؑ اور دو شاخوں سے مراد تیرے دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ ہیں (ناسخ التواریخ، حیاتِ سیدہ زینبؑ، ص ۳۴۲)۔　(جاری)

1۔ شجرِ اسلام کی نشو ونما کیلئے سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے خون سے اس درخت کی آبیاری کی، اور

2۔ ثانیِ زہرؑا نے پیغامِ حسین علیہ السلام کو پہنچانے کی خاطر اپنا پورا وجود صرف کر دیا اور خود اپنی جان بھی نذر کر دی۔

۲۔ بچپن کے مصائب

ثانیِ زہرؑا کا سنِ مبارک ابھی چھ برس سے بھی زیادہ نہ ہوا تھا (بلکہ بروایتے آپ صرف پانچ سال کی تھیں۔مترجم) کہ یکے بعد دیگرے مصائب کی یورش شروع ہونے لگی۔مستند روایات سے ثابت ہے کہ پیغمبرؐ اکرم کی دنیا سے رحلت کے وقت ابھی چھ سال سے زیادہ عمر نہ ہوئی تھی جبکہ آنحضرتؐ شہزادی کو اپنی جان سے زیادہ پیارے اور اُن کی محبت کا مرکز تھے (ناسخ التواریخ، سپہر)۔

سقیفۂ بنی ساعدہ کا واقعہ اور آپؑ کے والدِ گرامی کی خانہ نشینی کا آغاز بھی اسی سال میں ہوا۔اس طرح زمانۂ خوردسالی ہی سے اس قدر مصائب حملہ آور ہوئے جو قلبِ نازنین کی شکستگی کا باعث بنے۔تاہم شہزادی نے ان تمام آلام و مصائب کو برداشت کیا۔ان حالاتِ نامساعد سے زینبؑ عالیہ اس درجہ مانوس ہوئیں کہ آخرکار ''اُم المصائب'' قرار پائیں۔اس تمام کثرتِ آلام کو اس قدر تحمل سے برداشت کیا جس کی مثال نہیں ملتی بلکہ یہ مصائب اتنی شدید نوعیت کے حامل تھے کہ اگر وہ کسی پہاڑ پر پڑتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

وفاتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ثانیِ زہرؑا کے بچپن کی یہ پہلی مصیبت تھی جس میں آپ کے سامنے دو رنج تھے جن کو برداشت کرنا تھا۔ان میں ایک تو وفاتِ رسولؐ اکرم کا غم تھا، وہ ہستی جو آپ پر پدرِ مہربان کی طرح شفیق تھیں اور انہیں بھی ذاتِ رسولؐ اکرم یعنی اپنے عظیم نانا سے اس قدر محبت تھی جو عام طور پر بچوں میں نہیں پائی جاتی۔دوسرا غم اپنی مادرِ مہربان کے جگرخراش آہ و بکا و نالۂ پیہم کو سن کر پیدا ہو رہا

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) ''یہ تقدیر کے فیصلے تھے جن سے حضرت زینبؑ کو اُم المصائب بننا پڑا اور جدِ بزرگوار، ماں، باپ اور بھائی کے ساتھ مصائب میں شریک ہو کر نبوت و امامت کی شریکِ کار بنیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ سیدہ زینبؑ نے عصمت کی پاکیزہ عادات اپنے جد محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھیں، وقار و سکینہ کی صفات اپنی جدۂ کریمہ سے میراث میں لیں، فصاحتِ کلام کا درس اپنے والد علیؑ مرتضٰی سے لیا، حیا و عفت کی ادائیں اپنی ماں سیدہ زہرؑا سے سیکھیں، حلم و بردباری اپنے بھائی حسنؑ سے اور شجاعت و شہامت اپنے بھائی حسینؑ سے حاصل کی۔اس اعتبار سے یقیناً سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نبوت و امامت کی عظمتوں کا شاہکار ہیں''۔(زینبؑ، زینبؑ ہے، مؤلفہ م۔صادق، ترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص، ۶۱، ۶۲)۔

تھا کیونکہ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں سیدہ طاہرہؑ کا قلبِ نازک اپنے پدرِ بزرگوار کے فراق کے سلسلہ میں تسکین پاتا۔ یہ دونوں غم صرف چھ سال کی عمر میں پیش آئے۔ (بحارالانوار، مجلسیؒ)۔

بعض روایات کے مطابق چار سال کی عمر میں پیش آئے (ابنِ اثیر وطبری)۔

وفاتِ رسولِؐ اکرم پورے خانوادہ کے لئے شدید مصیبت تھی جس خانوادہ میں سیدہ زینبؑ کی کیفیت یہ تھی کہ اس قدر خوردسالی میں ہی آپؑ حادثۂ موت کو سمجھنے اور عظمتِ رسولِؐ مقبول کا ادراک کرنے لگی تھیں۔ اس مصیبت کا دردناک ترین پہلو یہ ہے کہ آپ گھر بھر کی پریشانی، غم واندوہ، تمام مردوں اور خواتین کے نالہ وشیون کو دیکھتیں اور محسوس کرتی تھیں جن میں آپ کے والدِ بزرگوار، والدۂ محترمہ اور برادرانِ باوقار سب شامل تھے۔

وفاتِ رسولِؐ اکرم سب کیلئے دردناک واقعہ تھا۔ پھر کیا یہ ممکن تھا کہ سیدہ زینبؑ اسے فراموش کرسکتیں؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اہلِ خانہ اُن کی خاطر شورِ گریہ کو کم کرتے؟ زینبِؑ عالیہ نے اپنی آنکھوں سے اپنے جدِ بزرگوار کو بسترِ مرگ پر اور اپنے والدین کو آنحضرتؐ کے بستر کے قریب دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے والدین کو تدفینِ رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ گریاں ونالہ کناں پایا۔ اس تمام واقعہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اُسی گھر میں شب وروز اس عزاداری کا شور رہتا اور آپ شب وروز اس تمام کیفیت کا مشاہدہ کرتیں۔

مادرِ گرامی کی علالت

اس شب وروز کی عزاداری اور شورِ نالہ وشیون میں، جو فراقِ رسولؐ میں برپا تھا، آپ کو ایک اور دکھ کا سامنا کرنا پڑا جو سیدۂ طاہرہ کی بیماری اور صاحبِ فراش ہونے سے پیدا ہوا۔ فراقِ پدر میں آپ کی عزادار وگریاں والدۂ گرامی کو ظلم وستم کا نشانہ بن کر بستر پر دراز ہونا پڑا۔ (ظاہر ہے کہ یہ علالت شہادتِ محسنؑ کا نتیجہ تھی، مترجم)۔

تاریخ ان واقعات کو پوری طرح بے نقاب نہیں کرتی جو سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا پر ان کے پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد گذر گئے۔ ان واقعات کا تعلق سیدہ طاہرہؑ کو طمانچہ مارنے اور بی بیؑ کے دروازہ ودیوار کے درمیان پھنس جانے سے ہے جس کے نتیجہ میں اسقاطِ (حضرت محسنؑ) رونما ہوا (آیۃ اللہ غروی اصفہانی، کمپانی)۔

ہمیں تو یہ بیان کرنا ہے کہ خانۂ زہراؑ کو نذرِ آتش کیا گیا (فاطمہ زہراؑ)۔ آپؑ زمین پر گر گئیں جس سے ایک پسلی بھی ٹوٹ گئی، بازوؤں کو تازیانہ کی ضربات برداشت کرنا پڑیں (بیت الاحزان، ص 97)۔

کیا ممکن ہے کہ زینبؑ علیا نے اپنی مادرِ مظلومہ پر ہونے والے ان مظالم کو دیکھا نہ ہو؟

یہ سب روح فرسا واقعات وفاتِ رسولؐ کے بعد دو تین روز یا آنحضرتؐ کی رحلت کے پہلے ہفتے ہی میں رونما ہو گئے، تاہم تاریخ نے سیدہ فاطمہؑ کی علالت سے ہرگز انکار نہیں کیا (بحارالانوار، ج43، ص188)۔

ان حوادث کے نتیجہ میں سیدہ طاہرہؑ صاحبِ فراش ہو گئیں جبکہ اس دورِ علالت میں آپ کی بیٹی زینبؑ ہی آپ کی مونس وغم خوار تھیں۔ سب گھر والے گھر سے باہر چلے جاتے۔ گھر میں صرف حضرت زینبؑ ہی اپنی والدہ کے درد وغم کو دیکھنے اور آپ کے آہ ونالہ کو سننے کیلئے باقی رہ جاتیں۔ ان حالات میں کیا اس کے علاوہ بھی کچھ سوچا جا سکتا ہے کہ شہزادی اپنی والدہ کے پہلو میں ان کے بسترِ علالت پر حاضر رہتیں اور اُن کے ہمراہ نالہ وفریاد وفغاں میں مصروف رہتیں؟

مادرِ گرامی کی وفاتِ حسرت آیات

وفاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے وفاتِ رسولِ اکرم کے بعد سیدہ طاہرہؑ کی صرف چالیس (40) دن اور بعض نے پچھتر (75) دن کی زندگی بیان کی ہے (ابن شہرآشوب، کلینی)۔

بعض مؤرخین نے ایک سو (100) دن بھی لکھے ہیں (شہیدِ اوّل، الدروس)۔ لیکن طویل ترین مدتِ حیات بعد از رسولِ خدا چھ یا آٹھ ماہ سے زیادہ کسی نے نہیں لکھی (صحیح بخاری)۔

ان میں کوئی روایت بھی صحیح ہو، کسی حالت میں یہ عرصہ طویل قرار نہیں پاتا اور تمام راویان کو باوجود اس مصیبت کے لئے جنابِ زینبؑ خوردسال ہی نظر آتی ہیں، اس قدر خوردسال کہ اس کے لئے ماں کی موجودگی ناگزیر سمجھی جاتی ہے اور پھر آپ کی عمر اس وقت ہے ہی کتنی، صرف چھ سے سات سال! (طراز المذہب)۔

غرض شہزادی اپنی والدۂ گرامی کے پہلو سے لگی ہوئی ہے۔ کون ماں! ایسی ماں جو مظلوم، مصیبت زدہ، دُرّے کھائے ہوئے، درد وغم میں گرفتار ہے۔ کس قدر تحمل و برداشت ہے اور کتنے قابلِ رحم حالات ہیں! زینبؑ کو ان حالات میں ماں کی وصیتیں سننا ہیں، گویا سیدہ طاہرہؑ کا آخری وقت ہے، دمِ واپسیں قریب ہے، ایسا وقت کہ جب وفاتِ سیدہؑ زیادہ دور نہیں اور ان حالات میں غمزدہ بیٹی کو مظلوم ماں کے وصائع سننا ہیں۔ سیدہؑ فرماتی ہیں:

''زینبؑ! میری جان! میرے بعد تم میری جگہ لوگی۔ زندگی کی ذمہ داریاں اور امورِ خانہ داری تمہیں برداشت کرنا ہوں

گے۔اپنے بھائیوں کوتنہا نہ چھوڑنا۔اُن کی دیکھ بھال اور باپ کی خدمت ومحبت میں پوری کوشش کرنا.....'' (خصائصِ زینبیہ)اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ سیدۂ طاہرہ نے اس دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

تحملِ مصائب کا معیار

ثانیِ زہراؑ اپنی مادرِ گرامی، جناب سیدۂ طاہرہؑ کے غسلِ آخر، تکفین وتدفین کا مشاہدہ کر رہی ہیں۔ دیکھ رہی ہیں کہ کیسے آدھی رات کے وقت آپ کے بندِ کفن درست کیے گئے، کس طرح آپ کو قبر میں اتارا گیا اور پھر اس پر خشتِ لحد رکھی گئی۔ ماں کی موت آپ کے لئے نہایت دردناک واقعہ تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جس سے گویا آپ کے لئے وفاتِ رسولؐ اکرم کی یاد مکمل طور پر تازہ ہوگئی تھی۔شہزادی اپنی مادرِ گرامی کی وفات کے دن آپ کی تدفین کے بعد جلدی سے مزارِ رسولؐ پر تشریف لے گئیں اور وہاں جا کر اس طرح اپنے جذباتِ رنج والم کا اظہار کیا:

''یَا رَسُولَ اللهِ الآن حَقّاً فَقَدْ نَاکَ'' (ریاحین الشریعہ، ج3،ص51)۔

یعنی اے اللہ کے رسولؐ آج وہ دن ہے جب واقعاً خود آپ کو ہم نے اپنے آپ سے جدا کر دیا (یہ اس طرح کہ آپ کی وفات کے بعد ہم آپ کی یادگار کی زیارت سے، جو ہماری ماں تھی، اپنے دل کو ڈھارس دے لیا کرتے تھے اور آج وہ بھی ہمارے درمیان سے رخصت ہوگئیں)۔

''الآن عَرَفنا الْحِرمانَ مِنَ النَّظَرِ اِلَیکَ (چہاردہ معصومؑ)۔

یعنی ''ہمیں اب آپ کے دیدار سے محرومیت کی انتہا معلوم ہوئی.......''۔

زینبؑ عالیہ پر اپنی والدۂ گرامی کی وفات اپنی جگہ ایک مصیبتِ عظمیٰ تھی، لیکن اُن کی وصیت کے مطابق اس عظیم مصیبت پر خموشی اختیار کرنا اور اسے مخفی رکھنا اس سے بھی بڑی مصیبت کیونکہ حکمرانوں کی اجازت نہ تھی کہ گھر میں شورِ نالہ وشیون بلند ہو مبادا کہ ہمسائیگان سُن کر ہر طرف اس خبرِ مصیبت کو پہنچا دیں اور لوگ سیدہ فاطمہ زہراؑ کے جنازہ میں شرکت کے لئے آنے لگیں۔غرض خبرِ وفاتِ دخترِ پیغمبرؐ کی شہرت نہ ہونے پائے (زندگانیِ فاطمہؑ زہرا، شہیدی، ص244)۔

تاہم زینبؑ عالیہ اپنی خوردسالی کے باوجود گریہ کناں ہیں لیکن آہستہ آہستہ بے آواز رو رہی ہیں۔ یہ کام بچوں کے لئے بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے بلکہ مصیبت خیز بھی۔ بچوں کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ چھپ کر اور آواز بلند کئے بغیر گریہ کریں، نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے سوزِ دروں کو چھپائے رکھیں۔

۳۔ مصائب و آلامِ حیات

ثانیِ زہراؑ کو اپنی زندگی کے دوران جیسے مصائب سے دوچار ہونا پڑا، طولِ تاریخ میں ہمیں کم ہی ایسے افراد نظر آتے ہیں، بالخصوص خواتین، جن کو اس قسم کے غم و اندوہ کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ جن مشکلات و گوناگوں صدماتِ روزگار کو جس تحمل و بردباری سے آپ نے برداشت کیا، اس طرح کے حالات میں شجاع ترین افرادِ زمانہ بھی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ انبوہِ آلام قوتِ کلام کو سلب کر کے خموشی پر مجبور کر دیا کرتا ہے۔ لیکن سیدہؑ کی عظیم بیٹی جنابِ زینبؑ کبریٰ کی کیفیت یہ ہے کہ کشمکشِ روزگار کے مقابلہ میں اگرچہ آپ کا جسم لاغر ہو گیا، اشہبِ عمر بطرفِ منزلِ آخر تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا، تاہم حالتِ ناسازگار و نامساعد کا پورے تحمل و وقار و قوت کے ساتھ اپنے مقدس ہدفِ زندگی کو سامنے رکھ کر مقابلہ کیا۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے پورے بیس برس کا طویل عرصہ اپنے والدِ بزرگوار کی نہ صرف گوشہ نشینی کا مشاہدہ کیا بلکہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے مقاماتِ صبر میں، جو انتہا سے زیادہ تلخ اور جاں گزا تھے، آپ کا اس طرح مکمل طور پر ساتھ دیا کہ کسی موقعہ پر بھی بے قراری کا مظاہرہ نہ کیا۔

ثانیِ زہراؑ کے پدرِ بزرگوار کی شہادت

سیدۂ عالیہؑ کی عظیم نورِ نظر اپنے پدرِ عالی مقام کی قدر و عظمت کی معرفت رکھتی ہیں، جانتی ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام صرف آپ کے باپ ہی نہیں، نوعِ انسانیت کے معلم و مربی اور قابلِ پیروی اسوۂ حیات کے مالک، مرشدِ آدمیت و مقصدِ حیاتِ انسانی کے محور بھی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے بابا علی مرتضیٰؑ اُمتِ اسلامیہ میں اعلم، ان میں بزرگ ترین قاضی اور عظیم ترین عادل بھی ہیں (احادیثِ رسولِؐ خدا)۔

فرمانِ رسولؐ کے مطابق اس امت کے باپ ہیں اور باوجودیکہ فرزندانِ امت آپ کی قدر کو نہیں پہچانتے، پھر بھی آپ اُن کے محافظ و نگران ہیں۔ (اَنَا وَ عَلِیٌّ اَبَوَا ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ: حدیث)۔

ثانیِ زہراؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی خموشی میں قلبِ مبارک کے خون ہونے کی کیفیت کو دیکھ رہی ہیں۔ خدمتِ بنی نوعِ انسان کے سلسلہ میں آپ کے خلوص اور صفائیِ قلب سے اچھی طرح واقف ہیں، آپ کی مصروفیات کی قدر و قیمت اور اُن کے نتائج سے کماحقہ آگاہ ہیں، یہ بھی جانتی ہیں کہ یہ عظیم باپ کس قدر ابتدائے شب سے صبح ہونے تک عبادت میں مصروف رہ کر ایک خشک روٹی اور تھوڑے سے نمک پر زندگی گزار رہے ہیں۔

اس سب کچھ کے باوجود وہ دن آتا ہے کہ شہزادی کو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ''اَلَا قَدْ قُتِلَ عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍؑ'' کی

آواز سننا پڑتی ہے۔ یعنی ''عالمِ انسانیت و بشریت جان لے کہ علی علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا'' اعتبار نہیں آتا، یہ پریشان کن، ہولناک خبر کانوں میں پہنچتی ہے، دروازۂ خانہ کی جانب بڑھتی ہیں اور معلوم کرتی ہیں کہ جو کچھ سنا ہے درست ہے، مسجد میں موجود لوگوں کا شورِ شیون سنتی ہیں اور تھوڑی دیر بعد ہی اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کا نیم جان جسم اور شگافتہ وخون آلود سر دکھائی دیتا ہے۔

اس کیفیت وحالت میں سیدہ زینبؑ اپنے عظیم باپ کے فراقِ مستقل سے دوچار ہوتی ہیں، وہ باپ جو صرف باپ ہی نہیں آپ کے مقصدِ حیات و رہبرِ زندگانی اور اُمتِ مسلمہ کے دو باپوں میں ایک باپ کی حیثیت کے مالک بھی ہیں۔ شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام شہزادی کے احساسِ غم واندوہ میں زیادتی کا باعث ہے، وفاتِ سیدالانبیاء اور مظلومہ ماں کی وفات و مظلومیت کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں، ماضی کے جاں گداز واقعات یعنی امیر المومنین علیہ السلام کے غصبِ حقوق اور حضرت کا سکوت وصبر، سب دوبارہ زندہ ہو کر ازدیادِ رنج والم کا موجب بن جاتے ہیں 1۔

برادرِ بزرگوار کی زہر سے شہادت

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد ثانیِ زہراؑ کے برادرِ بزرگ امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کی امامت کا دور آیا۔ لوگوں نے آپ کی بیعت کی لیکن ان بیعت کرنے والوں کا نصب العین بیعت شکنی پر منتج ہوا۔ جن لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام پر مظلومیت وتنہائی کے ابر کو محیط کیا تھا انہوں نے ہی امام حسن علیہ السلام کو ایسا تنہا چھوڑا کہ امیر معاویہ کی تاخت و

1۔ یہاں ہم مناسب جانتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے موقعہ پر ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی کیفیت اور آپ پر عظیم بابا کی عائد کردہ ذمہ داریوں کا کسی قدر تذکرہ کریں۔ اس سلسلہ میں ہم علامہ حسن رضا غدیری صاحب کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' سے مختصر اقتباسات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ علامہ موصوف اپنی کتاب میں عنوان ''امامت کی امانتیں'' کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی دختر سیدہ زینبؑ کو رسولؐ خدا کا حنوط جو کہ امامت کی مخصوص امانت تھی، دیا اور فرمایا کہ اسے سنبھال کر رکھیں۔ جب ۴۰ھ کو ۲۱ رمضان، شبِ جمعہ، امام امیر المومنینؑ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو پورے گھر میں نوحہ و ماتم شروع ہو گیا۔ سیدہ زینبؑ واُمِ کلثومؑ سمیت تمام مستورات منہ پیٹ رہی تھیں، سب نے غم کی شدت کے سبب اپنے اپنے گریبان چاک کر دیئے اور چیخیں مار مار کر رونے لگیں جس سے تمام اہلِ کوفہ کو امیر المومنینؑ کی شہادت کا علم ہو گیا۔ امام حسن وحسین علیہما السلام نے امیر المومنینؑ کو غسل وکفن دینے کی تیاری کی تو جب امام حسنؑ غسل دے رہے تھے اور امام حسینؑ پانی ڈال رہے تھے تو امام حسنؑ نے سیدہ زینبؑ کو پکار کر فرمایا کہ جلدی جلدی رسولؐ اللہ کا مخصوص حنوط لے آئیں۔ سیدہؑ فوراً وہ حنوط لے آئیں جو امیر المومنینؑ نے امانت کے طور پر دیا تھا۔ جب اُسے کھولا گیا تو سارا گھر اور پورا شہرِ کوفہ معطر ہو گیا اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی (ص ۱۰۱)۔

تاراج کے لئے میدان مہیا کر دیا اور انتہا یہ ہوئی کہ امیر معاویہ کا اثر امام حسن علیہ السلام کے اندرونِ خانہ آپ کی زوجہ تک پہنچ گیا (صلحِ امام حسنؑ)۔

ان حالات میں لوگوں کی شورش کے پیشِ نظر امام حسن علیہ السلام کے لئے امیر معاویہ سے صلح کرنا ناگزیر ہو گیا اور امیر معاویہ کو بلا مقابلہ اقتدار و اختیار حاصل ہو گیا۔ لوگوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب گوناگوں مصائب و آلام اور نئی نئی مصیبتیں وارد ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی لوگ جنہوں نے امام حسنؑ کے خانۂ اقدس کا گھیراؤ کر کے آپ کے سب مال و اسباب کو غارت کیا تھا، آپ کی ران کو تلوار سے زخمی کیا تھا اور آپ کو امیر معاویہ سے صلح پر مجبور کیا تھا، دوبارہ آپ کے خلاف شورش کرنے لگے کہ آپ نے یہ صلح کیوں قبول کی (صلحِ امام حسنؑ)۔

ثانیِ زہراؑ کی نظروں کے سامنے یہ تمام واقعات رونما ہوئے اور آپ کو اپنے برادرِ بزرگ کے مصائب و آلام میں شریک ہونا پڑا۔ اچانک خبر ملتی ہے کہ آپ کے اس عظیم برادرِ بزرگ کو زہر دے دیا گیا ہے۔ فوراً امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچیں، دیکھا کہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل رہے ہیں اور تھوڑی دیر میں امام حسن علیہ السلام کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی ہے۔ اسی عزا و ماتم کے دوران حیرت و استعجاب کی انتہا ہو جاتی ہے جب پتہ چلتا ہے کہ لوگ خاندانِ رسالت مآبؐ کے کسی بھی فرد کو زندہ نہ چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔

والدِ بزرگوار کا سانحۂ شہادت، سرگزشتِ والدۂ گرامی، برادرِ بزرگ کو زہر خورانی اور اُن کی وفات، یہ سب واقعات صدیقۂ صغریٰؑ کے سرِ اقدس پر گزر گئے، تاہم ابھی ایک بات باعثِ تسکین باقی تھی کہ رسولؐ خدا کی واحد و تنہا یادگار امام حسینؑ ابھی موجود ہیں [1]۔

شہادتِ امام حسین علیہ السلام

ظلم و استبداد کی حکومت کے چالیس سال بعد امیر معاویہ دنیا سے رخصت ہوا اور خلافت کو موروثی بنا کر اپنے بیٹے یزید

1۔ یہاں ہم شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے دو شعر امام حسن علیہ السلام کے تعارف کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ اپنی مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں علامہ سیدہ طاہرہؑ کا تعارف کرواتے ہیں۔ ایک خاتون کا تعارف اس کے والد، شوہر اور اولاد کی نسبت ہی سے بالعموم کرایا جاتا ہے۔ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا بیٹوں کے ذریعہ تعارف کرواتے ہوئے علامہ مرحوم فرماتے ہیں:

آن یکے شمعِ شبستانِ حرم ۔۔۔ حافظِ جمعیت خیر الاُمم
تا نشیند آتشِ پیکار و کیں ۔۔۔ پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

کے سپرد کر گیا۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ صرف یہی ایک واقعہ اسلام کی تباہی کیلئے کافی تھا (صلح امام حسنؑ)۔

حکومت کی بے حیائی اور اسلام دشمنی کی انتہا یہاں تک پہنچ گئی کہ یزید نے اپنی حکومت کے اثبات اور جواز کی خاطر امام حسین علیہ السلام تک سے بیعت کا مطالبہ کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام کے سامنے اب دو ہی راستے تھے، بیعتِ یزید کو اختیار کرنا، یا اس سے انکار۔ اول الذکر صورت میں اسلام اور اصولِ اسلام کا خاتمہ ہوتا ہے اور مؤخر الذکر صورت میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ تاہم ہمتِ مردانہ اور محبت واستقامتِ دین کا تقاضا یہی تھا کہ دوسرے راستے کو اختیار کریں۔ نتیجہ کے طور پر امام حسین علیہ السلام نے وطن اور گھر بار کو خیر باد کہا، صحرا و بیابان کا سفر اختیار کیا اور سرزمینِ مکہ پر پہنچ کر سکون فرمایا۔ اس طرح آپ حرمِ خدا میں زندگی گزارنے اور وہیں اپنے نانا کے دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ اب حکومتِ وقت نے ارادہ کیا کہ موسمِ حج کے دوران آپؑ کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے۔ اس کیفیت کے پیشِ نظر جبکہ کوفیوں کے متواتر خطوط آپ کو مل رہے تھے، آپ کے احساسِ ذمہ داری نے مجبور کیا کہ مکہ کو چھوڑ کر عازمِ عراق ہوں۔ اس طرح آپ کو کربلا پہنچنا پڑا اور اس گرم وسوزاں بیابان میں حضرت کو شہید اور آپ کے خاندان بھر کو اسیر کر لیا گیا۔

ثانیِ زہراؑ اس تمام واقعۂ دار و گیر کی نہ صرف شاہد ہیں بلکہ اپنے برادرِ عالی قدر کے مصائب و آلام میں برابر کی شریک ہیں۔ کسی حال وکیفیت میں آپ سید الشہدؑاء اسے جدا نہیں ہوئیں۔ حضرت کی دردناک شہادت اور تمام عزیزان و اقارب و ہمراہیان کی شہادتوں کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے تمام تلخ و جاں سوز واقعات کو بنظرِ حقیقت ملاحظہ کرتے ہوئے آپ قافلۂ اسیران کے ہمراہ روانہ ہوگئیں۔ مصائب و آلام کا شہزادی پر ہجوم تھا۔ دوستوں اور غمخواروں کی قلت، دشمنوں کی کثرت، لشکرِ امام اور خود امام علیہ السلام کی پیاس و شہادت، خواتین اور خورد سال بچوں کی بے بسی، ان سب حوادث میں ثانیِ زہراؑ اب سالارِ قافلہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی متحمل ہونے کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رکھتی تھیں۔ اسی لئے حقیقت یہ ہے کہ آپ صحیح معنی میں ام المصائب کے لقب کی حق دار ہیں[1]۔

---

1 (ل)۔ ان تمام روح فرسا حالات میں ثانیِ زہراؑ کا صبر و تحمل واستقلال واحساسِ ذمہ داری کی مثال تاریخِ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جناب آیۃ اللہ سید عبدالحسین دستغیب شہید اپنی تالیف موسوم بہ ''حیاتِ طیبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' میں لکھتے ہیں:

''جس طرح کے صبر کا مظاہرہ مخدرۂ کونین نے کیا ہے، عالم میں بے مثال ہے۔ اسی لئے زیارتِ ناحیہ میں امامِ زمانہ علیہ السلام نے آپ کے صبر و تحمل کو اس جملہ سے خراجِ تحسین پیش کیا: (جاری)

ہجومِ غم

اصلِ واقعہ یہ ہے کہ خوردسالی سے ہی غم واندوہ نے زینبؑ عالیہ کی ہستی کے گرد احاطہ کیا ہوا تھا۔ یہ غم واندوہ خفیہ طور پر یا آشکار کیفیت میں ہمیشہ کے لئے آپ کے درپے رہا۔ مادرِ گرامی سیدہ طاہرۂ دنیا سے تشریف لے گئیں تو اُن کی لختِ جگر کو اتنی اجازت نہ ملی کہ جی بھر کر آزادی کے ساتھ صدائے گریہ بلند کریں اور اس طرح دل کو غبارِ رنج والم سے خالی کریں۔ ثانیِ زہراؑ اس تمام عالم میں مرکزی کردار کی حامل تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

'آپ کے صبر کو دیکھ کر ملائکۂ عرشِ بریں انگشت بدنداں رہ گئے۔'

''واقعی حقیقت یہی ہے کہ آپ کی شدتِ آلام کی منزل کو جانچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ روزِ عاشور، جو مظلومؑ کربلا کے مصائب کی انتہا تھی، جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی مصیبتوں کا پہلا مرحلہ قرار پایا اور اس کے بعد کیا کیا قیامتیں ٹوٹیں۔ بھوک، پیاس، زخم ہائے جگر، دشت و بیاباں، بے پردگی، پریشان وگم شدہ اطفال کی جمع آوری ونگہداشت..... بڑوں کے دل کی ڈھارس..... اللہ اللہ کیا قوتِ برداشت تھی اس مخدومہ سلام اللہ علیہا کی، ابتدائے آفرینش سے شامِ ابد تک ڈھونڈے سے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ مختصر یہ کہ آپؑ کا صبر بے مثال، آپؑ کا یقین بے نظیر، کون ہے جو آپؑ کی شخصیت کا اندازہ لگا سکے.....

''کونسی نعمت تھی جو آپ کے گھر میں نہ تھی۔ اچانک خبر ملی کہ امام حسین علیہ السلام نے سفر کا پروگرام بنایا ہے۔ بغیر کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے فوراً تمام آرام وآسائش کو چھوڑا اور مصیبتوں کے بحرِ متلاطم میں غوطہ زن ہوگئیں۔ کوئی زہد کی اس منزل و درجہ کا اندازہ کر سکتا ہے؟..... اگر واقعاتِ مستقبل سے لاعلم ہوتیں تو اور بات تھی مگر کمال تو یہ ہے کہ اپنے نانا، بابا اور مادرِ گرامی علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سب کچھ سن لینے کے باوجود رات کے اندھیرے میں بھائی کے ساتھ اس خوف وہراس کے عالم میں وطن سے بے وطن ہوئیں۔ کیا کہنا اس شیر دل خاتونِ معظمہ کا کہ شہنشاہِ حقیقی کی بیٹی، عبداللہ ابنِ جعفر جیسے شوہر کی شریکِ حیات ایک ایسے معرکہ میں جارہی ہے جس کا انجام قید و بند، صحراؤں میں دربدری اور طویل تکلیف دہ سفر ہے''۔ ص ۱۸ تا ۲۱۔

(ب)۔ ''خاتونِ کربلاؑ نے وہ آہ وکراہ چھوڑی جس سے تیرہ سو سال سے فضا گونج رہی ہے۔ مجلسوں کا سارا سوز وساز خاتونِ کربلا کا ورثہ ہے۔ وہ آنسو چھوڑے جو ابرِ غم بن کر ہر سال موسمِ عزا میں برستے ہیں۔ خاتونؑ کربلا نے ایسا ذہن چھوڑا جس میں ظلم کے خلاف احتجاج کا شدید میلان ہے۔ یہ میلان قوموں کی آزادی کا سرمایہ ہے، حسینی پیام چھوڑا، اسلام کی حفاظت کا جذبہ چھوڑا، عورتوں میں خود اعتمادی، پامردی، باطل کے سامنے سر جھکانے سے انکار کا حوصلہ چھوڑا''۔

(کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۹۔۷، مقدمہ از علامہ مجتبیٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن پاکستان، لاہور)

آپ کے پدرِ بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت اُن کے جنازہ کی بے حرمتی کے خوف سے، جس کا خوارج (نیز بنوامیہ) سے اندیشہ تھا، لازم ہوا کہ آپ کی قبر مبارک کو عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رکھا جائے۔ لہٰذا آپ کی قبرِ اطہر کی زیارت مخفی طریقہ ہی سے ممکن ہو سکتی تھی اور یہ حقیقت بذاتِ خود ایک مصیبت زدہ بیٹی کے لئے کس قدر تلخ و اندوہناک ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ خود ہی لگالیں۔

برادرِ معصوم کی بے وفا زوجہ ان کو زہر دے دیتی ہے، لیکن امامِ معصومؑ کی وصیت کی بنا پر آپ کے پس ماندگان نہیں چاہتے کہ اُس زوجۂ بے وفا کو رُسوا کریں۔

صدیقۂ صغریٰؑ کے والدینِ عالی اور دیگر افرادِ خاندان کے حقوق غصب کر لئے جاتے ہیں لیکن اسلام کو بچانے کی مصلحتیں اجازت نہیں دیتیں کہ صدائے فریاد و نالہ بلند کریں اور نوخیز شجرِ اسلام کو پیش آمدہ خطراتِ عظیم میں اضافہ کا موجب بنیں۔

یہ تمام مصائب و آلام اپنے اپنے مقام پر ہجوم کر کے آئے۔ ان کے نتیجہ میں شدتِ غم کی انتہا یہ ہے کہ یہ سب واقعاتِ جانکاہ مقتضی ہیں کہ جن آلام کی برداشت کے لئے مجبور ہیں، ان کے لئے کسی طرح کی صدائے احتجاج بلند کرنے اور حق گوئی تک کی ہرگز جرأت نہ کی جائے۔

صرف صبر ہی شہزادی کے لئے چارہ ساز تھا، وہ صبر بھی اس قدر مشکل اور چٹانوں سے زیادہ سخت کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَصَبَرْتُ وَ فِیْ الْعَیْنِ قَذیٰ وَ فِی الحَلْقِ سَجی" (نہج البلاغہ، خطبہ شقشقیہ)۔

یعنی "میں نے صبر کیا درآنحالیکہ میری آنکھ میں کانٹا اور میرے گلے میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی"۔

امیر المومنین علیہ السلام کے خاندان کے ہر فرد پر یہی کیفیت صادق آتی ہے، بالخصوص عظیم باپ کی اس عظیم بیٹی پر جس کا اسمِ گرامی زینبؑ بنتِ علیؑ ہے۔

الغرض یہ وہ عظیم خاتون ہیں کہ جس نے اپنے پورے طولِ حیات میں مصائب سے پُر جام ہائے تلخ کے آخری گھونٹ تک کو برداشت کیا۔ ان مصائب کی برداشت نے بی بیؑ کے جسم کو بالکل لاغر، بالوں کو سفید اور شکل کو منقلب کر دیا۔ جس دن شہزادی قیدِ ظلم سے رہا ہو کر مدینہ وارد ہوئیں تو آپ کے شوہر حضرت عبداللہ آپ کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ بہت ضعیف بینائی (جو نابینائی کے قریب تھی) کے باعث انہیں بی بیؑ کا چہرۂ اقدس دکھلائی نہ دیا، لہٰذا انہیں پہچان نہ پائے اور اُن سے

دریافت کیا: ''کیاتم واقعی وہی زینبؑ ہو؟ 1۔''

1۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ اقدس آپ کے بچپن ہی سے مصائب وآلام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ پھر مصائب وآلام کی انتہا اوران کی برداشت کا ہر انسان کے معیارِ تدبر اور ارتقائے شعور واحساس سے براہِ راست تعلق ہونا، جبکہ یہ صفات ہر حالت میں متعلقہ انسان کے حصولِ علم سے متناسب ہوتی ہیں۔ یعنی جس قدر کوئی شخص حدودِ علم طے کرے گا اسی قدر اس کے شعور واحساس بیدار ہوں گے اور پھر اسی نسبت سے یورشِ تاسف وانبساط اس کے ذہن وحسیات پر اثر انداز ہوں گی۔ ثانیِ زہراؑ عالمۂ غیرِ معلّمہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہوئے عقیلۂ بنی ہاشم کا نام پاتی ہیں جس سے ان کے معیارِ علم اور اس کے نتیجہ میں بیداریٔ احساس وشعور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پھر اس کیفیت کے ساتھ ساتھ آپ کا واقعات کے مقابلہ میں معیارِ صبر واستقامت، سیدالشہداؑ کی دردناک شہادت کے بعد بطورِ شریکۃ الحسینؑ آپ کا احساسِ ذمہ داری، اُن تمام فرائض کی ادائیگی جو ایک امامِ معصوم وحجتِ خدا کے ذمہ ہوتے ہیں، اس عظیم ذمہ داری کا سیدالساجدین علیہ السلام کی علالت وقیدِ سخت تک، جس میں آپ برابر کی شریک ہیں، جاری رہنا، عبادتِ پروردگار کے اس معیار کو برقرار رکھنا کہ خود حضرت سیدالشہداء علیہ السلام خواہش کرتے ہیں کہ بی بیؑ اپنی نمازِ شب میں انہیں یاد رکھیں، نیز اس قسم کی لاتعداد ایسی کیفیات جن کا شمار ہمارے کمزور قلم کے امکان سے باہر ہے، کسی طرح معجزہ سے کم نہیں۔

ہم یہاں علامہ حسن رضا ندیری صاحب کے الفاظ پیش کرتے ہیں جو کسی حد تک بی بیؑ کے مقامِ ابتلاء کی ترجمانی کرتے ہیں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

''حوادثِ روزگار نے زینبِ کبریٰ کی زندگی کا امن وسکون لوٹ لیا اور ساری زندگی غم والم سے دوچار ہوگئی۔ عہدِ طفولیت ہی میں بڑی بڑی مصیبتیں آنا شروع ہوگئیں جو زندگی کی آخری گھڑیوں تک باقی رہیں۔

''......لیکن جو بات توجہ طلب اور اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ بچپن سے لے کر زندگی کے آخری لمحوں تک مصیبتوں میں گھر جانا انسانی طبیعت کو مضمحل کردیتا ہے اور اس کی خداداد صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بات عقیلۂ بنی ہاشم سیدہ زینبؑ کی زندگی میں نمایاں تھی اور آپ نے مصائب کی شدت اور غم وآلام کی کثرت سے دوچار ہوکر اپنی زندگی کے مراحل کو طے کیا، یہاں تک کہ ابھی پہلی مصیبت کے آثار باقی ہوتے تو دوسری اُس سے بڑی مصیبت آن پڑتی تھی۔ گویا مصیبتیں زینبِ عالیہ کی زندگی کا ایک حصہ بن گئیں۔ اسی لئے زینبؑ کی بجائے ''اُم المصائب'' کا لفظ آپ کی پہچان کا ذریعہ بن گیا۔

''زینبؑ ابھی اپنی زندگی کے پانچویں سال میں داخل ہوئی تھیں کہ اپنے جدِ بزرگوار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بسترِ مرگ پر کروٹیں لیتے دیکھا جبکہ آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہؑ، والدِ ماجد حضرت علیؑ اور دیگر قریبی سرورِ انبیاءؐ کے فراق کا تصور کر کے اپنا سکون واطمینان کھو چکے تھے اور انہیں رسولؐ خدا کے بعد اسلام اور مسلمین پر آنے والے حالات ہراساں کررہے تھے۔ (جاری)

مقامِ ثانیِ زہراؑ

ہم دیکھتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ کا ان مصائب و آلام کے مقابلے میں قیام استقلال و استقامت کا قیام تھا۔ سخت و شدید ترین مصائب و آلام یکے بعد دیگرے ہجوم کرتے اور ثانیِ زہراؑ کو ہر مرتبہ ایک نئی اور تازہ مصیبت کے لئے آمادہ و تیار رہنا پڑتا۔ سیدہ زینبؑ کی عظمت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ انہوں نے ان تمام آلام و مصائب و بدنصیبی سے شکست نہ کھائی، نہ ہی

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''بالآخر سب سے پہلی مصیبت سیدہ زینبؑ کے لئے یہی تھی کہ اپنے جدِامجد کی شفقتوں سے محروم ہوگئیں اور سرورِ انبیاءؐ کے سفرِ آخرت کے تمام مراحل اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑے۔

''زینبِؑ عالیہ نے اپنے والدِ گرامی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا: 'پیغمبرِؐ خدا کی وفات سے مجھ پر وہ عظیم مصیبت وارد ہوئی ہے کہ میرے خیال میں اگر یہ مصیبت مضبوط پہاڑوں پر پڑتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے'۔

''.....یہ بات واضح ہے کہ اہل بیتِؑ اطہار پیغمبرِؐ اسلام کی عظمت اور انجامِ رسالت کے سلسلہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات سے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ آگاہ تھے اور عالمِ انسانیت پر آنے والے کٹھن ایام بھی اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ وہ اُن تمام خطرات کا احساس کر چکے تھے جو نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام اور اہلِ بیتِ رسولؐ پر آنے والے تھے، کیونکہ منافق صفت لوگ اپنی استبدادی حرکتوں کے ارتکاب کے لئے پیغمبرِؐ اسلام کی آنکھیں بند ہونے کے منتظر تھے۔

''سیدہ زینبؑ ان تمام حالات کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ اُن کے والدِ گرامی اور والدۂ معظمہ پر کتنی مصیبتیں ڈھائی جا چکی ہیں۔ یہ سب کچھ زینبِؑ عالیہ کے لئے دردناک اور غم انگیز تھا۔

''زینبِؑ عالیہ نے اپنی ماں فاطمہ زہراؑ کی کٹھن آزمائشوں کا دور بھی دیکھا کہ مخدومۂؑ کونین اپنے باپ کے غم میں بیت الحزن کی دیواروں سے لپٹ کر کس طرح اشک ریز ہوتی تھیں، اور نام نہاد مسلمان کتنی بے دردی کے ساتھ رسولؐ کی بیٹی کے گھر میں زبردستی گھس کر مرکزِ وحی کی حرمت کو مجروح کر رہے تھے اور فاطمہؑ کے مسلمہ حق......ان کی میراث پر قابض ہو گئے اور سیدہؑ کے پہلو پر حملہ کر کے محسنؑ کو شکمِ مادر میں شہید کر دیا جبکہ فاطمہؑ زہرا صدائے استغاثہ بلند کر کے لوگوں سے پیغمبرِؐ اسلام کی وصیت پر عمل کرنے کی تاکید کرتی رہیں مگر کسی نے سیدہؑ کی فریاد نہ سنی اور اور نہ ہی اہل بیتؑ کے بارے میں رسولؐ کی وصیت کا احترام کیا۔

''عقیلۂ بنی ہاشم زینبؑ الکبریٰ اپنی معصومہ ماں کی معصومیت بھری سسکیوں پر آہیں بھر بھر کر اپنے دُکھی دل کو بہلاتی رہیں۔ زینبؑ کی درد بھری چیخوں سے کلیجہ پھٹ جاتا اور پورے گھر میں کہرام مچ جاتا تھا۔

''.....زینبِؑ عالیہ نے اپنی دُکھیا ماں کی لاش کو تختۂ غسل پر اس وقت بھی دیکھا جب اسماءؑ بنتِ عمیس اور جنابِ فضہؑ (جاری)

حکمرانِ وقت کے جبر و عناد سے مرعوب ہوئیں۔ اس کے برعکس اپنے استقلال و پامردی سے دشمن کو اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ وہ خود اپنے حواس کھو بیٹھا۔ آپ کے دشمنوں کی یہ حالت ہوگئی کہ اب وہ اپنے مظالم کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو موردِ الزام و اتہام ٹھہرانے لگے، ان میں ہر ایک کی یہ کوشش ہونے لگی کہ اپنے آپ کو ان جرائم سے جہاں تک ممکن ہو، بری رکھے [1]۔

ثانیِ زہراؑ کا قیام تحمل و استقلال کی مستقل علامات کا مظہر ہے۔ ہم آپ کی پہلے ہی سے ان مظالم کے مقابلہ کی آمادگی کی طرف مندرجہ ذیل واقعہ سے توجہ دلاتے ہیں:

ایک دن زینبؑ عالیہ تلاوتِ قرآنِ مجید میں مصروف تھیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لے آئے۔ آپ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اپنی مخدومہ کو آرام گاہِ ابدی کی طرف لے جانے کے لئے تیار کر رہی تھیں ...... ماں کو تختۂ غسل پر دیکھ کر سیدہ زینبؑ آگے بڑھیں جبکہ آپ کی رِدا زمین پر لگ رہی تھی اور اس طرح بین کرنے لگیں: 'ہائے نانا رسولؐ اللہ! آج ہم یتیم ہو گئے، آج ہم آپ کے سایہ سے محروم ہو گئے، آج آپ کی پیاری بیٹی ہمیں اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہیں'۔

''......زینبؑ کو ابھی اپنی معصوم ماں کا غم نہ بھولا تھا کہ اپنے جلیل القدر باپ کو تلوار کی کاری ضرب سے مجروح دیکھا جو سیدہ زینبؑ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اپنے عظیم اور شفیق باپ کی عنایتوں سے محروم سیدہ زینبؑ ہمیشہ گریہ و بکا میں مصروف رہتیں اور امیر المومنینؑ کی مظلومانہ شہادت پر اشک ریز رہتی تھیں۔ ماں کے بعد باپ کا عظیم سایہ سر سے اٹھا تو زینبؑ کا دل ٹوٹ گیا۔

''باپ کا غم سیدہ زینبؑ کے سکون و چین کو ختم کر چکا تھا کہ اپنے دل بند اور پیارے بھائی حسنؑ کو زہر سے شہید ہوتا بھی دیکھنا پڑا۔ اب زینبؑ عالیہ کا یہ عالم تھا کہ نہ تو رات کو آرام اور نہ دن کو سکون۔ مصائب و آلام کی طوفانی موجوں میں گھری ہوئی زینبؑ کبریٰ امتحان و آزمائش کی خوفناک کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔

''حوادث و آلام اور یکے بعد دیگرے مصائب کے آنے سے زینبؑ عالیہ کی زندگی نیا رخ اختیار کر گئی، اور آپ کی شخصیت ان المناک واقعات سے اس طرح آمیختہ ہوئی کہ رسولؐ زادی نے اپنے آپ کو ایک نہایت دردناک مصیبت کیلئے آمادہ کر لیا، یعنی کربلا میں عاشور کی خوفناک گھڑیوں اور اس کے بعد کے مصائب کی شدت کا مقابلہ کرنے کی خاطر زینبؑ کا حوصلہ بلند ہو گیا اور آپؑ صبر و استقامت کا کوہِ گراں بن گئیں۔'' (زینبؑ، زینبؑ ہے، مؤلفہ م۔ صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری، ص ۶۳ تا ۶۶، ناشر: بعثت فاؤنڈیشن، ماڈل ٹاؤن، لاہور)۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1]۔ اس سلسلہ میں یزید اور عبیداللہ ابنِ زیاد کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ قتلِ حسینؑ کے بارے میں یزید مدعی تھا کہ اُس نے قتلِ حسینؑ کا حکم نہیں دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا ابنِ مرجانہ (ابنِ زیاد) پر لعنت کرے کہ اُس نے خود اپنے ارادہ سے ایسا کیا۔ اسی طرح ابنِ زیاد بھی یزید پر لعنت بھیجتا اور کہتا تھا کہ یزید جھوٹ بولتا ہے۔ یزید نے خود یہ حکم صادر کیا تھا۔

نے قرآن سے متعلق چند سوالات شہزادی سے دریافت فرمائے اور بی بی کے جوابات سن کر اُن کی ذکاوت سے محظوظ ہوئے۔ آپؐ نے ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی کے صبر وتحمل کا امتحان لیں۔لہٰذا اشارتاً مستقبل میں پیش آنے والے بعض مصائب کی طرف اشارہ فرما کر کسی قدر اُن کی تفصیل وتشریح فرمائی۔

زینبؑ عالیہ نے پورے تحمل واستقلال سے ان سب باتوں کو سنا اور عرض کیا: ''بابا جان! میں ان سب واقعات کو پہلے ہی سے جانتی ہوں۔میری مادرِ گرامی نے مجھے یہ سب باتیں پہلے ہی بتا رکھی ہیں تاکہ اپنے آپ کو مستقبل کے ان تمام حوادث کیلئے تیار رکھوں اور خوف وہراس کو جگہ نہ دوں'' (الزہرؑا،ص259)۔

۴۔ بحرِ حوادث

یاد رہے کہ سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا حضرات علی و فاطمہ علیہا السلام کی نورِ نظر ہیں اور اُنہی سے آپ نے مشکلات و حوادث کا مقابلہ کرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔آپ نے وفاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدرِ اسلام میں پیش آنے والے حوادث کی یورش اور اپنے والدین کے مثبت ومنفی ردِعمل کو غور سے مشاہدہ کیا تھا۔ساتھ ہی اپنے بھائیوں کے گوناں گوں اقدامات اور اس سلسلہ میں اُن کے مبارزات کا بغور مطالعہ کیا تھا۔لہٰذا آپ بعد میں پیش آنے والے تمام حالات کی نوعیت کو پوری طرح جانتی اور پہچانتی تھیں۔

سیدہ طاہرہؑ کی عظیم نورِ نظر کندن کی مانند تھیں جس کو اگر کٹھالی میں ڈالا جائے تو اس کی آب وتاب مزید نکھر کر ظاہر ہونے لگتی ہے۔آپ اپنی مادرِ عالیہؑ کے تمام راز ورموز سے اچھی طرح واقف تھیں، اپنے باپ اور بھائیوں کی مشاورت میں شریک تھیں اور خوب جانتی تھیں کہ کسی موقعہ پر ان حضرات نے مقاماتِ ابتلاء میں نہ ہی اپنے ہوش وحواس واوسان کو خطا ہونے دیا اور نہ ہی کبھی مصائب ومشکلات کے ہجوم میں کسی طرح کی گھبراہٹ وخوف کو جگہ دی۔

علاوہ ازیں ثانیِ زہرؑا محدثہ اور عالمۂ غیرِ معلّمہ ہیں، معارفِ اسلام سے کماحقہ واقف ہیں، نظامِ آفرینش کے اہداف کی شناسا ہیں اور جانتی ہیں کہ باطل بہر حال نقش برآب کی مانند ضعیف ہے۔مستقل اور باقی رہنے والی چیز عزت وعظمت کی آب وتاب ہے۔اسی نیت واحساس اور اعتقاد ویقین کے ساتھ کہ زندگی فرائض سے عبارت ہے، آگے بڑھتی اور استقلال واستحکام سے قدم اٹھاتی رہیں[1]۔

---

[1]۔(ا)۔آیۃ اللہ شہیدِ محراب سید عبدالحسین دستغیب لکھتے ہیں: (جاری)

واقعۂ سقیفہ

سیدہ زینبؑ نے خوردسالی ہی میں سقیفہ بنی ساعدہ کا ماجرا مشاہدہ فرمایا۔ آپ نے دیکھا کہ آپؑ کے والدِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کس طرح تجہیز و تکفینِ رسولِؐ خدا میں مصروف ہیں جبکہ دوسرے لوگ جو اس مصروفیت سے کنارہ کش ہیں کس طرح اپنے اپنے اقتدار و مقام کے حصول میں سرگرداں ہیں۔ آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار کے حق کو افرادِ قوم کی طرف سے زبردستی غصب ہوتے ملاحظہ کیا اور اس کے بعد اپنی مظلوم والدہ کے غصبِ حقوق کے طریقِ کار کا بخوبی مشاہدہ کیا۔

مسندِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں دشمن کی جرأت آفریں کارروائیاں، والدِ بزرگوار کو حصولِ بیعت کی خاطر مسجد کی جانب زبردستی کھینچنا، مادرِ گرامی کا اپنی وراثت و ولایت کے دفاع میں دُرّے کھانا اور اسقاطِ فرزند کی نوبت تک پہنچنا شہزادیؑ نے

(حاشیہ صفحۂ سابقہ)

'' کتاب 'ریاحین الشریعۃ' میں لکھا ہے کہ حضرت ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے زندگی بھر نمازِ تہجد سے غفلت نہیں کی۔ امام سید سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ شامِ غریباں کو اُس خونین لق و دق صحرا میں تمام اندوہناک روح فرسا مصیبتوں کے باوجود میری پھوپھی اماں اگر کھڑے ہو کر نمازِ تہجد نہیں پڑھ سکتی تھیں تو انہوں نے بیٹھ کر تہجد ادا کی۔ کتاب 'کبیرۃ الاحمر' میں ہے کہ سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میرے بابا رُخصتِ آخر کے لئے خیمہ میں تشریف لائے تو پھوپھی اماں سے فرمائش کی کہ نمازِ شب میں مجھے یاد رکھنا۔ چنانچہ کربلا سے شام تک سفر کی تمام تر کربنا کی کے باوجود میری پھوپھی اماں نے بشمولِ نمازِ تہجد کسی نفل کو ترک نہیں کیا......' اسی طرح جس صبر کا مظاہرہ مخدرۂ کونین نے کیا ہے عالم میں بے مثال ہے۔ اسی لئے زیارتِ ناحیہ میں امام زمانہ علیہ السلام نے آپ کے صبر و تحمل کو اس جملہ سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے: 'آپ کے صبر کو دیکھ کر ملائکۂ عرشِ بریں انگشت بدنداں رہ گئے۔'

''حقیقت یہ ہے کہ آپ کی منزلِ شدتِ آلام کو جانچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ 'روزِ عاشور' جو مظلومِ کربلا کے مصائب کی انتہا تھی جنابِ زینبؑ کی مصیبتوں کا پہلا مرحلہ قرار پایا، اس کے بعد کیا کیا قیامتیں ٹوٹیں۔ بھوک، پیاس، زخم ہائے جگر، دشت و بیاباں، بے پردگی، پریشان و گم شدہ اطفال کی جمع آوری و نگہداشت.....بڑوں کے دل کی ڈھارس.....کیا قوتِ برداشت تھی اس مخدومہ کی، کہ ابتدائے آفرینش سے شامِ ابد تک ڈھونڈے سے مثال نہیں مل سکتی۔ مختصر یہ کہ مخدومہ کا صبر بے مثال، آپ کا یقین بے نظیر، کون ہے جو آپ کی شخصیت کا اندازہ لگا سکے''۔ (حیاتِ طیبہ حضرت زینبؑ، ص ۱۸، ۱۹)۔

(ب) ''امامِ وقت کے پاکیزہ افکار کی مقدس حقیقتوں کی معرفت رکھنے والی سیدہ زینبؑ انقلابِ حسینؑ کے تاریخی آثار سے بھی باخبر تھیں اور انہیں امامؑ کے مقدس قیام کا پس منظر و پیش منظر پوری طرح معلوم تھا۔ لہٰذا رسولؐ زادی کسی تامل و سستی کے بغیر اپنے عزم و جذبۂ ایثار کا اظہار کرتے ہوئے امامؑ کے بلند مقصد میں شریک ہوگئیں''۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، ترجمہ: علامہ حسن رضا غدیری، ص ۱۷۲)

اپنی آنکھوں سے دیکھا1۔ ان تمام حالات کی سنجیدگی کی حد یہ ہے کہ ہر سننے والے کے رونگٹے کھڑے کردینے کیلئے کافی ہے۔ ان سب شدائد کی داستان سے دل لرز جاتا ہے۔ بہت لوگ ان حالات کو سننے کی تاب نہیں لاتے اوران کے بیان کوسن کرشدتِ گریہ وغم سے بے ہوش ہوجاتے ہیں۔لیکن سیدہ طاہرہؑ کی عظیم لختِ جگر نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

شہزادی اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی خاطر متواتر جن تمام حالات سے دوچار ہیں، ان سے متاثر ہیں، اپنی والدہ گرامی کی شدید علالت سے سوگوار ہیں، دیکھ رہی ہیں کہ مقدس ماں دُرّے کھا کر بسترِ علالت پر پڑی ہیں، پدرِ عالی قدر کو دشمن گردن کے گرد رسی ڈال کر گھسیٹ رہے ہیں۔ باپ کے حقوق کی تاراجی سے پوری طرح واقف، امیرالمومنینؑ سے خلافت چھن جانے کی اہمیت کو سمجھ رہی ہیں اور زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ماں کی حسرتناک موت کے لئے ماتم کناں دیکھی جاتی ہیں اور مصروفِ دعا ہوتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ میری ماں کو موت سے ہمکنار نہ فرمانا۔

حضرت علی علیہ السلام کا سکوت

آخر کار ثانیِ زہراؑ کی غم نصیب والدۂ گرامی کا انتقال ہوگیا، یا شاید یہ کہنا حقیقت سے قریب تر ہوگا کہ انہیں مار ڈالا گیا اور اُن کی خوردسال بیٹی کو اشک افشانی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اگر سیدۂ طاہرہ کو گھر سے دور سپردِ خاک کیا جاتا تو بعید نہ تھا کہ شہزادی اپنے ننھے ننھے پاؤں سے ماں کے جنازے کے پیچھے دوڑی چلی جاتیں، تاہم حالاتِ حاضرہ مجبور کرتے ہیں کہ شہزادی روئیں بھی تو اپنی آوازِ گریہ کو بلند نہ ہونے دیں۔

پھر اس کے بعد اس عزائے عظیم میں اپنے والدِ بزرگوار کے اندوہ وغم کو دیکھا، کسی حد تک حضرت علی علیہ السلام کے احتجاج کی بھی آپؑ شاہد ہیں 2۔لیکن اُن کے ساتھ پچیس برس کے طویل و جاں گداز سکوت کی حصہ دار ہوئیں۔ پھر وہ دن بھی دیکھا جب علی مرتضیٰؑ سریر آرائے حکومت ہوئے جس کے فوراً بعد عراق میں بصرہ کے حالاتِ جنگ، جن میں امیر معاویہ کے توسط سے خونِ عثمانؓ کے انتقام کا شوشہ چھوڑا گیا، حضرت عائشہؓ کے جنگِ جمل میں حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے بہانے

1۔ ہم ان حالات کی ترجمانی کیلئے صرف ایک شعر پیش کرتے ہیں جو واقعات کی سنگینی کو کماحقہٗ پیش کرتا ہے:

چوں صحابہ حبِّ دُنیا داشتند

مصطفیٰؐ را بے کفن گذاشتند

2۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت علی علیہ السلام مسجد یا محلّہ میں لوگوں کا مجمع دیکھتے تو انہیں اس امر کی شہادت کیلئے قسم دیتے کہ کیا وہ غدیرِ خم کے اجتماع میں حاضر تھے اور انہوں نے آپ کی خلافت و وصایت کے بارے میں حکم رسولِؐ خدا کو اپنے کانوں سے سنا تھا یا نہیں؟

اقدامات، وہی عثمان جنہیں حضرت عائشہ تھوڑا عرصہ قبل نعثل یہودی کے نام سے پکارتی تھیں، یہ سب کچھ شہزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد بیس ماہ کی طویل جنگِ صفین، ظاہری دوستوں کی عیاریاں، مقدسین کی مجبوریاں، حضرت پر قیامِ حکمین کیلئے دباؤ، اور اس سب کچھ کے بعد ماہِ رمضان کا حادثۂ فاجعہ وغیرہ..... 1۔ یہ سب زینبؑ علیا کیلئے مقاماتِ درس تھے، ایسے درس جن کا سمجھنا اور سیکھنا آپ کے لئے بے حد دشوار اور تلخ ولازم ہو گیا تھا، تاہم آپ نے ان اسباق کی نوعیت واصلیت سے قیمتی تجربات حاصل کئے جو بعد میں اُن مقامات وحالات میں ثانیِ زہراؑ کے لئے مؤثر وقیمتی تجربات ثابت ہوئے جو شہزادی کو مستقبل میں پیش آنے والے تھے۔

شہادتِ امیر المؤمنینؑ کے بعد مخالفینِ علیؑ کی ریشہ دوانیاں

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی دشمنوں نے آپ کے افرادِ خاندان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ پہلی تین

1۔ ''امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کا معمول تھا کہ ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں ایک شب اپنے بیٹے امام حسنؑ کے گھر میں افطار کیا کرتے تھے، ایک شب امام حسینؑ کے گھر میں اور ایک شب سیدہ زینبؑ کے ہاں عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ افطار کیا کرتے تھے۔

''جس دن صبح کی نماز کے وقت امیر المومنینؑ کو ضرب لگی اُس سے پہلی رات آپ اپنی بیٹی زینبؑ کے گھر میں تھے اور بار بار کمرے سے باہر آ کر آسمان کی طرف رخ کر کے یہ الفاظ کہتے تھے:

'خدا کی قسم! یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی قسم کا مبالغہ یا وہم وخیال نہیں کہ یہ رات وہ ہے جس میں وعدۂ الٰہی پورا ہونے والا ہے'۔

''......آلِ محمدؐ کے گھر میں قیامت کا منظر تھا، حسنؑ وحسینؑ ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ ماں کی جدائی کے غم سے نڈھال زینبؑ اپنے عظیم وشفیق باپ کی موت کیونکر برداشت کر سکتی تھیں۔ زینبؑ کی دردناک آہیں، چیخیں اور فریادیں کائنات کا دل دہلا رہی تھیں۔ ۱۹ر رمضان کی صبح کو لگنے والی ضرب ۲۱ر رمضان کو علیؑ کی روح کو تن سے جدا کر گئی، روح ملائے اعلیٰ کی طرف پرواز کر رہی تھی مگر زبانِ علیؑ پر لقائے الٰہی کی خوشی میں یہ الفاظ جاری تھے:

''فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ''۔

(زینبؑ، زینبؑ ہے، مترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص ۹۸، ۱۰۰)

گویا ثانیِ زہراؑ کے قلبِ حزیں پر یہ تیسرا سانحہ گزر رہا تھا کیونکہ ابھی تو وفاتِ رسولِ اکرمؐ اور شہادتِ سیدہ طاہرہؑ کے زخم تازہ تھے۔ ان کی موجودگی میں حضرت علیؑ کے دردناک واقعۂ شہادت کا جو اندازِ غم شہزادیؑ کے ذہن پر واقع ہوا، اس کے بیان کیلئے دُنیائے الفاظ قطعاً تہی دامن ہے۔

خلافتوں کے زمانہ کی سیاسی شعبدہ بازیاں تو آپ کی شہادت کے بعد موجود نہ تھیں لیکن جن باتوں کی بنیاد اُس دور میں رکھی گئی تھی، جواُمورِ سیاست اس زمانہ میں پختگی کو پہنچ چکے تھے اور جو بیج اسی سیاست کے عہدہ داروں نے بوئے تھے، اب اپنے ثمرات پیدا کر رہے تھے۔

آپ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے تمام واقعاتِ گونا گوں، واقعۂ سقیفہ بنی ساعدہ سے پیدا ہونے والے تمام سیاسی بحران، بعدِ رسولؐ خدا صاحبانِ اقتدار کے ہاتھوں معزولیاں اور تقرریات، جنگ و جدل، حضرت عثمانؓ کے قتل کے دعویداروں کی شورش و ہنگامے، اُن کی موت کا دفاع کرنے والوں کا قیام، یہ سب ایک ہی مرکزی سازش کے آئینہ دار واقعات تھے جو اس حقیقت پر مرکوز ہو رہے تھے کہ جیسے بھی ہو میدانِ سیاست سے حضرت علیؑ کو خارج کیا جائے۔ اب حضرت علیؑ تو دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے لیکن اُن کے فرزندانِ رشید موجود تھے جو ان تمام سیاسی شعبدہ بازوں اور طالع آزماؤں کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے۔

لہٰذا سازش اپنے مقام پر دوام کی نشان دہی کر رہی تھی۔ ضروری تھا کہ سازشی اقدامات کو آگے بڑھایا جائے تاکہ خاندانِ علی مرتضیٰؑ کیلئے کسی طرح کوئی مفید سیاسی صورتِ حال باقی نہ رہے۔ امام حسن علیہ السلام کی مختصر خلافت کے اندوہناک واقعات اور پھر امام حسین علیہ السلام سے طلب بیعت کے پسِ پردہ یہی رموز و اسرار پائے جاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ صلحِ امام حسنؑ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے خاندان کی کوفہ سے مدینہ کی طرف واپسی پر بھی مخالفین قناعت نہ کر سکے اور وہ نئے سے نئے حالات وحوادث کی ایجاد میں مصروف رہے۔

حالات کی انتہا یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو امام حسن علیہ السلام کی بیعت کر چکے تھے، ایک روز آپؑ کے خیمہ میں گھس آئے، آپ کے سامان کو تباہ و برباد کیا، حملہ کر کے آپ کو زخمی کیا، سات مرتبہ آپ کو زہر دیا گیا (زندگانیِ امام حسنؑ) حتیٰ کہ ایک دن نیزہ سے آپؑ کی ران کو زخمی کیا (صلحِ امام حسنؑ، ج2) اور مجبور کیا کہ آپؑ امیر معاویہ سے صلح کریں۔ اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کو زخم ہائے زبان لگاتے رہے، آپ کو 'مذل المؤمنین' کہتے اور سرزنش کرتے کہ آپ نے صلح کیوں کی۔ آخر انجام یہ ہوا کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنتِ اشعث کے ذریعہ آپؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا۔

صلح وامن کیلئے سازشیں

دُشمنانِ خاندانِ اہلِ بیتؑ ایک اور طریقہ سے اس کوشش میں تھے کہ شیعانِ علیؑ پر قابو پائیں اور سازش کر کے ان کی

قوت کواپنے مفاد میں استعمال کر کے خاندانِ رسالتؐ کو نقصان پہنچائیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اس قسم کی سازشوں کا اہتمام کیا جائے۔ شیطان صفت دُشمنوں نے اپنی شیطنت کے طریقے ایجاد کئے۔ اُن کے خیال میں سیدہ زینبؑ سے بہتر اور کونسی ہستی ہو سکتی تھی جو امام حسینؑ کی مقدس بہن تھیں۔ انہوں نے سازش کی کہ اگر جنابِ زینبؑ اور اُن کے خاندان کے ساتھ رشتہ داری کے سلسلہ کو قائم کیا جائے تو یہ دراصل امام حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ رشتہ داری ہوگی اور اس طرح تمام شیعانِ علیؑ کے ساتھ صلح کی راہ پیدا ہوگی۔ لہٰذا امیر معاویہ نے جنابِ زینبؑ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم کا اپنے بیٹے یزید کے لئے رشتہ مانگا۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے سیدہ زینبؑ سے مشورہ کر کے اس امر کو امام حسین علیہ السلام کی طرف موڑ دیا۔ پس امامؑ نے اس بچی کا عقد اس کے چچا زاد قاسم یا محمد کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح امام حسین علیہ السلام نے اس شرمناک سازش کا خاتمہ کر دیا، تاہم دُشمن کی باقی سازشیں اس سے بہت زیادہ گہری اور سنگین تھیں۔

غرض دُشمن کا اگر بس چلتا تو خاندانِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو بے آبرو کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ امام حسن علیہ السلام اور کبھی امام حسین علیہ السلام یا دیگر فرزندانِ علیؑ کے بارے میں ذلیل خبروں کی اشاعت انہی سازشوں کا نمونہ ہیں۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو عورتوں کا رسیا اور ہوس کے مارے ہوئے فرد کے طور پر مشہور کیا گیا، حد یہ ہے کہ مشہور کیا گیا کہ آپ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں عورتوں سے شادی کی اور انہیں طلاق بھی دی۔ یہ عجیب وغریب خبریں جاہل شیعوں میں بھی رواج پا گئیں اور وہ کوشش کرنے لگے کہ اس معاملہ کے لئے شرعی جواز تلاش کریں۔ لہٰذا روایت تراشی گئی کہ چونکہ آپ رسولِؐ اکرم کے نورِ نظر تھے، جوانانِ جنت کے سردار تھے، پس عورتیں خواہش رکھتی تھیں کہ آپؑ کے جسمِ مبارک سے مَس ہو کر حقدارِ بہشت ہو جائیں۔ اسی طرح روایت گھڑی گئی کہ حضرت علیؑ نے برسرِ منبر ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹے حسنؑ کو بیٹی نہ دو اس لئے کہ وہ طلاق دینے کے شوقین ہیں۔ ان سازشوں سے نہ صرف زبردستی اقدامِ صلح کی کوشش کی جاتی تھی بلکہ اُن سے حضرتؑ کو بدنام کرنے کی سازش کی راہیں بھی ہموار ہوتی تھیں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی قوتِ برداشت

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ان تمام حالات کے ہجوم میں گھری ہوئی تھیں، صرف ان سے دور کا تعلق نہیں رکھتی تھیں، آپ اسیرِ حوادث نہ تھیں بلکہ حوادث آپ کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایسے پیش آنے والے تمام واقعات میں آپ سالارِ قافلہ کا کردار ادا کر رہی تھیں اور نہایت دلیری وصبر کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کر رہی تھیں کہ ایک عارف کے بقول آپ کے صبر کے سامنے خود

صبر احتجاج کر رہا تھا۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا تمام سیاسی امور میں بصیرت رکھتی تھیں، تمام سیاسی لائحۂ عمل سے آشنا تھیں اور جانتی تھیں کہ اپنی عزت و وقار کو کس طرح دوام بخشا جاتا ہے جس کی مثالیں ہم ابنِ زیاد اور یزید کے درباروں میں دیکھیں گے۔ غرض آپ واقعات کی قدر و قیمت سے کما حقہٗ واقف اور ان کو برداشت کرنے کی پوری قوت رکھتی تھیں۔ مستقبل کے واقعات میں زینبؑ عالیہ کی استقامت ان امور کو بدرجۂ اتم ثابت کرتی ہے۔

زینبؑ عالیہ کے بچپن کے تجربات، آپ کی زمانۂ جوانی کی آزمودہ کاری، اپنے والدِ بزرگوار اور برادرانِ باوقار کی ہمراہی و ہم قدمی نے آپ کو اس قدر جہاں دیدہ و تجربہ کار بنا دیا تھا کہ لباسِ اسیری میں بھی دشمن کے ارکانِ حکومت لرزہ براندام تھے اور آپ کے ایامِ اسیری میں حکومتِ وقت ضروری جانتی تھی کہ آپؑ کے رعب و دبدبہ کو دبانے کے لئے قافلۂ اہلِ بیتؑ کی شہر بھر میں تشہیر کی جائے۔

ہجومِ حوادث میں ثانیِ زہراؑ نے اپنے آپ کو اس قدر خوگرِ مصائب بنا لیا تھا اور اس کیفیت میں آپ کی یہ حالت تھی گویا دستِ تقدیر آپ کی کمک کے لئے خود موجود تھا۔ مصائب و ابتلاء میں آپ اس قدر سکون و استقلال کی حامل تھیں کہ آپ امام زین العابدین علیہ السلام کی تسلی و دلداری بھی کرتی تھیں۔

۱۔ وفاتِ رسولِ اکرمؐ کے بعد حالاتِ مدینۃ النبیؐ

یثرب جسے بعد میں مدینۃ الرسولؐ یا مختصراً مدینہ کا نام دے دیا گیا، پہلی صدی ہجری کی ابتدائی دہائیوں (دس سال) میں عظیم حوادث کا مرکز رہا۔ اس شہر کو دارالہجرت، دارالحکومت، دارالولایت اور دارالاسلام کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے اسی سرزمین پر تشریف لائے اور اہالیانِ یثرب کے مہمان بنے۔ اسی شہر سے آنحضرتؐ کے احکام کی نشرواشاعت اور حقائقِ اسلام کا تعارف کرایا گیا۔ یہی وہ شہر ہے جہاں مقدماتِ دین کا استقلال، جنگ وصلح کے فیصلہ جات اور زمانہ رسولؐ وخلفائے راشدین میں مختلف عہدوں پر لوگوں کے عزل ونصب کے احکام کا اجراء ہوا کرتا تھا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ خدا پر سوئے، صبح کو اماناتِ رسولؐ اکرم واپس کیں، فواطم (چار محترم خواتین جن سب کا نام فاطمہ تھا) کو ساتھ لے کر مدینہ تشریف لائے، اوّلین مہاجرین میں شامل ہو کر اسی شہر کو اپنا مستقل مسکن قرار دیا اور ہمہ تن خدمتِ فخرالانبیاءؐ میں مصروف ہو گئے۔ امیرالمومنین علیہ السلام اُس زمانہ میں بالکل نوجوان تھے۔ ابھی آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ چند ایک معرکہ ہائے جنگ میں نمایاں کارکردگی اور اسلام ومسلمین کو قوت وثابت قدمی بہم پہنچانے کے بعد آپ نے دُخترِ رسولؐ خدا جنابِ سیدہ طاہرہؑ سے شادی کر کے اپنے خاندان کی بناڈالی۔

حضرت علیؑ اور اُنؑ کے خاندان کا مقام اور اس کی اہمیت

پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے وقت جنابِ سیدہؑ طاہرہ اور حضرت علیؑ کی چار اولادیں موجود تھیں۔ ان میں ہر ایک پیغمبرؐ خدا کا نورِ نظر تھا۔ انہیں میں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بھی تھیں جن کا سن چھ برس کا تھا اور جو رسولؐ اکرم کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام کا بخوبی ومکمل ادراک رکھتی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نہ صرف مدینہ بلکہ پوری دنیائے اسلام میں اہم مقام رکھتے تھے اور لوگ جانتے تھے کہ: ''صدرِ اسلام کی تمام جنگیں ومہمات حکمِ رسولِؐ خدا اور شمشیرِ علیؑ کے سہارے انجام کو پہنچی تھیں۔

''جنگِ احزاب میں علیؑ کی ضربت نے کفر واسلام میں حدِ فاصل متعین کی تھی اور یہ ضربت ایسی بے حساب عبادت قرار پائی تھی، جس کی کوئی مثال طولِ تاریخ میں نہیں ملتی (ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبادَةِ الثَّقَلَيْنِ)۔

''علیؑ برادر ووصی ووارثِ رسولؐ اکرم قرار پائے'' (اَنْتَ اَخِی وَوَصِیّ وَوَارِثِی)۔

''حضرت علیؑ کی رسولِ اکرمؐ سے وہی منزلت قرار پائی جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی (اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْن مِنْ مُوْسٰی)۔

''علیؑ کی شان میں قرآنِ حکیم کی متعدد آیات نازل ہوئیں، مثلاً آیۂ اطعام (وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا)۔ آیۂ زکوٰۃ (اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ)وغیرہ۔

ان حالات میں حضرت علی علیہ السلام کا مقام و اہمیت بعدِ پیغمبرِؐ اسلام آپ کی جانشینی رسولؐ اور آپ کی مرکزیت کے ساتھ ساتھ خود آپ کے اپنے قول سے اس طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ کی مثال چکی کی مرکزی کھونٹی کی مثال ہے جس کے گرد چکی گھومتی ہے، جیسا کہ آپؑ نے فرمایا:

''وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّي مِنْهَا مَحَلُ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی.....''(خطبہ شقشقیہ، نہج البلاغہ)۔

ان حالات میں فطرتاً آپ کے خاندان و اولاد کو آپ کی اس شان و شوکت اور آپ کے انتہائی قرب کی بدولت آپ سے بہت زیادہ بہرہ مند ہونا چاہیے، بلکہ خوش قسمتی سے حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ لوگ واقعی آنحضرتؐ کی پیاری بیٹی جنابِ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کو سیدۃ النساء العالمین تسلیم کرتے تھے، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ جانتے تھے، اُن کی محبت کو فرض اور انہیں دکھ پہنچانے کو ایسا مانتے تھے گویا خود آنحضرؐت کو دُکھ دیا گیا۔

بنیادی بدخواہان

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ایک صورت تو یہ تھی جس کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرتؑ کے متعلق ایک اور موقعہ بھی موجود تھا، وہ یہ کہ حضرت کے ہاتھوں لاتعداد اہم ترین افراد، جنہیں شیوخِ عرب کہا جاسکتا ہے، قتل ہوئے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کے پسماندگان کسی نہ کسی طرح مختلف وجوہ کی بنا پر مسلمان ہوکر زمرۂ اسلام میں شامل ہو چکے تھے لیکن جس طرح کی عقیدت بھی انہیں دینِ اسلام سے حاصل تھی اس کے باوجود اپنے قلوب میں حضرت علیؑ کے خلاف کینہ رکھتے تھے۔ ایسے لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو اپنی جانوں کی حفاظت کی غرض سے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن مخلص نہ تھے، اس بات کے منتظر تھے کہ کسی روز موقعہ ایسا آجائے کہ اسلام کی مخالفت ممکن ہو[1]۔

1۔ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام میں بہت سے لوگ انہی کی اولاد تھے جنہیں اہل بیتؑ کے خلاف بغض و کینہ وراثت میں ملا تھا۔ (جاری)

اسی لئے سقیفہ بنی ساعدہ کے موقعہ پر چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے اور اُن میں خانہ جنگی کی صورت پیدا کی جائے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ابوسفیان جیسے شخص کا وجود ہے جو اس واقعہ کی عین گرما گرمی میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آکر کہتا ہے کہ آیئے، ہاتھ بڑھایئے کہ آپ کی بیعت کروں (الامام علیؑ ابن ابی طالبؑ)۔

ایک اور جماعت بھی موجود تھی جو حضرتؑ کے فضائل سے تو واقف تھی لیکن عدلِ علیؑ کی متحمل نہ تھی۔ یہ جماعت جانتی تھی کہ آپ کی حکومت کے تحت اپنے مقاصدِ حیات کو حاصل نہ کر پائیں گے؛ لہٰذا علیؑ کے علاوہ کوئی حکمران ہو تو بہتر ہے۔ اس جماعت کے اندیشہ جات اور حکومتِ علیؑ کی بدخواہی ظاہر و واضح ہے۔ ان کے علاوہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو بمصداق ''چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی'' جیسے کردار کے مالک تھے۔ ایسے لوگ حقیقی دوستدارانِ امیر المؤمنینؑ کے ساتھ مل کر اکثریت پیدا کر رہے تھے۔

حقوقِ علیؑ کی بتدریج نظر اندازی

حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگ حقوقِ علیؑ کے بارے میں بیدار تھے کیونکہ حضرتؑ کے ساتھ رسولؐ اکرم کی محبت اور آنحضرتؐ کے طریقِ کار کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فراموش کر دیتے۔ مشکل یہ آن پڑی کہ حضرت ابوبکر کے بعد بھی خلافت کو حضرت علیؑ سے دُور رکھا گیا اور اس سے بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی سربراہِ سلطنتِ اسلامی قرار پا گئے۔

ان واقعات میں پچیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ وفاتِ رسولؐ اکرم کے وقت جو بچے پانچ سال کے تھے اب تیس برس کے ذمہ دار افراد بن چکے تھے۔ یہ لوگ حکومت و خلافتِ اسلام کی وہی حیثیت جانتے تھے جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی 1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) اسی لئے خواجہ معین الدین چشتی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبیؐ را بہ کیں کشند — دعوائے دیں کنند و خداوندِ دیں کشند

قرآں کنند حفظ و طٰہٰ کشند بہ تیغ — یٰسٓ کنند حرز و امامِ مبیں کشند

(حاشیہ صفحۂ ہذا) 1۔ بالفاظِ دیگر وفاتِ رسولؐ اکرم سے لے کر حضرت علیؑ کے خلافت تک پہنچنے میں کم و بیش پچیس برس کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اس دوران ایک نئی قوم تیار ہو چکی تھی جو حضرت علیؑ کی اس اہمیت و حیثیت سے قطعاً ناواقف تھی جو مختلف اقوالِ رسولؐ کے ذریعہ حضرتؑ کو حاصل تھی۔ یہ قوم حضرتؑ کی اسلام پر فداکاریوں سے بالکل ناواقف تھی اور ان کے بزرگ شکارِ نسیان ہو چکے تھے (مترجم)۔

جو لوگ حیاتِ رسولِؐ اکرم کے دوران جواں سال تھے اب اس قدر ضعیف وشکارِ نسیان ہو چکے تھے کہ موجودہ دور کے طرزِ حکومت سے نہ صرف مانوس ہو چکے تھے بلکہ اس سے انہیں دلی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا، حتیٰ کہ یہ لوگ اب اسلام کے صحیح نصب العین اور لائحۂ عمل کو کم ہی سمجھ سکتے تھے۔ اُن کی فکری وروحانی کیفیت اب اس مقام پر تھی کہ وہ اب اپنے نزدیک صدرِ اسلام کے اصول ومناسک کے رواج کو تجدیدِ نظر کے مترادف جان کر اسکی ضرورت کو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ ان حالات و ماحول کے بھنور میں حکومت حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بھی اسی ماحول میں زندہ رہنے پر مجبور تھیں اور حالات سے اپنے آپ کو جدا نہ کرسکتی تھیں۔

حالاتِ مابعد

اس طویل مدت کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی مخالف جماعت بے کار و بے عمل نہیں رہی تھی۔ یہ لوگ اپنے خیرخواہ پیدا کر رہے تھے، موقعہ کے مطابق اپنے مناسب افراد کو قائم کرتے، مخالفین کو ہٹاتے، موافقین کیلئے انتظامِ استمراری مروّج کرتے، لوگوں کو لالچ ورشوت کا خوگر بناتے، یہاں تک کہ حلال وحرام کا بھی خیال نہ کرتے تھے۔

حضرت عمر نے کہا: ''زمانۂ رسولِؐ خدا میں دو متعہ حلال تھے، میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں''۔

رواجِ بدعات (اذان میں تبدیلی کر دی گئی) بلکہ شخصیات کی کردارکشی تک اور ایسی ہی دُوسری چیزوں کے عادی بن چکے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اسی طویل مدت میں پل بڑھ کر جوان ہوئی اور تمام بدبختیاں ان کی دامنگیر ہوئیں۔ اسی عالم میں حضرتؑ کو حکومت حاصل ہوئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ ان حالات سے سمجھوتہ کر لیتے اور یہ سب کچھ اسی طرح برداشت کر لیتے، لیکن لوگ ''وا اسلاماہ، وا ابو بکراہ اور وا عمراہ'' کی آوازیں بلند کرنے لگے (کتاب ''عواملِ ضدِ انقلاب در حکومتِ علیؑ'' کی طرف رجوع فرمائیں)۔

اب مدینہ پہلے کی نسبت بالکل مختلف جگہ بن گئی تھی۔ اب وہ پہلے جیسا مدینۃ الرسولؐ اور مدینۂ علیؑ نہیں رہا تھا۔ اسی لئے اور بعض دیگر عوامل کی بنا پر آپؑ نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا، تاہم آپؑ کی شہادت کے فوراً بعد آپؑ کے خاندان کے جملہ افراد مدینہ ہی واپس ہو گئے۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو دوسروں کی نسبت ان کو محترم جانتے تھے۔ تاہم اولادِ علیؑ کے افراد اپنے اپنے کارہائے زندگی اور عباداتِ الٰہی میں مصروف رہتے، کسی کے معاملات میں دخل انداز نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان

حالات میں ان کے خلاف شر آمیزی زیادہ نہ ہوئی۔لیکن حقوقِ علیؑ وفاطمہؑ کو زمانہ بتدریج فراموش کرتا جارہا تھا (جبکہ نئی نسل تو ان کے مقام واحترام سے بالکل ناواقف تھی۔مترجم) اوران کا مقام اب لوگوں کے ذہنوں سے بالکل محو ہوتا جارہا تھا۔یہی وہ دور تھا جب ثانیِ زہراؑ علم وفراست میں اپنی والدۂ گرامی کی یادگار سمجھی جاتی تھیں اورخواصِ مدینہ کے نزدیک ایک خاص مقام واہمیت اختیار کر چکی تھیں۔

مصیبتِ عظمیٰ

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے دردناک واقعہ اورامام حسن علیہ السلام کے اقدامِ صلح کے بعد، جن سے عوام الناس کے دین واحیائے حق کے خلاف ظلم وتشدداورعدمِ اعتقاد کا اظہار واضح وآشکار ہو چکا تھا، اہلِ مدینہ کے لئے ایک اور مصیبتِ عظمیٰ ظہور پذیر ہوئی جس کا انہیں تصور بھی نہ تھا بلکہ وہ سوچتے تھے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا، جو یہ تھی کہ اب انہیں یہ دیکھنا پڑا کہ اُن کو ایسے لوگوں کی حکومت کے تحت زندگی بسر کرنا ہوگی جو امیر معاویہ کے حکم سے منصوب ہوں گے۔ یہ بات اگرچہ غیر جانب دار لوگوں کے لئے تو اہم نہ تھی تاہم خاصانِ امتِ اسلامیہ کے لئے بہت بڑی مصیبت اور سمجھ دار عوام الناس کو لرزہ براندام اور مایوس کرنے والی تھی۔اس کیفیت نے بہت سے غافل لوگوں کو بیدار کر دیا حتیٰ کہ بعض مخالفینِ خاندانِ علیؑ بھی اس مرحلہ پر پہنچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ بھی حکومت کے اس اقدام سے اپنے آپ کو گرفتارِ بلا ومصائب جاننے لگے۔

ان حالات نے خاندانِ علیؑ پر بالعموم اورامام حسن، امام حسین وسیدہ زینب علیہم السلام پر بالخصوص کیا اثر کیا، شاید اس کا نہ تو کوئی اندازہ کر سکتا ہےاور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی طرح بہتر حالات کا گمان کر سکتا ہے۔ثانیِ زہراؑ کا قلبِ دردمند اس واقعۂ فاجعہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ آپؑ وہ معظّمہ ہیں جن کو امام حسن اورامام حسین علیہم السلام جیسے اپنے عظیم بھائیوں کی طرف بے مثال جذبۂ محبت، رقتِ قلب اوراحساسِ دردمندی حاصل تھا۔

اولادِ علیؑ کی غریب الوطنی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بیس سال کے طویل عرصہ تک امام حسن، امام حسین اور زینبِ کبریٰ علیہم السلام امیر معاویہ کے مقرر کردہ والیانِ مدینہ کے مظالم کے تختۂ مشق بنے رہے۔یہ لوگ کسی حد تک اپنی طاقت کے استعمال میں محتاط رویہ رکھتے تھے، تاہم گردونواح میں خاندانِ رسولِؐ اکرم کے خلاف زہر اگلتے رہتے تھے جس کے اثرات آہستہ آہستہ مدینہ پر نظر آتے رہتے تھے۔یہی وہ حالات تھے جو سیاسی طور پر خانوادۂ علیؑ مرتضیٰ کے افراد کی گوشہ نشینی کا باعث بنے۔

مدینہ اب اولادِ علیؑ کے لئے مقامِ غربت بن چکا تھا،حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ ان کیلئے قطعی طور پر اجنبی بن گیا تھا۔مدینہ آپ کیلئے ہر طرح کے یاور ومددگاروں سے خالی تھا۔نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اب شہرِ مدینہ اولادِ علی مرتضیٰؑ کیلئے جائے امن نہ رہا تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی صورت باقی نہ تھی سوائے اس کے کہ امام حسین علیہ السلام رات کی سیاہی میں عالمِ خوف میں مکہ اور مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہو جائیں۔

امیر معاویہ کی موت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اپنے وطن اور خود اپنے شہر میں سیاسی طور پر یکہ وتنہا رہ جاتے ہیں۔اسی زمانہ میں اہالیانِ کوفہ اٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی کہ کوفہ تشریف لا کر ایک متوازی حکومت تشکیل دیں،درآنحالیکہ آپ کے اپنے شہر مدینہ کی حالت یہ تھی کہ وہاں مروان جیسا شیطان صفت شخص اپنا اثر پیدا کر چکا تھا جس نے والیٔ مدینہ کو مشورہ دیا کہ اب موقعہ ہے کہ وہ امام حسینؑ سے یزید کی بیعت لے لے یا مخالفت کی صورت میں ان کا سر جسم سے جدا کر دیا جائے (تاریخِ عاشورا)۔

اس نے کہا کہ حسینؑ کے سوا کسی کو یزید کی مخالفت کی جرأت نہیں ہو سکتی۔لہٰذا سب لوگ حسبِ معمول زندگی بسر کرتے رہیں اور ان سے کوئی شدید باز پرس نہ کی جائے۔

حالاتِ حاضرہ میں مقامِ ثانیِ زہراؑ

ثانیِ زہراؑ وہ خاتونِ معظم ہیں جو ان تمام حالات کی نوعیت واہمیت سے مکمل طور پر آگاہ اور ان کی شاہدِ عینی ہیں۔اُن کی کیفیت وحیثیت یہ ہے کہ:

☆ فتنہ گری کی تمام حیلہ سازیوں سے واقف ہیں؛

☆ اپنے عظیم قدر والدین کے ساتھ لوگوں کی خیانت،غصبِ خلافت اور غصبِ فدک جیسے حالات سے بخوبی آگاہ ہیں؛

☆ سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات،ایک جماعت کی خلیفہ سازی،پھر خلافت کے ہاتھوں انتقال اور حکومتِ اسلام کے حالات کی عینی شاہد ہیں؛

☆ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کے واقعات کی مکمل اطلاع رکھتی ہیں جنہیں حضرت عائشہ صدیقہ نے نعثل یہودی کا نام دے رکھا ہے؛

☆ جمل وصفین کے واقعات کا مکمل ادراک رکھتی ہیں؛

☆ خوارج کے قیام اوراُن کی تمام سازشوں سے آگاہ ہیں جن کا نتیجہ ۱۹/ماہِ رمضان کو ظاہر ہو چکا تھا؛

☆ امام حسن علیہ السلام سے لوگوں کی بیعت اور پھر لوگوں کی پیمان شکنی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں؛

☆ ان سب واقعات پر منتج ہونے والی امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اعزاء کی شہادتوں کے مناظر کی گواہِ عینی ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ لوگ فرزندانِ علیؑ مرتضےٰ کی تنہائی وغربت اور خود امام حسین علیہ السلام کو خلافِ اسلام قرار دیتے ہیں، گویا کہ دینِ اسلام کے پیروکاران کی شان ومقام کو پہچانتے تک نہیں۔

ابنِ خلدون کہتا ہے: ''یزید وحسین علیہ السلام کی جنگ میں صحابہ وتابعین کا امام حسین علیہ السلام کا ساتھ نہ دینا اس لئے نہ تھا کہ وہ یزید کے خلاف جنگ کو غیر شرعی خیال کرتے تھے بلکہ دراصل وہ لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے تھے'' (مقدمہ ابنِ خلدون، ص254)۔

(اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امام حسین علیہ السلام جو بذاتِ خود واقعۂ کربلا میں قیام فرمارہے تھے، اس مسئلۂ شرع سے واقف نہ تھے، انہیں خونریزی میں شریک نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ انہیں سرِ تسلیم خم کرکے ایسا عمل کرنا لازم تھا جس سے خونریزی کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی) 1۔

۲۔ حالاتِ کوفہ

عراق میں عرب وعجم کی وسطی سرحد پر کوفہ ایک آباد، بارونق، سرسبز وشاداب شہر تھا جو تجارت وخوشحالی کا مرکز تھا۔ یہ شہر ظہورِ اسلام کے بعد خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں ایک نہایت حساس مقام پر آباد ہوا تھا۔ اس شہر کے باشندوں نے آہستہ آہستہ سیاسی رنگ اختیار کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب یہ شہر مرکزِ حوادثِ سیاسی قرار پایا 2۔

1۔ ابنِ خلدون جیسے ماہرِ تاریخ کا یہ بالکل لنگڑا اور بے معنی استدلال ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں بہت سوں نے زمانۂ رسولؐ وخلفاء اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیا یہ اتنی سیاسی بصیرت بھی نہ رکھتے تھے کہ یزید کے کردار کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی اس غیر جانبداری کو ذریعۂ حفاظت اور خونریزی سے تحفظ سمجھ لیتے؟ پھر واقعۂ کربلا کے بعد یزید کے حکم سے افواجِ یزید نے مکہ ومدینہ کے مقدس شہروں میں کیا کچھ نہ کیا، کس قدر بے رحمانہ وغیر اسلامی طور پر خونریزی نہ ہوئی، عبداللہ ابنِ زبیر کو مسجد الحرام میں قتل کیا گیا، وغیرہ، کیا یہ سب خونریزی نہ تھی؟ اس طرح ان لوگوں کے غیر جانبدار رہنے اور فرزندِ رسولؐ کی کمک نہ کرنے سے افواجِ یزید نے کہاں تک انہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے احتراز کیا!

2۔ کوفہ کو عام طور پر شیعانِ علیؑ کا شہر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ عراق میں بھی طرفدارانِ علیؑ کی (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اکثریت خیال کی جاتی تھی۔ لہٰذا ہم یہاں کوفہ وعراق کے بارے میں تاریخ کے حوالہ سے مختصراً کچھ عرض کریں گے جس سے یہاں کے باشندگان کے عقائد وتلونِ مزاج پر روشنی پڑے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کوفہ ایک فوجی چھاؤنی کے طور پر دوسری خلافت کی ابتداء میں مقام اور آب وہوا کی موزونیت کے اعتبار سے قائم کیا گیا تھا۔ جو لوگ وہاں آباد تھے انکا مقصدِ زندگی صرف جنگیں لڑنا اور حصولِ غنیمت تھا۔ اس سلسلہ میں درجِ ذیل تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

(I) The city of Kufa was founded in the year 17/638, about three years after 'Umar Ibn-ul-Khattab assumed the Caliphate at Madina. (Baladhuri, Futuhal-Buldan, trans: Philip K. Kitti,

The Origins of the Islamic State, p.434, Bairut, 1966, Tabari, I, p.2485, yaqut, Mu'jam al-Buldan (Tehran, 1965) IV, p.323.

After the Muslim victories at the battles of Al-Qadisiya in 15/636 and that of Jalula in the following year, the Caliph ordered Sa'ad b. Abi Waqqas, the commander of the Muslim Control of Iraq and then making further advances into Persia whenever this might prove advisable .... subsequently Sa'ad ordered his forces to encamp there and make it their home. This was the beginning of Kufa. The choice of the place for the envisaged city was not a hasty one, but was made after careful consideration and a thorough search of the area lasting almost two years. (ibid).

The description of the founding of Kufa given by the sources leave us in no doubt that at first it was not meant so much to develop a township as to establish a strong, permanent and strategically located garrison for the Arab Armies in the newly conquested distant territory of Iraq. This is clear from Umar's directive when he wrote to Sa'ad: "Choose for the Muslims a place for migration (dar hijra) and a centre (for carrying out)(Manzil jihad)_____Tabari I, p.2360, Yaqut, Muajam al-Buldan, IV, p.322.......In 'Umar's mind Kufa was meant as a garrison town where different contingents from different places could stay and should be readily available whenever required........ (جاری)

تشریف لائے تو اسی شہر میں قیام فرمایا اور اسے اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ آپؑ کی اولاد کے جملہ افراد بھی آہستہ آہستہ یہیں ہجرت کر آئے۔ حضرت زینبؑ بھی اپنے شوہر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کے ہمراہ وہیں تشریف لے آئیں اور حضرت عبداللہ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں اسی شہر کو اپنے کاروبارِ زندگی کے لئے منتخب کرلیا۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

At Kufa, the number of those who came to live from far-off places, ranged between 15,000 and 20,000, and were exceedingly hetrogeneous in tribal composition. There was a marked absence of large dominating class or groups of class______"Origins and Early Development of Shia Islam, by S. Husain M. Jafri, published at Qum, Iran.

(ترجمہ): ''شہرِ کوفہ کی بنیاد 17ھ بمطابق 638ء میں حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے تقریباً تین سال بعد رکھی گئی۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ترجمہ: فلپ کے۔ ہتی۔ حکومتِ اسلامی کا آغاز، ص434، بیروت 1966ء، تاریخِ طبری جلد اوّل، ص2485، یاقوت، معجم البلدان، مطبوعہ تہران، 1965ء، جلد4، ص323)۔

15ھ بمطابق 636ء کے آئندہ سال میں قادسیہ اور جلولہ کی فتوحات کے بعد خلیفہ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو جو عراق میں مسلم افواج کے سپہ سالار تھے، حکم دیا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رک جائیں۔ بلاشک وشبہ اس حکم کا ہدف صرف یہ تھا کہ پہلے عراق پر مسلمانوں کے قبضہ کو مستحکم کیا جائے، اس کے بعد موقعہ کی مناسبت کے اعتبار سے ایران میں پیش قدمی کی جائے......نتیجہ کے طور پر سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی افواج کو وہیں رُک جانے اور اسی مقام پر قیام کرنے کی ہدایت کی۔ اس طرح کوفہ کا آغاز ہوا۔ نئے شہر کے مقام کے انتخاب میں کسی عجلت سے کام نہ لیا گیا بلکہ بہت سوچ و بچار اور احتیاطی تدابیر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے تقریباً دو برس تک مناسب مقام تلاش کر کے فیصلہ کیا گیا۔ (حوالہ جاتِ ماقبل)۔

کوفہ کی بنیاد رکھنے کے سلسلہ میں تاریخی تشریحات کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ شروع شروع میں اس شہر کی بنیاد رکھنے کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ ایک مضبوط، مستقل اور فوجی اعتبار سے عرب افواج کی کوئی پختہ قسم کی چھاؤنی قائم کی جائے جس کی نئے نئے مقبوضہ عراق پر قبضہ قائم رکھنے کی ضرورت ہو..... یہ بات حضرت عمرؓ کے اس حکم نامہ سے واضح ہو جاتی ہے جو انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کے نام بھیجا تھا اور جس کے الفاظ یہ تھے: ''مسلمانوں کے لئے ایک دارالہجرت کا انتخاب کرو، ایک مرکز بطورِ منزلِ جہاد قائم کرو جہاں سے افواج متحرک ہوسکیں''۔ طبری، جلد اوّل، ص2320، یاقوت معجم البلدان، ج4، ص323......

حضرت عمر کا مطمعِ نظر کوفہ کی شکل میں ایک چھاؤنی کا قیام تھا جہاں مختلف علاقوں کی مختلف افواج کو رکھا جائے اور (جاری)

کوفہ میں خانوادۂ امیر المومنینؑ کی مصروفیات

امیر المومنین علیہ السلام اور آپؑ کی اولاد کی کوفہ میں موجودگی اہالیانِ کوفہ کے لئے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ لوگ ان حضرات سے دین واخلاق کی تعلیم کا شرف پاتے تھے۔ثانیِ زہراؑ کا وجود کوفہ کی خواتین کے لئے اسی اہمیت کا حامل تھا جو اہمیت جنابِ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو مدینہ کی خواتین میں حاصل تھی۔تمام اسلامی حلقوں میں سیدہ زینبؑ کی موجودگی سبق آموزی اور تبلیغِ دین کی خاطر لازمی سمجھی جاتی تھی۔نتیجہ یہ ہوا کہ خانۂ زینبؑ کبریٰ خواتین کی پناہ گاہ سمجھا جاتا تھا۔لاتعداد حاجت مند خواتین اس گھر میں آمدورفت رکھتی تھیں اور سیدہ طاہرہؑ کی لختِ جگر اور اُن کے شوہرِ گرامی حضرت عبداللہ کی داد و دہش وعطایا و بخشش سے بہرہ ور ہوتی تھیں۔لاتعداد غریب و بے نوا خاندان جنابِ زینبؑ کے سایۂ عاطفت وعنایات کے نیچے پناہ حاصل کرتے اور بے انتہا دردمندانِ زمانہ کی مشکلات بی بیؑ کے در پر حل ہوتی تھیں۔کوفہ کے یتیموں کیلئے امیر المومنینؑ ایک شفیق باپ اور سیدہ زینبؑ ایک مہربان ماں کی حیثیت رکھتے تھے۔حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کا پانچ سالہ قیامِ کوفہ اس شہر کے اہالیان کیلئے ایسی عظیم نعمت کی کیفیات کا حامل تھا کہ تاریخِ انسانیت اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔لیکن افسوس کہ اسی شہر میں

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) جہاں سے بوقتِ ضرورت وہ حرکت کرنے کے لئے دستیاب ہوں.......

کوفہ میں دور دراز سے آن کر مقیم ہونے والے لوگوں کی تعداد ۱۵۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ افراد کے لگ بھگ تھی جو قبائلی نقطۂ نظر سے انتہائی مختلف العناصر لوگ تھے۔ان میں قابلِ قدر قبائل کے اجتماعات کا واضح فقدان تھا۔''

مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہوجاتا ہے کہ کوفہ کسی ایک ایسی قوم یا قبیلہ نے آباد نہیں کیا تھا جن کی کسی روایتی پختگی کردار کا حوالہ دیا جا سکے۔یہ مختلف النوع عناصر کی سرزمین تھی جس میں سب کے مفادات مختلف تھے،قدرِ مشترک صرف جنگ اور اس سے حاصل ہونے والے غنائم کا لالچ تھا اور یہ وہ اقدار ہیں جو کبھی کسی قسم کی مستقل کردار سازی کو جگہ نہیں دیتیں۔

اسی سلسلہ میں ہم ایک اور حوالہ اور نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جس سے کوفیوں کے کردار پر روشنی پڑتی ہے:

(ب) ''دریں کتاب چوں جاری تاریخ چندیں بار مارا بکوفہ میکشاند تا از آنجا بازدید کنیم ناچار باید تاریخِ جغرافیائی ایں شہر را اجمالاً بنمائیم تا حوادثِ واقعہِ آں را بہتر تحلیل و قضادت کنیم:

قبل از اسلام حیرہ پایہ تختِ کشورِ عراق بود مانند بغداد در قرونِ اخیرہ و حیرہ تا کوفہ ۳ میل راہ فاصلہ برداشت ولی از لحاظِ آب و ہوا بسیاربد بود و مردم در آنجا ناراحت بودند. حیرہ در سال ۱۲ ہجری بدست خالد فتح شد و قصر خورنق و سہ دیر مہم در آنجا بود کہ بدست مسلمین افتاد (تاریخ کوفہ ص ۱۲۹،تاریخِ نجف ص ۱۵۵،تاریخِ جغرافیائی کوفہ نگارندہ ص ۵۴۶ تا ۵۵۸۔)۔

(جاری)

مولائے کائنات کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ یہی وہ شہر ہے جہاں ابنِ ملجم ملعون کے ہاتھوں حضرت کی شہادت واقع ہوئی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بنائے کوفہ ــــ مسلمین پس از فتح عراق محتاج بیک محلی بودند که با مدینه از راهِ خشکی ارتباط داشته باشد. لهٰذا پس از مخص و بحث و تامل بعد از ساختن شهرِ بصره محلِ کوفه را انتخاب کردند و سعد و قاص آں شهر را بنا کرد و قشونِ اسلام در عراق در کوفه متمرکز شدندمخصوصاً پس از فتحِ ایران گروهِ بسیار از ایرانیان در کوفه سکنان نمودند بطورے که درزمان امیرالمومنین علی علیه السلام جمعیت آنجا را تایک ملیون هم نوشته اند که بیش از دوازده هزار خانواده ایرانی در کوفه مسکن داشتند (تاریخِ تمدن جرجی زیدان ج ۲ ،ص ۱۳۸ ، چهارده معصوم، ج ۵۴، ص ۲).

چون مادر کتب دیگر تاریخ جغرافیائے کوفه را نوشته ایم اینجا تکرار نمی کنیم. کوفه یک مسجدے دارد که قبل از اسلام معبدِ یهود و نصاریٰ بود که پیغمبر (ص) می فرماید:

در شبِ معراج از مسجد الحرام بسوئے اقصیٰ بکوفه رسیدم. ایں مسجد از معابدِ قدیم است که بیست مرتبه خراب شده و بیست بار آباد گشته و بین هر دو دفعه خرابی و آبادی پانصد سال فاصله بوده است (کتاب من لایحضر الفقیه، شیخ صدوقؒ).

مینویسند ایں مسجد را نیز آدم ابو البشر بنا نموده است و دارائے مقامائے است که درآنجا انبیاء عبادت میکرده اند. مسجدِ کوفه در اسلام اهمیت ِفراوانے گرفت خاصه در زمانِ امیرالمومنین علیؑ که کوفه پایتخت شد و مسجدِ کوفه رونقے داشت و در خلافتِ آنحضرتؑ مسجدِ کوفه بسیار موردِ اهمیت قرار گرفت و خانهِ امیرالمومنینؑ پشتِ مسجدِ کوفه در طرفِ غربی واقعه است و دارالاماره هم در طرف جنوب غربی بود واز آں عصر کوفه دارائے جمعیت بسیار شد ولے پس از شهادتِ امام حسن علیه السلام کوفه مشوم و مطونِ شیعه قرار گرفته کسانے که به کوفه میروند فقط برائے درکِ مقاماتِ مسجد و عبادت در مسجدِ سهله و مساجد دیگر است". (زندگانیِ امام حسینؑ،ص۲۳۵۔۲۳۶،مؤلفہ حسین عمادزادہ،تہران)۔

یہی مؤلف اہالیانِ کوفہ کے بارے میں رقمطراز ہے:

"یکے از مباحثِ روان شناسی این است که هر قوم و ملت را از حوادثِ واقعهِ آنها میتوان شناخت. غریزئه کوفیین این بود که خوش استقبال و بد بدرقه بودند یعنی بسیار زود و سریع و بے تامل بیعت میکردند و بایک پیش آمد کوچک پنهاں و متوازی و مخفی شده نقضِ عهد می نمود. تاریخِ اسلام از بنائے کوفه تا عصرِ امام حسین علیه السلام ایں حقیقت را چناں ثابت کرده که ضرب المثلِ مردمِ جواز شده بود. (جاری)

کوفہ کے تغیرات

شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت مستقل ثابت نہ ہوئی۔ لہٰذا امام حسن علیہ السلام کی چھ ماہ کی حکومت بہت زیادہ سختی و دشواری کا شکار رہی۔ بیعت کرنے والوں نے بزدلی و بے وفائی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ لشکرِ امامؑ کے بعض سرداروں نے خفیہ طور پر امیر معاویہ سے عہد و پیمان کر کے آپؑ کو بے یارو مددگار تنہا چھوڑ دیا۔ انتہا یہ ہوئی کہ بعض سالارانِ فوج نے امیر معاویہ کو یہاں تک لکھ بھیجا کہ وہ امام حسن علیہ السلام کو پابہ زنجیر اُن کی تحویل میں دینے کو تیار ہیں (صلحِ امام حسنؑ، ترجمہ: علی خامنہ ای)۔ کئی بار آپؑ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ ایک عصا سے جس کے نیچے زہر آلود میخیں لگی ہوئی تھیں، آپؑ کے پائے مبارک کو زخمی کیا جس سے آپؑ کو مسموم کیا گیا (منتہی الآمال)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

درایں موقعه که بسرِ مرجانه تسلط یافت و تهدید و ارغاب نمود اکثر مردمِ کوفه پنهان یا متوازی شده و عهدِ خود راکان لم یکن پنداشتند.

مردمِ کوفه ثبات و پائیداری در هیچ کارند اشتند و در عقیده هم راسخ و پابرجا نبودندمگر خانواده هائیے که ایرانی یا حجازی بودند و در انتقالِ پایه تختِ امیرالمومنین علی علیه السلام بکوفه رفته بودند__ گروهی از شیعان بودند که در عقیده و ایمانِ خود آنقدر پافشاری کردند که جانِ خود را روئے عقیدۂ خوش نهادند. (حوالهِ سابقه، ص ۲۴۴)

ترجمہ: اس کتاب میں میانِ واقعات چونکہ ہم بار بار کوفہ کے ذکر کو لاتے ہیں اس لئے ہم نے ضروری جانا کہ اس شہر کی جغرافیائی کیفیت کا مختصر جائزہ پیش کریں تاکہ واقعۂ کربلا سے متعلق حادثات کی بہتر طور پر تفصیل و تشریح معرضِ تحریر میں لاسکیں۔

ورودِ اسلام سے پہلے حیرہ ملکِ عراق کا پایۂ تخت تھا جس طرح بعد کے زمانہ میں بغداد دارالسلطنت قرار پایا۔ حیرہ کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا لیکن آب و ہوا کے اعتبار سے یہ جگہ نہایت خراب اور باشندگانِ شہر کیلئے نہایت تکلیف کا باعث تھی۔ حیرہ 12ھ میں خالد کے ہاتھوں فتح ہوا اور خورنق و سہ دیر کے قلعے جو وہاں اہمیت کے حامل تھے، مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

کوفہ کی بنیاد و قیام__ عراق کی فتح کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں سے وہ خشکی کے راستہ مدینہ سے رابطہ قائم رکھ سکیں۔ لہٰذا کافی بحث و تمحیص اور سوچ بچار سے بصرہ کا شہر بنا چکنے کے بعد کوفہ کے لئے جگہ کا انتخاب کیا گیا اور سعد بن ابی وقاص نے اس شہر کی بنیاد رکھی جس کے بعد عراق میں موجود اسلامی لشکر کوفہ میں جمع ہوا۔ کوفہ شطِ فرات کے کنارے پر واقع تھا، اس کی آب و ہوا خوشگوار تھی لہٰذا تمام افواج کا مرکز قرار پایا، بالخصوص ایران کی فتح کے بعد ایرانیوں کی بہت بڑی تعداد نے کوفہ کو اپنا (جاری)

امام حسن علیہ السلام سے صلح کے بعد امیر معاویہ کو مکمل اقتدار حاصل ہوگیا۔ اُس نے خوفزدہ و پریشان لوگوں کے سامنے صلح نامہ کو پھاڑ کر اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیا اور کوفہ کی فضا کو لوگوں کے لئے مکمل طور پر پُر خطر و خوفناک بنا دیا۔ آخر کوفہ والے امیر المومنین علیہ السلام اور آپؑ کے خاندان سے بے وفائی کے باعث دشمن کے ظلم وستم اور مکروفریب کا نشانہ بنے۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ امیر معاویہ کے عوامل ان کے ہر قسم کے احتجاج کی سرکوبی کرتے اور اس کے خلاف ہر آواز کو بزور دبا دیتے تھے۔

(حاشیہ صفحۂ سابقہ) مسکن بنالیا، یہاں تک کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مؤرخین نے اس شہر کی آبادی دس لاکھ افراد تک تحریر کی ہے، جن میں ایک ہزار سے زائد ایرانی سے لے کر دس ہزار خاندانوں تک یہاں آباد ہو گئے۔

چونکہ ہم کوفہ کی تاریخ کی دیگر کتب میں وہاں کے جغرافیہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں، اس لئے ان کا یہاں دہرانا ضروری نہیں جانتے۔

کوفہ میں ایک مسجد ہے جو اسلام سے پہلے یہود و نصاریٰ کی جائے عبادت تھی جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''شبِ معراج مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ جاتے ہوئے میں کوفہ پہنچا۔ یہ مسجد قدیم عبادت گاہوں میں سے ہے جو بیس مرتبہ تباہ ہوئی اور پھر آباد ہوتی رہی جبکہ ہر تباہی و آبادی کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ رہا''۔

لکھا گیا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اس میں ایسے مقامات ہیں جہاں انبیائے کرام عبادت کرتے رہے۔ مسجدِ کوفہ نے اسلام میں بڑی اہمیت حاصل کی۔ بالخصوص امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے زمانہ میں جب کوفہ پایۂ تخت بنا تو اس مسجد کی رونق بہت بڑھی اور آپؑ کے دورِ حکومت میں مسجدِ کوفہ نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا خانۂ اقدس مسجد کی پشت پر مغرب کی جانب واقع ہے۔ دارالامارہ بھی جنوب مغرب ہی کی طرف بنا۔ اس زمانہ سے کوفہ کی آبادی بہت بڑھی لیکن شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کوفہ شیعوں کے نزدیک ایک منحوس اور قابلِ طعن مقام قرار پانے لگا۔ اس حادثہ کے بعد یہ لوگ صرف مسجد کی زیارت، مقاماتِ مقدس کے ادراک اور مسجدِ سہلہ و دیگر مساجد کی خاطر وہاں جانے لگے.....

کسی مقام کی اہمیت و شہرت کے سلسلہ میں جو ضروری مباحث وجود پاتے ہیں ان میں ایک ہر قوم وملت سے متعلق حوادث کا بیان ہوا کرتا ہے جو انہیں وہاں پیش آتے ہیں۔ کوفہ والوں کی فطرت یہ رہی ہے کہ وہ بڑے جوش سے خوش آمدید اور بہت برے خدا حافظ کہنے والے تھے، یعنی یہ لوگ بہت جلد، بڑی عجلت اور سوچ وبچار کے بغیر ہر کسی کی بیعت کرلیا کرتے تھے لیکن کسی نہایت ہی چھوٹے سے ظاہر یا مخفی معمولی سے واقعہ کے بعد نقضِ عہد کرنے میں دیر نہیں کرتے تھے۔ تاریخ اسلام کوفہ کی ابتداء سے امام حسین علیہ السلام کے زمانہ تک اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ اہالیانِ حجاز کے لئے کوفہ کی یہ فطرت ضرب المثل بن گئی تھی۔

اس واقعہ میں جب پسرِ مرجانہ یعنی ابنِ زیاد نے کوفہ پر اپنا تسلط جمایا اور اپنا قبضہ ورعبت ظاہر کیا تو کوفہ کے لوگوں کی (جاری)

اس طرح امام حسن علیہ السلام سے صلح کے بیس سال، ۴۱ھ تا ۶۱ھ کا طویل عرصہ، بلکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک کوفہ خاندانِ علیؑ کے خلاف ہر قسم کی زہر افشانی کا مرکز بنا رہا۔ اس شہر پر بدترین دشمنانِ علیؑ کو حکمران بنایا جاتا رہا جن کے خلاف لوگوں کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرائت نہ تھی حتیٰ کہ وہ دن آن پہنچا جب سیدۂ طاہرہ کی عظیم نورِ نظر ثانیِ زہراؑ بحالتِ اسیری کوفہ میں دوبارہ وارد ہونے پر مجبور ہوئیں۔ آپؑ ہی کی وہ عظیم ہستی ہے جس نے اس زہر آلود فضا کو منقلب کرنے کی ہمت کی۔ یہ درست ہے کہ شیعانِ کوفہ نے ایک بار پہلے بھی اس مسموم فضا کے خلاف امام حسین علیہ السلام کو مدعو کیا تھا کہ کوفہ تشریف لائیں اور اُن کی رہبری فرمائیں لیکن ہم آئندہ کے حالات میں مشاہدہ کریں گے کہ ان کی یہ دعوت برق کی گھن گرج کی مانند تھی جو یکا یک روشنی بکھیرتی اور اس کے فوراً بعد ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔

امیر معاویہ کی موت کے بعد کوفہ کی حالت

امیر معاویہ نے چالیس سال شام پر حکومت کی جس میں بیس برس اس نے تمام مملکتِ اسلامی کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائے رکھا۔ آخر کار اس نے اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کیا لیکن مرنے سے قبل اُس نے تمام روایاتِ اسلامی بلکہ سیرتِ شیخین کے بھی خلاف قیصر وکسریٰ کے طریقِ کار کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد وجانشین مقرر کر دیا۔

امیر معاویہ کی موت سب کیلئے اطمینان کا باعث بنی، بالخصوص اہالیانِ کوفہ ومدینہ کے لئے جہاں کے شیعہ خوش وشادمان ہوئے اس لئے کہ وہ اسلامی حکومت کی سربراہی کے لئے کسی کو امام حسین علیہ السلام کے برابر نہ جانتے تھے۔ جو لوگ بنی اُمیہ کی

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اکثریت نے مخفی طور پر یا ظاہراً بھی اپنے عہد وبیعت کو توڑ ڈالا۔

غرض کوفہ کے لوگ کسی کام میں ثابت قدمی اور استقامت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے عقائد میں بھی راسخ وپختہ نہ تھے سوائے ان لوگوں کے جن کے خاندان امیر المؤمنین علیہ السلام کے انتقالِ دار الخلافہ کے وقت ایران یا حجاز سے یہاں نقلِ مکانی کر کے آباد ہوئے تھے۔ یہ تھی شیعانِ علیؑ کی وہ جماعت جو اپنے ایمان وعقیدہ میں اس قدر پختگی واستقلال کے حامل تھے کہ اپنے عقیدہ کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیتے تھے"۔

کوفہ کے اس مختصر جائزہ سے قارئینِ کرام اندازہ لگا سکیں گے کہ کوفہ کی آبادی کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی کوئی انصاف پسند مؤرخ یہاں کے لوگوں کو خالصتاً شیعانِ علیؑ کی جماعت قرار نہیں دے سکتا بلکہ یہ صرف ایک چھاؤنی تھی جہاں کی آبادی کے افراد اپنے اپنے مفادات کی پرستش کے علاوہ کسی طرح بھی کسی مستقل عقیدہ کے مالک نہ تھے۔

حکومت کو اپنے لئے مرقعہ جور و استبداد جانتے تھے، اُن کے قلوب نے خبرِ مرگِ امیر معاویہ سے احساسِ راحت واطمینان حاصل کیا۔ اس طرح کوفہ بالعموم خوشی وشادمانی کا مرکز بنا۔ کوفہ کے اکثر انقلاب انگیز قلوب نے اپنی گردنیں اٹھانا شروع کیں۔ اس قسم کی باتیں سنائی دینے لگیں کہ کسی صورت میں بھی یزید کو لوگوں پر مسلط ہونے نہیں دیا جائیگا، نیز چاہئے کہ اب حق کو حق دار کی طرف لوٹایا جائے.......وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں کی اکثریت خاندانِ علیؑ کے بارے میں احساسِ عقیدت کا اظہار کرنے لگی اور اس خواہش کو ہوا دینے لگی کہ اب حکمرانی فرزندانِ علیؑ کے سپرد ہونی چاہئے۔ لہٰذا متواتر خطوط فرزندِ رسولؐ کی طرف بھیجے جانے لگے کہ کوفہ تشریف لانے میں جلدی کریں اور اگر آپؑ تشریف نہ لائے تو آپؑ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونگے۔

کوفہ کی لاتعداد خواتین اپنے آپ کو ثانیِ زہراؑ کی شاگرد جانتیں اور اپنے دلوں میں آپؑ کی زیارت کی خواہش رکھتی تھیں۔ ان خواتین کو یقین تھا کہ اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ تشریف لائے تو یقیناً ثانیِ زہراؑ آپؑ کے ہمراہ آئیں گی۔ ان کی یہ آرزو روز بروز قوت پکڑ رہی تھی، حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے مدینہ چھوڑنے کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔

کوفہ والوں کی بزدلی اور روایتی بے وفائی

سیدہ زینبؑ اور امام حسین علیہ السلام، دونوں بہن بھائی، ہنوز مکہ ہی میں تھے کہ عراق کے لوگوں کے خطوط کا ایک سیلاب آپ کو موصول ہونے لگا۔ نتیجہ کے طور پر آپؑ کے سفیر حضرت مسلم بن عقیل کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ میں اٹھارہ ہزار، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں نے حضرت مسلم کی بیعت کی (منتہی الآمال)۔

چنانچہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ خط درخواست کی کہ کوفہ کے لوگ اور وہاں کا ماحول بالکل سازگار ہیں، لہٰذا آپ تشریف لاکر اُن کی رہنمائی کا اہتمام فرمائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے روانگی اختیار فرمائی لیکن اس سلسلہ میں دشمن بھی خاموش و بے خبر نہ تھا۔ یزید نے عبیداللہ ابنِ زیاد کو امارتِ کوفہ پر مقرر کیا جبکہ اس کا تقرر پہلے ہی سے سوچی سمجھی بات تھی۔

عبیداللہ ابنِ زیاد بڑی چالاکی سے اہالیانِ کوفہ کو خوفزدہ کرتا ہوا وارِدِ کوفہ ہوا۔ وہاں کے لوگوں کو مزید خوفزدہ کرنے کی خاطر اُس نے حضرت مسلمؑ کے خلاف اقدام کر کے اُن کو اُن کے میزبان ہانیؒ بن عروہ سمیت ایک ہی دن میں قتل کروا دیا اور لوگوں کو اُس کی اس غیر اسلامی حرکت یا خود اُس کے خلاف زبان کھولنے کی قطعی جرأت نہ ہوئی۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسلمؑ

کی بیعت کی تھی، اپنی اس بیعت کے تقدس کو قائم رکھنے کیلئے کسی طرح آگے نہ بڑھے، یہاں تک کہ حضرت ہانیؓ کے قبیلہ والے، جن کے وہ سردار تھے، انہیں قتل سے نہ بچا سکے۔ اس سے کوفہ والوں کی بزدلی اور بے وفائی دونوں کی وضاحت ہوگئی۔

اب ایک بار پھر لوگ مخالفت میں جمع ہونے لگے، دشمنوں کا شوروغوغا دوبارہ بلند ہونے لگا۔ خاندانِ علیؑ کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، درباری خوشامدی و چاپلوس از سرِ نو پیدا ہوگئے، منبروں سے امیر المؤمنین علیہ السلام اور آپؑ کے خاندان کے افراد پر دشنام طرازی اور معاویہ و یزید کی مدح سرائی ہونے لگی۔

اس ماحول میں ثانیِ زہراؑ کو دارِ کوفہ ہونا پڑتا ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد، لباسِ اسیری میں اور اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی قافلہ سالاری کرتے ہوئے۔ لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ اہالیانِ کوفہ نے شہادتِ حسینؑ پر جشن نہ منایا ہو اور آپؑ کی اسیری پر خوشیاں نہ منائی ہوں کیونکہ اس زمانہ میں خوشامدیوں کے لئے بہت رنگین اور سود مند موقع تھا۔

۳۔ حالاتِ شام

شام کا علاقہ 13 ھ میں پہلی خلافت کے دوران خالدؓ بن ولید کی سربراہی میں اسلامی فوج نے فتح کیا (تاریخِ اسلام)۔ شام کی امارت کیلئے یزید بن ابوسفیان کو چنا گیا جو بنی امیہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا۔ یہ شخص 8 ھ میں فتح مکہ کے دوران مسلمان ہوا۔ اس کے کئی ہم قبیلہ و رشتہ دار اور بزرگ اسلام و شرک کے معرکوں میں قتل ہوئے تھے (جنگِ بدر و اُحد وغیرہ)۔

یزید بن ابوسفیان 18 ھ میں طاعون سے مر گیا اور اس کا بھائی معاویہ بن ابی سفیان اس کی جگہ عاملِ شام مقرر ہوا۔ یہ امارت اس کو حکومتِ حضرت عمرؓ میں حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کی وساطت سے امیر معاویہ کی شام میں حکومت مستقل ہوگئی، وہ اپنے اسی دوام کو سامنے رکھ کر اپنے کارِ امارت کو سرانجام دینے لگے اور اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر انہوں نے اپنے ہواخواہوں کی جماعت تشکیل دینا شروع کر دی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے خلیفہ بننے کے بعد امیر معاویہ کو ان کے مقامِ امارتِ شام سے معزول کر دیا لیکن امیر معاویہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور انہوں نے خلیفہ برحق اور اپنے امام کے خلاف خروج کر دیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت سے جنگیں کیں جن میں بے دریغ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا (تاریخ طبری، ج 4)۔

یہ واقعات امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت، امام حسن مجتبیٰؑ کی زہر خورانی، اور آخر کار حکومتِ معاویہ کے تا حدِ عمر استمرار پر منتج ہوئے۔

شام کا ماحول ومحل وقوع

شام عراق کا ہمسایہ ملک ہے جسے آجکل سوریا(Syria) کہتے ہیں۔اس کا شہر دمشق امیر معاویہ کا دارالسلطنت تھا۔ یہ مقام مرکزِ خلافت سے بہت فاصلہ پر واقع تھا جس کی وجہ سے وہاں کے حالات کی مرکزِ خلافت تک اطلاع پہنچنے میں عرصہ دراز صرف ہوتا تھا۔ یہ امر بذاتِ خود امیر معاویہ کی حکومت کے استحکام کا باعث بنا۔

خلفائے ماسبق، عمداً یا سہواً، امیر معاویہ سے غیر معمولی خوش عقیدگی رکھتے تھے۔انہوں نے جملہ امور میں امیر معاویہ کو خودمختاری دے رکھی تھی۔ یہ کیفیت بالخصوص حضرت عثمانؓ کی ضعیف وکمزور حکومت کے دوران اس حد تک تجاوز کر گئی کہ شام بالفاظِ دیگر ایک طرح سے بالکل خودمختار علاقہ بن گیا، اس ملک کے تمام کام اور مسلمانوں کے جملہ امور امیر معاویہ کے شخصی افکار کے مطابق حل ہونے لگے۔اب وہ ضرورت ہی نہ جانتے تھے کہ کسی معاملہ میں خلیفۂ وقت سے مشورہ کریں یا ان کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

شام کا ماحول بالعموم کوفہ کے ماحول کے مقابلہ میں پرامن وخاموش تھا۔شام کے لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام کی وہی صحیح و واقعی صورت ہے جس کا اجراء قصر الحمراء سے ہوتا تھا جسے امیر معاویہ نے اپنے لئے تعمیر کروایا تھا۔ وہ اس کے خلاف کسی طرح احتجاج یا شکایت نہ کرتے اور نہایت پختگی کے ساتھ سمجھتے تھے کہ ایک اسلامی حکمران کی شان وشوکت وہی ہونا چاہئے جو وہ امیر معاویہ کی حیثیت وصورت میں دیکھ رہے تھے۔

ثانیِ زہراؑ جب شام میں وارد ہوئیں، وہ بھی بطور ایک اسیرِ ظلم، اُس وقت وہاں بنی امیہ کی حکومت کو چھیالیس برس گذر چکے تھے۔اس تمام مدت میں وہاں کے باشندے اسلامِ محمد مصطفیٰؐ سے بالکل بےخبر اور بے بہرۂ محض ہو چکے تھے۔ خاندانِ علیؑ سے بغض اس قدر بڑھ چکا تھا کہ لوگ لعنِ علیؑ (معاذ اللہ) کو اپنے لئے بالکل جائز جانتے تھے۔انتہا یہ ہے کہ جب لوگوں نے سنا کہ حضرت علی علیہ السلام کو محرابِ مسجد میں شہید کر دیا گیا ہے تو یہ امر اُن کے لئے باعثِ حیرت واستعجاب تھا۔ وہ کہتے تھے کہ علیؑ کا مسجد اور اس کی محراب سے کیا تعلق؟

شامیوں کا نظریۂ اسلام

شام کے لوگ اسلام اور مسلمانی افکار کو افکار واعمالِ امیر معاویہ کے مطابق ہی درست جانتے تھے یا شام کے فاتح خالد بن ولید کو نمونۂ اسلام تسلیم کرتے تھے۔ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو اُن کے سامنے سیرتِ رسولؐ اکرم یا سیرتِ حضرت علیؑ

کے خدوخال بیان کرتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو امیر معاویہ جیسے لوگ عوام الناس کے حکمران کسی طرح نہیں ہو سکتے تھے۔

عام مسلمان یعنی مہاجر و انصار شام کی طرف دوریٔ راہ اور امیر معاویہ سے فکری اختلاف کے باعث بہت کم سفر کرتے تھے۔لہٰذا عوام الناس امیر معاویہ کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔صرف وہی لوگ زیادہ تر اُدھر جاتے تھے جو امیر المومنین علیہ السلام سے ترساں و گریزاں ہوتے۔ظاہر ہے ایسے لوگ فطرتاً امیر معاویہ کے حق میں ہی باتیں کرتے تھے نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے حق میں۔

ایک روایت کے مطابق 61ھ میں شام میں صرف ایک سو کے لگ بھگ ایسے آدمیوں کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے دورِ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا (الکامل ابنِ اثیر)۔ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی عمر ساٹھ یا ستر سال سے زیادہ ہوگی۔ایسے لوگ بالعموم اپنی کبرسنی کی وجہ سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے یا ذکر و عبادت میں مصروف فکرِ عاقبت میں موت کے منتظر تھے۔ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ کسی کے کاروافکار میں دخل انداز ہوتے یا عوام الناس کی ہدایت و رہنمائی کی فکر کرتے۔

شام کے اکثر لوگوں کا اعتقاد تو یہ تھا کہ بنی اُمیہ کے علاوہ پیغمبرِ اسلام کا کوئی خاندان یا قبیلہ نہ تھا۔اس پر طرہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ کے لئے خال المومنین کے لقب کی تبلیغ کی جاتی تھی۔یہ بات اُن کے عقیدہ کی مزید پختگی کا باعث تھی، بالخصوص درباری مبلغین کوشش کرتے تھے کہ اس طریقہ سے وجودِ امیر معاویہ کے احترام و تقدس کو عوام الناس کے قلوب میں مزید پختہ کریں۔

شام: شکارِ بے حسی

شام میں امیر معاویہ کے اقتدار کے زیرِ اثر، نیز اُن کی حکمتِ عملی و تبلیغات سے خلفائے وقت کی بے خبری، صاحبانِ اقتدار افراد کی رسولِ اکرمؐ کے خلاف زہر آلود مباحث کی وجہ سے اس قسم کے غلیظ ماحول سے آلودہ ہونے کے باعث بہت زیادہ بے حسی، احمقانہ طرزِ عمل اور دینی اعتبار سے دگرگونی کا شکار ہو گیا، یہاں تک کہ دمشق میں برسرِ منبر اہانتِ علیؑ ہوتی اور لوگ اس اہانت آمیز رویہ کو اللہ تعالیٰ سے باعثِ اجر و جزیل اور قربِ پروردگار کا ذریعہ سمجھنے لگے۔جنگِ صفین میں ایک جوان بڑی دلیری کے ساتھ میدانِ قتال میں وارد ہوا اور امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کرنے لگا۔اس سے پوچھا گیا کہ یہ ابوترابؑ کون ہے جس کو تو موردِ لعن قرار دے رہا ہے؟ وہ بولا کہ وہ (معاذ اللہ) ایک چور ہے، سرِ راہ لوگوں کی گردنیں مارتا اور اُن کے اموال لوٹ لیتا ہے (علیؑ کیست؟)۔

امیر معاویہ نے شام کے بڑے لوگوں کی زندگی کو اس قدر آسودہ و پُر آسائش بنا دیا تھا اور انہیں عیش و عشرت کا اس قدر

دلدادہ بنا دیا تھا کہ وہ لوگ اخلاق وخوش عقیدگی سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ستر سال کے طویل عرصہ تک برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم ہوتا رہا اور اس سب وشتم کے عوض وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب طلب کرتے تھے (امامِ شاہد وشہید)۔

بنی اُمیہ کے بارے میں یہ تصور لوگوں کے ذہن نشین کروا دیا گیا تھا کہ صرف بنی امیہ ہی رسولؐ اکرم کے قریب ترین عزیز ہیں۔ چنانچہ 132ھ میں جب بنی عباس نے بطور خلفائے برحق پیغمبرؐ اسلام اقتدار سنبھالا تو شام کے لوگ کہتے تھے کہ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ بنی امیہ کے علاوہ بھی کوئی خاندان یا اقرباءِ آنحضرتؐ رکھتے تھے (تاریخ طبری)۔

اہلِ شام کے انعقادِ جشن کی وجوہات

ان حالات میں شام کے لوگوں کا اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے شام میں ورود پر جشن منانا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چھبیس سال تک علیؑ وخاندانِ علیؑ کے خلاف حکومتی سطح پر تبلیغ ہوتی رہی تھی 1۔

1۔ ثانیِ زہراؑ کی زندگی کا جو تعلق شام سے ہے وہ کسی خاص تعارت کا محتاج نہیں۔ اہلِ بیتِ عظام پر بالعموم اور سردارِ قافلہ کی حیثیت سے بالخصوص جو مصائب ثانیِ زہراؑ پر ملکِ شام میں گزرے، ان کو سوچتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور لکھتے ہوئے قلم لرزاں ہے۔ شام والے خصوصیت کے ساتھ خاندانِ رسولؐ سے کیوں اس قدر ناواقف تھے اور وہاں ان پر مصائب وآلام کی انتہا کیوں ہوئی، اس کو جاننے کیلئے ہمیں اوراقِ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا پڑے گا۔ شام اور وہاں کے رہنے والوں کے کردار کا مطالعہ کئے بغیر اہلِ بیتؑ رسولؐ کے وہاں کے حالات سمجھ میں نہ آسکیں گے۔ اس سلسلہ میں ہم قارئینِ کرام کی توجہ سید امیر علی مرحوم کی مشہورِ زمانہ کتاب "Sprit of Islam" کی طرف مبذول کرواتے ہیں۔ فاضل مؤلف بنی اُمیہ اور اُن میں حکومت کرنے والے افراد کا اس طرح تعارف کرواتے ہیں۔ تفصیلات کا آغاز خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت، ان کی مقرر کردہ چھ حضرات کی مجلسِ شوریٰ اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے ہوتا ہے:

His(Hazrat Omar's)character, stern and yet just, his practical common sense and knowledge of men, had eminently fitted him to repress and hold in check the ambitious designs of the children of Ommayya. On his death-bed Omar entrusted to six electors the task of nominating a successor to the office. The Caliphate was offered to the son of Abu-Talib but Ommeyyade intrigue had annexed to the proposal a condition which they knew Ali would not accept. He was required to govern, not only in accordance with laws and precedents of the Prophet, but also with those established by his two (جاری)

اس طویل تبلیغ کا اثر یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد واحساسات پر اس طرح پردے ڈال دیئے گئے تھے کہ اُن کے عقائد بالکل مسخ ہو چکے تھے۔

دمشق اہلِ بیتِ رسولؐ کی دشمنی کا محور، ان سے عداوت کا مرکز اور بنی ہاشم خصوصاً امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف ہتک آمیزی کا بنیادی مقام تھا (تاریخ عاشورا ص228)۔ توہینِ علیؑ سے منع کرنے والے ابوذرؓ جیسے حضرت علیؑ کے دوست بدنام اور بنی اُمیہ کے خوشامدی اوران کی چاپلوسی کرنے والے باعزت تھے۔ مؤخرالذکر لوگ برسرِ منبر علیؑ وخاندانِ علیؑ کی اہانت اور بنی اُمیہ اوراُن کے دوستوں کی توصیف بیان کرتے تھے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

predecessors. With characteristic independence Ali refused to allow his judgement to be so fettered. The Caliphate was then offered, as it was expected by the Ommeyyades, to their kinsman Osman. The accession of this venerable chief to the vicegerency of the Prophet proved in the sequel an unqualified disaster to the commonwealth of Islam. He was a member of that family which had always borne a deep-rooted animosity towards the children of Hashim. They had persecuted the teacher with rancorous hatred, and had driven him from his home. They had struggled hard to crush the faith in its infancy, and had battled against it to the last. Strongly united among themselves, and exercising great influence among all the tribes of Mozar, of which they were the prominent members, the Ommayyades had watched with ill-concealed jealousy the old power and prestige slip away from their hands.

After the fall of Mecca they had accepted the inevitable, but never forgave the house of Hashim or Islam for the ruin which the son of Abdullah had wrought to them. Whilst the Prophet lived, his commanding personality overawed all the traitors. ......The first two successors of the Prophet had kept their ambition within bounds and repressed their intrigues and treacherous designs. With the election of Osman, they flocked to Madina like vultures scenting the prey. His accession was the signal for that outburst of hatred, that pent-up profligacy on the part of the Ommayyades, which convulsed (جاری)

ثانیِ زہراؑ 61ھ میں جب وارِدِشام ہوئیں تو دشمنوں میں چراغاں ہوتے دیکھا۔ آپ نے اپنے معجزاتی کلام وحُسنِ بیان سے پردہ ہائے بےخبری کو چاک کر دیا، حقائق کو آشکار کیا، بنی امیہ کی چھبیس (26) سالہ تبلیغ مخالفتِ آلِ رسولؐ کو پارہ پارہ کر دیا اور خاندانِ رسولِ اکرمؐ کی عظمت سے لوگوں کو متعارف کروایا۔ آپ نے بنی امیہ کے کرتوت و کردار کی اس قدر وضاحت و تشہیر کی کہ یزید کا جگر خوارہ کی نسل سے ہونا مشہور و معروف و زبان زدِ خلائق بات ہوگئی اور آپ نے لوگوں پر واضح فرمادیا کہ

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

the Islamic World to its innermost core, and destroyed its noblest and most precious lives.

Under Usman there was a complete reversal of the policy and administration of his two predecessors, whose decisions he had engaged to follow.... All offices of trust and emolument were seized by the Ommayyades. The governorships of the provinces were bestowed on men who had proved themselves most inimical to Islam, and the treasury was emptied in their favour. (p.p. 281-282).

"Astute, unscrupulous, and pitiless", says Osborn, "the first Khalifa of the Ommayas shrank from no crime necessary to secure his position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable opponent. ....To secure the succession of his son Yazid, Muawiyah hesitated not to break the word he had pledged to Husain, the surviving son of Ali. ...."

(ترجمہ): حضرت عمرؓ کا کردار یعنی ان کی سخت گیری اور انصاف، ان کی عامیانہ سوجھ بوجھ، عوام الناس سے واقفیت، ایسی صفات تھیں جن سے انہوں نے بنی امیہ کے اندازِ فکر سرداری وحکمرانی کو دبائے رکھا۔ اپنی وفات کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے چھ اشخاص کی شوریٰ کو اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے نامزد کر دیا۔ خلافت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کو پیش کی گئی لیکن اس پیشکش میں بنی امیہ کی سازش سے ایک ایسی شرط رکھ دی گئی جس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت علیؑ کے لئے کبھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ آپ سے عہد مانگا گیا کہ آپ نہ صرف رسولؐ اکرم کے قائم کردہ قوانین اور سنت پر عمل کریں گے بلکہ اپنے سے پہلے دو خلفاء کی سیرت کا بھی اتباع کریں گے۔ اپنی فطری آزادیٔ خیال کے تحت حضرت علیؑ نے اپنے نظریۂ عدل کو اس طرح مقید کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد خلافت، بنی امیہ کی توقع کے عین مطابق ان کے قبیلہ کے فرد حضرت عثمان کو پیش کی گئی۔ بنی امیہ کے اس اہم سردارِ قبیلہ کا بطور خلیفۂ رسولؐ انتخاب بالآخر دولتِ اسلامیہ کے لئے ہر لحاظ سے ضرر کا باعث ثابت ہوا۔ آپ ایک ایسے قبیلہ کے فرد تھے جس نے ہمیشہ بنی ہاشم کے خلاف نہایت گہرا کینہ اپنے دلوں (جاری)

بنی اُمیہ کی رگ و پے اور ریشہ ریشہ میں دشمنیٔ اسلام وعداوتِ رسولؐ اسلام پیوند ہو چکی ہے۔ یہی وہ موقعہ تھا جب اہلِ شام کے عمومی کردار میں انقلاب کی صورت اور آثار پیدا ہونے لگے۔ نہ صرف یہ بلکہ علیؑ وخانوادۂ علیؑ کی حمایت کے جذبات بیدار ہونے لگے۔ لیکن اتنا وقت گزرنے کے بعد اس کا فائدہ کیا ہوسکتا تھا؟ اب کوئی دوسرا حسینؑ تو دنیا میں موجود نہ تھا نہ ہوسکتا تھا۔ دشمن تو انہیں پہلے ہی ظلم وستم کا نشانہ بنا کر شہید کر چکا تھا۔ (انصاف پسند دنیا فیصلہ کرے کہ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ جنگِ کربلا تو عصرِ عاشور کو ختم ہوچکی تھی، قتلِ حسینؑ کے بعد بنی امیہ یعنی یزید کا مقصد تو حاصل ہو چکا تھا، اس کے باوجود خیامِ اہلِ بیتؑ کی آتش زدگی، رسولؐ زادیوں کی دربدری، خیامِ حسینؑ میں لوٹ مار، یہ سب کچھ کس تہذیب وانسانیت کے درجہ میں آئے گا۔ یزید اور اس کی فوج کی دُشمنیٔ آلِ رسولؐ کا جذبہ گویا مردوں کے قتل و پامالیٔ لاش ہائے مقتولین سے بھی سرد نہ ہوا تھا)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) میں رکھا تھا۔ انہوں نے مصلحِ اعظمؐ کے خلاف ہمیشہ معاندانہ کینہ رکھتے ہوئے انہیں مصائب سے ہمکنار کیا تھا جو آخر کار آنحضرتؐ کے وطن کو خیر باد کہنے پر منتج ہوا۔ اس قبیلہ نے پوری کوشش کی تھی کہ اس دین کو جنم لیتے ہی کچل ڈالیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے یہ لوگ آخری دم تک آنحضرتؐ سے برسرِ پیکار رہے۔ آپس میں سختی سے متحد ہوتے ہوئے اور قبائلِ 'مضر' کے درمیان، جن کے یہ لوگ نہایت اہم حصہ دار تھے، اہم ترین اثر رکھتے ہوئے بنی امیہ غیرمخفی حسد کے جذبہ کے ساتھ اپنی طاقت وثروت واقتدار کو اپنے ہاتھوں سے نکلتے ہوئے بے بسی سے دیکھ رہے تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد انہیں حقائق کو بہرحال تسلیم کرنا پڑا لیکن ایسا کرتے ہوئے انہوں نے کبھی اسلام یا ابنِ عبدؐاللہ (جنابِ رسولؐ خدا) کو اپنی اس تباہی ونامرادی کے لئے معاف نہ کیا جو ان پر واقع ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کی عظیم شخصیت کے مقابلہ میں تمام مخالفین خوفزدہ رہے......رسولؐ اکرم کے پہلے دوخلفاء نے ان کے عزائم کو ان کی حدود میں رکھا اور ان کی تمام سازشوں اور غاصبانہ حکمتِ عملی کو بھی دبائے رکھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے برسرِ اقتدار آتے ہی یہ لوگ اس طرح مدینہ پر یورش کر آئے جس طرح گدھ اپنے شکار کی بوسونگھ کر دور دور سے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کا تختِ خلافت پر متمکن ہونا بنی امیہ کی اسلام دشمنی کے آتش فشاں کے پھٹنے کا باعث بن گیا، ان کی بدکرداری نے اسلامی دنیا کے آخری رگ وریشہ کو بھی نچوڑ کر رکھ دیا، اور اس طرح انہوں نے اسلام کی بہترین اور قیمتی جانوں کو نیست ونابود کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں ان کے دو پیش رو خلفاء کے طریقِ کار اور امورِ انتظامیہ کی مکمل مخالفت نظر آتی ہے جن کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کا انہوں نے عہد کیا تھا.....تمام اہلِ اعتماد عہدے اور مالی حالات پر بنی امیہ کا قبضہ ہوگیا۔ صوبوں کی حکومت ان لوگوں کے حوالہ کردی گئی جنہوں نے ہمیشہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا، حتیٰ کہ خزانہ کو بھی انہی لوگوں کے لئے خالی کردیا گیا۔ (ص ۲۸۱،۲۸۲)

مؤرخ آسبرن (Osborn) کہتا ہے: ''بنی امیہ کا پہلا خلیفہ انتہائی بداندیش اور بے رحم تھا، اپنی قوت واقتدار کے حصول کی خاطر کسی طرح کے جرائم سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ قوی مخالفین کو راستہ سے ہٹانے کیلئے قتل اس کا ایک عمومی ہتھیار تھا....اپنے (جاری)

۴۔ افکارِ عمومی

آیئے اب افکارِ عمومی اور اُن کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

61ھ کا زمانہ ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو تقریباً پچاس برس گزر چکے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کو بھی بیس سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ سربراہانِ اسلام اور صدرِ اسلام کے مجاہدین اپنی زندگیاں ختم کر کے زیرِ خاک آرام کناں ہیں۔ حضرات سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ اور دیگر ایسے ہی مقتدر اصحابِ رسولؐ کے بارے میں بھی اب کوئی کچھ نہیں جانتا۔ تقریباً نصف صدی سے عوام الناس مختلف وضع حالات کے خوگر ہو چکے ہیں۔ اب وہ وقت ہے جب انہوں نے اصولِ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بیٹے یزید کی تخت نشینی کے حصول کے لئے اس نے حضرت علیؑ کے باقی ماندہ فرزند حسینؑ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو توڑ ڈالنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی......"

یہی مؤرخ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "A Short History of the Saracens" میں اسی موضوع پر لکھتا ہے:

"Unfortunately, under Osman, there was a complete reversal of the main features of his great predecessor's policy. He not only removed the efficient and capable governors whom Omar had placed in charge of the Provinces, but, in order to gratify the grasping demands of his kinsmen, made a new distribution of the appointments. The state domains, which were public property, were granted by this ill-advised Caliph to his relatives. In this way Myawiyah obtained all the public lands in Syria and in part of Mesopotamia. The Sawad, which was sacredly reserved by Omar for the purposes of the State, was given to another kinsman. The State treasury, which was a public trust under Abu Bakar and Omar, was emptied time after time for these unworthy favourites and the wealth of the provinces went to enrich the Ommayyades, and to help them in preparing for the struggle for power." __ p.p. 59-60.

"With the accession of Osman, the old gay and reckless life was resumed by many of the patrician youth, belonging chiefly to the Ommayade family. His own nephew started a gambling club, and the seranading of (جاری)

اسلام کواور قسم کی زبانوں سے سنا اور اسی کے مطابق ان کی توجیہہ کر رہے ہیں۔ علیؑ و خاندانِ علیؑ کے بارے میں نہایت قبیح و نامبارک تصور پیدا ہو چکا ہے۔ نوبت یہ آن پہنچی ہے کہ لوگ اب اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ان احادیث اور اقوالِ رسولؐ کا ذکر ہی نہ کیا جائے جو علیؑ اور خانوادۂ علیؑ کے لئے وارد ہوئی ہیں تا کہ ایسے تمام اقوال جو ان حضرات کے اوصاف کو بیان کرتے ہیں زینتِ طاقِ نسیاں ہو کر ذہنوں سے محو ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ladies again became the fashion. The frivolity of Mecca was reproduced in a worse form at Damascus under the Ommayyades". __ p.p.66-67

"Upon the abdication of Hasan, Muawiyyah became the defacto ruler of Islam. Thus, by one of the strongest freaks of fortune recorded in history, " 'did the persecutors of Mohammad usurp the inheritance of his children, and the champions of idolatory because the supreme heads of his religion and empire'. The seat of government, which Ali had fixed at Kufa, was now removed to Damascus, where Muawiyyah surrounded himself with the pomp and pageantry of the Persian and Byzantine monarchs. Like the Borgias and the Medicis in later times, he frequently resorted to poison and the dagger to remove an inconvenient enemy or an impossible friend. Neither claims of kinship nor services to Islam formed any protection". ___ p.71.

"The accession of Yazid gave the death-stroke to the republican principle that 'the Commander of the faithful should be elected by the plebiscite of the people, _____a principle to which the Arabs were so devoted, and which had led them to ignore the right of the Prophet's family to the spiritual and temporal headship of Islam.......'

"Yazid was both cruel and treacherous; his depraved nature knew no pity or justice. His pleasures were as degrading as his companions were low and vicious. He insulted the ministers of religion by dressing up a monkey as a learned divine and carrying the animal mounted on a beautifully caparisoned Syrian donkey wherever he went. Drunken riotousness prevailed at court, and was naturally initiated in the (جاری)

افرادِ قوم کی دو نسلیں گزر چکی ہیں اور اس طویل مدت میں اصولِ اسلامی میں امتِ مسلمہ کے لئے لاتعداد احمقانہ غیرِ اسلامی شعار داخل کئے جا چکے ہیں جن پر عام مسلمان عمل پیرا ہیں۔ اصولِ اسلام کے مسخ کرنے والے لوگوں نے اپنے زورِ بیان سے غاصبانِ حقوقِ اہلِ بیتؑ کے لئے ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ وہ اب اُن تمام باتوں کی تائید کر رہے ہیں۔ یہ امور بذاتِ خود دشمنانِ اسلام کے کمینہ پن و بے حیائی و بے شرمی کے مظہر بن چکے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

streets of the Capital." __ p.83.

(ترجمہ): بدقسمتی یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے تحت ان کے عظیم پیش رو کے طریقِ کار کو بالکل تہ و بالا کر دیا گیا۔ انہوں نے نہ صرف حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ لائق اور عقلمند عاملوں کو تمام صوبوں کی حکومتوں سے ہٹا دیا بلکہ اپنے رشتہ داروں کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو پورا کرنے کیلئے ایک نیا سلسلۂ عوامل اختیار کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے عہدہ جات جو عام مسلمانوں کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اس غلط مشیر خلیفہ نے اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس طرح امیر معاویہ کو شام اور میسوپوٹامیہ میں تمام سرکاری علاقہ جات کا قبضہ حاصل ہو گیا۔ لہٰذا 'سواد' جس کو حضرت عمرؓ نے تقدس کے طور پر حکومت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا، اپنے ایک اور رشتہ دار کو دے دیا۔ خزانۂ عامرہ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک قومی امانت ہوا کرتا تھا، وہ خلیفہ کے نااہل رشتہ داروں اور منظورِ نظر افراد میں بار بار خالی ہو جاتا تھا جبکہ صوبوں کی دولت بنی امیہ کو دولتمند بنانے اور ان کے لئے طاقت وقوت کے حصول پر صرف ہوتی تھی۔ (ص ۵۹-۶۰)۔

حضرت عثمانؓ کے تختِ نشین ہوتے ہی پرانا طرزِ زندگی پُر از تعیش و محفل ہائے انبساط نوجوان طبقہ نے دوبارہ شروع کر دیا جو بالعموم بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خود خلیفہ کے ایک بھتیجے نے ایک قمار خانہ قائم کیا اور خواتین کی رقص و سرود کی محفلیں عام طور پر رواج پا گئیں۔ مکہ کے دورِ کفار کی ہرزہ سرائیاں اپنی بدترین صورت میں دمشق میں عہدِ بنی امیہ میں اختیار کر لی گئیں...... ص ۶۶،۶۔

امام حسنؑ کی دستبرداری کے بعد امیر معاویہ مسلمانوں کا مطلق العنان خلیفہ بن گیا۔ اس طرح تاریخ کا یہ المناک و عجیب ترین حادثہ وقوع پذیر ہوا کہ ''وہ لوگ جو رسولِ اکرم کے لئے بدترین مصائب و آلام کا باعث بنے تھے آنحضرتؐ کی اولاد سے ورثۂ رسولؐ کو غصب کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بت پرستی کے توانا و طاقتور نمائندگان آنحضرتؐ کے دین کی سرداری پر متمکن ہو گئے''۔ مملکتِ اسلامیہ کا دارالخلافہ جسے حضرت علیؑ نے کوفہ میں منتقل کر دیا تھا اب دمشق میں منتقل ہو گیا جہاں امیر معاویہ نے ایرانی و بازنطینی حکمرانوں کی پوری شان و شوکت کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ انہی غیر اسلامی اربابِ اختیار کی طرح امیر معاویہ نے اپنے تنگ کرنے والے دشمنوں یا متفق نہ ہو پانے والے دوستوں کو راستہ سے ہٹانے کیلئے زہر اور تلوار کا استعمال عام کر دیا اور اس مقصد کے حصول کیلئے ان کے دورِ حکومت میں نہ تو کسی قسم کی رشتہ داری کا کوئی لحاظ تھا اور نہ ہی اسلام کی سابقہ خدمات کسی طرح بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کرتی تھیں (ص ۷۱)۔ (جاری)

حیلہ سازی کا ماحول

ثانیِ زہراؑ کے دورِ زندگی کے ماحول کی خصوصیت صفحاتِ تاریخ سے یہ سامنے آتی ہے کہ وہ ایسا ماحول تھا جس میں اربابِ اقتدار حیلہ سازی وسیاسی شعبدہ بازی کے ذریعہ عوام الناس کے قلوب واذہان کو اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ اس سیاست نے عقولِ عوام پر ایسے پردے ڈال رکھے تھے جنہیں اس مخدومہ کے پدرِ بزرگوار یا برادرانِ ذی وقار ہٹا نہیں سکتے تھے۔ ان پردوں کے ہٹانے کی صورت صرف خونِ سید الشہداء علیہ السلام اور اسلام کی حیاتِ ثانیہ کے لئے شہزادی کی اپنی جدوجہد ہی ہو سکتی تھی۔ عوام الناس کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ ایک اسلام کا نمائندہ امیر معاویہ اور دوسرے اسلام کے نمائندہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ وہ کسی کو اختیار کرلیں یا دونوں میں کسی کے دامن سے منسلک ہو جائیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگوں

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

یزید کی تخت نشینی اس اصولِ جمہوریت کے لئے کہ امیر المومنین کا انتخاب عوام کے حقِ خود ارادیت کے ذریعہ ہونا چاہئے، پیغامِ موت واقع ہوئی۔ یہ ایسا اصول تھا عرب جس کے اسقدر شیدائی و پابند تھے کہ اس کے پیشِ نظر انہوں نے اولادِ رسولؐ اکرم کے روحانی و دنیوی حقوق تک کو نظر انداز کردیا تھا......

''یزید ظالم بھی تھا اور باغی ودغا باز بھی۔ اس کی بد اخلاق فطرت رحم وانصاف سے بالکل عاری تھی۔ اس کے پسندیدہ مشاغل اتنے ذلت آمیز تھے جتنے ذلیل و بدقماش اس کے ہم جلیس تھے۔ وہ علماء کے ساتھ اس طرح ہتک وتوہین آمیز سلوک کرتا کہ ایک بندر کو عالمِ دین کا لباس پہنا کر شام کے خوب سنوارے ہوئے گدھے پر سوار کر کے جہاں بھی جاتا اپنے ہمراہ رکھتا۔ اس کے دربار میں شراب خوار شور وغوغا کرتے اور ظاہر ہے کہ اس کے دار الخلافہ کے کوچہ وبازار میں بھی یہی کچھ ہوتا تھا.....'' ص 83۔

متذکرہ بالا مندرجات ملکِ شام کے حالات کو سمجھنے کیلئے کافی ہوں گے بالخصوص یہ جاننے کیلئے کسی مزید کاوش کی ضرورت نہیں کہ وہاں کس قسم کا اور کون سا اسلام رائج تھا۔ یہ اسلام وہاں کے عوام کو بانیانِ اسلام سے کس قدر دور لے جارہا تھا اور کن حالات سے ثانیِ زہراؑ کو گزر کر دنیا بھر کو بتلانا تھا کہ رسولؐ اکرم کے لائے ہوئے اسلام اور وہاں کے مروجہ اسلام میں کوئی قدرِ مشترک تھی بھی یا نہیں۔ اس فرق کو سمجھنے کیلئے تاریخ کے ان اوراق وحالات سے گزرنا ہوگا جن کے تحت شام کی خالد بن ولید کے ہاتھوں وہاں کی حکومت کیلئے آلِ ابو سفیان کو استمراری حکم نامہ حاصل ہوگیا اور وہاں کے عامل نے مقتدر اصحابِ رسولؐ مثلاً حجرؓ بن عدی، ابوذرؓ وغیرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا، ان حضرات کا کیا قصور تھا جس کی وجہ سے اوّل الذکر کو مع اس کے ساتھیوں کے بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا جبکہ مؤخر الذکر خلیفۂ وقت کے ہاتھوں امیر معاویہ کی شکایت کے نتیجہ میں مدینہ سے جلاوطن ہوکر ربذہ کے غیر آباد مقام پر اپنی زندگی کے آخری ایام گزارنا (جاری)

کے ذہنوں میں تصورِ دین کی کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ امیر معاویہ نے ہفتہ کے وسط میں لوگوں کونمازِ جمعہ کے لئے طلب کرلیالیکن کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا (حکومت امیر المومنین کے خلاف عوامل میں سے ایک عمل یہ بھی ظہور پذیر ہوا)۔

بہت سے ایسے موارد بھی سامنے آتے ہیں جہاں مظلومیت کی نمائش کی گئی۔ اسکی ایک مثال اپنے زمانہ خلافت میں کئی مواقع پر حضرت ابوبکر کا گریہ فرمانا ہے۔ اسی طرح جنگ صفین میں فریاد کے طور پر قرآن کا نیزوں پر بلند کرنا ایسی ہی مظلومیت کا بہانہ بنانا ہے(عمر بن عاص کی یہ تجویز بطور حیلہ و بہانہ اختیار کی گئی تھی)۔ لوگوں کے ذہن سوچ سے اس قدر عاری ہو چکے تھے کہ وہ اس سیاسی شعبدہ کی گہرائی کو سوچنے کے اہل ہی نہ رہے تھے کہ اس کو تسلیم نہ کرتے۔

ان سیاسی حیلہ سازیوں کے متابلہ میں امیر المومنین علیہ السلام اور آپ کے افرادِ خاندان نے گوشہ نشینی ہی کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں ان حضرات کے حقوق پامال ہوئے۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو ایسے بہانوں کی مدد سے معاشرہ سے ہٹایا گیا، بہانہ یہ ہوا کہ فدک کی آمدنی کو محروم و مستحق لوگوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر عوام کو دخترِ رسولؐ کے خلاف متحرک کیا گیا جس کے نتیجہ میں فدک اُن کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس طرح حقِ زہراؑ کو پامال کیا گیا اور اسی قسم کی بہت سی اور کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔

عام زندگی کی پستی وابتذال

حکام کے اختیارات مکاری وفریب کاری کا منبع تھے۔ عوام الناس سے بے شمار وعدے کئے جاتے لیکن عوام کو کچھ بھی نصیب نہ ہوتا۔ صرف شام و کوفہ کے مخصوص عوام کو، وہ بھی جو امیر معاویہ کے خیر خواہ ہوتے، اس قدر دیا جاتا کہ جس سے وہ کاروبارِ زندگی بہ آرام انجام دے سکتے۔ ایسے لوگوں کو فسق و فجور عیاشی کی کھلی اجازت تھی حالانکہ یہ لوگ بھی دوسروں کے مال و دولت کو فسق و فجور ہی میں اڑاتے تھے جبکہ نیک و پاک لوگوں کے قلوب ان عیاشیوں کو مشاہدہ کر کے خون کے آنسو بہاتے تھے۔ اس طرزِ عمل کی جہاں مخالفت پائی جاتی اس کی شدت وظلم کے ساتھ سرکوبی کی جاتی۔ زمانہ کی اصطلاح کے مطابق ایسے

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) پڑے۔ مروان جیسا دشمنِ اسلام برسرِ اقتدار آ گیا جس کو اللہ کے رسولؐ نے حدودِ مدینہ سے نکال دیا تھا اور جسے اُن خلفاء نے ان حدود سے اور دُور کر دیا جن کی سیرت پر عمل کرنے کا تیسرے خلیفہ نے وعدہ کیا تھا اور جس وعدہ کی بنا پر انہیں خلافت ملی تھی۔

اس کتاب کے قارئین کو ان سب حالات کو سامنے رکھ کر دیکھنا ہوگا کہ سیدہ طاہرہؑ کی نورِ نظر علیؑ کی لختِ جگر اور سید الشہداءؑ کی عظیم خواہر کو سالارِ قافلہ کی حیثیت اور اسلام کی سر بلندی، اپنے نانا کے دین کی حیاتِ ابدی کی خاطر جن حالات سے گزرنا تھا، ان کی سنگینی کا معیار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مزید حالات درجہ بدرجہ سامنے آتے رہیں گے۔ انشاءاللہ

لوگوں کے لئے غیب سے تیر آجاتے اور کبھی نظر نہ آنے والے جنات کی افواج سے کام لیا جاتا تھا (سعد بن عبادہ کو بیابان میں قتل کیا گیا اور لوگوں سے کہا گیا کہ انہیں جنات نے مار ڈالا ہے)۔ امیر معاویہ ایسے افراد کو تحائف کے بہانہ زہر دلا دیتے (معاویہ کا مشہور جملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد میں بھی اپنے سپاہی رکھے ہوئے ہیں) اور اس طرح اپنے دشمنوں سے نجات پا لیتے۔

امام حسین اور سیدہ زینب علیہا السلام کے زمانہ کے لوگ ایسے گلّوں کی مانند تھے جو تندخو، ظالم گلہ بانوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ یہ گلہ بان کبھی کبھی اپنی شان اور قوت کے مظاہرہ کی خاطر اپنے گلّوں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ جہاں کہیں لوگ سست اور نرم خو ہوتے، یہ گلّوں کو پھیلا دیتے اور جہاں حکام سست اور نرم خو ہوتے تو لوگ خود اس سے فائدہ اٹھاتے۔ عوام اپنے فرائض سے واقف نہ تھے بلکہ ضروریاتِ دین کو اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے۔ لوگوں کا کوئی ہادی و رہبر نہ تھا۔ درحقیقت عوام کے پاس زندگی تھی ہی نہیں بلکہ پستی و ناقدری ان کا حصہ تھیں۔ لوگ خواری و بے بسی، خموشی و بدعہدی کا شکار تھے۔ اکثر حالات میں اپنی جان و ہستی کے خطرہ میں گرفتار، طوفانِ حوادث میں گھرے ہوئے بے روح اجسام کی مانند تھے۔ یہ لوگ اربابِ اقتدار کی سرزنش، تحقیر اور ان کے جائز و ناجائز احکام کی پابندی کے خوگر تھے۔ کوفہ جیسے مقامات کے ماحول کا یہ حال تھا گویا ابھی ابھی بخار چڑھا ہو اور پھر تھوڑی دیر بعد پسینہ میں تر ہو چکے ہوں۔ لوگ یکدم جوش میں آجاتے اور فوراً ہی پشیمان بھی ہو جاتے۔ ان کا نہ تو کوئی واضح نصب العین تھا اور نہ ان میں استقامت کا کوئی شائبہ پایا جاتا تھا۔

عمومی پستی و فرومائیگی

عوام الناس بہت تیزی سے اسلام کی فطری بلند نظری سے دُور ہو گئے تھے اور مزید ہوتے جا رہے تھے۔ یہ دُوری انہیں بتدریج پستی و ذہنی فرومائیگی کی طرف لے جا رہی تھی۔ طولِ تاریخ میں ہم اس پستی کا دشمنانِ خاندانِ امیر المؤمنین علیہ السلام میں زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اس دور کو نامردی، نجاست اور فریب کا دور کہا جا سکتا ہے۔ آزادی و انسانیت فنا و نابود، حریتِ فکر مفقود اور ان تمام اقدار کی فضیلت و ضرورت پر تاریک سائے پھیلتے چلے جا رہے تھے۔

دشمن علی الاعلان ظاہر ہو کر کینہ و بغض کے زیرِ اثر احساسِ برتری و غلبہ کی خاطر ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب بے دریغ کرتے تھے بلکہ بدترین و پست ترین جرائم و عصیان کی پشت پناہی کی جاتی تھی۔ ایک مُٹھی گندم یا جَو کے بدلہ اور سربراہ کمزور لوگوں پر حکمرانی کی خاطر مہمان کُشی، ترکِ بیعت جیسے اور دیگر ایسے ہی امور کے مرتکب ہوتے کہ عرب کی تاریخ میں جن کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی تھی۔

لوگوں کی پستی و کمینہ فطرت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ روزِ عاشور کچھ لوگ خوشامد کے طور پر خود اپنی رضا و رغبت سے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہداء کے اجساد کو پامالِ سُم اسپاں کیا تا کہ اُن پر مہمان کُشی کی تہمت و خفت قائم نہ ہونے پائے۔ عرب مہمان کُشی کو ننگِ عظیم جانتے تھے لیکن اُن لوگوں نے اپنے اس رواج و طریق کی کوئی پرواہ نہ کی، مہمانوں کو قتل کیا لیکن بلا وجہ و بے قصور اور یہ سب اس طرح سرانجام دیا گویا وہ نسلِ علیؑ کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ کر کے آئے تھے۔ ہم تو ظلم کی کیفیت کی یہ انتہا دیکھتے ہیں کہ انہوں نے طفلِ شیر خوار تک کو رحم کے قابل نہ جانا۔

حکام پست و کمینہ خو

دنیائے اسلام کا کاروبار اب پستی کی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ پست ہمت اور کمینہ نسل کے حکام لوگوں کے امیر بن گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں علیؑ و فرزندانِ علیؑ کے خلاف بدترین کینہ و بغض کو پال رہے تھے۔ انہوں نے قلبِ سیدہ فاطمہؑ کو خون کے آنسو رلایا، نہ چاہا کہ ٹھنڈے پانی کے چند قطرے گلوئے علی اصغرؑ تک پہنچ پائیں اور پھر اولادِ رسولؐ اکرم کیلئے ہر قسم کی اقدارِ انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

قارئینِ کرام! ذرا اس واقعہ پر غور کریں کہ ابنِ زیاد ملعون سیدہ زینبؑ جیسی مصیبت زدہ و ستم کشیدہ خاتون کو نشانۂ ظلم بناتا ہے، انہیں طعن و سرزنش کرتا اور اُن کے برادران و عزیزان کے قتل کو اپنے لئے تسکینِ قلب قرار دیتا ہے (زندگانیٔ امام حسینؑ ص:712)۔ امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے سامنے چھڑی سے سرِ امام کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے اور شہادتِ حسینِ مظلوم کو اپنی فتح قرار دیتا ہے۔

اس کمینہ پن کا دوسرا مظاہرہ ہم دربارِ یزید میں دیکھتے ہیں۔ سرِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام منگوایا جاتا ہے۔ کتنا ظلم ہے کہ لب و دندانِ مبارک پر چوب زنی کی جاتی ہے اور وہ بھی سیدہ زینبؑ اور حسینِؑ مظلوم کی روتی ہوئی بیٹیوں کی آنکھوں کے سامنے، جبکہ سید الشہداء علیہ السلام کی نہایت خورد سال بیٹی بے بسی کے عالم میں ثانیِ زہراؑ کی طرف دیکھتی اور باچشمِ گریاں پوچھتی ہے کہ پھوپھی جان آخر یزید یہ ظلم کیوں کر رہا ہے؟

اس ماحول میں پیامِ حسینؑ کا اعلان

یہ حالات دعوتِ فکر مہیا کرتے ہیں کہ ایسے ماحول میں امام حسینؑ احتجاج و مبارزہ کے لئے قیام فرماتے ہیں اور شہادت قبول کرتے ہیں۔ پھر یہی ماحول مقتضی ہے کہ سیدہ زینبؑ حسینِ مظلوم کو خون و شہادت کا پیغام لوگوں کے کانوں تک پہنچائیں۔

ثانیِ زہراؑ کی عظمت اسی کارکردگی وپیغام رسانی سے روشن ہے اور خدا گواہ ہے کہ یہ کام کس قدر دشوار وکٹھن وصبر آزما تھا۔

کیا اولادِ علیؑ کا یہ انجام، جو بانیان و مالکانِ اسلام تھے، لازم وضروری تھا؟ اگر ثانیِ زہراؑ یہ اقدام نہ کرتیں تو ہم آج کیسے اسلام سے متعارف ہوتے؟ کیا یہ سب بے ادبیاں اور گستاخیاں مستقل نہ ہو جاتیں؟ پھر اس صورت میں فرائضِ اسلام کی کیا صورت باقی رہ جاتی؟ (بنی اُمیہ کی حکومت کے آغاز، ان کی دشمنیٔ اسلام و بانیٔ اسلام، دشمنیٔ اہلِ بیتِ رسولؐ کیلئے کتاب ''زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' مؤلفہ عمادزادہ ملاحظہ فرمائیں)۔

۱۔ ثانیِ زہراؑ کا مقامِ علم و فراست

ثانیِ زہراؑ عالمہ و فاضلہ ہیں۔آپ نے خانۂ علم میں آنکھ کھولی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ مبارک میں پرورش پائی جو خود شہرِ علم ہیں، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسے عظیم باپ کی سرپرستی سے بہرہ مند ہوئیں جو باب العلم ہیں۔(اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَا بُھا: حدیث)

جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا جیسی والدۂ گرامی کی گود میں سنِ رشد کو پہنچیں، جو فاضلۂ زمانہ و معصومہ ہیں، اُن کے بعد امام حسن و امام حسین علیہما السلام جیسے بھائیوں کے ساتھ رہیں جو دونوں امامانِ معصوم اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم وحی رکھنے والے ہیں۔ان سب بزرگ ہستیوں کے بعد آپ اپنے بھتیجے سید الساجدین علی بن الحسین علیہ السلام کے ساتھ زندگی کا باقی حصہ بسر کرتی ہیں جو خود امامِ معصوم ہیں۔

ان حالات و اساس کے باعث آپؑ علم کے بلند مقام کی حامل ہیں 1۔

1۔سیدہ زینبؑ کی پاکیزہ ومقدس زندگی کے علمی پہلو صفحاتِ تاریخ پر نمایاں مقام رکھتے ہیں۔مختصراً عرض ہے کہ:

(ا)۔صنفِ نسواں کی علمی و عملی تربیت کیلئے آپ نے ایک پاکیزہ محفلِ درس قائم کی جس میں آپ خواتین کو قرآنی حقائق سے آگاہ کرتی اور دینِ مقدسِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرواتی تھیں (زینبؑ الکبریٰ، ص ۳۵)۔

(ب) علامہ طبرسیؒ نے لکھا ہے کہ سیدہ زینبؑ نے اپنی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی زبانِ مبارک سے سنے ہوئے علمی جواہر پارے بھی کثیر تعداد میں لوگوں تک پہنچائے۔

(ج) شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ حضرت زینبؑ امامِ وقت کی نیابت میں لوگوں کی رہنمائی و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کی شفایابی تک شیعانِ اہلِ بیتؑ اپنے تمام دینی مسائل اور حلال وحرام کے احکام میں سیدہ زینبؑ کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔

(د) حضرت زینبؑ کی شان میں امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ آپ علم و دانش میں وہ مقام رکھتی تھیں کہ انہیں دنیا کے اربابِ دانش کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور فہم وادراک کی اُس منزل پر فائز تھیں کہ انہیں کسبِ فیض کیلئے کسی صاحبِ فکر ونظر کی دہلیز پر جھکنے کی احتیاج نہ تھی۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۱۳)

آپؑ کو پاک ماحول و آغوشِ عصمت حاصل ہوئی اور آپؑ کا مرتبہ آپؑ کے معصوم بھائیوں کی ولایت کے قریب جا پہنچتا ہے[1]۔ ثانیِ زہراؑ ہمیشہ دانش وفضیلت کے جواہر کی جمع آوری میں سرگرمِ عمل رہتی تھیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے لئے بے شمار کمالاتِ علم وفضل جمع کئے اور آپ کی کیفیتِ علم یہاں تک پہنچی کہ بہت سے دانشور جن میں ایک ابن حجر بھی ہیں، یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آپ ناقلِ روایات واحادیث ہیں (الاصابہ)۔

سیدہ زینبؑ نہایت خردمند اور صاحبِ درایت مخدومہ تھیں۔ سیوطی کہتے ہیں:

"وَكَانَتْ لَبِيْبَةً وَعَاقِلَةً لَهَاقُوَّةُ جِنَانٍ". (رسالۂ زینبیہ).

یعنی آپ خردمند و تیز بین مخدرہ، قوتِ ادراک واستنباط میں قوی تھیں۔ یہ باتیں جناب کی شان میں صرف کتبِ شیعہ ہی میں نہیں بلکہ اہلِ سنت حضرات کے یہاں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔

نقلِ روایات واحادیث از سیدہ زینبؑ

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا خود روایات واحادیث کی ناقل ہیں۔ علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی علمی روایات اپنی مادرِ گرامی سے نقل کی ہیں جو حصۂ تاریخ ہیں (اعلام الوریٰ)۔

ابوالفراج اصفہانی لکھتے ہیں:

"هِيَ الَّتِيْ رَوىٰ اِبنُ عَبَّاس عَنهَا كَلَامُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَاالسَّلام فِي فَدَكَ فَقَالَ حَدَّثَتنِيْ عَقِيلَةُ زَيْنَب بِنْتِ عَلِي". (مقاتل الطالبين).

یعنی آپ ہی سے ابنِ عباسؓ نے فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا قول روایت کیا اور کہا کہ عقیلہ زینبؑ نے مجھ سے بیان کیا۔

ان روایات میں بہت سی احادیث مذکور ہیں، مثلاً حدیثِ اُمّ ایمنؓ، (فاطمہ زہراؑ: ص529) فدک میں حقِ فاطمۃؑ الزہرا سلام اللہ علیہا کا نہ دیا جانا (ریاحین الشریعہ، ج3، ص37) محمد بن علی طوسی کے رقم کردہ سیدہ طاہرہؑ کے لئے غذائے بہشت کے نزول کی روایت (ثاقب المناقب)، آپ کے پدرِ بزرگوار کی تدفین کا واقعہ، نمازِ شب میں پڑھی جانے والی جناب

1۔ شارب غدیری نے خوب کہا ہے:

شعورِ عشقِ الٰہی کی آبشار ہے تو — حریمِ فکرِ محمدؐ کی پاسدار ہے تو
تو اپنے باپ کی زینت، اے زینبؑ کبریٰ — نبوت اور امامت کا شاہکار ہے تو

سیدہؑ عالم کی دُعا وغیرہ۔

علاوہ ازیں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے بہت زیادہ روایات رسولؐ اکرم، اپنی مادرِ گرامی، اپنے بھائیوں، حضرت اُمِ سلمہؓ اور اپنی پھوپھی ام ہانیؓ سے نقل کی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے بزرگوں نے اُن سے آگے اقوال نقل کئے ہیں جن میں امام زین العابدین علیہ السلام، عبداللہ ابنِ جعفر، فاطمہؓ بنت الحسین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں لاتعداد روایات ایسے واقعات کی موجود ہیں جن کی توثیق واصابت ثانیِ زہراؑ سے ہوتی ہے، مثلاً امیر المومنین علیہ السلام کی وصیت اور تدفین کے بارے میں آپ کی ہدایات، امیر المومنین علیہ السلام سے سیدہ طاہرہؑ کی اپنے دفن کے بارے میں وصیت، نیز یہ کہ جب سیدہ طاہرہؑ دنیا سے تشریف لے جا رہی تھیں تو اُن کی اپنے غسل وحنوط کے متعلق ہدایات، نیز تمام وہ روایات جو سیدہ زینبؑ نے اپنی والدۂ گرامی کے حوالہ سے بیان فرمائی ہیں، ان سب سے تمام مؤرخین نے اتفاق کیا ہے (المجدی، ص18)۔

منبعِ علم ثانیِ زہراؑ

حصولِ علم کے سلسلہ میں ثانیِ زہراؑ کا دامن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امامانِ معصوم علیہم السلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ مقامِ نزولِ وحیِ خدائے لایزال کے ساتھ متصل ہیں۔ پس اس صورت میں کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی اگر ہم کہیں کہ آپ کا تمام علم وفضل، تمام علمی مشکلات پر ہر طرح حاوی ہے (فاطمہ زہراؑ، ص644)۔

فاضل دربندی مرحوم ثانیِ زہراؑ کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''سیدہ زینبؑ علم رؤیا کی حامل تھیں اور زندگی کی آزمائشوں سے خبردار تھیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیفیت میثمِؒ تمار اور رشید ہجری جیسے اصحابِ امیر المومنین علیہ السلام کی مانند تھی (تاریخ عاشورا)۔

علوم ومعارف کے بارے میں آپ کے متعلق یہ کہنا کسی طرح حقیقت سے کمتر نہ ہوگا کہ یہ دریائے علم سمندرِ علم سے ملحق اور متصل تھا کیونکہ آپ کا میدانِ علم چشمۂ خدائے لایزال سے سیراب ہو رہا تھا۔

آپ نے مباحث میں وہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں جن سے علومِ زمانہ کے مباحث تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ علومِ معاشرہ میں آپ کے اقوال حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے عصرِ روزِ عاشورہ یا گیارہ محرم کی صبح کے قتل گاہِ امام حسین علیہ السلام واصحابِ حسینؑ میں فرمودہ اقوال وہ باتیں ہیں جو اس علم میں آج تک سند تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ نے امام حسینؑ کی لاشِ مبارک پر اس قسم کے الفاظ بیان فرمائے:

''صَلّی عَلَیکَ مَلا ئِکَۃِ السَّمَاءِ،بِاَبِیْ مَنْ.....فُسطَاطُہٗ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ لَھَبا.''

''میری جان تجھ پر قربان! اے وہ کہ جس کی خیمہ گاہ کو روزِ دوشنبہ تاراج کیا گیا''۔

اس بات میں ثانیِ زہراؑ کا اشارہ سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف ہے جب حقیقی خلیفۂ رسولؐ کے طور پر حقِ علیؑ کو روک لیا گیا جس کا اثر پچاس برس بعد شہادتِ حسینؑ اور اولادِ رسولؐ کی اسیری کی صورت میں اپنے انجام کو پہنچا۔

سید الساجدین علیہ السلام کی تائید

سید الساجدین علیہ السلام سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے بھی امام ہیں۔ امامؑ نے ثانیِ زہراؑ کے مقامِ علمی کی تائید فرمائی ہے۔ آپؑ نے سن رکھا تھا کہ اہلِ بیتؑ کی اسیری کے سلسلہ میں سیدہ زینبؑ جب اپنے ہمراہی دیگر اسیروں کے ساتھ واردِ کوفہ ہوئیں تو آپ نے کوفیوں سے ملامت خیز باتیں کیں، اپنی تقریر میں انہیں اپنے مصائب و آلام کا ذمہ دار قرار دیا۔ ابھی آپ کی تقریر جاری تھی کہ سید الساجدین علیہ السلام نے آپؑ کے خطاب کو قطع کرتے ہوئے فرمایا:

''اَنْتِ بِحَمْدِاللّٰہِ عَا لِمَۃٌ بِلا مُعَلِّمَۃٍ، فَھِمَۃٌ غَیْرُ مُفَھِّمَۃٍ''.

یعنی ''پھوپھی اماں! بس کریں۔ الحمد للہ! آپ وہ دانش مند ہستی ہیں جس کو تکلیفِ مدرسہ و معلم کی ضرورت نہیں پڑی، آپ وہ فہمیدہ ہستی ہیں کہ کسی نے فہم و درایت کے ایسے اسباق حاصل نہیں کئے'' (مقتل الحسینؑ)۔

سید الساجدین علیہ السلام کے اس کلام سے ہی واضح ہو رہا ہے کہ ثانیِ زہراؑ کے کلمات الہامی زبان رکھتے ہیں اور آپ کا علم علمِ لُدنیّ سے مربوط ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا علوم و معارف پر اس قدر مضبوط دسترس کی مالک نہ ہوتیں تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اپنے مشوروں میں انہیں شامل کرتے، نہ ہی یہ ممکن تھا کہ آپ ہدفِ زندگی کے حصول کی راہ میں اس قدر عقلمندی و دور بینی سے پیش رفت کر کے اپنی عظمت کا اظہار فرماتیں۔

سیدہ زینبؑ کا مدرسۂ تدریسِ خواتین

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ ان ہستیوں میں سے ہیں جو تدریس و تفسیرِ قرآنِ کریم کی اہل تھیں۔ روایات و اسنادِ تاریخ اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قیامِ کوفہ کے دوران تفسیرِ قرآنِ حکیم کی خاطر شہزادی نے خواتین کے لئے ایک درس قائم کر رکھا تھا۔ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لے آئے اور دیکھا کہ آپؑ کی صاحبزادی تفسیرِ قرآن میں

مصروف ہیں۔ یہ مولاؑئے کائنات کی خلافت کا زمانہ تھا(خصائصِ زینبیہ، جزائری، ص 27)۔

کوفہ کی خواتین نے اپنے شوہروں کے ذریعہ حضرتؑ سے درخواست کی تھی کہ وہ چاہتی ہیں کہ سیدہ زینبؑ سے علم حاصل کریں (ریاض الشریعہ، ج3، ص 57)۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے شہزادیؑ سے پوچھا کہ سنا ہے کہ تم تفسیرِ قرآنِ مجید کرتی ہو۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرتؑ نے کٰھیٰعص سے متعلق کچھ نکات بیان فرمائے اور فرمایا کہ اس میں خاندانِ رسولؐ اکرم پر مستقبل میں آنے والے مصائب کی طرف اشارہ اور اس سے متعلق رموز شامل ہیں۔ آپؑ نے اُن مصائب کی تشریح کی اور گریہ فرمایا (خصائصِ زینبیہ، جزائری، ص 27)۔

امیرالمومنین علیہ السلام اپنی بیان کردہ تفسیر و تفصیل سے دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ کی نورِ نظر ان مصائب و آلام کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ جنابِ ثانیِ زہراؑ نے آپ سے عرض کیا کہ وہ ان تمام واقعات کی پہلے ہی اطلاع رکھتی ہیں کیونکہ ان کی مادرِ گرامی نے پہلے ہی انہیں ان واقعات کی خبر دے رکھی ہے۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام کا قلبِ مبارک صاحبزادی کے لئے مضطرب ہوا اور حضرتؑ اپنی بیٹی کے لئے دل گرفتہ ہوئے (سفینہ، ج1، ص558)۔

ثانیِ زہراؑ کے مقامِ علم کی نوعیت یہ ہے کہ بہت سے مسائلِ دینی جو جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہیں، ان کی نسبت سیدہ زینبؑ کی طرف دی جاتی ہے تاکہ امامؑ کی جان کو خطرہ لاحق نہ ہو اور یہ سلسلہ ایک یا دو بار، ایک یا دو دن کا نہیں بلکہ مسلسل ہے۔ اسی سے عظمتِ زینبؑ کی خبر ملتی ہے (فاطمہ زہراؑ، توفیق ابوعلم، ص 104)۔

ثانیِ زہراؑ کے خطاب کی عظمت

سیدہ زینبؑ کے مقامِ علم و فکر کی عظمت کا صرف دو شہروں کوفہ و دمشق میں آپ کی خطابت کے مطالعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ آپ کے ان خطابات کے درجۂ علمی و ادبی کا، اُن کے اختصار کے باوجود، مقام یہ ہے کہ اگر سیدہ زینبؑ نے انکے علاوہ اور کوئی مواقعِ علمی اپنے بعد نہ چھوڑے ہوتے تب بھی صرف یہ خطبات ہی آپؑ کے علمی و ادبی مقام کی بلندی کے اظہار کے لئے کافی ہوتے۔ یہ خطبات اس جلیل القدر مخدرہ کی زبان سے ادا ہوئے جو مصائب و آلام میں گھری ہوئی تھیں، اپنے عزیز ترین لوگوں کی شہادت کا غم و صدمہ دیکھ چکی تھیں اور اپنی محبوب ترین ہستیوں کے سوگ و ماتم میں جن کا دل گریاں و سوزاں تھا۔ آپؑ کے ان خطبات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیدہ زینبؑ کس حد تک تفسیر و معارفِ قرآنِ حکیم، تاریخِ اسلام، فقہ و ادب وغیرہ پر

عبور رکھتی تھیں۔ آپؑ کے خطبات ان تمام عناوین پر آپؑ کے عبور کو ظاہر کرنے کیلیئے کافی ہیں۔ ہم آئندہ مباحث میں کوشش کریں گے کہ آپؑ کے بیان کردہ خطبات کے کچھ نمونے ہدیۂ قارئین کریں۔

ثانیٔ زہراؑ کے شاگرد

سیدہ زینبؑ مدینہ یا کوفہ یا اس کے علاوہ کسی بھی اور مقام پر رہی ہوں، کسی زمانہ میں بھی تبلیغ اور اقدار انسانیت کے بیان سے غافل نہ تھیں۔ آپ نے بہت بڑی تعداد میں شاگردوں کی تربیت فرمائی۔ ان میں بعض وہ خواتین ملتی ہیں جن کے شوہر نظامِ حکمرانی و سیاست میں بہت اونچے مقام رکھتے تھے۔ اُن خواتین نے اپنے شوہروں کے اذہان پر مثبت اثرات چھوڑے اور اُن کی ذہنی بردباری میں بہت حد تک معاون رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم زینبؑ کبریٰ کے شاگردوں کی تعداد اور شخصیات کا احاطہ کرنے کی قوت نہیں رکھتے، تاہم بنظرِ اختصار ایک شخصیت کا ذکر کرتے ہیں، جن کا نام نامی حضرت فضہؒ ہے۔ یہ ثانیِ زہراؑ کی ایک شاگرد و کنیز تھیں۔ انکا نام فضہؒ ہے جو آپ سے پہلے آپ کی مادرِ گرامی جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت گزاری کا شرف بھی پا چکی تھیں۔

جنابِ فضہؒ بنیادی طور پر اہلِ ہند سے تھیں (مقاتل کی کتب میں جنابِ فضہؒ کا تعلق حبشہ سے بتایا گیا ہے۔ ممکن ہے مؤلف کو اشتباہ ہوا ہو، مترجم)۔

آپ ایک کنیز کے طور پر خانۂ جنابِ سیدہ طاہرۂ میں داخل ہوئیں۔ آپ ایک صالحہ خاتون تھیں، خاندانِ امیر المومنین علیہ السلام کی محبت و دوستی میں ممتاز تھیں، جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور حسنین علیہما السلام کے عشق میں سرشار تھیں۔ حسنین علیہما السلام ایک مرتبہ بچپن میں علیل ہوئے تو حضرت علی اور جنابِ فاطمہ علیہما السلام نے اُن کی صحت یابی کے لئے روزہ رکھنے کی نذر مانی۔ جنابِ فضہؒ نے بھی اس نذر میں شرکت کی (مجمع، ج 1، ص 404)۔

اس واقعہ میں جب خاندانِ جنابِ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا سامانِ افطار یتیم، مسکین اور اسیر کو بخش دیا تو جنابِ فضہؒ نے بھی ان معصومین کے اقدام میں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

عظمتِ جنابِ فضہؒ

روایات کے مطابق جنابِ فضہؒ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی وفات کے بعد بیس سال تک زندہ رہیں۔ دیگر اسنادِ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جنابِ فضہؒ اس کی نسبت بہت طویل عرصہ تک زندہ رہیں اور یہ روایات کربلا کے واقعہ میں آپ کی

موجودگی کو ثابت کرتی ہیں (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

جنابِ فضہ کی کوشش ہوتی تھی کہ تمام گفتگو آیات والفاظِ قرآن مجید میں کریں، حتیٰ کہ روزمرہ کی اپنی شخصی زندگی میں بھی آیاتِ قرآن ہی سے ہر بات کا جواب دیں۔ ہم اس بحث میں آپ کے اس معمول کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ابوالقاسم قشیری لکھتے ہیں: (مصباح الحرمین، ص63)۔

میں نے ایک خاتون کو صحرا میں دیکھا جو قافلہ سے پیچھے رہ گئی تھیں۔

میں نے پوچھا: ''آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟''

انہوں نے کہا:	وَقُل سَلَامٌ فَسوفَ تعلَمُون	پہلے سلام کرو، پھر بات جلدی سمجھ میں آئے گی۔
ابوالقاسم:	اس بیابان میں آپ کیا کر رہی ہیں؟	
خاتون:	مَنْ يَّهدِاللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُّضِلٍّ	یہ اشارہ تھا کہ میں راستہ گُم کر چکی ہوں۔
ابوالقاسم:	کیا آپ جنات میں سے ہیں یا انسان ہیں؟	
خاتون:	يا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُم عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ	اشارہ تھا کہ انسان ہوں۔
ابوالقاسم:	آپ کہاں سے آرہی ہیں؟	
خاتون:	يُنادُونَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيد	اشارہ تھا کہ بہت دور سے آرہی ہوں۔
ابوالقاسم:	کس طرف کا قصد ہے؟	
خاتون:	وَلِلّٰهِ عَلَى النّاسِ حِجُّ الْبَيْت	اشارہ تھا کہ مکہ کا قصد رکھتی ہوں۔
ابوالقاسم:	کیا کچھ کھانے کی حاجت ہے؟	
خاتون:	وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لا يَاكُلُونَ الطَّعَامَ	اشارہ کہ خواہش رکھتی ہوں۔

ابوالقاسم کہتے ہیں کہ میں نے انہیں کچھ کھانے پینے کو دیا اور عرض کیا کہ تیز چلیں تا کہ قافلہ سے جا ملیں۔

خاتون:	لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفساً اِلَّا وُسعَهَا	اپنی بساط کے مطابق راہ طے کر رہی ہوں۔
ابوالقاسم:	آیئے میرے پیچھے سوار ہو جائیں۔	
خاتون:	لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّااللّٰهُ لَفَسَدَتَا	اشارہ کہ یہ امر خالی از فساد نہیں۔

ابوالقاسم: کیا اس قافلہ میں آپ کا کوئی عزیز ہے؟

خاتون: یا داوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیفَةً فِی الْاَرْضِ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ.... یَایَحْیٰی ھٰذَا الْکِتَابِ.... یَا مُوسٰی اِنِّی اَنَا اللّٰہ.

اشارہ کہ چار افراد میرے عزیز ہیں جن کے نام داوٗد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ ہیں۔

ابوالقاسم: یہ آپ کے کون ہیں؟

خاتون: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِینَةُ الْحیٰوةِ الدُّنیَا اشارہ کہ چاروں میرے بیٹے ہیں۔

ابوالقاسم کہتے ہیں کہ جب ہم اُن کے بچوں سے جا ملے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: یَااَبَتِ السْتَاجِرُہُ۔

یعنی ان کو اُجرت دو۔

اُنہوں نے مجھے اُجرت ادا کر دی۔

خاتون: وَاللّٰہُ یُضٰاعِفُ لِمَنْ یَّشَاء۔ یعنی اللہ مزدوری کو دگنا فرماتا ہے۔

ابوالقاسم کہتے ہیں میں نے اُن کے بیٹوں سے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سیدہ فاطمہؑ الزہرا علیہا السلام کی کنیز ہیں۔

۲۔ ثانیِ زہراؑ کا معیارِ اخلاق

صاحب اعیان الشیعہؒ علامہ ماسقانیؒ سے نقل کرتے ہیں:

''میں صرف لفظِ زینبؑ کہوں تو سوچنا ہوگا 'کون زینبؑ؟' 'اس سے کسی کو کیا معلوم ہوگا کہ زینبؑ کیا ہے اور کون ہے؟' گویا وَمَا ادریٰکَ زَیْنَب؟ جان لو کہ سیدہ زینبؑ عقیلۂ بنی ہاشم ہیں، ایسے صفاتِ حمیدہ کی مالکہ جن کا جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بعد کوئی حامل نہ ہوا۔ ان صفاتِ حمیدہ کی انتہا یہ ہے کہ ان کو صدیقۂ صغریٰ کہا جاتا ہے (اعیان الشیعہ، ج33، ص191)۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے فضائل صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی بیان کیے ہیں اور انہوں نے آپ کی شان وحیثیت کے سامنے سرہائے تسلیم خم کیے ہیں، اس لئے کہ آپ مظہرِ فضیلت وتقویٰ اور شجاعت واستقامت کی پیکر ہیں۔ آپ عالمِ نسواں کے لئے اس صنف کی نمونۂ کامل ہیں۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں صرف یہی ایک

ہستی ہیں جو حسینؑ مظلوم کے کارنامہ میں برابر کی شریک ہیں۔ آپ ہی کی ہمت و استقامت ہے کہ روزِ عاشور کے شہدائے حق کے ہمراہ میدانِ عمل میں اُتر کر اُن کے خون کو صفحاتِ تاریخ پر ثبت کریں۔

مقامِ اخلاق

مقامِ اخلاق میں آپ اُس منزل پر ہیں کہ معصومین کی صلاح کار نظر آتی ہیں۔ علامہ شرف الدینؒ لکھتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ کے پدرِ بزرگوار اور مادرِ گرامی کے علاوہ مقامِ اخلاق میں کوئی خاتون اُن کی نظیر دکھلائی نہیں دیتی، فطرتی پاکیزگی میں آپ جیسی کوئی خاتون دیکھی نہیں گئی اور روحانیت و وجدان میں کوئی آپ سے پاکیزہ تر نہ تھا (عقیلۃ الوحی، ص24)۔

صاحبِ حیات الخلود علامہ ابوالفرج اصفہانی سے نقل کرتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ بلاغت و زہد و تدبیر و شجاعت میں اپنے عظیم و معصوم والدین کے ہم پلہ تھیں۔ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد کاروانِ اہل بیتؑ کا تمام انتظام آپ ہی کی رائے و تدبیر سے طے پاتا تھا کیونکہ صرف آپ ہی تمام متعلقہ امور کے انجام دینے پر قادر تھیں (مقاتل الطالبین)۔

ابن عتبہ کہتا ہے:

''وَقَدِامْتَازَتْ بِمَحَاسِنِهَا الْكَثِيرَةِ وَاَوْصَافِهَا الْجَلِيلَةِ وَخِصَالِهَا الْحَمِيدَةِ وَشِيَمِهَا السَّعِيدَةِ وَمَفَاخِرِهَا الْبَارِزَةِوَفَضَائِلِهَا الطَّاهِرَةِ'' (انساب الطالبین)۔

''یعنی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اپنی لاتعداد صفاتِ نیک، گراں قدر و پُرشکوہ اوصاف اور پسندیدہ خصائل میں دوسروں کی نسبت ممتاز تھیں۔ آپ کے سعادت آفریں اخلاق و عادات، نمایاں صفاتِ اخلاقی و باافتخار پاک و طاہر فضائل نے آپ کو تمام لوگوں سے زیادہ صاحبِ امتیاز بنا دیا تھا۔

دیگر بہت سے لوگوں نے بھی اس سلسلہ میں طویل گفتگو کی ہے جن سب کا جمع کرنا بہت زیادہ تفصیل و طوالت کا باعث ہوگا۔ علامہ نقدی کہتے ہیں کہ اگر وفا، سخاوت، صدق، شجاعت، صفا، علم و عبادت، عفت و تقویٰ جیسی صفات کے نمونے تاریخِ عالم میں جمع کرنے لگیں تو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ان سب میں بلند ترین پائی جائیں گی (زینبؑ کبریٰ، ص29)۔

اخلاقی میدان میں: اخلاصِ عمل

ایک شخص اپنے اخلاق کی تصنع و ریا کی خاطر نمائش کرتا ہے۔ ایک اور شخص اپنے اخلاق کی اندرونی کیفیت و ضمیر کی قوت کے ذریعہ اظہار کرتا ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ سیدہ زینبؑ کو تصنع و ریا سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ جو معیارِ اخلاق آپ سے

ظاہر ہوتا تھا وہ دکھلاوے کیلئے نہ تھا بلکہ آپ منزلِ خلوص واخلاص کی مالکہ تھیں اور جو عمل بھی سرانجام دیتیں قبولیتِ پروردگار کی خاطر ہوتا۔ کسی کام میں دوروئی ونفاق کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ راہِ حیات کو صحیح وسالم مشخص کر رکھا تھا اور اسی پر مستقلاً گامزن تھیں۔ اپنے پدرِ بزرگوار اور برادرانِ معصوم سے عقیدت کس طرح ظاہرداری کی متحمل ہوسکتی تھی! خانوادۂ عصمت وتقویٰ میں ظاہرداری کیسے ممکن ہوسکتی ہے!

آپ کے تمام اعمال، نصب العینِ حیات اور جملہ خطبات میں ایک جذبۂ دروں جوش مارتا تھا اور جو کچھ بھی آپ کے پاس تھا آپ نے اپنے اخلاصِ عمل کے زیرِاثر راہِ خدا میں نثار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے آپ کے کردار وگفتار کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں صفاتِ بشریت کی تاریخ میں حیاتِ جاودانی عطا فرمائی، بمصداق ''اِلَیہِ یَصعَدُ الکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ العَمَلُ الصَّالِحُ یَرفَعُہُ (سورۂ فاطر:10)۔

ذرا خیال فرمائیں اور اپنے تصور میں ایک ایسی خاتون کو لائیں جو صاحبِ اولاد ہو، اپنے گھر میں خودمختار، تمام امورِ خانہ داری میں بااختیار، امورِ معیشت میں اُس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو، زندگی فخر وناز سے گزار رہی ہو، کنیزیں وغلام خدمت کیلئے حاضر ہوں اور وہ ان تمام آسائشوں کو چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کرلے جس میں آوارگئ وطن، بھوک، پیاس، ظلم وستم سے واسطہ ہوجائے، آخر وہ یہ سب کچھ کس لئے اختیار کرے گی! کیا یہ سب کچھ خود اپنی شہرت وعزت افزائی کی خاطر ممکن ہے؟

درس آموزئ اخلاق

ثانئ زہراؑ نے کمالِ علم واخلاق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا اور اپنے والدینِ شریفین کی سیرت پر عمل کرکے درجاتِ بلند پر فائز ہوئی تھیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آخر اُن کے جدِ امجد رسولِ خداؐ اللہ تعالیٰ کے خطاب ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم '' کا مصداق تھے، پھر یہ بھی کہ دامنِ رسالتؐ میں ہی شہزادی نے تربیت پائی تھی اور محدثین کی نظر میں آپ کا شمار صفِ صحابۂ رسولؐ میں ہوتا تھا (اسد الغابہ، ج5)۔

بزرگی وعظمت آپؑ نے امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے ورثہ میں پائی اور آپ کا رتبہ وعظمت آسمان کی بلندی تک پہنچا۔ وہ خود جس کی تعظیم کرتیں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتیں۔ آپ نے وقار وشکوہ کا درس اپنی والدۂ گرامی سے لیا جس کی مثال ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں سیدہ طاہرہؑ کے طرزِ عمل میں پاتے ہیں۔ صبر واستقلال ونرم طبعی اپنے برادرِ بزرگ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے سیکھے اور درسِ شجاعت وجرأت اپنے دوسرے برادرِ بزرگ جناب سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام سے

حاصل کیا۔

ثانیِ زہراؑ کا معیارِ فکر حضرت علی و جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی بدولت خاندانی و نسلی معیارِ فکر تھا۔ بصیرت و پیش بینی کے بھی آپ کے لئے وہی منابع ہیں۔ سیدہ زینبؑ کی تمام زندگی ایسے بزرگوں کے زیرِ سایہ گزری جو سب معصوم اور ہر قسم کی خطا سے محفوظ تھے اور یہی اُن کے مقام و منزلِ احترام کا سبب ہے کیونکہ ہر وقت نشست و برخاست ایسے بزرگوں ہی کے ساتھ رہی۔ لہٰذا فطری امر ہے کہ آپ اسی قسم کی عادات و راہ و رسم کی خوگر ہوئیں۔ علاوہ ازیں آپ کے بعض اوصاف بالکل فطری اور ودیعتِ پروردگار تھے 1۔

1۔ ہم یہاں حجۃ الاسلام جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' سے چند ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے مخدومہ محترمہ جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرتِ پاک پر آپ کی ذمہ داریوں، علم و دانش، بیانِ روایات میں آپ کی اہمیت، عبادت، فہم و ذکاوت، خانہ داری و پردہ داری اور دیگر بہت سی صفات پر روشنی پڑتی ہے۔ علامہ موصوف کی تحریر ہم من و عن نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں تاکہ ہمارے معزز قارئین اس عظیم شخصیت کی سیرت کے پہلوؤں سے آشنائی حاصل کر سکیں، نیز یہ سب منازل بنی نوعِ انسان کیلئے بالعموم اور ہماری خواتین کیلئے بالخصوص مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

علامہ غدیری تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے وجود کی پاکیزہ صفات اور کمالات کی اثر آفرینی سے معاشرہ کے دوسرے افراد کو بہرہ اندوز کرتا ہے، فرد کی شخصی خصوصیات معاشرہ کی اجتماعی حیثیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور کسی کے کمالات کے دائرۂ تاثیر کی وسعت دوسروں کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے کہ پھر اظہارِ عظمت کے لئے الفاظ کا سہارا لینے اور عبادات کا مرہونِ منت ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ اُس کی عظمتوں کی نورانی تاثیر سے کائناتِ انسانی منور و درخشندہ نظر آتی ہے۔ سیدہ زینبؑ کی پاکیزہ صفات اور کمالاتِ وجود کی اثر آفرینی، تاریخ کی اُن مقدس ہستیوں میں سے ہے جن کے لئے کسی دلیل و برہان کی احتیاج نہیں اور وہ اپنی عظمتوں سے عالمِ بشریت کو روشن کئے ہوئے ہیں۔ ہم سیدہ کی حیاتِ طیبہ کے جس جس پہلو پر نظر کرتے ہیں، اس کی اثر انگیزی کا احساس ہمارے سامنے مجسم ہو جاتا ہے۔ ان کی فردی خصوصیات پر نظر کریں یا معاشرتی عظمتوں کو دیکھیں، گھریلو زندگی کے اطوار پر نگاہ کریں یا اجتماعیات کا جائزہ لیں، ایک بیٹی ہونے کی حیثیت میں ان کے مراحلِ تربیت کا ذکر کریں یا ایک ماں ہونے کے عنوان کے پیشِ نظر ان کے تدبیر و تدبر کو بیان کریں، ایک بہن کے ناطے بھائیوں سے محبت و عقیدت کے پہلوؤں کا تذکرہ کریں یا ایک شریکِ مقصد ہونے کی بابت ان کے عظیم کارناموں پر نگاہ ڈالیں، علیؑ و فاطمہؑ کے لختِ جگر ہونے کی وجہ سے ان کی وقعت و وجود پر نظر کریں یا حسنؑ و حسینؑ کی اُمیدوں کا سہارا سمجھتے ہوئے ان کے کمالِ عمل کو دیکھیں، عبداللہ ابنِ جعفر کی شریکِ حیات ہونے کی روشنی میں ان کی (جاری)

۴۔ ثانیِ زہراؑ کا مقامِ صبر و رضا

ثانیِ زہراؑ کی عظمت آپ کے جذبۂ صبر و رضا سے بہت اچھی طرح ثابت ہے۔ آپ کا صبر وہ صبر نہیں جس کے اختیار کرنے کے لئے ہر زبوں حال و پریشان آدمی مجبور ہوتا ہے اور جسے مصائب و تکالیف کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ آپ کا صبر فعال اور باہدف، سوچا سمجھا ہوا، اصولی اور ایسا صبر ہے کہ اگر دنیا بھر کے اربابِ سیاست اس معیار کو اختیار کرنا چاہیں تو مجبور و ضعیف دکھائی دینے لگیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

زندگی کا جائزہ لیں یا صنفِ نسواں کی فکری تربیت کی ذمہ دار شخصیت سمجھتے ہوئے سیدہ زینبؑ کی عظمتوں کا تذکرہ کریں اور بالآخر کربلا کی شیر دل خاتون سمجھتے ہوئے ان کی زندگی کا مطالعہ کریں یا کوفہ و شام کی اسیر تصور کرتے ہوئے اُن کے حالات پر غور کریں، ہر پہلو میں کمال وعظمت کی آئینہ دار اور نبوت و امامت کی رفعتوں کی امین نظر آتی ہیں۔ لہٰذا ان کی زندگی کا ہر پہلو نمونۂ کمال ہے۔'' (ص ۱۶)

اب ہم اسی کتاب سے ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ اقدس کے چند نمایاں پہلو پیش کرتے ہیں، جس کے مؤلف م۔ صادق اور مترجم علامہ غدیری صاحب ہیں، یہ وہ پہلو ہیں جن کو مخدومہ کی پاکیزہ و مقدس زندگی کے سلسلہ میں صفحاتِ تاریخ پر نمایاں حیثیت دی جاتی ہے۔

1۔ صنفِ نسواں کی علمی و عملی تربیت کے لئے آپ نے ایک پاکیزہ محفلِ درس قائم کی جس میں آپ خواتین کو قرآنی حقائق سے آگاہ کرتی اور دینِ مقدسِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کراتی تھیں۔ (کتاب زینب الکبریٰ، ص ۵۳)۔

2۔ '' آپ نے اپنے والدِ گرامی امام علیؑ اور اپنے بھائیوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے سنی ہوئی پاکیزہ علمی حقیقتوں اور احادیث و روایات کو لوگوں تک پہنچایا۔

3۔ ''سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی زبانِ مبارک سے سنے ہوئے علمی جواہر پارے بھی کثیر تعداد تک پہنچائے۔

4۔ ''امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ علم و دانش میں وہ عظیم مقام رکھتی تھیں کہ انہیں دنیا کے اربابِ دانش کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور فہم و ادراک کی اس منزل پر فائز تھیں کہ انہیں کسبِ فیض کیلئے کسی صاحبِ فکر و نظر کی دہلیز پر جھکنے کی احتیاج نہ تھی۔

5۔ ''امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے سیدہ زینبؑ سے کئی روایات بیان فرمائی ہیں اور ان روایات کو بیان کرتے ہوئے امامؑ اس طرح فرماتے تھے: 'میری پھوپھی نے یوں فرمایا ہے'۔

(جاری)

سیدہ زینبؑ اس ہستی کی مالکہ ہیں جو اپنے پورے وجود وعزم کے ساتھ جب دشمن کے ظلم وطغیان کے مقابل کھڑی ہوئیں تو اس قدر بلند قامت نظر آئیں اور ایسی استقامت کا اظہار کیا کہ تاریخِ انسانیت آپ کے سامنے حیرت زدہ رہ گئی۔ یہ ایسا واقعہ واصلیت ہے جس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ ثانیِ زہراؑ کے طرزِ عمل، متانت، بردباری کو اگر تعصبِ دینی کو بالائے طاق رکھ کر دیکھا جائے تو انسان حیرت زدہ ہو کر اپنی شکست قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مصائب وآلام کے مقابلہ میں آپؑ کا تحمل فولاد کی طرح مضبوط اور آپؑ کا وقار وحوصلہ ایک پہاڑ کی طرح مستقل نظر آتا ہے۔ آپؑ کو جاہل و ناواقف لوگوں کے ہجوم میں، جو حماقت کے سمندر میں غرق اور بے خبری کا شکار تھے، جابر و چالاک وظالم افراد کے نرغہ میں جانا پڑا جہاں آپ

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

6۔ ''حضرت ابنِ عباسؓ نے بھی سیدہ زینبؑ سے روایتیں بیان کی ہیں اور آپ کی طرف نسبت دیتے ہوئے ابنِ عباسؓ نے اس طرح کہا: 'ہماری عقیلہ زینبؑ نے یوں فرمایا'۔

7۔ ''امام زین العابدینؑ نے فرمایا: جب ہمیں کوفہ سے شام تک کے کٹھن راستے طے کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس سفر میں میری پھوپھی زینبؑ نے اپنی واجب نمازیں کھڑے ہو کر اور بعض مقامات پر بیٹھ کر ادا کیں اور میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ تین دن کی مسلسل بھوک، پیاس اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے میں نے بعض مقامات پر نمازیں بیٹھ کر پڑھی ہیں۔

8۔ ''سیدہ زینبؑ رات کو باقاعدگی سے نمازِ تہجد ادا کرتیں اور قرآن مجید کی تلاوت آپ کا معمول تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کی مصیبت بھری راتوں یعنی دسویں اور گیارہویں محرم کی راتوں میں بھی اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔

9۔ ''امام زین العابدین علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ میری پھوپھی زینبؑ نے ان تمام سخت تکلیفوں کے دوران جو شام کے خوفناک سفر میں ہم پر آئیں کبھی رات کے نوافل اور مستحب نمازوں کو ترک نہیں کیا۔

10۔ ''امام حسین علیہ السلام جب شبِ عاشورا اپنے اہلِ خانہ سے وداع کرنے لگے تو آپ نے حضرت زینبؑ سے فرمایا: ''میری پیاری بہن! رات کے نوافل میں مجھے فراموش نہ کرنا''۔

11۔ ''یحییٰ مازنی نے بیان کیا ہے کہ میں عرصۂ دراز تک امیرالمومنین علیؑ کے پڑوس میں رہا اور میرا گھر اس گھر کے بہت نزدیک تھا جس میں سیدہ زینبؑ رہتی تھیں۔ مجھے قسم ہے اس ذاتِ ذوالجلال کی جس نے مجھے پیدا کیا، میں نے اُس معظّمہ کو نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی اُن کی آواز سنی، اور جب کبھی وہ مخدرۂ عصمت اپنے جدِ بزرگوار حضرت رسولؐ خدا کے حرمِ اطہر کی زیارت کیلئے جانا چاہتیں تو رات کی تاریکی میں گھر سے باہر نکلتیں جبکہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ان کے دائیں و بائیں جانب ہوتے اور حضرت (جاری)

نے شکیبائی وتحمل کے بہترین معیار پر قیام فرمایا۔آپ کو ایسے دشمن کا سامنا تھا جو قاتلِ حسینؑ تھا، جو خود بھی اپنے ظلم پر اشک ریز (عمر بن سعد نے سیدہ زینبؑ کے شہادتِ امام حسینؑ کے سلسلہ میں عتاب آمیز کلمات ''القتیل ابو عبداللہ'' سنے تو وہ خود رونے لگا) اور اس کیلئے اپنے آپ کو معذور جانتا تھا۔لیکن آپ نے سوائے راہِ صبر اختیار کرنے کے ان پر کسی طرح اپنے وجدان کے ذریعہ عذاب کی خواہش نہ کی۔

تاریخ کا فیصلہ

ثانیِ زہراؑ کے بارے میں تاریخ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ آپؑ حلیمہ و بردبار خاتون تھیں اور صبر و رضا کے مقام پر آپؑ بے نظیر اور ممتاز حیثیت کی مالکہ ہیں۔علامہ اسد حیدر کہتے ہیں:

''مقامِ صبر، جہاد و استقامت کے مواقع اور طوفانِ مصائب میں ثانیِ زہراؑ اس قدر راستوار و ثابت قدم تھیں جس طرح

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

علیؑ آگے آگے چلتے ہوئے حرمِ مطہر تک پہنچتے تھے اور جونہی قبرِ مطہر تک پہنچتے تو امیر المومنینؑ آگے بڑھ کر حرم میں جلتے ہوئے چراغوں کو ڈھانپ دیتے تھے (بعض کتابوں میں ہے کہ امیر المومنینؑ حرمِ اطہر کے چراغوں کو بجھا دیتے تھے)۔امام حسنؑ نے ایسا کرنے کا سبب دریافت کیا تو عصمت و طہارت کی پروردہ زینبؑ کے مقامِ حیاوادب کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنینؑ نے جواب دیا کہ میں ایسا اس لئے کرتا ہوں تا کہ کوئی شخص تیری بہن کے بدن کو دیکھنے نہ پائے اور اُن کا جسم نامحرم کی نظروں سے محفوظ رہے۔

12۔ ''سیدہ زینبؑ فہم و ذکاوت کی ایسی خداداد صلاحیت رکھتی تھیں کہ آپ نے اپنی والدۂ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کا وہ خطبہ مکمل طور پر حفظ کر لیا تھا جو انہوں نے اپنے پدرِ بزرگوار کی مسجد میں مسلمانوں کے جمِ غفیر کے سامنے اپنا حق طلب کرنے کے لئے پڑھا تھا۔

13۔ ''جب سیدہ زینبؑ اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے جناب عبداللہ ابنِ جعفر کے گھر میں آئیں تو خداوندِ عالم نے سیدہؑ کے وجود کی برکت سے عبداللہ ابنِ جعفر کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور انہیں رزقِ وسیع، اولادِ صالح اور سکون و اطمینان کی بے شمار نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ ان کا گھر فقراء اور مساکین کیلئے ایک عظیم سہارا بن گیا اور اُن کی مملوکہ اراضی سرسبز و شاداب ہونے کے ساتھ ساتھ پھلوں اور میووں سے بھر گئی۔یہ سب کچھ اس پاکدامن معظمہ کے مقام و تقدس اور وجودِ مبارک کا اثر تھا'' (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۱۳ تا ۱۶)۔

تیز آندھی کے مقابلہ میں پہاڑ مستقل ہوتا ہے۔مصائب وآلام کو رضائے پروردگار کی خاطر برداشت کرتیں اور تمام دشواریوں کو راہِ خدا میں جہاد جان کر اعلائے کلمۃ اللہ قرار دیتیں (مع الحسینؑ و نهضة ،ص294)۔آپ کے کردارِ عظیم کا یہ ایسا پہلو ہے جس کی بہت سے غیر مسلم مصنفین نے بھی تائید کی ہے۔

ثانیِ زہراؑ کے صبر و رضا کی انتہا یہ ہے کہ ایک بزرگ کے قول کے مطابق اگر یہ مصائب کسی پہاڑ پر وارد ہوتے تو وہ پھٹ کر ٹکڑے ہو جاتا۔لیکن سیدہ زینبؑ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے پائے استقلال میں کہیں لرزش نظر نہیں آتی۔آپ اپنی زندگی میں بچپن ہی سے ایسے حساس مرحلوں سے گزریں جن کی عظمت دنیا بھر کو واقعۂ کربلا میں روزِ عاشور نظر آتی ہے۔جس شخص نے بھی واقعاتِ روزِ عاشور کا مطالعہ کیا ہے اسے وہاں دو نمایاں صورتیں نظر آئیں گی، ایک امام حسین علیہ السلام اور دُوسری جنابِ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا۔دنیا حیران ہے کہ کیسے ممکن ہے کوئی شخص ایسے مصائبِ جانکاہ سے گزرے جن میں تیر و نیزہ و شمشیر کے زخموں سے چور ہو، پیاس کا بے انتہا غلبہ ہو، خاک وخون میں غلطاں ہو اور پھر اس کے منہ سے ’الٰهی رضا بر ضائك‘ (یا اللہ میں تیری رضا پر راضی ہوں) کا جملہ سنائی دیتا رہے اور اسی طرح وہ اپنا سر قربان کر دے۔علیٰ ہذا القیاس عالمِ انسانیت انگشت بدنداں ہے کہ ایسی خاتون کا وجود کیسے ممکن ہوا جو ان تمام مصائب وآلام کو مشاہدہ کرتی ہے، اپنے دورانِ اسیری اپنی ذات کے بارے میں کوئی حرفِ شکایت کسی موقعہ پر نہیں لاتی، جس کی تمام گفتگو اس کے ہدف ومقصد کے عین مطابق ہوتی ہے اور کسی موقعہ پر جس کے عجز وضعف کا اظہار نہیں ہوتا۔

ثانیِ زہراؑ کے صبر و رضا کا مقام

ممکن نہیں کہ ہم ثانیِ زہراؑ کے صحیح واصلی مقام صبر و رضا کا اندازہ یا اس کا ذکر کر سکیں۔مختصراً صرف اس کے نمونہ کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کریں گے۔آپ ذرا سیدہ زینبؑ کے بارے میں تصور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔آپ کیلئے امام حسین علیہ السلام سے محبوب تر کوئی ہستی دنیا میں نہیں، حتیٰ کہ امام کے لئے تصورِ مرگ بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا۔جب آپ شبِ عاشور بے وفائیِ دنیا کے سلسلہ میں امامِ مظلوم کے شعر سنتی ہیں تو بے تاب و بے چین ہو جاتی ہیں اور دعا فرماتی ہیں کہ وہ خود مرگِ امام کو نہ دیکھیں۔

وہی سیدہ زینبؑ ہیں کہ جب نانا کے دین کی حیات کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو اُس کی حفاظت کیلئے صبر و رضا کو بنیاد بناتی ہیں، قتل گاہ میں تشریف لاتی ہیں، پتھروں، ٹوٹی ہوئی تلواروں کے ٹکڑوں اور نیزوں کے درمیان بھائی کے جسدِ نازنین کو تلاش

کرتی ہیں، بھائی کی سر بریدہ لاش کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھتی ہیں، اپنے دونوں ہاتھ اس جسدِ بے سر کے نیچے گزار کے اپنے سینہ تک اٹھاتی اور رب العزت کے حضور اس طرح مناجات پیش کرتی ہیں؟

''اللّٰھمَّ تَقبَّل مِنا ھٰذَاالقُربَان'' (مقتل الحسین علیہ السلام، مقرم)۔

''خداوندا! ہماری اس قربانی کو قبول فرما''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں:

''اللّٰھمَّ تقبَّل مِنّا ھٰذَاالقَلِیلَ مِنَ القُربَانِ''.

خداوندا! اپنی عظمت کے مقابلہ میں ہماری اس قلیل قربانی کو قبول فرما۔

کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شہزادی کے اس طرزِ عمل میں کس قدر عظمت پوشیدہ ہے اور اس عمل سے بارگاہِ پروردگار میں آپ کے خضوع وخشوع کا کتنا عظیم معیار دکھائی دیتا ہے! دشمن اپنی رذیل کیفیت پر قائم ہے لیکن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اس تمام معرکہ دار و گیر کو عنوانِ تقدیر کے نظریہ سے دیکھتی اور اپنے اللہ کے سامنے راز و نیازِ بندگی کو جو تسلیم و رضا کا حقیقی مقام ہے، ایک لحہ کیلئے بھی فراموش نہیں کرتیں۔

صبر کی کیفیت

اس وقت اہم ترین مسئلہ تحقیق مقابلہ حالات میں استقامت کا معیارِ فکر ہے۔ بعض اوقات دورانِ زندگی ہم بعض ایسے مصائب سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ سوائے صبر وتحمل کے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ مجبوراً حالات کو دامنِ تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اگر یہ نہ کریں تو کیا کریں! یہ کیفیت بھی ایک حد تک بے فائدہ و بے قیمت قرار نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اہم ترین بات ایک ہدفِ زندگی پر مستقل قیام، پاک و پاکیزہ و بزرگ امیدوں کا دامن تھامنا، ان مقاصد کی تکمیل کی طرف اقدام، ان کے حصول میں دشواریوں اور مشکلات میں تحمل کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ اس نصب العین میں ہدف و مقصد جس قدر بلند و ارفع و پاک ہوگا اسی قدر صبر وتحمل کا معیار بلند رکھنا ہوگا۔ ہمیں سیدہ زینبؑ اور امام حسین علیہ السلام کے صبر و استقامت کو اس اصول پر جانچنا ہوگا۔

سیدہ زینبؑ نے جس روز سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ سفر کا آغاز کیا اسی روز سے جانتی تھیں کہ اس سفر میں کیسے توہین آمیز و صبر آزما واقعات سے گزرنا ہوگا اور کیسے کیسے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ نے سب کچھ دل و جان سے قبول کیا اور آگے بڑھتی گئیں۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور نتائج کو رضائے پروردگارِ عالم کے سپرد رکھا۔

آپ جانتی تھیں کہ ذلیل دشمن سے احتجاج کا نتیجہ دُرّے کھانا، بھوکا رہنا، عزیزوں اور کم سن بچوں کی آہ وزاری کو برداشت کرنا ہوگا۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ ثانیِ زہراؑ کم طاقت وکم حوصلہ ہستی کی مالک نہ تھیں کہ میدان چھوڑ دیتیں، اپنے احساسات کے تحت گریاں نہ ہوئیں کہ بے حد وحساب نالہ وفریاد بلند کرتیں یا بدقسمتی پر نالاں ہوتیں۔ اس کے برعکس اس قدر شکیبائی و بردباری سے حالات کا مقابلہ کیا کہ کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ فطری وطبعی آہ وفغاں جو عزیزوں کی اموات پر کی جاتی ہے، اُسے بھی آپ نے مخفی رکھا، آثارِ غم واندوہ کو چہرہ پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ یہ کیفیت دیکھ کر بچے اور اسیر خواتین بے قرار نہ ہو جائیں۔ پھر یہ سب کچھ ایک ہدف کی خاطر یعنی راہِ خدا میں تھا[1]۔

1۔ یہاں ہم ایک بار پھر کتاب 'زینبؑ، زینبؑ ہے'، کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیفیت یہ ہے کہ کربلا کا معرکہ شہادتِ امام حسینؑ کی صورت میں اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے، تاراجیٔ خیام کے مرحلہ سے بھی اولادِ رسولؐ گزر چکی ہے، خیام جل چکے اور کچھ جل رہے ہیں، ان حالات کی منظر کشی علامہ غدیریؔ اس طرح کرتے ہیں:

''وہ رات اہلِ بیتؑ کے لئے مصیبت واندوہ کی خوفناک رات تھی۔ غم والم کی ان ہولناک گھڑیوں میں صحرائے کربلا میں بکھری ہوئی لاشیں رسولؐ زادیوں کے دلوں کو تڑپا رہی تھیں۔ حزن وکرب کی اس خوفناک رات میں زینبؑ کا امتحانِ صبر نہایت مشکل صورت اختیار کر چکا تھا۔ لیکن غم والم کی شدت اور خوف ودحشت کے عالم میں علیؑ کی بیٹی نے استقامت و پائیداری اور صبر وتحمل کی مثال قائم کردی اور مصائب وآلام کی تند وتیز آندھیاں زینبؑ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کرسکیں۔

''جلتے ہوئے خیموں سے کم سن بچوں کو نکالنے اور بے سہارا بیبیوں کو بیابانِ کربلا میں تسلیاں دے کر صبر کی تلقین کرنے میں زینبؑ کا عمل اپنی مثال آپ ہے۔'' آگ کے شعلوں اور صحرا میں پھیلی ہوئی تاریکی نے یتیم بچوں کے دل گرا دیئے تھے۔ آہیں بھرتے اور سسکیاں لیتے معصوموں کے دل بہلانا زینبؑ ہی کا کام تھا۔

''اگرچہ دن بھر کی مصیبتوں اور آلام کی شدت نے زینبؑ کا سکون لوٹ لیا مگر آلِ رسولؐ کے بے گناہ خون کا مقدس پیغام، اطراف واکنافِ عالم تک پہنچانا بھی انہی کے ذمہ تھا۔ چنانچہ عقیلۂ بنی ہاشم زینبِؑ کبریٰ رات بھر جاگتی رہیں تاکہ اسلام کی عظمت کے تحفظ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور اہلِ بیتِ رسولؐ کی بے سہارا بیبیوں کی ڈھارس بن سکیں۔

''زینبؑ کے صبر واستقامت، عزم واستقلال اور بارگاہِ الٰہی میں اخلاصِ بندگی کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ مصائب وآلام کی اس سخت ترین رات میں بھی علیؑ کی بیٹی نے نمازِ تہجد ترک نہ کی بلکہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق عباداتِ الٰہی کو انجام دیا اور خدا سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگیں۔ البتہ کئی دنوں کی تھکاوٹ اور کئی راتوں کی بیداری نے زینبؑ کو نڈھال کردیا تھا جس کی وجہ سے اُس رات کو آپ نے نمازِ شب بیٹھ کر ادا کی'' (ص ۲۱۲، ۲۱۳)۔

امام حسین علیہ السلام کی تلقین کے نتائج و اثرات

ثانیِ زہراؑ کے فطری و اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت شدہ کمالات جن کا تعلق آپ کے صبر و رضا سے ہے، اپنے مقام پر مسلّم ہیں۔ ان کیفیات کے علاوہ دوسری چیز آپ کے والدِ بزرگوار، مادرِ گرامی، برادرانِ عالی وقار، بالخصوص امام حسین علیہ السلام سے حاصل شدہ تربیتی اسباق کے اثرات ہیں۔ سیدہ زینبؑ کی جناب سید الشہداء علیہ السلام کے مقامِ ولایت سے پیوستگی، حضرت کے واقعات و دورِ شہادت وقربانی کے زمانہ میں شہزادی کے حاصل کردہ مقامِ صبر بہت زیادہ اہمیت اور آپ کے طرزِ عمل میں بنیادی کیفیت کے حامل ہیں۔ شبِ عاشور کو جب امام حسینؑ نے ثانیِ زہراؑ کی بے چینی و بے تابی مشاہدہ فرمائی تو اپنی بہن کے لئے نصائح وصبر آزما کلمات بیان فرمائے۔ ارشاد فرمایا:

''بہن زینبؑ! جان لو اور یقین کرلو کہ اہلِ آسمان اور اہلِ زمین سب موت سے ہمکنار ہوں گے، سوائے ذاتِ خدائے واحد کوئی بقاو حیاتِ جاودانی نہیں رکھتا''۔

نتیجۂ کلام میں حضرتؑ نے کلماتِ موعظہ ارشاد فرمائے کہ شیطانِ لعین شہزادی کے ہاتھ سے دامنِ صبر وحلم نہ چھڑا دے۔ پھر آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنی بہن کے سینۂ اقدس پر رکھا جس سے صبر وحلم کی ایک دنیا نے بہن کے پیکر میں نفوذ کیا یہاں تک کہ سیدہ زینبؑ نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور وعدہ کیا کہ اب وہ ہر حال میں صبر کریں گی۔

روزِ عاشورا اپنے وداعِ آخر کے وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''ابتلا و مصائب پر صبر کرنا۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محافظت فرمائے گا۔ آپ کا انجام خیر پر ہے۔ تمہارے دشمن طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اپنے لبوں پر شکایت کے الفاظ مت لانا کیونکہ اس سے تمہاری شان ومنزلت میں کمی واقع ہوسکتی ہے.........''۔

امامِ عالی مقام کے ان نصائح کا نتیجہ ہے کہ سیدہؑ کی عظیم بیٹی نے صبر و وقار، شجاعت و جرائت، روح کی بالیدگی کے ساتھ اپنے فرائضِ تبلیغ کی ابتدا کی اور خونِ شہدائے راہِ خدا میں مضمر پیغامِ دین کو اختتام تک پہنچایا۔ آپ نے ہر قسم کے ظلم و جبر کو برداشت کیا لیکن رضائے پروردگار کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکلنے نہ دیا۔ ہر قسم کے اندوہ والم کا سامنا کیا لیکن کہیں حرفِ شکایت دہنِ مبارک سے نہ نکالا۔

۴۔ ثانیٔ زہراؑ کی فصاحت و بلاغت

زینبِ کبریٰ کے اکثر کمالات واقدار اخلاق آپ کی فصاحت و بلاغتِ کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اس فصاحت کی

غرض وغایت روشنیٔ کلام، سخن فہمی، سلاست بیان، انتخابِ الفاظ اور اُن کے معانی میں ملتی ہے۔ آپ کا کلام نثر میں ہے لیکن یہ نثر نظم جیسی ہے جو سننے والوں کے لئے مفہوم کی وضاحت کی ذمہ دار اور نکتہ سنج لوگوں کے لئے بلند ترین مقامِ ادب کی حامل ہے۔ یہ کلام بظاہر بالکل سادہ لیکن ادب وفن کے اعتبار سے معجزانہ کیفیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کلام کی مثال پیدا کرنا امرِ محال ہے۔

غرض سیدہ زینبؑ فصیحہ وبلیغہ ہیں جس کی گواہی آپ کے اس کلام سے ملتی ہے جو آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ بعض مصنفوں نے آپ کی گفتگو کو سحر آمیز کلام تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ اہلِ بیتؑ کے بدترین دشمن جو اقتدار پر قابض تھے، آپ کے کلام کو سلطان الکلام مانتے ہیں۔ یہ لوگ بالکل عاجز تھے کہ آپ کے کلام ودلائل کا کیسے جواب دیں۔

گواہانِ تاریخ

جاحظ جو خود ادبائے عرب میں شمار ہوتا ہے آپ کے بے نظیر کلام کے بارے میں خزیمہ سے روایت کرتا ہے کہ مؤخر الذکر یعنی خزیمہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد اُسی زمانہ میں کوفہ میں وارد ہوا جب اسیرانِ آلِ رسولؐ بھی کوفہ پہنچے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطاب کو سنا۔ میں نے کبھی کسی اسیر وگرفتارِ بلا ومصیبت خاتون کو آپ سے بہتر خطیب نہیں پایا۔ آپ اس طرح گفتگو فرما رہی تھیں گویا الفاظ زبانِ حضرت علی علیہ السلام سے نکل رہے ہیں[1]۔

1۔ البیان والتبیین۔

نیز ملاحظہ ہو کتاب ''کربلا کی شیر دل خاتون'' مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، تحریر ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی، مصری۔ کتاب ہذا کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''حضرت علیؑ کے فلسفۂ الٰہیات، فلسفۂ زندگی، فلسفۂ معاشرت اور تحریر وتقریر سے خاتونِ کربلا پوری طرح مستفید ہوئیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد اسیری کی حالت میں آپ کی ہوشربا تقریر پر خزیمہ اسدی نے برجستہ تبصرہ کیا تھا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ خاتونِ کربلا کے باپ حضرت علیؑ تقریر فرما رہے تھے۔ حضرت علیؑ سے مشابہت پر سامعین کے ذہن کا اُدھر متوجہ ہونا غیر معمولی مناسبت کی وجہ سے تھا۔ حضرت علیؑ اور خاتونِ کربلا دونوں کی فکری یک رنگی سے صحیح واقفیت ہی پتہ لگا سکتی ہے کہ باپ بیٹی کا ذہنی تعلق کتنا شاندار تھا۔ کوفہ میں امیر المومنینؑ نے اپنے عہدِ حکومت میں سینکڑوں تقریریں کی تھیں۔ کوفہ میں ثانیِ زہراؑ کی تقریر پر اہلِ کوفہ کا تبصرہ کہ اس میں علیؑ کا رنگ جھلک رہا ہے، حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے:

تکلم کردنش را ہر کہ دیدے فاش میگفتے
لسانِ حیدری گویا کہ در طیِّ لسان دارد

(جاری)

علامہ نیشا پوری سیدہ زینبؑ کی کیفیت وعظمت ومقام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کا کلام بہت روشن و پرشکوہ ہے۔ وہ بہت ہی مختصر کلام کو سیدہ زینبؑ کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''سیدہ زینبؑ فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی وعبادت میں اپنے پدرِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام اور اپنی والدۂ گرامی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی مثال ہیں'' (سنن نیشا پوری)۔

''علامہ مامقانیؒ خطبہ ہائے ثانیِ زہراؑ کے استناد کے سلسلہ میں آپ کے کلام کی شیرینی اور علم آفرینی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فصاحت و بلاغت میں آپ کا درجہ یہ تھا گویا آپ دہنِ مبارک میں زبانِ علیؑ رکھتی تھیں''۔

اسی کیفیت کی بنا پر انہوں نے خطابتِ سیدۂ ثانی کی تحقیق کی جبکہ وہ ان خطبات کی تلاش کر رہے تھے جو شہزادی کے دہنِ اقدس سے کوفہ و شام میں ادا ہوئے تھے (اعیان الشیعہ، ج33، ص191)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

صاحبِ کتاب آگے چل کر لکھتے ہیں: (ص38)

''جس کے پہلو میں حشر ہوتا ہے اس کے منہ میں زبان نہیں ہوتی لیکن ایسی حالت میں ثانیِ زہراؑ نے زلزلہ فگن تقریریں کیں۔ صاحبِ اقتدار دشمن کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس اسیری، اس تشدد، اس مجبوری کے عالم میں ثانیِ زہراؑ نے دنیا کو آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ روح کا زندہ و پائندہ پیام دیا، شہادت کا فلسفہ بیان کیا، شہادتِ امام حسینؑ کے متن اور اس کی شرح سے دنیا کو آشنا کیا: (ص72)

بنالیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

''حضرت زینبؑ کی شخصیت کو ان کے بیان کی فصاحت اور قوتِ گویائی سے سمجھنا چاہئے۔ کربلا، کوفہ و دمشق، دربار ابنِ زیاد اور مجلس یزید کی تقریروں نے اُن کو جیسا کہ چاہئے پہنچوایا۔ یہ خطبے جرأت و استقلال، شجاعت اور استقامت سربلندی اور علوِنفس کے آئینے ہیں جس میں جنابِ زینبؑ کی مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ دربارِ یزید میں حضرت زینبؑ کے موقف پر مؤرخین اظہارِ حیرت اور استعجاب کرتے ہیں۔ ابنِ حجر (اصابہ جلد ۸، ص۱۰۰ میں) جنابِ زینبؑ کے دل کی مضبوطی اور قوتِ استدلال پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

''جاحظ (البیان والتبیین) میں خزیمہ اسدی سے روایت کرتے ہیں کہ جنابِ حسینؑ کی شہادت کے بعد میں کوفہ گیا تو جنابِ زینبؑ سے بہتر تقریر کرنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت علیؑ کی زبان تھی جو اُن کے دہن سے بول رہی تھی۔

''ہم جنابِ زینبؑ کو دیکھتے ہیں کہ لطف اور مہربانی میں اپنی ماں کی طرح اور علم و پرہیزگاری میں اپنے باپ کی مانند ہیں۔ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ ان کی ایک علمی انجمن تھی جس میں عورتیں اُن کے پاس احکامِ دینی سیکھنے جایا کرتی تھیں۔ ان نمایاں (جاری)

''سیدہ زینبؑ کی جرأت وبلاغت کے بارے میں ابونصر لبنانی نے جو کچھ کہا ہے اس کا ترجمہ و مطالب اس طرح ہیں:
''سیدہ زینبؑ کی قوت اور زورِ دلائل جو واقعہ کربلا اور اس کے بعد، نیز آپ کی جرأت و بلاغتِ کلام ایسے بلند درجہ پر ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اور مؤرخین و مصنفین سب اسی حقیقت پر گواہ ہیں'' (فاطمہؑ بنتِ محمدؐ)۔

تاریخ کا فیصلہ

صفحاتِ تاریخ پر سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے پہلے بہت سی ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو اپنی مدلل گفتگو اور خطابت کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کے بعد کسی خاتون کا پتہ نہیں چلتا جس نے زینبؑ کبریٰ جیسی فصاحت و بلاغت سے دامنِ سخن کو سنوارا ہو۔ آپ کے دورانِ خطاب ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ خود حضرت علیؑ ہیں جو محوِ خطابت ہیں اور مؤرخین نے کوفہ میں ثانیِ زہراؑ کے خطبات میں جلوۂ علیؑ کا مشاہدہ کیا (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

زینبؑ کبریٰ مقامِ احتجاج میں سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کی مانند کلام کرتی تھیں اور بیانِ حق و منازلِ منطق و استدلال میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی طرح گفتگو کرتیں۔ آپ کی فصاحت و بلاغت بے نظیر اور احقاق و دفاعِ حق کی خاطر آپ کے دلائل و براہین بے مثل ہوتے۔ آپ کے متعلق تاریخ کا یہ حتمی فیصلہ ہے اور لاتعداد مصنفین اس فیصلۂ تاریخ کے ہم نوا ہیں (رسالۂ علویہ نیشاپوری)۔

ثانیِ زہراؑ کے متعلق ایک اور فیصلۂ تاریخ اس طرح ملتا ہے: ''لیکن زینبؑ بنتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا:
''فَقَدْ اَظْهَرَتْ اَنَّهَامِنْ اَكْثَرِ اَهْلِ الْبَيْتِ جُرْاَةً وَبَلاَغَةً وَفَصَاحَةً'' (فاطمہؑ بنتِ محمدؐ)۔
یعنی جہاں تک خواتینِ اہلِ بیتؑ میں سب سے زیادہ جرأت و فصاحت و بلاغت کا اظہار ہوا ہے۔

حسنِ کلام

زینبؑ کبریٰ فطرۃً ادیبہ ہیں، ایسی ادیبہ کہ مصائب و آلام کے بھنور میں، مشکلات و مظالم کے سمندر میں بھی حسنِ کلام و

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)
اوصاف نے جو اُن کے زمانہ کی کسی عورت میں بیک وقت نہیں پائے جاتے تھے زینبؑ کو دوسروں پر ممتاز کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو 'عقیلۂ بنی ہاشم' کہتے تھے اور اُن سے لوگ علم حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ ابنِ عباسؓ ان سے حدیث نقل فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہماری عقیلہ زینبؑ دخترِ علیؑ نے یہ حدیث بیان کی اور یہ لقب ان پر ایسا منطبق ہوا کہ وہ 'عقیلہ' کے نام سے مشہور ہو گئیں اور اُن کی اولاد اس لقب کی طرف منسوب ہو کر 'بنی عقیلہ' کہلاتی تھی''۔ (ص 130، 131)۔

قافیۂ سخن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔تمام تکلیف دہ حالات میں ادیبانہ گفتگو کا آپ کا ملکہ سامنے آتا ہے۔ابنِ زیادہ ملعون کے دربار میں آپ نے ایسی گوہر بار زبان میں خطاب فرمایا کہ وہ ظالم حیران و پریشان ہوگیا،اسے کوئی راہ نظر نہ آئی تو تمسخر کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہنے لگا:''دیکھو!کیسی مقفّیٰ و مسجع گفتگو کرتی ہے''۔

یہ اندازِ گفتگو ثانیِ زہراؑ کو اپنے پدرِ بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا۔زینب کبریٰ نے ہجومِ حزن واندوہ میں فی البدیہہ ایسا کلام کیا جس کے اثر نے سننے والوں کو ہلا کر رکھ دیا۔شہزادی نے ابنِ زیاد کو مخاطب کرکے فرمایا:

''لَقَدْ قَتَلْتَ کَھْلِی'' تو نے ہمارے سردار و آقا کو قتل کیا۔

''وَ اَبَرْتَ اَھْلِی'' ہمارے عزیزوں اور پیاروں میں سے کسی کو نہ رہنے دیا۔

''وَ قَطَعْتَ فَرْعِی'' ہماری شاخوں کو کاٹ ڈالا۔

''وَ اجْتَثَثْتَ اَصْلِی'' ہماری جڑوں کو کاٹ ڈالا۔

''فَاِنَّ لَیَشْفِکَ ھٰذا فَقَدْ اِسْتَشْفَیْتَ''

''اگر تیرے درد کا علاج اسی میں تھا تو تُو نے اس درد سے شفا پالی اور اپنے آپ کو سکون دے لیا'' (تاریخِ طبری، ج7، ص372)۔

آپ کے نوحہ کا اندازِ کلام بھی اسی طرح ہے۔فرماتی ہیں:

''یامحمّداہ، صَلّٰی عَلَیْکَ مَلِکُ السَّمَاءِ،ھٰذاحُسَینٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاء،مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ وَبَنَاتُکَ سَبَایَا،اِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی،وَاِلیٰ مُحَمَّدِالْمُصْطَفٰی وَاِلیٰ عَلِیِّ الْمُرْتَضٰی، وَاِلیٰ فاطِمَۃَ الزَّھْراء..... (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

''یا محمدؐاہ! آپ پر آسمان کے فرشتوں نے صلوات پڑھی ___ یہ آپ کا حسینؑ ریت اور خون میں آلودہ پڑا ہے،اس کے اعضاء کاٹ دیئے گئے ہیں،اور آپ کی بیٹیاں قید کرلی گئی ہیں ___ اللہ،محمد مصطفیٰؐ،علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کے پاس فریاد کرتی ہوں''۔

دربارِ یزید میں بھی قرآنِ مجید کے حوالہ سے عجیب وغریب بلاغت کا اظہار فرمایا۔ہم اسی کوشش میں اس گفتگو کے اشارات اس کے موقع ومقام پر پیش کریں گے۔آپ نے اس موقعہ پر اپنی خاندانی کراماتی گفتگو کا مظاہرہ کیا،ثبوتِ حق و

صداقت پیش کیا اور ظالموں کو ذلیل وحقیر کر دیا۔ ہم نے کبھی اس سے بلیغ تر خطابت نہیں دیکھی۔

ثانیِ زہراؑ کے کلام کا اثر

یہ گفتگو ثانیِ زہراؑ کے دل سے نکل رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ہو رہی تھی۔ اس لئے ان الفاظ نے سننے والوں کے ضمیروں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ یہ خطابت بھی اسی طرح تھی جس طرح بازارِ کوفہ میں کی گئی تھی۔ ابھی شہزادیؑ کے دہنِ مبارک سے وہ تین جملے ہی نکلے تھے کہ لوگوں نے اُن کو سن کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ "یاثارالحسین علیہ السلام (اے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے والو! اٹھو) جیسی فریادیں لوگوں کے دلوں سے نکلنے لگیں۔

شہزادی نے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نام سے کیا تھا، آپ کی حرکات دانہ ہائے تسبیح کی مانند مسلسل تھیں۔ یہ کلام دشمن کے لئے کاٹنے والی تلوار، عوام کا رہنما، خواتین کے لئے مرقعِ ہدایت اور مختلف طبقاتِ سامعین کے لئے انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ زینبؑ کبریٰ کی خطابت نے جسموں میں لرزہ پیدا کر دیا، لوگوں کی آوازیں ان کے گلوں میں پھنس گئیں، یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اونٹوں کی گھنٹیوں میں سے بھی صدائے فریاد آتی تھی۔

ایک شخص دربارِ کوفہ میں موجود تھا۔ جب اُس نے مخدومہ کا کلام سنا تو اُس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رونے لگا۔ وہ شخص روتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"بَابِی اَنْتُمْ"	میرا باپ آپ پر قربان۔
"نِسَائُکُمْ خَیْرَ النِّسَاءِ"	آپ کی خواتین بہترین خواتین ہیں۔
"شَبَابُکُم خَیْرَ الشَّبَابِ"	آپ کے جوان بہترین جوان ہیں۔
"وَ کَهُوْ لُکُمْ خَیْرَ الْکُهُوْلِ"	آپ کے پختہ سال بہترین پختہ سال ہیں۔

مسئلہ کی اہمیت

اس گفتگو کی اہمیت اس حقیقت سے آشکار ہوتی ہے کہ یہ باتیں ایک اسیر خاتون کے دہنِ مبارک سے نکل رہی تھیں۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اگر کسی فاتح کی زبان سے ادا ہوتیں تب بھی باعثِ تعجب ہوئے بغیر نہ رہتیں۔ کسی رئیسِ سلطنت کو بھی اپنی شان وشوکت کے باوجود ایسی پُر ہیبت وجلال گفتگو کا یارا نہیں۔ کوئی مصیبت زدہ اپنے اضطراب وحزن کی حالت میں کیسے یہ باتیں کہہ سکتا ہے!

زینبؑ کبریٰ کے خطاب کا دیگر خواتین سے مقابلہ غیر مناسب نہ ہوگا اگر انہیں حالات میں کسی کو پایا جائے۔ آپ کا کلام ہیجان آمیز اور نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ یہ کلام آیاتِ قرآنی سے مرصع، اسلام کے فلسفۂ عالمگیر کا علمبردار اور اس کے دلائل و براہین سب سننے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رہے تھے۔

اس کلام کا اثر یہ ہوا کہ غفلت زدہ ذہن بیدار ہو گئے، مضطرب معاشرہ ہوشیار ہو گیا۔ جو لوگ جانوروں کے ریوڑوں جیسی زندگی بسر کر رہے تھے، آزادی و مردانگی و شجاعت سے بے بہرہ ہو چکے تھے وہ اس کلام کو سن کر بیدار و ہوشیار ہونے لگے۔ انہیں جرأت پیدا ہوگئی کہ ہدفِ زندگی کے حصول کیلئے متحرک ہو جائیں۔

۱۔ زینبِؑ کبریٰ کی عفت و حجاب

اس بد اخلاق و پریشان معاشرہ میں جہاں کوئی معیارِ شرافت باقی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ''کوثر'' (سیدۂ طاہرہؑ کے اسمائے مبارک میں ایک نام کوثر بھی ہے) عطا فرما کر عوام الناس پر حجت قائم فرمائی۔ پھر انہیں عفت وتقویٰ واخلاق کا نمونہ قرار دیا تاکہ معاشرۂ اسلامی کی خواتین سیدۂ طاہرہ سے سبق لے کر اسلامی راہ و روِش اختیار کریں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ دورِ رسالتؐ میں عفت و پردہ کے امکانات کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد آپؑ کی صاحبزادی زینبؑ کبریٰ نے حکمِ شرع وفریضۂ واجبہ کے طور پر اپنی مادرِ معصومہ کی روِش کو اختیار کیا اور ہر پہلو سے عفت و پردہ کی ضروریات کو اپنا کر اپنے آپ کو نائبۃ الزہراؑ ثابت کردکھایا۔

علامہ مامقانی کہتے ہیں: ''آپ پردہ وعفت و پاکیزگی میں اپنے دور کی بے مثال ہستی تھیں۔ بچپن میں اپنے والدین شریفین کی زندگی اور اپنے برادرانِ عالی مقام کے زمانہ سے لے کر کوفہ کے مصائب کے ایام تک کسی مرد کی نظر آپ پر نہ پڑی تھی (اعیان الشیعہ، ج33، ص191)۔ اس کے علاوہ تمام امورِ زندگی میں، حتیٰ کہ صبر واستقلال اور قوتِ ایمانی وتقویٰ میں بھی ثانیِ زہراؑ یکتائے زمانہ تھیں'' (اعیان الشیعہ، ج33، ص191)۔

دورِ شباب

دیکھنا ہوگا کہ جوانی کے زمانہ میں یا حضرت عبداللہ ابنِ جعفرؓ کے ساتھ شادی کے بعد آپ کیسی کیفیت کی مالکہ تھیں، یا اس کے بعد آپ محافلِ خواتین میں کس طرح نظر آتی تھیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی کے بقول کہیں بھی تاریخ آپ کی شکل وصورت وحُسنِ ظاہری کا تذکرہ نہیں کرتی (زینبؑ، شیر دل خاتونِ کربلا، ص52)۔ اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ زینبؑ کبریٰ اپنے حجاب میں مستور رہتی تھیں۔ ممکن نہ تھا کہ پردہ کے پیچھے رہنے کے علاوہ کسی صورت میں آپ کو دیکھا جاسکے۔ آپ کا یہ طریقِ کار بذاتِ خود آپ کے معتقدین وپیروان کے لئے بہت بڑا درس ہے۔

آپ کی حضرت عبداللہ کے ساتھ زندگی کا جہاں تک تعلق ہے، یا اُن محافلِ درس کا جو آپ کوفہ ومدینہ میں منعقد فرماتی

تھیں، تاریخ کوئی تذکرہ نہیں کرتی۔ ہر جگہ عفت و پاکیزگی اور تقویٰ وطہارت ہی کا ذکر ملتا ہے۔صرف عاشورۂ محرم ۶۱ھ کے واقعات میں ہی آپ کو باہر دیکھا گیا۔اس کے علاوہ اپنے پدرِ بزرگوار اور بھائیوں کے تمام زمانۂ حیات میں کسی ایک مقام یا موقعہ پر بھی آپ کی خطابت کا پتہ نہیں چلتا۔

زینبؑ کبریٰ کی والدۂ محترمہ جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا پر بھی یہی کیفیت صادق آتی ہے۔دخترِ رسولؐ خدا معصوم تھیں۔آپ کی تمام زندگی میں کوئی ایک موقعہ بھی ہمیں نہیں ملتا جب آپ نے کبھی مردوں یا خواتین کے اجتماع میں تشریف لا کر کسی گفتگو کا ارادہ یا خطابت کی ہو۔وفاتِ رسولِ اکرمؐ کے بعد آپ کو اعلائے کلمۃ الحق کرنا پڑا، آپ کے حق کو روک لیا گیا، آپ کو دُرّے مارے گئے، آپ کے استحقاق کو لوگوں پر مشتبہ کیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔اُس وقت سیدہ طاہرۂ مسجدِ نبویؐ میں جملہ شرائط اور ضوابطِ پردہ کو اختیار کر کے گفتگو کیلئے تشریف لائیں۔روایت یہ بھی ہے کہ سیدہؑ اور لوگوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا۔

ثانیِ زہراؑ کیلئے حضرت علیؑ کا طرزِ عمل

ہماری تحقیق واسناد کے مطابق امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی بیٹی کیلئے اس طرزِ عمل کو قائم رکھا۔آپ کی مستقل کوشش رہی کہ زینبؑ کبریٰ پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔یہ طرزِ عمل صرف ایک دو مواقع پر ہی منحصر نہیں۔ہمیں اس سلسلہ میں کسی خاص جستجو یا جدید تحقیق کی ضرورت نہیں کیونکہ مسئلہ نہ صرف شیعانِ علیؑ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے بلکہ مؤرخینِ حضراتِ اہلِ سنت نے بھی اس حقیقت پر خامہ فرسائی کی ہے۔

یحییٰ نامی ایک عالم شخص کا بیان ہے: ''میں ایک عرصہ تک مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کے پڑوس میں رہا۔میرا گھر سیدہ زینبؑ کے خانۂ اقدس کے بالکل قریب تھا۔میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام عرصہ میں نہ تو میں زینبؑ کبریٰ کا کبھی قد و قامت دیکھ پایا اور نہ ہی میں نے کبھی اُن کی آواز سنی۔جب کبھی شہزادی اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی غرض سے اپنے گھر سے باہر نکلنے کا قصد فرماتیں تو کوشش یہی ہوتی کہ رات کے وقت گھر سے باہر آئیں۔جب بھی ایسا موقعہ آتا تو امام حسن علیہ السلام آپ کی دائیں طرف، امام حسین علیہ السلام بائیں طرف اور خود امیر المؤمنین علیہ السلام آگے آگے تشریف لاتے۔جونہی قبرِ اطہرِ رسولؐ خدا قریب آتی، امیر المؤمنینؑ آگے بڑھ کر چراغ ہائے مزار کو کم کر دیتے''۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک روز ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی۔امیر المؤمنین علیہ السلام نے جواب دیا: ''مجھے خوف ہے کہ کوئی تمہاری بہن زینبؑ کے قد وقامت کا اندازہ نہ کر پائے'' (زینبؑ الکبریٰ،ص 27)۔

اس سلسلہ میں کچھ اور باتیں بھی ہیں جنہیں ہم سطورِ ذیل میں پیش کریں گے۔

زینبؑ کبریٰ کی اپنی احتیاط

اُموی حکومت کے ظلم وزبردستی کی انتہا یہ ہوئی کہ اسیری کے دوران زینبؑ کبریٰ کو مع دیگر اسیرانِ اہلِ بیتؑ دربارِ یزید میں جانا پڑا جہاں باہر کے لوگوں اور جملہ ظالمان کا سامنا تھا۔ اسی اجتماع میں اسیرانِ ظلم کی نشان دہی کی گئی۔ سیدہ زینبؑ اس گستاخی پر بہت پریشان ہوئیں۔ یزید کو مخاطب کرکے فرمایا:

"اَمَا تَخیٰی وَ تَحذَر؟" "کیا تجھے شرم وحیا نہیں آتی؟"

"حَرَمُکَ فِی الخَذرِ" "اپنی بیوی اور عورتوں کو تو تُو نے پردہ میں بٹھا رکھا ہے۔"

"وَاشتَھَرتَ بَنَاتَ رَسُولِ اللّٰہ"

"اور رسولؐ اللہ کی بیٹیوں کو لوگوں میں بے پردہ لے آیا ہے؟" (زینبؑ اُخت الحسینؑ)

علاوہ ازیں سہل ساعدی کا واقعہ ہے جو دمشق میں جنابِ سید الساجدین علیہ السلام سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ امامؑ نے حکم دے رکھا تھا کہ سرہائے شہداء کو قافلۂ اسیران سے کسی قدر آگے رکھا جائے تا کہ لوگ سروں کی طرف متوجہ ہوں اور کم سے کم خواتین کو دیکھ پائیں (تاریخِ طبری، ج 7)۔

اسی واقعہ میں یہ بھی سنا جاتا ہے کہ زینبؑ کبریٰ نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس پردہ کا کوئی انتظام ہو تو مستورات اور ہماری بیٹیوں کیلئے مہیا کر دے تا کہ وہ اپنے آپ کو باپردہ کرسکیں (تاریخِ عاشورا کی طرف رجوع فرمائیں)۔

آخر میں ہم اس قدر کہنا چاہیں گے کہ سیدہ زینبؑ کبریٰ اس تمام واقعہ میں یکتا اور خواتین کے لئے نمونہ ہیں۔ اگر خواتین برادری کی افراد سیدہ زینبؑ کی بیٹیاں کہلانا چاہتی ہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس عظیم مادرِ گرامی کی پیروی کریں، یہ گمان نہ کریں کہ پردہ عورت کے کام کرنے اور اس کی فعالیت میں رکاوٹ کا باعث ہے کیونکہ سیدہ زینبؑ سے زیادہ فعال ومجاہدہ و عابدہ اور کون خاتون ہوسکتی ہے!

۲۔ ثانئ زہراؑ کی عبادت و مناجات

زینبؑ کبریٰ خداشناس مخدومہ ہیں۔ بچپن کے زمانہ ہی سے عشقِ پروردگار اور محبتِ الٰہی آپ کے قلب میں موجزن ہے جو آپ کی عبادت اور ذاتِ باری تعالیٰ کے حضور تضرع وزاری کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ایک مرتبہ اپنے بچپن کے

زمانہ میں اپنے پدرِ بزرگوار سے پوچھتی ہیں: ''بابا! کیا آپ کوئی دوست رکھتے ہیں یا نہیں؟''

جواب مثبت ملتا ہے۔ اُسی وقت دوسرا سوال پیش کرتی ہیں: ''بابا جان! کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی دل میں حُبِّ خدا اور محبتِ اولاد بیک وقت جمع ہوں؟''

فرمایا: ''اللہ کی محبت خصوصیت کی حامل ہے جبکہ اولاد پر شفقت کرنا لازم ہے۔'' (مستدرک، ج2، ص635)۔

ثانیِ زہراؑ اللہ تعالیٰ کے حضور عبادت گزار اور حاملِ صبر و رضا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بندہ اور اہلِ دُعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے باعث آپ کو ایک قسم کا کشفِ بصیرت حاصل ہے جس کی بنا پر آپ کہنہ حقائق کو ظاہر و آشکار مشاہدہ فرماتی ہیں اور نہ سنی جانے والی باتوں کی بھی سامع ہیں۔ اس کیفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق بن چکی ہیں:

''کُنتُ سَمعَهُ الَّذِی یَسمَعُ بِه، وَبَصَرُهُ الَّذِی یُبصُرُ بِه''.

یعنی ''جب کوئی بندہ واقعی معیارِ زندگی پر پورا اتر رہا ہو تو میں (اللہ خود) اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھنے لگتا ہے'' (حدیثِ قدسی)۔

عبادتِ ثانیٔ زہراؑ

سیدہ زینبؑ عالیہ عبادت کے سلسلہ میں عابدۂ عارفہ کے درجہ پر فائز ہیں۔ جس وقت عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتی ہیں تو غیرِ خدا سے آپ کا ہر قسم کا رشتہ کٹ چکا ہوتا ہے۔ بعض محدثین و مصنفوں نے منزلِ عبادت میں آپ کو آپ کی والدۂ گرامی جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ہم شبیہہ قرار دیا ہے، بالخصوص نمازِ تہجد میں۔ منقول ہے کہ روزِ عاشورہ وداعِ آخر کے موقع پر امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس خواہرِ عالی مقام سے کہا: ''بہن! مجھے اپنی دعائے نمازِ شب میں فراموش نہ کرنا''۔

''یَااُختَاهُ لَا تَنسِینِی فِی نَافِلَةِ اللَّیلِ''. (مقتل الحسینؑ، فاضل قائینی)

زمانہ کے حوادث اور آلام کے بھنور نے بھی، مصائب و اندوہ کے طوفانوں نے بھی آپ کو عبادتِ خدا اور رابطۂ پروردگار سے غافل نہ کیا۔ انتہا یہ ہے کہ محرم ۶۱ھ کی گیارہویں شب کو بھی تمام اضطراب و اضطرار کے باوجود آپ نے نمازِ شب کو فراموش نہ کیا۔ جنابِ سید الساجدین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں نے آپ کو دیکھا کہ اُس رات آپ بیٹھ کر نمازِ شب ادا کر رہی ہیں''۔

''رَایتُهَا تِلکَ اللهِ تُصَلِّی مِنْ جُلُوس''. (فاطمہ زہراؑ، ص64)

دعا و مناجات بہ حضورِ پروردگارِ عالم اور تلاوتِ قرآنِ پاک کبھی آپ سے ترک نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں صرف اپنی ذات

سے ہی ان امور کو متعلق نہ جانتی تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ان امور کی وصیت فرماتی تھیں۔ آپ کے نصائح میں وارد ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتیں اور فرماتیں: ''اللہ تعالیٰ سے اُس کی اُس قدرت کی بنا پر ڈرو جو اُس کو تم پر حاصل ہے۔ نیز اپنے ساتھ اُس کے قرب کی خاطر اُس سے حیا کرو''۔ کبھی اس طرح فرماتیں: ''اگر کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی شفاعت کریں تو چاہئے کہ وہ حمدِ پروردگار کی راہ اختیار کرے اور......'' (اعیان الشیعہ، ج33)۔

سیدہ زینبؑ کی منزلِ شکرِ پروردگار

ثانیِ زہراؑ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار اور حمد گزار خاتون ہیں۔ آپ کی تمام سوانحِ حیات میں جہاں کہیں آپ کی کوئی گفتگو نظر آتی ہے اس کی ابتداء خدائے بزرگ کی حمد و ستائش سے ہوتی ہے۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد جبکہ آپ کا عرصۂ حیات بالکل مختلف قسم کے موارد و مشکلات سے مملو تھا، یہ عمل کبھی نظر انداز نہ ہوا۔

ابنِ زیاد جیسے بداندیش و بدنہاد دُشمن کے دربار میں بھی، جو اپنی ذلیل و کمینہ گفتگو سے آپ کی منزلِ عظمت کو منہدم کرنا چاہتا تھا، آپ نے حمدِ پروردگار ادا فرمائی اور شہادت کو اپنے خاندان کیلئے باعثِ افتخار قرار دیا (زینبؑ در مجلسِ ابن زیاد)۔ بازارِ کوفہ میں لوگوں کے ہجوم سے خطاب فرماتے ہوئے حمدِ باری تعالیٰ سے ابتداء کی اور اس طرح خطابت شروع فرمائی:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالصَّلٰوۃَ عَلیٰ جَدِّی رَسُولِ اللّٰہ،اَمّا بَعْدو..... (بلاغات النساء)۔

دربارِ یزید میں بھی حمد و ثنائے پروردگار ثانیِ زہراؑ کی زبان پر جاری تھی۔ ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے جوانانِ بہشت کے سرداروں کو خوش بختی و بخشش کی منزل مرحمت فرمائی اور جنت کو ان کی آرام گاہ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتی ہوں کہ اُن کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے فضل و کرم کی عنایات اُن پر زیادہ کرے کہ وہ ہر کام پر ہمیشہ قدرت رکھتا ہے'' (بلاغات النساء)۔

اس کے علاوہ بھی سیدہ زینبؑ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذی بِنِعْمِہٖ بَلَغْتُ، وَالْعَمَلُ لَہٗ، وَالرَّغْبَۃُ اِلَیْہ،وَالطّاعَۃُ لِاَمْرِہ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جاحِداً لِشَیءٍ مِنْ کِتابِہ،اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْنِی مُتَحَیِّراً فِی شَیعی مِنْ اَمْرِہٖ.....'' (اعیان الشیعہ، ج33).

یعنی ''حمد و سپاس خصوصی ہے پروردگارِ عالم کے لئے جس کی تمام نعمات، جن کی ہمیں احتیاج ہوتی ہے، ہمیں مل جاتی

ہیں۔ جو عمل ہم اُس کی خاطر بجالاتے ہیں، جس قدر توجہ اُس کی طرف رکھتے ہیں، اُس کے احکام کی جس قدر اطاعت کرتے ہیں، سب کچھ اُس کی نعمات کے سایہ میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر بجالاتی ہوں کہ اُس نے مجھے اپنی کتابِ مقدس میں مذکور کسی چیز کا منکر قرار نہیں دیا اور مجھے اپنے کسی امر میں پریشانی میں مبتلا نہیں کیا''۔

سید الساجدینؑ و توصیفِ ثانیٔ زہرؑا

امام زین العابدین علیہ السلام کی وہ شخصیت ہے جو سیدہ زینبؑ کو مستقل طور پر ہمیشہ اس طرح اپنے ہمراہ رکھتے تھے جس طرح کوئی پرستار کسی کے ساتھ رہتا ہے۔ روزِ عاشور کے واقعات اور پھر اُس کے بعد بھی ثانیِ زہرؑا سب سے زیادہ سید الساجدین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ امامؑ نے اپنی محترم پھوپھی صاحبہ کو دیکھا کہ وہ مختلف قسم کے اجتماعات میں شرکت فرماتیں۔ یہ طرزِ عمل زینبِؑ کبریٰ اپنی عبادت کے طور پر اختیار کرتی تھیں۔ سید الساجدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میری پھوپھی سیدہ زینبؑ کربلا سے کوفہ و شام کے طویل سفر میں اپنے تمام فرائض کو مکمل طور پر انجام دیتی تھیں۔ بعض اوقات آپ کئی منازل پر نماز بیٹھ کر پڑھتی تھیں جس کی وجہ کمزوری اور بھوک کی شدت ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ سفرِ شام کے دوران، بالخصوص آپ پر توڑے گئے مصائب و شدائد کے دوران ہوتا تھا، جب کہ اس زمانہ میں بھی کبھی آپ نے نافلۂ شب کو ترک نہ کیا تھا (فاطمہ زہرؑا، ص 641)۔ بیٹھ کر آپ کے نماز پڑھنے کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ آپ اپنا کھانا بچوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ یہ وجہ آپ کے خود بھوکا رہنے کی ہوتی تھی [1]۔

یقیناً ثانیِ زہرؑا عبادت گزار اور تسلیم و رضا کا پیکر تھیں۔ آپ نماز کو بہت دوست رکھتی تھیں کیونکہ یہ عمل بارگاہِ پروردگار

1۔ ریاحین الشریعۃ، ج ۳، ص ۶۲۔ مترجم یہاں ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' مترجمہ آغا حسن رضا غدیری سے ایک اور اقتباس پیش کرتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: ''سیدہ زینبؑ کی بلند شخصیت و عظمت کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے اپنے وقت کے امام سید الساجدین زین العابدینؑ کی زندگی کو چار مقامات پر سہارا دیا:

1۔ اُس وقت جب اشقیاء نے اولادِ رسولؐ کے خیموں کو نذرِ آتش کر دیا اور امام سجادؑ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔

2۔ اُس وقت جب امام زین العابدینؑ شمر کی بربریت کا نشانہ بن کر تازیانوں پر تازیانے کھا رہے تھے۔

3۔ اُس وقت جب ابنِ زیاد نے امام زین العابدینؑ کا چراغِ حیات گُل کرنا چاہا۔

4۔ اُس وقت جب آغوشِ ملوکیت کے پروردہ یزید نے امام زین العابدینؑ کو اپنی بربریت و آمریت کے پنجوں تلے روندنے کی کوشش کی۔

میں بہت زیادہ عاجزی کا مظہر ہے۔آپؑ کسی بھی قسم کے حالات میں کبھی نماز سے غافل نہ تھیں۔نماز کے ساتھ آپؑ کی وابستگی آپؑ کی شب یازدہم محرم کی مصروفیت سے ثابت ہوتی ہے جب آپؑ غم واندوہ میں گرفتار تھیں اوراسی کیفیت میں آپؑ کو یتیم بچوں کی سرپرستی بھی کرنا پڑ رہی تھی (حسینؑ بن علیؑ ،ص 17، 170)۔

''وَاَمّاعَمَّتِی زَیۡنَبُ فَاِ نَّھَا لَمۡ یَزَلۡ قَا ئِمَۃً فِی تِلۡکَ اللَّیۡلَۃِ اَیِ الۡعا شِرَۃِ مِنَ الۡمُحَرَّمِ فِی مِحۡرَابِھَا''.

''جہاں تک میری پھوپھی زینبؑ کا تعلق ہے وہ محرم کی دسویں شب کو صبح تک محرابِ عبادت میں مشغولِ نماز رہیں''۔

''لَسۡتَغِیۡثُ اِلٰی رَبّھَا'' اپنے پروردگار کے حضور استغاثہ کرتی رہیں۔

''فمَا ھَدَاتُ لَھَا عَیۡنٌ'' ہرگز تمام شب آرام کے لئے آنکھ بند نہ کی۔

''وَلَا سَکَنَتُ لَھَا دِنَّہ'' اشک ریزی وفغاں سے بالکل سکون وآرام نہ پایا (مشیرالاحزان ،شریف جواہری)

اسی طرح فرماتے ہیں کہ اس رات بھی میری پھوپھی زینبؑ کبریٰ نے اپنی عبادت ومناجات ونمازِ شب کو ترک نہ کیا۔ مستقل طور پر مالکِ حقیقی سے راز ونیاز اوراشک افشانی جاری رکھی (ریاحین الشریعہ، ج3،ص73) جبکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ شبِ عاشور خانوادۂ رسولؐ پر سخت ترین شب تھی ،صبح کو واقعہ ہونے والے حالات کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ شبِ عاشور باہم بات چیت کی آخری شب تھی۔ یہ شبِ وداع تھی جس میں سب لوگوں کو اپنے بچوں ،زندگی اور وصایا کے سلسلہ میں گفتگو کرنا لازم تھی۔ایسے حالات میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس مصیبت واضطراب کے عالم میں پروردگارِ عالم کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے متعلق حوصلہ وہمت وہوش قائم رکھنے کے قابل ہوں۔

زینبؑ کبریٰ کی دُعا ونفرین

ثانیِ زہراؑ منزلِ دعا پر فائز تھیں۔اسنادِ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اس قدر رابطہ وقرب رکھتی تھیں کہ آپ کو مستجاب الدعوۃ کہنا درست ہوگا۔اکثر پریشان حال ومصیبت زدہ لوگ جنابِ زینبؑ عالیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اپنی حاجات کی برآوری کیلئے آپ سے دعا کے خواستگار ہوتے۔یہ کیفیت آپ کے بچپن ہی سے شروع ہوچکی تھی۔

اصولی طور پر حقیقت یہ ہے کہ خلوص وصفائیِ قلب کے ساتھ جو ہاتھ بارگاہِ پروردگار میں بلند ہوتے ہیں وہ ہرگز مقامِ استجاب سے ناکام نہیں پلٹا کرتے۔اس صورت میں ثانیِ زہراؑ سے زیادہ ان شرائط کا حامل کون ہوسکتا ہے! بچپن ہی سے آپ

عشقِ ربّ العزت سے سرشار تھیں۔ اس بچپن کے عالم میں اپنے ننھے ننھے ہاتھ درخواست کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف بلند فرماتیں، حتیٰ کہ آپ کی یہی کیفیت عالمِ بزرگی تک قائم رہی۔

ہم یہاں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ کی دعا و نفرین دونوں منزلِ اجابت پر تھیں۔ کوفہ میں امِ حجام نامی ایک عورت نے امام حسین علیہ السلام کے نورانی سرِاقدس کی، جو نیزہ پر تھا، اہانت کی جو شہزادی کو گراں گزری۔ آپ نے اس پر نفرین کی۔ وہ عورت اسی وقت عمارت کی چھت سے نیچے گری اور واصلِ جہنم ہوئی۔

روزِ عاشور عصر کے وقت دشمن خیمہ گاہِ امامِ مظلوم میں گھس آیا۔ ایک ظالم امامِ مظلوم کی صاحبزادی کے کانوں سے گوشوارے اتارنے لگا درآنحالیکہ وہ روتا بھی جاتا تھا۔ سیدہ زینبؑ نے پوچھا کہ کیوں اس بچی کے کانوں سے گوشوارے ظلم سے اُتارتا ہے اور پھر روتا بھی ہے؟ اس ظالم نے جواب دیا کہ روتا اس لئے ہوں کہ میرا دل اس بچی کے حال پر جلتا ہے لیکن ایسا اس لئے کررہا ہوں کہ اگر میں یہ گوشوارے نہ چھینوں گا تو کوئی اور چھین لے گا۔ زینبؑ کبریٰ نے اس پر اس طرح نفرین کی:

"قَطَعَ اللّٰه يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ، وَحَرَّقَكَ اللّٰه بِنَارِ الدُّنْيَا قَبْلَ نَارِ الْآخِرَةِ".

"اللہ تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے اور آتشِ دوزخ سے پہلے آتشِ دُنیا تجھے جلا ڈالے"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ مختارؒ ابن ابوعبیدہ ثقفی کے سامنے گرفتار ہو کر آیا اور اس پر وہی عقوبت جاری کی گئی (قیامِ مختار)۔

دربارِ یزید میں ایک شامی ملعون نے سید الشہداء علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کو کنیزی کے لئے مانگا۔ زینبؑ عالیہ نے اس پر نفرین کی اور فرمایا:

"قَطَعَ اللّٰه لِسَانَكَ، وَاَعْمٰى عَيْنَكَ، وَاَيْبَسَ يَدَيْكَ".

"اللہ تیری زبان کو قطع کرے، تیری آنکھوں کو اندھا کرے اور تیرے ہاتھوں کو خشک کرے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (ریاحین الشریعہ، ج3)۔

اس قسم کی عقوبات کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہ مثالیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و انتقام ہمیشہ ان لوگوں پر وارد ہوا جو تخریبِ دین کے موجب بنے یا دین و انسانیت کے تقدس کو جنہوں نے پامال کیا۔ یہ عمل ہمیشہ واقع ہوتا ہے، فطرت و سنتِ الٰہی کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی طرح کے مبالغہ کو قطعی دخل نہیں۔

نظرِ بصیرت

ثانیِ زہراؑ کی نگاہِ بصیرت کے مکاشفات بھی عینِ حقیقت ہیں۔ پروردگارِ عالم سے آپ کے ارتباط کا اندازہ و معیار یہ ہے کہ آپ پر نظرِ بصیرت کے ذریعے جملہ امور آشکار ہو جاتے تھے۔ آپ حقائق کا مشاہدہ کرلیتیں اور آئندہ کے لئے ان کے مطابق اپنی صائب رائے کا اظہار فرما دیتی تھیں۔ اپنے علم و ایمان کے مطابق اور جس مسئلہ کے بارے میں گفتگو فرماتیں اس پر مکمل یقین و ایمان رکھتی تھیں۔

ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کربلا کی قتل گاہ میں تشریف لائیں تو یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ادا فرمائے:

"یارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذاحُسَیْنُکَ".

ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت آپ نے حقیقتاً رسولِ اکرمؐ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

علیٰ ہذا القیاس ابنِ زیاد ملعون سے گفتگو کے دوران فرمایا: ''بہت جلد خداوندِ عالم تیرے اور شہدائے کربلا کے درمیان عدل فرمائے گا اور اللہ کے حضور تم لوگوں کی دشمنی کے مقدمہ پر بحث و دلائل پیش ہوں گے......''

یہ الفاظ مخدومۂ کائنات نے ایسے عزم و استقامت کے ساتھ ادا فرمائے گویا آپ قیامت اور عدالتِ پروردگار کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ یہ سب کچھ زینبؑ عظمیٰ کی شان و مرتبہ کے عین مطابق ہے اور اس میں قطعی کسی مبالغہ کو دخل نہیں۔

۳۔ ثانیِ زہراؑ کی منزلِ عصمت و نیابت

ہم ایک بار پھر علامہ مامقانیؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

"وَمَااَدْرِیکَ مَازَیْنَبِ" (اعیان الشیعه، ج33).

یعنی تو کیا جانے زینبؑ کیا ہے؟

ہم جو کچھ بھی اُن کی توصیف اور شان میں کہتے ہیں، کم کہتے ہیں۔ آپ کی دو خصوصیات ایسی ہیں جن کی یا تو دوسروں میں صرف علامات نظر آتی ہیں یا وہ خصوصیات بہت کم درجہ پر پائی جاتی ہیں۔

''پہلی خصوصیت یہ ہے کہ آپ سنِ رشد کو ایسے ماحول میں پہنچیں اور ایسے ماحول میں آپ نے زندگی بسر کی کہ وہ ماحول کسی اور کو میسر نہ ہوا۔ آپ نے عصمت کی فضا میں پرورش پائی اور جملہ معصومین کے درمیان ہوش سنبھالا بلکہ آپ کی پوری زندگی انہی کے درمیان اور اُسی فضا میں بسر ہوئی۔

آپ کے اوّلین مربی وہ حضرات ہیں جو سب کے سب معصوم ہیں یعنی سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیرالمؤمنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا۔ ان حضراتِ معصومین کے درمیان وہ فضا قائم تھی جو عطرِ وحی سے معطر تھی۔ یہ وہ خاندان ہے جس کیلئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

"فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ....."(سورۂ نور:36)

ان کے بعد آپ کی حیاتِ اقدس امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین اور بروایتے کچھ عرصہ امام محمد باقر علیہم السلام کے ساتھ بسر ہوئی جو سب کے سب آئمہ معصومین ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے معصومین کے کرداروں نے آپ کے مزاج و کردار میں نفوذ نہ کیا ہو یا مؤثر نہ ہوئے ہوں؟ تاریخ اس کا جواب یہ دیتی ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ کردارِ معصومین آپ پر اثر انداز نہ ہوئے ہوں، بلکہ ان سب کا آپ کے طریقِ حیات میں عمیق و مستقل اثر پایا جاتا ہے جس کی مثالیں اور آثار صاف نظر آتے ہیں اور آئندہ صفحات میں پیش ہوں گے۔

منازلِ کردارِ زینبؑ علیا

ثانیِ زہراؑ بہت بلند مقام و کردارِ رفیع کی مالکہ ہیں جس میں اُن کی کوئی مثل و نظیر نہیں۔ آپ عابدہ ہیں، زاہدہ ہیں، عارفہ ہیں، فصیحہ ہیں، بلیغہ ہیں، جواد و کریم ہیں، رزم و بزم دونوں کی اہل ہیں، مشفقہ ہیں، محبت کرنے والی ہیں، مقامِ ولایت کی پیغام رساں ہیں، ابنِ اثیر کے بقول عاقلہ ہیں، خردمند ہیں، سخنِ محکم رکھتی ہیں، مقامِ ذکرِ حدیث و روایات آپ کی قیام گاہ ہے۔ ابنِ عباسؓ جیسے لوگ کہتے ہیں: "حَدَّثَتْنِی عَقِیْلَتُنَا" (الکامل) یعنی یہ بات ہمیں ہماری عقیلہ نے بتائی۔ بہ الفاظِ دیگر زینبؑ عالیہ امامت (سفینہ، ج 1، ص558) کی سپردشدہ امانات (مقاتل الطالبین) کے بوجھ کیلئے مناسب و شائستہ ترین ہستی ہیں۔

علامہ برغانیؒ آپ کو اُن مقامات سے نسبت دیتے ہیں جو شانِ امامت کیلئے مخصوص ہیں (مجالس المتقین)۔ دیگر مصنفین اور مؤرخین نے بھی آپ کو متعدد مقاماتِ باطنی، معنوی، عرفانی، فضائل و خصائل، علم و عمل، عصمت و عفت کے سلسلہ میں سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا ثانی قرار دیا ہے (طرز المذاہب)۔

فخرِ عصمت و نیابت

ثانی زہراؑ صرف اُس بصیرت کی بنا پر جس کا اندازہ ہمیں حیاتِ رسولؐ و معصومین علیہم السلام سے ہوتا ہے، لفظی اعتبار سے معصومہ نہیں ہیں۔ علامہ ماسقانیؒ کے بقول اگر کوئی شخص حیاتِ زینبؑ عالیہ سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی آپ کی عصمت

کے بارے میں بحث کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اُس کو زیب نہیں دیتا کہ اس امر میں کسی طرح کا شک کرے کیونکہ معاملہ اگر آپ کی عصمت کے برعکس ہوتا تو امام حسین علیہ السلام پر لازم نہ تھا کہ وداعِ آخر کے وقت رموزِ امامت اور اپنے وصایا کو آپ کے سپرد فرماتے (اعیان الشیعہ، ج33،ص191)۔

حقیقت یہ ہے کہ زینبؑ کبریٰ سے ان کی پاک زندگی کے دوران ایسے مواقع و حالات ظاہر ہوئے جو معصوم حضرات کے سوا کسی سے متوقع نہیں ہو سکتے۔ آپ کے سوا اور کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جو سفرِ حیات میں ہر لحظہ ذاتِ پروردگار سے منسلک رہ سکے اور ہر وقت اپنی زندگی، کردار، اقدار، عمل اور گفتگو پر اس قدر قابو رکھ سکے۔ آپ نے اپنی تمام عمر صحبتِ معصومینؑ میں بسر کی تھی، ہمیشہ معصومینؑ کے ساتھ رہیں حتیٰ کہ اُس مقام پر فائز ہو گئیں جو صحیح معنی میں مقامِ امانت تھا۔ لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام آپ پر اعتمادِ کامل رکھتے تھے۔

پیروِ عصمت

کئی مصنفوں اور صاحبانِ فہم لوگوں نے آپ کو مقامِ عصمت کا شناسا و پیرو قرار دیا ہے۔ آپ کو معصوم تو نہیں جانا بلکہ آپ کو مکمل طور پر پیروِ عصمت تسلیم کیا ہے۔ ان لوگوں نے آپ کو اُن حضرات میں شمار کیا ہے جو ہر لحاظ سے مقامِ عصمت سے واقفیتِ تامہ رکھتے ہیں، بلکہ آپ کو اس حد تک متعارف بہ عصمت تسلیم کیا ہے کہ کوئی اور اُس حد تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ یہ مقام آپ کو آپ کے حالاتِ زندگی، معیارِ روحانیت، واقعات کے محیط میں آپ کی ذمہ داری کی خاطر دیا گیا ہے جو طولِ تاریخ میں آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں آپ سے ظاہر ہوئے۔

ہم دنیائے اسلام کی اُن فاضل و مایہ ناز ہستیوں کو جانتے ہیں جنہوں نے جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور زینبؑ کبریٰ علیہا السلام کے مقامات و منازلِ فضل و علم و عرفان و عفت و حیا و قوتِ قلب و متانت اور زندگی کی مشکلات و مصائب میں صبر و تحمل کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے اور ان دونوں مخدرات کا موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تمام فضلائے روزگار نے اپنے اس موازنہ میں کسی طرح بھی زینبؑ عالیہ کو سیدہ طاہرہؑ سے کم قرار نہیں دیا، سوائے اس کے کہ زینبؑ عالیہ بیٹی کی حیثیت میں جنابِ سیدہ طاہرہؑ سے مؤخر ہیں جو اُن کی والدۂ گرامی اور پرورش کنندہ کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ موازنہ کرنے والے فاضلین یہ بھی کہتے ہیں کہ جنابِ سیدہ طاہرہؑ کو رسولِ اکرمؐ اور اپنے شوہر امیر المؤمنین علیہ السلام سے جیسا رابطہ و تعلق حاصل ہے ویسا ہی تعلق ثانیِ زہراؑ کو جناب سید الشہداء اور سید الساجدین علیہما السلام سے حاصل ہے۔ یہ حضرات زینب علیا کی

عصمت کے سلسلہ میں آپ کی اپنے عظیم بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ روزِ عاشور تمام اقدامات میں شرکت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے آپ کو عصمت جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہم قدم جانتے ہیں۔

منزلِ نیابت

ثانیِ زہراؑ خود اپنی استعداد اور شائستہ اقدار کی بنا پر روزِ عاشور نیابتِ سید الشہداء علیہ السلام کی منزل پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام زندہ موجود تھے لیکن اپنی علالت کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ آپ پوری قوت کے ساتھ اپنے فرائضِ امامت کو ادا کر پاتے۔ آپ میں اس قدر قوت و توانائی باقی نہ تھی کہ اسیری کے دوران اپنے اسیر کارواں کی سرپرستی و نگہداشت کر سکتے۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے اپنے سے متعلق اپنے بعد کے تمام امور اور سالاریٔ کاروان سب ثانیِ زہراؑ کے سپرد فرما دیئے تھے جو فرائض اپنی خاص نوعیت میں نیابتِ سید الشہداء کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس نیابت کے سلسلہ میں بعض بزرگ مثلاً شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہٗ اس بات کے قائل ہیں کہ ان تمام مواقع میں سیدہ زینبؑ بالکل امام حسین علیہ السلام کا نمونہ تھیں۔ حد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دیگر شرعی مسائل میں جب بھی لوگوں کو رہنمائی کی ضرورت پڑتی تو آپ کی طرف رجوع کرتے۔ یہ کیفیت سید الساجدین علیہ السلام کے بیماری سے شفایاب ہونے تک جاری رہی (اکمال الدین و اتمام النعمۃ، ص 257)۔

ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا معصوم نہ ہوں تب بھی معصومین کے فرائض انجام دیتی نظر آتی ہیں۔ بالفاظِ دیگر آپ کو وہی قوتِ قلب حاصل ہے جو حضرات معصومین کے پاس ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ اکثر اپنے زمانہ کے امام کیلئے تسلی و اطمینان کا باعث بنتی ہیں۔ ایک مستند روایت کے مطابق جب امام حسین علیہ السلام خیامِ اہلِ بیتؑ میں حضرت علی اکبرؑ کی لاش لائے تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس وقت ثانیِ زہراؑ کے الفاظِ تسکین آپ کیلئے اطمینان و سکون کا باعث بنے۔

ایسی ہی ایک روایت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں بھی ملتی ہے۔ جب سید الساجدین علیہ السلام قتل گاہ میں پہنچے اور شہداء کے اجساد کو ٹکڑے ٹکڑے ہوا دیکھا تو آپ بے چین ہو گئے، چہرہ کا رنگ اُڑ گیا، اس وقت سیدہ زینبؑ فوراً امامؑ کے پاس پہنچیں اور اُن کے سکون کی خاطر فرمایا:

''مَالِی اَرٰیکَ تَجُوْدُ بِنَفْسِکَ'' (لہوف، سید ابن طاؤس)۔

یعنی '' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ تو اپنی جان گنوا بیٹھے گا.....''

پھر اُسی وقت آپ نے حدیثِ اُم ایمنؓ آپ سے بیان فرمائی۔

مخزنِ اسرارِ امامت وامانت

زینبؑ کبریٰ امامت کے اسرار و رموز اور امانات کی مخزن ہیں۔ نورِ امامت وہ نورِ درخشندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ آپ اُسی علم واخلاق کی وارث اور اسرار و رموزِ نبوت کی امین ہیں۔ جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی دانائی وعظمت وروحانیت کے واضح آثار آپ میں موجود ملتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کس سے ممکن تھا کہ ان تمام اسرار و رموز کا محافظ ہوسکتا؟

شیخ صدوق مرحوم ثانیِ زہراؑ کی شان میں لکھتے ہیں: ''سیدہ زینبؑ کی عظمت اور اُس قربت کی بنا پر جو آپ کو امام حسین علیہ السلام سے حاصل ہے، امام علیہ السلام نے آپ کو اسرارِ امامت کی امین جانتے ہوئے تمام رموز و وصایائے امامت سپرد فرمائے (اکمال الدین، ص 257)۔

چونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوصل ہیں اور آنحضرتؐ خود امینِ وحیٔ پروردگار ہیں، لہٰذا کہنا چاہیے کہ ثانیِ زہراؑ سزاوارِ امانتِ پروردگار ہیں اور یہ تمام اسرار و رموز آپ کو دورانِ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کاملاً حاصل ہوئے۔

اس بنا پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعد والے آئمہ علیہم السلام کو رشتہ واتصالِ وحی زینبؑ عالیہ کے ذریعہ ہی منتقل ہوا۔ لہٰذا جو کچھ امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہوتا ہے وہ دراصل سیدہ زینبؑ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا رہا تاوقتیکہ سید الساجدین علیہ السلام کی زندگی خطرات سے محفوظ نہ ہوگئی (تنقیح المقال، ج3، ص79)۔ یہ کیفیت خود اپنے مقام پر ثانیِ زہراؑ کی عظمت وشان ورفعتِ مقام کی نشان دہی کرتی ہے۔

زینبؑ عالیہ کی یہ حیثیت زنانِ عالم کے لئے ایک درس ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سمجھیں کہ آپ کی سیرتِ کاملہ کے زیرِ سایہ ریاضت سے بہرہ اندوز ہو کر دیکھیں کہ ریاضت اور طلبِ مغفرتِ خدا کے میدان میں انسان اُس مقام تک رسائی کی سعی کرسکتا ہے جہاں وہ اسوۂ معصومین علیہم السلام پر عمل پیرا ہو کر وحیٔ پروردگار کے اسرار و رموز کا امین ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ریاضت کے بغیر صرف خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے اس شوکت ورفعت کا حصول ممکن نہیں۔

۴۔ سیدہ زینبِؑ عالیہ کی شان و منزلت کے دیگر پہلو

ہم ہرگز ایسے مبالغہ کے مرتکب نہیں ہو سکتے کہ یہ کہہ دیں کہ فلاں مقامِ عظمتِ سیدۂ زینب سلام اللہ علیہا میں پہلے ہی سے فلاں آیتِ قرآنِ مجید نازل ہو چکی تھی، یا فلاں آیت کے نزول سے پروردگارِ عالم کی غرض و مقصد روزِ عاشور کے فلاں واقعہ کی اہمیت کا اظہار ہے، یا فلاں واقعہ کسی آیتِ قرآن کا مصداقِ جدید ہے، یا فلاں آیت نصف صدی تک بے تفسیر رہی اور روزِ عاشورۂ محرم اس کی تفسیر ظاہر ہوئی۔

ایسی تفاسیر پیش کرنے والے شاید اپنی تعبیرات و توجیہات سے سیدہ زینبؑ کی شان کو بلند کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس طرح جو مقامِ مخدرہ اپنے دل میں رکھتے ہیں اس کا اظہار کریں۔ لیکن ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس قسم کی توجیہات و اقدامات سے شانِ زینبؑ عالیہ تو بلند نہیں ہوتی بلکہ مقامِ قرآن رو بہ تنزل نظر آنے لگتا ہے، یا وہ لوگ اسلوبِ قرآن اور شانِ نزولِ آیات کو اپنی ایسی تاویلات کے ذریعہ حقیقت سے دُور کر دیتے ہیں۔

البتہ ہم اس سلسلہ میں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انسان اس موضوع پر تلاش و کوشش کر کے قرآنِ پاک کے بہت سے کلمات و آیات کے مصادیق تک پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً صفتِ ایمان کے بیان سے قرآنِ حکیم کے ایسے کلمات مل جاتے ہیں جن کے مصداق مؤمنین ہوں، یا صفاتِ تقویٰ کہ وضاحت قرآن سے مصادیقِ متقین سے متعلق آیات کی نشان دہی کر سکتی ہیں، یا جامۂ بندگیٔ پروردگار کے زیبِ تن کرنے سے عبادِ خدائے رحمان کے مصداق قرآن میں مل جائیں گے۔ لہٰذا اگر ان عناوین سے مقامِ ثانیِ زہراؑ کا مطالعہ کیا جائے تو لاتعداد آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسولِ اکرمؐ کی آپ مصداق قرار پائیں گی۔

اہمیت و مقامِ زینبؑ عالیہ

عالمِ خواتین میں سیدہ زینبؑ عالیہ کو جو مقام و اہمیت حاصل ہے، یا معاشرۂ بشری میں جو عزت و حرمت آپ کیلئے موجود ہے، اس کے پیشِ نظر کئی افرادِ صنفِ نازک کے جذبۂ ہوا و ہوس نے انہیں مجبور کیا کہ اپنے آپ کو زینب ظاہر کریں۔ نا مناسب نہ ہوگا کہ یہاں ہم ابنِ شہرِ آشوب کی ایک روایت نقل کریں۔ وہ لکھتے ہیں: (مناقب ابنِ شہرِ آشوب)

''زینبؑ عالیہ ایسے مقامِ عظمت و اہمیت کی حامل تھیں کہ اُس مقام کے حصول کی خاطر کئی دیگر عورتوں نے جھوٹ موٹ اپنے آپ کو زینب کہلوانا چاہا۔ چنانچہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میں علیؑ کی بیٹی زینب ہوں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے دُعا فرمائی تھی کہ ہر پچاس سال بعد میری جوانی پلٹ آیا کرے گی۔ یہ متوکل عباسی کا دورِ حکومت تھا۔ اس نے

امام ہادی حضرت محمد تقی علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سچ کہتی ہے تو درندے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لہٰذا حکومت نے چاہا کہ اسے درندوں کے سامنے ڈال دیا جائے۔ یہ سن کر اُس عورت نے عاجزی و خوشامد شروع کردی اور اپنے جھوٹ کا اعتراف کرلیا''۔

ایسا ہی ایک واقعہ امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نقل ہوا ہے 1۔

1۔ اس سلسلہ میں کئی روایات سامنے آتی ہیں۔ علامہ ڈاکٹر مجتبےٰ حسین کامونپوری اپنے مقدمۂ کتاب ''کربلا کی شیر دل خاتون'' مصنفہ عائشہ بنت الشاطی مصری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور میں تحریر فرماتے ہیں:

''تقریباً چودہ سو سال سے ثانیِ زہراؑ کا تصورِ عظمت دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ امام محمد تقی علیہ السلام (۲۲۰ھ) کے زمانہ میں ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ زینبؑ بنتِ علیؑ ہے۔ یہ دعویٰ ہی اس حقیقت پر مبنی تھا کہ دلوں میں ثانیِ زہراؑ کی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے ورنہ اُسے اس ادعائے باطل سے کیا فائدہ ہوتا، وہ تو اس جھوٹے دعویٰ سے اس احترام کو حاصل کرنا چاہتی تھی جو دلوں میں ثانیِ زہراؑ کے لئے مخصوص تھا۔ غالباً یہ عورت قبیلۂ بنی کلب کی تھی۔ اس نے کہا کہ میں زینبؑ بنتِ علیؑ ہوں۔ شام کے سفر میں بنی کلب کے صحرا میں رہ گئی تھی۔ متوکل عباسی کا دور تھا۔ اس کے پاس یہ قصہ آیا تو اُس نے کہا کہ زینبؑ بنتِ علیؑ کو تو بہت عرصہ گزرا (تقریباً ڈیڑھ سو سال) اور تم جوان ہو۔ اس نے کہا مجھے رسولؐ خدا نے دعا دی تھی، اس کا اثر ہے کہ ہر پچاس سال کے بعد میں جوان ہو جاتی ہوں۔

'' آلِ ابو طالبؑ کے نمایاں لوگوں کو بلایا گیا۔ فتح بن خاقان نے بادشاہ سے کہا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو بلائے، وہ مناسب فیصلہ کردیں گے۔ امامؑ نے فرمایا کہ درندوں پر اولادِ علیؑ کا گوشت حرام ہے۔ اسے درندوں کے کٹہرے میں ڈال دیا جائے۔ اگر اس کا دعویٰ سچا ہوگا تو اسے درندوں سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھی اور یہ کہتی ہوئی چلی گئی: ''میں جھوٹی زینب ہوں، یعنی زینب صدیقۂ طاہرہ نہیں ہوں''۔

''ایک روایت میں ہے کہ اسے جانوروں میں ڈال دیا گیا اور درندے اسے کھا گئے (علامہ مجلسی نے بحار میں اسی طرح کا ایک واقعہ امام رضا علیہ السلام کے ساتھ درج کیا ہے۔ لکھا ہے کہ عورت خراسانی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ بعض راویوں کے سہو سے اسے امام رضاؑ کے زمانہ میں بھی دکھایا گیا ہے)۔

''قاضی ابو علی محسن تنوخی (۳۲۰ھ ـ ۳۸۴ھ) کے زمانہ میں بھی یہ واقعہ دہرایا گیا۔ ابوالقاسم بن اعلم فلسفی کہلاتے تھے۔ انہوں نے اسے بیان کیا اور کہا کے شیعوں میں یہ خبر بہت ہی مشہور رہی ہے۔ لیکن ابوالقاسم نے بھی سہواً اسے امام رضا علیہ السلام کے عہد کا واقعہ بیان کیا۔ (جاری)

آیۃ اللہ محسن امین مرحوم کہتے ہیں: ''سیدہ زینبؑ خواتینِ فاضلہ سے تھیں جبکہ آپ کا علم و فضل ذکر و بیان کی حدود سے بڑھ کر ہے۔ آپ قوتِ استدلال، ثباتِ عقل، ثباتِ روح، فصاحت و بلاغت اور کلام کرنے کے ہنر میں بہت بلند مقام کی مالکہ تھیں (اعیان الشیعہ، ج33، ص 191)۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ صفات و صلاحیات بذاتِ خود اہمیت خیز اور جاذبِ نظر ہوتی ہیں۔ فطرتاً اکثر لوگ ان صفاتِ پسندیدہ کے اس قدر خواہشمند ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کی کیفیات اور شان اپنے لئے تلاش کرنے لگتے ہیں یا اپنے آپ کو ان سے منسوب کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''ابوالقاسم نے کہا کہ ایک عورت نے بنتِ علیؑ ہونے کا دعویٰ کیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے اسلاف سے یہ روایت سنی ہے کہ اولادِ فاطمہؑ کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ اگر درندے اسے کھالیں گے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ عورت نے پہلے تو اس خبر کی صحت سے انکار کیا اور حضرت سے کہا کہ امام خود درندوں میں جا کر اس حدیث کی صحت کا ثبوت دیں۔ خلقِ عظیم اس واقعہ کے مشاہدہ کے لئے جمع ہوگئی۔ امامؑ درندوں میں چلے گئے۔ درندے محبت کا اظہار کرنے لگے۔ عورت درندوں میں ڈال دی گئی۔ سب نے مل کر اسے پھاڑ ڈالا اور وہ 'زینبِ کذابہ' مشہور ہوگئی (الفراج بعد الشدہ، قاضی ابوعلی تنوخی، مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ء)۔

''امام علیہ السلام نے جو روایت بیان فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ کل بنی فاطمہؑ و بنی علیؑ تو اس میں شامل تھے نہیں، بلکہ صرف آئمہ معصومینؑ مراد تھے۔ لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے علاوہ اس میں حضرت زینبؑ ضرور شامل تھیں اور یہ اُن کا مخصوص شرف تھا جو آئمہ معصومینؑ کے علاوہ کسی علوی یا فاطمی کو حاصل نہ تھا۔

''رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ فاطمہؑ نے عفت و عصمت کا معیارِ بلند قائم کیا۔ اس کے صلہ میں خدا نے ان کی ذریت پر آگ حرام کردی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اس سے حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ و ام کلثومؑ مراد ہیں۔

''.....امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات (شہادت) کے بعد شیعوں کے سامنے مسئلۂ امامت نہایت ہی اہمیت کے ساتھ آیا۔

''احمد بن ابراہیم ۲۶۲ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہمشیرۂ معظمہ حضرت حکیمہؑ سے اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کیلئے ملے۔ شیعوں کو غیبت کے عہد سے پہلے سابقہ تھا۔ اس لئے جس قدر بھی سوالات اٹھ کھڑے ہوئے، ایسے اہم مسئلہ کے زیرِ بحث ان کا اٹھنا ایک فطری بات تھی۔ احمد نے پسِ پردہ حضرت حکیمہؑ سے کئی سوال کئے۔ ایک سوال امامِ عصر کے متعلق تھا۔ حضرت حکیمہؑ نے فرمایا کہ امام حسنؑ عسکری کے بعد امام اُن کے فرزند ہیں۔ احمد نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ حضرت حکیمہؑ نے فرمایا وہ 'مستور' ہیں۔

''احمد نے پوچھا پھر شیعہ کس کی طرف رجوع کریں؟ فرمایا (ابو محمد امام حسنؑ عسکری) کی والدہ اور امامِ عصر کی دادی (جاری)

سیدہ زینبؑ ۔مصداقِ آیاتِ قرآنِ پاک

اپنی ان تمام کوششوں کی بنا پر جو ثانیِ زہراؑ نے اللہ کی راہ میں ریاضت اور اپنے ہدفِ دین کے حصول کی خاطر سرانجام دیں، آپ بہت سی آیاتِ قرآن کی مصداق ہیں۔ ہم میں اس قدر قوت و سکت نہیں کہ اس پہلو سے متعلق تمام ایسی آیاتِ قرآنِ

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) (حضرت سلیل) کی طرف رجوع کیا جائے۔

''احمد نے کہا ایسے شخص کی پیروی کروں جس کے متعلق ایک عورت کو وصیت کی گئی ہے۔فرمایا:

''اقتداء بالحسين بن علي ان الحسين بن علي اوصىٰ الى اُخته زينبؑ بنت عليؑ فى الظاهر. و كان مخرج عن على ابن الحسين من علم ينسب الىٰ زينبؑ بنت على تستر اعلىٰ على بن الحسين ۔(اکمال الدین و اتمام النعمۃ ،ص ۴۷۵،ابوجعفر صدوق م ۳۸۱ھ،مطبوعہ ایران ۱۳۰۱ھ)۔

یعنی ''امام حسینؑ کی اقتداء میں یہ عمل ہے، امامؑ نے اپنی بہن زینبؑ بنتِ علیؑ کو ظاہری طور پر وصیت کی تھی، علیؑ بن الحسینؑ کا جو علم باہر آتا تھا وہ علیؑ بن الحسینؑ کا نام چھپانے کیلئے زینبؑ بنتِ علیؑ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

''......حضرت حکیمہؑ کے اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت خاتونِ کربلا امام حسین علیہ السلام کی وصی تھیں، امام زین العابدین علیہ السلام کی سپر تھیں، امام زین العابدین علیہ السلام اور قوم کے درمیان واسطہ تھیں۔سیاسی مصالح مانع تھے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سامنے آئیں۔آپ امامؑ سے واسطہ رکھتیں اور آپ کے توسط سے قوم کے مسائل حل ہوتے رہتے۔

''صرف یہی نہیں بلکہ عصرِ استبداد میں جبکہ اموی تشدد و سخت گیری سے امیر المؤمنین علیہ السلام کے نام سے روایت نہیں کی جا سکتی تھی تو 'ابوزینبؑ' کے نام سے امیر المؤمنین علیہ السلام کی روایتیں بیان ہوتیں۔ بنی امیہ نہ سمجھ سکتے کہ ابوزینب کون تھے۔اس طرح اس مبارک نام کے ذریعہ حقیقت طالبانِ حق کو پہنچتی رہتی تھی۔

''خاتونِ کربلا تقدس و روحانیت کا سورج تھیں۔آپ کی یاد سے وہ دل جو یادِ خدا سے ویران ہیں آباد ہو جاتے ہیں، ان میں خدا کی معرفت کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔آپ کی روح آج بھی دنیا میں ذہن کو سکون کی دولت بانٹ رہی ہے۔آپ کی کرامت سے جن کی روح بیمار ہے، وہ صحت پاتے ہیں اور جن کو کوئی جسمانی تکلیف ہے وہ بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔

''....خاتونِ کربلا نے وہ آہ و کراہ چھوڑی جس سے تیرہ سو سال سے فضا گونج رہی ہے۔مجلسوں کا سارا سوز و گداز خاتونِ کربلا کا ورثہ ہے۔وہ آنسو چھوڑے جو ابرِ غم بن کر ہر سال موسمِ عزا میں برستے ہیں۔خاتونِ کربلا نے ایسا ذہن چھوڑا جس میں ظلم کے خلاف احتجاج کا شدید میلان ہے۔یہ میلان قوموں کی آزادی کی کا سرمایہ ہے۔حسینی پیام چھوڑا، اسلام کی حفاظت کا جذبہ چھوڑا، عورتوں میں خود اعتمادی، پامردی، باطل کے سامنے سر جھکانے سے انکار کا حوصلہ چھوڑا'' (کربلا کی شیر دل خاتون ،ص ۷۶ تا ۷۹)۔

پاک کو جمع کر سکیں، تاہم بنظرِ اختصار قابلِ ذکر آیات پیش کرتے ہیں:

1. وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (بقرہ:177)۔

''اور فقر و فاقہ، رنج و سختی اور کٹھن وقت میں ثابت قدم رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے نکلے۔ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں''۔

2. فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ.

''پھر اُن پر خدا کی راہ میں جو جو مصیبت پڑی ہے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری، نہ بودا پن کیا اور نہ (دشمن کے سامنے) گڑگڑانے لگے۔ اور ثابت قدم رہنے والوں سے اللہ الفت رکھتا ہے'' (آلِ عمران:146)۔

3. اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً.....

''بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھا کرتے ہیں، نماز پابندی سے پڑھتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اُس میں سے چھپا کے اور دکھلا کے (خدا کی راہ میں) دیتے ہیں......'' (فاطر:29)۔

4. وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ. الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ. (حج:34،35)

''اور (اے رسولؐ) ہمارے سامنے گڑگڑانے والے بندوں کو (بہشت کی) خوش خبری دے دو۔ یہ وہ ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) خدا کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل سہم جاتے ہیں''۔

5. وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ. (رعد:22)

''اور یہ لوگ برائی کو بھی بھلائی سے دفع کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے آخرت کی خوبی مخصوص ہے''۔

6. وَمَا کَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ. (آلِ عمران:147)

''اور (لطف یہ ہے کہ) ان کا قول اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ دعائیں مانگنے لگے کہ اے ہمارے پالنے والے ہمارے گناہ اور اپنے کاموں میں ہماری زیادتیاں معاف فرما اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح عنایت فرما''۔

7. وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ.....(دہر:8)

''اوراس کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں.......''

8. وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط. (نساء:100)

''اور جوشخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ہوا اُسے (منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے) موت آجائے تو اللہ پر اُس کا ثواب لازم ہو گیا''۔

زینبؑ عالیہ کی شان میں روایات

اُن تمام تشریحات اور بیانِ اوصاف کے بغیر جو معصومین علیہم السلام نے ثانیِ زہراؑ کی شان میں ارشاد فرمائی ہیں آپ اپنے انجام کردہ فرائض، اپنی ریاضت اور اپنی اہمیت کی بنا پر لاتعداد احادیث و روایات کی مصداق واقع ہوئی ہیں جن سب کا احصاء یہاں ممکن نہیں۔ تاہم اُن میں سے چند ایک ہدیۂ درج کی جاتی ہیں:

1. مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْبَعِينَ صَبَاحاً اَنْفَجَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ.

''جوشخص چالیس روز تک اپنے اعمال کو خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دے اُس کے قلب و زبان سے چشمہ ہائے حکمت جاری ہو جاتے ہیں''۔ (حدیثِ نبویؐ)

2. كُنْتَ سَمْعُهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرُهُ الَّذِىْ يُبْصُرُبِهٖ. (حدیثِ قدسی)

''میں (اللہ) اس شخص کے کان بن جاتا ہوں جو حق کو سنتا ہو اور اُس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں کہ وہ اُن سے (حق کو) دیکھتا ہو''۔

3. مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ مَعَهٗ. (حدیثِ رسولؐ پاک)

''جوشخص اللہ کے لئے (وقف) ہوگا اور اللہ ہی کے لئے عمل کرے، اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ ہے''۔

4. هُمْ وَاللّٰهُ رَبُّ الْاِسْلَامَ.....(نہج البلاغہ، حکمت:457)

''خدا کی قسم! انہوں نے اسلام کی پرورش کی''۔

5. اِنَّ لِلّٰهِ عِبَاداً عَامَلُوْهُ بِخَالِصٍ مِنْ سِرِّهٖ فَشَكَرَلَهُمْ بِخَالِصٍ مِنْ شُكْرِهٖ.

''اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اُس کے ساتھ اپنے پورے وجود (تن من) سے تعلق قائم کرتے ہیں، خداوندِ عالم بھی اپنی عنایتِ خالص کے تحت اپنے اُن بندوں کی ثناء وستائش فرماتا ہے''۔ (تحف العقول، ص160)

6. **اِنَّ اَبْصَرَ الْاَبْصَارِ مَانَفَذَفِیْ خَیْرِ مَذْهَبِه.** (امام حسنؑ)

''بہترین بصیرت وہ ہے جو دین کی بھلائی کیلئے اختیار کی جائے''۔

7. **مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ خَطَرًا؟ فَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ لَمْ یَرَالنَّاسَ خَطَراً لِنَفْسِه.**

''لوگوں میں زیادہ خطرناک کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے لئے لوگوں کو خطرہ نہ سمجھے''۔ (امام زین العابدینؑ)

8. **اَلْمُؤْمِنُ مِثْلُ کَفَتَیِ الْمِیْزَانِ کُلَّمَازِیْدَفِی اِیْمَانِهٖ زِیْدَ فِی بَلَائِه.** (امام موسیٰ کاظمؑ)

''مومن ترازو کے دو پلڑوں کی مانند ہے۔ جس قدر اُس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے مصائب وابتلا میں بھی اضافہ ہوتا ہے''۔

ثانیٔ زہراؑ کی شان کے مصادیق

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی شان اور مقامِ بلند کا یہ عالم ہے کہ افرادِ اُمتِ رسولؐ پاک میں کسی شخص سے آپ کی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات صرف ثانیِ زہراؑ ہی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ آلِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سب اسی شان ومقام کے مالک ہیں۔ اس کے برعکس قطعی طور پر یہ بات صحیح وصادق ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے تمام افراد میں کسی کا بھی ان حضراتِ مقدس کے ساتھ مقابلہ ممکن نہیں۔ اسی لئے جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''لَا یُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ مِن هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدً.

یعنی ''اس امت کے کسی فرد کا مقامِ آلِ محمدؐ پر قیاس نہیں ہوسکتا''۔ (نہج البلاغہ، خطبہ:2)

اِن حالات میں اگر زینبؑ عالیہ کی شان کا موازنہ کرنا ہی ہو تو ایسے حضرات سے کرنا چاہیئے جو ویسی ہی شان کے مالک ہوں۔ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں حسنین علیہما السلام کے ہم پلّہ ہیں کیونکہ انہوں نے بھی ان ہی بزرگ مصلحین سے درس لیا ہے، یعنی جنابِ سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام اور جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ سیدہؑ طاہرہ کی عظیم صاحبزادی نے بھی علمی اور دینی مقامات میں انہی سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کی شان میں بہت سے اقوال ہیں جن میں چند ایک اس طرح ہیں:

☆ آپ فصاحت و بلاغت میں اپنے پدرِ بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مانند تھیں، گویا آپ کے دہنِ مبارک میں زبانِ علیؑ تھی۔

☆ عفت وتقویٰ میں جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی طرح معاشرۂ خواتینِ اسلام کے لئے بہترین نمونہ اور اپنی مادرِ گرامی کی مکمل نظیر تھیں۔

☆ حلم و بردباری و برداشتِ آلام میں جناب امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کی تصویر تھیں جو تمام صدمات پر اللہ تعالیٰ کی خاطر تحمل کرتے تھے۔

☆ شجاعت و جرأت و استقلال میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مثال اور آپ کے شانہ بشانہ شریکِ جہاد تھیں۔

☆ عبادت ودعا ومناجات کی منزل میں امام زین العابدین علیہ السلام کی مانند تھیں۔

☆ آخر آپ یعنی زینبؑ کبریٰ بے مثال و بےنظیر خاتون تھیں، یوں کہہ لیں کہ جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد آپ خواتینِ عالم کیلئے اللہ تعالیٰ کی حجت، بے مثال عظمت و افتخار کی حامل، عصمت وفضیلت کی مالکہ، جہادِ راہِ پروردگار میں جان قربان کر دینے کی علم بردار تھیں۔ لہٰذا کون ہے جو زینبؑ عالیہ کی برابری و ہمسری کر سکے!

اکثر لوگوں نے آپ کو عاقلہ، لبیبہ، جزلہ، عقیلہ وغیرہ جیسے القاب سے بھی یاد کیا ہے (اسد الغابہ، ج5، ص469)۔

مرحوم علامہ شرف الدین نے آپؑ کو فہم، عقل، صفائی نفس، قوتِ قلب، عزتِ نفس، شجاعت اور سیادت میں سرِفہرست شمار کیا ہے (عقیلة الوحی، شرف الدین، ص24)۔

تاہم یہ سب الفاظ وتفاصیل کس طرح ثانیٔ زہراؑ کی معرفت کیلئے کافی ہوسکتی ہیں؟

ثانیٔ زہرؑا کے رموزِ عظمت

اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ سیدہ زینبؑ عالیہ عظیم و بے مثال بی بی تھیں۔ اس بات پر تمام مؤرخین و اہلِ علم نے اتفاق کیا ہے۔ آپ حرمِ محترم امام حسین علیہ السلام کی مکمل سربراہ تھیں۔ واقعۂ کربلا میں آپ ہی تنِ تنہا خاندانِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی کفیل اور امام زین العابدین علیہ السلام کی محافظ تھیں۔ بلکہ یہ کہنا عین مطابقِ واقعہ ہوگا کہ واقعۂ کربلا سے پہلے اور بعد آپ ہی خاندانِ سید الشہداء علیہ السلام کا اصلی سہارا اور خواتینِ اہلِ حرم کی سرپرست تھیں۔ آپ خاندانِ رسالتؐ میں خصوصی شان ومنزلت کی مالکہ تھیں۔ کیفیت یہ تھی کہ ایک روز امام حسین علیہ السلام تلاوتِ قرآنِ مجید میں مصروف تھے کہ سیدہ زینبؑ کو

دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی تعظیم بجالائے (تحفۃ العالم، آلِ بحرالعلوم)۔

علیٰ ہذالقیاس ہمیشہ دورانِ سفر، جن میں آپ کا سفرِ کربلا بھی شامل ہے، سیدہ زینبؑ کبریٰ کے سوار ہونے کی خاطر حضرت ابوالفضلؑ العباس اپنا زانو جھکا دیتے تا کہ ثانیِ زہراؑ اس پر پاؤں رکھ کر کجاوہ میں سوار ہو جائیں (چہرۂ خونینِ حسینؑ)۔

ہم کس طرح اور کیسے اس عظیم خاتون کے رموزِ عظمت کی جستجو کر سکتے ہیں! صرف دو باتوں ہی سے اس امر کا اندازہ ممکن ہے:

1۔ خدائے بزرگ و برتر کی بندگیٔ خالص، اور

۲۔ شخصیتِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا سے عقیدت اور آپ کے فضائل کی تلاش۔

اور یہ رموزِ عظمت تو اس بزرگ خانوادہ کے تمام افراد میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۔ سیّدہ زینبؑ کا مقامِ جرأت و تقدس

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے کمالاتِ بزرگ میں آپؑ کا تقدس اور آپؑ کی جرأت دونوں شامل ہیں۔ تقدس و پاکیزگی و طہارت کے مدعی تو بہت ملیں گے لیکن ایسا کون ہوگا جو خوفناک حوادث کے بھنور اور جاں فرسا کشمکش کے سمندر میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھے! اگر خواتین میں اس کی مثال تلاش کی جائے تو آپ ہر خاتون کو اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں رقتِ قلب اور شفقت کا مرقع پائیں گے۔

جب ہم اس موضوع پر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے تقدسِ کردار کی بات کریں گے تو شاید کچھ لوگ یہ گمان کرنے لگیں کہ آپ سنگ دلی اور قساوتِ قلبی کی خوگر تھیں اور پیش آمدہ واقعات میں آپ کا دل پسیجتا نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلیت اس تخیل کے بالکل برعکس ہے۔ آپ مرقعِ شفقت و عاطفت تھیں لیکن آپ کی شفقت و عاطفت مقام و موقعہ کے مطابق ہوتی تھیں۔ آپ وہی زینبِ عالیہ ہیں کہ شبِ عاشور آپؑ جب امام حسین علیہ السلام کی آواز سنتی ہیں تو اسے سن کر آپ بے حال ہو کر غش کر جاتی ہیں (یہ صورت اس قسم کے اشعار سن کر پیدا ہوئی: ''یَا دَھْرُ اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیْلٍ''. یعنی ''اے زمانے! تیری اس دوستی پر نفرین'')۔ لیکن وہی زینبِ عالیہ ہیں کہ جب قتل گاہ میں وارد ہوتی ہیں تو جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کی دل داری و تسلی فرماتی ہیں۔ یہ کیفیات غور کے قابل ہیں۔

اہمیتِ مسئلۂ ثانیٔ زہراؑ

تاریخ ایسی بہت سی خواتین کا تذکرہ کرتی ہے جو تقدسِ کردار کی حامل اور مصائب میں حوصلہ مند رہی ہیں۔ لیکن ثانیِ زہراؑ کی کیفیت اُن سب سے الگ رہی ہے کیونکہ آپ کے حالات سب سے مختلف ہیں، اس قدر مختلف کہ ان میں قطعاً کوئی قدرِ مشترک نظر نہیں آتی۔ آپ کے تقدسِ کردار کی اہمیت کا اندازہ اُن حالات و کوائف سے لگایا جا سکتا ہے جن کو ہم اب سپردِ قلم کرتے ہیں:

☆ آپ اُس خاندان کی چشم و چراغ ہیں جو اسلام کا وارث ہے، جسے آپ عزیز رکھتی اور دشمن کے ہاتھ میں اسیر دیکھ رہی ہیں۔ آپ کے والدین، بھائی اور تمام اہلِ خاندان راہِ اسلام میں بقائے اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔

انہوں نے اپنی ہستی کو گنوادیا تا کہ اسلام زندہ رہ جائے اور اُن سب مصیبتوں وقربانیوں کے باوجود اسلام کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد وتاراج دیکھ رہی ہیں۔

☆ خود اسیر ہیں، دشمن کے قبضہ میں ہیں، تمام قیدیوں کی سرپرست ہیں، بھوکی اور پیاسی ہیں، قیدی بچے اپنے دست ہائے نیاز کو آپ ہی کی طرف پھیلاتے ہیں، آپ ہی سے کھانے کو مانگتے ہیں، روتے بھی ہیں، سب بچے دشمنِ سفاک سے ترساں ولرزاں ہیں، آپ ہی کے دامن میں پناہ پاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، خود آپ بھی وہ خاتون ہیں جو ضرب ہائے تازیانہ سے چور چور ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔

دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ خود غم زدہ ہیں، اپنے عزیز ترین افراد کو لقمۂ اجل بنتے ہوئے دیکھ چکی ہیں، وہ بھی ایسے دردناک طریقہ سے کہ شہادت وجان دے چکنے کے بعد اُن کے جنازوں کو اٹھانے کی اجازت بھی نہیں مل پائی، دشمن نے اُن کے جسد ہائے بے سر پر گھوڑے دوڑادیئے، آپ کے خیام کو جلا کر برباد کردیا گیا، بیمار سیدِ سجادؑ کے نیچے سے بستر تک کھینچ لیا گیا، اُن خیام پر ہجوم کرآئے جن میں اب صرف چند بچوں اور خواتین کے علاوہ کچھ نہ تھا، مصیبت زدہ وپیاس سے جاں بہ لب بچوں کو طمانچے مارے گئے، علیٰ ہذا...... (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

دشمن کی ضلالت وخصومت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ کوفہ کی قید کے دوران ایک چار دیواری کے اندر سب کو محبوس کیا گیا۔ اُن اسیروں کے دلوں میں خوف ورعب پیدا کرنے کی خاطر ذلیل دشمن پتھروں پر خط لپیٹ کر قید خانہ کے اندر پھینک دیتے۔ جب ان خطوط کو کھولا جاتا تو اُن پر لکھی ہوئی عبارات کو پڑھتے جن کا مضمون یہ ہوتا کہ کل تک تم سب کو مار ڈالا جائیگا، عمارت کو تمہارے سروں پر گرادیا جائیگا، صرف یزید کے حکم کا انتظار ہے جو کل عصر کے وقت تک پہنچ جائیگا...... ان تحریروں سے بچوں کے معصوم دل دہل جاتے اور سیدہ زینبؑ عالیہ ہی کی ذمہ داری تھی کہ اُن کو حوصلہ دیں (زینبؑ از عاشورا تا اربعین)۔

ثانیٔ زہراؑ کی جرأت کے گواہ

ان اذیت ناک مواقع کی انتہا وشدت کو بہت سے مؤرخین ومؤلفین نے احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے، اپنی تصانیف میں انہوں نے ان تمام دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے مسئلہ کی اہمیت کو بے نقاب کیا ہے۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ان تمام تفصیلات کو جو انہوں نے پیش کی ہیں، یہاں جمع کرسکیں۔ صرف بطور نمونہ ومثال چند ایک واقعات ثبوت وسند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا شجاعت و دلیری و بے باکی کا مجسمہ تھیں۔قوی حوصلہ اور عظیم ہمت کی مالک تھیں۔آپ عظیم روحانیت، براہینِ پائیدار، بےنظیر اور فوق العادہ قوتِ بیان اور زورِ دلائل کی حامل تھیں جس نے مؤرخین کو حیرت زدہ کر کے رکھ دیا (الاصابہ، ج8، ص100)۔

ابنِ اثیر اپنی مفصل کتاب میں اسدالغابہ کے مؤلف کا قول نقل کرتے ہیں۔ وہ اُس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جب ایک ملعون شامی نے یزید سے درخواست کی کہ جنابِ فاطمہؑ بنت الحسینؑ کو اُس کی کنیزی میں دے دیا جائے۔ یہ واقعہ بذاتِ خود ثانیِ زہراؑ کے حوصلہ و عقلمندی وقوتِ برداشت کی دلیل ہے۔سید ابنِ طاؤس اس حصہ کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں:

''اُس ملعون شامی کی دربارِ یزید میں جنابِ فاطمہؑ بنت الحسینؑ پر نظر پڑی۔اُس نے یزید سے کہا: 'اے امیر! اس خوردسال لڑکی کو مجھے بخش دے'۔

جنابِ فاطمہؑ فرماتی ہیں: 'یہ بات سن کر میرا دل لرز گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ لوگ ایسا کرنے کے مجاز ہو سکتے ہیں۔لہٰذا میں اپنی پھوپھی سے لپٹ گئی اور کہا کہ پھوپھی اماں! میں یتیم تو ہوئی تھی، اب کنیز و خدمتگار بھی ہونا پڑے گا؟'

''سیدہ زینبؑ نے اُس ملعون شامی کی طرف رُخ کر کے فرمایا: 'خدا کی قسم! تو جھوٹ بولتا ہے اور ذلت و کمینگی میں حد سے گزر گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے امیر دونوں کو اس بات کا اختیار نہیں دیا'۔

''یزید غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا اور بولا: 'مجھے اس کا اختیار حاصل ہے۔اگر میں چاہوں تو ایسا کرسکتا ہوں'۔

''سیدہ زینبؑ نے فرمایا: 'اللہ تعالیٰ نے ہرگز تجھے یہ اختیار نہیں دیا جب تک کہ تو ہمارے دین سے خارج ہو کر کسی اور دین کو اختیار نہ کر لے'۔

''یزید بولا: 'کیا میں دین سے خارج ہو جاؤں گا، بلکہ تیرے باپ اور بھائی دین سے خارج ہوئے'۔

آپؑ نے فرمایا: 'تو، تیرا باپ اور تیرا دادا اگر مسلمان ہوتے تو میرے باپ اور بھائی سے دین کی ہدایت حاصل کرتے'۔

''یزید نے کہا: 'اے دُشمنِ خدا تو جھوٹ کہتی ہے اور......'

''زینبؑ عالیہ نے اُس کی بات کاٹ کر فرمایا: 'یزید! تو اس وقت مسندِ اقتدار پر بیٹھا بے ہودہ اور ناسزا باتیں کہہ رہا ہے اور اپنی بادشاہی کی قوت سے ہم پر غالب ہے......'

''اُس شامی لعین نے ایک بار پھر اپنی درخواست کو دہرایا۔ یزید نے اُسے جھڑک کر کہا: 'خاموش ہو جا۔ خدا تجھے موت دے!'

فرید وجدی کہتا ہے: ''اُس خاتون کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جب یزید نے سونے کے طشت میں رکھے ہوئے سرِ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی کی تو ثانیِ زہراؑ کھڑی ہوگئیں اور اس موقعہ پر ایک فصیح و بلیغ اور ہیجان خیز خطبہ ارشاد فرمایا (دائرۃ المعارف، ج4، ص795)۔ آپ اس تمام کیفیت کے دوران قطعاً ہراساں نہ ہوئیں، حتیٰ کہ آپ کی گفتگو میں کسی قسم کا لرزہ و کمزوری تک نظر نہ آتی تھی۔

ثانیٔ زہراؑ کے طرزِ عمل کی ایک مثال

ثانیِ زہراؑ کی گفتگو کا ایک نمونہ ہم نے سابق میں پیش کیا۔ اصولی طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دربارِ یزید میں جس اسلوب اور انداز میں آپ نے گفتگو فرمائی وہ آپ کی قوتِ قلب و استقامتِ فکر کی روشن و محکم دلیل ہے (اسد الغابہ، ج5، ص469)۔
عمل کے اعتبار سے بھی ہم آپ کی استقامت کا نظارہ کر چکے ہیں کہ جب آپ لاشہ ہائے شہدائے بے گور و کفن سے رخصت ہوئیں تو لاشِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کو دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے پروردگارِ عالم کی مناجات ادا کی جس میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں کہ خداوندا! ہماری اس قلیل قربانی کو درجۂ قبولیت پر فائز فرما (الطراز المذہب)۔
کربلا کی قتل گاہ میں پہنچیں تو دیکھا کہ سید الساجدین علیہ السلام کی نظریں شہدائے راہِ خدا کے جسم ہائے پارہ پارہ پر مرکوز ہیں، اُن کی کیفیت کا یہ عالم ہے گویا جسم و روح کا رشتہ منقطع ہونے والا ہے۔ سید الساجدین علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی اماں جنابِ زینبؑ نے میری حالت کو مشاہدہ کیا اور فرمایا:
''اے میرے جد و پدر و برادر کی یادگار! تمہاری یہ کیا حالت مَیں دیکھ رہی ہوں؟ بے چین و غمگین نہ ہو کہ تمہارے جدِ بزرگوار و چچا و بھائیوں کا جنابِ رسولِ خدا سے عہد ہے۔ ہمارے بعد ایک جماعت آئے گی اور ان جسموں کو سپردِ خاک کرے گی..... (بانوئے شجاع زینبِ کبریٰ، ص39)۔
زینبِ عالیہ کے طرزِ عمل کا ایک اور نمونہ ہم کربلا اور اسیریٔ شام کے بعد مدینہ واپس ہونے پر دیکھتے ہیں جس سے آپ کے استقامتِ کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض تاریخ کی کتب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے شوہر جناب عبداللہ ابنِ جعفرؓ طیار نے اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد کے لئے مدینہ میں مجلسِ ترحیم منعقد کی، جو کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ سیدہ زینبؑ نے اس مجلس میں

شرکت فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے اجرِ شہادت فرزندان کو ہاتھ سے دینا نہ چاہا ہو، یا شاید آپ کو ندامت مانع ہو کہ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ آپ کے صاحبزادوں کا نام بھی آئے گا۔ (یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے جس کی سند مؤلف نے نہیں دی بالخصوص جبکہ قبل ازیں ہم حضرت عبداللہؓ کا اپنے غلام کو سزا دینے کا واقعہ لکھ چکے ہیں (مترجم)۔

سیدہ زینبؑ کی طرف سے اظہارِ عجز کا فقدان

ثانیِ زہراؑ صنف نازک سے تعلق رکھتی تھیں، فطرتاً رقیق القلب تھیں اور بحرِ صدمات سے گزری تھیں۔ اس کے باوجود پہاڑ کی طرح اپنے مقامِ فرض پر استوار، بے نظیر شجاعت و دلیری کے ساتھ وقت کے خوفناک ترین جبارین کے سامنے قیام کیے ہوئے تھیں۔ کسی موقعہ پر بھی آپ کی روح کو مغلوب و شکست خوردہ و پژمردہ نہیں پایا گیا۔ کسی موقعہ پر بھی آپ کی طرف سے کمزوری و بے بسی و عجز کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اسیری کے تمام مراحل میں کسی جگہ آپ کی جانب سے تضرع و زاری کا مشاہدہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ خود اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کے دُرّے کھانے پر بھی کہیں آپ اپنے ہدفِ زندگی سے رعایت کرتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں۔

'فریشلہ' نامی ایک مستشرق اپنی کتاب ''امام حسینؑ و ایران'' میں لکھتا ہے:

''کوفہ میں آپ کے اندازِ خطابت نے ثابت کر دیا کہ تمام مصائب و آلام اس عظیم مخدرہ کی استقامت کو متزلزل نہ کر سکے جبکہ صورتِ حالات اس قدر پُر خطر تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا اسی خطابت کے دوران دشمن آپ کو قتل ہی نہ کر ڈالیں'' (امام حسینؑ و ایران، ترجمہ: ذبیح اللہ منصوری، ص476)۔

تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کی استقامت و روحانیت کی عظمت فوق العادہ تھی اور آپ شجاعت و بہادری و عزت و سربلندی کا مجسّمہ تھیں۔ آپ کے گفتار و عمل سب آپ کی روحانی بلندی و استقلال و استقامت و پختگی کو ثابت کرتے ہیں اور یہ بات دنیا بھر کے مؤرخین و واقعہ نگاروں کیلئے باعثِ حیرت و استعجاب بنی ہوئی ہے کہ ایک خاتون کس حد تک بلند کردار اور عظمت کی بلند ترین چوٹی تک صعود کر سکتی ہے۔

۲۔ ثانیِ زہراؑ کا معیارِ عزتِ نفس

سیدہ زینبؑ عالیہ کے کمالات و فوق العادہ قوتِ روحانی میں ایک آپ کا معیار و جذبۂ عزتِ نفس ہے۔ روحانیت کے وسیع میدان میں اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے کہ خواتین صنف رجال کی نسبت بہت زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ یہی باعث ہے

کہ خواتین کے کردار کے دو پہلو ایسے ہیں جن پر بہت کم تبصرہ و حرف گیری ممکن ہے اور جس کے بارے میں ان میں نزاکتِ احساس و ذمہ داری کا جذبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس احساس و ذمہ داری کی تربیت خواتین کی عفت کی حفاظت اور اُن کے کمالات میں بلندی کے لئے نہایت مثبت مقام رکھتی ہے۔ انہی دو کیفیات کے سایہ میں ایک خاتون اپنے آپ کو لغزشوں اور دھوکے میں آنے سے محفوظ رکھتی ہے، نیز نمائش کرنے یا نمائش کئے جانے سے مامون رہتی ہے۔ اسی ضرورت کے تحت بیٹیوں کی تربیت کے دوران ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان میں عزتِ نفس کے احساس کو پروان چڑھائیں۔

ہماری مخدومہ جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اس مسئلہ میں حدودِ فکر سے آگے نظر آتی ہیں۔ آپ کے پیشِ نظر اس جذبہ و معیارِ زندگی کا وہ طریق اپنے لئے اختیار کرتی ہیں جس میں حفاظتِ دینِ اسلام کا شرف اور اعلائے کلمۂ حق دونوں مقامات واضح نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس راہ میں اپنے فرائض کو ایسی بنیاد پر استوار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی موقع پر ہدفِ دین کے حصول میں ذلت و کمزوری کا سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ راہِ پروردگار میں کشمکش کا بلند شان پر رہنا لازم ہے اس لئے کہ اس راہ میں کسی قسم کی کمزوری و ہزیمت قابلِ قبول نہیں۔

ثانیٔ زہراؑ کی خطابت کا مطالعہ و تحقیق

عاشورِ محرم کے واقعات کے بعد زینبؑ عالیہ اور تمام خاندانِ پیغمبرؐ اکرم کو عظیم دشواریوں اور دردناک مصائب کا سامنا تھا۔ زمانہ جانتا ہے کہ ذلیل دشمن خانوادۂ رسولؐ خدا کی اہانت کے درپے تھا، یہاں تک کہ قتل گاہ میں جب آپ اپنے عظیم بھائی اور عزیزوں کی لاشوں سے رخصت اور مناجاتِ رب العزت میں مصروف تھیں تو آپ کو دُرّوں کی زد پر رکھ لیا گیا، پورے افرادِ کاروانِ اہل بیتؑ کو بھوکا اور پیاسا رکھا گیا، ان حضرات کے تمام اثاثہ و وسائلِ زندگی کو لوٹ لیا گیا، تمام مال و سامان کو تاراج کیا گیا....... یہ واقعہ کا ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو، جیسا کہ آپ سنتے رہتے ہیں، یہ ہے کہ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے دن سے ثانیٔ زہراؑ نے قوتِ کلام و خطابت کا آغاز فرما دیا، دشمن کو بحث و مخاصمہ کا نشانہ بنایا اور یہ سب خطاباتِ شہرِ کوفہ و دربارِ یزید میں، تمام گفتگو و تقاریر دورانِ اسیری و دربارِ یزید میں، اربعین کے موقعہ پر اور مدینہ میں اختیار کی گئیں.....حتیٰ کہ یہ سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اگر ہم اسی خطابت کی تفصیلات کو جمع کرنے کی سعی کریں تو خود اپنے مقام پر ایک مفصل کتاب بن جائے۔

ہم سرِ دست انہی دو کیفیات سے متعلق گفتگو پر اکتفا کریں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان تمام مباحث و تقاریر میں کوئی ایک

جملہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس میں سیدہ طاہرہؑ کی اس عظیم نورِ نظر نے اپنی بھوک پیاس، موسم کی سردی وگرمی وشدت یا خود اپنی معصوم کمر پر دُرّے پڑنے کے سلسلہ میں کسی وقت، کسی جگہ ایک لفظ بھی دہنِ اقدس سے نکالا ہو۔ سب مقامات پر آپ اپنے شہداء اور اُن کی شہادتوں کا ذکر کرتی ہیں، اپنے ہدف ومقصد کی بات کرتی ہیں، دینِ اسلام وقرآن اور کردارِ اسلامی ودینی ہی کے بارے میں خطاب کرتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ زینبؑ عالیہ کی جگہ کوئی بھی ہوتا جس کو ان تمام مصائب ودشواریوں کا سامنا ہوتا اور جب بھی اُسے بات کرنے کا موقع میسر آتا تو وہ یقیناً یہی فریاد کرتا کہ مجھے دُرّے مارے گئے، میرے سر سے چادر اُتاری گئی، میرے مال و اسباب کو لوٹا گیا، میرے لئے زندگی محال کردی گئی، وعلیٰ ہذا۔ لیکن خاتونِ کربلا سیدہ زینب سلام اللہ علیھا نے کسی ایک موقعہ پر بھی ایسی کوئی بات نہیں کی، ہرگز ایسا نہیں ہوا کہ آپ وہ کلمات منہ سے نکالیں جن سے بوئے ذلت وعجز آتی ہو۔ یہ سبق آپؑ نے اپنی مادرِ گرامی جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے حاصل کیا تھا جنہوں نے اُن تمام رنج ومصائب کے باوجود جو انہیں بعدِ رسولِ اکرم اٹھانا پڑے، مسجدِ رسولؐ میں ایک لفظ بھی ایسا اپنے منہ سے ادا نہ کیا جس سے ایک لمحہ کیلئے بھی کسی قسم کی کمزوری و ہزیمت کی کیفیت ظاہر ہوتی ہو۔

ثانیٔ زہراؑ کی مثالِ عزتِ نفس

سیدہؑ زینب سلام اللہ علیہا کو ابنِ زیاد ملعون کے دربار میں لے جایا گیا۔ آپ ایک غیر معروف خاتون کی مانند ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئیں۔ دیگر ہمراہی خواتین نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کے گرد بیٹھ گئیں۔ ابنِ زیاد ملعون نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس ملعون نے دو تین بار اپنے سوال کا تکرار کیا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ زینبؑ بنتِ علیؑ ہیں۔ مخدومہ کے قریب کوئی شخص آپ کا مرتبہ دان نہ تھا۔ اس کے باوجود آپ نے کسی ذلت وسراسیمگی وگھبراہٹ کا اظہار نہ کیا، نہ ہی اُس ملعون کے سامنے خوف وہراس کا مظاہرہ کیا۔ ابنِ زیاد ملعون کا غرور خاک میں مل گیا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ یہ ستم زدہ مظلوم خواتین اس کے سامنے رحم وترحم کی درخواست کریں گی۔ لیکن واقعہ اُس کی اِس توقع کے برعکس نکلا کیونکہ سیدہ زینبؑ عالیہ اُس کے سامنے ایک پہاڑ کی استقامت کی مانند مستقل رہیں۔

ابنِ زیاد ملعون نے مخدومۂ عالیہ کو غصہ سے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے دروغ وکذب کو ظاہر کردیا.....''

سیدہ زینبؑ عالیہ نے فرمایا: ''حمد ہے اُس پروردگار کی جس نے ہمارے رسولؐ کی طرف سے ہمیں عزت بخشی، ہمیں ہر قسم کے رجس وناپاکی سے پاکیزہ قرار دیا اور جو شخص بھی اپنے فسق کے باعث رسوا ہوتا ہے یا فجور کی وجہ سے جھوٹ بولتا ہے، وہ ہم سے علاوہ ہے، ہمارا غیر ہے اور اس بات پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں''۔

اس طرح ثانیِ زہراؑ نے، جن کے دل کے زخم ابھی تازہ تھے اور اندوہ وغم ابھی ختم نہ ہوئے تھے، دشمنِ فاسق کو شکست دے کر اپنی عزتِ نفس اور استقامت کو ثابت کر دیا۔ سیدۂ طاہرہؑ کی نورِ نظر کے علاوہ کبھی کوئی ایسے مشکل حالات سے نہیں گزرا۔ اگر کوئی ایسی کیفیت سے کم سے کم بھی دوچار ہوا ہوتا تو یقیناً دشمن کی باتوں کے مقابلہ میں اپنے اعتدال کو کھو دیتا اور شاید اپنے بچاؤ کی خاطر ہی ذومعنی کلام کا سہارا لے لیتا۔

مزید مثالیں

زینبؑ عالیہ نے یزید ملعون کے دربار میں بھی اپنی اسی استقامت واستقلال کو برقرار رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سفرِ اسیری کے واقعات جو کوفہ سے شام تک پیش آئے، اپنی شدت کے اعتبار سے کافی تھے کہ کوئی بھی شخص اپنے اعتدال کو ضائع کر دیتا حتیٰ کہ یہ واقعات انسان کے ہوش وحواس کو سلب کر دینے کیلئے بھی کافی تھے۔ لیکن ثانیِ زہراؑ اس تمام عرصۂ صعوبات میں بے انتہا صدمات ومصائب سے دوچار ہوئیں لیکن اپنے حوصلہ کو شہزادی نے ہر حال میں قائم رکھا۔

واقعات کے مقابلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ثانیِ زہراؑ کیلئے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا لازم تھا کہ بچوں کے معصوم دل مزید زخم آلود نہ ہوں، نہ ہی ذلیل دشمن بچوں پر جری ہو کر ان کے صدمات وتکالیف میں مزید اضافہ کرنے پائے۔ اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اپنے ہدف کو کسی حالت میں ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ لہٰذا اپنے طرزِ عمل سے متعلق اپنے ہدف کا دفاع کرتے ہوئے آپ ایسی پختہ ومستقل گفتگو کرتی تھیں جو صفحاتِ تاریخ پر نقشِ دوام ہوتی چلی گئی اور ساتھ ہی آپ اپنے فرض کی اہمیت اور اپنے ذہن میں اپنے ہدفِ زندگی کی پرورش کرنے میں مستقلاً مصروف رہیں۔

شام میں سہلؔ ساعدی نے مخدومۂ عالیہ کے قریب پہنچ کر آپ کو سلام کیا اور آپ سے جوابِ سلام پایا۔ پھر پوچھا کہ کوئی حاجت ہے؟

سیدہ زینبؑ نے فرمایا: ''حاجت ہے لیکن درخواست نہیں، نہ ہی ہم عاجز ہیں کہ درخواست کریں''۔

پھر نہایت متانت ومستقل مزاجی سے فرمایا: ''اگر تجھ سے ممکن ہو تو اُس نیزہ بردار شخص کو، جس نے نیزہ پر میرے بھائی

حسینؑ کے سر کو اُٹھا رکھا ہے، اس بات پر رضا مند کر کہ اپنے نیزہ کو میرے بھائی کی بیٹیوں کی نظروں سے ایک طرف کر لے جو اُسے دیکھ کر بے چین ہوتی ہیں۔ اگر تو ایسا کر سکے تو یہ ہماری بہت بڑی خدمت ہوگی'' (زینبؑ اخت الحسینؑ)۔

۴۔ ثانیِٔ زہراؑ کا حُسنِ تدبر و تنظیم

زینبؑ عالیہ اس ہستی کی مالک ہیں جس نے تاریخِ انسانیت میں فوق العادہ اور بے مثال نقوش قائم کیے ہیں۔ تاریخِ عاشورہ کے بیشتر صفحات پر آپ بہ نفسِ نفیس زندہ نظر آتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ بہت سے ایسے موارد ملیں گے جن سے ظاہر ہوگا گویا یہ واقعات خود آپ نے ہی رقم فرمائے ہیں۔ آپ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جس نے سید الشہداء علیہ السلام کے وسیع لائحۂ عمل کو تمام و کمال تک پہنچایا اور اس عمل میں کربلا کے عظیم واقعہ کی مکمل و مفصل تصویر پیش کر کے کربلا کی شیر دل خاتون کہلائیں (زینبؑ بطلۃ کربلا)۔

تمام واقعات و حالات میں مخدومۂ عالم کی بصیرتِ کامل آپ کی ہستی کے اسرار و رموز میں شامل ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ہر شخص کی فکر کو اس کے احساسِ فرض کے مطابق سمجھ رہی تھیں۔ جہاں کہیں آپ اپنے ہدف و مقصد کو خطرہ میں پاتیں اپنی پوری قوت و توانائی کے ساتھ پیش قدمی کر کے سامنے آجاتیں اور اُس وقت ہرگز ہرگز اپنی جان تک کو قربان کرنے میں کسی طرح کا خوف و خدشہ محسوس نہ کرتیں۔

زینبؑ عالیہ کی کامیابی میں آپ کے حُسنِ تدبر کے انداز کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ نے برسوں حیاتِ رسولؐ خدا، اپنے بابا علیؑ مرتضیٰ اور اپنے بھائیوں کی زندگیوں کے، جو آئمۂ معصوم تھے، اسلام کی بقا کی خاطر طریقہ ہائے عمل اور اُن کے نقوشِ کار کا مشاہدہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی مادرِ گرامی جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی حیاتِ اقدس کو بھی مشاہدہ فرمایا تھا کہ کس طرح انہوں نے اپنے فرائض کی بجا آوری کو انجام دیا اور عالمِ انسانیت کو اپنے دعوائے حقوق کی پیروی کرنے کے سلسلہ میں اسرارِ آلِ محمدؐ سے کس طرح آگاہ کیا تھا۔

ثانیٔ زہراؑ کی قوتِ تدبر کا دائرہ

زینبِؑ کبریٰ ایسی رہبر و رہنما ہیں جو ہمیشہ ہر وقت فرائض کی انجام دہی اور ریاضت کیلئے بالکل آمادہ و تیار ہیں۔ آپ کے وجود کے بغیر واقعۂ کربلا کی کامیابی کا کوئی تصور ذہن میں نہیں آتا۔ سیدہ زینبؑ کی موجودگی کے بغیر روزِ عاشور کے واقعات، سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے رفقاء و انصار کی شہادت، حالاتِ سفر وغیرہ، ہرگز اس قابل نہیں رہتے کہ اُن کو بیان کیا جا سکے

یا ان تمام حادثات کی شرح ممکن ہو۔ کربلا کی یہ عظیم کامیابی و کامرانی چند ایسے حقائق کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے جن کیلئے جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے حُسنِ تدبر و فکر کے درجِ ذیل عناوین کے مطابق گفتگو کرنا لازم ہوگی:

(ا) تدبرِ ذاتی

کوئی مدبر اپنے مقام پر کامیابی و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا جب تک کہ پہلے خود اپنے کردار کی تدبیر کو آراستہ نہ کرے۔ دوسرے اشخاص کے بارے میں حسنِ تدبر سے قبل لازم ہے کہ خود اپنے ارادۂ اعمال کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر قدرت رکھتا ہو، خود اپنے نفس و ارادہ پر مکمل تسلط رکھتا ہو، اس کو معلوم ہو کہ کس موقع و منزل پر کس طرزِ عمل کو اختیار کرنا کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لئے ضروری ہوگا۔ سیدۂ زینبؑ اس خوبیِ تدبر پر پوری طرح حاوی تھیں۔

ثانیِ زہراؑ وہ عظیم خاتون ہیں جو اپنی قوتِ ارادی کی خود مالک ہیں، اپنے غیظ و غضب پر پوری طرح قابض ہیں، اپنی بخشش و مہربانی کی اقدار پر بھی مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ علامہ اسد حیدر کے بقول آپ پر کبھی ایسی کیفیت طاری نہیں ہوتی کہ حزن و ملال آپ پر غالب آجائیں۔ حزن و ملال کی کیفیات سے مستقل طور پر نبرد آزما ہونے کے باوجود اپنے جذبات و احساس پر مکمل قابو رکھتی ہیں (مع الحسين عليه السلام و نهضة، ص294)۔

زینبؑ عالیہ عظیم روحانیت کی مالک ہیں۔ موقع کی مناسبت کے مطابق اپنی بردباری و متانت پر قابو رکھنے کا ملکہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ واقعۂ کربلا کے کسی حصہ میں بھی آپؑ نے اپنے اوسان کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، شدتِ حالات سے کبھی بھی آپؑ متزلزل نہ ہوئیں، نہ ہی کسی مقام پر آپ دست و پا چھوڑ دینے کی کیفیت میں مبتلا ہوئیں۔ روزِ عاشور عصر کے وقت یا گیارہ محرم کی صبح کو سیدہ زینبؑ کبریٰ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو قتل گاہ میں اپنے پیاروں کی پارہ پارہ لاشوں کو دیکھ کر بار بار غش کر جاتا، دُوسرے لوگ اُسے ہوش دلاتے، یا وہ خود بے بس ہو کر صاحبِ فراش ہو جاتا اور دُوسروں کو اپنی حالت کی طرف متوجہ کر لیتا، لیکن سیدۂ طاہرہؑ کی عظیم نورِ نظر میں کوئی ایسی کیفیت کسی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے برعکس ہر مقام پر آپؑ کی موجودگی موقع کے عین مطابق، موقع سے ہٹ جانا عین مناسب اور آپؑ کے راز و نیاز بالکل باموقع اور سوچے سمجھے معتدل لائحۂ عمل سے مستقل مطابقت رکھتے تھے۔

(ب) ساتھیوں سے متعلق معیارِ تدبر

ثانیِ زہراؑ کربلا کے المیہ کے بعد خانوادۂ امیر المومنین علیہ السلام کی سردار و بزرگ ہیں۔ تمام خواتین، بیٹیاں، بھتیجے و

بھتیجیاں سب آپ ہی کی سرپرستی میں ہیں، حکم بھی کاملاً انہی مخدومہ کا چلتا ہے، مقصد و ارادہ بھی آپ ہی کا غالب ہے۔
امیر المومنینؑ و حسنین علیہم السلام کے پسماندگان سب اپنا اپنا گھر، ازواج، اولاد، گھر بار اور اُس کا اپنا اپنا انتظام رکھتے ہیں لیکن جہاں بھی آپ کے پدرِ بزرگوار اور برادرانِ عالی قدر کو زندگی کے مسائل یا ذاتی افکار سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو سب باتوں میں مرکزِ توجہ اور محافظِ اسرار و رموز سیدہ زینبؑ عالیہ ہی قرار پاتی ہیں۔

زینبؑ کبریٰ کے تدبر و تنظیم کی عظمت زمانہ بھر کو نظر آسکتی ہے۔ زمانۂ اسیری میں ہم یہ سب حسنِ انتظام، اسیروں کی تعداد کے برقرار رکھنے اور اُن کو آپس میں منسلک رکھنے میں دیکھتے ہیں۔ آپؑ کی ہمراہی ایسے اسیروں پر مشتمل ہے جن میں مائیں اپنے لختِ جگر قربان کر چکی ہیں، بہنیں بھائیوں کے غم میں محزون ہیں، کمسن و خورد سال بچے ہیں، سید الشہداء علیہ السلام کا پورا خاندان اور اُن کے علاوہ دوسرے افراد بھی ہیں۔ اسی قافلہ میں سید الساجدین علیہ السلام ہیں جو جوان ہیں لیکن بیمار و غم زدہ ہیں اور ایسی حالت میں ہیں کہ خود انہیں بھی کسی تیمار دار کی اشد ضرورت ہے۔ انہی میں چند بہت چھوٹے بچے بھی ہیں جیسا کہ روایت کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام جن کی عمر صرف چار برس ہے (زندگانیِ امام حسینؑ، مؤلفہ ڈاکٹر شہیدی)۔

آپ ثانیِ زہراؑ کی بطور قافلہ سالار اور بزرگِ کارواں ذمہ داری کا اندازہ لگائیں۔ آپؑ کو تمام ہمراہی خواتین کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو سب کی سب انتہائی غم زدہ ہیں، چھوٹے چھوٹے بے چین بچوں کو دیکھنا ہے، خود امام زین العابدین علیہ السلام کا خیال رکھنا ہے جو بے حساب ضرب خوردہ و مجروح ہیں، اُن سب کو نہ صرف آب و غذا پہنچانا ہے بلکہ ان کی دل دہی و تسلی کرنا بھی مقصود ہے، ان کو خوف و وحشت میں سہارا دینا ہے، اُن کے پاؤں کانٹوں سے مجروح ہیں، اُن کانٹوں کو چننا ہے، اُن مجروح پاؤں کو مرہم مہیا کرنا ہے، اُن سب کے سروں کو جو دشمن کی سنگ باری سے شکستہ و خون آلود ہیں، درمان پہنچانا ہے..... کیا ایک خاتون جو خود بھی اسیر و غم زدہ ہے، وسائل سے تہی دامن ہے، ان تمام مسائل سے عہدہ برا ہو سکتی ہے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب ذمہ داریاں سیدہ طاہرہؑ کی نورِ نظر پوری کر رہی ہیں اور ان تمام فرائض میں پورا اترتی ہیں۔

(ج) عالم ہستی کے متعلق ثانیٔ زہراؑ کا تدبر

ثانیِ زہراؑ کا تدبر صرف اپنی ذات اور اپنے ہمرائیوں تک ہی محدود نہیں، صرف آپ کے خانگی ماحول سے متعلق نہیں جس کا انتظام آپ کے ذمہ ہو، صرف اپنے ساتھی اسیروں کی سرپرستی ہی آپ کو کرنا نہیں ہے، بلکہ تمام جہانِ ہستی پر آپؑ کا اثر پایا جاتا ہے جس پر آپؑ کے حُسنِ تدبر اور سلیقۂ اختیار کے نقوش بہت گہرے نظر آتے ہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ اور جنابِ

سیدالشہداء علیہما السلام کے مقدس خاندان تو آپؑ کی رائے و تدبیر سے استفادہ کرتے ہی ہیں لیکن آپؑ کے تدبر و تنظیم کا اثر پورے عالمِ وجود و ہستی پر نمایاں ہے اور یہ کیفیت طبیعی امکانات و حالاتِ زمانہ سے ہر طرح ماوراء ہے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف ایک موقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وہ بھی اس کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اس موقعہ کا تعلق کوفہ سے ہے جہاں آپؑ کے ایک خطبہ نے سننے والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سید ابن طاؤس مرحوم نقل کرتے ہیں:

''آپؑ کوفہ میں وارد ہوئیں۔ بے انتہا ہجوم اور شور و غوغا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لوگ سر اٹھا اٹھا کر قیدیوں کو دیکھنا چاہتے تھے کہ کون ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ قیدی کہیں باہر سے آئے ہیں اور اُن کے دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ قیدی اونٹوں پر سوار تھے اور ساربان اُن کے برابر چل رہے تھے۔ سپاہیوں کی ایک جماعت سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کئے ہوئے تھے۔ ثانیِ زہرؑا جب وسطِ شہر میں پہنچیں تو آپؑ نے ماحولِ شہر کو بات سننے پر آمادہ پایا۔ چنانچہ 'وَاَومَاتْ اِلَی النَّاسِ اَنِ اسْکُتُوا' یعنی آپ نے انگشتِ مبارک بلند کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ 'فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَکَنَتِ الْاَجْرَاسُ' یعنی لوگوں کے سانس اُن کے سینوں میں رُک گئے۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آوازیں بھی خاموش ہوگئیں۔ تاہم توجہ کا مرکز شہزادی کا یہ عمل نہیں کیونکہ نظامِ ہستی میں یہ بات تو ایک امرِ طبیعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کیفیت انسان کے وجود پر اپنے اثر و نفوذ کو برقرار کر لیتی ہے اور انسانی ذہن اس کے موافق ہونے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کے حصول کے لئے سیدۂ زینبؑ عالیہ جیسی ہستی کی عبادت و بندگیٔ پروردگار کے سایہ کی ضرورت ہے جس کے باعث قلبِ انسانی میں اس قدر متاثر ہونے کی قوت پیدا ہوتی ہے''۔

(د) قوتِ ارادی

سیدہ زینبؑ عالیہ قوی و پُر زور قوتِ ارادی کی مالک ہیں اور اپنے اس قوی ارادہ کو راہِ خدا میں بروئے کار لاتی ہیں۔ انسان کی قوتِ ارادی اس کی روحانیت سے براہِ راست متناسب ہوتی ہے۔ یہ قوت خود اپنے مقام پر حیاتِ طبیعی سے متعلق بہت سے عوامل کو نظر انداز کر کے کسی خاص عامل کا تعین کرتی ہے۔ لہٰذا عواملِ طبیعی کی تعداد جس قدر بڑھتی جائے گی اُسی قدر روحانیت اور قوتِ ارادی میں اضافہ ہوگا۔

چنانچہ ثانیِ زہرؑا وہ شجاع اور قابلِ تقلید خاتونِ معظمہ ہیں جو یقیناً ہر طرح اس قابل ہیں کہ اپنے آپ کو متعدد رشتوں سے آزاد کر کے ماسوا اللہ سے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے صرف پروردگارِ عالم سے لَو لگا لیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ لگاؤ اور اتصال

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی روحانیت اور توانائی کا موجب ہے، اسی تعلق کی مدد سے خوف ووحشت واضطراب واضطرار آپ سے دُور رہتے اور آپؑ کو قوی ومحکم بناتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ ثانیِ زہراؑ کی قدرتِ کلام وخطاب، آپؑ کی جرأت وتوانائی وبزرگی کی حقیقت واصلیت یہی ہے کہ اسی جرأت واستقلال نے آپؑ کو اسیری کی مشکلات ومصائب کے دوران نہ صرف تحمل وبرداشت کی قوت سے مالا مال رکھا بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپؑ کی شخصیت نے بارِ شہادت کو سہارا دیا، یا یہ کہئے کہ آپؑ نے بغیر احساسِ نقاہت وخستگی مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور کربلا سے کوفہ وشام کے جاں فرسا سفر کو طے کیا۔ آپؑ کے علاوہ اور کون ایسا ہوسکتا ہے جو اپنے مقصدِ حیات کی خاطر اپنا گھر بار، زندگی، آرام وآسائش اور مشاغلِ حیات کو ترک کر کے اتنے مصائب کو اپنے اوپر گوارا کر سکے۔

۴۔ خاتونِؑ کربلا کا گریۂ فاتحانہ

بعض مرثیہ گو حضرات نے زینبؑ عالیہ کو آنسو بہانے والی گریہ کناں خاتون قرار دیا ہے۔ انہوں نے آپ کی ایسی شخصیت پیش کی ہے جو بار بار غش کر جاتی ہے اور اتنی زیادہ ضعیف ہو چکی ہے کہ اکثر نہایت اہم مواقع پر بے تاب وبے قرار نظر آتی ہے۔ ہماری نظر میں آپؑ کے متعلق یہ تصورات مبنی بر جہل وناواقفیت ہیں۔ تاریخ ایسی باتیں زینبؑ عالیہ سے ہرگز منسوب نہیں کرتی، نہ ہی انہیں ہر موقعہ پر بے قرار وگریہ کناں دکھلاتی ہے۔

ہم ثانیِ زہراؑ کی رقت وگریہ افشانی کے منکر نہیں جو صرف اپنے عزیزوں کے غم میں آپؑ سے ظاہر ہوئی کیونکہ یہ ایک فطری وطبیعی عمل ہے۔ یہ کیفیت خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام پر بھی صادق آتی ہے۔ جنابِ رسولؐ اکرم نے اپنے پیارے فرزند حضرت ابراہیمؑ کیلئے گریہ فرمایا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زوجۂ گرامی قدر جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی وفاتِ حسرت آیات پر اشک افشانی کی۔ یہی کیفیت ہم تمام دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کے متعلق بھی پاتے ہیں۔ ہم اس حالت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ آپؑ روئی نہیں، بلکہ آپؑ کی اشک افشانی کی نوعیت یہ ہے کہ:

یہ وہ گریہ نہیں جو رقتِ قلب اور شفقتِ انسانی کے خلاف ہو، جو بے حسی وفریب خوردگی کے نتیجہ میں ہو یہ گریہ وہ نہیں جس میں رونے والا بے خود ہو کر اپنے حق ہی سے گزر جائے، یا گریہ رونے والے کے لئے توہین کا باعث بن جائے، یا اس لئے ہو کہ یہ بے تابیِ غم سے رہائی اور جذبات وتاثراتِ غم کی تسکینِ قلب کی خاطر اختیار کی گئی ہو،.......

سیدہ زینبؑ کا گریہ شفقتِ انسانی سے بُعد کے طور پر نہیں، بلکہ یہ گریہ اعلائے کلمۂ حق اور راہِ حق میں خلقِ خدا کو

بیدار رکھنے کیلئے ہے۔ یہ رونا تازیانوں کی بارش یا عذابِ روحانی کی خاطر نہیں بلکہ یہ گریۂ فاتحانہ، رُسواگرِ ظلم، اپنے بعد کی تاریخ میں افراد کو بیدار کرنے کا ذمہ دار اور حادثۂ فاجعۂ کربلا کے بارے میں اغیار تک کی توجہ کو اس طرف مبذول کرنے کی خاطر ہے۔

ثانیِ زہرؑا کے دفاع میں بہت سے حالات سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کے جاہلانہ دعوے جو آپؑ کی خیر خواہی کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں، اُن سے زینبؑ کبریٰ کے مقدس دامن کو پاک کیا جائے۔

جاننا چاہیئے کہ کسی نے آپؑ کو سفرِ کربلا اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ آپؑ کی مقدس شخصیت کسی طرح بے بسی، بے سروسامانی اور درماندگی کی شکار بھی نہ تھی جو اس سفر کے لئے ناگزیر کیفیت کی حامل ہوتی۔ آپؑ اپنے شوہر و اولاد کے ساتھ عمدہ اور خوش گوار زندگی بسر کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ مرفہ الحال زندگی بسر کرنے کے جملہ امکانات آپؑ کے پاس موجود تھے۔

لہٰذا آپؑ نے پوری ذمہ داری و واقفیت و بصیرت و روشن نظری سے اپنے لئے یہ راہ منتخب فرمائی تھی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابنِ جعفرؓ کے ساتھ عقد میں آپؑ کے امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ سفر میں جانے کی شرط رکھی گئی تھی۔ چنانچہ چالیس سال سے زیادہ کے طویل عرصہ میں آپؑ کی اشک افشانی جو عجز و بے بسی کی مظہر ہو، بے معنی چیز ہے بلکہ اضطرار و اضطراب کو ظاہر کرنے والی مشقِ گریہ تو ایک بچگانہ کیفیت کی آئینہ دار قرار پائے گی۔

(علاوہ ازیں ہم پہلے ہی پچھلے صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ جب امیر المومنینؑ نے ایک موقعہ پر آئندہ پیش آنے والے واقعات کا شہزادی سے تذکرہ کرتے ہوئے گریہ فرمایا تھا تو شہزادی نے عرض کیا تھا کہ انہیں یہ سب حالات ان کی معصومہ والدۂ معظّمہ نے پہلے ہی بتلا رکھے ہیں)۔

لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جس روز زینبِ عالیہ نے وادیٔ مبارزہ میں قدم رکھا اسی دن سے آپؑ جانتی تھیں کہ کن لوگوں سے آپؑ کا سابقہ ہوگا، آپؑ کے خاندان کے بدترین دشمن کون ہیں، کیسے ہیں اور آپؑ کو کس حد و انداز تک دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ آپؑ واقعۂ کربلا سے پہلے ہی باخبر تھیں۔ آپؑ کے جدِ بزرگوار، پدرِ عالی قدر اور مادرِ باوقار نے آپؑ کو پہلے ہی اس کی تفصیل کی خبر دے رکھی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ واقعاتِ آئندہ کے بارے میں جب آپؑ کے بابا نے آپؑ کو مطلع کرنا چاہا تو آپؑ نے انہیں کہہ دیا تھا کہ میں یہ سب جانتی ہوں۔

ان حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ آپؑ اشک و آہ و نالہ و گریہ کی راہ اختیار کرتیں یا بعض ناواقف لوگوں کے بقول

اپنی تیرہ بختی پر نفرین کرتیں۔ ایسی باتیں زینبؑ عالیہ کی مقدس ذات سے بہت بعید اور آپؑ کی شانِ اقدس سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتیں، بلکہ اس کے برعکس آپؑ کی شخصیت کے اصل خدوخال کو گھناتی ہیں، جبکہ حقیقت میں آپؑ کی شخصیت کے صرف پہلو ہائے توصیف ہی سامنے آتے ہیں۔

ثانی زہراؑ کے گریہ کی قدر و قیمت

زینبؑ عالیہ عظیم استقامت واستقلال کی مالک ہیں۔ کسی جگہ بھی مصائب وآلام نے آپؑ کو ہراساں نہیں کیا۔ کسی مقام پر آپؑ نے عجز و بے چارگی کا اظہار نہیں کیا، نہ کوئی ایسا لفظ آپؑ کے دہنِ مبارک سے نکلا۔ حد یہ ہے کہ دربارِ ابنِ زیاد میں بھی ہرگز آپؑ کے طرزِ عمل سے آپؑ کے ہدفِ زندگی کے مقابلہ میں ایک لفظ بھی خوف وسراسیمگی کے اظہار کیلئے نہیں ملتا۔ بعض مقامات تو ایسے بھی آئے ہیں جہاں آپؑ کی گفتگو اس حد تک بڑھی کہ ایک مرتبہ ابنِ زیاد نے واقعی آپؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ کسی مقام پر بھی حضرتؑ سے گریۂ بے بسی ظاہر نہیں ہوا۔ اگر کہیں ایسا موقعہ آتا کہ دورانِ گفتگو گریہ گلوگیر ہونے کا خدشہ ہوتا تو آپؑ ایسے موقعہ پر خاموش رہنے کو ترجیح دیتیں۔ ایسے مواقع پر تو صرف بچے ہی دامنِ قرار کھو بیٹھتے ہیں جبکہ ثانیِ زہراؑ کی شان تو ان امور سے بہت بلند سطح رکھتی ہے۔

تاہم کربلا کے مرقعِ خونین کے دوران خونِ ناحق سیدالشہداءعلیہ السلام کے پیغام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں شہزادی کو اشک افشانی کرنا پڑی لیکن یہ اشک دُرہائے بے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ آپؑ کے وہ آنسو ہیں جو بنی اُمیہ کے جرائم کو بے نقاب کرتے ہیں۔ یہ آنسو دیکھنے والوں اور گفتگو سننے والوں کے احساس وشعور کو جھنجھوڑتے ہیں، حتیٰ کہ لوگ سننے اور سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ آپؑ کیا فرما رہی ہیں اور آپؑ کا مدعائے گفتگو کیا ہے!

سیدہ زینبؑ اور پس ماندگانِ سیدؑالشہداء

ثانیِ زہراؑ عظیم ترین جرأت وقوی ترین روحانیت کے ساتھ شریکِ حادثۂ کربلا ہیں۔ آپؑ پس ماندگانِ جنابِ سیدالشہداءؑ کے کوفہ سے شام اور شام سے واپس مدینہ تک کے سفر کی اس طرح ذمہ دار ہیں کہ سیدالشہداءؑ کے مقصدِ شہادت کی سیرابی بھی ساتھ ساتھ جاری رہے۔ اگر آپؑ عام لوگوں کی طرح نالہ وفریاد کی خوگر ہوتیں تو کیسے ممکن تھا کہ یہ عظیم شہادت اپنے مقصدِ اصلی کو حاصل کرسکتی اور ان اسیروں کا کون کفیل و پرسانِ حال ہوتا۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ زینبؑ عالیہ نے مواقع کی مطابقت میں نوحہ بھی کیا ہے، آپؑ سیدالشہداءامام حسین علیہ السلام

کے غم میں مرثیہ واشعار بھی کہتی ہیں، لیکن یہ سب مجمع اغیار وعدوان میں ہوتا ہے جبکہ اپنے عالمِ تنہائی میں خصوصیت کے ساتھ آپؑ کا طرزِ عمل بالکل مختلف ہے۔ آپؑ کے نوحہ وغم اور اشعارِ مرثیہ سے بھی صبر وتحمل کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ سب کلمات اکثر مقامات پر حصہ تاریخ اور واقعۂ کربلا ومتعلقہ حوادث کا بیان بن گئے۔ ایسے تمام مواقع لوگوں کی توجہ کا مرکز اور احساسِ اصلیت کا باعث بن جاتے ہیں۔ لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ اسیری اور اس سے متعلق صعوبات، معصوم بچے تک جن کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، آخر ان کی اصلیت وواقعیت کیا ہے؟

یقیناً ایسے تمام واقعاتِ گریہ ثانیِ زہراؑ کے دفاع کی خاطر وقوع پذیر نہیں ہوئے، اگرچہ ایسا ہوتا بھی تو یہ آپؑ کے پیش آمدہ واقعات کی اہمیت کے مطابق ہوتا لیکن زینبؑ عالیہ کی شان کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ زینبؑ عالیہ کے مقاماتِ عظمت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ زینبؑ عالیہ اگرچہ منسلک بہ عصمت ہیں تاہم خود معصوم نہیں ہیں 1۔ اس کے باوجود آپؑ سے متعلق جس قدر کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے ان کا تمام افراد سے ظاہر ہونا قطعی محال ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ ایک ہی آدمی سے ظاہر ہونا ممکن ہو تو پھر آپؑ کیلئے اس منقبت وفضیلت کا کون سا مقام باقی رہ جائے گا۔

ہم مانتے ہیں کہ عرصۂ روزگار میں ایسے افراد کا وجود مل جاتا ہے جو ایسے کمالات کے مظہر ہو سکتے ہیں جن کا اظہار عام لوگوں سے ممکن نہیں ہوتا۔ تاہم ایسے چند افراد کے متعلق ہماری واقفیت کس کام کی! اس بحث میں جس بات کو ہم خصوصیت کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی بالکل الگ نوعیت رکھتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زینبؑ عالیہ کا ماحولِ تربیت اور آپؑ کے مربی ومعلم اس شان کے مالک تھے جن تک کسی کو دسترس حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان میں سے ہر فرد ایسی اعلیٰ شان کا مالک ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان سے ایسی تربیت فطرتاً حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا کہ اُن مقامات سے کوئی مناسبت پا سکے

1۔ مؤلفِ کتاب یہاں اشتباہ کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔ پورے وثوق کے ساتھ جنابِ زینبؑ عالیہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں جو سید الشہداء علیہ السلام نے شہزادی کے سپرد فرمائی تھیں۔ یہ بھائی بہن کی رخصتِ آخر کا وقت تھا جب جنابِ سید الساجدینؑ بحکمِ پروردگار اس شدید علالت میں مبتلا تھے جو روزِ عاشور اُن کے زندہ بچ جانے کا باعث بنی۔ یہ ذمہ داریاں اُس وقت تک شہزادی کے ذمہ رہیں جب تک کہ جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام تندرست ہو کر ان کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہو گئے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امامِ مذکور تمام وقفۂ اسیری وابتلاء کے دوران اپنی عظیم پھوپھی کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ خود نہیں کرتے۔

جوزینبؑ عالیہ کوحاصل ہوئے۔

ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ جس چیز نے سیدہ زینبؑ کوزینبؑ عالیہ وزینبؑ کبریٰ بنایا وہ آپؑ کی اپنی ریاضت اور شانِ مجاہدہ تھی۔ یہ سب مقام آپؑ کی فطری رہبری اور آپؑ کے اشجع وذمہ دار مخدومہ ہونے کی بنا پر آپؑ کو حاصل ہوا۔ آپؑ نے یہ تمام مقاماتِ رہنمائی خود اپنی ذاتی صلاحیت کی مدد سے حاصل کیۓ اگرچہ یہ کیفیات دورِ حاضر میں بھی بعض افراد میں آپؑ کو مل جائیں گی۔ہم ذیل میں ان چند کمالات اور اُن کی وسعتِ محیط کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم بالکل اختصار کے ساتھ اشارۃً ایسے موارد سے بحث کریں گے جو عموماً ایسے فضائلِ رہبری کے حصول کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔تفصیل کے طالبان سے درخواست ہے کہ اُن کتب کی طرف رجوع فرمائیں جن میں انسان کی صلاحیت اور حصولِ رشد کے لئے لازمی اقدار کی بحث کی گئی ہے۔

بہر حال یہ اقدار ان اجزاء سے عبارت ہیں:

(ا)علم وآگہی

فضائلِ اعلیٰ کے حصول کیلئے پہلی شرط آگہی ہے۔لازم ہے کہ چراغِ علم کے نور سے اس قدر ذہانت وبصیرت توکم ازکم ضرور حاصل ہو کہ انسان اپنے لئے راہ وچاہ میں امتیاز کر سکے۔اس صلاحیت کے بغیر خود اپنی اقدار کی وسعت واہمیت،خود اپنے مقاماتِ ضعف وطاقت،زمانہ کے حالات ومواقع کی واقفیت،اپنے فرائض وتکالیف کی شناخت اور ان سب باتوں کے ممکنہ انجام وانتہا کا احساس ممکن نہیں ہوگا۔پھر انسان کیلئے لازم ہے کہ اپنی راہِ حیات متعین کر سکے،اپنے رہبر سے شناسا ہو، بالفاظِ دیگر اپنے زمانہ کے امام کو پہچانتا ہو،اگر اُس میں کوئی کمزوری ہو تو اُس کا احساس کر پائے تاکہ صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔ان تمام کیفیات کے حصول کیلئے درجِ ذیل باتوں پر توجہ کرنا ضروری ہوگا:

"وَبِالنَّجمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ"(نحل:16)۔

"(وہ لوگ) ستاروں کی مدد سے راستہ دریافت کر لیتے ہیں"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ ستارگان ہم (آئمہ معصومینؑ) ہیں۔

"اَلعَالِمُ بِزَمَانِهِ لا تَهْجُمُ عَلَيهِ ....." (کافی،ج2)۔

'جو شخص خود اپنے زمانہ سے خوب واقفیت رکھتا ہے وہ اشتباہات وفریبِ زمانہ کے ہجوم اور حملوں سے پریشان نہیں ہوتا'۔

"اَلْعَامِلُ عَلٰى غَيْرِ بَصِيرَةٍ كَالسَّائِرِ عَلٰى غَيْرِ طَرِيقٍ وَلَا يَزِيْدُهُ سُرْعَةُ السَّيْرِ اِلَّا بُعْداً"

''جو شخص عقل و دانائی کے بغیر عمل کرتا ہے وہ ہی ہمیشہ گمراہی کی طرف جاتا ہے اور تیزیٔ رفتار اس کو اس کے ہدف سے دُوری کے علاوہ کچھ نہیں دیتی'' (تحف العقول،ص379)۔

(ب) اللہ تعالیٰ پر ایمان

روحانی طاقت و استعداد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر مستقل و مستحکم طریقہ سے اعتقاد و بھروسہ رکھتا ہو، ایک ایسا رشتہ بندہ و پروردگار کے درمیان قائم ہو جو ہرگز ٹوٹنے والا نہ ہو، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

''وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا'' (بقرہ:256)۔

''اور جو کوئی اللہ پر ایمان لے آئے تو اُس نے (ایسے) محکم سہارے کو تھاما ہے جو (ہرگز) ٹوٹ نہیں سکتا''۔

بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ پر صحیح و پختہ و غیر متزلزل ایمان قائم ہو، انسان مکمل بصیرتِ قلب و ذہن سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کو تسلیم کرے، اللہ تعالیٰ کو حلم و صبر و قضا کا خالق و منبع جانے اور حدود ِروحانی کو تمام حدودِ امکان سے بلند و بالا مان لے۔

ثانیِ زہراؑ ذاتِ پروردگار پر ایمانِ کامل کی مالک ہیں۔ آپؑ کے ایمان و اعتقاد میں کسی قسم کی لچک نہیں۔ آپؑ کو سنگین روحانی صدمات کا سامنا تھا لیکن چونکہ آپؑ کا ہدفِ زندگی خدائے لایزال کی خاطر مقرر کیا گیا تھا، اس لئے پائے استقلال میں کسی طرح کی لرزش ممکن نہ تھی، نہ ہی آپؑ کسی طرح کی خستگی و درماندگی سے دوچار تھیں۔ آپؑ جانتی تھیں کہ ذاتِ پروردگار آپؑ کی شاہد ہے اور وہ اُن تمام مصائب و آلام کو دیکھ رہا ہے جو آپؑ کو صرف اُس کی راہ میں اٹھانا پڑ رہے ہیں۔

(ج) جذبۂ جہاد (مجاہدت)

ایمان و آگہی دو ایسی لازم شرطیں ہیں جو انسان کو فرض و ریاضت کی راہ میں عمل کی محرک بناتی ہیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ انسان کے لئے لازم ہے کہ فرض و ریاضت و مجاہدہ کے جذبہ کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھے۔ صرف یہ سوچ کر ہی دل کو خوش نہ کرلے کہ میں ایمان رکھتا ہوں اور میرا دل ہر قسم کی آلائش و نجاستِ ذہنی سے پاک ہے۔

اس میدان میں زینبؑ عالیہ مجاہدہ اور مکمل طور پر باعمل مخدومہ ہیں۔ آپؑ انتہائی کوشش و ریاضت کے ذریعہ اپنے عمل سے رضائے پروردگار کے حصول کی خاطر سرگرمِ عمل ہیں۔ اس راہ میں ثانیِ زہراؑ نے سب کچھ، حتیٰ کہ جان و مال و اولاد اور تمام وہ چیزیں جو عام انسان کیلئے روشنیٔ چشم کا باعث ہوتی ہیں، قربان گاہِ الٰہی میں پیش کردیں۔

(د) مسئلہٴ موت کا حل

موت عوام الناس کیلئے وحشت ناک وخوفناک شے ہے لیکن نیک و پاک بندگانِ خدا کیلئے ایک امرِ مانوس کا درجہ رکھتی ہے اور اُن کیلئے باعثِ راحت ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اَلْمَوْتُ مُرِیْحٌ'' (غرر الحکم)۔

''موت سامانِ راحت ہے''۔

''وَاللّٰهُ لَابْنُ اَبِی طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ'' (نہج البلاغہ)۔

یعنی ''خدا کی قسم! علیؑ ابنِ ابی طالبؑ موت سے اس طرح مانوس ہے جس طرح بچہ پستانِ مادر سے مانوس ہوتا ہے''۔

لہٰذا جب تک انسان موت کے خوف پر حاوی نہ ہو، اس کی مشکلاتِ زندگی ہرگز حل نہ ہو پائیں گی۔

سیدہ زینبؑ موت سے بالکل خوفزدہ نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے متعدد بار اپنے آپؑ کو موت کے خطرہ میں ڈال دیا۔ آپؑ نے دربارِ ابنِ زیاد میں اُس ملعون کو موردِ نفرین و سرزنش قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے''! (اعیان الشیعہ)۔

ممکن تھا کہ اُس وقت آپؑ کو قتل کر دیا جاتا، لیکن ہر حالت میں آپؑ نے اپنے ہدف کو زندہ رکھنا چاہا کیونکہ یہ تمام واقعات آپؑ کے نزدیک آپؑ کے احیائے مقصد اور دوامی ہدف کا ذریعہ و وسیلہ تھے۔

منزلِ حزیمہ میں آپؑ محوِ خواب تھیں کہ عالمِ رویاء میں آپؑ نے سنا:

اَلَا یَاعَیْنِ فَاحْتَفِلِی بِجَهْد	اے آنکھ! پورے مجاہدہ و ریاضت سے مشغولِ گریہ ہو جا۔
وَمَنْ یَبْکِی عَلَی الشُّهَدَاءِ بَعْدُ	اور کون ہے شہداء پر میرے بعد گریہ کرنے والا۔
عَلٰی قَوْمٍ نَسُو قُهُمُ الْهَنَایَا	وہ کون ہے جو اس قوم کو ان کے مقصد کی طرف لے جا رہا ہے۔
لِمِقْدَارٍ عَلٰی اِنْجَازِ وَعْدٍ	وہ بھی اس لئے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ محقق ہو جائے اور منزلِ حق پر فائز ہو جائیں۔

جب بیدار ہوئیں تو یہ بات امام حسین علیہ السلام کے سامنے بیان کی۔ امام علیہ السلام نے اس کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہم تک پہنچنے والا ہے (ریاحین الشریعہ، ج3، ص77)۔

(ھ) مستقبل کا تصور

ایسے کتنے افراد آپ کو نظر آئیں گے جو اپنے مستقبل کیلئے مقصدِ حیات کا کوئی تصور رکھتے ہوں اور اپنے اُس تصور کے حصول کی خاطر تحرک و ریاضت کی راہ اختیار کریں۔ مثلاً ایک طالبعلم حصولِ علم کی خاطر اپنے مستقبل کو سامنے رکھ کر شب و روز محنت کرتا ہے، اسی طرح ایک کاشتکار جو اپنی کھیتی میں سرگرمِ کاشتکاری ہوگا اُس کے سامنے بھی عمدہ فصل کے حصول کا تصور ہونا لازم ہے۔ غرض یہ کیفیت سب انسانوں میں قدرِ مشترک کا درجہ رکھتی ہے۔

لیکن زینبؑ عالیہ اپنے حالات کو مختلف نظر سے ملاحظہ فرماتی ہیں۔ آپؑ کا زمانۂ حال مشتمل ہے سختیوں پر، تلخیوں پر تحمل کرنے پر، مصائب و دشواریوں پر۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں محرومی، بھوک و پیاس، اسیری، دُرّوں کی ضربات، غم و رنج اور تلخئ روزگار کو برداشت کرنا ہے۔

دُوسری طرف مستقبل بھی کچھ دُور و بعید نظر نہیں آتا جو خوشگوار ہے، بہ ایں معنی کہ آپؑ کے ریاضت و مجاہدہ کی بدولت شجرِ اسلام پر بہار و زندگی کو رونما ہونا ہے۔ ماضی کی سختیوں اور مشکلات کے نتیجہ میں شجرِ اسلام کو شیریں و خوشگوار ثمرات سے بار آور ہونا ہے، باطل کو نیست و نابود اور حق کو درخشاں و نمایاں ہو کر ابھرنا ہے، حق و باطل کے درمیان سے پردہ اٹھنا اور خبیث و طیب کی الگ الگ شناخت ہونا ہے (لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ) (انفال: 37)۔ یہی وہ آئندہ کا تصور اور مستقبل کی منزل ہے جو زینبؑ عالیہ کے قلبِ حق جُو کو سکون بخشتا اور حصولِ ہدف کی خاطر راہ کو نمایاں و آشکار کر رہا ہے۔ آپؑ اس مستقبل کو اپنی چشمِ بصیرت سے مشاہدہ فرما رہی تھیں بلکہ سید الساجدین علیہ السلام سے کہہ رہی تھیں کہ:

یہ وہ مقام ہوگا جہاں ہماری بارگاہ برپا ہوگی، ہمارے مزار مرجعِ خلائق بنیں گے، ہمارے نشانات کو حیاتِ جاوید حاصل ہوگی **(مع الحسینؑ و نهضة)**۔

آپؑ نے یزید لعین پر صاف و واشگاف الفاظ میں واضح فرما دیا کہ تیرے لئے ممکن نہیں کہ تو لوگوں کے قلوب سے ہماری یاد کو محو کر سکے، جو حربہ بھی استعمال کر سکتا ہو کر کے دیکھ لے: ''فَوَاللّٰهِ لَا تَمْحُوْ ذِكْرَنَا ......'' (زینبؑ عالیہ کا خطبۂ شام)۔

(و) امام حسین علیہ السلام کا مقام حوصلہ بخش

امام حسین علیہ السلام ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے رہبر کا مقام رکھتے تھے اور آپؑ کا نصب العین مخدومہ کیلئے مقصدِ حیات تھا۔ اسی لئے امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی زینبؑ عالیہ کے ازدواج میں بطورِ شرط رکھی گئی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام کا طرزِ

عمل وطریقِ کار اور آپؑ کی طرف سے حوصلہ افزائی زینبؑ عالیہ کیلئے قوت واستقلال کا باعث تھی۔ لہٰذا ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا پوری جرأت وشجاعت واستقامت کے ساتھ اور محکم ومستقل قدموں پر پیش قدمی میں مصروف تھیں کیونکہ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام نے آپؑ کو حوصلہ دیا تھا اور یقین دلا رکھا تھا کہ پروردگارِ عالم کی استعانت تمہارے ساتھ ہوگی اور تمہارے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرے گی (روزِ عاشور بوقتِ وداع سیدّ الشہداء کی یقین دہانی)۔

یہی وجہ ہے کہ سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر جنابِ زینبؑ کبریٰ مصائب وآلام وکشمکش کے دوران جذباتِ غم والم کو ہٹا کر اپنے سوزِ دل پر مکمل قابو رکھتی ہیں اور جانتی ہیں کہ انہیں کیا کچھ کرنا اور کس طرح آگے بڑھنا ہے۔ لہٰذا اپنے طریقِ کار میں پوری قوت وحوصلہ کے ساتھ اقدام کرتی ہیں اور دشمن کے کسی طرح کے مبہم اقدام وفریب کاری کو باقی نہیں رہنے دیتیں۔

۱۔ ثانئِ زہرؑا کا ہدَف و مقصد

نظامِ آفرینش ہدف ومقصد کا حامل ہے۔اس ہدف کے حصول کی خاطر عالمِ ہستی میں کچھ راہیں اور لائحۂ عمل متعین کئے گئے ہیں۔ان تمام طریق ہائے کار میں کوئی شے بے کار و بے مصرف پیدا نہیں کی گئی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَاخَلَقْنَاالسَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَابَيْنَهُمَالٰعِبِيْنَ''.

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کواور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کھیل کے طور پر نہیں بنایا''۔(انبیاء:16)

ارشاد ہوتا ہے:

''رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَابَاطِلًا''.(آلِ عمران:191)

یعنی ''اے ہمارے رب!تو نے اس (شے) کو بے کار خلق نہیں فرمایا''۔

انہی مخلوقاتِ کائنات کے درمیان ہم نوعِ انسان کو دیکھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

''وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا''.(اسراء:70)

''اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو اچھی خاصی فضیلت دی''۔

''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَاخَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا''.(مؤمنون:115)

''تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یونہی) بے کار پیدا کیا''؟

پس لازم ہے کہ تخلیقِ انسان کا بھی کوئی مقصد ہو۔بالفاظِ دیگر ہر انسانی وجود کی تخلیق کا کوئی مقصد و ہدف ہے جس کی پیروی کرنے میں وہ مصروف ہے جیسا کہ ارشادِ رسولِؐ اکرم ہے:

''لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوىٰ''.(حدیثِ رسولِؐ اکرم)

یعنی ''ہر انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی''۔

پھر جس قدر کوئی ہدف بلند و گراں قدر ہوگا اسی قدر حاملِ ہدف انسان عظیم و بزرگ قرار پائے گا۔ظاہر ہے کہ حضرات

انبیاء ومعصومین علیہم السلام کے مقاصد واہداف حیات عوام الناس سے اسی قدر بلندتر وعظیم تر ہوں گے۔ اسی لئے ثانیِ زہرؑا جیسے افرادِ تاریخ، اگر چہ ان کی مدتِ حیات بہت کم ہی کیوں نہ ہو، کے اہداف ومقاصدِ حیات عام لوگوں سے اسی نسبت سے وسیع تر و بلندتر وارفع ہوں گے۔

ثانیِ زہرؑا کا مقصدِ حیات

جنابِ زینبؑ عالیہ کی حیاتِ مقدس کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؑ آرزوؤں اور حسرت وارمان کی حامل بامقصد مخدومہ تھیں، اپنے مقصد میں دُور اندیش، اقدارِ اسلامی سے باخبر اور نظامِ آفرینش پر، جو رُشد وکمالِ انسانی کا نقطۂ آخر ہے، مطلعِ کامل تھیں اور یہی وہ اقدار ہیں جو مکمل حق ہیں، فطرتِ انسانی کا کمال ہیں، بلکہ یہی اقدار خلاصۂ کتابِ خدا ہیں۔

ثانیِ زہرؑا زندگی کی ابتداء سے ہی اللہ تعالیٰ کے پیمانِ مقدس سے اس طرح مربوط تھیں کہ آپؑ نے اعلائے کلمۃ الحق کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے رکھا تھا اور اس کے حصول کے راستہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھیں۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کر رکھا تھا کہ باطل کو کسی طرح کسی پہلو سے معاشرہ میں جگہ نہ لینے دیں گی اور چراغِ حق کو دائمی روشن رکھنے میں اپنی مکمل سعی کو بروئے کار لائیں گی۔ آپؑ کا عزم تھا کہ ظالموں، زبردستوں، غاصبوں اور مفسدوں کو رسوا کر کے چھوڑیں گی اور پرچم کفر و تکبر کو سرنگوں کر کے دم لیں گی۔ چنانچہ آپؑ نے اپنے اس مقصد کے حصول کی راہ میں اپنی جان کو سرمایہ کے طور پر نذر کیا، اسے اپنی زندگی کا فرضِ اولین جان کر زمانہ کے حالات کے مطابق اقدام کیا اور حصولِ مقصد کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ ہر حالت میں اپنے ہدف ومنزل تک پہنچنے میں اپنی رفتار کو کسی طرح کم نہ ہونے دیں گی۔ اس ہدف کو سامنے رکھ کر آپؑ نے بچپن ہی سے اس طویل سفر کے طے کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کیا، اپنے عظیم والدین کے زمانۂ حیات ہی سے اپنے آپ کو منزل آشنائی کا خوگر بنایا، امام حسن علیہ السلام کے زمانہ میں تکمیلِ مقصد کے اقدام کی طرح ڈالی اور امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی میں اپنی منزل کے مراحل کو طے کرنے کے لئے سرگرمِ عمل ہوگئیں۔

احساسِ فرض

انسان کے ہدف ومقصد کی بنیاد احساسِ فرض پر قائم ہوتی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان زندگی کے ادوار ومراحل پر خود اپنے آپ سے سوال کرے کہ اُس کا فرض وتکلیف کیا ہے، اسے کیا کرنا چاہئے، نظامِ حیات کی بساط پر ایک اہم مہرہ کی حیثیت سے یہ سمجھنے کی کوشش کرے اور دیکھے کہ اُس کا مقامِ صحیح کیا ہے، اُسے اس نظامِ عالم میں کیوں بھیجا گیا ہے، اُس کی قوت و

توانائی کی حدود کیا ہیں، اُس کے نقاطِ ضعف وطاقت کیا ہیں اور اسے اپنے مقصد کی راہ میں کیا کچھ کرنا لازم ہوگا؟

تاریخ کی عظیم شخصیات نے انہی خطوط پر اپنے قدم مستحکم کئے اور آگے بڑھائے ہیں 1۔ جو لوگ اس قدیم کارزارِ حیات میں نقوشِ جدید اور نواہائے نوخیز کی طرح ڈالنے کا باعث بنتے ہیں انہوں نے اسی جذبہ کو سامنے رکھ کر قدم اٹھائے اور انہی جاودانہ اقدامات کی مدد سے صفحاتِ تاریخ پر بزرگ ترین شاہدین کی حیثیت سے اپنے نشان ہائے قدم چھوڑے ہیں۔ ہم زیارتِ ابوالفضلِ عباس علیہ السلام میں پڑھتے ہیں:

''اَشهَدُ اَنَّکَ لَمْ تَهِنْ وَلَنْ تَنْهُلْ وَاَنَّکَ قَدْمَضِيْتَ عَلٰی بَصِيْرَةٍ من اَمْرِکَ''(مفاتیح)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے فرض کو سمجھنے میں کسی طرح سستی نہیں کی، جو فرض آپ کے ذمہ تھا اس سے آپ نے بالکل روگردانی نہیں کی، اپنی مکمل بصیرت وفہم کے مطابق امور کو تدبیر کیا اور اُس کے مطابق قدم اٹھایا''۔

ثانیِ زہراؑ نے راہِ فرض شناسی اور حصولِ ہدف میں اس طرح اپنے پائے استقلال کو آگے بڑھایا کہ اپنے عظیم بھائی جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی معیت میں جاہلیت کی قدیم دنیا کے تمام نقوش کو اکھاڑ پھینکا اور بنی نوعِ انسان کو ایک نظامِ جدید سے آشنا کر دیا۔ آپؑ کا مقصدِ حیات صحیح اسلام کی ترویج ومعرفت، اس کی نشر واشاعت اور دین کی خدمتِ کامل قرار پایا۔ زینبؑ عالیہ کے اس احساسِ مستقل کی بنیاد امام حسین علیہ السلام کے اس جذبۂ صحیح پر قائم ہوئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ دیرینہ وازلی دشمن پوری شدت اور آب وتاب کے ساتھ سامنے آ چکے ہیں، اپنی قدیم ونسلی کینہ توزی کے پیشِ نظر وہ لوگ انہدامِ اسلام کے لئے ہر طرح کی تیاری کر کے اس کو اپنا مقصدِ حیات بنا چکے ہیں اور ہم ان کی نیت ومقصد کو پوری طرح یزید کی ولی عہدی اور حادثۂ استحقاق 2 کے تماشے کی صورت میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔

1۔ حصولِ ہدف کی خاطر سید الشہداء علیہ السلام کے اسی عزم کے بارے میں جوشؔ ملیح آبادی نے کہا ہے:

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا	صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا	جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا
فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا	جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

2۔ زیاد بن ابیہ خائن نقوش کا بانی تھا اور معاویہ کے نصب العین کا حامی تھا۔ اُس کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ معاویہ نے اُس سے کام نکالنے کی خاطر اُسے اپنا بھائی قرار دیا اور اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ معاویہ کے باپ ابوسفیان نے زیاد کی ماں کے ساتھ بدکاری کی اور وہ زیاد سے حاملہ ہوئی۔ اس طرح معاویہ ابنِ ابوسفیان نے زیاد کو اپنا برادرِ پدری قرار دیا (اس کو واقعۂ استحقاق کہتے ہیں، مترجم)۔

اپنے ہدف پر ایمان

ایسے بہت افرادصفحاتِ تاریخ میں ملیں گے جنہوں نے اپنے لئے مشکل وعظیم ہدف کا انتخاب کیا اور اپنے آپ کو اس ہدف سے منسوب بھی کیا ہوگا لیکن پھر وہ حصولِ ہدف کے راستہ میں مشکلات وشدائد سے دوچار ہوکر اس ہدف ہی کو فراموش کر بیٹھے ہوں گے اور اپنی ذات کو تمام صعوبات سے آزاد کر لینے ہی میں عافیت جانی ہوگی۔ بالفاظِ دیگر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ہدف کے سلسلہ میں کاملاً مخلص نہیں ہوتے۔

درحقیقت اپنے مقصد سے مخلص وہی ہوتے ہیں جو آگ میں جل جانا تو گوارا کر لیتے ہیں لیکن حصولِ مقصد کی راہ میں آگ کو بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں نہیں بھاگتے۔ یہ امرِ محال ہے کہ دل ایمان سے کاملاً معمور ہو اور پھر بھی انسان سعیٔ کامل نہ کرے۔ اس بات کا یقین کرنا ناممکن ہے کہ انسان کی رگ وپے میں خون گردش کرتا ہو اور پھر اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنے اعصاب کو متحرک نہ کرے یا ریاضت میں سستی کر جائے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ایک عظیم مقصد کا عزم کیا اور اُس کے حصول کے لئے اخلاصِ کامل کو کام میں لائیں۔ وہ اُن بزرگان ورہبرانِ ایمانی کی پیش رَو ہیں جو اپنے عزم میں پختہ اور سچے ہوتے ہیں، ان کا اس حقیقت پر مستحکم وراسخ ایمان ہوتا ہے کہ وہ اپنے راستہ کی دُشواریوں اور رُکاوٹوں کو کمزور جانتے ہوئے آرام وسکون کی زندگی کو پسِ پشت ڈال کر اپنی منزل کی جانب تیزی سے قدم اٹھائیں گے۔ لٰہذا وہ نرم بستر پر سونے کو ترک کر کے خار وخاک کو اپنا بستر قرار دے لیتے ہیں۔

منزل تک پہنچنے کا طریق

بہت ممکن ہے کہ ہدفِ زندگی بہت اعلیٰ وارفع ہو، اس کے حصول کی خاطر جذبۂ اخلاص بھی موجود ہو، لیکن اس کے حصول کے طریق سے کماحقہ واقفیت نہ ہو۔ ایسی صورت میں منزل تک رسائی ناممکن ہوگی بلکہ ہر اقدام سعیٔ لاحاصل کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ اس صورت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ منزل کا متلاشی طریقِ ہدف سے اچھی طرح واقف ہو۔ لٰہذا لازم ہوگا کہ انسان اپنے حالات وامکاناتِ سعی، ماحول اور زمانہ کے مسائلِ نشیب وفراز وامکاناتِ کامیابی سے کماحقہ طور پر مطلع ہوتے ہوئے ان تمام شدائد کو سامنے رکھ کر آغازِ اقدام کرے۔ اس سلسلہ میں کم ازکم دو باتوں سے آگاہی ناگزیر ہوگی:

1۔ حصولِ مقصد کے لئے ضروری امکانات، وسائل اور متعلقہ لوازمات کی واقفیت۔

2۔ کامیابی کی فضا سے ہم آہنگ امکانات سے رابطہ۔

ثانیِ زہراؑ جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی معیت میں اپنے وسائل ولوازم واختیارات وحوصلہ کی کاملاً شناسا ہیں۔آپؑ کو علم بلکہ یقین ہے کہ ان سب باتوں میں جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے،نقصانِ مال اگرچہ مختصر ہی ہو،اس کا امکان موجود ہے،پیر و جوان ساتھیوں کو رزم گاہ میں اترنا ہوگا،بچے ہمراہ ہیں جن کو اسیری کی اذیت برداشت کرنا ہوگی،ذاتی حیثیت و آبرو بھی راہِ خدا میں خطرہ سے دوچار ہوسکتی ہے،لیکن آپؑ ان سب قربانیوں کو آسان جانتی ہیں۔

زینبؑ عالیہ اپنے تبحرِ علمی کے ذریعہ فضائے روزگار کو پہچان رہی ہیں،دشمن کے حیلوں،مکاریوں اور قوت سے آگاہ ہیں،عوام الناس کے اس طرزِ عمل سے مطلع ہیں جس کا وہ جہالت وغفلت کے باعث ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ دُشمن کینہ پرور اور عوام بے جان وزبوں حال ہیں۔

ان تمام صورتوں سے واقفیت کے باوجود سفر اور سلسلۂ شہادت واسیری کو تسلیم کرتی ہیں۔نہ صرف یہ بلکہ بقول ڈاکٹر بنت الشاطی (مصنفہ کتاب ''کربلا کی شیر دل خاتون''،مطبوعہ امامیہ مشن،لاہور) بنی امیہ وآلِ ابوسفیان کی حکومت کے نیست و نابود ہونے کی بنیاد رکھ دیتی ہیں (زینبؑ،بانوئے قہرمانِ کربلا،ص 7)۔

اسی سے اندازہ کریں کہ کس قدر مقدس مقصد آپؑ کے سامنے ہے،اس کے حصول کے لئے کیسی فضا و ماحول سے مقابلہ ہے اور کس محیر العقول وفوق العادہ طرزِ عمل سے آپؑ نے اقدام فرمایا ہے؟

حصولِ ہدف کے لوازمات

مقصدِ صادق،اس پر ایمانِ کامل،اس کے لئے ممکنہ طریقِ کار کو طے کرنے،اس کے نشیب وفراز کا حساب کر لینے کے بعد ثانیِ زہراؑ نے اپنے اقدام کی ابتداء فرمائی۔اپنی تمام سعی وجملہ ملکات کو میدانِ عمل میں لاکر شہزادی نے اپنا سب کچھ راہِ اسلام میں ڈال دیا۔

یاد رہے کہ زینبؑ عالیہ کے جسم میں بھی ہماری طرح ہی کی جان تھی اور اپنی جان سے اسی طرح انہیں محبت بھی تھی۔آپؑ صاحبِ اولاد تھیں اور اپنی اولاد سے عمیق ترین محبت کرتی تھیں۔آپؑ کا ایک گھر اور بھرپور زندگی تھی،آپؑ اُس گھر کے نظم ونسق کی ذمہ دار تھیں،مال وزر وزیور رکھتی تھیں،شوہر،پڑوسی،واقف،سرپرست سب کچھ رکھتی تھیں،لیکن یہ سب کچھ آپؑ نے اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں قربان کر دیا۔آپؑ کیلئے یہ بات ممکن نہ تھی کہ اپنے ہدف اور اُس ہدف کے حصول کی راہ میں چونکہ رنج وآلام اور مصائب کا سامنا تھا،اس لئے ہدف ہی کو آدھی راہ میں چھوڑ دیں۔اس راہ میں روزِ عاشور آپؑ نے اپنے بچوں کو جانیں قربان

کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حادثۂ کربلا کے بعد اسیرانِ قافلہ کے مصائب کا مشاہدہ کیا، لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ اپنی تمام کائنات کو قربان کرتے ہوئے ایک لفظِ حسرت و پشیمانی آپؑ کی زبان سے نکل پائے۔ آپؑ نے ہرگز ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے تمام مراحل میں کسی طرح کی پشیمانی کا شائبہ تک ظاہر نہ ہونے دیا اور ایسا کیوں کرتیں، زندگی ہوتی کس لئے ہے، اس زندگی کی قیمت ہے کیا، کیا دیگر عام خواتین کی طرح چند روزہ زندگی گزار دینا بہتر ہے یا زندگی کو دوام بخشنا زیادہ قابلِ تعریف ہوگا؟ ثانیِ زہراؑ نے ابدیتِ حیات حاصل کر کے زندگی کی قدر و قیمت قائم فرمائی۔

۲۔ مقامِ ولایت سے اتصال

ہم اس خاتونِ عظیم کی داستانِ حیات قلمبند کر رہے ہیں جن کو عمرِ طویل تو حاصل نہ ہوئی تاہم جنہوں نے ایسے فرض کی ادائیگی کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا جو بے انتہا عظیم فرض تھا۔ اپنے اس فرض کی ادائیگی کی راہ میں ایسے ایسے ہولناک حادثات سے آپؑ کا سامنا ہوا جو مستقل ترین افراد کے قدموں کو لرزا دینے اور قد آور شخصیات کو جھکا دینے والے تھے۔ لیکن زینبِ عالیہ سلام اللہ علیہا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی وہ عظیم نورِ نظر ہیں کہ کسی جگہ ان جانکاہ حوادث کے سامنے اپنے آپؑ کو جھکنے نہ دیا، بلکہ اس امرِ عظیم اور بارِ گراں کو جیسے تنہا اپنے لئے منتخب فرمایا تھا، مقصدِ اصلی تک پہنچا کر دم لیا۔

زینبؑ عالیہ کی توفیقات کے سلسلۂ رموز میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، لیکن ایک بات جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ تمام مدتِ عمر میں آپؑ مقامِ ولایت کے ساتھ، پوری عظمت کو دامن میں لئے متصل رہیں۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ ہر طرح مقامِ ولایت سے منسلک رہنے اور اس کے ہمدم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ولایتِ مطلقہ کا چراغِ ہدایت آپؑ کے ساتھ رہا اور ہر کیفیت میں آپؑ نے اُس کے نور و ضیاء سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی راہ متعین فرمائی اور اُسی متعین راستہ سے اپنے تمام اقدامات کو منسلک رکھا۔

نصب العینِ حیات

ہم ثانیِ زہراؑ سلام اللہ علیہا کے بچپن و جوانی کا تذکرہ کر چکے، ان ایام کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ بھی ہو چکا۔ ہم دیکھ چکے کہ آپؑ کو سب سے پہلے آغوشِ رسولؐ خدا حاصل ہوئی، امیر المومنین علیہ السلام جیسے باوقار پدرِ بزرگوار کا سایہ حاصل ہوا، امام و معصوم بھائیوں کی معیت نصیب ہوئی، سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے شیرِ پاک سے پرورش پائی۔ آپؑ کے جدِ بزرگوار رسولؐ اکرم اسلام کی حکومتِ حقہ کے بانی ہیں۔ آپؑ کے پدرِ بزرگوار پیغمبرِ اسلام کے خلیفۂ جائز، وارث، بھائی اور وصی ہیں۔ آپؑ کے

بھائی ایسے ہیں جن کو ہر قسم کے بزرگ مراتب حاصل ہیں۔ان حالات میں زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں زینبؑ عالیہ مقامِ ولایتِ حقۂ الٰہیہ سے دور یا ایک طرف رہی ہوں۔

جس طریق کو سیدۂ زینب سلام اللہ علیہا نے اختیار کیا وہ ایسا نہ تھا جس پر رہبرِ کامل کے بغیر چلنا ممکن ہوتا۔امام حسینؑ سے آپؑ کو صرف محبتِ خاندانی یا خونی رشتہ ہی کا رابطہ حاصل نہ تھا، جیسا کہ یہ رابطہ کم وبیش ہر شخص کو ہوتا ہے۔اس کے برعکس آپؑ امام حسین علیہ السلام کو اپنا امام وپیشوا بھی تسلیم کرتی تھیں۔آپؑ انہیں خلیفة اللّٰہ فی الارض ، برگزیدۂ پروردگارِ عالمیان مانتی تھیں اور اسی ایمان وتسلیم کے ساتھ آپؑ کے ہمراہ عازمِ سفر تھیں۔

کربلا کی قتل گاہ میں جب آپؑ نے سید الساجدین علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی کہ رنگ آپؑ کے چہرہ سے اُڑ چکا ہے، شدید طور پر بے حال ہیں تو آپؑ نے انہیں بھتیجا کہہ کر یا اُس نام سے جو خاندان میں آپؑ کے لئے مشہور تھا، مخاطب نہیں کیا۔ آپؑ نے اُس وقت بھی اپنے اُس خونی رشتہ کو ملحوظ رکھا جو آپؑ کو مقامِ ولایت سے حاصل تھا۔آپؑ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو اُس وقت 'یـا بـقیة الـمٰـاضیین' یعنی اے وارثِ سابقین اور اے سابقہ مقاماتِ الٰہیہ کے سلسلہ کے مالک......کہہ کر مخاطب کیا۔

تحفظِ ولایت کے لئے اقدام

ثانیِ زہراؑ نے اصولِ ولایت کو دوام اور حکومتِ حقہ کے قیام میں کوشش وریاضت کو اپنا مقصد ونصب العینِ زندگی بنا رکھا تھا۔ یہ چیز ہم سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی حیاتِ اقدس میں بھی پاتے ہیں۔ جنابِ فاطمۃ الزہراؑ نے وفاتِ رسولؐ اکرم کے بعد کیوں اپنے آپ کو رنج والم کے حوالے کیا تھا؟ کیا یہ سب اس لئے تھا کہ آپؑ کے شوہرِ نامدار حضرت علی علیہ السلام اقتدار وحکمرانی حاصل کریں اور وہ خود بطور خاتونِ اوّلِ حکومت آرام وآسائش کی زندگی بسر کریں؟ ہرگز ایسا نہ تھا۔ہم اُن کی حیاتِ طیبہ کا لائحۂ عمل یہ دیکھتے ہیں کہ وہ خود محنت ومزدوری کرتی تھیں تاکہ حاجت مندوں کو لباس وغذا مہیا کرسکیں، خود اپنے آپ اور اپنے بچوں کے کھانے کو نظر انداز کر دیتی تھیں تاکہ مسکین ویتیم واسیر بھوکے نہ رہیں (سورۂ دہر)۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اسی طریقِ کار کو اپنے افکار وریاضت پر استوار کیا تھا۔ہم آپ کی نورِ نظر زینبؑ عالیہ کی زندگی میں بھی یہی نصب العین مشاہدہ کرتے ہیں۔ زینبؑ عالیہ ہرگز تنگ دست وعاجز نہ تھیں کہ اس طریقِ کار کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتیں۔آپؑ کا اپنا ایک گھر تھا، ایک معیارِ زندگی تھا اور آپ خود صاحبِ اولاد تھیں۔لیکن آپؑ نے یہ سب کچھ پیغامِ اسلام

کے عظیم کام پر قربان کر دیا۔ نصب العین حیات کی بنیاد اسی طرزِ عمل پر رکھی تا کہ مقامِ ولایت کا دفاع کر سکیں، حکومتِ الٰہیہ کو استحکام مہیا کریں تا کہ لوگ اسلامی حکومت کے طریقِ کار کا لطف حاصل کر سکیں۔ آپؑ کا یہ اقدام ہرگز اس غرض سے نہ تھا کہ آپؑ کے قریب ترین عزیزوں میں امام حسین علیہ السلام نام کے کسی فرد نے جہاد کا علم بلند کیا اور آپؑ کی امداد کی اس کو احتیاج تھی، لہٰذا آپؑ اُن کی استعانت کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ بلکہ اگر یہی صورت آپؑ کے اپنے خاندان کے علاوہ کہیں اور بھی پیدا ہو جاتی تو زینبؑ عالیہ اٹھ کھڑی ہوتیں اور خود اپنے مقام پر دینِ حق کی خاطر اپنے جوش و ولولہ کا اظہار کرتیں۔ آپؑ کی حیاتِ مقدس کا مطالعہ آپؑ کی اسی روشن زندگی کی خبر دیتا ہے اور آپؑ کا طرزِ عمل تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ایک عمدہ ترین سبق ہے کہ اپنی زندگیوں کو دفاعِ حق میں صرف کرنا اپنا نصب العین قرار دیں اور اس سلسلہ میں اپنے مال و جان کو ترجیح نہ دیں۔ غرضیکہ زندگی استقرارِ حق کی خاطر ہو نہ کہ اپنے افرادِ خاندان کی زندگیوں کی خاطر۔

ثانیِ زہراؑ کی ہمتِ بلند

جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے اقدام کو زینبؑ عالیہ جیسی بزرگ مخدومہ ہی کی بلند ہمت و استقلال سے دوام و جاودانی حاصل ہوئی۔ اس تمام واقعہ میں آپؑ ولایتِ امام حسینؑ اور سید الساجدین علیہما السلام کے درمیان مقامِ اتصال کی مالک نظر آتی ہیں۔ روزِ عاشور تمام واقعات کے دوران امام زین العابدینؑ بیمار و مبتلائے بخار تھے۔ لہٰذا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ امام حسین علیہ السلام آپؑ ہی سے وداعِ آخر کرتے اور اسرارِ امامت بھی آپؑ ہی کے سپرد کر کے عازمِ جہاد ہوتے تا کہ حالات کے رو بہ درستی ہونے پر امورِ ولایت اپنے مقامِ صحیح کی جانب پلٹ آئیں۔

ثانیِ زہراؑ نے اللہ تعالیٰ کے اولیائے خاص کی ہدایت کے تحت اس فرض و رسالت کی ذمہ داری اٹھائی، آپؑ نے معاشرہ میں ایسے امر کو زندگی و استقرار بخشا جس کے مرد بھی متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جب لوگ عملاً بنی امیہ کی دستبرد سے آزاد ہوئے تو یہ سوچنے بلکہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ حکومت خاندانِ رسولؐ و علیؑ کا ہی حق ہے جس کو ترک و فراموش کرنا بدبختی کا سبب ہے۔ عوام الناس یہ سوال اس لئے اٹھا رہے تھے کہ ولایتِ حقیقی و ولایتِ حقہ کے مقام کے ساتھ اپنے آپ کو پیوستہ کریں، اُن کے ساتھ منسلک نہ رہیں جنھوں نے حیلہ و استبداد کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دین میں مقاماتِ معنوی اور ولائے پروردگار وہ مواقع ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ودیعت ہوتے ہیں۔ اُن پر زبردستی تصرف و قبضہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر سیدۂ زینبؑ عالیہ کی ریاضت و ادائے فرض کے نتیجہ

میں تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ ظلم واستبداد کے خلاف قیام واقدامات کا آغاز ہونے لگا، بنی امیہ کی بساطِ اقتدار اُکھاڑ پھینکی گئی اور اُن کے سربرآوردہ لوگ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے، لیکن افسوس کہ دورِ بنی عباس میں سیدۂ زینب سلام اللہ علیہا نہ تھیں ورنہ.......

۳۔ ثانئِ زہرّا کا اقدام و احساسِ فرض

تاریخِ اسلام بلکہ تاریخِ انسانیت میں جہاں کہیں سیدہ زینبؑ عالیہ کا نامِ نامی آتا ہے اس سے کم ازکم دو چیزیں نہاں خانۂ ذہن میں ضرور ابھر کر سامنے آتی ہیں:

1۔ مصائبِ کربلا۔ 2۔ کربلا کے عبرت خیز واقعہ کا پیغام۔

ثانیِ زہرّا نے امام حسین علیہ السلام کی معیت میں، جو آپؑ کے برادرِ بزرگ، امام اور رہبرِ معصوم تھے، ایسے فرائض اپنے ذمہ لئے جن کے بارے میں نہایت عمیق سوچ وفکر کی ضرورت ہے۔ اس فرض میں ایسے دقیق وظریف نکات ومقامات سامنے آتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اگر ان میں غفلت کا شائبہ آجاتا تو تمام سعی لاحاصل وناقص ہوکر رہ جاتی۔ لہٰذا ہر مقام پر ہم شہزادی کو ہوشیار ومستعد پاتے ہیں اور کوئی موقعہ ایسا سامنے نہیں آتا جہاں آپ اپنی کشمکش وجہاد میں شجاعتِ رُوحانی یا احساسِ فرض کو نظرانداز کررہی ہوں۔

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ اُن فرائض کی ادائیگی میں جو آپ نے اپنے لئے منتخب فرمائے تھے، آیۂ مبارکہ:

"اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ". (انشقاق:6)

یعنی "اگر تو اپنے پروردگار کی حضوری کی کوشش کرتا ہے تو ایک نہ ایک دن اُس کے سامنے حاضر ہوگا" کا مصداق ہیں"۔

آپ نے اپنی تمام ہمت واستطاعت اس راہ میں صرف کردی ہے اور تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ انجام دہیٔ فرض کے راستہ میں ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کی طرف سے کسی قسم کی کمزوری کا نشان نہیں ملتا۔

احساسِ فرض ورقتِ قلب

ایسے دو افراد کو سامنے رکھیں جو اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ادائے فرض کی خاطر آمادہ ومکلّف جانتے ہوئے اپنے فرائض کے اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر اُن سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس نظریہ کے تحت فرض کو پورا کرتا ہے کہ ادائیگیٔ فرض کے بعد اسے معاوضہ یا اُس کا بدل ضرور مل جائیگا۔ دوسرا فرد ایسا ہے جو اسی فرض کو پوری تندہی کے ساتھ بجالاتا ہے لیکن اس تمام عمل کے دوران خلوص، رقتِ قلب اور پاکیزہ وبےلوث احساس کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ فرض

ایک ہی ہے لیکن دونوں ادا کنندگان میں بہ لحاظِ ادائیگی فرق ہے۔

ثانی زہراؑ پہلے شخص کی طرح عادتاً مجبور نہ تھیں کہ ادائیگی فرض کے بغیر انہیں کوئی چارہ نہ تھا، اس لئے فطرت وعادت سے مجبور ہوکر بطور مکلّف کام کرتیں۔ اس کے برعکس آپ کا جذبۂ فرض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر تھا اور وہ ادائیگی فرض کو اس طرح خود اپنا کام جانتی تھیں جس طرح محبت سے مجبور ہوکر ایک ماں اپنے بیمار بیٹے کے سرہانے بیدار و بے آرام بیٹھی رہتی اور اُس کی تیمارداری میں شب بسر کر دیتی ہے، بالکل اسی طرح زینبؑ عالیہ سید الشہداء علیہ السلام کے مشن میں ہمہ وقت مستعد رہیں اور مقصدِ حسینؑ کے دفاع میں اپنے آپ کو ہمہ تن مصروف رکھا۔

دراصل زینبؑ عالیہ کربلا کے اقدام، بلکہ اس سے بھی بلند تر مقصد یعنی ولایتِ حقۂ پروردگار اور حکومتِ الٰہی کو اپنی اولاد کی طرح عزیز و محبوب جانتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی پوری ہستی کو اس فرض کی ادائیگی اور اس اصول کی حیاتِ مستقل کی خاطر پیش کر دیا تھا۔ اقدامِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کو جو اعلائے کلمۂ حق کی خاطر تھا، آپ نے اپنے گھر، زندگی، شوہر حتیٰ کہ اولاد سے بھی زیادہ عزیز جانا، جس کی دلیل ہے کہ آپ نے اس اقدام کی طرف پوری جدوجہد میں برابر کا حصہ لیا، یہاں تک کہ ادائے فرض کی راہ میں اپنی اولاد تک کو قربان کر دیا۔

اس قسم کے سعی و قیام ایک سوزِ درونی کی کیفیت پیش کرتے ہیں۔ حصولِ مقصد کی خاطر آپ کی جستجو اور احساسِ فرض کی شدت آپ کو آمادۂ پیش کش کرتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صرف جانِ انقلاب ہی نہیں ہیں بلکہ ایک مادرِ دل گیر، مخلص و فدا کار بھی ہیں۔ لیکن یہ سب فدا کاریاں حفظِ مقصد کی خاطر عمل میں آتی ہیں اور یہ سعی اس انتہا کو پہنچتی ہے جو آپؑ کے قلب و ضمیر کو مطمئن کر کے رہتی ہے۔

زینبِؑ عالیہ کی اہمیتِ فرض اور آپؑ کی سعی

واقعۂ کربلا کو تصور میں لائیں۔ امام حسین علیہ السلام کو ایک بیابان میں پہنچا دیا گیا جو شہر و آبادی سے دور، خشک بے آب و گیاہ ریگستان ہے، ایسی جگہ جہاں نہ اپنے لئے لشکر جمع کر سکتے ہیں اور نہ ہی دورِ حاضر کی زبان میں یہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پہنچ کر لوگ دریافت کر سکیں کہ مسئلہ کیا ہے، آپؑ کس حال میں ہیں یا آپؑ کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟

پھر بے شمار لشکر آپؑ کے مقابل آجاتا ہے[1] اور ایک ایسی جگہ جنگ آپؑ پر مسلط کی جاتی ہے جہاں طرفین جنگ میں

1۔ دونوں لشکروں کی تعداد کا مقابلہ شاعرِ مشرق کے اس شعر میں کیا گیا ہے جس کیلئے مثنوی ''رموزِ بے خودی'' کی طرف رجوع فرمائیں:

دُشمناں چوں ریگِ صحرا لا تعد دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

کوئی مناسبت نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صرف ایک دن میں آپؑ کے تمام ہمراہی وعزیز درجۂ شہادت پر فائز ہو جاتے ہیں۔ محاصرہ کرنے والے ان کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر اپنے کام کو پورا کرتے اور سمجھنے لگتے ہیں کہ کربلا کا کام ختم ہو کر صرف تاریخ کے ایک واقعہ سے زیادہ اہمیت نہ پائے گا۔

یہاں سے حادثۂ کربلا میں ثانیِ زہراؑ کے کارنامہ کی اہمیت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب آپ اپنا فرض یہ قرار دیتی ہیں کہ اتنا بڑا یہ واقعۂ ایثار برائے دینِ حق صرف صفحاتِ تاریخ کی زینت بن کر زمینِ تاریخ میں دفن ہو کر ہی نہ رہ جائے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ واقعۂ کربلا منصۂ شہود پر حیاتِ جاوید و مستقل حاصل کر لیتا ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں اوراق ونشانات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن پر اس المیہ کی تفصیلات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ کرۂ ارض کے طول وعرض میں اس واقعہ کی تفصیلات سے متعلق دفتر کے دفتر سیاہ ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ایسے اسلوب سے ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا ہر متمدن قوم کیلئے زینت بن کر ابھرتا ہے، اقوامِ عالم قیامِ حسینی، سید الشہداء علیہ السلام کی شانِ حق گوئی وحق طلبی، حصولِ مقصد میں جاں سپاری کو مشعلِ راہ تسلیم کرتی ہیں۔ لہٰذا ہر مقام جہاں انسانوں کی آبادی ہے ''سلام بر حسینؑ ولعنت بر یزید'' کی آوازوں سے گونجنے لگتا ہے اور ہر قوم تسلیم کرتی ہے کہ:

''كُلُّ اَرضٍ كَرْبَلاء وَكُلُّ يَوْمٍ عاشورا''[1]۔

بعدِ شہادتِ حسینؑ زینبؑ عالیہ کا طریقِ کار

تاریخ کے مدوجزر میں اقدامِ صحیح کی خاطر وقت وزمانہ ومناسب مواقع کا تعین خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ایک ایک لمحہ وموقعہ اپنا خاص وقت واہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر لمحۂ وقت سے تحقق ہدف اور انجام دہیٔ فرض کے لئے استفادہ کیا جائے۔ ثانیِ زہراؑ کا طریقِ کار یہی تھا۔ آپؑ نے کسی لمحۂ زندگی کو ہاتھ سے بے کار نہ جانے دیا اور نہ ہی کوئی واقعہ ایسا رہنے دیا جو معرضِ تحریر میں آنے سے رہ جاتا۔

جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے جاں نثار دوست تو شہید ہو گئے، اُن کے اجساد قتل گاہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ یہ سب تو اس طرح حادثۂ کربلا میں اپنے انجام کو پہنچے بلکہ حیاتِ جاوداں پا کر فارغ ہو گئے۔ اب رہ گئیں سیدہ

1۔ کیفیت یہ ہے کہ ہر قوم کے انسان نے اپنی اپنی زبان میں اور اپنے اپنے احساس وشعور کے مطابق سید الشہداء علیہ السلام کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوش ملیح آبادی کہتے ہیں:

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ؟ — ہر نوعِ بشر کی آنکھ کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

زینبِ کبریٰ۔ یہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع دنیا بھر کے لوگوں تک پہنچائی اور عالمِ انسانیت کو اس حادثۂ فاجعہ سے متعارف کروایا۔ آپؑ کے سوا اب کون باقی تھا جو اس المناک حادثہ کی تشہیر کو اپنے ذمہ لیتا اور اُن ظلم وستم کے مجسموں سے دنیا بھر کو آشنا کرتا جو اسلام کے نام پر حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے تھے۔

لٰہذا قبل اس کے کہ خونِ شہدائے راہِ حق خشک ہوتا یا ریگِ صحرا میں جذب ہو پاتا زینبؑ عالیہ نے ہر موقعہ سے استفادہ کرتے ہوئے مقتلِ کربلا کے حقائق جو اسرار کو لوگوں کے کانوں تک نہ صرف پہنچا دیا بلکہ مکمل اہتمام کر دیا کہ آنے والے انسانوں کی نسلوں کے لئے بھی یہ حادثہ صفحاتِ تاریخ کی مستقل زینت بنا رہے۔ دورِ حاضر کی اصطلاحات سے اگر اس المیہ کی تصویر کشی کی جائے تو کہنا پڑے گا کہ واقعۂ کربلا کی رُوداد سیدہ زینبؑ عالیہ ہی کے توسط سے ایک کانفرنس کی رُوداد کی طرح زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی۔ پھر یہ رُوداد کسی ایک یا دو جگہ طبع نہیں ہوئی بلکہ ہر مقام پر یعنی قتل گاہ میں شاملِ واقعہ ظالموں کے سامنے، بازارِ کوفہ میں، دربارِ ابنِ زیاد میں، کوفہ سے دمشق تک کے طویل سفر میں، شام اور دربارِ یزید میں، اربعین کے موقعہ پر، مدینہ میں، آپؑ کے سفرِ مصر میں، غرض کوئی جگہ ایسی نہ رہ گئی جہاں سیدۂ طاہرہؑ اور علیؑ مرتضٰی کی نورِ نظر نے خاک وخون کے اس مرقعہ کی تفصیل کو نہ پہنچایا ہو۔

خلاصہ ونتیجہ یہ کہ اس پیغام رسانی نے آگہی کو جنم دیا اور عظیم تغیراتِ تاریخ کو ایجاد کیا، حتیٰ کہ واقعہ کی اصلیت کو فراموش کردینے کا کوئی پہلو باقی نہ رہنے دیا۔ اس کے برعکس دشمن کے نقوشِ پا کو نقش برآب کر کے رکھ دیا اور کوئی ایسا دقیقہ نہ چھوڑا کہ یہ عزیز ومقدس خون کسی زمانہ میں بھی قیامت تک زینتِ طاقِ نسیاں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ طویل صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ ہولناک واقعہ اپنی جملہ تابناکیوں سمیت عالمِ انسانیت کو جادۂ حق سے روشناس کرنے کیلئے موجود ہے اور آج بھی روزِ عاشور سطحِ عالم پر روزِ اوّل کی مانند بالکل زندہ وموجود ہے۔

حصولِ ہدف میں استقامت

سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی حیاتِ پاک کے آخری ایام میں اپنے مباحث وہدایات کے دوران ایسے نکات واسرار ورموز زینبؑ عالیہ کو سمجھا دیئے تھے، بالخصوص آپؑ نے اپنی عظیم ہمشیرہ کو ذہن نشین کروا دیا تھا کہ حوادث ومصائب کے دوران ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے، اور کس طرح انہیں اپنے طریقِ کار کو محفوظ کرنا ہوگا۔ ثانیِ زہرؑا نے ادائے فرض کے تمام مراحل میں ان تمام ہدایات کو سامنے رکھا اور کسی موقعہ پر بھی ان سے سرِ مُو گریز وعدول نہ کیا۔ آپؑ نے ان تمام فرائض اور اپنے

لئے مخصوص احکامِ الٰہی کو قوتِ قلب اور جذبۂ قوی کے تحت انجام دیا۔ اس تمام طرزِ عمل میں اگر ان تمام مصائب کو سامنے رکھا جائے، صعوباتِ سفر اور اپنے معصوم برادرِ بزرگ کے دشمن جلادوں کے ہیبت و خوف کی اذیت کو بھی ذہن میں رکھیں تو پھر دشواریٔ فرض کا کسی حد تک اندازہ ہونا ممکن ہے۔ دشمنانِ سید الشہداءعلیہ السلام بے حد پست و ذلیل تھے، اتنے ذلیل کہ ان کی کیفیت بیان کرنے کیلئے دامنِ الفاظ تہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس تمام واقعہ میں کارِ تبلیغ کارنامۂ امام حسینؑ بے انتہا مشکل تھا۔ اتنا مشکل کہ ہر لحہ ایسا ہوسکتا تھا جس میں انسان اس فرض کے ترک کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن ثانیِ زہراؑ کے کردار کی عظمت یہ ہے کہ کسی موقعہ پر بھی آپؑ کے پائے استقلال میں کسی قسم کی لغزش یا ضعف کا دخل نہ ہوا۔

سیدہ زینبؑ عالیہ نے ہجومِ حوادث میں کسی موقعہ پر بھی غم سے دل گرفتگی کا اظہار نہ کیا، نہ ہی مصائب کے بھنور میں کسی مقام پر خوفزدہ ہوئیں حالانکہ آپؑ کی نظر اپنے ساتھی اسیروں پر بھی مستقل مرکوز رہتی، سرہائے بریدۂ شہداء بھی ہر لحظہ آپؑ کی نظروں کے عین سامنے رہتے اور ساتھ ہی راستہ کی صعوبات سے بھی ذہن خالی نہ تھا۔ آپؑ کی سعیٔ پیہم تھی کہ ہر حال میں ''**ھیھات مِنّا الذِّلّة**'' کے شعار کو سامنے رکھیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس راہ میں آپؑ نے اپنی مادرِ گرامی جنابِ سیدہؑ طاہرہ کی عظیم تربیت کا پورا حق ادا کر دیا۔

ثانیِ زہراؑ کا خلوص

ثانیِ زہراؑ کی سوانح حیات میں اہم ترین نکات میں سے ایک جو ہمیں نظر آتا ہے وہ اپنے مقصد سے آپ کا خلوص اور آپؑ کی صفائیِ قلب ہے۔ آپؑ فرائض کے احساس اور انجام دہی میں پورے خلوصِ نیت سے قدم اٹھاتی ہیں۔ آپؑ نے اپنی پوری استطاعت و ہمت و بردباری سے اپنے ساتھی اسیرانِ قافلہ کی سرپرستی فرمائی، سید الساجدین علیہ السلام پر پروانہ وار اپنی جان فدا کرتی رہیں، اس کے علاوہ سید الشہداءعلیہ السلام اور دیگر شہداء کے پس ماندگان، اسیری کے دوران بچوں کی بھوک و پیاس اور دُوسرے اُمور کا آپؑ نے پورے خلوص و تندہی و صفائے قلب سے خیال رکھا۔ آپؑ کو حالات و واقعات کا مکمل احساس تھا۔ اس امر کا یقینِ محکم تھا کہ آپؑ اسلام و قرآن کے احکام کی رو سے ان تمام باتوں کی ذمہ دار ہیں۔ اپنے جدِ بزرگوار کی طرف سے مامور تھیں کہ دنیائے اسلام کی ویرانی کا مشاہدہ کریں۔ آپؑ کے لئے مقامِ تاسف تھا کہ عدالتِ اسلامی کو مظلومیت کے پیکر میں ظلم کا تختۂ مشق بنتے دیکھیں یا عوام الناس کو فیوضاتِ اسلام سے بے بہرہ پائیں، یا ضعیف مظلوموں کے جگر خراش آہ و نالہ کو جو حکومتِ وقت کی دستبرد کے باعث اس حالت کو پہنچے تھے، سماعت کریں، وغیرہ۔

اس مقصد کے پیشِ نظر انجامِ فرض کی خاطر ثانیِ زہرؑا نے اپنی پوری قوت واستعداد کے ساتھ اقدام کیا۔ آپؑ نے اپنے گھر، اپنی زندگی اور اپنے مرکزِ حیات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ آپؑ نے اپنے آپ کو آزادی اور مکمل رضا مندی کے ساتھ حوادث کے بھنور میں جھونک دیا کیونکہ حالات وفرض کا تقاضا ہی یہی تھا۔ آپؑ کے سامنے ایک ناہموار راستہ تھا اور دشمن نے ہر طرف سے آپ کے لئے مشکلات وصعوبات کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ ان سب دشواریوں کے مقابلہ میں زینبؑ عالیہ کی وہ ہستی تھی جس نے اس دریائے ظلم کو عبور کر لینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ آج چودہ صدیاں گزر چکنے کے بعد بھی ہم اس ہولناک واقعہ کے ثمرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آپؑ کی سعی کا شجر پھل دے رہا ہے۔ دنیا پر ثابت ہو چکا ہے کہ علیؑ وفاطمہؑ کی نورِ نظر کا پیغام حریتِ آدمیت کا پیغام تھا، یہ پیغام بنی نوعِ انسان کی بیداری کیلئے تھا، ہر پہلو سے اُن مراحل کا آئینہ دار تھا جو کسی سالک کی محنت کا ثمر ہو سکتے ہیں اور اس تمام دستور العمل میں کہیں کوئی خطا یا رخنہ نظر نہیں آتا۔

راہِ عمل کی پائیداری

اس تمام روداد میں ایک بات نہایت اہم و قابلِ توجہ ہے۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے ان تمام مصائب و آلام کو برداشت کیا، ان تمام حالات کا ایک معجز نما شخصیت کے طور پر مقابلہ کیا لیکن کسی موقعہ پر بھی اختتامِ فرض کو محسوس کرتے ہوئے جادۂ منزل میں رکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کسی وقت بھی یہ احساس پیدا نہ ہوا کہ میرے لئے بس اسی قدر کافی ہے، اب میں رُک جاؤں تاکہ دوسرے لوگ میری جگہ قدم بڑھائیں اور ریاضت کریں۔ کسی موقعہ پر اپنی کوشش کو کافی جان کر سکون وسکوت کا سہارا نہ لیا۔

ثانیِ زہرؑا ایک طویل و دشوارترین راہ کی مسافر ہیں۔ آپؑ نے اپنے آپ کو دشوارترین منزل کے راستہ پر ڈال دیا اور نہایت استقامت واستقلال کے ساتھ اپنے منتہائے مقصد کی طرف گامزن ہوئیں جو خوشنودیٔ ذاتِ پروردگار رہے اور اس آیۂ کریمہ کا مصداقِ واقعی قرار پائیں:

''وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی''. (نجم:42)

ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ سفرِ اسیری کے بعد مدینہ واپس تشریف لائیں لیکن مدینہ پہنچ کر بھی ہرگز آرام واستراحت نہ پا سکیں۔ حالات نے آپؑ کو ایک اور سفر کے لئے جو مصر یا شام کا تھا، مجبور کر دیا۔ اس سفر میں بھی اپنے لئے آپؑ نے آرام وراحت

کا کوئی موقعہ تلاش نہ کیا بلکہ جہاں بھی پہنچیں سید الشہداء علیہ السلام کے خونِ ناحق کے پیغام کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ راہِ پروردگار کی اس مسافر نے راحتِ دُنیا کو ترک کر کے مالکِ حقیقی سے ملاقات میں عجلت کرتے ہوئے حیاتِ دُنیوی کو الوداع کہا، اس طرح قبرِ مبارک میں آنے والی پہلی رات ہی ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے شبِ استراحت قرار پائی 1۔

1۔ اب تک جو کچھ ہدیۂ قارئین کیا گیا اس سے ایک بات بالکل واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ابتدائے زندگی سے ہی گوناگوں حوادث روزگار نے خاتونِ کربلا کا امن وسکون چھین لیا تھا۔ مصائب و ابتلا نے عہدِ طفولیت ہی سے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا جو زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہا۔ آپؑ اپنے جدِ بزرگوار، پدرِ عالی مقدار، والدۂ گرامی اور برادرانِ ذی وقار سب کے ساتھ شریکِ مصائب ہو کر نبوت و امامت کی شریکِ کار قرار پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زینبؑ عالیہ نے عصمت کی پاکیزہ روش اپنے جدِ بزرگوار جناب رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، دروسِ وقار و سکینہ اپنی جدۂ ماجدہ ملیکۃ العرب جنابِ خدیجۃ الکبریٰ سے، ایثار و قربانی کا سبق اپنے دادا و دادی حضرت ابو طالبؑ اور جناب فاطمہؑ بنتِ اسد سے، فصاحت و بلاغت کے اسباق اپنے والد مولائے کائنات سے، حیا و عفت کی اقدار اپنی معصومہ والدہ جنابِ سیدہ فاطمۃ الزہراؑ سے وراثت میں حاصل کیں، حلم و بردباری اپنے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام سے اور شجاعت و تہور جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے پائے۔ اس اعتبار سے دنیائے انسانیت ثانیِ زہراؑ کو ہر لحاظ سے نبوت و امامت کی عظمتوں کا شاہکار جانتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی متنوع قسم کے واقعاتِ غم و انبساط سے مرکب ہے۔ یہ سلسلہ کسی خاص طبقۂ آدمیت کے لئے مخصوص تو نہیں کیونکہ ہر انسان کے دورِ زندگی میں دونوں طرح کے واقعات پیش آنا دستورِ زمانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن تجرباتِ زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ سلسلۂ مصائب و تکالیف اگر آغازِ زندگی سے لے کر کسی کے آخری سانسوں تک جاری رہے تو طبیعت ایک مستقل اضمحلال کا مرقع یقیناً بن جائے گی۔ یہ بات خصوصیت سے سیدہ زینبؑ کبریٰ کی زندگی میں واضح طور پر نظر آتی ہے کہ آپؑ نے تمام عمر شدتِ مصائب اور کثرتِ آلام کا مقابلہ کیا، ابھی ایک مصیبت کے آثار باقی ہوتے تھے کہ دوسری اس سے بڑی مصیبت آ پڑتی تھی۔ مسلسل مصائب اس طرح ثانیِ زہراؑ کی زندگی کا حصہ بنے کہ آپؑ کے نام نامی کی بجائے ''ام المصائب'' کا لفظ آپؑ کی شناخت بن گیا اور ہر دور میں یہی لفظ آپؑ کی پہچان بنا رہا ہے۔

نامناسب ہوگا اگر ہم اپنی فہم و عقلِ کمزور کے مطابق شہزادی کے مصائب کا مختصر سا جائزہ پیش نہ کریں جس کی کم از کم تفصیل کچھ اس طرح سے بنتی ہے:

1۔ پانچ برس کی عمر میں آپ کو اپنے جدِ بزرگوار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ یہ پہلی مصیبت تھی جس نے آپ کو اپنے عظیم نانا کی شفقتوں سے محروم کر دیا، وہ نانا جن کا وجود وجہِ تخلیقِ کائنات تھا۔ یہ وہ واقعہ تھا (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

جس کے بارے میں آپؑ کے بابا نے کہا کہ پیغمبرِ خدا کی وفات سے مجھ پر وہ عظیم مصیبت نازل ہوئی کہ اگر یہ مضبوط وسنگین پہاڑوں پر پڑتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ افرادِ اہلِ بیتِ رسولؐ اس مصیبتِ عظمیٰ سے سب سے زیادہ متاثر تھے اوراس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے واقعات کو اپنی چشم ہائے بصیرت سے سب سے بہتر دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ منافقین اپنی حرکاتِ استبداد کے ارتکاب کیلئے چشمِ رسولؐ خدا کے بند ہونے کے منتظر ہیں۔

2۔ وفاتِ رسولؐ اکرم کے فوراً بعد احراقِ خانۂ فاطمہؑ، شہادتِ محسنؑ، خلافتِ رسولؐ کی تگ و دو، دفنِ رسولؐ کے سلسلہ میں عام بے حسی، سیدۂ طاہرہؑ کا مقدمۂ فدک، اس سلسلہ میں اُن کا دربارِ خلافت میں پیش ہو کر بے نیل ومرام واپس لوٹنا، سیدہ طاہرہؑ کی صدائے احتجاج کا بے اثر لوٹنا، وہ واقعات ہیں جو ایک قلبِ حساس کی مستقل پژمردگی کے لئے کافی ہیں۔ ان تمام واقعات کے بعد سیدۂ طاہرہؑ کے بیت الحزن میں دلخراش گریہ ہائے پیہم میں شہزادی اپنی مادرِ گرامی کے آخری سانس تک شریک ہیں جن کی مظلومیت بھری سسکیاں شہزادی کی درد بھری چیخوں کا باعث بنتی اور پورے خاندان کو رُلاتی ہیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ شہزادی کو وفاتِ رسولؐ کے بہت تھوڑے عرصہ بعد اپنی مظلومہ ماں کی میت کو تختۂ غسل پر دیکھنا پڑتا ہے جہاں اسماءؑ بنتِ عمیس اور فضہؑ سیدۂ عالم کے سفرِ آخر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپؑ کے بابا جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام مخدومۂ کونین کے غم میں اشکبار کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ کی صاحبزادی کے فراق نے مجھے نڈھال کر دیا ہے، ان کے غم نے مجھ سے زندگی کی راحتیں چھین لی ہیں، آپ ان سے میرے غم والم کے حالات دریافت فرمائیے گا کہ میری راتیں اب جاگتے ہی میں گزرتی ہیں۔ (اعلام النساء، ج ۳، ص ۱۲۲۱)۔

3۔ علامہ حسن رضا غدیری اپنی کتاب 'زینبؑ، زینبؑ ہے' میں لکھتے ہیں:

''زینبؑ کو ابھی اپنی معصوم ماں کا غم نہ بھولا تھا کہ اپنے جلیل القدر باپ کو تلوار کی کاری ضرب سے مجروح دیکھا جو سیدہ زینبؑ کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اپنے عظیم اور شفیق باپ کی عنایتوں سے محروم سیدہ زینبؑ ہمیشہ گریہ وبکا میں مصروف رہتیں اور امیرالمومنینؑ کی مظلومانہ شہادت پر اشک ریز رہتی تھیں۔ ماں کی وفات کے بعد باپ کا عظیم سایہ سر سے اٹھا تو زینبؑ کا دل ٹوٹ گیا۔

4۔ ''باپ کا غم زینبؑ کے سکون وچین کو ختم کر چکا تھا کہ اپنے دل بند اور پیارے بھائی حسنؑ کو زہر سے شہید ہوتا بھی دیکھنا پڑا۔ اب زینبؑ کا یہ عالم تھا کہ نہ تو رات کو آرام اور نہ دن کو سکون۔ مصائب وآلام کی طوفانی موجوں میں گھری ہوئی زینبؑ امتحان و آزمائش کی خوفناک کیفیت سے دوچار ہوگئی۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

5۔ ''حوادث و آلام اور یکے بعد دیگرے مصائب کے آنے سے زینبؑ کی زندگی نیا رخ اختیار کر گئی اور آپؑ کی شخصیت ان واقعات سے اس طرح آمیختہ ہوئی کہ رسولؐ زادی نے اپنے آپ کو ایک نہایت دردناک مصیبت کے لئے آمادہ کر لیا یعنی کربلا میں عاشور کی خوفناک گھڑیوں اور اس کے بعد مصائب کی شدت کا مقابلہ کرنے کی خاطر زینبؑ کا حوصلہ بلند ہو گیا اور وہ صبر و استقامت کا کوہِ گراں بن گئیں''۔ (ص ۶۵، ۶۶)

ثانیِ زہرؑا کی زندگی میں مندرجہ بالا اہم واقعات کے علاوہ امام حسن علیہ السلام کے مختصر دور کی سرد جنگ اور امیرِ شام کی سیاست بہت زیادہ صبر آزما واقعات کی حامل ہے۔ یہ سرد جنگ بالآخر دست بدست جنگ پر منتج ہوئی جس میں امام حسنؑ کو نہ صرف زخمی کیا گیا بلکہ عوام الناس کی جانوں کی خاطر رحمت اللعالمین کے فرزند کو خلافت ہی کو خیر باد کہنا پڑا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ اپنی مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں اس واقعہ کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم   حافظِ جمعیتِ خیر الاممؐ

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں   پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

شہادتِ امام حسن علیہ السلام کے بعد امیر معاویہ کے بلادِ اسلامیہ پر مکمل تسلط کا دور شروع ہوتا ہے جس میں انہوں نے یزید کیلئے بیعت لینے اور اپنے بعد اسے اُمتِ مسلمہ کا خلیفہ بنانے کی جدوجہد کا آغاز کیا جو ان کی موت کی صورت میں اس طرح اپنے اختتام کو پہنچا کہ سلطنتِ اسلامیہ میں یزید کو مکمل اقتدار حاصل ہو گیا۔

یزید اس اقتدار پر ہی مطمئن نہ ہوا بلکہ اس نے حاکم مدینہ کو تاکید کی کہ چند لوگ جنھوں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا، ان سے بیعت لے یا اُن کے سر قلم کر کے دمشق بھیج دے۔ یزید اپنے مقام پر جانتا تھا اور اسے اس کے باپ نے ہر کردار کی تفصیل بتلا بھی دی تھی کہ سب اپنے اپنے مقام پر کیا کریں گے لیکن امام حسین علیہ السلام ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے۔ حاکمِ مدینہ کا عندیہ معلوم ہوتے ہی سید الشہدا آء بیت الشرف میں تشریف لائے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک بار پھر علامہ غدیری مدظلہٗ کی مندرجہ بالا کتاب کی طرف اپنے معزز قارئین کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

''امام حسینؑ نے جب مکہ کو خیر باد کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی امیدوں کی سہارا بہن زینبؑ کے پاس آئے اور انہیں عراق کی جانب اپنے عزمِ سفر سے آگاہ کیا۔ جنابِ زینبؑ نے امامؑ کے ارادہ سے مطلع ہو کر کہا:

''اے میری تمناؤں کے مرکز بھائی! اے حسینؑ! مجھے احترام والے مہینوں (رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم) میں سفر کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان مہینوں کے اختتام تک آپ یہیں ٹھہر جائیں۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

امامؑ نے اپنی حقیقت شعار بہن سے فرمایا: اے میرے ارادوں کی پاسبان بہن! یہ معاملہ علم الٰہی میں ہمارے لئے طے پا چکا ہے جس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں اور اپنے محبوب پروردگار کے ساتھ حقیقی عشق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُس کے فیصلوں میں انسانی عظمتوں کے تحفظ کا راز مضمر ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جو قدرتِ الٰہی کے احاطہ سے باہر ہو بلکہ تمام امور خدائے تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

''امام برحق کی گفتار حق شعار کو سن کر فاطمہؑ کی بیٹی کے اطاعت شعار احساس نے انگڑائی لی اور معصومۂ عالم کے چہرہ پر قضاو قدر الٰہی کے سامنے صبر و استقامت کے آثار نمایاں ہو گئے۔

''زینبؑ اپنی عاملانہ بصیرت سے امامؑ کی معصومانہ سیاست کی بنیادوں کو سمجھ چکی تھیں اور وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ حسینؑ کا ہر فیصلہ ارادۂ کردگار کے تابع ہے اور اسی میں رضائے پروردگار کا راز پوشیدہ ہے۔

''امامِ وقت کے پاکیزہ افکار کی مقدس حقیقتوں کی معرفت رکھنے والی سیدہ زینبؑ انقلابِ حسینؑ کے تاریخی آثار سے بھی باخبر تھیں اور انہیں امامؑ کے مقدس قیام کا پس منظر و پیش منظر پوری طرح معلوم تھا۔ لہٰذا رسولؐ زادی کسی تامل و سستی کے بغیر اپنے عزم و جذبۂ ایثار کا اظہار کرتے ہوئے امامؑ کے بلند مقصد میں شریک ہو گئیں'' (ص ۱۴۱، ۱۴۲)۔

۱۔ همراهئِ جنابِ سیّدالشهداء علیه السلام

امیر معاویہ چالیس برس تک شام اور اُس کے بعد تمام بلادِ اسلامیہ پر حکومت کرنے کے بعد راہئ ملک عدم ہوئے۔ انہوں نے اپنے لاڈلے واکلوتے بیٹے یزید کو، جسے وہ اپنی حیات ہی میں اپنا ولی عہد مقرر کر چکے تھے، تختِ خلافتِ اسلامیہ پر متمکن کیا۔ ایک مشہور ومعروف قول کے مطابق امیر معاویہ کا یہ عمل بذاتِ خود انہدامِ اسلام کیلئے کافی تھا (حسن بصری)۔ نتیجہ کے طور پر اس زمانہ کے سربرآوردہ لوگ، بالخصوص وہ لوگ جو بنی امیہ کے خوانِ نعمت کے پروردہ تھے اور جنہوں نے بازارِ سیاست کی بے سروسامانی میں بنی امیہ کی چاپلوسی وخوشامد کر کے بلند درجات حاصل کر لئے تھے، انہوں نے اپنے اقتدار کی استقامت کی غرض سے یزید کے دامنِ عاطفت میں آنے کی مساعی شروع کر دیں۔

فطری امر تھا کہ حریت پسند لوگوں کی ایک جماعت نے یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کیا، نہ ہی اُس کے لئے ایسے مقام بلند کو اسلام کی خیر خواہی کی خاطر پسند کیا۔ عام خیال یہی تھا کہ حضرت حسین ابن علی علیہما السلام جیسے اشخاص بھی اپنے اپنے مقام پر ایسا ہی سوچتے ہوں گے۔ دشمنانِ حسین علیہ اسلام یعنی بنی اُمیہ بھی اس سلسلہ میں بے خبر نہ تھے۔ لہذا اُن کی سرتوڑ کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو ایسے بزرگوں اور سرداروں کی اپنے لئے تائید حاصل کریں۔

اس مقصد کے پیشِ نظر بنی امیہ اور اُن کے ہوا خواہوں نے سوچا کہ اُمت اسلامیہ کے معروف لوگوں سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے۔ اُن کی جرأت وجسارت اس مقام تک پہنچی کہ بالآخر امام حسین علیہ السلام سے بھی یزید کی بیعت کا مطالبہ کر دیا۔ چنانچہ آپ کو والئ مدینہ کے دربار میں طلب کر کے بیعتِ یزید کرنے کے لئے کہا گیا۔ امام علیہ السلام نے اس بارے میں فرصت طلب کی اور مدینۃ النبیؐ میں خوں ریزی یا اس مقدس مقام کو خون میں آلودہ نہ کرنے کی غرض سے شب کے وقت اپنے خاندان سمیت مدینہ کو الوداع کہہ کر مکہ کی طرف کوچ کیا۔

امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ خواتین کی روانگی

روانگی کے واقعہ سے ایک رات قبل امام حسین علیہ السلام قبرِ مبارکِ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے، دو رکعت نماز بجالائے، متوقع تکالیف وآلام کی خاطر مناجاتِ پروردگار ادا کیں، کسی قدر گریہ بھی فراقِ مدینہ کیلئے فرمایا اور قبرِ مبارک

کے سرہانے محوِخواب ہو گئے۔ خواب میں اپنے جدِ بزرگوار رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ کو حکم دیتے ہیں کہ عراق کی طرف روانہ ہو جائیں (تاریخِ طبری، تاریخِ ابنِ کثیر)۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اپنے اہلِ حرم ومخدرات کو بھی ہمراہ لے جائیں۔

چنانچہ سید الشہداء علیہ السلام نے آغازِ سفر فرمایا۔ یہ آپؑ کی بصیرت کا کمال ہے کہ اپنے پیامِ جہاد اور نتائج کے دوام کی خاطر آپؑ نے مخدرات وخواتین کو اپنے ہمراہ لیا۔ اس سلسلہ میں ہم ایسے بہت سے مردوں سے متعارف ہیں جو اس جہاد و ریاضت میں بہت بلندی تک پہنچے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے پرچم کے نیچے جہاد و جانگساری کے جوہر دکھائے لیکن صنفِ خواتین میں ایسی خواتین بہت کم ملیں گی، بلکہ صرف ایک ہستی سیدہ زینبؑ عالیہ ہی کی ایسی نظر آتی ہے جو امامِ مظلوم کے جہاد میں برابر کی شریک ہیں اور اس قدر ثابت قدم کہ نامی گرامی مردوں سے بھی سبقت لئے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے ہمقدم و ہم رزم ہیں جو اپنے مقام پر امامِ معصوم بھی ہیں اور تاریخ انہیں سید الشہداء جانتی اور تسلیم کرتی ہے۔

ثانیِ زہراؑ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہیں، اُن کی کاملاً شریکِ کار ہیں، آپؑ کے پیغام کی اشاعت اور حسینی انقلاب کی رُوحِ رواں ہیں۔ مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا وکوفہ اور شام کے سفر میں آپؑ کی عمر تقریباً پچپن (۵۵) سال کی ہے۔ ۲۸/رجب ۶۰ھ کو اپنے برادرِ عالی مقام اور دیگر اعزّہ کے ہمراہ یعنی تقریباً چھ ماہ بعد کربلا پہنچیں۔ ان کے بعد دیگرے سفروں ہی سے زینبؑ عالیہ کا سرنامۂ جہاد شروع ہوا اور یہی آپؑ کے عظیم جہاد اور اشاعتِ پیغامِ حسینیؑ کی ابتداء ہے۔

ثانیِ زہراؑ کے اقدام کی اہمیت

لوگوں نے چاہا کہ سیدہ زینبؑ عالیہ کو امام حسین علیہ السلام سے الگ کر دیں۔ کئی ایک بزرگ شخصیاتِ زمانہ نے امام حسین علیہ السلام کا راستہ روکا اور اس سفر کو ترک کرنے کی درخواست کی (مقتلِ ابنِ عباسؓ، محمد حنفیہ) کیونکہ وہ آپؑ کے مستقبل کو خطرات سے گھرا ہوا دیکھ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بطورِ مصلحت امامؑ کو اس سفر سے باز رکھیں (مقتلِ عبداللہؓ، شوہرِ جنابِ زینبؑ)۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم تاریخ میں اس قدر بلند مرتبہ وشان پاتے ہیں کہ امامؑ سے ایسا کہہ پائیں۔

آخرکار کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ امامؑ چونکہ سفر کا پختہ عزم کر ہی چکے ہیں تو کم از کم خواتین، بالخصوص ثانیِ زہراؑ کو ہمراہ نہ لے جائیں۔ یہ تجویز ابنِ عباسؓ نے پیش کی (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

جب یہ بات زینبِؑ عالیہ کے کانوں تک پہنچی تو اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''کیا تم مجھے میرے بھائی حسینؑ سے جدا کرنا

چاہتے ہو؟'' یہ کہہ کر روانہ ہوگئیں، تمام راستہ سایہ کی طرح امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہیں اور آپ کے تکمیلِ جہاد کے فرائض کی جملہ منازل کا انتظام فرمایا۔

سوال یہ ہے کہ اگر ثانیِ زہراؑ مدینہ میں رہ جاتیں، امام حسین علیہ السلام اُن کے بغیر عازمِ سفر ہوجاتے اور درجۂ شہادت پر ان کی عدم موجودگی میں فائز ہوتے تو کیا واقعۂ کربلا اور آپؑ کے اقداماتِ جہاد کو وہی اہمیت حاصل ہوجاتی جسے ہم آج دیکھتے ہیں؟ کیا سیدہ زینبؑ کا مدینہ میں قیام اُسی کیفیت کا حامل ہوتا جو امام حسین علیہ السلام کو آپؑ کی ہمراہی سے حاصل ہوئی؟ ہرگز نہیں! بلکہ زینبِ کبریٰؑ کی ہمراہی اس حقیقت کا سبب بنی کہ حسینی ہدفِ عظیم کے لئے مقامِ تحقق پیدا ہوا اور آپؑ کے اقدام کی اہمیتِ کامل صفحاتِ تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگئی۔

پائیداریٔ راہِ عمل

امام حسین علیہ السلام درجۂ شہادت پر فائز ہوگئے، یعنی آپؑ کو جور وظلم سے شہید کردیا گیا۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے پیغامِ سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ کے ظلم و جور سے مملو اُس مرقعۂ شہادت کو اپنی صدائے المناک کے ذریعہ کوفہ و شام اور پھر مدینہ ومصر کے لوگوں کے کانوں تک پہنچایا۔ نہ صرف یہ بلکہ سیدہؑ طاہرہ کی نورِ نظر نے بنی اُمیہ کے ہاتھوں دینِ اسلام کی رُسوائیوں، پستیوں اور غیر اسلامی کردار کا اعلان اپنے ذمہ لے لیا۔ یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ روزِ عاشور کی قربانی کی کامیابی کے عناصر میں اہم ترین عنصر سیدہ زینبؑ کے جوہرِ خطابت کا بھی ہے، جس خطابت کی صدائے بازگشت واقعۂ عاشور کی صحیح عکاسی کر رہی تھی اور رہتی دنیا تک کرتی رہے گی۔

زینبؑ عالیہ نے اقدامِ سید الشہداء علیہ السلام کی باقیات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد تمام ذمہ داری شہزادی نے اپنے ذمہ لی اور اُس پیغام کی تشہیر کا انتظام کردیا جس کا نتیجہ تمام زمانہ پر اس عظیم شہادت کے رعب و خوف کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمنانِ سید الشہداء علیہ السلام وحشی صفت لوگ تھے۔ ان کا اہلِ بیتؑ کے خلاف کینہ ودشمنی زبان زدِ خاص و عام تھی، ورنہ بے جان و بے سر شہدائے راہِ پروردگار کے اجساد پر گھوڑے دوڑانے کے کوئی معنی نہ تھے، نہ ہی خیامِ حسینی کو نذرِ آتش کردینا قابلِ تصور قرار پاتا ہے[1]۔

---

[1]۔ ہم یہاں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک رباعی پیش کرتے ہیں جو دشمنانِ امام حسینؑ کی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبیؐ را بہ کیں کشند — دعوائے دیں کنند و خداوندِ دیں کشند

قرآں کنند حفظ و طٰہٰ کشند بہ تیغ — یٰسٓ کنند حرز و امامِ مبیں کشند

ان حالات میں زینبؑ عالیہ کو ایسے خوفناک حالات سے گزرنا پڑا جن کو سن کر خوف و دحشت سے قلب انسانیت لرز اٹھتا ہے۔ ہر لمحہ ایسا تھا جس میں اہلِ بیتؑ کے قیدیوں کے قتل و غارت گری کا حکم ہو جانا متوقع تھا۔ نہ کوئی دوست تھا نہ خیر خواہ۔

اگر دوست دارانِ اہلِ بیتؑ میں کوئی تھا بھی تو وہ اس قابل نہ تھا کہ کسی طرح ان کی مدد کر سکتا۔ صرف لفظی ہمدردی کا خاندانِ پیغمبرؐ سے اظہار ایک شخص کے سرِ بازار قتل کا سبب بن گیا (عبداللہ ابنِ عفیف کا واقعہ جنہوں نے خاندانِ رسولؐ کے بارے میں ابن زیاد ملعون کے نازیبا کلمات پر اعتراض کیا تھا)۔

اس طرح دشمن نے دوستانِ اہلِ بیتؑ کو متفرق کر دیا تھا اور اُن سے بولنے یا آواز بلند کرنے کی قوت کو سلب کر لیا تھا۔

ثانی زہراؑ سلام اللہ علیہا کی ہمت و شجاعت کا اسی بات سے اندازہ لگائیں کہ اس قدر پُر آشوب حالات اور بحرانی کیفیت میں آپ نے اپنے فرض کو انجام دیا اور اپنی استقامت و استقلال پر قائم رہیں۔

۲۔ شبِ عاشور

شبِ عاشور خانوادۂ رسولؐ اکرم پر سخت ترین رات تھی۔ دشمن نو محرم کے غروبِ آفتاب سے قبل میدانِ کربلا میں مزید کمک کے آجانے کے بعد حملہ و قتال پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ سپاہِ اعداء نے نہایت تندی و سفا کی و ظلم کی صورت میں سواروں اور پیادوں کے ساتھ خیامِ حسینی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اُس وقت امامِ مظلومؑ بظاہر متفکر در خیمہ پر تشریف فرما تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ کی آنکھ لگ گئی ہے۔ سیدہ زینبؑ نے دشمن کی فوج کا شور سنا، جلدی سے امام علیہ السلام کے قریب پہنچیں اور دشمن کے ہجوم سے آپ کو مطلع کیا (لہوف، سید ابنِ طاؤس)۔

سید الشہداء علیہ السلام نے حضرت ابو الفضل العباسؑ کو بلایا اور فرمایا کہ آگے جا کر معلوم کریں کہ فوج کی یہ حرکت کیا معنی رکھتی ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام آگے بڑھے اور واپس آ کر اطلاع دی کہ دشمن حملہ کر کے اپنے کام کو ختم کرنے کا قصد رکھتا ہے اور اسی لئے فوج آگے بڑھ رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو دوبارہ بھیجا کہ ان سے ایک رات کی مہلت طلب کریں۔ پہلے تو دشمن نے اس بات کو تسلیم نہ کیا لیکن پھر اپنے بعض ہمراہیوں کے کہنے پر مصلحت یہی جانی کہ ایک رات کی مہلت دے دی جائے۔

اس بات میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسئلہ بالکل واضح تھا اور وہ تھا جنگ کر کے امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنا۔ البتہ اس میں دشمن کی طرف سے عجلت کم تعجب خیز بات نہ تھی۔ اس سے بھی عجیب تر دشمن کی ہٹ دھرمی، جرأت

اور ڈھیٹ پن تھا کہ وہ عزم کر چکے تھے کہ اپنے نبیؐ کے فرزند کو ہر حالت میں قتل کر کے رہیں گے۔ اُن کے اس عزم کے ساتھ یہ شور وغل اور مضحکہ خیز دعویٰ وتشہیر بھی تھی کہ امام حسین علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار کے دین کو خیر باد کہہ چکے ہیں، اُس دین کے منکر ہو چکے ہیں اور اسی لئے اپنے زمانہ کے امام یزید کے خلاف خروج کر رہے ہیں۔ وہ کہتے تھے:

"اِنَّ الْحُسَیْنَ قَدْ خَرَجَ عَنْ دِیْنِ جَدِّہٖ..... (فتاوائے شریح قاضی)

اس سے زیادہ تعجب خیز یہ عقیدہ تھا کہ وہ اسی اصول کے تحت اپنے زمانہ کے امام علی مرتضےٰ علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے خلاف امیر معاویہ کے قیام کو جُرم قرار نہیں دیتے تھے جبکہ امام حسین علیہ السلام ایک ایسے شخص کے قیام کو بہت بڑا جرم وگناہ قرار دے رہے تھے جس کے بندروں کے پالنے، بدچلنی، بدقماشی، جبر وظلم اور فسادی وفاسق ہونے کے بارے میں تمام مورخین متفق ہیں (کامل ابن اثیر، تاریخ طبری)۔

شبِ عاشور۔ کیا کہنا شبِ عاشور کا!

شبِ عاشور کیسی رات تھی؟ یہ شب تھی خالق کائنات سے شبِ دعا، شبِ راز ونیاز، کردار سازی وحصولِ رُشد کیلئے مشق کرنے کی آخری شب، شبِ احیاء وزندہ داری، ایسی مناجات سے سینکڑوں گنا بلند تر مناجات کی شب جیسی کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام نے عالمِ نورِ پروردگار میں بسر کی تھی، ایسی شبِ مناجات جو زُہدِ عیسیٰ علیہ السلام سے ہزار گنا زیادہ منور اور قلوب کو زندہ کرنے والی تھی۔

سید الشہداء علیہ السلام کا قلبِ مبارک اس شبِ عظیم عبادت کے پیشِ نظر مسرت سے لبریز تھا۔ ایک ساعت قبل آپ خواب میں زیارتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہو چکے تھے کہ آنحضرتؐ فرما رہے تھے:

"اِنَّکَ تَرُوحُ اِلَیْنَا".

یعنی "اے حسینؑ! تو ہمارے پاس آرہا ہے"!

امام علیہ السلام یہ خوش خبری زینبؑ عالیہ کو سنا چکے تھے۔ ثانیِ زہراؑ سمجھ چکی تھیں کہ کل سے اُن کے فرضِ پیغام رسانیِ شہادت کا آغاز ہو جائے گا۔ لہٰذا معلوم تھا کہ کل مقام وقیام کی نوعیت مختلف ہوگی، ایسا سنگین وکٹھن فرض درپیش ہوگا جس کی ادائیگی میں بالکل تنہا وخود مختار رہنا ہوگا۔ دیکھ رہی تھیں کہ آج تو عام عزیز واقارب ساتھ ہیں، اُن کے دیدار کی مسرت حاصل ہے، لیکن کل کیا انقلاب آنے والا ہے اور اس کے لئے انہیں کیا کرنا ہوگا!

سید الشہداء علیہ السلام کے دوستوں اور اصحاب کے سامنے بھی یہی سوچ واندیشہ جات ہیں۔ ساتھ دینے والے اپنی اپنی بصیرت کے مطابق ساتھ ہیں۔ جانے والے جو آخرت میں سرخروئی کی خاطر ساتھ نہیں آئے تھے، جن کا مطمعِ نظر اور نصب العین حصولِ مراتب و مقامِ دُنیوی تھا، جو اُخروی کامیابی و کامرانی کی خاطر ساتھ نہ ہوئے تھے، ایک ایک کر کے چلے گئے۔ اب صرف وہ لوگ باقی تھے جو اپنے ذہنوں میں طوفانوں کا مقابلہ کرنے، اپنی تاریخِ حیات کو طریقِ نو سے رقم کرنے کا عزم بالجزم رکھتے اور اپنی سرنوشتِ حیات کو سنہری حروف میں صفحاتِ تاریخ کی زینت بنانے والے تھے[1]۔

1۔ یہ وہ اصحاب باوفا باقی رہ گئے تھے جن کے لئے سید ریاض علی ریاضؔ بنارسی نے نہایت خوبصورت جملہ اپنی کتاب ''شہیدِ اعظم'' میں کہا ہے کہ ''یہ ایسے تھے جن کی حسین علیہ السلام تعریف وتوصیف کرتے تھے''۔

شب عاشور کے سلسلہ میں ہم ایک بار پھر علامہ غدیریؔ کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

''شبِ عاشورا اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ صحرائے کربلا پر چھا گئی۔ چاند کی روشنی ردائے غم اوڑھ کر فضا کے دامن سے لپٹ گئی۔ ایسے میں سیدہ زینبؑ اپنی عظیم ماں فاطمہؑ زہرا کی ردائے مقدس زیبِ تن کر کے امامِ وقت حسینؑ کے خیمہ میں آئیں۔

''امامؑ اپنے آپ کو ناموسِ اسلام کے تحفظ کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ عظمتِ اسلام کی پاس دار بہن کی طرف نگاہِ غم اٹھا کر دیکھا اور زبانِ حال سے اپنے قریب بیٹھ جانے کے لئے کہا۔

''وقار وسکینہؑ کی مالک زینبؑ ادب واحترام کے ساتھ امامِ وقت کے حضور بیٹھ گئیں۔ اگرچہ زینبؑ کا دل حزن وغم سے بھرا ہوا تھا لیکن صبر واستقامت کے آثار علیؑ کی بیٹی کی پاکیزہ جبیں پر نمایاں تھے۔ لبوں پر خاموشی تھی مگر نگاہیں امامِ معصوم کے چہرہ پر جمی تھیں۔ زینبؑ کا طویل سکوت بارگاہِ امامت سے تقاضائے سخن کر رہا تھا۔

''باعظمت بھائی نے باکردار بہن کی روحِ دل کو پڑھ لیا، حسینؑ سے رہا نہ گیا۔ بالآخر اپنے مقدس مشن کی شریک بہن کو حالات کے نشیب وفراز سے آگاہ کر دیا۔

''حسین علیہ السلام نے فوجِ اشقیاء کے ساتھ پیش آنے والے واقعات دوستوں اور قریبیوں کی مظلومانہ شہادت اور اہلِ حرم کی اسیری کے متعلق سب کچھ بتا دیا اور ہر مرحلہ میں صبر واستقامت اختیار کرنے اور مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی۔

''معصوم امام علیہ السلام نے اپنی عصمت شعار بہن کو اربابِ جور کی ستم پروری اور آنے والی ہولناک صورتِ حالات کے سامنے کوہِ گراں پایا۔ اور یہ بات خلافِ توقع بھی نہ تھی کیونکہ دونوں بہن بھائیوں کا تعلق اس مرکزِ وحی ورسالت سے تھا جس کے بام ودر نورِ الٰہی کی روشن قندیلوں سے منور تھے اور جس گھر کا بچہ بچہ اسلام کی عظمتوں کا امین تھا۔ دُوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبوت و (جاری)

آخری فیصلہ وانتخابِ سرفروشاں

سید الشہداء علیہ السلام کی اقتداء میں مجاہدین کی نماز قائم ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عشا کے بعد یا شاید اس سے پہلے یعنی مغرب وعشا کی نمازوں کے درمیان امام علیہ السلام نے جملہ حاضرین کو اپنے اپنے خیام سے طلب فرمایا۔ چراغ خیمۂ امام حسین علیہ السلام میں روشن تھے۔ امامؑ نے خطبہ شروع فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

'سب حالات اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر وآشکار ہیں۔ امابعد! جو کچھ مجھے درپیش ہے کسی پر پوشیدہ نہیں.....ہم اُس خاندان وقبیلہ سے نہیں ہیں جو حیلہ ومکروفریب کو روا رکھتے ہوں.....تم میں جو کوئی آج میرے ہمراہ باقی رہے گا وہ کل قتل ہو جائے گا.....میں اپنی بیعت تم پر سے اٹھالیتا ہوں.....رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس دشتِ خونین سے نکل جاؤ.....'

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) امامت کی پاکیزہ عظمتوں کے سائے میں پلنے والے حسینؑ اور زینبؑ اپنی خاندانی روایات کے تحفظ اور فطرت کی زیبائیوں کی پاسداری کیلئے اپنی عصمت شعار روایات کی مقدس روشنی سے اپنے کاشانۂ احساس میں چراغاں کر رہے تھے۔

''سیدۂ عالم، زینبؑ کبریٰ اپنے معصوم مگر مظلوم بھائی حسینؑ کے ساتھیوں کے شعورِ وفا اور عظمتِ اخلاص کی پاکیزہ تصویر دیکھنے کا مقدس احساس دل میں لئے ہوئے تھیں۔ جناب زینبؑ یہ مشاہدہ کرنا چاہتی تھیں کہ اندھیری شب میں حسینؑ کے ساتھی کس جذبہ ایثار کا مظاہرہ کریں گے۔ چنانچہ زینبؑ کی یہ کوشش رہی کہ زیادہ تر وقت اپنے ماں جائے کے پاس رہ کر گزاریں تا کہ حالات کے نشیب وفراز اور تلخ وشیریں صورتِ احوال کو نزدیک سے دیکھتی رہیں۔ بالآخر وہ وقت آگیا جب جنابِ زینبؑ نے انصارِ حسینؑ کی وفا واخلاص کی مقدس تصویر دیکھی۔

''امامؑ نے اپنے قریبیوں اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ (فوجِ یزید) میری جان کے دشمن ہیں۔ انہیں تم سے کوئی کام نہیں۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی جانا چاہے اسے پورا اختیار حاصل ہے اور میں ہر طرح سے آپ لوگوں سے راضی ہوں۔ قیامت کے دن تمہاری شفاعت کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہوں۔

''امامؑ کے اس بیان پر دوستوں اور ساتھیوں نے جس خلوص ووفا کا مظاہرہ کیا اور جس انداز میں اپنی ہمدردیوں کا اظہار امامؑ کی خدمت میں کیا وہ سب کچھ سیدہ زینبؑ نے سنا اور انصارِ حسینؑ کی عظمتِ وفا کا مشاہدہ کرلیا اور یہ بھی سن لیا کہ امامؑ نے اپنے باوفا ساتھیوں کے بارے میں کن پاکیزہ ومعصوم خیالات کا اظہار فرمایا۔ امامؑ نے دوستوں اور قریبیوں کا جواب سن کر کہا: 'خدا کی قسم! میں نے اپنے ساتھیوں جیسے وفا شعار ساتھی کسی کے نہیں دیکھے اور نہ ہی اپنے قریبیوں جیسے ہمدرد ومخلص قریبی کسی کے دیکھے ہیں.....'

''یہ وہ باتیں تھیں جو زینبؑ کے دل کا سہارا اور اُن کے اطمینانِ قلب کا ذریعہ بنیں اور سیدہؑ نے انصارِ حسینؑ کی گرمیٔ احساس کی شعوری کشش میں عظمتِ وفا، شعورِ اخلاص، جذبۂ ایثار، جمالِ عشق، کمالِ محبت، اعتمادِ نفس، احساسِ عظمت، یقینِ محکم، احسنِ صبر (جاری)

اس خیال سے کہ لوگ شرم وحیا کے باعث امام علیہ السلام کے روئے مبارک کے سامنے نہ جا سکیں، حکم دیا کہ چراغ بجھا دیئے جائیں۔ امام علیہ السلام نے اپنی عبا کی آستین سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تا کہ جو جانا چاہتا ہو وہ چلا جائے۔ کچھ لوگ چلے بھی گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اپنے دوستوں، بیٹوں اور بھائیوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمراہ لے گئے۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے عقیدت و ارادت کے اظہار میں دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور روانہ ہو گئے۔ معدودے چند مخلصین کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا اور بروایتے اُن میں اکثریت امامؑ کے بھائیوں، بیٹوں اور عزیزوں کی تھی [1]۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) شعورِ استقامت اور وحدتِ فکر واتحادِ نظر کی تصویر دیکھ کر اپنے تصور کو حقیقت کی رنگینیوں اور پاکیزہ عواطف سے آمیختہ پایا۔ (ص 162 تا 165)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

1۔ مصنفِ کتاب نے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ شبِ عاشور سے قبل اور مکہ سے کربلا تک کے راستہ میں تو ایسے لوگوں کے امامؑ کو چھوڑ کر چلے جانے کی روایات ملتی ہیں جو سفرِ امامؑ کو ملک گیری و فتحِ ملک کا پیش خیمہ جان کر ساتھ ہوئے تھے۔ ایسے لوگ سفر کے دوران کافی حد تک چھٹ چکے تھے۔ شبِ عاشور امامؑ کو چھوڑ کر چلے جانے والوں کے بارے میں کوئی روایتِ محقق نہیں ملتی۔ بالخصوص جبکہ افواجِ یزید نے ہر طرف سے مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی جس کی وجہ سے نہ تو کوئی امدادِ امام کیلئے آ سکتا تھا نہ ہی چھوڑ کر چلے جانے کا راستہ تھا۔ اس لئے یہ روایت اصولِ درایت سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم امامؑ کا اپنی بیعت اٹھا لینا اور ہمراہیوں کو چلے جانے کی نصیحت کرنا اپنے مقام پر ایک مصدقہ حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کا کوئی امکان نہیں ملتا۔ واللہ اعلم بالصواب (مترجم)۔

انصارانِ سید الشہداء علیہ السلام کے بارے میں ارشاداتِ امامؑ ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔ تمام ناصرین نے جو کچھ خدمتِ امامؑ میں عرض کیا اور جس جس طرح جانبازی و جاں سپاری کے جذبات کا اظہار کیا سب کا ذکر تو ہمارے موضوع سے باہر ہو گا لہٰذا ہم صرف ایک ناصرِ امامؑ کا واقعہ سپردِ قلم کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں:

"در ہمیں لحظہ یکے از اصحاب کہ نامش محمد بن بشیر حضرمی بود گفتند پسرت در مرز ری اسیر شدہ، گفت آنرا بحساب خداوند میگذارم و بجاز جانم سوگند کہ دوست نہ دارم کہ فرزندم اسیر شود و من زندہ باشم. حسین علیہ السلام شنید فرمود خداوند تو را بیامرزد و من بیعتِ خود را از گردن تو برداشتم. برخیز، برو و برائے رہائی فرزندت اقدام کن___ عرض کرد درندگان مرا زندہ زندہ بخورند اگر از تو دور شوم". (زندگانی امام حسین علیہ السلام، عماد زادہ، ص ۳۵۹)۔

"اسی ہنگام آپ کے ایک صحابی کو جس کا نام محمد بن بشیر حضرمی تھا، بتایا گیا کہ تیرا بیٹا علاقہ رے میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اسے اللہ پر چھوڑتا ہوں حالانکہ اپنی جان کی قسم مجھے گوارا نہیں کہ میرا بیٹا قید ہو اور میں زندہ رہوں۔ امام حسینؑ (جاری)

مزید بہتر لوگوں کو چھانٹنے کے لئے ایک اور صورت اختیار کی گئی۔ امام علیہ السلام نے باقی ماندہ لوگوں کی جانب رُخ کر کے فرمایا: ''تم کیوں رہ گئے؟ تم بھی چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ یہ لوگ صرف مجھ سے دُشمنی رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں''۔

یہ سن کر حاضرین میں ہر شخص باری باری اُٹھا، اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور امامؑ سے بیعت کو زندہ و تازہ کیا.....

تیاریٔ جنگ کا فرمان

غرض جن کو باقی رہنا تھا وہ رہ گئے۔ امام علیہ السلام نے انہیں عزمِ صمیم کی ہدایت فرماتے ہوئے کل پیش آنے والے واقعات کی نشاندہی فرمائی اور کلمہ حق کو اُن پر واضح فرمایا۔ انہوں نے اپنی شان و منزلت کے بارے میں امامؑ سے دریافت کیا اور اس سے اپنی محبتِ امامؑ میں اور اضافہ کیا۔

اس کے بعد اصحابِ باوفا اپنے اسلحہ کو درست و تیز کرنے اور جانچنے لگے جبکہ بعض ایسے بھی تھے جو عبادتِ پروردگار میں مصروف ہو گئے.......

اصحابِ باوفا کی مناجات کی صدائیں سننے کے قابل تھیں۔ ایک بزرگ مؤرخ کے بقول یہ ایسی آواز تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی اُن کے چھتوں سے آتی ہے (منتہی الآمال)۔

بعض اصحاب قیام و قعود میں مصروف تھے، بعض اپنے عزیزوں، ساتھیوں سے وداع کر رہے تھے، لیکن ہر شخص کل کے جہاد کے انتظار میں سرور و شادمانی کی انتہا پر تھا اور رزم گاہ میں ملاعین سے مبارزہ کیلئے بے چین تھا۔ ثانی زہراؑ تمام حالات کا مشاہدہ فرما رہی تھیں۔

دُعا و مناجاتِ سید الشہداء علیہ السلام

سید الشہداء علیہ السلام اپنے کاموں میں مصروف اور مشغولِ مناجات و دعا تھے۔ اپنی تلوار کو صیقل فرما رہے تھے اور یہ الفاظ آپؑ کی زبانِ مبارک پر جاری تھے:

''یَادَھْرُ اُفٍ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِیْلِ مِنْ صَاحِبٍ وَطَالِبٍ قَتِیْلٍ وَالدَّھْرُ لَایَقْنَعُ بِالْبَدِیْلِ وَاِنَّمَاالْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیْلِ وَکُلُّ حَیٍّ سَالِکُ سَبِیْلٍ''.

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

علیہ السلام نے سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میں اپنی بیعت تجھ سے اٹھا لیتا ہوں۔ اٹھ، جا اور اپنے بیٹے کی رہائی کیلئے اقدام کر۔ اس نے کہا کہ جنگل کے درندے مجھے زندہ چیر پھاڑ ڈالیں اگر میں آپ سے دُور ہو جاؤں''۔

آپؑ اپنے اس مقولہ میں سمجھا رہے تھے کہ دنیا ناپائیدار ہے، اس کی دوستی بے بنیاد و بے اساس ہے، اس سے دل لگانا بے کار و بے معنی ہے۔ اس کے لاتعداد دوست اسے چھوڑ کر چلے گئے یا مارے گئے لیکن کسی ایک کے ساتھ بھی اس نے وفا نہ کی۔ لہٰذا ہر زندہ کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں اپنی راہ وطریق خود دریافت کرے ___ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہم بھی مسافرانِ موت ہیں اور کوچ کی تیاری کر رہے ہیں (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

آپ کی اس مناجات کی آواز زینبؑ عالیہ کے کان میں آئی تو بیتاب ہوگئیں۔ گریہ گلوگیر ہوا اور بولیں: ''کیا میرے جدِ بزرگوار اور ماں باپ کی آخری یادگار بھی قتل کر دی جائے گی؟'' ان باتوں سے اپنے قلبِ مضطر کو بھی موت کیلئے تیار کر لیا اور رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

سیدہ زینبؑ کو دلاسۂ امامؑ

ثانیِ زہراؑ نے کلامِ سیدالشہداءعلیہ السلام سنا تو صدائے نالہ بلند کی اور شدتِ غم سے غش کر گئیں۔ امام علیہ السلام جلدی سے آپؑ کے سرہانے تشریف لائے اور آپؑ کی دل جوئی فرمائی (فعزّ الحسین علیہ السلام)۔

''فَقَالَ یا اُختاہُ، تَعَزِّ بِعَزاءِ اللّٰہِ''

''میری بہن! حوصلہ رکھو۔ میں تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں''۔

''لا یَزْھَبَنَّ بِحِلْمِکِ الشَّیْطَانُ''.

''حوصلہ کرو، شیطان تمہارا حلم تم سے نہ چھین لے''۔

''فَاِنَّ اَھْلَ السَّمَاءِ یَمُوْتُوْنَ''.

''کوئی زمین پر زندہ و باقی نہ رہے گا''۔

''کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہ''.

''ذاتِ پروردگار کے سوا سب ہلاک ہو جائیں گے''۔

''لَہُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ''.

''تمام حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے''۔

''فَاَیْنَ اَبِیْ وَجَدِّیْ اللَّذانِ ھُمَا خَیْرٌ مِنِّیْ''.

''ہمارے جد و پدرِ بزرگوار جو ہم سے بہتر تھے، اب کہاں ہیں؟''

"وَلِيَ بِهِمَا وَ كُلَّ مُسْلِمٍ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

"وہ دونوں میرے اور ہر مسلمان کیلئے بہترین اُسوہ کے مالک ہیں"۔

حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام نے اسی قسم کی دلاسہ وحوصلہ کی باتیں اس قدر زینبؑ عالیہ سے فرمائیں کہ اُن کو سکون ہو گیا اور امامؑ کی خوشگوار و شیریں گفتگو سے شہزادی کے آنسو تھم گئے۔

اسی ضمن میں یہ وصیت بھی فرمائی:

"يَا اُخْتَاهُ اِذَا اَنَا قُتِلْتُ فَلَا تَشُقِّقَنَّ عَلَيَّ جَيْبًا"۔

"پیاری بہن! میرے قتل ہونے پر گریبان چاک نہ کرنا"

"وَلَا تَخْمِشْنَ وَجْهًا"۔

"میری موت پر منہ پر طمانچے نہ مارنا"۔

"وَلَا تَقُلْنَ هُجْرًا"1۔

"اور رضائے خدا کے خلاف کوئی لفظ اپنی زبان پر نہ لانا"۔

۳۔ وداعِ امامؑ و سپردگیٔ اسرارِ امامت

آخر شبِ عاشور تمام ہوئی اور صبحِ عاشور طلوع ہوئی۔ میدانِ کربلا میں ہر شخص جنگ پر آمادہ ہوا۔ حق و باطل کی دونوں فوجیں جنگ وخوں ریزی کی خاطر مقابلہ پر آ گئیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کی مخالف فوج میں کافی ردوکد نظر آتی ہے کہ فرزندِ رسولؐ خدا سے جنگ کی جائے یا نہیں۔ بعض لوگوں نے ترکِ جنگ کا مشورہ دیا اور چند ایک آ کر فوجِ سید الشہداء علیہ السلام کے

1۔ لہوف، سید ابن طاؤس۔

(ل)۔ رُخصتِ آخرِ امام حسین علیہ السلام کے وقت انہی نصائح کو میر انیسؔ مرحوم نے اپنے ایک مرثیہ میں اس طرح ادا کیا ہے:

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں؟ — جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں؟
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں؟ — جن کے لئے پیدا ہوئی دنیا، وہ کہاں ہیں؟
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

(جاری)

ساتھ مل بھی گئے۔ لیکن اکثر لوگ اپنے آپ کو حکمِ حاکم سے مجبور و معذور پا کر لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ آج پورے کا پورا کفر پورے کے پورے ایمان کے مقابل آ گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے لشکر کے ہمراہ نمازِ جماعت ادا فرمائی۔ اُدھر عمرِ سعد نے بھی جماعت سے نماز پڑھی۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا یہ گھر | اس در پہ گدا آن کے ہوتا تھا تونگر
وہ فاطمہؑ کا جاہ و چشم شوکتِ حیدرؑ | وہ مجمعِ اصحاب و دربارِ پیغمبرؐ

بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
اور اب یہ وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

(ب)۔ علامہ حسن رضا غدیری ''زینب، زینبؑ ہے'' میں شبِ عاشور دونوں بہن بھائی کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''بہن کی کیفیتِ غم دیکھ کر امام حسینؑ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرمایا:

''اے میری امیدوں کی سہارا بہن! خدا پر بھروسہ رکھو، خدا تمہیں کوئی غم نہ دکھائے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ نہ تو زمین والوں میں سے کوئی باقی رہے گا اور نہ ہی آسمانی دنیا کے مکینوں کو بقا حاصل ہے۔ ہر چیز فنا پذیر ہے اور صرف وہی ذاتِ پروردگار باقی رہنے والی ہے جس کے دستِ قدرت سے تخلیقِ کائنات ہوئی اور سب ہی اُس کی طرف لوٹ جائیں گے۔ وہ ہمیشہ سے ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔ میرے جدِ امجد مجھ سے کئی درجہ افضل اور میرے پدرِ بزرگوار مجھ سے بلند تھے۔ وہ سب اس فانی دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔ میرے اور میرے بزرگوں اور تمام اہلِ اسلام کیلئے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی مکمل نمونۂ عمل ہے۔ اے میری شریکِ مقصد بہن! تجھے میری عظمت کی قسم! میری یہ بات فراموش نہ کرنا اور میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا، منہ نہ پیٹنا اور میری لاش پر آ کر بین نہ کرنا۔

''امامؑ کے تاکیدی بیانات کو سُن کر زینبؑ عالیہ نے صبرِ جمیل کا ایسا عظیم مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی'' (ص ۱۷۲)۔

فطری امر ہے کہ اس قدر شدید حالات میں بالخصوص جبکہ مختلف منازل پر امامؑ کے خطبات کی روشنی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے موقعہ کے مطابق لشکرِ امامؑ کو چھوڑ کر جا بھی رہے تھے، مخدراتِ عصمت وطہارت اور خاص طور پر ثانیِ زہراؑ کو یہ پریشانی ضرور لاحق ہونا چاہئے تھی کہ یہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں اور امامؑ کے خطبۂ شبِ عاشور کے باوجود کربلا سے نہیں گئے، ان کی وفاداریوں کا معیار کیا ہوگا۔ ہم اس سلسلہ میں ایک بار پھر علامہ غدیری مدظلہٗ کی کتاب ''زینب، زینبؑ ہے'' کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں علامہ مذکور اس کیفیت کی اس طرح منظر کشی فرماتے ہیں کہ امامؑ اپنے خیمۂ اقدس سے باہر آ کر اپنی فوج کا جائزہ لینے لگے تو ایک وفا شعار ساتھی نافع بن ہلال جملی آپؑ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ امامؑ نے نافع سے اپنے پیچھے آنے کا سبب دریافت کیا تو نافع نے جواب دیا: اے فرزندِ (جاری)

نمازؒ کے بعد جناب سید الشہدا علیہ السلام نے ان الفاظ میں مناجاتِ پروردگار ادا فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ اَنتَ ثِقَتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَائِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ اَنْزَلْتُهُ بِكَ.....

''پروردگار! ہر رنج و مشکل میں تو ہی میری اُمید و پناہ گاہ ہے۔ ہر سختی و تکلیف میں تجھ سے ہی میری امید وابستہ ہے۔ میں

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

رسولؐ! اس وقت آپؑ کا باہر تشریف لانا خطرہ سے خالی نہیں کہ ہر طرف دشمن کی افواج پھیلی ہوئی ہیں۔ امامؑ نے نافع سے فرمایا: ''شب کی سیاہ زلفیں بکھر چکی ہیں اور آدھی رات کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر تو چاہے تو ان دو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اُس طرف چلا جا اور اپنی جان بچالے''۔ یہ سن کر نافع امامؑ کے قدموں میں گر پڑا اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر عرض کرنے لگا:

''میری ماں مجھے دودھ نہ بخشے اگر میں اس طرح کا کردار اپناؤں۔ خدا کی قسم! پروردگارِ عالم کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے مجھے آپؑ کی خدمت میں رہنے کا شرف بخشا ہے۔ اگر میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تب بھی میں آپؑ سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتا۔

''اس کے بعد امام حسینؑ سیدہ زینبؑ کے خیمہ میں آئے اور نافع دروازۂ خیمہ پر رک کر امامؑ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

نافع کہتا ہے: ''میں نے خیمہ کے اندر سے آواز سنی۔ سیدہ زینبؑ امامؑ سے کہہ رہی تھیں کہ کیا آپ اپنے سب ساتھیوں کے اعتماد کا امتحان لے چکے ہیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کٹھن مرحلہ میں وہ آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں؟

امامؑ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! میں نے انہیں اچھی طرح آزما لیا ہے۔ اُن میں ہر ایک عزم و ثبات کا کوہِ گراں ہے اور موت سے اچھی طرح مانوس ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے سینہ سے اُنس رکھتا ہے۔

''نافع نے کہا کہ جب میں نے بہن بھائی کی گفتگو سنی تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں فوراً حبیبؓ ابنِ مظاہر کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے سنا تھا وہ حبیبؓ کو بیان کیا۔ حبیبؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر امامؑ کے فرمان کا انتظار نہ ہوتا تو میں اسی رات اپنی تلوار نیام سے نکال کر میدان میں کود پڑتا۔

''نافع نے کہا کہ میں امام علیہ السلام کو سیدہ زینبؑ کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں اور مجھے گمان پڑتا ہے کہ زینبؑ کچھ گھبرائی ہوئی ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے آپ اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے مخدراتِ عصمت کے دلوں کی تسکین کیلئے ان کی خدمت میں ہم سب کی طرف سے ترجمانی کریں اور ہمارے دلوں کی آواز اُن تک پہنچائیں۔

''حبیبؓ کو نافع کی تجویز پسند آئی اور وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہنے لگے:

اے میرے غیرت مند ساتھیو! اے شیر دل جوانو! اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آؤ!

(جاری)

تیرا ہی مہمان ومحتاج ہوں۔ اس اُمت بد اندیش کی تیرے ہی حضور شکایت کرتا ہوں.......کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو میرے ساتھ ہے، لہٰذا کسی رنج واندوہ اور صدمہ وخطرہ سے خوف زدہ نہیں ہوں.......''۔(تاریخِ عاشورا)۔

آغازِ جنگ

دشمن نے جنگ شروع کردی۔امام علیہ السلام نے اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کی صفوں کو آراستہ فرمایا اور دشمن پر نتائجِ جنگ کو واضح کیا لیکن انہوں نے کوئی بات نہ مانی۔آخر امامؑ انہی محدود ساتھیوں کے ساتھ مبارز ہوئے۔وَاِنِّی زاحِفٌ اِلَیْکُمْ

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

انصارِ حسینؑ حبیبؓ کی آواز سن کر اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آئے۔ جب سب ساتھی اکٹھے ہو گئے تو حبیبؓ نے انہیں نافعؓ کا آنکھوں دیکھا حال اور کانوں سنی باتیں بتائیں۔

حبیبؓ کی گفتگو سن کر سب نے یک زبان ہو کر کہا:''ہمیں قسم ہے اُس پروردگار کی جس نے ہمیں امامِ وقت کے ساتھی ہونے کا شرف بخشا ہے کہ اگر ہمیں امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اسی لحہ میں اپنی تلواریں نیام سے نکال لیتے اور میدانِ نبرد میں کود پڑتے۔ یہ لحات ہماری سعادت وخوش بختی کی پاکیزہ گھڑیاں ہیں''۔

حبیبؓ نے اپنے ساتھیوں اور انصارِ امامؑ کے بلند حوصلہ اور عظمتِ وفا کو دیکھ کر کہا کہ آؤ چلیں اور رسولؐ زادیوں کی خدمت میں اپنے اخلاص کا اظہار کر کے اُن کے دلوں کو سہارا دیں اور اُن کی دعائیں حاصل کریں۔

حبیبؓ تمام ساتھیوں کے ہمراہ خیام اہلِ بیتؑ کے پاس آئے اور رسولؐ زادیوں کو خطاب کر کے بلند آواز سے کہا:

''اے رسولؐ کی باعظمت بیٹیو!اے مخدراتِ عصمت وطہارت! آپ کے غلام حاضر ہیں۔ ہماری زندگیاں آپ کے قدموں پر نثار، ہم آپ کی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کو توڑ ڈالیں گے۔ ہمارے نیزے آپ کے دشمنوں کے سینوں کو چیر ڈالنے کیلئے تیار ہیں۔ جب تک ہماری جانوں میں جان ہے کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتا۔ہم آپ کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ پھوڑ دیں گے۔

''انصارِ امام حسین علیہ السلام کے پُر خلوص جذبات اور وفا شعار احساسات کو دیکھ کر خیامِ اہلِ بیت علیہم السلام سے گریہ ونالہ کی آوازیں بلند ہوگئیں اور رسولؐ زادیوں نے امامؑ کے باوفا ساتھیوں کو پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

''اے پاک طینت لوگو!اے نیک سیرت جوانو!رسولؐ زادیوں کی حرمت کا پاس کرنے والو! ہماری حفاظت آج تمہارے ذمہ ہے۔علیؑ کی بیٹیاں آج تمہاری نصرت کی طلب گار ہیں۔

''رسولؐ زادیوں کی مظلومانہ فریاد سن کر سب انصارِ امام حسین علیہ السلام دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور کربلا کی صدا ان کی صدائے بکا سے گونج اٹھی''۔(مقتل الحسینؑ للمقرم،ص۲۶۶،منقول از دمعہ ساکبہ،ص۳۲۵)(زینبؑ،زینبؑ ہے،ص۱۶۶تا۱۶۹)۔

لِهٰذِهِ الْاُسْرَۃِ..... (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام) کی بنیاد پر دشمن کے خلاف جنگ کا فیصلہ فرمایا۔

خیامِ امامؑ کے گرد خندق کھود لی گئی تھی اور اُس میں آگ روشن کر دی گئی تھی تا کہ کم ظرف دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔لشکرِ امامؑ خیامِ امامؑ کے سامنے صف بند ہوا۔عمر ابنِ سعد نے حملہ اور تیر برسانے کا حکم دیتے ہوئے اس مقصد کی خاطر سب سے پہلے خود لشکرِ امامؑ کی طرف تیر چلا کر آغازِ جنگ کیا۔اصحابِ امامؑ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔چند اصحاب زمین پر گرے اور کئی لوگ اسی حملہ میں درجۂ شہادت پر فائز بھی ہوئے۔امام حسینؑ خود بھی زخمی ہوئے اور تیر بارانی رُکنے کے بعد خیمۂ اطہر میں تشریف لائے۔

بچوں نے اپنے پدرِ بزرگوار یعنی امام علیہ السلام کو خون آلودہ دیکھا تو رونے اور فریاد و نالہ کی صدائیں بلند کرنے لگے۔

سیدہ زینبؑ عالیہ نے بھی بھائی اور اعزّہ کو زخمی دیکھا لیکن ثانیِ زہرؑا کے لئے ممکن نہ تھا کہ اپنے مقصد و ہدف کو نظر انداز کرتیں۔ پس بچوں کو دلاسہ دیا، زخموں کو باندھا اور امامؑ خدا حافظ کہہ کر عازمِ رزم گاہ ہوئے۔

سپردگیٔ فرائض

ہم نہیں کہہ سکتے کہ امامؑ کتنی بار خیمہ میں تشریف لائے اور وہاں سے واپس ہوئے۔بس اس قدر جانتے ہیں کہ ہر بار آپؑ کا سب سے زیادہ استقبال کرنے والی آپؑ کی بہن زینبؑ عالیہ ہوتی تھیں۔ جب بھی خیمہ میں تشریف لاتے، ثانیِ زہرؑا سے بات چیت ہوتی، آپؑ کو ہی ہدایات دیتے، اسرار و رموز سے انہی کو آگاہ فرماتے اور آہستہ آہستہ بتدریج آنے والے مراحل کیلئے انہیں تیار کرتے۔

کبھی یہ بھی ہوتا کہ اپنی خواہرِ عزیز کے ہمراہ اندر تشریف لے آتے، بچوں کو پیار کرتے، اُن کو حوصلہ دلاتے۔لیکن ان بے چاروں نے تو پہلے کبھی جنگ دیکھی نہ تھی، لڑنے والوں کے شور اور ان کی تلواروں کی صداؤں سے خوف زدہ ہو جاتے۔اس سب کیفیت میں بہت بڑی بات یہ تھی کہ وہ سب تشنہ لب تھے، پھر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی نئی مصیبت، تازہ غم اور کسی نہ کسی فرد کی شہادت کی خبر بھی اُن کے کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ان ہراساں بچوں کو سکون دلانے کا فرض ثانیِ زہرؑا ہی کے ذمہ تھا اور یہیں سے اُن کا فرض اور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی اشاعت کا کام اُن کے لئے شروع ہو رہا تھا۔

سید الشہداء علیہ السلام کے یار و مددگار آہستہ آہستہ عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوتے رہے اور آخرِ کار امامؑ تنہا رہ گئے۔ اُس وقت امامؑ نے بطور اتمامِ حجت ''هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرنا'' کی آواز بلند فرمائی۔سیدہ زینبؑ کا دل اس آواز نے مجروح کر

دیا۔اس موقعہ پر اگر سید الشہداءعلیہ السلام کے ہدف کی ذمہ داری نہ ہوتی تو آپؑ کی روحِ قوی اور قوتِ قلب جواب دے جاتے کیونکہ اس صدائے امامؑ پر آپؑ کی روح یقیناً قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی۔

اپنے امام وارث سے ملاقات

امام حسین علیہ السلام اب تنہا رہ گئے۔خیمہ میں تشریف لائے۔اُس وقت اتفاق سے ثانیِ زہراؑ سید الساجدین علیہ السلام کے خیمہ میں تھیں۔امامؑ وہیں تشریف لے گئے۔سیدِ سجادؑ غش کی حالت میں تھے اور بخار میں جل رہے تھے۔سیدؑ الشہداء اور سیدہ زینبؑ اُن کے پاس بیٹھ گئے، اُن کے چہرہ و سر کو سہلایا تو انہوں نے آنکھ کھولی۔پوچھا کہ اُس قوم کے ساتھ آپؑ کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔اس سوال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سیدِ سجادؑ صبح سے اب تک کے حالات سے بے خبر ہیں۔امامؑ نے فرمایا:

''اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ''. (مجادلة:19)

''شیطان ان پر غالب آ چکا، انہیں یادِ خدا سے غافل کر دیا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں''۔

سیدِ سجادؑ نے پوچھنا شروع کیا:

''اَيۡنَ عَمِّي عَبّٰاس؟''

''میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں؟''

امامؑ نے جواب دیا، ''قَدۡ قُتِلَ''. ''شہید ہو گئے''۔

''میرے بھائی علیؑ اکبر کیا ہوئے؟''

فرمایا ''شہید ہو گئے''۔

''میرے چچازاد بھائی قاسمؑ کیا ہوئے؟''

فرمایا ''وہ بھی درجۂ شہادت پا گئے''۔

سیدِ سجادؑ اسی طرح بالترتیب پوچھنے لگے۔امامؑ نے ایک ہی جواب میں تمام ماجرا بیان فرما دیا یعنی اس وقت خیامِ مبارکۂ اہلِ بیتؑ میں میرے اور تمہارے سوا کوئی مرد باقی نہیں ہے (لہوف، ابنِ طاؤس)۔

اس بات سے امامؑ نے پوری حقیقت سیدِ سجادؑ پر واضح فرما دی۔سید الساجدین علیہ السلام یہ سن کر بے چین ہو گئے، اور انہوں نے اپنی پھوپھی سیدہ زینبؑ سے لباسِ جنگ طلب کیا کہ خود ناپاک دشمن سے جا کر مبارز طلب ہوں۔لیکن بخار نے پھر

شدت کی اور بستر پر گر کر غش کر گئے۔ سید الشہداء علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔

امام حسینؑ کی رُخصتِ آخر اور سپردگیٔ رموزِ امامت

خیمۂ سیدِ سجاد علیہ السلام سے نکل کر امامؑ نے زینبِؑ عالیہ سے وداع کرتے ہوئے فرمایا کہ اب پھر نہ مل سکیں گے۔ یہ ملاقاتِ آخری ہے۔ اس کے بعد روزِ حشر مادرِ گرامی و پدرِ بزرگوار کے سامنے ملاقات ہوگی۔ زینبِؑ عالیہ کس طرح اس رخصت کو برداشت کر پاتیں کہ وہ خود بھی سنگینیٔ حالات میں شامل تھیں۔ تاہم امامِؑ مظلوم نے ضروری باتیں اپنی شریکِ کار بہن سے کیں، امامؑ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے مراحل کے بارے میں وصیت فرمائی، رموزِ امامت ثانیِ زہراؑ کے سپرد فرمائے تا کہ مناسب و صحیح موقعہ پر آپؑ کے بعد امام اور آپؑ کے جانشین کے سپرد کر دیں۔ اسی طرح بچوں، ان کی حفاظت اور کاروانِ اسیران کی سرپرستی سے متعلق زینبِؑ کبریٰ کو نصائح گوش گزار فرمائیں اور اُن پر عمل کرنے کا عہد لیا۔

اس ملاقات کے اختتام پر امامؑ نے اپنا دستِ مبارک ثانیِ زہراؑ کے دل پر رکھا (ایک روایت کے مطابق یہ سب کام آپؑ نے شبِ عاشور انجام دیا) اور گویا صبر و تحمل و حلم کی ایک دنیا قلبِ خواہر میں بھر دی۔ ثانیِ زہراؑ کو سکون ہوا، آپؑ نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کئے اور امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام) ''حسینؑ! بہن کی جان! آگے بڑھو، تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ میں اللہ کی راہ میں اُس کی رضا پر صبر کروں گی''[1]۔

1۔ آگے چلنے سے پیشتر ایک سوانح نگار کی حیثیت سے ہم کچھ عرض کرنا چاہیں گے تا کہ ہمارے قارئین سوانح نگار کی مشکلات اور مجبوریوں کا کسی قدر اندازہ لگا سکیں۔ ہم ثانیِ زہراؑ کی سوانحِ حیات کو سپردِ قلم کرتے ہوئے اب اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہمارے موقعہ کی مشکلات آگے بڑھنے کے معاملہ میں زنجیرِ پا بنی ہوئی ہیں۔ خود اپنے شکستہ الفاظ کو رابطہ کی صورت میں مجتمع کرنے کی بجائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم جناب سید ریاض علی ریاض صاحب مرحوم کے الفاظ پیش کریں جو ہماری صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور جن کا اظہار انہوں نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''شہیدِ اعظم'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔ سید ریاض علی ریاض صاحب لکھتے ہیں:

''ہماری دانست میں جو کچھ لکھا جانے والا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو لکھا جانا چاہئے تھا۔ وہ حیثیت جو اس وقت سوانح عمری کی ہونی چاہئے ایک تیرہ صدی قبل گزرے ہوئے بزرگ کے متعلق مرتب ہونی دشوار ہے۔ آسان ہوتا اگر ان مشاہیر کے اندازِ رفتار، گفتار، شغل، پسندیدگی، معاملت وغیرہ وغیرہ کی حکایتیں پوری حیثیت اور آسانی سے دستیاب ہوتیں اور اگر کوئی واقعہ ہوتا تو اس کے اسباب محنت اور سمجھ داری سے مرتب کئے ہوئے ملتے جس سے ہر شخص کو نتیجہ نکالنا سہل ہوتا۔ وائے بہر حال اس بزرگ کے جس کی سوانح عمری لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(جاری)

اس کے بعد امام عازمِ میدان ہوئے۔ ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ عمر ابنِ سعد کے لشکر سے صدائے جشن و شادمانی بلند ہوئی۔ یہی وہ موقعہ تھا جب زینبؑ عالیہ نے اپنے بھائی کو دشمن کی تلواروں کے نرغہ میں پایا اور امامؑ نے بہن کو خیمہ میں واپس جانے کا حکم دیا۔ آپؑ خیمہ میں آگئیں۔ تھوڑی دیر بعد اُسی صدائے شادمانی نے پھر شہزادی کو متوجہ کیا۔ پردۂ در کو اٹھایا اور دو جاں سوز کیفیات کو مشاہدہ کیا:

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) ''اُس کی دشواریاں سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ایک بات ہو تو کہی جائے۔ وہ شخص جس سے اور جس کے خاندان سے ملکی، مذہبی، معاشرتی مخالفت اور مغائرت پیدا کرنے کے لئے کُل کوششیں صرف کی گئیں اُس کی پوری حالت لکھنے کا تو وہی دعویٰ کرے جس نے مخالف گروہ کے وہ خفیہ احکامات دیکھے ہوں جو عاملوں کو دیئے گئے اور جنہیں زر پاشی سے غیروں کو اپنا فدائی بنا لینے کا طریقہ معلوم تھا اور جو اُن کل ممکن وسائل کو جو اُن کی غرض پوری کرنے کے لئے بکار آمد ہو سکیں، صرف کرتے تھے۔ بہت سی دستاویزیں جو مکمل حیثیت سے واقعہ کے سمجھنے میں معین ہوتیں ایک آدھ فقرے سے زیادہ نہیں ہیں.....اس کے ملزم ہم نہیں ہیں کہ کیوں ہماری تاریخ پوری نہیں ہے۔ حکومت ہماری تاریخ پر قابض تھی۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہم اکثر مقامات پر لنگڑے لولے واقعات کو مسلّم واقعات سمجھ کر آگے بڑھنے پر مجبور ہوں گے۔

''وہ واقعات جو حسینؑ کو سمجھنے میں مدد دیتے اُنہیں جہاں متذکرہ صدر دشواریوں کا سامنا ہے وہاں متعصب مؤرخین کی ناانصافی اور غلط اندازی سے کم مقابلہ نہیں ہے یا اسی طرح کی اور بغض، حسد اور ذلیل نمائشِ تحقیق میں ڈوبی ہوئی کوششیں جن سے اثر زائل کرنے کی آمادگی ظاہر کی گئی''۔ (شہیدِ اعظم، جلد اوّل، ص ۳۷، ۳۸)

اپنی ان دشواریوں کے احساس کے تحت ہم ایک بار پھر علامہ غدیری صاحب کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' کا سہارا لیتے ہیں تاکہ کربلا کے عظیم بھائی اور بہن کی رُخصتِ آخر کے واقعات کو ایک جید دانائے رموز کی سند حاصل ہو جائے اور ہمارے موقعہ کی دشواری بھی سمجھ میں آسکے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

''جب نواسۂ رسولؐ نے دیکھا کہ اب کوئی ناصر و مددگار باقی نہیں رہا اور سب قریبی و ساتھی شہید ہو گئے تو خود میدان کی طرف جانے کا عزم کیا اور اپنے اہل و عیال سے آخری وداع کے لئے رسولؐ زادیوں کے خیموں میں آئے۔ سب سے پہلے اپنی شریکِ مقصد بہن زینبؑ اور بیمارِ کربلا زین العابدینؑ کے پاس آئے......امامؑ نے مخدراتِ عصمت کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ آنے والی مصیبتوں کیلئے اپنے حوصلے بلند رکھو اور جان لو کہ ذاتِ کردگار تمہاری محافظ و ضامن ہے، وہی تمہیں دشمنوں کے شر سے بچائے گا۔

''آخری وداع کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا:

''اے سکینہ، اے فاطمہؑ، اے زینبؑ، اے اُمِ کلثوم! تم سب پر میرا آخری سلام ہو۔ اس دنیا میں یہ ہماری آخری (جاری)

1۔ حسینؑ مظلوم کا سر نوکِ نیزہ پر دیکھا اور،

2۔ دشمن کا ہجوم خیمہ گاہ پر حملہ آور تھا۔

یہاں سے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے جہادِ اصلی کا آغاز ہوا۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ملاقات ہے اور اب جنت میں ملیں گے........

''اس کے بعد امامؑ نے مستورات کو حکم دیا کہ اپنی چادریں مضبوطی سے اوڑھ لیں اور اپنے چہروں کو اچھی طرح ڈھانپ لیں۔ سیدہ زینبؑ نے اس خصوصی وتاکیدی حکم کا راز پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: 'میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب تمہیں قیدی بنا کر لے جایا جائیگا اور یہ اشقیاء رسیوں میں جکڑ کر تمہیں اس طرح کھینچیں گے کہ تم جس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں اور یہ لوگ تمہیں سخت سے سخت تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے۔

''سیدہ زینبؑ نے امامِ وقت کی زبان سے یہ ہولناک خبر سنی تو بے ساختہ گریہ کناں ہوگئیں اور آہیں بھرتے ہوئے کہا: 'ہائے ہماری مصیبت! ہائے ہماری قسمت'!........

''امام حسینؑ نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: 'اے علیؑ کی شیر دل بیٹی! مصیبت کی اس گھڑی میں صبر وتحمل اختیار کرو کیونکہ تمہارے امتحان کی منزلیں اب شروع ہونے والی ہیں۔

''امامؑ اپنی دُکھیا بہن کو تسلیاں دے کر خیمہ سے باہر آنے لگے تو غمزدہ بہن نے مظلوم بھائی کا دامن تھام لیا اور کہنے لگیں:

'' 'بھائی! ذرا ٹھہر جایئے تاکہ میں جی بھر کر آپ کو دیکھ لوں۔ بھائی! میں کس طرح آپ کو رخصت کروں جبکہ اس دنیا میں پھر تمہیں نہ دیکھ پاؤں گی'.......

''امامؑ نے سب بیبیوں کو تسلیاں دیں اور صبر کی تاکید کرتے ہوئے انہیں اپنے اپنے خیموں میں چلے جانے کا حکم دیا۔

''جب سب بیبیاں اپنے اپنے خیموں میں چلی گئیں تو امامؑ نے زینبِ کبریٰ کو خاص طور پر دوبارہ بلایا اور انہیں صبر وتحمل کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

'غم والم میں صبر واستقامت سے کام لینا بارگاہِ الٰہی میں باعثِ عزت ہے اور خدا نے صابرین کیلئے عظیم اجر مقرر فرمایا ہے اور صبر کرنے والے نیک سیرت لوگ ہی خدا کی عنایات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ خدا نے صبر کرنے والوں کو اپنا مقرب قرار دیا ہے'۔

''امامؑ کی تاکید وتلقینِ صبر سے سیدہ زینبؑ کے دل کو تسکین ملی اور آپؑ کے چہرہ پر تقربِ الٰہی کے حصول کی اُمید چمک اٹھی جس سے کرب وحُزن کے آثار فرح وسرور میں بدل گئے۔ چنانچہ سیدہ زینبؑ نے امامؑ سے کہا: (جاری)

۴۔ شبِ یازدھم یعنی شامِ عاشور کے بعد

سیدالشہداءعلیہ السلام کے شہید ہوتے ہی ثانیِ زہرؑا کا جہاد شروع ہوتا ہے جہاں ایک بہت بڑے جہاد کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ جہاد تھا خونِ ناحق کی اشاعت اور پیغام کا۔ ثانیِ زہرؑا کے ذمہ اب یہ فرض تھا کہ واقعۂ کربلا کو گوشِ تاریخ تک پہنچائیں اور مستقلاً اس واقعہ کو اوراقِ تاریخ پر ثبت کریں۔ اس میں شک نہیں کہ دشمن نے اس واقعہ کی تفصیلات رقم کرنے اور اُسے حوالۂ تاریخ کرنے کیلئے اپنے وقائع نگار ملازم رکھے ہوئے تھے لیکن اُن کی یہ کارکردگی بے کار ثابت ہوئی کیونکہ زینبؑ عالیہ نے اُن

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

'' 'اے میرے ماں جائے! اب میرا دل مطمئن ہو گیا ہے اور میری آنکھوں میں ٹھنڈک آ گئی ہے۔ آپ انشاء اللہ مجھے اپنی توقعات کے مطابق پائیں گے'۔

''امامؑ نے جب میدان کی طرف روانہ ہونا چاہا تو دائیں طرف بھی دیکھا اور بائیں طرف بھی دیکھا مگر کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔ امامؑ نے دردبھری آواز کے ساتھ پکار کر کہا: '' 'کوئی ہے جو مجھے گھوڑے پر سوار کرائے'!

''سیدہ زینبؑ نے امامؑ کی مظلومانہ صدا سنی تو خیمہ سے باہر آئیں اور آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگیں تھام لیں اور بھائی کو سوار کرایا۔ سوار کراتے وقت زینبؑ عالیہ نے امامؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

'' ' آپ اس عالمِ غربت میں کس کو پکار رہے تھے، کون ہے جو آپ کی نصرت کو آئے؟ آپ کی مظلومانہ صدا نے میرے دل کو چیر ڈالا ہے'۔'' (ص۱۸۹تا۱۹۲)

اسی منظر کی تصویر کشی میر انیسؔ مرحوم نے اس طرح کی ہے:

حسینؑ جبکہ چلے بعدِ دوپہر رَن کو کوئی نہ تھا کہ جو تھامے رکابِ توسن کو
سکینہؑ جھاڑ رہی تھی عبا کے دامن کو حسینؑ چپکے کھڑے تھے جھکائے گردن کو
نہ آسرا تھا کوئی شاہِؑ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

اس کے بعد رُخصتِ امامؑ کے وقت علامہ غدیریؔ مدظلۂ حالتِ خیام تحریر فرماتے ہیں، مخدرات کی بے قراری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیدہ زینبؑ کہنے لگیں: 'بھائی! مجھے ماں کی وصیت یاد آ گئی ہے جو انہوں نے آپ کے بارے میں کی تھی'۔ (جاری)

کے تحریر کردہ واقعات اور نقوش کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا 1۔

زینبؑ عالیہ نے نوحہ و مرثیہ، اپنے خطابات و مکالمات کے ذریعہ روزمرہ کے حادثات کے بیان اور واقعات کی ایسی تشریح پیش کی کہ دنیا سمجھ گئی کہ کربلا میں کیا ہوا اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ نے اپنے آپ کو کس قدر پستی و رذالت کے گہرے کنویں میں ڈبو دیا ہے! علیٰ ہذا القیاس دُنیا نے جان لیا کہ یہ حسینؑ جس کے ساتھ یہ تمام مظالم روا رکھے گئے، کون ہے، کس خاندان سے ہے،

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''ماں کا نام سن کر امامؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمایا:

'' 'مادرِ گرامی نے میرے بارے میں آپ کو کیا وصیت کی تھی؟'

''حضرت زینبؑ نے فرمایا: 'مادرِ گرامی نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ میں آپ کی گردن کا بوسہ لوں کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جس کے بوسے نانا رسولِ خدا لیتے تھے'۔

''امام حسینؑ آگے بڑھ کر جھک گئے۔ زینبؑ عالیہ نے بھائی کے گلے کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ پھر دونوں بہن بھائی آپس میں گلے مل کر زار و قطار روئے۔ بالآخر امامؑ نے اپنی غمزدہ بہن کو تسلیاں دیں اور خیمہ میں چلے جانے کی تاکید کی۔ زینبؑ خیمہ میں چلی گئیں اور امامؑ میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ (ناسخ التواریخ، حیاۃ السیدہ زینبؑ ص ۱۶۱۔ ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' ص ۱۹۴)

حاشیہ صفحۂ ہذا۔

دشمن دیکھ رہا ہے کہ یہ گھرانہ عجیب گھرانہ ہے۔ ''مصائب اور صدمات کے پہاڑ جن عورتوں کے سر پر چند گھنٹوں کے اندر ٹوٹ پڑے، جن کی بے کسی اور بے بسی دشمن کا کلیجہ توڑے دے رہی ہے، ان کے چہروں پر خوف و ہراس، بدحواسی اور نا امیدی کا پرتو بھی تو نہیں ہے۔ وہ نڈر ہو کر مقابلہ کر رہی ہیں بدباطن دشمن سے، اور ایک شیر صفت بوڑھی خاتون، جس کا چہرہ نورِ باطنی سے چاند کی طرح چمک رہا ہے، چاروں طرف پھر رہی ہے، اپنے قافلہ کی ہمت بندھاتی اور حفاظت کرتی، کبھی وہ زخمی بھتیجی کو کلیجہ سے لگاتی ہے اور کبھی اُس شقیِ ازلی کو ڈانٹتی ہے جس نے حسینؑ کی ننھی معصوم بچی پر یہ ظلم ڈھایا ہے.......... کبھی بیمار بھتیجے کے خیمہ میں جا کر اُسے ہوشیار کرتی ہیں: 'بیٹا حسینؑ شہید ہو گئے۔ اب تم امامِ وقت ہو۔ ہوشیار ہو اور اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ دیکھو دُشمنوں نے خیموں میں آگ لگا دی۔ اب ہمیں کیا حکم ہے، جلتے خیموں میں مر جائیں یا ان خیموں سے باہر چلے جائیں!'

''.......حسینؑ کا جہاد ختم ہو چکا۔ وہ مقتول فاتح خاک و خون میں ملبوس صحرائے کربلا میں سو رہا ہے، اپنی فوج کے ساتھ۔ زینبؑ کا جہاد شروع ہو گیا جو اپنی نہتی فوج کی حفاظت کر رہی ہیں۔ حق و باطل کی جنگ حسینؑ نے شروع کی اور اُس کی تکمیل زینبؑ کر رہی ہیں مگر اُس فوج میں حسینؑ جیسا قائد تھا......اور اِس فوج میں دل شکستہ بیوگان ہیں، بدنصیب نوجوان لڑکیاں ہیں، یتیم ننھی بچیاں ہیں، (جاری)

اِس کی عظمت کا مقام کس قدر بلند ہے اور دشمن نے کس قدر ضلالت اور بُری سیرت کا مظاہرہ کیا ہے! لوگوں نے جان لیا کہ امام حسین علیہ السلام کس اصول کی حفاظت کیلئے کربلا آئے تھے، انہیں اہلِ عراق نے کس لئے بلایا تھا اور سید الشہداء علیہ السلام کو دعوت دے کر انہوں نے آپؑ کی مہمان نوازی میں اپنی رذالت کو ظاہر کیا تھا؟

دُشمن کی کینہ پرور پست فطرت

سفلہ صفت دشمن نے امام حسین علیہ السلام کے خلاف اپنی شخصی دشمنی کی تمام حدود ختم کر دیں۔ اگر نواسۂ رسولؐ خدا کے قتل کی وجہ یزید کی بیعت سے انکار تھا تو دشمن نے قتلِ حسینؑ سے اپنے اس مقصد و ہدف کو حاصل کر لیا تھا۔ خواتین سے یزید کی بیعت لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا، نہ ہی یہ کوئی بنائے مخاصمت تھی۔ بچوں سے اس قسم کے مطالبہ کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں خواتین اور ننھے ننھے بچوں کو ظلم و جور کا تختۂ مشق بنانے کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے!

ظالم دشمن نے تین دن تک خاندانِ علیؑ پر پانی بند رکھا[1]۔ شاید کسی جنگی حربہ کے طور پر اس بات کی کوئی توجیہہ نکل سکتی ہو، وہ بھی شاید اس لئے کہ مقابل فوج کی جنگجو سپاہ کو اس طرح کمزور کرنا مقصود ہو، اس طرح ممکن ہے کہ خواتین اور بچوں کو بھی اس اذیت سے گزارنا صحیح جانا جائے۔ پھر بھی خیام کو آگ لگا دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ شہیدانِ راہِ خدا کے جسموں پر گھوڑے دوڑا دینے کا کیا بہانہ ہوگا؟ حقیقت یہی ہے کہ روزِ عاشور عصر کے وقت خیام حسینی کو نذرِ آتش کیا گیا، خواتین اور کم سن بچوں کو خوفزدہ و

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) بھوکے پیاسے شیر خوار بچے ہیں اور ہاں ایک بیمار اور کمزور نوجوان مرد ہے۔ مگر کیا جگر تھا اس فوج کی رہنما کا، کس بلا کی قوتِ برداشت اور خود اعتمادی، قوتِ ایمانی اور شجاعت و بے خوفی تھی اس قائد میں کہ ایک لمحہ کے لئے اُس کے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اُس کا لائحۂ عمل اُس کے ذہن میں بالکل صاف تھا۔ میدانِ جنگ کا نقشہ دماغ میں پہلے ہی مرتب ہو چکا تھا۔ دُشمنوں کو مغلوب کرنے کے گُر وہ جانتی تھیں اور اپنی فتح پر یقینِ کامل رکھتی تھیں''۔ (خاتونِؑ کربلا: صالحہ عابد حسینؑ، ص ۱۶، ۱۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

(حاشیہ صفحۂ ہذا): تاریخ بتلاتی ہے کہ بندشِ آب کا عمل یقیناً یزید کو اپنے پدرِ بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا کیونکہ میدانِ صفین میں فوجِ امیر المؤمنین علیہ السلام سے پہلے پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا کہ آپؑ کی فوج کو دریا کے استعمال سے روک کر کمزور کرنے کی کوشش کی تھی۔ اِدھر کردارِ امیر المؤمنین علیہ السلام یہ تھا کہ بزورِ شمشیر دریا کا قبضہ چھین لینے کے بعد آپؑ نے حکم دیا کہ دُشمن کی فوج پر ہرگز یہ پابندی نہیں ہوگی۔ جہاں تک باقی مظالم کا تعلق ہے اگر انہیں یہ موقعہ مل جاتا تو یقیناً کسی طرح یزید سے وہ پیچھے نہ رہتے۔ یہیں سے بنی اُمیہ و بنی ہاشم کے کردار کا واضح فرق اوراقِ تاریخ پیش کرتے ہیں، جہاں ایک طرف ہر قسم کا ظلم متوقع ہے اور دُوسری طرف شرافت ہی شرافت ہے، (مترجم)۔

مضطرب کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کئی بچے بیابان میں گم ہو گئے۔ اُن میں جو باقی بچے، وہ بھی دشمن کے جور وظلم سے محفوظ نہ تھے۔ اموالِ اہلِ بیتؑ کو غارت کیا گیا، بچوں کے کانوں اور ہاتھ پاؤں سے زیورات چھین لئے گئے، ایک معصوم بچی کے کان زخمی کئے گئے، ایک اور بچی کو کوڑے مارے گئے، وغیرہ وغیرہ۔

بچوں نے ثانیِ زہرؑا کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینا چاہی لیکن وہ تو خود ہی دشمن کے ظلم کا نشانہ تھیں۔ تفصیلِ ظلم و جور کیسے بیان ہو اور تنِ تنہا زینبؑ عالیہ آخر کیا کرتیں، تاہم بچوں کو حوصلہ دلاتی ہیں کہ میرے بچو! مت ڈرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا کیا ذمہ داریاں اس مخدومۂ عالیہ کے ذمہ ہیں! سیدِ سجاد علیہ السلام کی حفاظت جن کے نیچے سے بسترِ بیماری کھینچ کر انہیں زمین پر ڈال دیا گیا، آتش زدہ خیام کا جمع کرنا کہ شب کو اُن میں پناہ ممکن ہو، گم شدہ بچوں کی تلاش، اُن کا شمار اور حفاظت ___ یہ سب فرائض اور تنہا ثانیِ زہرؑا!

شبِ تنہائی

محرم کی گیارہویں شب آن پہنچی۔ یہ بہت بڑی المناک اور طویل رات تھی 1۔ شدتِ مصائب کی انتہا نہ تھی۔ بچے

1۔ شبِ یازدہم کے حالات اور اس شب میں ثانیِ زہرؑا کی مصروفیات و ذمہ داریاں بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس رات کے حالاتِ اہلِ بیتِؑ رسولؐ کے بارے میں کچھ تاریخی شواہد مختصراً پیش کر دیں تا کہ ان واقعات کی نوعیت و اثرات کا قاری کو اندازہ ہو سکے۔ جنابِ ثانیِ زہرؑا کی سب سے پہلے ذمہ داری سید الساجدین علیہ السلام کو ظالموں کی دست برد سے بچانا تھا۔ جسٹس امیر علی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"The grand-daughter of Mohammad, Zainab the sister of Husain, shielded her youthful nephew from the Ommeyyades after the butchery of Karbala. Her indomitable spirit awed equally the ferocious Obaidullah ibn Ziyad and the pitiless Yazid". (Spirit of Islam, p.250).

''کربلا کے بہیمانہ قتلِ عام کے بعد حضرت محمد مصطفٰےؐ کی نواسی زینبؑ، خواہرِ حسینؑ نے اپنے نوجوان بھتیجے کو بنی امیہ سے بچایا۔ ان کے غیر متزلزل جذبہ کے مقابلہ میں سفاک عبید اللہ ابنِ زیاد اور بے رحم یزید دونوں یکساں خوفزدہ تھے''۔

یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"No event in history surpasses in pathos the scenes enacted on this spot. (Karbala). Husain's apprehensions of betrayal proved to be only too true. He was overtaken by an Ommyeade army under the brutal and ferocious (جاری)

خوف واضطراب سے سوتے نہ تھے۔ بچے اور بیبیاں اپنے شہداء کی یادِتازہ اور دشمن کے وحشی پن کے پیشِ نظر دردناک ترین اذیت میں وقت گزار رہی تھیں۔ ان حالات میں زینبؑ کبریٰ پلک بھی نہ جھپکنے پائیں۔ کربلا کے پس ماندگان کی سرپرستی اور خیام کی حفاظت میں مصروف رہیں۔ بچوں اور خواتین کو دیکھ رہی ہیں کہ کسی طرح انہیں آرام نصیب نہیں، گویا موت کا سنگین ہاتھ اُن کی گردن پر ہو۔ بعض بچے خیمہ میں سونے سے خوفزدہ ہیں مبادا کہ دشمن پھر حملہ کر دے۔ غرضیکہ ایک بے سروسامانی اور آشفتگی کا عالم تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

Obaidullah-ibn-Ziyad. For days their tents wer surrounded; and as the cowardly hounds dared not come within the sword of Ali's son, they cut the victims off the waters of the Tigris. In a conference with the Chief of the enemy, Husain proposed the option of three honourable conditions: that he should be allowed to return to Madina, or be stationed in a frontier garrison against the Turks, or safely conduncted to the presence of Yazid."

ان متبادل تجاویز کے سلسلہ میں یہی مؤرخ مندرجہ ذیل نوٹ دیتے ہیں:

"The author of 'Rauzat-us-Safa', after stating the above, adds that an attendant of Husain, who by chance, escaped the butchery of Karbala, denied that his master, so far as he was aware, ever made any such proposal to the Ommeyyade leader. It is possible, however, that such denial was made in order to show that Husain did not lower himself by proposing terms to the enemy. To my mind, however, it detracts in no way from the grandeur of Husain's character that he proposed terms to the Ommeyyades".

ترجمہ: ''مندرجہ بالا واقعات رقم کرنے کے بعد روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا ایک خادم جو اتفاق سے کربلا کے قتلِ عام سے زندہ بچ گیا تھا، اس بات کا قطعی انکار کرتا ہے کہ، جہاں تک اُسے علم ہے، اس کے آقا نے بنی امیہ کے سالارِ لشکر کے سامنے کوئی ایسی شرائط پیش نہیں کی تھیں، بلکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ اس انکار سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ امام حسینؑ دشمن سے شرائط طے کر کے اپنے وقار کو ٹھیس پہنچانا نہ چاہتے تھے۔ بہر حال میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ بنی امیہ سے شرائط طے کرنے میں امام حسین علیہ السلام کے وقار و تمکین کو کسی طرح کا کوئی خدشہ نہیں''۔

"But the commands of the Ommeyyade tyrant were stern and (جاری)

عرصہ کے بعد انہیں کسی قدر پانی وغذا پہنچائی گئی لیکن اسے کھانے کیلئے بھی تو حوصلہ وسکون کی ضرورت تھی۔ چند بچوں کے سوا کسی نے کچھ نہ کھایا اگرچہ سب بھوکے تھے۔اُن کے خیام تاریک اور چراغ ہائے امید بجھ چکے تھے اور مزید مصائب کا خوف اور توقع مارے ڈالتی تھی۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

inexorable___ that no mercy should be shown to Husain or his party, and that they must be brought as criminals before the 'Caliph' to be dealt with according to the Ommeyyade sense of justice.......They cut off his head, trampled on his body, and subjected it to every ignominy in the old spirit of Hind....... 'In a distant age and climate', says Gibbon, 'the tragic scene of the death of Husain will, shaken the sympathy of the coldest reader.'.....

"Thus fell one of the noblest spirits of the age, and with him perished all the male members of the family, ___ old and young, ___ with the solitary exception of a sickly child, whom Husain's sister Zainab saved from the general massacre. He too, bore the name of Ali; and in after life received the noble designation of Zain-ul-Abidin. (Spirit of Islam, p.301/302).

ترجمہ از حاشیہ ''ص ۲۷ روضۃ الصفا'' کے نوٹ کے ترجمہ کے علاوہ:

''تاریخ کا کوئی واقعہ سوز وگداز اور رقت انگیزی میں اس سانحہ کی برابری نہیں کرسکتا جو اس مقام (کربلا) پر واقع ہوا۔امام حسینؑ کے (کوفیوں کی) غداری کے بارے میں تمام تصورات بہت زیادہ درست ثابت ہوئے۔عبیداللہ ابنِ زیاد کے بہیمانہ وسفاکانہ احکام کے تحت ایک اموی فوج نے انہیں راستہ ہی میں آلیا۔کئی روز تک ان کے خیام کا محاصرہ جاری رہا اور چونکہ وہ بزدل وذلیل محاصرہ کرنے والے علیؑ کے فرزند کی تلوار کے دائرۂ اثر میں آنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ان حضرات کو دریائے دجلہ (فرات) کے پانی کے استعمال سے روک دیا۔سالارِ فوجِ یزید سے ایک ملاقات کے دوران امام حسینؑ نے تین باعزت وباوقار شرائط پیش کیں:

1۔ انہیں مدینہ واپس جانے دیا جائے؛ 2۔ ترکوں کے خلاف فوج میں کسی مناسب مقام پر بھیج دیا جائے؛

3۔ حفاظت کے ساتھ یزید کے پاس پہنچا دیا جائے۔

(ان شرائط کے بارے میں ہم اسی حوالہ کے نیچے روضۃ الصفاء کا حوالہ تحریر کر چکے ہیں، مترجم)۔

لیکن بنی اُمیہ کے سفاک حاکم کے احکام بہت سخت اور بے رحمانہ تھے___ یعنی حسینؑ اور ان کے رفقاء پر کسی طرح رحم نہ کیا جائے اور انہیں مجرموں کی طرح خلیفہ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ بنی امیہ کے معیارِ انصاف کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا (جاری)

سیدہ زینبِ عالیہؑ نے وہ رات شدتِ مصائب وصدمات کی حالت میں افتاں وخیزاں کسی طرح بسر کی۔ کبھی اِدھر اُدھر پھرنے لگتیں، کبھی بیٹھ جاتیں اور کبھی نماز میں مصروف ہو جاتیں۔ آپؑ کا اہم ترین فرض سید الشہداء علیہ السلام کے پس ماندگان کے گرد پہرہ دینا، ان کی سرپرستی اور اس کے ساتھ ہی سید الساجدین علیہ السلام کی سرپرستی آپؑ ہی کے ذمہ تھی۔ کیا اس بات میں کوئی شک وشبہ ممکن ہے کہ آپؑ غم ہائے جاں سوز و جاں گسل اٹھائے ہوئے، خستہ حال و پریشان ہیں لیکن ایک احساسِ فرض

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

جائے.....پس انہوں نے امام حسینؑ کو شہید کر کے جسم سے سر جدا کر دیا، ان کے جسدِ اطہر کو پامالِ سمِ اسپاں کیا اور ان کے ساتھ (جگر خوارہ) ہند کے کردار کے مطابق ہر طرح کا شرمناک رسوائی کا طرزِ عمل روا رکھا گیا۔ 'گبن' لکھتا ہے کہ اس دور دراز زمانہ اور ماحول میں حسینؑ کی شہادت کا المیہ سنگدل ترین قاری کے دل میں بھی رقت پیدا کئے بغیر نہ رہے گا۔

''اس طرح زمانہ کی شریف ترین ہستیوں میں سے ایک کا چراغِ حیات گل ہوا اور انہی کے ساتھ اُس خاندان کے تمام مرد بوڑھے و جوان، صرف ایک نوجوان کے علاوہ، جنہیں حسینؑ کی بہن زینبؑ نے قتلِ عام سے محفوظ کیا، لقمۂ اجل ہو گئے۔ اس نوجوان کا نام بھی علی تھا جن کو حیاتِ مابعد میں 'زین العابدینؑ' کے مقدس لقب سے یاد کیا گیا۔

مناسب ہو گا اگر ہم چند جملے اسی مؤرخ کی تحریر سے پیش کریں جن سے عالمِ اسلام میں ان مظالم کے اثرات کا کچھ اندازہ ممکن ہو:

"The terrible cruelties inflicted by the Ommeyyades on the children of Fatima, the sublime patience with which they had borne their sufferings and their wrongs, had given rise to a universal feeling of horror against the tyrants, and had invested the objects of persecution, in the eyes of their followers and disciples, with a superhuman halo...And the children of Fatima, saints who had submitted to the injustice of man and devoted themselves to intellectual pursuits and the practice of religion, ____ ruled more firmly over the hearts of their followers, and enjoyed the veneration of the people to a greater degree, than the Caliph in his palace, the master of legions"___(Spirit of Islam - p.p.304-305).

''بنی فاطمہؑ پر بنی اُمیہ کے لرزا دینے والے بہیمانہ مظالم اور اول الذکر حضرات نے جس بلند و بالا و ارفع معیارِ صبر کے ساتھ ان مظالم اور ناانصافیوں کو برداشت کیا، اس سے ظالمین کے خلاف ایک عالمی جذبۂ خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی (جاری)

ہے کہ مسلسل شہزادی کو مصروف رکھے ہوئے ہے 1۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا): ہم یہاں جناب سید ریاض علی ریاضؔ صاحب مرحوم سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کرتے ہیں جو اُس وقت کی کیفیت کا آئینہ دار ہیں۔ اپنی کتاب شہیدِ اعظم جلد 2 میں لکھتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اہلِ بیتؑ پر سب سے سخت اور اندوہناک رات شہادت کی پہلی رات تھی۔ ایک رات قبل سب تھے، اب کوئی نہیں ہے۔ اسبابِ ضرورت تھا، اب اُس کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اب کیا ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ ہم گرفتار ہیں اور شام تک جائیں گے۔ اور یہ پوچھنے والا کہاں تھا کہ کتنے دن سے کھانا یا پانی تمہارے لبوں تک نہیں پہنچا ہے۔ محال ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ عالم اندوہ کا خیال کر سکے۔ کبھی کسی شریف خاندان پر اس سے زیادہ طویل رات نہیں گزری''۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ان مظالم کے تختۂ مشق حضرات کو ان کے پیروان اور ماننے والوں کی طرف سے ایک مافوق البشر حلقۂ نورانی نظر آنے لگا..... جہاں تک بنی فاطمہؑ کا تعلق ہے، وہ ایسے حضراتِ بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جنہوں نے انسانوں کے ہاتھوں ہر قسم کے مظالم کو برداشت کیا اور اپنے آپ کو علمی جستجو اور دینی خدمت کیلئے وقف رکھا۔ اس طرح انہوں نے بڑی خوبی اور کامیابی سے اپنے پیروان کے قلوب پر نہایت پختگی سے حکمرانی کی اور محلات میں مقیم خلیفہ کے برعکس جو افواج کا مالک تھا، بہت زیادہ عوام الناس کا احترام حاصل کیا''۔

یہ ہیں اثراتِ شہادتِ امام حسینؑ جو آپ کو قیامت تک کے لئے فاتح اور آپؑ کے دشمنوں کو مفتوح قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ثانیِ زہراؑ کا جہاد جو اس خونِ ناحق کی نقیب ثابت ہوئیں، روزِ عاشور، جیسا کہ ہمارے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے، ظلم کی انتہا ہوگئی اور یہ ظلم ان لوگوں پر روا رکھا گیا جو باعثِ تخلیقِ کائنات، رسولؐ کی اپنی اولاد تھے اور جنہوں نے عبادتِ پروردگار اور اپنے عظیم نانا کے عظیم دین کو بچانے کیلئے وہ کچھ کر دکھایا جس کے سلسلہ میں دنیا کے عقل مند و تعلیم یافتہ حضرات کی عقول حیران ہیں اور اُن کی عظمت کے قائل بھی۔ قارئین ذرا صنفِ نازک کی ذہنی اور جسمانی توانائیوں کو، جو فطرت کا ایک حصہ ہیں، اپنے سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ ہماری مخدومہ کا وجود بالخصوص اور کربلا کی دیگر خواتین اپنی اپنی جگہ بالعموم ایک معجزہ کی کیفیت سے کم نہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ روزِ عاشور کی لازوال رستخیز کی موجودگی میں ان مخدرات بالخصوص ثانیِ زہراؑ نے اس لشکر کی سردار کی حیثیت سے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، پھر بھی شہزادی شبِ یازدہم کو بھی اپنی نمازِ شب تک سے غافل نہیں ہوتیں۔ بہر حال ہم یہاں چند جملے جناب سید العلماء کے پیش کرتے ہیں:

''روزِ عاشور جب امامؑ رخصت کے لئے تشریف لائے تو آپ نے جنابِ زینبؑ ہی سے وہ پیراہن لے کر پہنا جسے جا بجا سے چاک کر لیا تا کہ دشمن لوٹنے کے وقت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے شاید اس پیراہن کو نہ لیں اور آپؑ کی لاش برہنہ نہ ہو۔

''اس کے بعد زینبِؑ کبریٰ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش آئے جن کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کیلئے کافی تھا۔ (جاری)

دیدارِ سید الشہداءعلیہ السلام

اسنادِ صحیح ومشہور روایات (بحارالانوار،ج3) کے مطابق گیارہ محرم کی صبح اہلِ بیتؑ کی اسیری شروع ہوئی۔شاید عمداً یا شاید ثانیِ زہراؑ کی خواہش سے اسیروں کو قتل گاہِ شہداء سے گزارا گیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ خواتین اور بچوں نے اپنے آپ کو اپنے اپنے شہیدوں کے بے سر لاشوں پر گرا دیا۔ہر ایک اپنے شہید کو پہچان کر اُس کی لاش پر نوحہ گری میں مصروف ہو گیا۔سیدہ زینبؑ عالیہ بھی جنابِ سید الشہداءعلیہ السلام کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور اس طرح گویا ہوئیں:

"یا محمداہ صلّٰی عَلَیکَ مَلِیکُ السَّماء و ....." (مناقب،ج4،ص113)۔

ہم ان کلمات کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:

"اے اللہ کے رسولؐ! آسمان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔یہ ہے آپ کا حسینؑ جو خاک وخون میں غلطاں پڑا ہے،اس کے جسم کے اعضاء پارہ پارہ ہیں،اور آپ کی بیٹیاں اسیر ہو چکی ہیں.......

"میں ان نابکار انسانوں کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں،میں ان کی شکایت محمدؐ مصطفےٰ،علیؑ مرتضےٰ،فاطمہؑ زہرا،حمزہؑ اور سید الشہداعلیہ السلام کے حضور پیش کرتی ہوں۔اے اللہ کے رسولؐ! یہ بے گوروکفن وعریاں جسمِ حسینؑ علیہ السلام ہے! ہائے افسوس! ہم پر کس قدر غم والم کے پہاڑ ٹوٹے،ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آج میرے جدِ بزرگوار نے وفات پائی ہے،اولادِ محمدؐ اسیر ہے،سرِ حسین علیہ السلام گردن سے کاٹا گیا ہے،نہ اُن کا عمامہ ہے،نہ لباس،نہ عبا،نہ رِدا......"۔

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی روانگی

ابھی ثانیِ زہراؑ اپنے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصروفِ شکوہ تھیں اور سید الشہداءعلیہ السلام کیلئے نوحہ کناں تھیں کہ سید سجادؑ کی حالت غیر ہونے لگی۔زینبؑ عالیہ نے اپنے نوحہ وبکا کو ترک کیا،سیدِ سجادؑ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی عمل کو اپنا بزرگ ترین فرض قرار دیا۔اس طرح باتیں کیں جن سے سیدِ سجادؑ کو کسی قدر سکون وآرام میسر ہو۔

اس بات میں ہرگز کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جونہی وہ بے سر اجساد اور اجسام پارہ پارہ نظر آئے تو ہر دیکھنے

(حاشیہ صفحۂ سابقہ)

بھائی کی شہادت،خیموں کی لوٹ اور پھر آتش زدگی اور اس کے بعد اسیری۔ان تمام مراحل کو جنابِ زینبؑ نے ضبط وصبر کے ساتھ طے کیا" (شہیدِ انسانیت،ص۵۵۹)۔

والے پر طوفانِ اشک ورقت نے ہجوم کیا۔ اسی گروہ میں سیدہ زینبؑ عالیہ بھی شامل تھیں جن کا دل ظاہر ہے، پتھر کا تو نہ تھا، تاہم یہ ایسا رونا نہ تھا کہ جو مستقل ہوتا کیونکہ دشمن بے انتہا کمینگی وشقاوت کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ تھا۔

اکثر خواتین اور بچے اپنے اپنے عزیزوں کی لاشوں پر اشک افشانی میں مصروف تھے، اپنے دلوں کا غبار نکال رہے تھے لیکن دشمن جلدی کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ جلدی جلدی سوار ہوں تا کہ کوفہ کی طرف روانگی شروع ہو۔ لہٰذا ظلم کی انتہا یہ ہوئی کہ لاشہ ہائے اقربا سے جدا کرنے کیلئے اسیروں پر تازیانے برسائے جانے لگے۔ اس موقع پر بھی ثانیِ زہرؑا کی قوتِ برداشت کا کمال یہ ہے کہ اس کیفیت میں بھی بچوں کو تازیانوں کی ضربات سے بچا رہی ہیں، اپنے آپ کو اُن کی سپر بنا رہی ہیں۔ اس طرح کتنے تازیانے اُس جسمِ نازنین پر پڑے ہوں گے، اس کا شمار تو ناممکن ہے مگر خود فرماتی ہیں کہ روزِ محشر اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خداؐ کے حضور اس کیفیت کو بیان کروں گی۔ تاہم اس دنیا میں اپنی پوری زندگی کے دوران ثانیِ زہرؑا نے کسی کے سامنے ان مظالم پر شکوہ نہیں کیا 1۔

1۔ ہم یہاں کسی قدر شرح وبسط کے ساتھ شبِ عاشور، اسیریٔ اہلِ بیتؑ اور اس کاروانِ نور کی کوفہ کو روانگی کے حالات کو مختلف کتب کے حوالہ جات سمیت معرضِ تحریر میں لائیں گے جس سے سنگینیٔ حالات کا کسی قدر اندازہ ممکن ہو اور اصلیت وکیفیتِ واقعہ اختصار ہی کی نظر ہو کر نہ رہ جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگی کہ سیدہؑ طاہرہ کی عظیم بیٹی کے پیشِ نظر صرف قاتلانِ سیدؑ الشہداء کی سفاکی ہی سے مقابلہ نہ تھا بلکہ سردارِ قافلہ کی حیثیت سے نہ صرف بیوگان وبچگان کا آپ کو سہارا بننا تھا، نقیبِ خونِ ناحق کا فرض ادا کرنا تھا بلکہ امامِ وقت جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کو بھی جس سہارے کی ضرورت تھی، وہ بھی آپ ہی کو مہیا کرنا تھا۔ ہم سب سے پہلے چند اقتباسات علامہ غدیری مدظلہٗ کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' سے پیش کرتے ہیں:

''بالآخر آلِ محمدؐ کی اسیری کا وقت آن پہنچا۔ گیارہ محرم کی صبح پیامِ اسارت لے کر طلوع ہوگئی۔ عقیلۂ بنی ہاشم زینبؑ کبریٰ نے بیبیوں اور بچوں کو ایک خیمہ میں جمع کر لیا تا کہ سب کو آنے والے مصائب کے لئے تیار کر سکیں۔

''صبح ہوئی تو حکمِ سفر ملا۔ بے پالان اونٹوں پر رسولؐ زادیوں کو سوار کرایا جانے لگا، رسیوں اور زنجیروں کے ساتھ مخدراتِ عصمت کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور اسی حالت میں قتل گاہ کے سامنے سے گزارا گیا تا کہ شہیدوں کی لاشوں کو دیکھ کر عورتوں اور بچوں کے دل مضطرب ہو جائیں۔ چنانچہ جب قافلۂ اہلِ بیتؑ شہیدوں کے لاشوں سے گزرا تو سیدہ زینبؑ کا دل حزن وکرب کی شدت سے کباب ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ مظلوم بھائی کی لاش کو بے گور وکفن صحرائے کربلا پر پڑا دیکھ کر رسولؐ زادی مدینہ کی طرف منہ کر کے اپنے نانا رسولؐ خدا کو پکار کر بین کرنے لگیں....... (جاری)

۵۔ اسیریٔ اہلِ بیتؑ رسولؐ

سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپؑ کے خاندان کو اسیر کرلیا گیا۔ یہ ایک ایسا امر تھا جسے اسلام میں نہایت ہی کمینہ وزشت شمار کیا جاتا ہے۔ خیال فرمائیں کہ اولادِ رسولؐ اسلام، بانیانِ مکتبِ حق وصداقت، مقامِ وحی کے پرورش یافتہ، دشمن کے اسیر قرار پائیں؟ بہرحال ایسا ہوکر رہا۔ ڈاکٹر آیتی اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''زینبؑ کبریٰ کے درد بھرے بین سن کر رسولؐ زادیوں کی چیخیں نکل گئیں اور ہر طرف سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ مخدراتِ عصمت کو زاروقطار روتا دیکھ کر سیدہ زینبؑ خاموش ہوگئیں اور اپنی صدائے غم کو دل ہی میں چھپالیا۔

''امام زین العابدینؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار مظلومِ کربلا، سید الشہداء علیہ السلام اور دوسرے شہیدوں کی لاشوں کو بے گوروکفن صحرائے نینوا پر پڑا دیکھا تو اپنے اوپر قابو نہ پاسکے...... سیدہ زینبؑ کبریٰ زین العابدینؑ کو تسلیاں اور دلاسے دینے لگیں اور فرمایا:

''اے خاندانِ نبوت وامامت کے چشم وچراغ! آپ کیوں اس قدر مضطرب وحزیں ہوگئے ہیں؟ خدا کی قسم! یہ سب کچھ تقدیرِ الٰہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کا عہد خداوندِ عالم نے آپ کے جدِ بزرگوار اور پدرِ ذی وقار سے لے لیا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں، خدا ہمارے مظلوم شہیدوں کی تکفین وتدفین کا مقدس کام ایسے باعظمت اہلِ ایمان کے ذریعہ انجام دے گا جن سے خداوندِ عالم نے عالمِ ارواح میں وعدہ لیا ہے اور اشقیاء فرعون صفت لوگ انہیں قطعاً نہیں پہچانتے۔ وہ لوگ ایسے ہیں جنہیں عرش کے مکین جانتے اور پہچانتے ہیں۔ وہی ہمارے شہیدوں کے قطع کئے ہوئے اعضاء کو اکٹھا کرکے عزت واحترام کے ساتھ دفن کریں گے اور آپ کے پدرِ بزرگوار مظلومِ کربلا کے مرقدِ اطہر پر ایسی نشانی قائم کریں گے جسے روزِ قیامت تک بڑی سے بڑی طاقت بھی مٹا نہ سکے گی اور نہ ہی گردشِ لیل ونہار اس کی تازگی پر اثر انداز ہوسکے گی۔ البتہ کفر وضلالت کے پروردہ سلاطینِ جور امامِ مظلوم کے نشانِ قبر کو مٹانے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کردیں گے لیکن نہ صرف اُن کی مذموم حرکتیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گی بلکہ حسینؑ کا نام مزید سربلند ہوجائے گا......''۔ (کامل الزیارات، ص۲۶۱)۔

''یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام وہ سب باتیں، جو سیدہ زینبؑ نے بتائیں، خود اچھی طرح جانتے تھے، لیکن غم واندوہ کی شدت کے عالم میں اُن کی یاد آوری بیمارِ کربلا کے دل کی ڈھارس بنی اور احساسِ کرب کم ہوگیا''۔

''سیدہ زینبِ کبریٰ فرماتی ہیں کہ جب میرے مظلوم بھائی حسینؑ کو شہید کردیا گیا تو اشقیاء نے خیامِ اہلِ بیتؑ پر دھاوا بول دیا اور خیموں میں پڑے ہوئے سازوسامان کو لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ ایک نیلی آنکھوں والا طویل القامت شخص میرے خیمہ میں گھس آیا اور خیمہ میں جو کچھ موجود تھا وہ اٹھا کر لے گیا۔ پھر اُس نے جنابِ زین العابدینؑ کی طرف رخ کیا اور دیکھا کہ بیمارِ کربلا ایک (جاری)

''بنی اُمیہ کی غاصب حکومت کی سب سے بڑی سیاسی غلطی وحماقت یہ تھی کہ انہوں نے رسولؐ اکرم کے اہلِ بیتؑ کو اسیر کیا۔قافلۂ اہلِ بیتؑ کی اس مظلومانی کیفیت سے انہوں نے بنی امیہ کے پیکرِ فاسد پر خود اپنے ہاتھوں سے ضربِ کاری لگائی اور اپنی حکومت کے سقوط وزوال کیلئے اسباب فراہم کردیئے (بررسی تاریخِ عاشورا،ص 87)۔

ظالموں کا خیال تھا کہ چند ایک زبوں حال وپریشان صورت افراد کو اسیر کر کے اور دربدر پھرا کر جگہ جگہ اپنی طاقت وقوت کو ثابت کریں گے۔لیکن انہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ ان اسیروں کا ہر فرد طاقتور مبلّغ ہے،اسلام کی تبلیغ کی ماہر ہے اور اپنی زبانوں پر کلامِ ربانی کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد زینبؑ عالیہ نے اپنے فرائض متعین کر لئے تھے۔انہوں انے اُس وقت لائحۂ عمل طے کرلیا تھا جب مغرور ومتکبر دُشمن اپنے ظلم میں مصروف تھا اور یہ سوچ بھی نہ پایا تھا

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔اُس شقی نے وہ چٹائی اتنے زور سے کھینچی کہ زین العابدینؑ زمین پر گر پڑے۔پھر وہ شخص میری طرف متوجہ ہوا اور اُس نے میری چادر کھینچ لی اور میرے کانوں کے گوشوارے زبردستی اور نہایت زور کے ساتھ اتار لئے۔لیکن یہ مذموم عمل انجام دیتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔میں نے اس سے پوچھا: تو لوٹتا بھی ہے اور روتا بھی ہے،اس کی کیا وجہ ہے؟''اُس نے جواب دیا: ''لوٹتا میں اس لئے ہوں کہ اگر میں نہ لوٹوں گا تو کوئی اور آ کر لوٹ لے گا اور روتا اس لئے ہوں کہ رسولؐ خدا کی اولاد کس طرح مظلوم وبے بس ہو چکی ہے.....''۔

''اس کے بعد زینبؑ کبریٰ بیمارِ کربلا کے قریب آئیں اور دیکھا کہ خیمہ سے آگ کے شعلہ بھڑک رہے ہیں۔دروازۂ خیمہ پر کھڑی ہو کر اولادِ رسولؐ کی مظلومیت پر زار وقطار رونے لگیں۔اسی اثناء میں ایک شخص اُن کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سیدہؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ''اے بی بی! آپ یہاں آگ کے شعلوں میں کیوں کھڑی ہیں جبکہ سب بیبیاں دور ہٹ گئی ہیں؟'' حضرت زینبؑ نے فرمایا: ''اے شخص! اس خیمہ میں ہمارا ایک بیمار موجود ہے اور وہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔میں آگ کے ان شعلوں میں کس طرح اسے اکیلا چھوڑ کر جا سکتی ہوں؟''

''حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ یہ کہہ کر وہ معظمہ آگ کے شعلوں کی پرواہ کئے بغیر خیمہ کے اندر کود پڑیں اور ایک بیمار کو کندھے پر اٹھا کر باہر آگئیں۔جب باہر آئیں تو ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جنازہ اٹھا کر لا رہی ہوں اور اُس بیمار کے پاؤں زمین پر لگ رہے تھے۔(الطراز الذھب،ص ۱۷۵)۔(ص ۲۱۲ تا ۲۲۰)۔

''جب سیدہ زینبؑ چھوٹے چھوٹے بچوں کو آگ کے شعلوں سے بچانے کیلئے اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں تو اچانک آپؑ کی نظر دو کم سن بچوں پر پڑی جو ایک دوسرے کے گلے مل کر زمین پر گرے پڑے تھے،خوف وہراس اور بھوک وپیاس کی شدت سے اُن (جاری)

کہ وہ کس عظیم ظلم کا مرتکب ہو چکا ہے، حالانکہ اُس کمینے دشمن کی رسوائی کے آثار عصرِ عاشورا سے ہی نظر آنے لگے تھے۔

دشمن نے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے قافلہ کو گیارہ محرم کی ظہر کے قریب کوفہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ اس سے قبل ہی امام حسین علیہ السلام اوران کے بعض دوستوں اورعزیزوں کے سرہائے بریدہ کو، بعض روایات کے مطابق، عصرِ عاشور ہی کوعبید اللہ ابنِ زیاد ملعون کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا (بحار، ج 45، ص 107) کیونکہ اس نے اپنے خط میں عمر ابنِ سعد کو حکم دیا تھا کہ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں اس وقت تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا، بستر پر آرام سے نہ لیٹوں گا جب تک تُو حسینؑ کا کام تمام نہ کردے......لٰہذا وہ کربلا کی جنگ کے نتیجہ کا منتظر تھا، اُس کے لمحات کو گن رہا تھا اور اُس کے ماتحت لوگ نہیں چاہتے تھے کہ اُسے زیادہ انتظار کی زحمت دیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کی رُوحیں پرواز کر چکی تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ دو بچے عبدالرحمان بن عقیل بن ابی طالبؑ کے فرزند تھے جن میں سے ایک کا نام سعد اور دوسرے کا نام عقیل تھا''۔

ہر مؤرخ وتبصرہ نگار نے اپنے اپنے اندازِ فکر واحساس کے مطابق عصرِ عاشور، شبِ یازدہم، روزِ یازدہم اور دیگر واقعات کو تحریر کیا ہے۔ ان سب کا یکجا کرنا تو کسی طرح ممکن نہیں۔ صرف چند ایک حضرات کے تاثرات کو جو اصولِ تاریخ سے ہٹ کر اپنے جذبات و احساسات کو پیش نہیں کرتے، ہم ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جناب ڈاکٹر سید مجتبےٰ حسن کامونپوری، ناظمِ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مقالہ سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

''محرم کی گیارہویں شب ثانیِ زہراؑ کے لئے یاس انگیز واندیشہ خیز رات تھی۔ اُن کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ جب فوج کے افسر ظلم کی عنان کو یہاں تک کھینچ لائے کہ جوانوں، بوڑھوں، بچوں، نبیؐ زادوں، صحابہ زادوں اور پرہیز گاروں کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کے بیدردی سے قتل کیا گیا، اُن کے سر جسم سے جدا کر دیئے گئے، بھائی کے تنِ پاک کو برہنہ کر دیا گیا، لاش پامال کی گئی، سر نیزہ پر بلند کیا گیا، اہلِ حرم کو لوٹا گیا، خیمے جلا دیئے گئے تو اموی حکومت کے نائب السلطنت ابنِ زیاد کیلئے کوفہ میں کیا ظلم باقی رہ گئے ہیں۔ اس کے آگے یزید کے نئے نئے ظلم کیا ہو سکتے ہیں۔ یہ قیامت خیز شب، بچوں اور بیواؤں کی تسلی، بیمار بھتیجے کی حالتِ زار پر اندیشے، شہیدوں کی دل سوز یادیں، آنسو بہا کر، سرد آہیں کھینچ کر ثانیِ زہراؑ نے کاٹ دی ......یہ شب ثانیِ زہراؑ کے خدا پر اعتماد، جزائے اعمال پر انتہائی یقین اور ہولناک مصائب میں سلامتیِ حواس، ساتھیوں کے دلوں کی تسلی کی بہترین کوشش اور برداشت وصبر کی غیر معمولی قوت کا کلمہ پڑھتی ہوئی رُخصت ہوگئی (مقدمہ، ص ۲۴)۔

ترتیبِ کاروانِ اسیراں

مؤرخین کے بیان کے مطابق سیدہ زینبؑ کے ہمراہ جانے والا قافلۂ اسیراں تین حصوں پر مشتمل تھا:

1۔ سید الشہداء علیہ السلام کے خاندان کی مخدرات وخواتین، یعنی جنابِ سیدہ زینبؑ وسکینہؑ وفاطمہؑ وغیرہ اور سید الشہداء علیہ السلام کی ازواج جیسی ہستیاں۔

2۔ لڑکے اور چھوٹے بچے جن میں امام محمد باقر علیہ السلام بھی شامل تھے۔

3۔ سیدِ سجادؑ، حسنؑ مثنیٰ، زید، عمر، فرزندانِ امام حسن علیہ السلام۔

لیکن مؤلف کی نظر میں سید الساجدین علیہ السلام کے علاوہ باقی ان تمام مردوں کی موجودگی بالکل بعید از قیاس ہے کیونکہ اسیریٔ اہلِ بیتؑ کے واقعات کے بیان میں کسی جگہ بھی ان کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی ایسے دیوانہ وظالم ووحشی دشمن سے یہ توقع ممکن ہے کہ ان سب مردوں کو زندہ رہنے دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی طرح شہید ہونے سے بچ بھی گئے ہوں تو ان کو عصرِ عاشور کے وقت آتش زدگیٔ خیام کے دوران تہ تیغ کر دیا گیا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اسیر وہ افراد تھے جو شہداء کے عزادار، ماتم کناں لیکن اپنے ہدف میں کامیاب وسرفراز تھے۔ ان میں کوئی شخص شکست خوردہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان سب اسیروں کا انتظام زینبؑ کبریٰ کے اختیار میں تھا (زینبِ کبریٰ، نقدی، ص 27)۔ سیدہ زینبؑ ہی کے ذمہ ان کی حفاظت ونگہداشت کا کام تھا اور اُن کا فرضِ تبلیغ شہادت اسی جماعتِ اسیران کی دیکھ بھال کے علاوہ تھا، جن کی تعداد چوراسی افراد سے متجاوز بیان نہیں کی جاتی (منتہی الآمال)۔

ثانیِ زہرؑا کی آزمائش وذمہ داریٔ فرض

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ایسی مخدرہ ہیں جن کے پیشِ نظر ایک مقصد، ایک اہم ہدف ہے، اپنے ہدف کی مکمل معرفت رکھتی ہیں، اپنے ہدف کی قدر وقیمت واہمیت وضرورت سے کاملاً آشنا ہیں اور اپنی اُس منزل تک پہنچنے کیلئے سرگرمِ عمل ہیں۔ اُن کی آرزو ہے کہ اپنے ہدف کو محقق کریں لیکن ایک طریقِ احسن اور عمدہ وکامل ترین صورت میں۔ شہزادی خود اپنے مقام پر صلح طلب طبیعت کی مالک ہیں لیکن حصولِ ہدف کی خاطر ہر قسم کے غم ومصائب وآلام کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کر رہی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ثانیِ زہرؑا بظاہر اسیر ہیں لیکن چاہتی ہیں کہ حریتِ بشر کی بنیاد رکھیں۔ اسیرِ طوق وسلاسل ہیں لیکن مقصدِ

حیات یہ ہے کہ پائے بشریت کو ہر قسم کی زنجیروں سے، وہ طوق و زنجیر مرئی ہوں یا غیر مرئی، منزلِ حریت تک پہنچا دیں۔ حریتِ بشر کے پرچم کو بلند کئے ہوئے ہیں، اس مقصد کی خاطر ہر قسم کے مصائب و آلام کے باوجود ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے ہدف کو فراموش نہیں کرتیں، نہ ہی کسی طرح کی حسرتیں آپؑ کا راستہ روکتی ہیں 1۔

زینبؑ عالیہ حصولِ ہدف کے لئے بھرپور شجاعت کے ساتھ پیش قدمی میں مصروف ہیں، دشمن کی ہیبت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتیں، گویا اس کے وجود ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں، دشمن کی جسارت و جرأت کے پیشِ نظر اُس سے کسی طرح کی توقع کو راہ نہیں دیتیں کیونکہ آپؑ کو مکمل احساس ہے کہ دشمن اس قدر وحشی ہے کہ خود ثانیِ زہرؑا کو بھی قتل کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتا اور اپنے اسی وحشت پن کا کربلا میں مکمل مظاہرہ کر چکا ہے۔ چنانچہ سید الساجدین علیہ السلام نے دربارِ یزید میں یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا ہے:

''قُتِلَ اَبِیْ صَبْراً وَ کَفٰی'' (سیدِ سجادؑ کے یزید لعین کی موجودگی میں مسجدِ دمشق میں خطبہ سے اقتباس)۔

''میرے پدرِ بزرگوار حالتِ صبر میں مار ڈالے گئے اور میرے لئے یہی افتخار کافی ہے''۔ (ہمارے خلاف وحشی صفت درندے تھے، منطق و دلیل کو قبول کرنے والے انسان نہ تھے کہ یہ دلائل ہمیں مستحقِ قتل ثابت کرتے)۔

ثانیِ زہرؑا کا اثاثہ

زینبؑ عالیہ اپنے اہداف کے تحقق کی خاطر ایک ایسے کاروان کی سربراہی کر رہی تھیں جس کے دو مقاماتِ افتخار اور دو گونہ اثاثہ جات تھے، جن کی تفصیل اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے:

1۔ دونوں بہن بھائیوں کا ہدفِ حیات ایک ہی ہے اور وہ ہے پرچمِ اسلامی کی سربلندی اور اس کے سایہ میں عالمِ بشریت کو حریتِ بشر کا درس دینا۔ ہم گزشتہ صفحات میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کا خراجِ عقیدت بحضور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا پیش کر آئے ہیں۔ اس میں علامہ مذکور نے سیدہ طاہرہؑ کو دنیائے انسانیت کے سامنے بطور ایک بیٹی، ایک ہم مقصد زوجہ اور ایک ذمہ دار ماں کے طور پر متعارف کروایا ہے، ایسی ماں جس کی عظمت کے نشانات میں ایک بہت بڑا نشان یہ ہے کہ اُس نے دنیا کو حسنؑ و حسینؑ جیسے عظیم بیٹے عنایت کئے جو تا قیامِ قیامت عالمِ انسانیت کیلئے منارۂ ہدایت ثابت ہوں گے۔ ثانیِ زہرؑا اور سید الشہداء علیہ السلام کا ہدفِ زندگی چونکہ ایک ہی ہے، یعنی حریتِ بشر، جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، لہٰذا ہم ان کا تخیل برائے امام حسین علیہ السلام مثنوی رموزِ بے خودی سے پیش کرتے ہیں:

واں دگر مولائے ابرارِ جہاں — قوتِ بازوئے احرارِ جہاں
درنوائے زندگی سوز از حسینؑ — اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ

1۔ ایسے شخص کی حیثیت کا اندازہ لگائیں جس کا اثاثہ ایمان، اخلاق، حریت، کرامتِ انسانی، طہارتِ اخلاق، پاکیزہ خطابت وغیرہ جیسی عظیم اقدارِ انسانیت پر مشتمل تھا۔

2۔ جس کے اثاثہ میں شہادتِ راہِ خدا اور خونِ ناحق شامل ہو، خون ایسے شہیدانِ راہِ خدا سے نسبتِ گرانقدر رکھتا ہو جن کے راس ورئیس نواسۂ رسولؐ خدا سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ہوں۔

3۔ اس اثاثہ میں اسیر خواتین وبچگان بھی ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے شہیدِ راہِ پروردگار کا دفاع کر رہا ہے اور بلند پایہ و عظیم احساسِ سرفرازی وافتخار سے سر کو بلند کئے ہوئے مصروفِ سفر ہے۔ روایاتِ صحیح کے مطابق اس تمام عرصۂ سفر میں ان اسیروں کے دست وبازو ایک ہی حلقۂ زنجیر میں بندھے ہیں جس کے آخر میں سیدہ زینبؑ اور سیدِ سجادؑ کے گلوہائے مبارک ہیں (مناقبِ شہرِ آشوب)۔

4۔ اس کاروانِ اسیران کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے بڑے چھوٹے سب افراد ایک ہی رسّی میں بندھے ہوئے ہیں اور سب کو اکٹھا ہی سفر کرنا پڑ رہا ہے۔ انتہائے ظلم صاف ظاہر ہے کہ حضرت رقیہؑ وامام محمد باقرؑ جیسے کم سن بچے (ذرا اپنے دامنِ خیال کو وسعت دے کر دیکھیں) دوسرے اسیروں کے ہمراہ قدم نہیں اٹھا سکتے۔ جب بڑے ایک قدم چلتے ہیں تو بچوں کو کم از کم دو قدم اٹھانا پڑتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر ان بچوں کو دوڑنا پڑ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بچے اس عالم میں کس قدر خستہ حال ہوتے ہوں گے، اُن کے گلوں کی رسیاں کھنچ جاتی ہوں گی، زمین پر گر پڑتے ہوں گے تو دشمن ان پر تازیانے برساتا نظر آتا ہے کہ یہ بچے سب بڑوں کے ہمراہ مصروفِ سفر رہیں۔ یہ وحشی پن خود اپنے مقام پر ثانیِ زہراؑ کے لئے دشمن کے ظلم وبہیمیت کی انتہا کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس سب کچھ کے باوجود ثانیِ زہراؑ اپنے اس اثاثۂ سفر کے ساتھ رواں اور اپنے ہدف کے حصول میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان بچوں کو نہ صرف سنبھال رہی ہیں بلکہ ان تمام حالات کو دوام بخش رہی ہیں، حتیٰ کہ ان تمام مظالم کی روداد و تفصیل عراق اور ایران ومصر دیگر ممالک میں لوگوں کے ذہنوں اور کانوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔

استفادہ از فرصت

ثانیِ زہراؑ نے اپنے ذمہ جو فریضہ لے رکھا تھا، اُس کی انجام دہی کیلئے ہر لحظہ ووقت و ہر موقعہ سے آپؑ فائدہ اٹھا رہی تھیں اور اس کی کوشش میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ ان تمام فرائض کی مختصر تفصیل کسی قدر یہ بنتی ہے:

اُن حالات اور ماحول کا تعارف کروانا جن میں اُس دور کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے؛

حاکمِ جابر کی قوت، اُس کی ہٹ دھرمی وغصبِ حقوق کو بالکل بے نقاب کرنا؛

اُس دور کی جھوٹی، فریب آور اور فاسد سیاست کی وضاحت؛

اس کے برعکس خاندانِ رسولِؐ اکرم وعلیؑ مرتضٰی کی عظمت کے مقام سے اس زمانہ کے جابروں اور غاصبوں کو ہر طرح متعارف کروانا۔

یقیناً جہاں کہیں بھی موقع ملا یا ضرورت سمجھی زینبؑ کبریٰ نے اپنی اسیری کے دوران سید الشہداء علیہ السلام کے خونِ ناحق کی خوشبو کو پھیلایا، عوام الناس کو حکومت کے مظالم کے سلسلہ میں بیدار کیا، ماحول کو اقداماتِ مناسب وجدید کی ضرورت کے لئے تیار کیا اور دور ونزدیک ہر مناسب مقام وموقعہ پر اشاعتِ دین کو انجام دیا۔ زینبؑ عالیہ سید الشہداءؑ کے پس ماندگان کے ہمراہ اسیر ہوئیں تو آپؑ نے روزِ عاشور کے واقعات کی اہمیت وعظمت اور مظالمِ بنی اُمیہ کی اشاعت وتشہیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ثانیِ زہرؑا کی حالتِ اسیری کسی معجزہ سے کم نہیں۔ دُنیا میں کونسا اسیر، بالخصوص صنفِ نازک کی ایک فرد، اس قدر شوکت و ہیبت کا مالک ہوگا کہ جس کے دشمن حدِ امکان تک اُس کے سامنے عالمِ بے چارگی میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیں! سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے وہ کام کیا کہ وہ دشمن جو ایک دن انہیں کوفہ وشام میں بطور اسیر لے جا کر اپنی قوت وطاقت وجبروت کا سکہ جمانا چاہتا تھا، اس گرفتار شدہ قیدی سے خوف زدہ وگریزاں ہو کر کوشش کر رہا ہے کہ اُسے اپنے احاطۂ اختیار سے دور رکھے، اُسے اُس کے وطن واپس پہنچا دے، لیکن کیا زینبؑ عالیہ نے وطن میں رہ کر اس دشمن کو سکون لینے دیا؟1

1۔ اوراقِ تاریخ اہلِ بیتؑ کے مدینہ واپس پہنچنے کے بعد کے حالات کو اپنے اوپر محفوظ کئے ہوئے ہیں اور ہر منصف مزاج قاری یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس گھبراہٹ وانقلاب سے خوف کھا کر یزید نے ان حضرات کو رہائی کے بہانے اپنے دار السلطنت سے دور کرنے کو کوشش کی، وہی حالات اسے ان کی مدینہ میں موجودگی کے باعث پیش آئے بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب حالات کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ مدینہ کی تباہی کے وقت ثانیِ زہرؑا دنیائے فانی سے کوچ کر چکی تھیں اور واقعۂ کربلا کے بعد کی نہایت مختصر مدتِ حیات میں بھی یزید نے شہزادی اور اُن کے شوہر جنابِ عبد اللہ کا مدینہ میں قیام گوارا نہ کیا۔ اسی لئے بی بی کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور اس سلسلہ میں روشِ زمانہ کی بیوفائی کا عالم یہ ہوا کہ آج ہم شہزادی کے مقامِ دفن اور مرقد کا بھی وثوق کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بہر حال یہ بہت کچھ اسی روددادِ تاریخ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ، انشاء اللہ، آئے گا۔ ہم یہاں اس موضوع پر تبصرہ کر کے اپنے تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتے، اس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) لئے مؤلفِ کتاب جناب علی قائمی کے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق اور تفصیل کیلئے دیگر چند ایک مؤلفین و مؤرخین کی آراء پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے ہمارے قارئین کو کسی حد تک سانحۂ کربلا کی حشر سامانیوں سے متعارف کروا سکیں۔

جناب سید ریاض علی ریاض اپنی مشہور کتاب ''شہیدِ اعظم'' میں محرم ۶۱ ھ کی شب یازدہم اور روزِ یازدہم کی مختصراً اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ اہلِ بیتؑ پر سب سے سخت اور اندوہناک رات روزِ شہادت کی پہلی رات تھی۔ ایک رات قبل سب تھے، اب کوئی نہیں ہے۔ اسباب ضرورت تھا۔ اب اُس کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اب کیا ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ ہم گرفتار ہیں اور ابنِ زیاد کے دربار اور شام تک جائیں گے۔ اور یہ پوچھنے والا کہاں تھا کہ کتنے دن سے کھانا یا پانی تمہارے لبوں تک نہیں پہنچا ہے۔ محال ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ عالمِ اندوہ کا خیال کر سکے۔ کبھی کسی شریف خاندان پر اس سے زیادہ طویل رات نہیں گزری۔

''صبح ہوئی۔ اہلِ بیتؑ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن اپنے کشتوں کو دفن اور سامانِ سفر کر رہے ہیں۔ اہلِ بیتؑ کسی طرح شہداء کی لاشوں پر پہنچے ہیں۔ دوست دشمن سب رو رہے ہیں۔ حضرت سکینہؑ آخری مرتبہ باپ کے سینہ سے لپٹ گئی ہیں اور سرکو حسینؑ کے گلوئے مبارک پر رگڑ رہی ہیں۔ لیکن دشمن اس پر بھی راضی نہ تھے کہ اہلِ بیتؑ کو یہ اندوہناک تسکین بھی کچھ دیر حاصل ہو۔ لاشوں سے جبراً ہٹائے گئے۔ قافلہ روانہ ہوتا ہے اور اب بیمارِ کربلا کی نگاہ مقتل پر پھیلتی ہے۔ سب کچھ نگاہ کے سامنے ہے اور آپؑ میں ایک تغیرِ عظیم پیدا ہوتا ہے۔ حضرت زینبؑ کی نگاہ بیمارِ کربلا کے چہرہ پر جم جاتی ہے اور فرماتی ہیں: 'اے میرے بزرگوں کی یادگار، میں تجھے کس حالت میں دیکھ رہی ہوں۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ دنیا سے گزر جائے؟' اور پھر فرماتی ہیں: 'قسم خدا کی تیرے بزرگوں سے اس کا عہد لیا گیا تھا'۔ یہ تھیں حضرت زینبؑ جو ایک زمانہ کا نبیانہ اور ولیانہ حملِ نفس اور عزمِ قربانی یاد دلا رہی تھیں اور تمام امکان ہو چکنے کے بعد صابر تھیں کہ ہم عہد پورا کر سکیں، بڑا عہد اور بڑا عہد کرنے والے!'' (شہیدِ اعظم، ج ۲، ص ۳۹۱، ۳۹۲)۔

جناب سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے بعد زینبِ کبریٰؑ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش آئے جن کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کیلئے کافی تھا۔ بھائی کی شہادت، خیموں کی لوٹ اور پھر آتش زدگی اور پھر اس کے بعد اسیری۔ ان تمام مراحل کو جنابِ زینبؑ نے ضبط و صبر کے ساتھ طے کیا۔

''۱۱ محرم کی صبح کو جب پس ماندگانِ حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواجِ یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

''اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علیؑ ابن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر جنابِ زینبؑ بے تاب ہو گئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ مقتلِ شہداء میں پہنچا تو اُن سے اُن کی پھوپھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے یادگارِ رفتگان، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟ بھتیجے نے جواب دیا: 'اے پھوپھی! اس منظر کو دیکھ کر کس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) طرح برداشت کروں کہ میرے پدرِ بزرگوار اور چچا اور بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب، اس میدان میں خون میں نہائے بے دفن و کفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگران ہے نہ پُرسانِ حال۔ اس نازک موقعہ پر جنابِ زینبؑ ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسہ دیا'' (شہیدِ انسانیت، ص۵۵۹، ۵۶۰)۔

ہم اس بیان یعنی شبِ یازدہم اور روزِ یازدہم کے واقعات کو یہاں ختم کرتے ہیں۔ قاری کو اندازہ ہو جائے گا کہ مؤرخین کی ہر قسم کی مشکلات کے باوجود بیانِ واقعات تقریباً ایک ہی طرح کے ہیں۔ فرق صرف اپنے اپنے اندازِ بیان کا ہے۔ تاہم کچھ باتیں اقدارِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے اور جو تقریباً اس طرح ہیں:

(ا)۔ رسولِ اکرمؐ کی وفات کے صرف تقریباً پچاس سال بعد یہ المیہ ظہور پذیر ہوا جس نے پوری طرح واضح و آشکار کر دیا کہ اس دور کے مسلمانوں کو دین یا بانئ دین یا اس کے خاندان سے ہرگز وہ وابستگی حاصل نہ ہو پائی تھی، ذہنِ انسانی جس کا تقاضا کرتا ہے۔

(ب) جیسا کہ ہم قبل ازیں خواجہ معین الدینؒ چشتی کی ایک رباعی پیش کر چکے ہیں، عربوں کے فطری کینہ و بغض و جذبۂ انتقام کے باعث بنی اُمیہ نے بنی ہاشم سے اپنے استحصال اور زمانۂ کفر کی شکستوں کو اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ہرگز فراموش نہیں کیا تھا۔ یہ کیفیت یزید کے اُن اشعار سے واضح ہو جاتی ہے جو اُس نے اہلِ بیتؑ کے اسیروں کے قافلہ کے سامنے اپنے بزرگ کشتگانِ بدر و اُحد کیلئے کہے تھے۔

(ج) سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ اقدس چند ایک دیگر شہداء کے سروں کے ساتھ عاشور کی شام ہی کو ابنِ زیاد کی اطلاع کی خاطر کوفہ روانہ کر دیئے گئے تھے تاکہ اسے کربلا کی جنگ کے اختتام سے باخبر کر دیا جائے۔

(د) ہماری مخدومہ جناب خاتونِ کربلا، ثانی زہراؑ، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے فرائض کا شامِ عاشور سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جس میں آپ کو اہلِ بیتؑ کے یتیموں اور بیواؤں کو سہارا دینا ہے، سید الشہداء علیہ السلام کے مشن و ہدف کو آگے بڑھانا ہے، جلتے ہوئے خیام سے حجتِ خدا امامِ چہارم کو نکالنا اور علالت کے دوران ان کی تیمارداری کرنا ہے، افواجِ شام کی دار و گیر سے بکھرے ہوئے بچوں کو اکٹھا کرنا ہے، بیمار امامؑ کو نہ صرف بچانا ہے بلکہ ان کو ذہنی و جسمانی ہر طریقہ سے سہارا دینا ہے، دشمن کے ہاتھوں، ان کی زندگی کا تحفظ جو خاندانِ رسالت کی آخری شمع کو بھی گل کرنے کی کوشش میں ہے، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی ذمہ داریاں ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ پھر ان تمام حالات کے باوجود استقلال و استقامت کے معیار کو اس طرح قائم رکھنا ہے کہ عبادتِ پروردگار اسی طرح قائم رہے حتیٰ کہ شبِ یازدہم بھی نمازِ شب اور تسبیح اور تحلیل میں کسی طرح کی یا ناغہ نہیں ہوتا۔ ہم انہی کیفیات کو کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ آئندہ صفحات میں پیش کر کے اس سوانح کو آگے بڑھاتے ہیں۔

✿✿✿

۱۔ دفاعِ اصُولِ اسلام

زمانۂ اسیری میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے جو فرائض اپنے ذمہ لے رکھے تھے وہ سب انتہائی مشکل تھے۔ دائرۂ کار بے حد وسیع اور اُن کی انجام دہی میں بے شمار مشکلات درپیش تھیں۔ چنانچہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے سفرِ اسیری بلکہ شام سے رہائی کے بعد مدینہ کی جانب مراجعت کے دوران چند اہم ترین فرائض آپؑ کے سامنے تھے۔ ان فرائض کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے:

☆ خوردسال بچوں اور یتیموں کی سرپرستی؛

☆ ان بچوں کی حمایت و دلداری؛

سید سجادؑ کی تیمارداری و حفاظت جو مبتلائے تپ تھے، ان کی جان کی حفاظت کہ وہ ماضیینِ اہلِ بیتؑ کے بقیہ تھے۔

خونِ شہداء اور ان کے حقوق کا دفاع جو درحقیقت دفاعِ مکتبِ اسلام تھا، جس کے قیام و اشاعت کی خاطر یہ تمام مقدس خون بہایا گیا اور جانیں قربان کی گئی تھیں۔

مقصدِ حسینؑ کی اشاعت و تبلیغ

ثانیِ زہراؑ مقصدِ سید الشہداء علیہ السلام کی مبلّغ ہیں۔ امام حسینؑ، فرزندِ رسولؐ اکرم ہیں۔ آپؑ نے اپنے جدِ بزرگوار کے دین کی حفاظت و احیاء کی خاطر ایک عظیم مقصد کا تہیہ کیا اور اُس کی خاطر جان قربان کر دینے تک کے اقدامات سرانجام دیئے۔ آپؑ نے مدینہ میں عالمِ خواب میں اپنے جدِ نامدار سے احکام حاصل کئے کہ عراق کا عزم کریں۔ چنانچہ امام حسینؑ بن علیؑ نے ایسا ہی کیا لیکن اس سفر میں سب سے پہلے مکہ کو اپنا مستقر قرار دیا تاکہ وہاں خانۂ خدا کے کثیر التعداد زائرین کو آلِ محمدؐ کے فضائل کی حقیقت اور حاکمانِ جور کے ظلم و رذالت سے آگاہ فرمائیں۔

اس مقصد کے حصول کی غرض سے امام حسین علیہ السلام خواتینِ خاندانِ رسولؐ کو بھی ہمراہ لے گئے جن کی سید و سردار زینبؑ عالیہ قرار پائیں۔ ساتھ ہی مقصدِ حسینؑ کی تبلیغ اور اس مقصد کو دوام بخشنا بھی شہزادی کے ذمہ تھا۔ لہٰذا ہر قسم کے رنج و آلام جو عوام الناس کو ان اقدار کے سمجھانے میں امام علیہ السلام کو پیش آئے، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا امامؑ کے ساتھ اُن میں برابر کی

شریک ہیں۔ آپؑ نبوت و ولایت کے دفاع اور اللہ تعالیٰ کے دین و آئین کی حفاظت میں امامؑ کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں کہ عوام الناس کو سمجھا سکیں کہ اسلام آخر ہے کیا! نیز یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ دشمن کے اقدام وطریق ہائے کار وعمل اسلام کے مقدس مقاصد سے بہت دور ہیں۔

سید الشہداءعلیہ السلام نے اسلام کے عظیم وپے درپے انقلابات کو اپنے خون سے رقم فرمایا1۔ ثانیِ زہراؑ نے اپنی اسیری کے ذریعہ ان انقلابات کو معنی واشاعت بخشے۔ دونوں بہن بھائی کے طریقِ کار کا حاصل حالات کا بے نقاب کرنا تھا، بنی امیہ کی فاسد وناجائز حکومت کو طشت از بام کرنا اور خلافت وحکومت کے لئے عملی طور پر یزید کو نااہل قرار دینا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بھائی بہن نے کس قدر اس ظلم کو بے نقاب کیا، کس قدر قربانی وریاضت کی مدد سے اس سمت میں قدم اٹھائے اور کس قدر اپنے مقصد کے حصول میں آگے بڑھے!

پیغامِ نجات

ثانیِ زہراؑ اقدامِ حسینی میں پیغامِ نجات کی منزل میں ہیں۔ اپنے جدِ بزرگوار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح نجاتِ انسانیت کی ذمہ دار ہیں۔ آنحضرتؐ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ فرض تھا:

"وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ". (اعراف:157)

یعنی آنحضرتؐ اس لئے تشریف لائے کہ اُن عوامل کو صاف کر دیں جو اذہانِ انسانی کو منتشر کر رہے تھے، اُس تخیل کو دور کر دیں جو درست سوچ میں رکاوٹ تھے اور ان تمام طوق وزنجیر کو ختم کر دیں جو انسانوں کے دست وپائے فکر وذہن کو ہر طرح مفلوج کئے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ:

"لِيُخْرِجَ عِبَادَهُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ اِلٰى وَ مِنْ عِبَادَتِهِ، اِطَاعَةِ الشَّيْطَانِ اِلٰى طَاعَتِهِ".

یعنی آنحضرتؐ اس لئے تشریف لائے کہ بندگانِ خدا کو بتوں کی عبادت سے رہائی دلائیں اور انہیں اللہ کی اطاعت و پیروی کی ہدایت فرمائیں (ایک ایرانی سردار سے ایک عرب سردار کی گفتگو)۔

1۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں "رموزِ بےخودی" میں لکھتے ہیں:

تیغ بھرِ عزتِ دین است وبس — مقصدِ او حفظِ آئین است وبس

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد — ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

سید الشہداء علیہ السلام نے بھی اسی عمل و مقصد کو انجام دیا اور رسولِ اکرم کے دین کو آگے بڑھایا۔ ہم امام حسینؑ کی زیارتِ اربعین میں پڑھتے ہیں:

"وَبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ، لِيَسْتَنْقِذَ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهَالَةِ، وَحَيْرَةِ الضَّلالَةِ".

یعنی "خداوندا! حسینؑ نے اپنے خونِ دل کو تیری راہ میں صرف کر دیا تا کہ تیرے بندوں کو نادانی و جہل سے نجات دلائیں کہ وہ صراطِ مستقیم کے تعین میں سرگرداں رہ کر ضلالت میں نہ پڑ جائیں" (مفاتیح الجنان، عباس قمی مرحوم)۔

سید الشہداء علیہ السلام کے اس عزم کے سلسلہ میں ثانیٔ زہراؑ کی محنت و اہمیتِ اقدام و فرائض روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ خواہرِ حسینؑ سید الشہداء علیہ السلام کے ہمراہ آپؑ کے اقدام کو دوام بخشنے والی، آپؑ کے خونِ ناحق کی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم اور اس عظیم وادیٔ تبلیغ میں پیغامِ حسینؑ کو چار دانگِ عالم میں پہنچانے کیلئے ہمہ تن مصروفِ کار و ریاضت ہیں۔

دفاعِ مکتب کا طریق

زینبؑ عالیہ نے کسی مقام پر بھی اپنے ہدف کے دفاع یا پیغامِ شہادت کی اشاعت کی خاطر کسی قسم کا تعصب یا غصہ یا کیفیتِ ہیجان اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دی، نہ ہی کسی موقعہ پر ایسا عمل روا رکھا کہ عوام الناس میں ہیجان پیدا کرنے یا انہیں کسی طرح دھوکہ میں ڈالنے کی غرض سے خود آگے بڑھیں۔ اس کے برعکس تمام اسناد، مدارک، شہادتِ مؤرخین اور وقائع نگاروں کے بیانات سب اس بات پر متفق ہیں کہ سیدہ زینبؑ نے تمام مراحل میں اپنی ادائیگیٔ فرض کو ہر لحہ اپنے پیشِ نظر رکھا۔ ہر مقام پر آپؑ نے نہایت محکم و مستقل بیان دیا، دلیل و برہان کے ساتھ آگے بڑھیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے سامنے قرآنِ حکیم کی منطق سے کلام فرمایا۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس قسم کی بحرانی کیفیت میں اپنے فرض کی انجام دہی اور اپنے موقف کا دفاع ہرگز کوئی آسان کام نہ تھا۔ حالت یہ ہے کہ مصائب و شدائد کی آپ کے سامنے فوق العادہ کثرت تھی لیکن آپؑ کے حلم و تحمل کا مقام و تقاضا یہ تھا کہ علیؑ مرتضیٰ کی صاحبزادی اس تمام بحرِ آلام میں کامیاب نکلیں اور نہایت محکم و مستحکم قدموں کے ساتھ اس راہِ پُر آشوب کو طے کریں۔

چنانچہ ثانیٔ زہراؑ نے اپنے لئے جو طریقِ عمل اختیار کیا اس کی مثال ہمیں کسی واقع یا کسی جنگ میں نظر نہیں آتی۔ آپؑ کا سکوت موقع کے عین مطابق ہوتا، جب بولنے کی ضرورت محسوس فرماتیں تو گفتگو بالکل صحیح، مختصر اور با موقع ہوتی، پھر جب خطابت کی ضرورت پڑتی تو وہ بھی قطعی طور پر تقاضائے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوتی۔ یہ کوئی چھوٹا یا معمولی یا آسان مسئلہ نہیں

کہ اس قدر مصیبت زدہ صنفِ لطیف کی ایک فرد ایسے جان کاہ آلام سے گزرنے کے بعد ایک ایسے شہر میں جہاں ہزاروں افراد ان کا تماشا دیکھنے کے لئے ہر طرف جمع ہوں، اس قدر محکم و مستقل گفتگو کرے، اپنے احساسات و اندوہناک جذبات کو ضبط کرے اور اپنے کردار و گفتار کے ذریعہ دشمن کے لئے نہ کوئی راہِ فرار باقی رہنے دے اور نہ ہی کوئی ایسا موقع پیدا ہونے دے کہ وہ سننے والوں یا زمانۂ مابعد میں تاریخ کے طالب علموں کے لئے واقعات کو مشتبہ کر سکے۔

دُشمن نے علیؑ مرتضیٰ کی صاحبزادی کو اسیر کیا تا کہ ان کی آواز کو خاموش کر سکے لیکن یہ دشمن بالکل نہ جانتا تھا کہ سیدہؑ کی عظیم بیٹی نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ انہوں نے دشمن کے مظالم کو اہلِ بیتؑ کے حق میں تبدیل کر دیا اور انہی واقعات سے اپنے دفاع کے عنوانات قائم فرمائے۔ خیال کریں کہ اگر یزید ایسا دربار منعقد نہ کرتا جس میں ممالک کے حکمران اور دیگر سلطنتوں کے نمائندگان موجود نہ ہوتے تو سیدہ زینبؑ عالیہ کے لئے کیسے ممکن ہوتا کہ اپنے پیغام کو اُن کے کانوں تک پہنچائیں؟ یا اگر دشمن آپ کو اسیری کے مظالم میں نہ ڈالتا تو زینبؑ کبریٰ کو یہ موقع کیسے میسر آتا کہ بازارِ کوفہ میں جمِ غفیر کے سامنے، جو قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا تھا، خطاب فرماتیں؟

قارئینِ کرام! ذرا غور کریں تو دیکھیں گے کہ دُشمن کیسا بے وقوف و احمق بنا کہ اس کاروانِ اسیران کو نقصان پہنچاتے ہوئے خود اُن کے موقف کے لئے سود مند اقدام کرنے پر مجبور ہے۔ دشمنانِ دینِ حقہ کیلئے مصلحتِ پروردگار کیسی رہی! علیؑ مرتضیٰ کی صاحبزادی شہداء کے لئے ماتم کناں و اسیر ہیں، جبکہ یہ سب باتیں اُن کے پیغام و تبلیغ کی اشاعت کیلئے معاون ثابت ہو رہی ہیں! کیا یہ سب حالات کسی معجزہ و حیرت کا باعث نہیں ہیں؟ 1

1۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کی شہادتِ سید الشہداء علیہ السلام کے بعد کوفہ کی طرف روانگی کا ایک منظر پیش کریں جو ہر لحاظ سے زینبؑ عالیہ کے استقلال، شجاعت، حسنِ انتظام اور اسیروں کے بارے میں آپ کی ذمہ داریوں کا مظہر ہے۔ اگر حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے اور فوجِ یزید کے اُن افکار و اعمال کا مطالعہ کیا جائے جن کا شہادتِ حسینؑ کے بعد مظاہرہ کیا گیا تو ایک قاری کو اس جمِ غفیر میں اقدارِ انسانیت کو تلاش کرنا پڑے گا اور اس تلاش میں اسے مکمل مایوسی ہو گی۔ قتلِ حسینؑ پر کربلا کی جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد فوجِ یزید کا لاشہ ہائے شہداء کو پامال کرنا، خیامِ اہلِ بیتؑ کو نذرِ آتش کرنا، خواتین کی بے ردائی اور ان کو لوٹنا اور اسی قسم کے دیگر مظالم دشمن کی بربریت کا ثبوت تو ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی اعتبار سے جنگ کا حصہ نہیں کہلا سکتے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ مصنفِ کتاب نے، جس کا ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں، بعدِ شہادت کے حالات بیان کرنے میں کافی اختصار سے کام لیا ہے۔ ہم یہاں علامہ حسن رضا غدیری مدظلہٗ اور ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامون پوری کے تاثرات کو بھی منظرِ عام پر (جاری)

۴۔ بیمار امامؑ کی تیمار داری ودفاع

ہم زینبؑ عالیہ کی شان بیان کرنے کے لئے کہاں سے ذخیرۂ الفاظ مہیا کریں کہ شہزادی بیک وقت خونِ شہداء کی محافظ ہے، آلِ محمدؐ کے کاروانِ اسیر کی سردار ہے، اماموں کی حفاظت پر مامور ہے، بے نواؤں اور مصیبت زدوں کی امید ہے، دردمند اور مصیبت زدہ ماں ہے، ایک عظیم وتاریخی پیغام کی حامل ہے، شہیدوں کے دوش بدوش معرکۂ جہاد میں کھڑی ہے.....

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

لانا چاہتے ہیں جن کا ہماری مخدومہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے براہِ راست تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں محرم کی شبِ یازدہم اور روزِ یازدہم کے واقعات کو نظر انداز کر دینے سے ظلم وجور کی یہ داستان ہرگز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ جو کچھ بھی اس عرصہ میں ہوا اس کے بارے میں جہاں انسانیت وشرافت کی کامل تذلیل نظر آئے گی وہاں مصائب اہلِ بیتؑ کا اندازہ لگانے کیلئے یہ اصول بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ غم والم کے احساس کا تعلق براہِ راست اُس شخصیت کے شعور سے متناسب ہوا کرتا ہے جس پر یہ واقعات وارد ہوتے ہیں اور یہاں تو اس سب کیفیت کا مقابلہ وبرداشت ان حضرات کو کرنا ہے جن سے زیادہ حساس وباشعور ہونے کا تصور بھی ناممکن ہے۔

بہرحال علامہ غدیریؔ اپنے مخصوص اندازِ بیان میں روزِ یازدہم محرم ۶۱ھ کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''گیارہ محرم الحرام کا سورج غربت واسارت کا پیام لئے طلوع ہو چکا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں اپنا دامن پھیلاتی جارہی تھیں، یہاں تک کہ سورج اپنے طویل سفر کی وسطی منزل تک پہنچ گیا۔ دوپہر ہوگئی۔

''دوپہر کی دھوپ اور صحرائے کربلا، سادات کے خیموں میں بھوکے اور پیاسے بچوں کے لئے قیامت کا منظر تھا۔

''سورج نقطۂ زوال تک پہنچ گیا، ظلم واستبداد کی آغوش کے پروردہ شقی وبدبخت انسان عمر بن سعد نے اپنی ستم شعار فوج کو حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو پالانوں اور چادروں کے بغیر اونٹوں پر سوار کر دیا جائے۔

''ابنِ سعد کے حکم پر اونٹوں کو خیامِ اہلِ بیتؑ کے سامنے لا کھڑا کیا گیا تا کہ رسولؐ زادیوں کو سوار کرایا جائے۔ ابنِ سعد کے حکم کی تعمیل میں اشقیاء نے ہر طرف مستورات کو گھیرے میں لے لیا اور اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے کہا۔

''حضرت زینبؑ نے قومِ اشقیاء کی اس جسارت پر ابنِ سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

'' اے ابنِ سعد! خدا دنیا وآخرت میں تیرا منہ کالا کرے۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے ان اشقیاء کو حکم دیا ہے کہ رسولؐ زادیوں کو اونٹوں پر سوار کرائیں، رسولؐ کی بیٹیاں اور نامحرم انہیں سوار کرائیں، یہ قطعاً ممکن نہیں۔ ان سے کہو دور ہٹ جائیں۔ ہم خود ایک دوسرے کو سوار کرائیں گے۔

(جاری)

حق یہ ہے کہ ثانیِ زہراؑ کے بغیر کربلا ایک نامکمل حادثہ ہے اور شہادت آپ کے بیان و شناخت کرائے بغیر ناقص و بیکار مرحلہ ہے۔ اگر ثانیِ زہراؑ نہ ہوتیں تو یقیناً کربلا کے واقعات ہمیشہ کے لئے جسد ہائے شہداء کے ساتھ ہی زمینِ کربلا میں دفن ہو کر رہ جاتے، بلکہ یہ کہنا کسی طرح بے جا نہ ہوگا کہ تصورِ واقع سے یزید، ابن زیاد جیسے واقعۂ کربلا کے ذمہ دار افراد کے چہرے مٹ جاتے اور ان کا ذکر واقعۂ کربلا کے نزدیک بھی نہ آتا کیونکہ کچھ بعید نہ تھا کہ حکومت کے چاپلوس و خوشامدی اسے داستانِ خوش بیان اور دلچسپ بنانے کی خاطر کوئی مختلف شکل دے کر واقعاتِ روزِ عاشور کو بالکل مسخ کر ڈالتے۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''زینبؑ کبریٰ کے پر جوش جملے سن کر ابنِ سعد نے فوجوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب وہ اشقیاء دور ہو گئے تو سیدہ زینبؑ اپنی بہن اُم کلثوم کو لے کر آگے بڑھیں اور ہر بی بی کو نام کے ساتھ پکار پکار کر جمع کیا اور ہر ایک کو خود سوار کرایا۔

''جب سب بی بیاں سوار ہو گئیں اور حضرت زینبؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو علیؑ کی بیٹی نے ہر طرف نگاہ کی لیکن سوائے بیمارِ کربلا کے اور کوئی نظر نہ آیا۔

''زینبؑ کبریٰ زین العابدینؑ کے پاس آئیں اور کہا: بیٹا جان! آیئے اور اپنی سواری پر سوار ہو جایئے۔

''امام زین العابدینؑ نے فرمایا: 'پھوپھی جان! آپ سوار ہو کر چلی جائیں اور مجھے یہاں چھوڑ دیں، میرا خدا حافظ ہے'۔

''سیدہ زینبؑ امامِ وقت کا فرمان ٹال نہیں سکتی تھیں۔ لہٰذا خاموشی کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد زینبؑ کبریٰ نے دائیں بائیں نظر کی تو ہر طرف شہداء کی لاشیں ہی لاشیں نظر آئیں جن کے سروں کو فوجِ اشقیاء نے نیزوں پر سوار کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدۂ زینبؑ بین کرنے لگیں.......

''امام زین العابدؑین نے پھوپھی زینبؑ کے بین سنے تو بیمارِ کربلا سے رہا نہ گیا اور کانپتے ہوئے بدن کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اپنا عصا ہاتھ میں لیا اور اس کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر حضرت زینبؑ کے پاس آئے اور اپنا کاندھا جھکا کر کہنے لگے: 'پھوپھی جان آپ کے دردناک بین سُن کر میرا دل زخمی ہو گیا ہے۔ آپ کی مظلومیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ آپ میرے کاندھوں پر چڑھ کر اونٹ پر سوار ہو جایئے'۔

''حضرت زینبؑ کو کاندھوں پر بٹھاتے ہی امام زین العابدینؑ کمزوری کی وجہ سے زمین پر گر پڑے۔

''جب شمر ملعون نے دیکھا تو تازیانہ لے کر آگے بڑھا اور اتنے زور سے امامؑ پر تازیانہ برسانا شروع کر دیا کہ بیمارِ کربلا کی چیخیں نکل گئیں۔

''بیمارِ کربلا کی مظلومانہ فریادیں سن کر سیدہ زینبؑ رونے لگیں اور شمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: 'اے شمر! خدا کا خوف کر (جاری)

دفاعِ ولایت

اپنے عرصۂ حیات میں ثانیِ زہراؑ کے سامنے خود اُن کی مادرِ گرامی جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا اسوۂ حسنہ موجود تھا1۔ دیکھ چکی تھیں کہ اپنی مختصر سی زندگی میں سیدۂ طاہرہؑ کس طرح اپنے پدرِ بزرگوار جنابِ محمد مصطفےٰؐ کے مقامِ عالی اور اپنے شوہرِ نامدار امیرالمؤمنین علیہ السلام کے مواقف کا دفاع کرتی رہی تھیں، حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا کہ جنابِ فاطمۃ الزہراؑ نے کس طرح حضرت علیؑ اور اُن کو درپیش مواقع کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی جس کے نتیجہ میں اپنے آپ کو بسترِ علالت کی زینت بنا دیا تھا (جو بالآخر آپؑ کے اختتام زیست کا باعث بنی)۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) 1۔ یہ وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کو شاعرِ مشرق نے بہترین اُسوہ برائے زنانِ عالم قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ　　　مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

اسی طرح زوجہ و زوج کے تعلقات کے بارے میں اسی نظم میں کہتے ہیں:

نوری و ہم آتشیں فرماں برش　　　گم رضایش در رضائے شوہرش

(حاشیہ صفحۂ سابقہ) اور اس یتیم رسول زادے کو تازیانے نہ لگا۔ یہ خاندانِ نبوت و رسالت کی امیدوں کا مرکز ہے، یہ تاجِ خلافت و مسندِ امامت کا مالک ہے، کیا تجھے اس کی بیماری پر بھی رحم نہیں آتا؟'

''سیدہ زینبؑ کبریٰ کی باتیں سن کر شمر پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح امامِ وقت تازیانوں کے شدید حملوں سے بچ گئے۔ اتنے میں ایک بُوڑھیا کنیز حضرت فضہؑ سیدہ زینبؑ کے پاس آ گئیں اور مخدومۂ عالم کو اونٹ پر سوار کرایا۔

''اس کے بعد وہ اشقیاء آگے بڑھے اور انہوں نے امام زین العابدینؑ کو ایک کمزور و ناتواں اونٹ پر سوار کر دیا، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے امام صحیح طور پر اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتے تھے، چنانچہ اس بات کی اطلاع ابنِ سعد کو دی گئی۔ اُس شقی نے حکم دیا کہ ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے رسی کے ساتھ باندھ دو۔ ابنِ سعد کے حکم پر بیمارِ کربلا کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے رسی سے نہایت مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ (معالی السبطین، ج ۲، ص ۹۲، منقول از اسرار الشہادۃ)۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۲۱۔۲۲۴)۔

اہلِ بیتؑ کی کربلا سے روانگی کے واقعات کو لاتعداد مؤرخین اور کتبِ مقاتل کے مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کیا ہے۔ جیسا کہ ہم ریاض علی ریاض صاحب کے الفاظ میں قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ سوانح نگار کو مختلف قسم کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا الفاظ و جذبات میں فرق کا ہونا فطری بات ہے۔ لہٰذا قاری کو اپنی درایت سے کام لینا لازم آتا ہے تاکہ وہ صحیح واقعات کی تہہ تک پہنچ سکے، بالخصوص واقعۂ کربلا کے معاملہ میں جس کو دنیا کے عقلمند و عالم ترین لوگوں نے بے مثل المیہ کے طور پر ہر جگہ اور ہر مقام پر تسلیم کیا ہے۔ ہم اسی کیفیت کو علامہ ڈاکٹر مجتبےٰ حسن کامونپوری کے الفاظ میں ان کے مقدمہ سے نقل کرتے ہیں، علامہ لکھتے ہیں:　(جاری)

اس وقت زینبؑ عالیہ جنابِ سیدہؑ طاہرہ کی صحیح جانشین ہیں۔ آپؑ ایسے حالات ومراحل سے گزر رہی ہیں کہ اسلام میں مقامِ ولایت کو آپؑ کے دفاع وحفاظت اور آپؑ کی قربانی کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا آپؑ پوری تندہی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھتی ہیں، تمام رنج والم کو ساتھ لے کر اپنے فرض وذمہ داری کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ آپؑ اپنے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ اور برادرِ بزرگ حضرت حسنِؑ مجتبیٰ کے زمانہ ہی سے اس فرض کو اپنے لئے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کی رفیقۂ حیات جنابِ سیدۂ طاہرہؑ کے بعد اپنے بابا کے موقف کی برابر حفاظت کر رہی ہیں اور امیر المؤمنین علیہ السلام بھی اپنے تمام امور ثانیِ زہراؑ کے سپرد کئے ہوئے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''گیارہویں محرم کی دلفگار صبح طلوع ہوئی۔ ابنِ سعد نے اپنے کشتوں کی نمازِ میت پڑھ کر ان کو دفن کر دیا (طبری)۔

''ثانیِ زہراؑ کے لئے یہ کتنا بڑا سانحہ تھا کہ کوئی نہیں جو اُن کے عزیزوں اور مددگاروں کی نمازِ میت پڑھے اور دفن کرے۔ امامؑ کے سرِ مبارک کو ابنِ زیاد کے پاس پہلے بھیج دیا گیا (اخبار طوال، ص ۲۵۶)۔ بعض دوسرے شہداء کے سر بھی ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیئے گئے (ارشاد مفید، ص ۲۵۸)۔ اہلِ حرم کے بازوؤں میں رسیاں باندھیں۔ اُنہیں بے مقنع وچادر برہنہ اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لے چلے۔ ساتھ ساتھ نیزوں پر شہداء کے بُریدہ سر تھے (اخبار طوال، ص ۲۵۶)۔ مولانا سلامت اللہ صاحب (شاگردِ محدثِ دہلوی) لکھتے ہیں:

''سر مبارک را بر نیزہ کردہ باشبیر بن مالک و خولی بن یزید بکوفہ پیش ابنِ زیاد فرستادندوزنانِ اہلبیتؑ را بر شتران بے پردہ سوار کردہ و علیؑ بن الحسینؑ بیمار را بہ شترے انداختہ روانہ بہ کوفہ ساختند''۔ (تحریر الشہادتین، ص 92)۔

''غمزدوں کے سامنے وہ قیامت کا منظر بھی آ گیا جب اُن کا قافلہ گنجِ شہیداں کی طرف سے گزرا۔ ثانیِ زہراؑ کے لئے خصوصاً اور عموماً ہر ایک مبتلائے غم کیلئے یہ زہرہ گداز وروح فرسا منظر تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ دردناک مقام دیکھ کر ثانیِ زہراؑ اور حضرت اُمِ کلثومؑ و ربابؑ وفاطمہؑ وسکینہؑ وصفیہؑ ورقیہؑ واُمِ ہانیؑ وعاتکہؑ وفضہؑ ومادرِ وہبؑ پر کیا گزری اور بیمار امامؑ پر اس کا کیا اثر ہوا اور اُن سب کے تاثرات نے ثانیِ زہراؑ پر کیا اثر ڈالا۔

''انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ معلوم باتوں سے نامعلوم باتوں کا وہ خود استنباط کر لیتی ہے۔ اہلِ بیتؑ خصوصاً ثانیِ زہراؑ کو جس قدر اُنس سید الشہداؑء اور ہاشمی شہیدوں سے تھا، ہم نے اس کا کچھ بیان تاریخ کی زبان سے بھی سنا ہے۔ سید الشہداؑء سے اشارۃً خبرِ مرگ سن کر ثانیِ زہراؑ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اب تو اندیشے واقعہ بن چکے تھے۔ اگر مبہم خبرِ مرگ بے ہوشی کا سبب ہو سکتی تھی تو عریاں میت، سر بُریدہ جسم، پامال لاش موت کا سبب بن سکتی ہے۔ بے گور وکفن لاشوں کو ویران صحرا میں چھوڑ کر آگے قدم بڑھانا اُن کیلئے بڑا ہی روح فرسا مسئلہ تھا، لیکن عصرِ عاشور سے پہلے جو زینبؑ تھیں، عصرِ عاشور کے بعد اب وہ زینبؑ نہیں رہیں۔ احساسِ فرض نے اُن (جاری)

وقت آتا ہے کہ آپ کے برادرِ بزرگ امام حسن علیہ السلام دشمن کے حملہ سے زخمی ہو جاتے ہیں تو زینبِ عالیہ اُن کی مکمل تیمار دار ہیں، یا جس روز امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا جاتا ہے اس وقت بھی امام ثانیِ زہراؑ کی حفاظت میں ہیں۔ یاد رہے کہ ثانیِ زہراؑ کی یہ تمام کاوشیں اپنے خانگی مسائل کی الفت و لگاؤ کی خاطر نہیں کہ جب بھی کوئی واقعہ پیش آئے اس وقت واقعہ کی مطابقت سے اقدام کریں۔ آپؑ کی یہ تمام کاوش و کشمکش قانون و نظامِ پروردگار کی بنیادوں کے دفاع کی خاطر ہے جس کے لئے آپؑ کے جدِ بزرگوار جنابِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، آپؑ کے والدِ محترم جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام، آپؑ کی والدۂ گرامی جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور برادرانِ ذی وقار حسنین علیہما السلام نے اپنی زندگیاں صرف کی تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

میں نئی روح پھونک دی، بھائی کی وصیت نے اُن کے ذہن کی نئی تخلیق کی ہے۔ احساسات کی نزاکت کی جگہ عزم و جرأت، برداشت و تحمل نے لے لی۔ شخصی تاثراتِ رنج و غم کی جگہ بچوں، بیواؤں اور عزیزوں کے احساساتِ غم کی تخفیف کی فکر اور تسلی و تسکین کی کوششوں نے لے لی۔ شامِ غریباں سے گیارہویں کی صبح تک خاک پر سجدہ میں بار بار پیشانی رکھ کر جو قوت مانگی تھی، قدرت نے بخش دی۔ ہیجان انگیز مقامات اب ان میں شخصی تاثرات کو شدید کرنے کی بجائے ساتھیوں کی غمگساری و تسکین بخشی کے ارادہ کو مستحکم تر کرتے ہیں۔

''اس وقت ہولناک تر منظر کو دیکھ کر مر جانا اُن کی نظر میں بزدلی تھی۔ ساتھیوں کو غم کے منجدھار سے نکالنا یہ ہمت کا کام تھا۔ یہ مشکل ترین مسئلہ تھا کہ اپنے نفسیاتِ غم دبا دیئے جائیں، ساتھیوں کے غم کے سیلاب کو روکنے کے لئے گنجِ شہیداں میں قدرت نے ثانیِ زہراؑ کی آزمائش کر لی جو اس منزل سے ہوش و حواس کی سلامتی اور فرائض کے زندہ احساس کے ساتھ گزر گئیں۔ وہ کوفہ و شام کے مرحلوں کو شہامت و عزت کے ساتھ طے کرنے لگیں۔ سنگین ترین مرحلے یکے بعد دیگرے ثانیِ زہراؑ کے سامنے آنے والے تھے۔ اللہ نے زیادہ سے زیادہ صبر کی طاقت انہیں بخش دی۔ ملکۂ صبر اُم الفضائل ہے۔ زندگی کو اس فضیلت کی ایسی ہی ضرورت ہے کہ قرآنِ مجید نے تقریباً ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور ہر فضیلت کی ایک معین جزا مقرر کی ہے، لیکن صبر کے متعلق فرمایا ہے: '**انما یوفی الصّابرون اجرھم بغیر حساب**'۔ اب ثانیِ زہراؑ کی نظر اجرِ بے حساب کے انعامِ ربانی پر ہے۔

''جب قتل گاہ سامنے آئی اور اسیروں کی نگاہ سید الشہداء کے جسمِ بے سر پر پڑی، اکبرؑ و قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ و عباسؑ کے لاشے ریگِ صحرا پر پڑے ہوئے دکھائی دیئے تو ماؤں اور بہنوں میں کہرام مچ گیا۔ سید الصابرینؑ کے لئے یہ بڑا سانحہ تھا کہ شہداء کی لاشیں بے کفن و دفن پڑی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کا منشا اس وقت یہ تھا کہ سید الصابرینؑ پر بھی ظاہر ہو جائے کہ معبودِ حق نے سنگین حالات کے مقابلہ کے لئے پھوپھی میں کس قدر قوتِ صبر پیدا کر دی ہے اور تائیدِ ربانی کس قدر ان کے شاملِ حال ہے۔ مناظر ایسے ہی ہولناک ہیں کہ سید الصابرین کا رنگ دُرخ بدل جائے، بیتابی و رنجِ نفس کی آمد و شد کے نظام میں رخنہ ڈال دے، جذبۂ غم کی شدت، زندگی (جاری)

دفاعِ سید الشہداء علیہ السلام

ثانی زہراؑ نے لا تعداد مواقع پر امام حسین علیہ السلام کے دفاع کی ذمہ داری اٹھائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کے تمام اقدامات میں آپؑ کی یہ بہن مکمل طور پر آپؑ کے ہم قدم نظر آتی ہیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کی زندگی کا مدینہ کا دور ہو، واقعۂ کربلا کے نشیب وفراز ہوں یا عرصۂ اسیری کے واقعات و حالات ہوں، جن کا ہم ذکر کریں گے، ہر جگہ آپؑ کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) جان آفرین کے سپرد کر دے۔

''لیکن مصلحتِ ربانی یہ تھی کہ اس منظر کے مشاہدہ کے لئے ایک نازک حس، رقیق القلب، افسردہ طبیعت کو اتنا قوی دل بنا دے کہ وہ اپنے شدید تاثراتِ غم سے دوسروں کے جذبۂ غم میں طغیانی پیدا کرنے کی بجائے دوسروں کے غم کے طوفان پر بندھ باندھ دے۔ اگر اس موقع پر میں خضر و موسیٰ علیہما السلام کی تمثیل سے نفسیات کی اس تبدیلی کی توجیہہ کروں تو میرا نفس مطمئن نہ ہوگا کہ میں حضرت خضر کی جگہ پر ثانی زہراؑ کو رکھوں اور حضرت موسیٰ کی حیثیت امام زین العابدینؑ کو دوں۔

''عصمتِ کبریٰ اور عصمتِ صغریٰ میں تائیدِ ربانی کا جو عام فرق ہے وہ اس وقت دونوں میں تفاوتِ درجات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن قدرت یہ چاہتی تھی کہ تسلی کا فریضہ ایک نازک دل فرد انجام دے جو ایسے موقع پر آہ و کراہ و سیلابِ اشک سے فضا کو غمناک سے غمناک تر بنا دیتی ہے۔ اگر مخصوص تائید سے اسے قوی دل نہ بنایا گیا ہوتا تو واقعات کی شدتِ مناظر کی ہولناکی کا اظہار وہ کرتا جس کے صبر و برداشت کی طاقت، جس کے ثبات و استقلال کی صلاحیت کو کوہِ گراں سے تشبیہ دے کر اس کے مقامِ ثابت کو کم کرنا تھا۔ خود حضرت امام علی بن الحسینؑ ایک گفتگو میں فرماتے ہیں:

'جب کربلا میں میرے باپ، ان کی اولاد، ان کے بھائی اور عزیز شہید ہو گئے اور ان کے حرم اور خواتین اونٹوں پر سوار کی گئیں، اور ہم کوفہ کو چلے تو میری نظر اُن لاشوں پر پڑی جو ابھی دفنائی نہیں گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ میرا قلق اتنا بڑھا کہ قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے۔

'میری پھوپھی زینبؑ کبریٰ نے اسے محسوس کر لیا اور فرمایا کہ اے میرے نانا، باپ اور بھائی کی یادگار! تم کیوں جان دے رہے ہو؟

'امامؑ نے فرمایا کہ میں کیسے نہ بے چین ہو جاؤں جبکہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ میرے سردار، میرے بھائی، میرے چچا اور میرے چچا کے لڑکے قتل کئے ہوئے خون میں آلودہ خاک پر پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ کفن دیا گیا نہ دفنایا گیا۔ ان پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ یہ لوگ دیلم وخزر کے باشندے ہیں؟

(جاری)

روزِ عاشور امامِ عالی مقام نے شہزادہ علیؑ اکبر کی صدائے استعانت سنی، اپنے آپ کو نہایت تیز رفتاری سے اپنے جوان فرزندِ رشید کے سرہانے پہنچایا۔ آپؑ نے دیکھا کہ ہمشکلِ پیغمبرؐ بیٹے کا سر شگافتہ ہے اور وہ خون میں غرق ہیں۔ امامِ عالی مقام کا شہزادہ علیؑ اکبر کے سرہانے اس تیزی سے پہنچنا اتنی عجیب بات بھی نہ تھی، آپؑ اُن کو سیدہ زینبؑ عالیہ کے پاس اٹھالائے۔ ثانیِ زہراؑ تشریف لائیں، اپنے آپ کو لاشۂ علیؑ اکبر پر گرادیا، سیدالشہداءعلیہ السلام کے دلاسہ کی خاطر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: ''میرے بھائی کو علیؑ اکبر کا پرسہ دو''۔ اپنی ایسی باتوں سے سیدالشہداءعلیہ السلام کے دل کو ڈھارس دی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اِحمِلُوا اَخاکُم......'' علیؑ اکبر کی لاش کو اٹھاؤ اور خیمہ میں لے چلو......(مقتل الحسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

'(ثانیِ زہراؑ نے) فرمایا کہ اس منظر کو دیکھ کر مضطرب نہ ہو۔ بخدا اس کے بارے میں رسولؐ اللہ سے آپ کے دادا اور والد اور آپ کے چچا سے ایک عہد ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ جن کو اس امت کے فرعون نہیں پہچانتے اور وہ اہلِ آسمان معروف ہیں، وہ لوگ ان پراگندہ اور خون آلودہ اعضاء کو جمع کر کے دفن کریں گے اور آپ کے باپ سیدالشہداءعلیہ السلام کی قبر کو نشان لگائیں گے جو کبھی نہ مٹے گا اگر چہ کفر اور ضلالت کے پیرو اس کے مٹانے کی پوری کوشش کریں گے، لیکن قبر کا مقام بلند ہی ہوتا رہے گا۔ میں نے پوچھا کہ یہ عہد کیا ہے اور یہ خبر کیا ہے؟' اس کے بعد آپ نے اُمِ ایمنؑ کی بیان کردہ حدیث مفصل بیان فرمائی (کامل الزیارات، شیخ فقیہ ابوالقاسم، جعفر بن محمد قولویہ قمی ۳۶۷ھ)۔

''بیمارِ کربلا کے تاثرات اور غم کی شدت نے ثانیِ زہراؑ کی توجہ امامؑ کی حالتِ زار کی طرف موڑ دی۔ میں اسے اللہ کی مخصوص تائید سمجھتا ہوں کہ عین وقت پر لطفِ الٰہی نے ثانیِ زہراؑ کی زندگی کی حفاظت کی اور ان کی توجہ اُس وقت اپنے جذباتِ غم پر قابو پا کر بیمار امامؑ کی تسلی و تسکین میں مصروف ہوگئی۔ سیدّالشہداءقبلِ شہادت ثانیِ زہراؑ کی نظر میں یادگارِ سلف تھے۔ کربلا میں امامؑ سے اشارۂ مرگ پا کر جب وہ بے ہوش ہوگئی تھیں تو انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ یادگارِ سلف ہیں، آپ کی موت سب بزرگوں کی موت کی تجدید کرتی ہے۔ کرب والم کے مزید حملہ سے بچانے کیلئے ثانیِ زہراؑ کا کئی طرح علاج کیا جس میں یہ تدبیر بھی شامل تھی کہ اُن کو بیمار امامؑ کے پاس بٹھا دیا کہ اُن کی نازک حالت پر لحظہ بہ لحظہ نظر رہے اور دوسرے حالات سے اثر لینے کا موقعہ نہ ملے۔ اب وہی حیثیت بیمار امامؑ کو ثانیِ زہراؑ کی نظر میں حاصل ہوگئی جس کا اظہار انہوں نے گنجِ شہیداں میں بیمار امامؑ کی نازک حالت دیکھ کر فرمایا، (بقیة جدی و ابی واخوتی)۔ کربلا میں معالج سیدالشہداءعلیہ السلام تھے اور گنجِ شہیداں میں لطفِ خداوندی اُن کا معالج ہے۔ طریقۂ علاج قدرت نے نہیں بدلا۔ وہی بیمار امامؑ کی حالتِ زار اس وقت بھی ان کی توجہ کا مرکز بنائی گئی اور امامؑ کی وہی نازک حالت اس وقت بھی ان کی جان بچاسکی۔ اگر یہ قدرتی طریقۂ علاج مددگار نہ ہوتا تو مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ہولناک منظر ثانیِ زہراؑ کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا۔ اُس وقت ثانیِ زہراؑ کے (جاری)

دُوسری مرتبہ جب شہادتِ امام حسین علیہ السلام یقینی ہو چکی اور جس وقت آپ قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئیں تو زینبؑ عالیہ نے عمر بن سعد کی جانب رخ کر کے اُس سے پوچھا: ''یہ لوگ اباعبدؑ اللہ کو قتل کر رہے ہیں تو تُو کیا اس قتل کا تماشا دیکھتا رہے گا؟''

''اَیُقْتَلُ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ وَ اَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْهِ.....'' (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)

کہتے ہیں کہ یہ سن کر عمر بن سعد رونے لگا اور اپنا منہ اُدھر سے پھیر لیا1۔

کوفہ میں دربارِ ابن زیاد میں سب سردارانِ قبائل اور بے وفا کوفیوں کے سامنے، پھر دربارِ یزید میں جہاں تمام سردارانِ وقت اور دیگر ممالک کے نمائندگان بھی موجود تھے، ثانیِ زہرؑا نے سید الشہداء علیہ السلام کا بطور حقیقی فرزندِ رسولؐ، یکے از ارکانِ دینِ اسلام، زمانہ کی نیک و پاکیزہ ترین شخصیت، مکمل تعارف کروایا۔ اس طرح اُن لوگوں کے ذہنوں سے یہ تصور بالکل نکال دیا کہ وہ معاذ اللہ دین سے خارج ہو چکے تھے جیسا کہ لوگوں کے ذہنوں میں آپؑ کے بارے میں یہ عقیدہ پختہ کرایا گیا تھا۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

دل پر یقیناً نزولِ سکینہ ہوا جس طرح اللہ انتہائی ہولناک مقامات پر اپنے مخصوص بندوں کی نصرت و تائید کرتا رہا ہے۔ اُس وقت بیمار امامؑ کا اضطراب ثانیِ زہرؑا کے لئے سببِ بقائے زندگی ہو گیا، بیمار امامؑ کا اضطراب ثانیِ زہرؑا کے حق میں خدا کا لطف اور تائیدِ ایزدی بن گیا۔

''غم و قلق کا جو طوفان ثانیِ زہرؑا کے سینہ سے اٹھتا وہ بلا شبہ ان کی کشتیِ حیات کو غرق کر دیتا لیکن حکمتِ پروردگار نے ان کو بحرِ غم کے متلاطم ہونے سے روک دیا۔ اگر بحرِ غم میں طوفان آتا تو کتنا شدید ہوتا، اس کا اندازہ مؤرخ طبری کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''قرہ بن قیس تمیمی (فوجِ یزید کا ایک خبیث النفس) کہتا ہے: مجھے خوب یاد ہے، زینبؑ بنتِ فاطمہؑ کا یہ کہنا، میں اسے کبھی نہ بھولوں گا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش پر کہہ رہی تھیں:

'وامحمدؐا! وامحمدؐا! ملائکۂ آسمان نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ حسینؑ میدان میں پڑے ہیں، خون میں ڈوبے ہوئے، تمام اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہیں، یا محمدؐا! آپ کی بیٹیاں رسیوں سے باندھی گئی ہیں، آپ کی ذریت قتل کی گئی، ہوا ان کی لاشوں پر خاک ڈال رہی ہے'۔

''یہ سن کر واللہ دوست و دشمن سب رو دیئے''۔ (رضا کار، شریکۃ الحسینؑ نمبر ۱۹۶۱ء، ص ۲۵ تا ۲۸)۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا)

1۔ زینبؑ عالیہ سلام اللہ علیہا کا سید الشہداء علیہ السلام کی سر بریدہ لاشِ مبارک پر آنا اور اظہارِ صبر خود اپنے مقام پر شہزادی کے معجزہ سے کم نہیں۔ ہم ایک بار پھر اس منظر کے لئے علامہ غدیری مدظلہٗ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس طرح اس منظر کو بیان فرماتے ہیں:

''زینبؑ کبریٰ نے اشقیاء کو امامؑ کی لاش کے گرد جمع ہوتے دیکھا تو اپنے خیمہ سے باہر نکل آئیں جبکہ اپنے دونوں (جاری)

دفاعِ امام زین العابدین علیہ السلام

مؤرخین نے ثانیِ زہرؑا کا ولایتِ حقہ کی معین و معاون اور سید الساجدین علیہ السلام کی کفیل کے طور پر تعارف کروایا ہے۔ ذلیل دشمن نے کئی بار سید سجادؑ کو قتل کر ڈالنے کا قصد کیا لیکن ثانیِ زہرؑا نے مختلف طریقوں اور کوششوں سے امامؑ کو دشمن کے اس ارادہ سے محفوظ رکھا۔ یہ کیفیت اس حد تک سنجیدہ و یقینی ہو چکی تھی کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر زینبؑ کبریٰ نہ ہوتیں تو سید سجادؑ کو بھی قتل کر دیا گیا ہوتا اور خاندانِ رسولؐ خدا میں کسی کو زندہ نہ رہنے دیا جاتا۔ وہ خاص مواقع جن میں جنابِ ثانیِ زہرؑا نے سید سجاد علیہ السلام کی جان بچائی اور حضرتؑ کا دفاع کیا، ہم ذیل میں الگ الگ پیش کرتے ہیں:

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ہاتھوں کو سر پر رکھے ہوئے اس طرح لڑکھڑا کے چل رہی تھیں گویا مصائب و آلام کی شدت نے انہیں زمین گیر کر دیا ہے اور غم و الم سے ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو چکا تھا۔ اس حالت میں وہ مخدومہ اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف بڑھیں اور یہ کلمات اُن کے وردِ زبان تھے:

اے کاش آسمان بھی گرتا زمین پر ۔۔۔ آ جائے زلزلہ بھی مکان و مکین پر! (غدیری)

''اشقیاء نے رسولؐ زادی کو اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف آتا دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا تاکہ زینبؑ اپنے ماں جائے کا جی بھر کر دیدار کر لے۔ سیدۂ عالم آنکھوں میں اشکوں کا سیلاب لئے ہوئے بھائی کی لاش کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔ مظلوم بھائی کے چہرہ پر تیروں اور تلواروں کے نشان نظر آئے اور منہ خون سے رنگین ہو چکا تھا۔ زہرؑا کی بیٹی اپنے بھائی کے قریب بیٹھ گئیں اور نواسۂ رسولؐ پر بین کرنا شروع کر دیئے۔

''مظلوم بھائی کی لاش کو صحرائے کربلا کی گرم ریت پر دیکھ کر زینبؑ برداشت نہ کر سکیں۔ آگے بڑھ کر امامؑ کے کاندھوں کے نیچے، اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے تاکہ بھائی کا نازنین بدن صحرا کی تپش سے بچ جائے......اس کے بعد بھائی کا کٹا ہوا گلا چوم کر، صبر و رضا کا دامن تھامے خیام کی جانب روانہ ہوئیں۔ زینبؑ نے اتنی عظیم مصیبت پر صبر و استقامت اختیار کر کے عظمتِ انسانیت کو معراج بخشی اور پیامِ حسینی کی ابدیت نواز تاثیر سے دنیائے بشریت کو حیاتِ جاوداں کا راستہ دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر صاحبِ بصیرت انسان زینبؑ کے جذبۂ استقامت کے سامنے سرِ ادب خم کئے ہوئے ہے۔

''کربلا کی شیر دل خاتون، زینبؑ کبریٰ نے مصیبت و الم کی ہر گھڑی میں صبر و تحمل کے ایسے نمونے پیش کئے جو آج تک ہر اہلِ درد کیلئے مثال بن چکے ہیں۔

''علیؑ کی باعظمت بیٹی نے اپنی ہر مصیبت میں رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھا اور اپنے مثالی صبر کا اجر بارگاہِ خداوندی سے طلب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھائی کی لاش پر آ کر خدا کے حضور قربانئ آلِ محمدؐ کی قبولیت کی دعا کرنا، ثانیِ زہرؑا کے مقامِ تقویٰ کا بے مثال نمونہ (جاری)

(ل) عصرِ روزِ عاشور

ہم بتلا چکے ہیں کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد دشمن آپؑ کی خیمہ گاہ میں گھس آیا، تاراجیٔ خیام اور اموال کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دی گئی جس سے تمام خیام جل گئے اور خواتین و بچگان اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اُس وقت سیدِ سجادؑ بیماری کی حالت میں بستر پر پڑے تھے اور اپنے دفاع کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ شمر آپؑ کے سر پر آن دھمکا اور آپؑ کے قتل کا ارادہ کیا۔ سردارانِ لشکرِ عمر ابنِ سعد میں سے ایک شخص مانع ہوا اور بولا کہ یہ تو ابھی لڑکا ہی ہے اور لڑکوں کو مارنا درست نہیں (زندگانیِ امام علیؑ بن الحسینؑ، شہیدی)۔

شمر کے اس ارادہ کا علم ہوتے ہی ثانیِ زہراؑ نے اپنے آپ کو بستر میں امامؑ کے اوپر گرا دیا۔ پھر امامؑ کو اپنی آغوش میں لے کر فرمایا: ''خدا کی قسم! میں اس کو قتل نہ ہونے دوں گی، یا پھر اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈالو''۔

دشمن کیلئے ایسا کرنا بھی بعید نہ تھا، تاہم اس نے سیدِ سجادؑ کے قتل سے ہاتھ روک دیا 1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اتنے عظیم بھائی کی لاش پر بہنیں عموماً اپنے حواس کھو بیٹھتی ہیں۔ لیکن زینبؑ کے اخلاص و صبر کی عظمتیں نمایاں ہوئیں اور غم و اندوہ کی اس حالت میں رضائے الٰہی کے حصول کی دعائیں مانگتی رہیں۔ تاریخِ بشریت، ثانیِ زہراؑ کے صبر کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۰۸، ۲۰۹)۔

(حاشیہ صفحۂ ہٰذا)

1 (ل)۔ جنابِ سید العلماء اعلی اللہ مقامہٗ ۱۱ محرم کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''11 محرم کی صبح کو جب پس ماندگانِ حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواجِ یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد بھی شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

''اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علی بن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر ثانیِ زہراؑ بے تاب ہو گئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ مقتلِ شہداء میں پہنچا تو اُن سے اُن کی پھوپھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے ہمارے یادگارِ رفتگاں، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟ بھتیجے نے جواب دیا: 'اے پھوپھی اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پدرِ بزرگوار اور چچا اور میرے بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں خون میں نہائے ہوئے بے دفن و کفن پڑے ہیں اور کوئی اُن کا نگران ہے نہ پُرسان۔ اس نازک موقع پر جنابِ زینبؑ ہی کا کام تھا کہ (جاری)

(ب) قتل گاہ میں

گیارہ محرم کی صبح کو اسیرانِ اہلِ بیتؑ قتل گاہِ سید الشہداء علیہ السلام میں وارد ہوئے۔ اُن کی نظریں بے سر جسموں اور شہداء کے پارہ پارہ اعضائے بدن پر پڑیں۔ مقرّم کہتا ہے کہ سیدِ سجادؑ کے چہرہ سے رنگِ حیات اُڑ گیا، گویا آپؑ کی حالتِ نزع ہو رہی تھی۔ ثانیِ زہرؑا نے رخصتِ شہداء سے اپنے آپ کو ہٹالیا، تیزی سے امامؑ کے قریب پہنچیں اور فرمایا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسہ دیا۔ (شہیدِ انسانیت، ص ۵۵۹، ۵۶۰)۔

(ب) یہ تمام حالات مختلف کتب میں ان کے مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کئے ہیں، جن میں صرف الفاظ ہی کا فرق ہے، نفسِ مضمون کو بدلنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔ اسی سے کربلا کے مرقع میں ثانیِ زہرؑا نے اپنے وجود و کاوش سے جو رنگ بھرے ہیں، ان کو سمجھنے میں ذہنِ انسانی کو کسی طرح کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ ہم یہاں علامہ غدیری مدظلہ کے الفاظ بھی پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو اس موقع پر ثانیِ زہرؑا کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

''شمر بن ذی الجوشن اشقیاء کے ایک گروہ کے ہمراہ تلوار ہاتھ میں لئے خیام کی طرف آیا اور بیمارِ کربلا زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا۔ امام زین العابدینؑ شدتِ بیماری کی وجہ سے اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے۔ حمید بن مسلم نے شمر کو اس مذموم ارادہ کے ساتھ خیام کی طرف بڑھتا دیکھ کر کہا: ''تم پر افسوس ہے کہ چھوٹے بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے ہو۔ زین العابدینؑ تو بیمار ہیں۔ تمہیں ان کی حالت پر بھی رحم نہیں آتا؟''

شمر نے حمید بن مسلم کی بات پر کان نہ دھرے اور زین العابدینؑ کے قتل پر اپنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ لیکن ثانیِ زہرؑا جو تھے تاجدارِ امامت سیدِ سجاد زین العابدینؑ کی پاسداری کرتے ہوئے سامنے آگئیں۔ امام زین العابدینؑ سے لپٹ گئیں اور شمر سے مخاطب ہو کر کہا:

''خبردار! امامِ وقت کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرنا ورنہ تجھے زینبؑ کی لاش سے گزرنا ہوگا اور میں اس بیمار پر آنچ تک آنا قطعاً برداشت نہیں کرسکتی''۔

سیدہ زینبؑ کے عزم و استقلال کے سامنے شمر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ امامِ وقت کے قتل سے ہاتھ اٹھا کر واپس چلا گیا۔

امامت کی پاس داری میں ثانیِ زہرؑا کا یہ کردار سلسلۂ امامت کی بقائے دائمی کا سبب بنا، جس کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کائنات میں وجودِ امام کے فیوضات سے بہرہ ور ہونا، زینبؑ کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے کہ اس معظمہ نے اپنے قلبِ آہنین کے ساتھ وجودِ امام کی پاس داری کرتے ہوئے شمر جیسے شقی انسان کو قتلِ امامؑ کے مذموم ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا جس کے نتیجہ میں دُنیائے (جاری)

مَالِی اَرَاکَ تَجُودُ بِنَفسِکَ یا بَقِیَّةَ جَدِّی وَ اَبِی وَاِخوَتِی؟ (مقتل الحسین علیہ السلام، المقرم، ص ۳۹۶۔

یعنی ''اے میرے نانا، میرے باپ اور میرے بھائی کی یادگار! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اپنی جان دے دو گے''۔

امامؑ نے فرمایا: ''میں کیسے بے تاب نہ ہوں جبکہ میں اپنے باپ، بھائیوں، چچاؤں.....سب کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے خون میں ڈوبے ہوئے بے جان پڑے ہیں، اُن کے جسم برہنہ ہیں، انہیں کفن تک نہیں دیا گیا، گویا کہ یہ لوگ ہمیں مسلمان بھی نہیں جانتے؟''

سیدہ زینبؑ اُن کے قریب بیٹھ گئیں اور انہیں دلاسا دینے کی غرض سے فرمایا: ''اس کیفیت سے بے چین نہ ہو۔ خدا کی

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

آدمیت آج تک نورِ امامت سے مستفیض ہو رہی ہے (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۱۰، ۲۱۱)۔

آگے چل کر علامہ مذکور لکھتے ہیں:

''اگرچہ دن بھر کی مصیبتوں اور آلام کی شدت نے زینبؑ کا سکون لوٹ لیا مگر آلِ رسولؐ کے بے گناہ خون کا مقدس پیغام اطراف و اکنافِ عالم تک پہنچانا بھی انہی کے ذمہ تھا۔ چنانچہ عقیلۂ بنی ہاشم زینبؑ کبریٰ رات بھر جاگتی رہیں تاکہ اسلام کی عظمت کے تحفظ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور اہلِ بیتِ رسولؐ کی بے سہارا بیبیوں کی ڈھارس بن سکیں۔

''ثانیٔ زہراؑ کے صبر و استقامت، عزم و استقلال اور بارگاہِ الٰہی میں اخلاصِ بندگی کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ مصائب و آلام کی اس سخت ترین رات میں علیؑ کی بیٹی نے نمازِ تہجد ترک نہ کی بلکہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق عباداتِ الٰہی کو انجام دیا اور خدا سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگیں۔ البتہ کئی دنوں کی تھکاوٹ اور کئی راتوں کی بیداری نے زینبِ عالیہ کو نڈھال کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُس رات کو آپؑ نے نمازِ شب بیٹھ کر ادا کی۔

''عقیلۂ بنی ہاشم زینبؑ کبریٰ نے کربلا کی اندوہناک فضا میں عظمتِ کردار کے جو نمونے پیش کئے وہ نہ فقط یہ کہ پوری کائنات کیلئے معیارِ عمل بنے بلکہ اِن سے شہادتِ امامؑ کے عظیم مقصد کی تکمیل بھی ہوئی اور رہتی دنیا تک فطرت کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم ہوگئی، حق و باطل کی پہچان کے راستے واضح ہو گئے اور شہدائے کربلا کی عظیم قربانیوں کے پاکیزہ اسرار بھی نمایاں ہو گئے جس کے نتیجہ میں پرچمِ اسلام سربلند و سرفراز ہو گیا۔

''ہمارا اسلام ہو علیؑ کی بیٹی کے بے مثال صبر اور عظیم کردار پر!'' (حوالۂ اولیٰ، ص ۲۱۳)۔

قسم! یہ سب کچھ اُس عہد و پیمان کے مطابق ہے جو اللہ نے تمہارے دادا اور پدرِ بزرگوار کے ساتھ کیا تھا۔

فَوَاللّٰهِ اِنَّ هٰذَاالْعَهْدِمِنَ اللّٰهِ اِلٰى جَدِّكَ وَاَبِيْكَ.....

یہ اجسام اسی طرح خاک پر پڑے نہیں رہیں گے۔ ایک قوم کے افراد یہاں آئیں گے، اِن پارہ پارہ اجسام کو اکٹھا کریں گے، اِن کو دفن کریں گے، اس جگہ مقبرہ ہائے شہداء تعمیر کریں گے اور تمہارے پدرِ بزرگوار سید الشہداء کا پرچم لہرائیں گے۔ ان کا اثر یہاں سے ضائع نہ ہوگا، نہ ہی کارنامۂ حسینی کو بھلایا جا سکے گا۔

لَايُدْرَسُ اَثَرُهُ وَلَا يُمْحٰى اِسْمُهُ.....

دُشمنانِ اہلِ بیتؑ، آئمۂ کفر اور گمراہی کے علمبردار اِن کو محو کرنے اور ان کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کی تمام کوششیں شہدائے راہِ خدا کے مقامات کو بلند تر کرنے کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہ کریں گی''۔

فَلَايَزْدَادُاَثَرُهُ اِلَّا عُلُوّاً.....

اسی قسم کی اور باتیں تھوڑے اختلاف کے ساتھ دیگر کتبِ اسناد میں نظر آتی ہیں (منتہی الآمال، لہوف، بحار)۔

(ج) دربارِ ابنِ زیاد میں

ابنِ زیاد کے دربار میں بھی ایک طرف ثانیِ زہراؑ اور ابنِ زیاد ملعون کے درمیان اور دوسری طرف سیدِ سجادؑ اور اسی ملعون کے درمیان کئی مرتبہ بحث ہوئی۔ آخر ابنِ زیاد ہر طرف سے لاجواب ہوا اور جیسا کہ ہر ظالم کا طریقہ وشیوہ ہوا کرتا ہے، اس نے بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا جس پر اُس کے ملازمین بڑھے کہ آپؑ کو لے جا کر قتل کر دیں۔

اس موقعہ پر سیدہ زینبؑ درمیان میں آگئیں اور ابنِ زیاد ملعون کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تو ہمارے بہت سے افراد کا خون بہا چکا ہے۔ اگر تو اس کو قتل کرنے کا قصد کر ہی چکا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ ہی قتل کروا دے۔ خدا کی قسم! یہ نہیں قتل ہوگا جب تک کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی قتل نہ ہو جاؤں۔

''وَاللّٰهِ لَايُقْتَلُ حَتّٰى اُقْتَلُ''. (لہوف، ص96)

اس پر ابنِ زیاد خاموش ہوگیا۔ پھر بولا ''عَجَباً لِلرَّحم.....'' کہ سیدِ سجادؑ کو چھوڑ دیں۔ (زندگانیِ امام علی بن الحسینؑ)

(د) دربارِ یزید میں

یزید اپنی فتح کے نشہ میں سرشار تھا۔ اُس نے نہایت مغرورانہ طور پر حکم دیا کہ تمام سرہائے شہداء اس کے سامنے پیش کئے

جائیں۔ پھر بے ہودگی اور نہایت بدتمیزی پر اتر آیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے نہ چاہا کہ فتح کا شیریں ذائقہ اس کے دہن میں پہنچے۔ لہٰذا آپؑ نے ایسی باتیں کیں جن سے وہ ملعون شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن اس ملعون نے یہ کہہ کر آپؑ کے قتل کا حکم دے دیا کہ تو میرے سامنے درشتی سے بولتا ہے؟

اس پر ثانیِ زہراؑ کھڑی ہوگئیں اور فرمایا: ''یزید! تو زمین کو اولادِ رسولؐ کے خون سے بہت سیراب کر چکا۔ کیا اسی قدر تیرے لئے کافی نہیں؟ کیا اب تو یہ چاہتا ہے کہ نسلِ پیغمبرِ خدا میں کوئی شخص زمین پر باقی نہ رہے؟''

یہ سن کر دربار میں انقلاب کے آثار نظر آنے لگے۔ لہٰذا یزید اپنا حکم واپس لینے پر مجبور ہوگیا۔

۳۔ حمایتِ وقارِ اسلام

یہ حقیقت ہے کہ ثانیِ زہراؑ نے اماموں کی جان کا دفاع کیا، اپنے ہدف ومقصد اور دینِ اسلام کے حق میں بحث واحتجاج کیا، امام زین العابدین علیہ السلام جیسے بیمار امام کی زندگی کی حفاظت کی اور اس طرح آخرکار واقعۂ کربلا کو معنی خیز بنا دیا، ایک واضح وروشن امر ہے جس کے موافقین ومخالفین، دوست اور دشمن اپنی اپنی تاریخ میں شاہد وگواہ ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس ہم جانتے ہیں کہ واقعۂ فاجعۂ کربلا اور اسیری کے دوران ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا بچوں کو اپنی آغوش میں لے لیتیں، اُن کو پیار کرتیں، ہر ایک کو اپنی زبان میں دلاسہ دیتیں جس سے انہیں سکون میسر آتا۔ یہ بھی ایک پختہ حقیقت ہے کہ اپنے ہدف کی اشاعت وتبلیغ کے دوران سیدہؑ کی بیٹی نے کسی جگہ اپنی ذات کی خاطر اظہارِ غم نہیں کیا بلکہ آپ کا غم وغصہ اپنے والدِ بزرگوار، مادرِ گرامی، اپنے باوقار برادران، اسیران وشہداء کے پس ماندگان کی خاطر تھا۔ چنانچہ آپؑ اپنی تمام عمر اسی طریق کو اختیار کئے رہیں۔

پامالیٔ اقدار

اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ درمیان میں ابھر کر سامنے آتا ہے جس کو اکثر لوگوں نے آہستہ آہستہ نقش ونگارِ طاقِ نسیاں بنا کر رکھ دیا۔ حد یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کے سربرآوردہ اور رجال میں مصروف سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے بالکل ہی اس امر کو ترک ونظر انداز کر دیا۔ اس مسئلہ کا تعلق اقدارِ اسلام کے وقار اور اُن کے تقدس سے ہے۔ ہجرت کے ساٹھ برس اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی صرف بمشکل پچاس سال ہی گزر پائے تھے کہ بہت سی اسلامی قدروں اور مقدس طریقہ ہائے عمل جن کو جنابِ محمد مصطفےٰؐ نے اُمت کے درمیان برائے عمل ونگہداشت چھوڑا تھا، وہ سب بدترین افراد کے ہاتھ

لگ گئے۔لہٰذا ان اقدار کی اکثریت غفلت کی نظر ہوگئی۔نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام امورِ مقدسہ لوگوں کی لاپرواہی اور اُن کے لئے مذاق وتماشہ کا نمونہ بن کررہ گئے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض خلفائے پیغمبرؐ اسلام نے حرام وحلال میں دخل دینا شروع کردیا اور کہنے لگے:

"مُحَلَّلَتَانِ فِی زَمَنِ رَسُولِ اللّٰه وَاَنَا اُحَرِّ مُهُمَا" (قولِ خلیفۂ ثانی)۔

اس سے ظاہر ہے کہ اقدارِ اسلام کا کیا حشر ہوچکا ہوگا کہ لوگ خود اپنے مقام پر اپنا حق سمجھنے لگے کہ بہت سے مقدس اصول ہائے اسلام کو تماشہ بنالیں اور جس طرح چاہیں توڑ مروڑ ڈالیں۔

نتائج انحرافات

اسلام کی اس افراتفری کے دور میں جو دورِ حکومت اسلامی کی ابتداء اور بعض غاصبینِ حکومت کے زمانہ میں نظر آتا ہے، ایسے ایسے دردناک حادثات اسلام میں ملتے ہیں کہ جن کی تلاش وجستجو نہایت اندوہناک مواقع تک جا پہنچتی ہے۔ممکن نہیں کہ ہم ایسے تمام واقعات کو جمع کرسکیں تاہم مختصراً بعض اہم ترین حوادث کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ وصیت کی اہمیت معاشرہ سے اٹھ گئی، بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت جس میں آنحضرتؐ نے حکومت کی ساخت اور حکمرانوں کی مفصل نشاندہی فرمائی تھی۔

ب۔ آنحضرتؐ کے پسماندگان اور اُن کے احترام کو بالکل نظرانداز کردیا گیا، بالخصوص یہ کہ سیدہ فاطمہؑ جو تنہا یادگارِ رسولؐ اکرم تھیں، اس کے باوجود انہیں بے انتہا دکھ جھیلنا پڑے (جن کا وہ اپنے اشعار میں ذکر فرماتی ہیں)۔

ج۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی مال و وراثت سے محرومی جس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنتِ رسولؐ اکرم سے ان کا حقِ ملکیت تک چھین لیا گیا۔

د۔ اسلام میں اولیت کا وقار واہمیت، جس کی طرف خود قرآنِ مجید اشارہ فرماتا ہے، جبکہ حضرت علیؑ اوّل المؤمنین ہیں، یہ حق بھی اُن سے چھین لیا گیا۔

ھ۔ خاندانِ رسولؐ اکرم کی طہارت کا مرتبہ، جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی، اُن سے ہٹا دیا گیا۔

و۔ اُن کی گواہیوں کی قدروقیمت، جن کی خود قرآنِ مجید تصدیق کرتا ہے، اور جن کیلئے اس سلسلہ میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے، بالکل ختم کردی گئی یہاں تک کہ حضرات علی و فاطمہ علیہما السلام کے متعلق

گواہوں کی شہادت کو بھی قبول نہ کیا گیا۔

ز۔ خاندانِ رسولِ اکرمؐ کی عصمت و وصایتِ رسولؐ پر اعتراضات ہونے لگے حالانکہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی، عادل ترین اور بہترین فیصلہ کرنے والا قرار دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو جوانی و کم عمری کا بہانہ کر کے حکومت سے دور رکھا گیا۔

ح۔ مسجد و محرابِ مسجد کو مقامِ امن کا مرتبہ حاصل تھا اور حضرت علیؑ کو اسی میں شہید کر ڈالا گیا۔

ط۔ زہد و تقویٰ کی اہمیت کو اس طرح پامال کر دیا گیا کہ دولتمند عیاش و تماش بین لوگ مسند نشین ہونے لگے۔

ی۔ گھر جو مقامِ امن ہوتا ہے، اس کو امن و امان سے اس قدر تہی کر دیا گیا کہ دُشمن نے امام حسن علیہ السلام تک کو اُنؑ کی زوجہ کے ذریعے فریب سے شہید کروا دیا۔

ک۔ وقارِ مہمان داری و مہمان نوازی کو بالکل پامال کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کو مہمان بلا کر نہایت بے غیرتی سے آپ پر تلواروں سے حملہ آور ہوئے اور بدترین طریقہ سے آپ کو ظلم و ستم سے شہید کر دیا گیا۔

ل۔ سید الشہداء امام حسین اور سیدہ زینب علیہما السلام کے لئے مردانگی و مروت کو قطعاً برطرف کر دیا گیا۔

م۔ یتیموں کی پرورش اور اُن کی دیکھ بھال کو اس طرح روند ڈالا گیا کہ امام حسینؑ کے یتیم بچوں کو تازیانے مارے گئے۔

ن۔ دینِ اسلام کے ظاہر و واضح احکام کو اس طرح اور اس قدر مسخ کیا گیا کہ دربارِ یزید میں کھلم کھلا شراب نوشی ہوتی تھی۔

مقامِ ثانیِ زہراؑ

ان حالات میں زینبؑ عالیہ کا موقع یہ ہے کہ وہ خود اسیرِ قومِ جفا پرور ہیں، پیمان شکن قوم کا سامنا ہے، آپؑ کی یہ قید اور ظلم ناحق ہیں، اُن لوگوں کا سامنا ہے جو علی الاعلان فسق و فجور میں غرق ہیں، مہمان کو اپنے شہر اور گھر میں مدعو کرتے اور کمالِ ناجواں مردی کے ساتھ اس کو قتل کرتے ہیں، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو طوق و زنجیر پہناتے ہیں، اُن کو قید کرتے ہیں اور پھر ان کی حالت پر گریہ کناں بھی ہیں.......

اس کیفیت میں بھی ثانیِ زہراؑ چاہتی ہیں کہ لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کریں، ان کو از سرِ نو اقدارِ اسلام کی طرف متوجہ کریں، حقائقِ اسلام کو سامنے لا کر فراموش کردہ اقدار کے بارے میں خبردار کریں۔ آپؑ کی یہ کوشش و کاوش آپؑ کے مشہور و معروف خطبہ سے ثابت ہوتی ہے جو آپؑ نے شہرِ کوفہ میں ارشاد فرمایا اور جس کی طرف ہم سابقہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔

ثانیِ زہراؑ لوگوں کو سرزنش کا مورد قرار دیتی ہیں کہ وہ کس جرم کے مرتکب ہوئے، انہوں نے کس طرح قلبِ رسولِ اکرمؐ کو

مجروح کیا ہے اور خاندانِ رسالت کی کس قدر ہتک حرمت کی ہے۔ آپؑ نے اُن کو اُس بوڑھی عورت سے تشبیہ دی ہے جو دن بھر چیزیں بناتی اور رات کو انہیں ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔

اپنی خطابت میں آپؑ نے انہیں سمجھایا کہ انہوں نے مہمان کُشی کی ہے، حق کو اس کے مقامِ اصلی سے دور پھینک دیا، احکامِ دین کا تماشہ بنایا اور اب حق تو یہ ہے کہ وہ لوگ کم ہنسیں اور بہت زیادہ رویا کریں کیونکہ وہ اقدارِ حق و راستی کو پامال کر کے ننگ و عار خریدنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سیدہ زینبِ عالیہ سلام اللہ علیہا نے دربارِ یزید میں بھی اسی نوعیت کی گفتگو فرمائی اور اس پر واضح کر دیا کہ اُس نے حق و صداقت و عدل کو پامال کر کے مسندِ حکومت پر قبضہ کیا ہے اور پھر اولادِ علیؑ پر بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں، جبکہ حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ حق و عدل کا پیکر ہو، عدل و انصاف سے حکومت کرے اور اپنے موقع و مقام اختیار کو ذریعۂ ظلم قرار نہ دے.....1۔

1۔ کتابِ ہذا کا بارھواں باب جس میں ہم ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے طریقِ جہاد کی تفصیل پیش کریں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اولادِ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کربلا کے قتلِ عام سے روانگی کا ایک منظر پیش کریں جس کو ہم 'عمادزادہ' کی کتاب ''تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام' سے نقل کرتے ہیں:

''حضرت زینب سلام الله علیها فرمود: حالاکه باماچین کردیدمارااز طرف گودال قتلگاه 'حایر' ببرید که یک بار دیگر چشمِ ما به این ابدان طیب و طاهر بیفتدوباآنها وداع کنیم. عمروشمروسنان وخولی برائے آنکه اذیت کرده باشندوشماتت نموده باشند موافقت کردند که این شتر سوارانِ برهنه راکه روئے شترانِ بے جهازوبے روپوش سوار کرده اند، وآن علیل بیمارراه که پاهایش رابه زیرِ شکمِ شتر بسته اند تانیفتد، از کنارِ قتلگاه عبوردهند. این حرکت در نظرِ نویسندهِ این سطور از نفسِ قتل مشکل تر به نظر می آید، زیرادل طاقت و بدن، وزبان قدرتِ گفتن، و قلم نیروی نوشتن ندارد که چه شد، درحین مردراز کنارِ قتل گاه این اسراازبالائے شتر کشته هائے بے سرراديده، خود ره به زمین انداختند و چنان از عمقِ دل، ضجه می کشیدند که رسته خیزی برپا کردند، و کار به جائے رسید که خود آن سنگدلاں سیه درون، به گریهِ افتادند و به زور کعب نیزه و غلافِ شمشیروتازیانه، زنان جوان کشته را و مادران داغ دیده راازکنارنقشِ کشتگان بلند کردند. هم این مصائب برائے دختر بزرگ علی علیه السلام بود که او می دید ومامور به صبر هم بود، از طرفي باید سایرزمان و مادران وکودکان و بیماران را امر به صبر و تسلیت نماید.

زینبؑ پس از همهِ این گریه و زاری ها، دست زیر بدن پاره پاره کرد، و سربلند نمود عرض کرد: پروردگارا!این قربانیِ عشق را از آلِ محمدؐ قبول فرما. وه این ماموریت گیوا از مادرش یابه نهایت برادرزاده اش حضرت سجادؑ بود. وبااوودع کرد و برخاست سوارشتران بے روپوش شده، آنهاراکوچ دادند (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)
به طرف کوفه، طرف عصر بود که پشتِ دروازه کوفه رسیدند، خبر دادند ابنِ زیاد دستور داد بمانند صبح فرداکوفه را زینت دهند، و به فتح و فیروزی پسرِ مرجانه مفاخره نمایند، و اسرائے آلِ محمد را وارد کنند. سرهاراکه قبلاً با خبر فتح به ابنِ زیاد رسانیده بودند، پسر مرجانه دستور داد سرهارابرفرازنیزه هاکرده به استقبال اسرابردندتابیشتر دل آنهارابسوزانند وبلب توجه ناظرینِ را نمایند (حبیب السیر ص ۲۰۲، ج ۲؛ کامل الزیاره ص ۸۰؛ ریاض الشهداء ص ۲۸۳، تهذیب شیخ طوسی؛ مقتل الحسین ص ۱۹۰)(تاریخ زندگانی امام حسین علیه السلام، ج ۲، ص ۱۷۹، ۱۸۰).

''حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اب جبکہ تم یہ سب سلوک ہمارے ساتھ کر چکے ایسا کرو کہ ہمیں ہمارے مقتولین کی قتل گاہ کی طرف سے لے چلو تا کہ ہم ایک بار پھر اپنی نظروں سے ان طیب و طاہر ابدان کی زیارت کر کے ان سے وداع ہو لیں۔ عمر و شمر و سنان و خولی ان حضرات کو مزید اذیت دینے اور ان سے دشمنی کے اظہار کے سبب اس پر رضا مند ہو گئے کہ ان بے مقنہ و چادر اونٹوں پر سوار بی بیوں کو، جن اونٹوں پر کوئی پالان وغیرہ نہ تھے، بیمار و علیل (سید الساجدینؑ) کے ہمراہ جن کے پاؤں ایک اونٹ کے شکم سے باندھ رکھے تھے کہ گر نہ جائیں، قتل گاہ کی طرف سے لے کر روانہ ہوئے۔ یہ سطور سپرد قلم کرنے والے کے خیال میں ظالموں کا یہ عمل خود قتلِ شہداء سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کو دیکھنے کی دل میں طاقت نہیں، بیان کرنے کی زبان میں قدرت نہیں، قلم میں تحریر کرنے کی سکت نہیں کہ وہاں کیا کچھ گزرا، جونہی کہ ان اسیروں نے اونٹوں پر سے قتل گاہ میں سر بریدہ کشتگان کو دیکھا تو اپنے آپ کو اونٹوں پر سے گرا دیا، دل کی گہرائیوں سے اسقدر آوازِ گریہ بلند کی کہ گویا قیامت برپا ہو گئی ہو، کیفیت یہاں تک پہنچی کہ وہ سنگ دل بھی جن کے قلوب سیاہ ہو چکے تھے، رونے لگے۔ انہوں نے زبردستی نیزوں کی نوکوں، تلواروں کے غلافوں اور تازیانوں سے جواں مرگ کشتگان کی خواتین اور ستم رسیدہ ماؤں کو مقتولین کی لاشوں سے جدا کیا۔ یہ سب مصائب علیؑ کی بڑی صاحبزادی کیلئے خصوصیت رکھتے تھے۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور صبر کر رہی تھیں، نیز تمام خواتین اور غم اندوہ ماؤں، بچوں اور بیماروں کو صبر و تسلیم کی نصیحت بھی کر رہی تھیں۔

''اس تمام گریہ وزاری کے بعد سیدہ زینبؑ نے اپنے دست ہائے مبارک کو (اپنے بھائی کے) پارہ پارہ جسم کی نیچے رکھا، سر بلند فرمایا اور پروردگارِ عالم کے حضور عرض کی: 'پروردگارا! آلِ محمدؐ کی اس قربانیِ عشق کو قبول فرما۔ یہ عمل گویا آپؑ نے اپنی مادرِ گرامی یا اپنے برادر زادہ سیدِ سجادؑ کی طرف سے انجام دیا۔ اس کے بعد ان لاشہ ہائے شہداء سے وداع کیا اور کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد ان سب کو ظالموں نے بے پالان اُونٹوں پر سوار کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عصر کا وقت تھا جب وہ دروازۂ کوفہ کے پیچھے پہنچے، ابنِ زیاد ملعون کو اطلاع دی گئی جس نے حکم دیا کہ وہیں رک جائیں تا کہ اگلی صبح پسرِ مرجانہ کوفہ کی سجاوٹ کا انتظام کرے، اپنی فتح پر فخر کرے اور (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

آلِ محمدؐ کے اسیروں کو داخلِ شہر کیا جائے۔ سرہائے شہداء کو پہلے ہی فتح کی خبر دینے کی خاطر ابنِ زیاد ملعون کے پاس بھیجا جاچکا تھا۔ مرجانہ کے بیٹے نے حکم دیا کہ سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کر کے اسیرانِ آلِ محمدؐ کے استقبال کے لئے لے جایا جائے تا کہ ان کے دل اور زیادہ جلیں، نیز دیکھنے والے تماش بینوں کی توجہ کا مرکز بنیں''۔

چند صفحات آگے چل کر یہی مؤرخ مزید لکھتا ہے:

''حمید بن مسلم گوید: فراموش نمی کنیم زینب را در آں وقت که دیدم نوحه و ندبه می کند و بادائے حزیں و دلِ پرسوز و اشک ریزاں روئے به مدینه کرد و گفت:

''یاجدّاه یا محمداه! صلّی علیکَ ملیکُ السماء هذا حسینکَ مُرمَّل بالدّماءِ مقطعُ الاعضاءِ مَسلُوب العمامة وَالرّداءِ، یا جداه یا محمداه! نحن بناتک سبایا و ذریتکَ مقتلة وَ فی ایدِی الظالمین اُساریٰ، اِلَی اللّٰه المشتکیٰ و اِلیٰ محمدِ المصطفٰی و اِلیٰ علیّ المُرتضیٰ وَ اِلیٰ حمزة سیدالشُهَداء''۔

''اے نانا! اے محمد مصطفےٰؐ! آپ پر آسمان کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور یہ آپؐ کا حسینؑ خاک وخون میں اس طرح آلودہ ہے کہ ان کے اعضاء کاٹ ڈالے گئے ہیں اور ان کا عمامہ اور رداء چھین لئے گئے ہیں۔ یا جداہ! یا محمداہ! ہم تیری بیٹیاں ہیں جو قید کر لی گئی ہیں اور تیری ذریت ہیں اور ظالموں کے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ہے ہماری شکایت اور محمد مصطفےٰؐ اور علیؑ مرتضیٰ اور حمزہ سید الشہداء کی بارگاہ میں''۔

۱. مردُم شناسی

زینبؑ عالیہ مخدومۂ مجاہدہ ہیں، اپنے جہاد میں ہر لحاظ سے مستقل و مستحکم ہیں، رزم و جہاد کی خوگر ہیں۔آپؑ نے اپنی ذات کے لئے بہترین طریقِ جہاد اختیار کر کے قدم اٹھایا، پاکیزہ ترین اقدام اپنا کر آگے بڑھیں۔اس طرح آپؑ سید الشہداء کے ساتھ قدم ملا کر چلیں اور امام علیہ السلام کے ساتھ یک دل و یک جان ہو کر آپؑ کے پیانِ جہاد کے ہر مرحلہ میں پیہم و متواتر آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

آپؑ نے اپنی مختصر سی زندگی سانحات و حادثات ہی میں بسر کی اور اس طرح متعدد طریقہ ہائے جہاد سے گزریں۔ابھی آپؑ اپنی مادرِ گرامی کی مبارک آغوش ہی کی زینت تھیں کہ اُن کے حصولِ حق کے مجادلہ اور مخالفین سے اختلاف کو ملاحظہ کیا۔تیس برس آپؑ اپنے پدرِ بزرگوار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے زیرِ سایہ رہیں۔اس طویل عرصہ میں جنابِ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے تمام سرد و گرم حادثاتِ روزگار آپؑ کے سر پر گزرے۔آپؑ نے اپنے عظیم بابا کے فعال و منفی دونوں قسم کے مختلف الوقوع مبارزات کا اچھی طرح بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور ان سب کا کماحقہٗ تجربہ حاصل کیا۔

اس کے بعد دس برس آپؑ نے اپنے برادرِ بزرگ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اُن کے دورِ امامت میں بسر کئے۔اس زمانہ میں آپؑ کو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ہونے والی تمام فریب کاریاں اور آپؑ کے ساتھیوں کی عہد شکنی کا پورا تجربہ کرنا پڑا جبکہ زمانہ بھر کی یہ تمام فریب کاریاں، افرادِ سیاست کی شعبدہ بازیاں برداشت کرنا بہت مشکل اور فوق العادہ کیفیت کا حامل تھا۔اس طرح آپؑ کو امام حسن علیہ السلام کے زمانہ میں امیر معاویہ کی پوری پُر فریب سیاست کا تمام پہلوؤں سے مطالعہ و تجربہ کرنا پڑا۔

موقعہ شناسی

اب امام حسین علیہ السلام کی حیاتِ پاک کے آخری مہ و سال شروع ہوتے ہیں۔امیر معاویہ دنیا سے رخصت ہوئے اور اب امام حسین علیہ السلام کے لئے ضروری قرار پایا کہ اپنے سابقہ انداز و افکارِ مخفی کا اظہار کریں، جس مقصد کیلئے آپؑ کو معاونین و انصار و ہم خیال افراد کی اشد ضرورت تھی۔سیدہ زینبؑ عالیہ سے بہتر ان تمام حالات کو کون سمجھ سکتا تھا اور آپؑ سے

زیادہ کون امام علیہ السلام سے قریب تر ہوسکتا تھا؟ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو اپنے ہمراہ لے کر چلنے کے رموز میں سے ایک وجہ یہ بھی حضور سید الشہداء علیہ السلام کے سامنے تھی۔

فطری امر ہے کہ ہر خوگرِ سیاست اپنے مواقع کی مناسبت سے اور اپنے حالات سے متعلق عوامل و رموز کو سمجھ کر اپنے ساتھیوں کا انتخاب کرتا ہے تا کہ اچھی طرح جان لے کہ اس کے موقف کی اصل کیا ہے، اس کا میدانِ عمل کون سا ہے اور اس کو اپنے ہدف کے حصول کے لئے کیسے حالات و طریقِ کار کا یقین کرنا لازم ہوگا۔ اس کو یہ بھی دیکھنا اور سمجھنا ہوگا کہ دشمن کون ہے، دشمن کا موقف کیا ہے، وہ حالات و مواقع کیا اور کس نوعیت کے ہیں جن کے تحت دشمن کا سامنا کرنا ہے اور پھر دشمن کے مقاماتِ ضعف و توانائی کی کیفیت اس کے اپنے حالات و طریقِ کار سے کس طرح متناسب ہیں۔

ایک مجاہد کیلئے یہ جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ اُس کی اپنی قوت و حالات کے تقاضے کیا ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں اس کی اپنی کیفیت کیا ہے۔ اس کے علم میں ہونا چاہئے کہ کن کن مراحل میں وہ مناسب قوتِ مدافعت رکھتا ہے اور کس موقع پر کمزوری واقع ہوسکتی ہے؟ اس کی اپنی حیثیتِ اصلی کیا ہے اور اس کو خود کون سے، نیز کیسے حالات و مراحل کا سامنا ہے۔ نیز یہ کہ دشمن اس کے بارے میں کیا تصور و اندیشہ رکھتا ہے، یعنی کیا دشمن اُس کے مواقع کو اچھی طرح سمجھتا ہے یا اس کے بارے میں کسی قسم کے احساسِ کمتری یا افراط و تفریط کا شکار ہے؟

ایک مجاہد کے لئے یہ جاننا بھی لازم ہے کہ اپنے جہاد کا کس مقام سے آغاز کرے اور کیسے آگے بڑھے، اس کو دشمن کی قوت سے کس طریقہ و پہلو سے نبرد آزما ہونا چاہئے، کن عوامل کو اختیار کر کے وہ دشمن پر زیادہ سے زیادہ اثر ڈال سکے اور دشمن کی پناہ گاہوں کو کس طرح اپنے تصرف میں لا سکے گا، وغیرہ، وغیرہ۔

ثانیِ زہراؑ کا لائحۂ عمل

زمانۂ طویل کے تجربہ و آگہی نے زینبؑ عالیہ کو ہر طرح پختہ کار و تجربہ کار بنا دیا تھا۔ اس پختہ کاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپؑ اپنے برادرِ بزرگ امام حسین علیہ السلام کے زیرِ سایہ معرکۂ کربلا کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ ضروری امور کا علم تو آپؑ کو خود تھا ہی، اس کے علاوہ جن امور کا جاننا مزید ضروری تھا وہ اس سفر اور طویل عرصۂ مجاہدت میں امام حسین علیہ السلام مسلسل و مستقل طور پر آپؑ کے گوش گزار فرما رہے تھے۔ لہٰذا آپ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ آئندہ آپ کو کیا قدم اٹھانا ہوگا، اسی سلسلہ میں مرحوم اُستاد ڈاکٹر آیتی کہتے ہیں:

''سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطبات اور گفتگو اس نوعیت کے نہ تھے جو افرادِ محبوب کی تحریک یا مصائبِ روزگار کے نتیجہ کے طور پر روحانی تکلیف واندوہ میں زبان سے ادا ہوئے ہوں، بلکہ یہ خطابات سب اپنے اپنے موقعہ و مقام پر دقیق کیفیات اور نہایت منظم و پختہ لائحۂ عمل کے حامل تھے، ایسے جنہیں پورے سکون وسوچ و بچار کے ساتھ بیان کیا گیا ہو (بررسیٔ تاریخِ عاشورا، ص236) بلکہ آپؑ کا سکوت و خاموشی بھی موقعہ کے عین مطابق تھے''۔

بالفاظِ دیگر آپؑ قطعی طور پر جانتی تھیں کہ کس موقع پر بولنا ضروری ہے اور کہاں خاموشی میں مصلحت ہے، کس موقع پر سننے والوں کو غرقِ گریہ کرنا لازم ہے اور کس مقام پر ہجوم کی گفتگو کے مقابلہ میں بے اعتنائی سے گزر جانا ہے۔ طویل اسیری کے دوران مختلف درباروں اور لوگوں کے ہجوم کے درمیان آپؑ کے خطابات ثابت کرتے ہیں کہ کسی مقام پر ثانیِ زہراؑ نے اپنے الفاظ کو ضائع نہیں کیا، نہ ہی ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کوئی ہلکا یا بے معنی لفظ زبان سے نکالا۔ اس کے برعکس جہاں کہیں مناسب موقع و مصلحت ملاحظہ فرمائی اُسی موقع و مقام پر خود اپنا تعارف کروایا، لوگوں کو اپنے خاندان، اپنی شان اور مراتبِ شہداء سے روشناس فرمایا۔

بیداریٔ کامل

اصولی طور پر مجاہدہ کے دوران صرف موقع شناسی ہی کافی نہیں ہوتی، نہ ہی صرف پہلے سے طے شدہ لائحۂ عمل پر کاربند رہنا مناسب ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں میں اہم ترین کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مجاہدہ اپنے مقام پر متحرک و فعال ہو، ساتھ ہی اپنے لائحۂ عمل سے ہر طرح کی مطابقت رکھتے ہوئے ہر پہلو و اعتبار سے بیداری کا محرک اور خوابِ غفلت سے بالکل آزاد ہو۔

لہٰذا ثانیِ زہراؑ اپنے تمام پیش آمدہ حالات و واقعات میں بیداریٔ کامل اور واقفیتِ تامہ کی حامل تھیں۔ آپؑ اپنی ذمہ داری اور اہمیت سے اس قدر واقف تھیں کہ کسی موقع پر نہ صرف یہ کہ غفلت کا کوئی شائبہ دکھلائی دے، کسی مقام پر آپؑ نے اپنے طرزِ عمل سے دشمن کو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے مفاد میں کوئی صورت ایسی پیدا نہ ہونے دی جس سے اُسے کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا۔ تاریخی شواہد اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ ہر قسم کے حالات میں آپؑ نے بچوں کی تمام ضروریات کو قطعی طور پر سامنے رکھا اور اس کے ساتھ ہی دشمن کی حرکات پر بھی نہایت ہوشیاری سے نظر رکھی۔ انتہا یہ ہے کہ عصرِ عاشور کو بھی جبکہ مصائب و آلام ہجوم کررہے تھے، آپؑ کے خیام کو نذرِ آتش کردیا گیا تھا، آپؑ پر نہ غش کی کیفیت طاری ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کے ضعف کا آپؑ سے اظہار ہوا۔ اس کے برعکس نہایت ہوشیاری و دانائی کے ساتھ آپؑ نے دشمن کے جملہ اقدامات پر نظر رکھی، حتیٰ کہ یہ

کوشش کی کہ اس ہنگامۂ دار و گیر کے دوران کوئی بچہ گم نہ ہونے پائے، آپؑ کا فاصلہ متعلقین سے زیادہ نہ ہو اور امام زین العابدین علیہ السلام بھی کسی تکلیف کا شکار نہ ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوفہ میں داخلہ کے دوران بچے بھوکے تھے اور کوفہ کی عورتیں ان کو صدقہ کی روٹیاں اور کھجوریں دے رہی تھیں۔ اس موقعہ پر ثانیِ زہرؑا نے اپنی ذمہ داری قرار دے لی تھی کہ بچے صدقہ کا کوئی لقمہ نہ کھانے پائیں کیونکہ صدقہ آلِ رسولؐ پر حرام ہے۔ دربارِ ابنِ زیاد میں آپؑ نے خیال رکھا کہ وہ ملعون کسی کو اذیتِ جسمانی نہ پہنچائے، اسیروں سے ذلت آمیز رویہ اختیار نہ کرنے پائے۔ اسی لئے آپؑ نے اپنی متین و سنجیدہ و پختہ کار گفتگو سے اُس کے غرور کو پارہ پارہ کر دیا اور اسے اس کی زبوں حالی و ذلت کا مکمل احساس دلایا۔

دربارِ یزید میں بھی آپؑ نے اپنے اسی طریقِ کار کو برقرار رکھا۔ وہاں بھی آپؑ نے اتمامِ حجت اور اپنے نظریات کے اظہار میں اس قدر استقلال و استقامت کو قائم رکھا کہ تاریخ کسی مقام پر آپؑ کے اقدامات کو ذلت و خواری یا کمزور الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس آپؑ نے ایسا طریقِ کار اختیار فرمایا کہ مؤرخین کسی جگہ بھی آپؑ سے ضعف و خطا کا کوئی شائبہ منسوب نہیں کر پائے، نہ ہی کسی موقع پر کوئی شخص یہ کہہ سکا کہ فلاں مقام پر اگر زینبؑ عالیہ ایسا طریق اختیار کر لیتیں تو بہتر ہوتا۔

۲۔ حُسنِ عمل و شفقت و جذبات آفرینی

انسان جذبات رکھنے والی مخلوق ہے۔ محبت و بغض، عشق و تعجب، رحم و جرأت جیسی متضاد صفات کا خوگر ہے، ایسی مخلوق جو روتی بھی ہے اور ہنستی بھی ہے، غصہ کرتی ہے اور منتقم بھی ہے، دوستی پیدا کرتی ہے اور دشمنی بھی۔ پھر یہ سب صفات کسی خاص طبقہ سے تعلق نہیں رکھتیں، نہ ہی کسی خاص قوم یا قبیلہ کی ملکیت ہیں۔ ہر قوم اپنے اپنے حالات و درجاتِ زندگی کے مطابق ان صفات کی مالک ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان جذبات کے اظہار میں حالات و مقام کے مطابق کمی و بیشی ممکن ہوتی ہے۔

انہی صفات کی بنیاد پر یہ ممکن ہے کہ انسان دوسرے انسانوں پر حاوی ہو کر اُن کے کوائف و طریقِ عمل میں تبدیلیاں لے آئے۔ یہی وہ صفات ہیں جن کے باعث انسان دوسروں کو اپنی جانب جذب کرتا یا اپنے سے دور کر لیتا ہے، زندگی میں حُسنِ عمل کو پارہ پارہ کر دیتا اور حالات کو بگاڑ بیٹھتا ہے۔ حُسنِ عمل ہی وہ طریقِ کار ہے جس سے حکومتوں کو بدل ڈالنا، اندیشہ ہائے قوی کو قابو میں رکھنا اور معاشرہ کو وقت کے مطابق جدید ترین نقوش پر استوار کرنا ممکن ہے۔

ثانیِ زہرؑا اوران کاحُسنِ عمل

اصولی طور پر یہ بات مصدقہ ومستقل کیفیت کی حامل ہے کہ جس قدر کسی شخص کاحُسنِ عمل بلند و پختہ ہوگا اُسی قدر حُسنِ عمل کے اثرات بھی پختہ اور عمیق ہوں گے۔ یہی اصول ثانیِ زہرؑا پر کماحقہٗ صادق آتا ہے۔ صنفِ نازک کی عظیم ترین فرد ہونے کی حیثیت سے آپؑ مردوں سے زیادہ خوگرِ اُنس ومحبت، معنوی اقدار کی مالک اور اسلام کی دوست دار ہیں۔ لہٰذا آپؑ نسلی طور پر قلب پرسوز اور مزاجِ مستقل رکھتی ہیں، نہ کبھی ہلکی بات دہنِ مبارک سے نکالتی ہیں، نہ ہی بے موقعہ گفتگو کرتی ہیں۔

ان صفاتِ عالیہ کے ساتھ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے عزتِ اسلام کی خاطر ہمیشہ دل سوزی کا مظاہرہ کیا، دشوار و شدید حالات کی متحمل ہوئیں، جس طرح کے شدائد آپؑ کے سرپر آئے آپؑ نے اُن کا مقابلہ کیا، آئینِ مقدسِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اپنی والدۂ محترمہ کی اقدارِ راست وگراں قدر میں اُن کی دستِ راست بنیں، آپؑ کے پدرِ بزرگوار جو بذاتِ خود پیکرِ ندائے عدالتِ انسانی تھے، آپؑ کے سامنے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوئے اور اسی طرح آپؑ اپنے برادرانِ باوقار کی، جو عالمِ انسانیت کے عزیز دار جمند افراد تھے، شہادتوں کی شاہدِ عینی قرار پائیں۔

ثانیِ زہرؑا کاالیہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے آپؑ نے کبھی اپنی تمام عمر اپنے برابر کے اعزاء کے ساتھ لطفِ حیات کا ذائقہ نہ چکھا۔ تمام عمر غم واندوہ یا اثراتِ غم کے احساس میں بسر کی۔ انتہا یہ ہے کہ اب جامۂ اسیری ہے، ذلیل صفت دشمن کا سامنا ہے، دورِ جاہلیت سے واسطہ ہے، دل کی گہرائیوں سے سوزِ اندرونی کا دھواں اٹھتا ہے، اس کے باوجود حق وعدالتِ اسلامی کے دفاع کی خاطر اپنے تمام وجود کو جھونک چکی ہیں۔

ثانیِ زہرؑا کااحتجاج

سیدہ زینبؑ عالیہ قتل گاہِ کرب وبلا میں وارد ہوئیں۔ اپنے پیارے معصوم بھائی کے پارہ پارہ جسمِ بے سر کے قریب بیٹھ گئیں، ایک مصیبت زدہ فرد کی مانند نوحہ گر ہوئیں، لیکن آپؑ کے احتجاج ونوحہ گری سے دیگر تمام عزاداروں کو درسِ مرثیہ گوئی ملا، ایسا درسِ مرثیہ جس میں حسین مظلوم کی عظمت وبلندیٔ کردار کی ایک دنیا بیان ہو رہی تھی، یہ سب کچھ ایسے ماحول میں ہو رہا تھا جہاں آپؑ کے دشمن پوری طرح اس تمام مرثیہ نگاری کو سُن رہے تھے۔ ارشاد ہو رہا تھا:

میری جان تجھ پر فدا، اے وہ کہ جو ریاضِ پیغمبرؐ پر قربان ہوا۔

میری جان تجھ پر فدا جس کی ولادت سے فرشتگانِ پروردگار برکات کے متمنی ہوئے۔

میری جان تجھ پر فدا جسے پیاسا شہید کیا گیا۔

میری جان تجھ پر فدا جس کی ریشِ پاک سے خون ٹپک رہا ہے۔

میری جان تجھ پر فدا جس کا جسم پارہ پارہ و بے سر پڑا ہے۔

میری جان تجھ پر فدا کہ جس کے جسم کو برہنہ گرم خاک پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس احتجاج سے، نالہ واشک جس کے ساتھ جاری تھے، خود دشمن کے دل میں ایسا طوفان اٹھا کہ اس کے اکثر افراد روتے تھے، اُن کے قلوب بے چین و منقلب ہوگئے، وہ اپنے فرائض سے جن میں اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی روانگی بہ طرف کوفہ شامل تھی، غافل ہوگئے، رقت واحساسِ ندامت کی امواج نے اُن کے قلوب پر ہجوم کرلیا اور وہ لوگ اپنے عمل وظلم وستم سے خود ہی متنفر وشرمسار ہونے لگے[1]۔

1۔ ان دردناک واقعات کو تمام مؤرخین وکتبِ مقاتل کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز میں تاریخی اعتبار سے بھی اور مرثیہ نگاری کے رنگ میں بھی تحریر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی عظیم شخصیات پر مظالم کے ایسے پہاڑ کبھی کسی بدترین انسانی معاشرہ میں بھی روا نہیں رکھے گئے۔ قارئین خود اندازۂ ظلم کر سکتے ہیں بالخصوص جبکہ خود ظلم کرنے والے اپنی تمام سنگ دلی کے باوجود خود اپنے مظالم پر، مظلوموں کی عظمت وکیفیت وکردار کے پیشِ نظر گریاں نظر آتے ہیں اور جن پر ظلم ڈھا رہے ہیں ان کی اصلیت سے بھی واقف ہیں۔

ہم یہاں ایک بار پھر علامہ غدیری مدظلہٗ کی کتاب 'زینبؑ، زینبؑ ہے' کی طرف اپنے پڑھنے والوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

''جب کاروانِ اُسراء صحرائے کربلا سے چلنے لگا تو سیدہ زینبؑ نے اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے ماں جائے کا آخری دیدار اس حالت میں کیا کہ ہاتھوں میں رسیاں اور سر کے بال کھلے تھے اور پالانوں کے بغیر اونٹوں پر سوار ہوکر جا رہی تھیں۔ ثانیِ زہراؑ نے بھائی کو دیکھا کہ مظلومِ کربلا کی لاش بغیر سر کے میدان میں پڑی ہے اور ظالموں نے امامِ مظلوم کے تن سے لباس بھی اتار لیا ہے اور بدن پر خون ہی خون ہے، تو علیؑ کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور آلِ محمدؐ کی مظلومیت پر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں، روتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ رسولؐ زادی نے کہا:

غربت کا درد دل میں لئے جا رہے ہیں ہم — اور نصرتِ خدا کی سزا پا رہے ہیں ہم

یارب میرے حسینؑ کا لاشہ ہے بے کفن — یوں بے گناہ خون میں نہلا رہے ہیں ہم

بچے یتیم تشنہ دہن ہیں رسولؐ کے — اور ظالموں سے تازیانے کھا رہے ہیں ہم (جاری)

کوفہ میں داخلہ

دُشمنِ ذلیل کوفہ میں داخلۂ اہلِ بیتؑ کا منتظر تھا۔ شہر کے لوگ تعطیل کی کیفیت میں تماشہ کی غرض سے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ طبل و باجوں کے ذریعہ دشمن کی فوج اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی آمد اور اپنی فتح کی خبر دے رہی تھی۔ سر ہائے شہداء نوک ہائے نیزہ پر دور سے نظر آنے لگے۔ اکثر لوگ فرطِ انبساط سے شور کر رہے تھے۔ عورتوں کے ہجوم اپنے گھروں کی چھتوں پر تماشہ دیکھنے کیلئے جمع تھیں اور خوشی و انبساط میں اپنی جگہ آرام سے بیٹھتی نہ تھیں۔ اُن میں بعض ایسی سنگدل بھی تھیں کہ چھتوں کے اوپر سے سر ہائے شہداء اور اسیروں کو پتھر بھی مار رہی تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ہیں ننگے سر رسولؐ کی مظلوم بیٹیاں	اے موت! تو ٹھہر کہ ابھی آ رہے ہیں ہم
اے بے کفن شہیدو! ہمارا سلام ہو	تم کو اکیلا چھوڑ کے اب جا رہے ہیں ہم (عدیری)

''اس کے بعد عقیلۂ بنی ہاشم نے مدینہ کی طرف رُخ کر کے اپنے جدِ بزرگوار رسولؐ خدا سے مخاطب ہو کر کہا:

''نانا جان! یہ حسینؑ جسے آپ اپنی آغوشِ محبت میں بٹھا کر اپنی عنایت و شفقت سے نوازتے تھے اور اسے سینہ سے لگا کر اس کی پاکیزہ جبین کے بوسے لیتے تھے، آج بے گور و کفن صحرائے کربلا پر اس حال میں ہے کہ اشقیاء نے اس کے مقدس بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور اس کی گردن پر چھری چلا کر اُسے تن سے جدا کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نیزوں اور تیروں سے اس کا سینہ چھلنی کر ڈالا ہے اور اس کے مقدس سر کو نہایت بے دردی کے ساتھ کاٹ کر نیزے پر سوار کر دیا ہے۔ اس پر بھی ان ظالموں کے دلوں کو تسکین نہیں ہوئی۔ چنانچہ ان ستم پرور افراد اور بدنام خاندانوں کے پروردہ لوگوں نے مظلومِ کربلا کے نازنین بدن کو گھوڑوں کے سُموں کے نیچے پامال کر دیا ہے۔

''نانا جان! ہم آپ کے اہلِ بیتؑ و اولاد آج دیارِ غربت میں بے سہارا ہیں اور کافر و فاسق لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کو صحرائے کربلا میں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

'نانا جان! ہماری غربت و مظلومیت اور اسارت پر گواہ رہنا' (الطراز المذھب، ص ۴۷۱) (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۲۵، ۲۲۶)

ہم مندرجہ بالا سطور میں عرض کر چکے کہ واقعہ کربلا کے مختلف مراحل کو ہر مؤرخ و مؤلف نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے تاہم نفسِ مضمون کا ایک ہونا واقعہ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اہلِ بیتؑ عظام کی کربلا سے روانگی کو ''عائشہ بنت الشاطی مصری'' نے اپنے الفاظ میں تحریر کیا ہے جن میں ان مظلوموں کی کربلا سے روانگی اور کوفہ میں داخلہ دونوں کا ذکر شامل ہے:

''ابنِ زیاد کے لشکر کے سپاہی شہیدوں کے سروں کو فخر و مباہات کے ساتھ کوفہ اُس وقت لے کر پہنچے جب رات ہو گئی (جاری)

ثانیِ زہراؑ کا کجاوہ اس ہجوم کے وسط میں پہنچا۔ آپؑ نے ہجوم کی طرف اپنی انگشتِ مبارک سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں۔ لوگ نہ چاہتے ہوئے بے ارادہ خاموش ہوئے۔ زینبؑ عالیہ نے اپنی پرشکوہ گفتگو کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد شہزادی نے اپنے جدِ بزرگوار پر درود بھیجا تو لوگوں کے کان خود بخود اس طرف متوجہ ہو گئے۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

تھی اور پسرِ زیاد کے محل کا دروازہ بند تھا۔

''کہتے ہیں کہ وہ آدمی جو امامِ شہید کا سر لئے ہوئے تھا اس کو اپنے گھر لے گیا اور ایک گوشہ میں رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے کہا: تیرے لئے زمانہ بھر کی دولت لایا ہوں۔ یہ حسینؑ کا سر ہے جو تیرے گھر میں ہے۔ زوجہ لرز کر چلائی:

''تف ہے تیرے اوپر۔ آدمی تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند کا سر لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم میں تیرے ساتھ اس گھر میں ہرگز نہ رہوں گی''، اس کے بعد وہ گھر سے چلی گئی.....

''کوفہ جاتے وقت قافلہ کو قتل گاہ سے لے گئے۔ جب زینبؑ نے شہیدوں کے خاک و خون میں آلودہ لاشے زمین پر پڑے دیکھے تو یہ فریاد کی:

'اے محمدؐ! آسمان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ حسینؑ ہیں جو خون میں آلودہ گرم ریت پر پڑے ہوئے ہیں اور اُن کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہیں اور یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو اسیر ہو کر جا رہی ہیں۔ اے محمدؐ! یہ آپ کی ذریت ہے جو قتل کر کے زمین پر ڈال دی گئی ہے اور ہوائیں گرد و غبار ان پر ڈال رہی ہیں۔

''زینبؑ کی اس فریاد پر قافلہ کی تمام عورتیں رونے لگیں اور ہر دوست و دشمن آنسو بہانے لگا''۔

(کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۲۱۸، ۲۱۹، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

سید ریاض علی ریاض لکھتے ہیں:

''ناسخ التواریخ کے مطابق حضرت سید سجادؑ فرماتے ہیں کہ باپ اور اعزاء کو شہید اور خون میں لتھڑا ہوا اور ماں بہنوں کو اسیر دیکھ کر میرا سینہ تنگی کرنے لگا اور قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے کہ پھوپھی زینبؑ نے دیکھا اور فرمایا کہ اے میرے بزرگوں کی یادگار تجھے کس حالت میں دیکھ رہی ہوں۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ دنیا سے گزر جائے؟ حضرت سجادؑ نے فرمایا اے پھوپھی کیونکر میری یہ حالت نہ ہو کہ میرے سب اعزاء مارے گئے اور وہ برہنہ تن اور بے کفن پڑے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدا کی تیرے بزرگوں سے اس کا عہد لیا گیا تھا''۔ (شہیدِ اعظم، ج ۲، ص ۲۱۸)۔

جناب سید العلماء مرحوم لکھتے ہیں:

(جاری)

خطاب شروع ہوتے ہی ثانیِ زہرؑا کا مقامِ سابقہ اور حکومتِ امیر المؤمنین علیہ السلام لوگوں کے اذہان میں ابھر آئے۔ لوگوں کی یہ حالت ہوئی گویا ابھی ابھی خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے ہیں۔ شدتِ گریہ کا اثر یہاں تک پہنچا کہ لوگ سروں کو پیٹنے لگے اور عورتوں میں شورِ نالہ وشیون بلند ہونے لگا۔ جب یہ شورِ گریہ وشیون بہت بلند ہوا تو شہزادی نے فرمایا:

''خوب روؤ کہ تم اسی کے مستحق ہو۔ بہت زیادہ روؤ اور کم ہنسو!

''فَابْکُو افَاِنَّکُمْ وَ اللّٰہِ اَحقُّ بِالْبُکَاءِ فَلْیَضْحَکُو اقَلِیْلاً فَلْیَبْکُو کَثِیْراً''۔

آپؑ کی اس خطابت نے کوفیوں کے قلوب کو اس قدر گرمایا کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوفہ میں قیامت برپا ہے، حتیٰ کہ امام سجاد علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زینبؑ عالیہ سے گزارش کی کہ سکون حاصل کریں مبادا کہ طوفانِ انقلاب، اگرچہ مستقل نہ سہی، سر نہ اٹھالے، کیونکہ ایسا ہوا تو مصلحتِ سید الشہداء علیہ السلام کے مطابق نہ ہوگا۔

طوفانِ رقت

ثانیِ زہرؑا کے اس خطاب نے ذلیل دشمن کو پریشان و وحشت زدہ کر دیا۔ آپؑ کو خاموش کرنے کی غرض سے وہ نیزہ جس پر امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس تھا، آپؑ کے بالکل قریب لے آئے۔ جونہی زینبؑ عالیہ کی نظر امامؑ کے سرِ مبارک پر پڑی، آپؑ اپنے کلام کو روک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ آپؑ نے اپنی گفتگو کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس سرِ مقدس کو

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''11 محرم کی صبح کو جب پسماندگانِ حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا جہاں افواجِ یزید کے مقتولین کو دفن کیے جانے کے بعد بھی شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

''اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علیؑ بن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر جنابِ زینبؑ بے تاب ہوگئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ مقتلِ شہداء میں پہنچا تو ان سے ان کی پھوپھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے یادگارِ رفتگان، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے۔ بھتیجے نے جواب دیا اے پھوپھی! اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پدرِ بزرگوار اور چچا اور بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں اپنے خون میں نہائے بے کفن و دفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگران ہے نہ پُرسان۔ اس نازک موقع پر ثانیِ زہرؑا ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسہ دیا''۔ (''شہیدِ انسانیت''، ص۵۵۹، ۵۶۰)۔

ایسے لہجہ میں مخاطب فرمایا کہ اس سے لوگوں میں طوفانِ گریہ وآہ واشک اور زیادہ ہوگیا۔ دشمن نہ صرف یہ کہ اس حربہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا بلکہ اسے پہلے سے زیادہ نقصان وخطرہ کا سامنا ہوا۔ شہزادی کی گفتگو کا ایک حصہ ہم نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں:

یَاهِلَالاً لَمَّا اسْتَمَّ كَمَالاً   غَالَهُ خَسْفُهُ فَاَبْدَا غُرُوْباً.....

''اے میرے ہلال، اے میرے پہلی شب کے چاند! تیرا خاک وخون میں بھرا ہوا چہرہ گہنا گیا ہے! اے میرے ثمرِ دل تو کتنی جلدی غروب ہوگیا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ تجھ پر یہ سب گزر جائیگا، یہ سب مصیبت تیرا مقدر ہوگی اور تجھ پر ختم ہوکر رہے گی۔ میرے بھیا! جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں کہنا کہ ان کے چھوٹے فرزند کی کیفیت سے شدتِ غم کا عالم یہ ہے کہ کلیجہ پانی پانی ہوا جارہا ہے اور دل جسم سے باہر آنے کو ہے۔ پیارے بھیا! تو وہی تو ہے کہ ہمیشہ میری طرف دل مہربان رکھتا تھا۔ اب کیا ہوا کہ میری طرف اس قدر سخت وشدت کا برتاؤ ہے.....''۔

یہ نالۂ جانکاہ سن کر لوگ زاروقطار روتے تھے۔ یہی وہ باتیں تھیں جو قلوب میں لرزہ پیدا کررہی تھیں، نگاہوں کو اُن کی طرف متوجہ کررہی تھیں اور لوگوں کے قلوب کو منقلب کررہی تھیں۔ لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں، یا جو کچھ اُن کے بارے میں کہا جارہا ہے، اس میں کس طرح تناسب قائم کریں، سوائے اس کے کہ اپنے کئے پر اشکِ ندامت بہارہے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کیا کریں۔

دربارِ یزید

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے شام اور دربارِ یزید میں اپنے اسی حُسنِ عمل کی شدت سے ذلیل دشمن پر عرصۂ حیات تنگ کردیا، لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا، اپنے خطاب کی تیزی اور چبھن سے سننے والوں میں بیداری و بے چینی پیدا کردی، لوگوں کے قلوب واذہان کو سوز ودردناک احساسات سے ہلا ڈالا اور شام والوں کیلئے شرمندگی وندامت کا طوفان پیدا کردیا۔

ثانیِ زہرؑا نے یزید لعین کو مخاطب کرکے فرمایا:

''اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ؟''

یعنی ''اے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد! کیا فرزندِ رسولؐ کے ساتھ یہ سلوک اُن کی عاطفت کے عوض مبنی بر عدل و انصاف ہے؟''

یہ اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ ایک حاکم پر، اگر وہ مسلمان ہے، تو واجب ولازم ہے کہ خود اپنے بارے میں اور دشمن کے بارے میں بھی عدل وانصاف کو پسِ پشت نہ ڈالے، نہ اُسے نظر انداز کرے، جبکہ تو نے ایسا نہیں کیا بلکہ اصولِ عدل کو پامال کیا ہے۔

پھر فرماتی ہیں:

"تَخدِیرُکَ حَرَائِرَکَ وَسَوقُکَ بَنَاتِ رَسُولِ اللّٰہِ".

یعنی "تو نے اپنی بیوی اور خاندان کی عورتوں کو تو پردہ میں جگہ دے رکھی ہے اور رسول اللہؐ کی بیٹیوں کو بے پردہ منظرِ عام پر لا رکھا ہے؟"

ثانیِ زہرؑا کی اس گفتگو نے اُس دُشمنِ دین کو پریشان کر دیا اور عام سننے والے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایک اور موقعہ ایسا ہی پیدا ہوا جب یزید ملعون نے غصہ میں آکر اور تکبرِ اقتدار میں مخمور ہو کر لب ہائے سید الشہداء علیہ السلام کو چھڑی سے مضروب کیا۔ اس منظر نے ایک تحریکِ رقت آمیز برپا کی، ہر دیکھنے والے فرد نے اپنے اپنے گوشہ میں سر کو بلند کیا، یزید ملعون کو اس عمل پر لعن طعن کی کہ اے یزید! ان لبوں پر چوب زنی مت کر، کم از کم سید الشہداء علیہ السلام کی خواتین اور بیٹیوں کے سامنے تو ایسا نہ کر! اس موقعہ پر دربارِ یزید میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔

۳۔ اُسوۂ ثانیِ زہرؑا کے اثرات

آخرکار ثانیِ زہرؑا کے اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپؑ کی موقعہ شناسی اور رقت انگیزی نے ایک ہیجانِ عظیم پیدا کر دیا جس کے اثرات نے یزید کے کاخِ اقتدار میں لرزہ پیدا کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ یزید کی موت کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا بیٹا معاویہ ثانی اپنے باپ کی جانشینی کے لئے بھی آمادہ نہ ہوا اور تھوڑے عرصہ بعد ہی اُس نے اپنے آپ کو کاروبارِ حکومت سے الگ کر لیا۔

غرضیکہ جو متاعِ حیات زینبؑ عالیہ نے کوفہ و دمشق میں لوگوں کی نظروں کے سامنے رکھی اس کی طرف لاتعداد قلوب کھنچے چلے آئے اور طرف دارانِ مظلومیتِ اہلِ بیتؑ بیش از پیش بڑھنے لگے۔ اس کے برعکس بنی اُمیہ کی شہرت و عظمت دن بہ دن گہناتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومتیں خود اپنے مقام پر افرادِ بنی امیہ کو فاسد اور ناقابلِ برداشت جاننے لگیں۔ ہم آئندہ مباحث میں ان حالات پر مکمل طور سے روشنی ڈالیں گے۔

اقتدار میں لرزہ

ثانیِ زہرؑا نے کوفہ میں جو خطابت کی وہ اس قدر مستحکم و عظیم تھی کہ کوفہ کے طول وعرض میں ان خطبات کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ آپؑ کو دس روز سے زیادہ کوفہ میں نہ رہنے دیا گیا، یا اربابِ اقتدار نے نہ چاہا کہ آپؑ اس سے زیادہ کوفہ میں قیام کریں کیونکہ کوفہ میں زینبؑ عالیہ کا وجود حکومت کے لئے شدید طور پر نقصان دہ تھا۔ تاہم اس مختصر قیام نے بھی پورے عراق و عرب کو بلکہ عجم کے بعض علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(معلوم ہوتا ہے یہاں مؤلفِ کتاب اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ کوفہ میں قیامِ اہلِ بیتؑ کافی طویل معلوم ہوتا ہے۔ ابنِ زیاد نے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے بارے میں یزید سے احکامات حاصل کئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں ذرائعِ سفر و مواصلات بہت سست رفتار تھے اس لئے کسی طرح ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ کوفہ کے قید خانہ میں ذُریتِ رسولؐ خدا کا قیام صرف دس دن رہا ہو، مترجم)۔

تھوڑی مدت نہ گزری تھی کہ یہ امواجِ طوفان خیز حجاز و یثرب میں پھیل گئیں اور وہاں سے حکومتِ روم تک پہنچیں کیونکہ ان تمام حکومتوں کے نمائندگان کوفہ و دمشق میں موجود تھے جہاں وہ ان تمام حالات سے مطلع ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ارکانِ حکومت لرزہ براندام ہو گئے، اُن کی طاقت و قوت میں زلزلے آنے لگے، زمینِ کربلا کے سرداروں، جنگ جو جفا کاروں کے لئے تنگ ہونے لگی اور معاشرہ میں ان کی موجودگی ناقابلِ برداشت ہوگئی۔

اب قاتلانِ حسینؑ میں یہ جرأت باقی نہ تھی کہ مجمع عالم کے سامنے آتے۔ ان میں شمر و ابنِ سعد و ابنِ زیاد و حرملا و خولی اصحی وغیرہ جیسے سفاک بدترین تنگیوں اور سخت ترین حصار میں قابو آ گئے۔ ہم آئندہ دیکھیں گے کہ یہ سب کے سب اپنے اعمال کی سزا کو پہنچے اور ذلت و بے عزتی سے مار ڈالے گئے۔

اختلالِ دُشمن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن نے شاید ابتداء میں ثانیِ زہرؑا کے جذبۂ جہاد و احتجاج کو کمزور و غیر اہم جانا۔ اسی لئے شاید اس نے مخدومہ کو احتجاج سے نہ روکا اور نہ اُن کے طریقِ کار پر مزاحم ہوا۔ یہ بھی ایک طرح کی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی تھی کہ دشمنوں نے متواتر خاندانِ رسولؐ اکرم کو معاذ اللہ جاہل و بے عقل قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے خود انہیں مواقع فراہم کئے جس کے باعث زینبؑ عالیہ کے تاسف انگیز خطابات اور آپؑ کے کلام کو اثرات کا میدان وسیع سے وسیع تر ملتا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ

مخدومۂ عالم زبانِ علیؑ میں گفتگو کرتی اور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے لہجہ میں احتجاج کرتی رہیں۔ آپؑ کی تمام گفتگو رضائے پروردگار کی خاطر تھی، اسی لئے اس کا اثر ونفوذ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے پیدا ہورہا تھا۔

ثانیِ زہراؑ کا طریقِ کار آہستہ آہستہ دشمن پر خوف ووحشت طاری کرتا گیا یہاں تک کہ لشکرِ یزید کے سرداران وسالار اپنے اپنے مقام پر کوشش کرنے لگے کہ انہیں اپنے دائرۂ کار سے دور رکھیں تا کہ ان کی متکبر ومغرور شخصیات آپؑ کے خطابات کی زد سے بچی رہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو شام کی طرف روانہ کرتے ہوئے شہرِ کوفہ کے دروازہ پر آپؑ کو دیکھ کر ابنِ زیاد ملعون نے پہلی بار سکون کا سانس لیا۔

یزید کے بارے میں بھی ہمارا یہی خیال ہے۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ اُس نے ابنِ زیاد ملعون پر لعنت بھیجی اور بضد ہوا کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ خدا مدینہ واپس چلے جائیں۔ یزید نے یہ حکم بھی دیا کہ اس کے اپنے دربار میں تین روز تک عزاداری برپا کی جائے۔ یہ حکم اس لئے ہرگز نہ تھا کہ عزاداریٔ حسینؑ صرف اور صرف اُس کے دربار تک ہی محدود رہے اور اہلِ بیتؑ کی تقاریر و مرثیہ خوانی کے اثرات پھیلنے کی بجائے محدود ہو کر رہ جائیں۔

ایک حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اہلِ بیتؑ کے یزید کے دربار میں داخلہ کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ یزید کو اپنے محدود حرم کی چاردیواری میں بھی سکون میسر نہ تھا۔ اُس کی بیوی نے بھی اسے نشانۂ شماتت بنا دیا۔ یہی کیفیت ابنِ زیاد کی اس کی ماں کی طرف سے تھی جو ہر وقت مستقل طور پر اس کو سرزنش کرتی تھی۔ واقعۂ کربلا میں شریک بعض ظالموں کی بیویاں انہیں اپنے بستر کے قریب نہ آنے دیتی تھیں۔ یہ واقعات اُن کی آنکھیں کھول رہے تھے اور اُن ستم گروں کیلئے وحشت کا باعث بنے ہوئے تھے۔

تشہیرِ اہلِ بیتؑ کے فرمان کا حشر

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں احتجاج بہت سے سالارانِ لشکر کے لئے بہت زیادہ سبق آموز تھا۔ شہزادی کی کوفہ و دمشق میں موجودگی اُن کے لئے اس قدر تلخ تجربہ کا باعث بنی اور اُن کے لئے اتنی بڑی مصیبت ثابت ہوئی کہ اب وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ مصیبت یہ تھی کہ کوفہ میں ورود سے پہلے ہی تمام افرادِ خانوادۂ رسولؐ کو اگر تہِ تیغ ہی کر ڈالتے تو نہ جانتے تھے کہ عوام الناس کو کیا جواب دیں گے جبکہ انہیں زندہ رہنے دینا کانٹوں کی طرح اُن کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔

اُس زمانہ میں صرف گھوڑے اور اونٹ ہی ذرائع آمدورفت کے طور پر استعمال ہوا کرتے تھے۔ اس لئے وہ ظالم مجبور تھے کہ انہی سست رفتار ذرائع سے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو ایک شہر سے دوسرے شہر پھراتے ہوئے شام تک پہنچائیں۔ اگر دورِ حاضر کی طرح ہوائی جہازوں جیسے تیز رفتار ذرائعِ نقل وحرکت میسر ہوتے تو اُن کیلئے اس تشہیر کی نسبت یقیناً یہ بہتر ہوتا کہ ان تیز رفتار ذرائع کو ہی استعمال کرتے ہوئے ہمارے خیال کے مطابق بہت تیز رفتاری سے انہیں دمشق اور پھر وہاں سے مدینہ پہنچادیتے۔

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی آمدورفت سے پہلے ہی بہت سے شہروں میں حکومت کے احکام پہنچ چکے تھے کہ حکومت چاہتی ہے کہ خاندانِ رسالت کو زیادہ سے زیادہ رسوا کیا جائے، اسیران کی زیادہ سے زیادہ شہروں اور قصبہ جات میں نمائش کر کے اپنی طاقت واقتدار کا لوگوں کے دلوں پر سکہ بٹھایا جائے۔ لیکن اب وہ اس قدر پریشان وسراسیمہ تھے کہ بعض مواقع سے تو اسیروں کو رات کے وقت سفر کرانے پر مجبور تھے تاکہ لوگوں کی نظریں انہیں دیکھ نہ پائیں۔ بصورتِ دیگر ایسا بھی ہوتا کہ انہیں غیر معروف راہوں سے لے جاتے تاکہ وہ عوام الناس کی توجہ کا باعث نہ بن پائیں۔

انقلابِ فکر

سیدالشہداءعلیہ السلام ایک منظم طریق کار رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زینبؑ عالیہ نے قیامِ حسینی کو دوام مہیا کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ اس کے پسِ پردہ ایک انقلابِ فکر اور پس منظر میں ایسا سیاسی تحرک کارفرما تھا جو ثابت کر رہا تھا کہ اس زمانہ کے حکمران لیاقتِ حکمرانی نہ رکھتے تھے۔

اس حقیقت کے باوجود ثانیِ زہراؑ کے خطابات نے سیلِ اشک رواں کر دیئے، لوگوں کے سینوں سے آہ و نالہ بلند ہونے لگے، عورتیں وفورِ اشک و آہ سے گری پڑتی تھیں۔ زینبؑ عالیہ نے ان کی اس حالت کو اور زیادہ پریشان کردیا، اُن کے گریۂ ندامت کو اور زیادہ بھڑکا دیا۔ شہزادی نے کوفہ کے بازار میں انہیں اس طرح مخاطب فرمایا:

يَااَهْلَ الْكُوفه! تَقْتُلُنَارِجَالُكم وَتَبْكِينَانِسَاؤُكُمْ فَالحَاكِمُ بَيْنَنَاوَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَوْمَ فَصْلِ الْقَضٰاء. (زینبؑ، اُخت الحسینؑ)

اے اہلِ کوفہ! تمہارے مرد ہمیں قتل کر رہے ہیں اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کناں ہیں! ہمارے اور تمہارے درمیان حکم کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ قضاوداوری کے دن یعنی بروزِ قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

لوگوں کے قلوب میں موجِ انقلاب اٹھنے لگی۔ پوچھتے تھے کہ اصل ماجرا کیا ہے اور یہ قتل وغارت کیوں واقع ہوئی ہے؟

ایسا موقعہ پیدا ہو گیا کہ لوگ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اقدام کریں، حتیٰ کہ ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ بعض لوگوں نے اپنے تجزیہ نفس کا مصمم ارادہ کیا اور بعض لوگ انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے (گروہِ توابین)۔ 1

1۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد اہلِ بیتِ رسولؐ اکرم پر ابنِ زیاد کی فوج نے جو مظالم ڈھائے اور جس طرح انہیں اسیر کر کے کوفہ لے جایا گیا اس کو سب مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے۔ صرف الفاظ مختلف ہیں تاہم ان کا مطالعہ واقعات کی یکسانیت کو ثابت کرتا ہے۔ ہم یہاں تمام واقعات کو چھوڑ کر ذُریتِ رسولؐ کے کوفہ میں داخلہ کے واقعات پیش کریں گے جن سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ اسیر کس نوعیت کے مالک تھے اور انہی کے نانا رسولِ خدا کی امت ان کے ساتھ کیا سلوک کر رہی تھی۔ علامہ ڈاکٹر مجتبےٰ حسن کامون پوری اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''......ابنِ سعد نے کربلا سے کوفہ اہلِ حرم کو پامال و تباہ روانہ کر دیا۔ حکومت کی طرف سے کوفہ اور دارالامارہ کی آرائش کی گئی تھی.....اس آرائش کے ذکر میں مولانا سلامت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''ہر گاہ اسیرانِ اہلبیتِ رسالت وبندیانِ دودمانِ نبوت ونبالت باسرِ مبارکِ سیدالشہداءٔ وسائرِ شہیدانِ دشتِ کربلا داخلِ کوفہ شدند ابنِ زیاد لعنہ اللہ الیٰ یوم التنادقصرِ امارتِ خود آراستہ باہیبت و وقار در کوشکے نشستہ درِ خانہ را بارِ تمام کرد.''

''نقاروں کی فلک شگاف آوازوں کے ساتھ رسولؐ اسلام کی قیدی ذریت کا قافلہ شہر میں داخل ہوا۔ آگے آگے نیزوں پر شہیدوں کے سر تھے، سروں کے پیچھے رسن بستہ اسیر اونٹوں پر سوار تھے۔ عرصہ کے بعد زینبؑ کبریٰ کوفہ میں آئی تھیں۔ تماشائی عورتوں میں وہ بھی رہی ہوں گی جو عہدِ خلافتِ امیرالمؤمنین علیہ السلام میں دخترِ امیرالمؤمنینؑ سے ملنے آتی ہوں گی۔ لیکن تاریخ نے کسی عورت کا نام نہیں لیا جس نے ثانیِ زہراؑ کو پہچان لیا ہو.....بعض عورتوں نے ان کی حالتِ زار اور چہروں کی شرافت ونجابت دیکھ کر پوچھا بھی کہ تم کس خاندان کے قیدی ہو؟

''مخدراتِ عصمت وطہارت نے جواب دیا کہ ہم آلِ محمدؐ کے قیدی ہیں......تاریخ نے کوفہ کی عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس ہولناک منظر کے نظارہ کی تاب نہ لاسکیں اور بے ساختہ رونے لگیں......بشیر بن حزیم اسدی نے جو اس منظر سے کافی متاثر تھا، اپنے جذبات، ان تقریروں کا متن اور ان کے اثرات کے متعلق اپنے تاثرات تاریخ کے سپرد کئے ہیں۔ بشیر ثانیِ زہراؑ کی تقریر سے اتنا شدت سے متاثر ہوا کہ ان کی تقریر کا متن بیان کرنے سے پہلے اپنے تاثر کا اظہار کرتا ہے کہ میں نے پردہ نشینوں میں اس سے پہلے ایسی طلاقت نہیں دیکھی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے باپ (علیؑ) کی زبان سے بول رہی ہیں......بشیر کہتا ہے کہ آپؑ نے مجمع کو اشارہ سے کہا کہ چپ ہو جاؤ۔ فوراً ایسی خاموشی چھا گئی کہ سانس کی آہٹ بھی نہیں ملتی تھی.....(رضا کار شریکۃ الحسینؑ نمبر ۶۱ء، ص ۲۹ تا ۳۱)۔

سید اولاد حید رفوق بلگرامی اہلِ بیتؑ کے کوفہ میں داخلہ کے متعلق لکھتے ہیں: (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''جب عبید اللہ ابن زیاد کو اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی آمد معلوم ہوئی تو اس نے تمام شہر میں منادی کروادی کہ کوئی شخص مسلح ہو کر گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی قسم کا ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھے۔ اس کے علاوہ دس ہزار فوج کو تمام شہر کی گلیوں اور ناکوں پر معین کر دیا کہ شیعانِ علی علیہ السلام اور دوستدارانِ اہلِ بیتؑ کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ شہر کے ضروری انتظام کے بعد اُس نے قصرِ دارالامارہ کو بھی خوب آراستہ و پیراستہ کیا:

قدرت خدا کی جشن ہے قتلِ حسینؑ کا

دوسرے دن صبح کو عمرِ سعد اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ بڑے تزک و احتشام سے شہر میں داخل ہوا۔ داخلۂ اہلِ بیت علیہم السلام کی خبر پا کر چاروں طرف سے کوفہ کے بے غیرت نامردوں کا وہ ہجوم ہوا کہ الحفیظ والامان۔ دوست و دشمن سب ذُریتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور سب کے سب اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔ جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام نے اُن کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا: اے لوگو! جب تم میرے حال پر روتے ہو اور نوحہ کرتے ہو تو بتلاؤ کہ ہمارا قتل کرنے والا کون ہے؟

''سہل شہروزی کا بیان ہے کہ میں نے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُن کو اسیرانِ ترک و دیلم کی طرح لئے جاتے ہیں۔ چاروں طرف سے تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ کوٹھوں پر سے عورتیں ان کی عبرت خیز حالتوں کا نظارہ کر رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا: ''من ای الاساریٰ انتن'' ''تم لوگ کس قوم کے اسیر ہو؟ **فقلن نحن اساری ال محمد صلّی اللّٰه علیه و آله وسلّم**۔ ہم لوگ اسیرانِ آلِ محمدؐ ہیں۔ بشیر بن جزیم کا بیان ہے کہ ان تماشائیوں کو مخاطب کر کے جنابِ ثانی زہراؑ نے خطبہ کا آغاز فرمایا:

(صحیفۃ العابدین، ص۱۲)۔

''صحیفۂ کاملہ'' کے مصنف و مترجم سید قائم رضا نسیم امروہوی اپنی کتاب 'زبورِ آلِ محمد' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اس طرح کوفہ میں داخلۂ اہلِ بیتؑ کو بیان فرماتے ہیں:

''شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں نیز دیگر اہلِ مقاتل نے بالاتفاق اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ خزیمہ اسدی کہتے ہیں کہ میں اتفاق سے اسی روز کوفہ میں وارد ہوا جبکہ علی بن الحسینؑ اور اُن کے ساتھ اہلِ بیتِ رسالت کے قیدیوں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہو رہا تھا۔ ابنِ زیاد کے حکم سے شہر کو نواسۂ رسولؐ کے قتل کی خوشی میں سجایا گیا تھا۔ بازاروں میں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ کوفہ کے کوتوال عمرو بن حریث کو حکم ملا تھا کہ وہ ایک ہزار سوار اور پیادے لے کر بازاروں میں گشت کرے اور جسے اہلِ بیتؑ کا ہمدرد پائے، اُس کی گردن اُڑا دے۔ لوگوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ ایک باغی نے خلیفۂ وقت پر خروج کیا تھا، اُسے قتل کر دیا گیا اور اس کا خاندان میدانِ جنگ سے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے۔ تمام لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے جا بجا ہجوم کئے ہوئے تھے۔ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر ہجوم میں پس جانے کے خیال سے کوٹھوں پر چڑھ گئی تھیں ۔۔۔ جب رسولؐ زادیوں کا تباہ حال قافلہ کوفہ کے بازاروں سے گزرا اور لوگوں نے شہیدوں کے سروں کو نیزوں کی نوک پر اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے بارہ بچوں کی گردنوں کو ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے اور سر برہنہ بیبیوں کو بال بکھرائے، بے کجاوہ اونٹوں پر سوار دیکھا تو لوگ بے ساختہ رونے لگے اور بعض کی چیخیں نکل گئیں۔ جنابِ زینبؑ نے جب یہ چیخیں سنیں تو بڑے پُر جلال لہجہ میں کوفہ والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگیں:

''رونے والو! چپ رہو اور میری بات سنو''۔

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں:

''فارتدت الانفاس و سانت الاجراس''۔

یعنی آپ کا کلام سننے کیلئے اس قدر سکوت چھا گیا کہ گویا سانسوں کی آمد و رفت ٹھہر گئی اور صدائے شتراں بند ہو گئی۔ جنابِ ثانیِ زہراؑ نے بہ آوازِ بلند فرمایا:

''آج تم روتے ہو! خدا کرے ہمیشہ روتے رہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کیا کیا؟ تم نے رسولؐ کی اولاد کو ذبح کر ڈالا اور اب ان کی بیٹیوں کو سرِ بازار ننگے سر تشہیر کر رہے ہو، دیکھو! اس چند روزہ مہلت پر گھمنڈ نہ کرو، اللہ تعالیٰ جلد بازی نہیں کرتا۔ وہ دیر گیر مگر سخت گیر ہے''۔

''خزیمہ کا بیان ہے خدا کی قسم میں نے ایسا مؤثر خطبہ دینے والی اور فصیح و بلیغ دوسری عورت نہیں دیکھی۔ گویا آپؑ زبانِ علیؑ بن ابی طالبؑ سے کلام کر رہی تھیں۔ سننے والوں نے آپؑ کے الفاظ سنے اور شرم و ندامت سے گردنیں جھکا لیں'' (زبورِ آلِ محمد، ص ۱۱۴، ۱۱۵)

اسی موضوع پر علامہ حسن رضا غدیری مدظلہٗ لکھتے ہیں:

''اہلِ بیتؑ کی بے سہارا بیبیوں اور یتیم بچوں کا قافلہ قیدی ہو کر اپنے سفر کی کٹھن اور خوفناک منزلیں طے کرتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ یزید اور ابنِ زیاد کے جلاد مظلوموں کے اس قافلہ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے رسولؐ زادیوں اور معصوم بچوں کو شہر میں لایا گیا۔ قیدیوں کے آگے آگے مظلوم شہیدوں کے سر نیزوں پر سوار تھے جن میں ۷۰ سر انصارِ حسینؑ کے، 20 سر خاندانِ رسولؐ کے تھے اور سب سے آگے مظلومِ کربلا، جوانانِ جنت کے سردار حسینؑ بن علیؑ کا سرِ مبارک تھا۔ جب سیدہ زینبؑ کی نظر اپنے مظلوم بھائی کے سرِ اقدس پر پڑی اور دیکھا کہ نواسۂ رسولؐ نوکِ نیزہ پر تلاوتِ قرآن کر رہا ہے تو رسولؐ زادی نے اشقیاء کی طرف متوجہ ہو کر روتے ہوئے فرمایا:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسولؐ خدا تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری نبی کی امت ہوتے ہوئے میری عترت واہلِ بیتؑ کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا، کسی کو قیدی بنایا اور کسی کو خون میں نہلایا۔ اگر میں تمہیں اپنے قریبیوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کرنے کی تاکید بھی کرتا تب بھی تم اس سے زیادہ برا سلوک نہ کر سکتے تھے۔ کیا میری نصیحتوں کا یہی اثر ہے؟ میں اُس روز سے خائف ہوں جب دوسری امتوں کی مانند تم بھی سخت عذابِ الٰہی سے دوچار ہو جاؤ!

''ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ جب قیدی شہر کے اندر داخل ہوں تو کوئی شخص اسلحہ لے کر باہر نہ نکلے، چنانچہ اس ملعون نے شاہراہوں، بازاروں، بڑے بڑے چوراہوں اور گلی کوچوں میں دس ہزار گھوڑے سوار متعین کر دیئے تاکہ اولادِ رسولؐ کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ کر لوگوں کے ضمیر جاگ نہ جائیں اور ان کی غیرت انہیں جوش دلا کر ہمارے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔

''جب آلِ رسولؐ کے اسیروں کا قافلہ مظلوم شہیدوں کے سروں کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوا تو گلی کوچے اور سڑکیں لوگوں کے ہجوم سے پُر ہو گئیں اور کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر قیدیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باغی کا کنبہ قید ہو کر آرہا ہے۔ لہٰذا سب لوگ تماشا دیکھنے آئیں۔ کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ نواسۂ رسولؐ حسینؑ بن علیؑ کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ سب عورتیں اور بچے رسولؐ خدا کی اولاد ہیں۔

''عربوں کی رسم کے مطابق کوفہ کے شہری قیدیوں کے لئے روٹیاں اور کھجوریں صدقہ کے طور پر لے آئے۔ ثانیِ زہراؑ نے کوفہ والوں کے ہاتھوں میں کھجوریں اور روٹیاں دیکھیں تو سمجھ گئیں یہ لوگ اپنی رسم کو پورا کرنے کیلئے قیدیوں کے لئے یہ سب چیزیں صدقہ کے طور پر لائے ہیں۔ حضرت زینبؑ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے کوفہ والو! ہم اہلِ بیتؑ نبوت ہیں، ہم اولادِ رسولؐ ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔

''وہ لوگ سیدہؑ کی بات سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور پوچھنے لگے: تم قیدی کون ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟

''ثانیِ زہراؑ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ہم اہلِ بیتِ رسولؐ ہیں اور تمہارے نبیؐ کی عترت و اولاد ہیں۔

''سیدہ زینبؑ کا جواب سن کر ایک بڑھیا عورت کی چیخ نکل گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز اتنی بلند ہوئی کہ اس کے اردگرد سب عورتیں گریہ کناں ہو گئیں۔ وہ خاتون آلِ محمدؐ کی مظلومیت پر نوحہ کناں بھی تھی اور ہائے حسینؑ، ہائے عباسؑ کی صدائیں بھی بلند کر رہی تھی۔

''عورتوں کے رونے اور نوحہ و ماتم کی آوازوں سے سارا شہر لرز اٹھا۔ رسولؐ زادیوں کو سر برہنہ دیکھ کر ہر خاتون اشکبار تھی۔ چنانچہ ان عورتوں نے دور دور سے کچھ چادریں اور دوپٹے سیدانیوں کی طرف پھینکے تاکہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں نامحرموں کے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

سامنے اپنے چہرے چھپا سکیں۔

''عورتوں کو دیکھ کر کوفہ کے مرد بھی زار و قطار رونے لگے لیکن حکومت کی طرف سے اس قدر دباؤ تھا کہ کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک اور خاتون کے دل میں رحم آیا اور وہ گھر جا کر کچھ کھانا اور کھجوریں لے آئی اور ایک قیدی بچی کی طرف پھینکنے لگی۔ حضرت ام کلثومؑ نے دیکھا تو بلند آواز سے کہا: ''اِنَّ الصَّدَقَةَ حَرَامٌ عَلَيْنَا نَحْنُ اَهْلَ الْبَيْتِ ''۔ یعنی ''ہم اہلِ بیتِ رسولؐ ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے''۔ وہ خاتون منہ پیٹ کر کہنے لگی: کیا آپ لوگ رسولِ خدا کی اولاد ہیں؟ کیا آپ آلِ محمدؐ ہیں؟

''ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ شہدائے کربلا کے سر لائے گئے اور سب سے آگے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس تھا۔ ثانیِ زہراؑ نے بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر دیکھا تو فرطِ غم سے محمل پر گر پڑیں اور آپؑ کی پیشانی اونٹ کی گردن سے جا لگی جس سے آپؑ کی حالت غیر ہو گئی۔ آہیں بھرتے ہوئے مظلومِ کربلا کے سر کی طرف نظر ڈال کر زینبؑ کبریٰ نے کہا:

''اے چاند تو ابھی پورا نکلا بھی نہ تھا کہ تجھے گہن لگ گیا اور تُو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اے میرے پیارے اور دل کے سہارے بھائی میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئے گی۔ اے بھائی ذرا فاطمہ صغریٰ سے بھی گفتگو کر لو کہ اس کا دل ڈوب چکا ہے۔ شاید اسے تسکینِ قلب مل جائے۔ اے بھائی تیرا دل ہمارے لئے کس قدر مہربان تھا مگر اب کیوں ہم سے تمہارا جی بھر گیا ہے اور تُو پتھر دل بن گیا ہے۔ اے بھائی اگر تو علیؑ کو دیکھے تو اسارت اور یتیمی کے غم نے اس کی قوتیں مضمحل کر دی ہیں۔ ان ظالموں نے جب بھی اس پر تازیانے برسائے اس نے دھاڑیں مار مار کر تمہیں پکارا۔ اے بھائی ذرا بیمارِ کربلا کو بھی سینہ سے لگا لو تا کہ اُس کے غمگین دل کو سکون و قرار مل جائے۔ یتیم پر کیا گزری ہوگی جب وہ بابا کہہ کر آپ کو پکارتا لیکن کوئی اسے جواب دینے والا نہ تھا''۔

''عقیلۂ بنی ہاشم سیدہ زینبؑ کبریٰ نے کوفہ کی سڑکوں اور شاہراہوں پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ مؤقف کو واضح کرنے اور بنی امیہ کی طرف سے اہلِ بیتؑ پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کی دردناک داستان بیان کرنے کا مناسب موقع پا کر کوفہ والوں کے خوابیدہ ضمیروں کو جھنجوڑا اور انہیں عظمتِ اسلام کے تحفظ میں اربابِ اقتدار کی اسلام دشمنی کے خلاف قیام کرنے کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلایا۔

''بشیر بن خزیم اسدی نے بیان کیا ہے کہ علیؑ کی بیٹی کا وہ عظیم خطاب جو انہوں نے کوفہ والوں سے کیا آج تک میں نے اس جیسا فصیح و بلیغ بیان کبھی نہ سنا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے امیر المؤمنین علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی زبانِ امامت گویا ہے۔

''سب سے پہلے حضرت زینبؑ کبریٰ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کی تاکید کی۔ علیؑ کی بیٹی کے کہنے پر مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور ہر شخص رسولؐ زادی کا بیان سننے کا مشتاق تھا۔ جب سب لوگ ثانیِ زہراؑ کی تقریر سننے کے لئے پوری طرح متوجہ ہو گئے تو (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

رسیوں اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی رسولؐ زادی نے ایک عظیم تاریخی خطاب فرمایا جس میں اپنی خاندانی عظمتوں کا اظہار اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ موقف کی وضاحت اور بنی امیہ کی اسلام دشمنی کو آشکارا کر دیا۔ آپؑ نے اپنا بیان اس طرح شروع کیا: (عربی عبارت اصل کتاب 'زینبؑ، زینبؑ ہے' کے صفحہ ۲۳۴ پر ملاحظہ کریں۔ ہم صرف اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں)۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! حمد ہے اُس ذاتِ حق کے لئے جو کائنات کا حقیقی حکمران اور خالق ہے اور درود ہو اس پیغمبرؐ پر جس کے وجود کی برکت سے کائنات خلق ہوئی اور سلام ہو نبیؐ کی پاک عترت و اہلِ بیتؑ پر جنہیں اللہ نے ہر قسم کے نقص و عیب سے پاکیزہ و منزہ قرار دیا ہے۔

امابعد! اے کوفہ والو! اے دھوکہ و فریب کے عادی لوگو! ہماری مظلومیت کو دیکھ کر اب تم گریہ کر رہے ہو۔ خدا کرے تم ہمیشہ روتے رہو اور تمہاری فریادیں بلند رہیں۔ تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے جس نے نہایت محنت اور کوشش سے سوت کات کر مضبوط ڈوری بانٹی، پھر خود ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یعنی تم نے پیغمبرؐ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے مضبوط وعدوں اور عہد و پیمان کو خود ہی توڑ ڈالا ہے تو اب گریہ کیوں کرتے ہو؟) تم نے جھوٹی قسمیں کھانے کو دھوکہ و فریب دینے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ یاد رکھو! تم سب کے سب بے ہودہ بکنے والے ہو۔ فسق و فجور تمہاری فطرت میں داخل ہو چکا ہے، کینہ پروری تمہاری طبیعت کا جزوِ لاینفک بن چکی ہے، بے اختیار لونڈیوں کی طرح چاپلوسی کے عادی بن گئے ہو، دشمن کی طرح غمازی تمہارا شیوہ بن چکی ہے، تم اس سبزہ کی مانند ہو گئے ہو جو کثافتوں سے بھری ہوئی زمین پر اُگتا ہے اور غلیظ و بدبودار بنیادوں پر لہلہاتا ہے، یا تم اس چاندی کی طرح ہو گئے ہو جو کسی مزار کی سجاوٹ کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ یاد رکھو! تم نے اپنی بدکرداری کی وجہ سے اپنی آخرت خراب کر لی ہے۔ خدا کا عذاب تمہارے سر پر چھا چکا ہے اور تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

''کیا تم آج ہم پر گریہ کرتے ہو؟ خدا کی قسم! رونے کے سوا اب تمہارے پاس کوئی چارۂ کار نہیں۔ اب ہمیشہ روتے رہو، تمہارے ہنسنے اور مسکرانے کے دن گزر چکے ہیں۔ تم نے اپنے دامن پر رسوائیوں کے ایسے داغ لگا لئے ہیں جو کبھی دھل نہیں سکتے۔ تم نے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو کسی صورت میں بھلایا نہیں جا سکتا۔ تم کس طرح اپنے اس مذموم عمل کی تاویل کر سکتے ہو۔ تم نے خاتم النبیینؐ کے لختِ جگر کو قتل کیا ہے، تم نے سید المرسلینؐ کے نورِ نظر کو تہِ تیغ کر ڈالا ہے، تم نے جوانانِ جنت کے سردار کو ذبح کر دیا ہے۔ تم نے ایسی شخصیت کو قتل کیا ہے جو پریشانیوں میں تمہارا سہارا تھا۔ تم نے ایسے عظیم انسان کو شہید کر ڈالا ہے جو مصیبتوں میں تمہارا فریادرس تھا۔ تم نے اُسے اپنی بربریت کا نشانہ بنایا ہے جو تمہارے لئے ہدایت کا منارۂ نور تھا۔ تم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تمہارے فطری حقوق کا محافظ و ترجمان تھا۔ یاد رکھو! تم نہایت مذموم اور پست عمل کے مرتکب ہوئے ہو۔ تم نے بہت ہی برا کام انجام دیا (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ہے۔خدا تمہارا بُرا کرے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔ تم نے خدا کا غضب مول لے لیا اور تم ذلت و رسوائی کے سزاوار بن گئے۔ وائے ہو تم پر اے کوفہ والو! کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم نے رسولؐ اللہ کے کس جگر گوشہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور کیا تم نے سوچا ہے کہ تم نے کتنی باعظمت رسولؐ زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے بے پردہ کر دیا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کیسی پاکیزہ ہستیوں کا خون بہایا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے کس طرح رسولؐ کی حرمت کو پامال کر دیا ہے؟ تم نے ایک ایسا مذموم، بُرا اور گھٹیا کام کیا ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ تمہاری اس قبیح حرکت سے زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں۔ تمہارے اس سنگین جرم کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ اب اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو اس پر تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رکھو! اس دنیا کی رسوائی کے بعد تمہارے لئے آخرت کا سخت عذاب مہیا ہے۔ تمہیں جو تھوڑی سی مہلت دی گئی ہے اس سے تمہارے عذاب میں کمی واقع نہ ہوگی۔ اگر آج خدا تم پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کر رہا تو اسے اُس کی عاجزی تصور نہ کرو، اس لئے کہ اُس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ ظلم کا بدلہ ضرور لیتا ہے، تمہارے اعمال پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ تمہاری گھات میں ہے..بشیر بن خزیم اسدی نے بیان کیا کہ ثانیِ زہرؑا کی تقریر سن کر لوگوں پر جو کیفیت طاری ہوئی خدا کی قسم! میں نے ایسی حالت کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہر شخص حیرت زدہ، اپنے کئے پر نادم اور انگشت بدنداں نظر آ رہا تھا اور سب کی آنکھیں اشک ریز تھیں۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو میرے پاس کھڑا تھا۔ روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اور وہ آہیں بھرتا ہوا یوں کہہ رہا تھا: 'اے اہلِ بیتِ رسولؐ! تمہارے بزرگ عظمت و کردار میں دنیا بھر کے بزرگوں سے افضل ہیں اور تمہارے جوانوں کی پاکبازی و شرافت کی مثال کائنات کے جوانوں میں کہیں نہیں ملتی۔ تمہاری خواتین عفت و پاکدامنی میں دنیائے بشریت کی تمام مستورات میں ممتاز مقام رکھتی ہیں اور تمہاری پاکیزہ نسل کا قیاس دنیا کی کسی نسل و خاندان سے نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت ان عظمتوں پر پردہ ڈال کر ان کی نورانی اثر آفرینی ختم نہیں کر سکتی.....'۔

''اس مقام پر یہ بات کسی مبالغہ پر مبنی نہیں کہ ثانیِ زہرؑا، حضرت فاطمہؑ بنت الحسینؑ اور امام زین العابدینؑ کے انقلاب آفرین خطبوں کی وجہ سے لوگوں میں یزید کی طاغوتی حکومت کے خلاف بغاوت اور قیام کی راہ ہموار ہوئی اور ان خطبوں ہی کا اثر تھا کہ لوگ بنی اُمیہ کے ظلم و استبداد کے خلاف علمِ جہاد بلند کر کے میدان میں نکل آئے اور توابین کی انقلابی سرگرمیوں کا سبب بھی یہی خطابات بنے'' ۔(زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۳۴ تا ۲۳۹)۔

ہم اس موقعہ پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہر مؤرخ اور صاحبِ علم وعقل انسان ان قیدیوں کی عظمت اور استقلال پر حیرت زدہ ہے۔ مؤرخین اور صاحبِ قلم حضرات نے اپنے اپنے طریقوں سے منظر کشی کی ہے اور بازارِ کوفہ میں رسولؐ زادیوں کی آمد کا تذکرہ کیا ہے۔ سید ریاض علی ریاض اپنی کتاب شہیدِ اعظم میں لکھتے ہیں:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''اب دیکھو کہ یہ لٹا ہوا قافلہ امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی دارالسلطنت میں ہے جہاں ثانیِ زہراؑ اور اُمِ کلثومؑ شاہزادیاں تھیں اور کوفہ کا دارلامارت اس کا متمنی رہتا تھا کہ ان کی خاکِ کفش سے میری عزت ہو.....کوفہ کا ایسا مقام جو اس کے بعد بھی برابر ایک صوبہ کا دارالسلطنت رہا، آبادی کے لحاظ سے ممتاز تھا اور اب اُسی میں یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ ہزار ہا آدمی اُن راستوں پر کھڑے ہیں جدھر سے دخترانِ رسول کا لٹا ہوا قافلہ گزرنے والا ہے.....دس ہزار سوار اس لئے مستعد ہیں کہ اہلِ بیتؑ کے لئے ذرا سی کوئی جنبش دکھائی دے اور تلوار اپنا کام کرنے لگے۔ اہلِ بیتؑ اس ذلت سے کوفہ میں نہیں گزر رہے تھے بلکہ دین، قومیت، حمیت، غیرت اور شرافت کی توہین ہو رہی تھی اور مسلمان دیکھ رہے تھے.....اب میں اس موقع پر پہنچا ہوں جہاں سے اس کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ نرم دل، ضعیف القویٰ خواتین کس طرح صبر اور اپنی قوتِ نفس سے مجمع پر حکومت کر رہی ہیں۔ رو کر نہیں، اپنے اوپر اختیار سے، ضبط سے، اپنے حقیقی احترام اور خاصہ کی بلندی سے.....اب دیکھو کہ جس وقت تماشائی اسیروں کے شکستہ چہرے، فریادی صورتیں اور مستغیثانہ لہجہ کی امید کرتے ہوں گے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک اونٹ پر سے ایک ہاتھ اٹھا جس کا مجمع سے اشارہ ہے کہ چُپ رہو۔ چہرہ پر نگاہ جاتی ہے اور وہ دیکھتی ہیں کہ ایک بے جنبش، غیر متاثر، ناشکستہ صورت سامنے ہے، جس کی بلندیٔ بشرہ، نگاہ کا تحکم اور لہجہ کی صاف قوت خاموشی چاہ رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی دفعتہً صدائیں ڈوبتی جاتی ہیں، حیرت اور استعجاب لوگوں کو مخاطب کرتا جاتا ہے اور دفعتہً کوفہ کا وہ ٹکڑا جو حضرت زینبؑ کی نگاہ کے نیچے تھا، محلّہ خموشاں بن جاتا ہے۔ خاموشی، یہاں تک کہ اونٹوں کے گلوں کی گھنٹیوں کی صدا بھی نہیں سنائی دیتی۔ کوئی اتفاق نہ تھا کہ ایسے موقع پر دفعتہً ایسی خاموشی چھا گئی؟ نہیں! بلکہ ثانیِ زہراؑ کے مقام کا ارادہ اور اُس کے پیچھے اُن کے عظیم الشان نفس کی قوت تھی جس نے حتمی تصفیہ کیا تھا کہ ہم کچھ کہیں گے۔ یہ ارادہ ایک بجلی تھی جو دوڑ گئی تھی اور لوگ مسحور معلوم ہوتے تھے۔ ممکن نہ تھا کہ لوگ متوجہ نہ ہوتے۔ علیؑ کی بیٹی کا نفس مجمع پر چھا گیا تھا!

''اس خاموشی میں ثانیِ زہراؑ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ایک ایک لفظ اپنی حدِ سماعت پر چوٹ مار رہا ہے اور سننے والے اس طرح سن رہے ہیں کہ اب گویا انہیں اور کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہے۔ سن وہ باتیں رہے ہیں جن کے لئے وہ تیار نہ تھے، اس طرح جس کی اُمید نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مجبور قیدی بجز اس کے کہ اپنی حالتِ زار سے ہمارے رحم و کرم کا استغاثہ کریں اور کیا کہیں گے۔ نہ جاننے والے جو سمجھتے ہوا ، گے کہ ان قیدیوں کو دین سے کوئی غرض نہیں ہے، انہیں زمین و آسمان نہ دکھائی دیتا ہوگا۔ بہر صورت اہلِ کوفہ کو یہ امید نہ ہوگی کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد آلِ رسالت کے اُسراء ایک انگلی سے سرہائے شہداء کی طرف اشارہ کریں گے اور ہم سے کہیں گے کہ دیکھو تمہاری بے وفائی اور نامردی سے یہ ہوا۔

''مجمع ثانیِ زہراؑ سے خدا کی حمد اور ہادیٔ برحق کی نعت سنتا ہے اور اس کے بعد اپنے کو مخاطب دیکھتا ہے کہ اُے اہلِ کوفہ! (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اے اہلِ غدر ومکر! اب تم روتے ہو.....تمہاری مثال اُس عورت کی سی ہے جس نے اپنا سوت کات کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ تم اپنے عہدوں میں ایک حیلہ بناتے ہو۔ زینبؑ خاتون اپنی اندوہناک حالت نہیں دکھارہی ہیں بلکہ اہلِ کوفہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہمیں دکھارہی ہیں کہ تم کیسے ہو۔ اہلِ کوفہ کی خصلت ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دی گئی تھی اور تمثیل عورتوں کے عمل سے دی گئی تھی۔ اثر سمجھو اگر تمہارا تخیل مدد کرے۔ ایک مجبور خاتون ملامت کر رہی ہے۔ میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ کوفہ پر ایک بجلی تھی جو گری تھی۔ وہ چندھیا گئے تھے اور اُن کی وہ آنکھیں جو قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے اٹھی تھیں، زمین میں گڑ گئی تھیں۔ اُن کی گردنیں موم کی بن گئی تھیں اور وہ سیدھی نہ ہو سکتی تھیں۔

''وہ سنتے ہیں: ''آگاہ ہو کہ تم میں نہیں ہیں مگر ایسے لوگ جو بیہودہ اور رذیل ہیں۔ تم میں ایسے سینے ہیں جن میں کینے بھرے ہیں (اور) وہ لونڈیوں کی طرح خوشامدی ہیں۔ تم کمینہ پن میں اُس سبزی کی صورت ہو کہ جو نجاست پر اُگی ہو۔ تم اُس قبر کی صورت بے فائدہ ہو جو چاندی سے آراستہ کی گئی ہو۔

''سلاست، فصاحت، بلاغت تو جانے دو، تشبیہ کی تیزی سے بھی الگ ہو جاؤ۔ بلکہ ان فقرات کو وہ استعارے سمجھو جو ایک قوم کے نفس کو چیر کر دنیا کو دکھارہی ہیں۔ اہلِ کوفہ کی نسل اگر تلوار سے زخمی ہوتی تو خوش ہوتے کہ ہم نے بہادری سے زخم کھائے۔ یہ وہ زخم تھے جنہیں اپنی شجاعت نمائی کے لئے دکھا نہ سکتے تھے اور جو کبھی مندمل نہ ہو سکتے تھے۔ وہ ہر وقت تازہ تھے جس وقت بھی انہیں خیال آتا۔

''وہ سنتے ہیں کہ ''تم نے بُرے اعمال پیش کئے جس کی وجہ سے تم قہرِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ اب روتے چلاتے ہو۔ بخدا ئے توانا! بہت روؤ گے اور کم ہنسو گے (اس لئے کہ) عار و ننگ و عیب جو تم نے کئے ہیں وہ تم سے ہرگز ہرگز جدا نہیں ہو سکتے'۔

''لہجہ کی قوت، نفس شناسی کا درجہ، الفاظ کی شان اور آمد سمجھا رہی ہے کہ یہ حضرت زینبؑ علیا مقام فرما رہی ہیں۔ بلا شبہ ثانیِ زہراؑ کو یہ کہنے اور سمجھنے کا حق تھا کہ کس میں امت کی خوبیاں اور کس میں برائیاں اور بے شرمیاں آ گئی ہیں اور اب وجہ سمجھاتی ہیں کہ تم نے یادگارِ رسولؐ، سردارِ جوانانِ بہشت، ملجاو ماوائے نیکوکاراں، جائے پناہِ اہلِ مصیبت، ستونِ حجتِ خدا اور اپنے رہنما کو قتل کر ڈالا ہے۔

''اہلِ کوفہ اپنے آپ کو دیکھ چکے تھے۔ اب سنتے ہیں کہ حسینؑ کیسے اور کون تھے۔ کبھی اس سے لطیف تر سلسلہ اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ اس سے مناسب تر الفاظ میں دو متضاد صورتیں دکھائی جا سکتی تھیں۔ کیا کر رہا ہوگا وہ مجمع جو سن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خارجی کا سر آتا ہے اور اب وہ تعریفیں سُن رہا ہے جس کے انکار کی نہ صرف اس مجمع بلکہ یزید کی تمام سلطنت اور عالم کے تمام اہلِ قلم کو قدرت نہیں ہے اس لئے کہ یہ عین واقعہ ہی تھا جو بیان کیا جا رہا تھا۔ اگر سچی بات میں کوئی قدرت ہے تو میں کہوں گا کہ اس وقت اس مجمع پر یزید، اس کے اسلحہ برداروں اور مصلحت کی حکومت نہ تھی بلکہ حضرتِ شہیدِ کربلا کے نفسِ عظیم کی حکومت تھی جو اس وقت حضرت زینبؑ کے دہنِ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اقدس سے اپنے کو ظاہر کر رہا تھا۔ کب کسی اور کے لب وزبان کو یہ حق تھا کہ وہ حسینؑ کی مدح کرسکتا مگر یہ کہ وہ حقیقی معنوں میں حسینؑ کی 'ہمشیر' کا لب وزبان ہوتا۔

مخاطب لوگ سنتے ہیں: ''تم نے پیغمبرؐ کا جگر کاٹا ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے کیسی عداوت ظاہر کی ہے۔ تم نے ایک بڑی آفت اور حادثۂ عظیم برپا کیا کہ اس سے فضائے آسمان وزمین تنگ ہوگئی''......

قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اہلِ کوفہ کا ملزم نفس کس طرح اس فقرہ کو سن رہا ہوگا کہ 'چند روزہ مہلت پر مغرور نہ ہو۔ یہ خون پامال اور ضائع نہ ہوگا۔ عذابِ خدا تمہاری کمین میں ہے'......

''میرا آخری فقرہ اور بس یہ کہ ہمارے اندازے کے باہر ہے کہ حضرت زینبؑ خاتون کی تقریر کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ اگر تاریخی اشارہ کی ضرورت ہو تو وہ موجود ہے کہ ایک بوڑھا پاس کھڑا ہے۔ ناتجربہ کار دل نہیں ہے۔ عمر کے اکثر مدارج طے کر چکا ہے۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ اس کی سفید ڈاڑھی ایک آبشار بن گئی ہے جس سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ ''جوان تمہارے بہترین جوانان ہیں، عورتیں تمہاری بہترین عورات اور نسل تمہاری بہترین نسل ہے۔ کبھی تمہاری نسل رسوا اور ذلیل نہ ہوگی''۔

''.....کون اس موقعہ پر ایسا کچھ کہہ سکتا تھا مگر یہ کہ وہ نقیبِ الٰہی اور خطیبِ ربانی کی بیٹی ہوتی۔ کسے حق تھا کہ وہ حضرت زینبؑ کی تقریر کی داد دیتا بجز حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے کہ آپؑ عالمہ غیر معلّمہ ہیں''۔ (شہیدِ اعظم حصہ دوم ص۳۹۲ تا ۳۹۷)

بازارِ کوفہ میں داخلۂ آلِ رسولؐ کے واقعات کو ختم کرنے سے پہلے ہم اسی موضوع پر ایرانی مؤرخ ''عمادزادہ'' کی کتاب ''تاریخِ زندگانی امام حسینؑ'' سے اسی واقع کو نقل کرتے ہیں جو ثانیِ زہرؑا کی عظمت واستقامت کو ظاہر کرتا ہے۔ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں:

''روایت از جذلم بن کثیر است که گفت: وارد کوفه شدم در محرم سال ۶۱ موقعي بود که علی بن حسین علیه السلام از کربلا به کوفه می آمد. وه آنهارا بالشکریانِ بسیار دیدم که مردم برائے تماشا پست و بلند گرفته بودند وچون پیش رفتم دیدم علیؑ بن الحسینؑ را بر شتر بے روپوش سوار کرده، زنانِ کوفه برآنها گریا نند و شعر می خوانند، شنیدم علیؑ بن الحسینؑ بایک ضعف و ناتوانی در حالتی که غلِّ جامعه بر گردن او بودودستهائے او رابه گردنش بسته بودند می فرمود: این زنان برما گریه می کنند؟ مگر نه مردانِ آنها مردانِ مارا کشتند؟ ناگاه دیدم زینبؑ دخترِ امیرالمؤمنینؑ باکمالِ قدرت شروع به نطق کرد، گوئی که زبانِ امیرالمؤمنینؑ دردهانِ اوست، اشاره کرد مردم ساکت شدند و نفس ها دردلها حبس شد، زنگهائے شتران صدا نکردند، آنگاه چنین گفت:

قال الرّاوی: وَنَظَرْتُ الیٰ زَیْنَب بنت علی یومئذٍ و لم اَرَوَاللّٰهِ خضرةً قَطُّ انطَقَ مِنها کَاءَ نّما تنطق عَنْ لِسان امیرالمؤمنین علی بن ابیطالب ''علیه السلام'' و قَدْ أَوْمَأَت إِلَى النَّاسِ أن انصِتوا.فَارْتَدّت الأنْفاس وَسكَنَت الأَجراس ثُمَّ قَالَت(احتجاج ص 116).

(جاری)

خطبۂ حضرت زینب علیہا السلام

وَقَالَت: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالصَّلوٰةُ عَلیٰ اَبِی مُحَمَّدٍوَ آلِهِ الطَّیِّبِینَ الاخیار، اَمّابعْد یا أهلَ الکُوفَةِ !یاأهل الخَتْلِ وَالْغَدْرِ!اَتَبْکُون؟فَلا رَقَأتِ العَبْرَةُ وَلاهَدَأتِ الزَّفْرَةُ إِنَّما مَثَلُکُمْ کَمَثَلِ الَّتِی نَقَضَتْ غَزْلَها مِنْ بَعدِ قُوَّةٍ أنْکاثاً، تَتَّخِذُونَ اَیْمانَکُم دَخَلاً بَیْنَکُم، هَلْ فِیکُم إِلَّا الصَّلفُ وَالعجبُ وَالشَّنفُ وَالکذبُ وَمَلَقُ الإماء وَغَمْزُ الأَعْداء أوْکَمَرْعیً عَلیٰ دِمْنَةٍ أوْکَفِضَّةٍعَلیٰ مَلْحُودَةٍ ألاساءَ ما قَدَّمَتْ لَکُمْ أنْفُسُکُمْ أن سَخطَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَفِی الْعَذابِ اَنْتُمْ خالِدُونَ.إی أجَلْ وَاللّٰهِ فَابْکُوافَإنَّکُمْ وَاللّٰهِ أحَقُّ بِالْبُکاءِ فَابْکُوا کَثِیراًوَاضْحَکُوا قَلِیلاًفَقَدبُلِیتُمْ بِعارِهاوَمُنِیتُمْ بِشَنارِها وَلَنْ تَرْحَضُوهاأبَداًوَأنّیٰ تَرْحَضُونَ قَتْلَ سَلِیلِ خاتِمِ النُّبُوَّةِوَمَعْدِنِ الرِّسالَةِ وَسَیِّدِشَبابِ أهلِ الْجَنَّةِ وَمَلاذِحَرْبِکُمْ وَمَعاذِحِزْبِکُمْ وَمَقَرِّسِلْمِکُمْ وَآسِی کَلْمِکُمْ وَمَفْزَعِ نازِلَتِکُمْ وَالْمَرْجعِ إلَیْهِ عِنْدَمَقالَتِکُمْ وَمِدْرَةِحُجَجِکُمْ وَمَنارَةِ مَحَجَّتِکُمْ ألا ساءَ ماقَدَّمَتْ لَکُمْ وَساءَ ماتَذِرُونَ لِیَوْم بَعْثِکُم.

فَتَعْساً تَعْساً وَنَکْساً نَکْساً لَقَد خابَ السَّعْی وَتَبَّت الْأیْدِی وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَ بُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْکُمُ الذِّلَّةُوَالْمَسْکَنَةُ. أتَدْرُونَ وَیْلَکُمْ أیَّ کَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَیْتُمْ؟وَأیَّ عَهدٍنَکَثْتُمْ؟ وَ أیَّ کَرِیمَةٍ لَهُ أبْرَزْتُمْ؟وَأیَّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَکْتُمْ؟ وَأیَّ دَمٍ لَهُ سَفَکْتُمْ؟لَقَدْجِئْتُمْ شَیْئاً إدّاً تَکادُ السَّمٰواتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الأرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبالُ هَدّاً. لَقَدْ جِئْتُمْ بِهاصَلْعاءَ عَنْقاءَ سَوْاءَ فَقْماءَ. وَفِی بَعْضِهاخَرْقاءَ شَوْهاءَ.طِلاعِ الأرْضِ وَالسَّماء، أفَعَجِبْتُمْ أنْ قَطَرَتِ السَّماءُ دَماً وَلَعَذابُ الآخِرَةِ أخْزیٰ وَهُمْ لا یُنْصَرُونَ فَلا یَسْتَخِفَّنَّکُم الْمَهَلُ فَإنَّهُ عَزَّوَجَلَّ لا یَحفِزُهُ الْبِدارُ وَلا یُخافُ عَلَیهِ فَوْتُ الثّارِ کَلاّ إنَّ رَبَّکُمْ لَنا وَلَهُمْ لَبِالْمِرْصادِ؛

ترجمہ: اے کوفہ کے لوگو! اے غدارو اور مکارو! تم اب ہمارے لئے گریہ کناں ہو؟ تمہاری آنکھ کا آنسو کبھی خشک نہ ہو، نہ کبھی تمہارے نالے خاموش ہوں۔ تم اُس عورت کی مانند ہو جو تمام دن اپنا سُوت کات کر پھر اسے کھول دیتی اور تار تار کر دیتی ہے۔ تم بے دینوں نے تو اپنا رشتہ ایمان سے بالکل توڑ لیا اور اپنی اصلیت کفر پر واپس چلے گئے۔ کیا تمہاری قسموں میں مخفی مکر و خیانت تمہارے سامنے نہیں آئی؟ تمہارے اندر جھوٹے دعووں اور ریا کی گندگی کے سوا اور کچھ نہیں، صرف چاپلوسی، بے عزتی اور غمازی تمہارا اشعار ہیں۔ اے لوگو! تم اُس سبزہ کی مانند ہو جو گندگی و غلاظت پر اُگتا ہے یا اس چاندی یا مٹی کی طرح ہو جس پر غلیظ مٹی سے آرائش کی گئی ہو۔ تم نے اپنی آخرت کیلئے برا زادِ راہ بھیجا ہے، تم پر اللہ کا عذاب ہو بلکہ اللہ کا عذاب تو تمہارے لئے موجود ہے جس میں تم ہمیشہ گرفتار ہو گے۔

''اے کوفہ کے رہنے والو! کیا تم ہمارے لئے گریہ کرتے ہو؟ خدا کی قسم! تم بہت زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے، تم نے اپنے لئے عیب و عار پیدا کیا ہے اور کبھی کم نہ ہونے والی شرم اپنے لئے خریدی ہے۔ تم ہرگز اپنے آپ سے اس شرم کو دور نہیں سکو گے اور نہ ہی کسی پانی سے اسے دھو سکو گے، اور تم تلافی کر بھی کیسے سکتے ہو؟ تم نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا ہے جو پیغمبرؐ آخرِ اسلام کا جگر گوشہ اور بہشت کے جوانوں کا سردار تھا، تمہارے بزرگوں کی پناہ گاہ تھا، تم ہی تھے جو ہر حال اور ہر حادثہ میں اس سے پناہ حاصل کرتے تھے اور اس سے تم میں سنت جاری ہوتی تھی۔ تم اسی سے دین و شریعت سیکھتے تھے۔ اے لوگو! تم بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو، اللہ کی رحمت (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

سے دُور ہو گئے ہو، تمہاری اس سعی سے اب کیا حاصل ہوگا، تم دنیا و آخرت دونوں کے عذاب سے دوچار ہوئے ہو، تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن گئے ہو اور ذلت و بے عزتی کو تم نے اپنے لئے خریدا ہے۔ وائے ہو تم پر اے کوفہ والو! تم نے حضرت رسالت مآبؐ کے جگر کو ٹکرے ٹکڑے کر دیا ہے، ان کی پردہ دار خواتین کو بے پردہ کر کے باہر نکال کر لائے ہو۔ تم نے اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے فرزندوں کا کتنا خون بہایا اور ان کی کس قدر ہتکِ حرمت کی ہے؟

''اے لوگو! تم نے اتنا بڑا اور عیب دار کام کیا ہے کہ اس کی رسوائی و ذلت زمین و آسمان سے بڑھ گئی ہے۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ آسمان سے خون برسا؟ لیکن آخرت کا عذاب تو اس سے بھی رسوا تر ہوگا، کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی و معافی تمہارے ہرگز کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ عذاب و سزا میں جلدی نہیں فرماتا، نہ ہی وقت گزر جانے سے انتقام رُکتا ہے بلکہ تمہارا پروردگار تم گنہ گاروں کا منتظر ہے''۔ (احتجاج طبرسی، ص ۱۱۶، مقتل الحسینؑ، ص ۲۰۴، قمقام، ص ۴۳۴)۔

یہ وہ خطبہ تھا جس نے کوفہ کے لوگوں میں قوتِ فکر کو متحرک کر ڈالا۔ انہیں ہلا کر رکھ دیا اور ان کی توجہ کو ان کے ایسے گناہ کی طرف مبذول کر دیا جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی، ایک لہرِ انقلاب ایسی پیدا کی کہ اس شہر نے دس سال تک آرام کی صورت نہ دیکھی اور وہاں خون بہتا رہا اور جنگیں ہوتی رہیں۔

یہی وہ خطبہ تھا جس نے فکری و اخلاقی و سیاسی تحریکات کو جنم دیا، کوفہ میں ظلم وستم کے ایوانوں کو سرنگوں کر کے وہاں کے زن و مرد سب کو انقلاب پر آمادہ کر دیا۔

حضرت زینبؑ کا سر امام حسینؑ کو دیکھ کر خاموش ہو جانا

از چیست اگر مہِ تمامی انگشت نمائے خاص و عامی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اسی طرح گرم سخن تھیں، لوگوں کے قلوب کو منقلب کر کے ایک تحرکِ فکر ان میں ڈال رہی تھیں، لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، غصہ سے ان کے گلوں میں پھندے آ رہے تھے، لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں، لوگوں کے کان حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کی آواز سننے اور ان کی گفتگو کو سمجھنے پر آمادہ ہونے لگے تھے کہ عمر بن سعد نے دیکھا کہ مجمع دگرگوں ہوا چاہتا ہے، اسے انقلاب کا خوف ہوا، چنانچہ اس نے شمر ملعون سے کہا کہ علیؑ کی بیٹی کے کجاوہ کے قریب سرِ حسینؑ کو لے آئے تا کہ وہ خاموش ہو جائے۔

جونہی زینبؑ عالیہ کی نظر اپنے بھائی کے سر پر پڑی بے اختیار بول اٹھیں:

اے زینبؑ کے پہلی رات کے چاند! تو کتنی جلدی غروب ہو گیا۔ میں کیا کروں کہ میں کجاوہ میں بیٹھی ہوں اور تو (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

نوکِ نیزہ پر سوار میرے سامنے آیا ہے۔

یہ کہہ کر بے اختیار شہزادی نے محمل کی لکڑی اپنے سر پر ماری اور اس سے خون جاری ہو گیا، صیغۂ مجہول میں اس طرح کہیں گے کہ انھوں نے اپنے سر کو چوبِ محمل پر دے مارا۔

سیدہ زینبؑ نے اپنے بھائی کو اگر پہلی رات کے چاند سے تشبیہ دی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی رات کے چاند کو دیکھنے کیلئے لوگ اپنی چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں اور جونہی چاند نظر آتا ہے انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ پہلی رات کا ہلال باریک وضعیف اور کم روشن ہوتا ہے۔ گویا امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک خون نے چھپا رکھا تھا، آپؑ کا خوبصورت چہرہ ہلال کی مانند باریک اور کم نظر آتا تھا، کوفہ کے لوگ اپنے گھروں کی چھتوں اور راستوں پر کھڑے فرزندِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف شبِ اوّل کے چاند کی طرح انگلیاں اٹھا کر ایک دوسرے کو دکھا رہے تھے۔

اگر چہ وسعتِ موضوع ابھی بہت کچھ کہنے کی متقاضی ہے تاہم تقاضائے اختصار کو ملحوظ رکھنا بھی اشد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پاک دہن سے امیر المؤمنین علیہ السلام جیسی شخصیت کی زبان گوہر افشاں ہو، جس کے سامنے دنیا بھر کی زبانیں وعقول واصول دست بستہ کھڑے ہوں کہ انہیں شرفِ انتخاب حاصل ہو جائے، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا سعیٔ لاحاصل سے کسی طرح کم نہیں، تاہم اپنے حقیر حصہ کے اعتبار سے کسی پہلو کو نظر انداز کرنا بھی نہایت غیر مناسب ہوگا۔

حال ہی میں ایک کتاب بعنوان ''حضرت زینبؑ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے'' مؤلفہ جناب علامہ سید ابنِ حسن نجفی صاحب، جسے کراچی میں ادارۂ تمدنِ اسلام نے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے، ہمارے سامنے آئی ہے۔ ہم اس کتاب سے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بازارِ کوفہ کے خطبہ کا صرف اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کیونکہ خطبہ اپنے مقام پر تقریباً وہی ہے جو ہم مندرجہ بالا سطور میں عماد زادہ صاحب کی کتاب ''زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' سے نقل کر چکے ہیں۔ اگر کچھ فرق کہیں ہے بھی تو وہ خطبہ کے سامعین کی یادداشت کی وجہ سے واقع ہو سکتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عصرِ حاضر جیسی سہولتیں خطبات واشعار کو ریکارڈ کرنے کے لئے حاصل نہ تھیں۔ ہم بنظرِ اختصار علامہ موصوف کے بیان سے صرف اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے ثانیِ زہراؑ کے خطبہ کا صرف اردو ترجمہ ہی نقل کریں گے۔ خطبہ کا دہرانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ پڑھنے والے اپنے اعتقاد کا جائزہ لے کر عظمتِ ثانیِ زہراؑ اور ان کے بعد شہادتِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی استقامت اور جلالِ شریکۃ الحسینؑ کے قائل ہونے میں کسی طرح تامل نہ کریں۔

علامہ موصوف نے خطبہ سے قبل اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن میں انبیائے ماسبق کے مواقع کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم اس تمام کیفیت کو چھوڑ کر میر تقی میرؔ کا ایک شعر پیش کرتے ہیں جو صرف اظہارِ عقیدت ہی ہو سکتا ہے ورنہ اولادِ علیؑ کی کربلا کے میدان میں (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

پیش کی گئی قربانیوں کو الفاظ میں بیان کرنا یا اس کے احساس کا ذکر مقامِ صحیح سے زبانِ معصوم سے تو ممکن ہے، اس کے علاوہ عقلِ انسانی کی پرواز وہاں تک قطعاً ناممکن ہے۔ میر کہتے ہیں:

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہو

سجدہ ایک اُس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

حقیقت یہ ہے کہ کربلا انتہائے عشق کا مقام ہے اور عام انسان کی کیا بساط کہ اس مقامِ عشق تک اس کا طائرِ خیال پرواز کرسکے۔ شاعرِ مشرق نے اپنی مثنوی ''رموزِ بےخودی'' میں حادثۂ کربلا کے سلسلہ میں بہترین موازنۂ عشق و عقل پیش کیا ہے جس کا مرقع صرف اور صرف اسی واقع میں نظر آتا ہے اور اس کے علاوہ کہیں عقلِ انسانی اس مقامِ شعور تک نہیں پہنچ پائی۔ شاعرِ مشرق کہتے ہیں:

عقل محکم از اساسِ چون و چند عشق عریان از لباسِ چون و چند

آن کند آباد تا ویران کند ایں کند ویران که آبادان کند

علامہ نجفی رقم طراز ہیں:

''صبحِ عاشور'' سے ''ہنگامِ عصر'' تک جو کچھ ہوا اسی کا تصور مشکل تھا کہ غروبِ آفتاب سے ''داستانِ غم'' کا ایک نیا باب کھل گیا اور گیارہویں کی سحر نے اپنا گریبان چاک کر کے کہا:

قافلہ کربلا سے چل نکلا زینبؑ اب امتحان میں آئی

''ابھی چند دن پہلے جب یہ قافلہ وارِدِ کربلا ہوا تھا تو اس کی شان و شوکت عرب کے معزز ترین کاروانوں کی سی تھی!

''اور اب ___؟

''پھر ناقوں کے قدم کسی دوسری بستی کی طرف نہیں بلکہ کوفہ کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

''کوفہ ___! وہ شہروں کا شہر جس میں کچھ عرصہ پہلے ان تباہ حال اسیروں کی حکومت تھی ___!

''بازار سجے ہوئے، شاہراہیں آراستہ۔ ایک طرف تو مقامی تماشائیوں کا مجمع سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور دوسری جانب ان لٹے ہوئے پردیسیوں کو دیکھنے کے لئے اطراف و اکناف کے باشندے بھی سیلاب کی مانند امڈے چلے آرہے تھے کہ سپاہِ شام کا ایک دستہ اُن کے سامنے سے باجا بجاتا ہوا گزرا۔

''مشتاقِ دید، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

''اور پھر فوج کے کچھ بڑے افسروں کی سواریاں نظر آئیں جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور نیزوں کی انیوں پر بہت سے کٹے ہوئے سر تھے! اور اُن کے پیچھے بےمقنہ و چادر بیبیوں کا ایک گروہ نمودار ہوا جو صدر بازار کے ایک پُرہجوم چوراہے پر لاکر (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

کھڑا کر دیا گیا۔

''سرکاری اطلاعات کے مطابق تو یہ ایک منحرف، باغی اور سرکشی کا پرچم لہرانے والے شخص اور اُس کے مٹھی بھر ساتھیوں کے فرقہائے بریدہ کا جلوس تھا۔ نیز انہیں عبرت ناک شکست دے کر ان کے پسماندگان کو فاتح فرمانروا کے نمائندے عبید اللہ ابنِ زیاد کے حضور پیش کرنے کے لئے خوشیوں بھری تقریب کا اہتمام اور مسرتوں سے چھلکتا ایک جشن برپا کیا گیا تھا!

''....اِدھر، خونِ حسینؑ کے ہر قطرہ کو اسرارِ شہادت کی تفسیر مطلوب تھی! لہٰذا اس عظیم مقصد کی عظیم نگہبان بھلا کیسے خاموش رہتی؟

''ایک دفعہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مجمع کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا، بے قابو اژدہام متوجہ ہوا، سناٹا چھا گیا اور آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگیں۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى اَبِىْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الْاَخْيَارِ''۔

''یہ تھا بنتِ علیؑ کی تقریر کا ابتدائی جملہ جس نے کوفہ والوں کے دل و دماغ کو فتح کر لیا اور پھر عقیلۂ بنی ہاشم، فلسفۂ شہادت کی ترجمان، جنابِ زینبؑ علیا اپنے والدِ گرامی کے انداز میں خطبہ خواں ہوئیں۔ نیز ہر جملہ سے فصاحت و بلاغت کے ساتھ حقائق و معارف کا جو دریا اُمڈا ہے، عالمِ تبلیغ و تلقین میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ نیز اپنے سریع اور شدید ردِ عمل کے حوالہ سے یہ تقریر فکری انقلاب کی تاریخ اور انسانی نفسیات کی دنیا میں بھی آپؑ اپنی نظیر سمجھی جاتی ہے۔

منبرِ سلونی کے عظیم مالک کی عظیم بیٹی کی آواز سنائی دیتی ہے:

''حمد و سپاس اللہ کیلئے اور درود و سلام میرے پدرِ بزرگوار محمد مصطفےٰ اور اُن کے پاک اور نیک اہلِ بیتؑ پر___!

''کوفے والو، غدر و فریب کے پجاریو! رو رہے ہو؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ رکیں، ہمیشہ فریاد کرتے رہو۔

''مکاری کے پُتلو! تم تو اُس عورت کی طرح سے ہو جو محنت سے اون کاتتی تھی اور پھر خود ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔

''قسمیں کھا کر پلٹنے والو! کذب و غرور کے مجسمو! لونڈیوں کی سی خوشامد اور دشمنوں کی طرح عیب جوئی کرتے ہو؟

''ظالمو! تم گھورے پر اُگی ہوئی ہریالی اور جھوٹی ملمع کاری کی طرح بے ہمت ہو۔ کس بری طرح تم نے اپنی عاقبت خراب کر لی ہے! اب غضبِ الٰہی کیلئے تیار رہو، تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔

''کیوں ستم گرو! آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو___ ہاں! روؤ، تم رونے کے مستحق ہو۔ ہنسنے سے زیادہ روؤ۔ تم نے اپنے دامن پر وہ دھبہ لگایا ہے جو دھوئے نہیں چھوٹے گا۔

''کوفہ والو! یہ اندھیر کہ خاتم النبیینؐ کے بیٹے اور سردارِ جوانانِ جنت کو قتل کر ڈالا؟

''بے حمیتو!'' تم نے اُسے خاک و خون میں ملایا ہے جو تمہارے لئے کعبۂ امن، جائے پناہ، صلح و آشتی کی آماجگاہ اور (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

منارۂ ہدایت تھا۔

''غور تو کرو، تم نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ کس بُری طرح تم رحمتِ الٰہی سے دور ہوئے ہو، تمہارے مساعی عبث، کوشش بے سود۔

''ذلت وخواری کے خریدارو! تم عذاب میں ضرور گرفتار ہوگے! وائے ہو تم پر!

''حق فروشو! تم نے اپنے رسولؐ کے کلیجہ کو پاش پاش اور اُن کے حرم کو بے پردہ کیا! کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا خون بہایا اور کن کن طریقوں سے سرکارِ ختم المرسلینؐ کی حرمت ضائع کی!

''کوفیو! تم نے وہ کام کیا ہے جس کے سبب کچھ دُور نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں۔ تمہاری بداعمالی نے پوری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

''سنو! تم حیران ہو کہ اس واقعے سے آسمان نے خون برسایا۔

''ٹھہرو! عذابِ آخرت اس سے زیادہ تمہیں رسوا کریگا اور وہ بھی اُس وقت جب کہ نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار!

''ہاں! یقین مانو، یہ مہلت کے لمحے تمہارے بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتے، وقت قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو قریب سمجھو اور داورِ محشر گنہ گاروں کی گھات میں ہے''۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

''کوفیو! تم اُس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبرِ خدا تم سے کہیں گے کہ تم آخری امت ہو، تم نے میری اولاد، میرے اہلِ بیتؑ، میری حرمت اور میرے ناموس کے ساتھ یہ کیا کیا؟ میرے گھرانے کی کچھ ہستیوں کو اسیر بنایا اور بعض کو قتل کر ڈالا! کیوں؟ میرے احسانات رشد وہدایت کی یہی جزا تھی؟ یہی صلہ تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں اور میری آل واولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا؟

''اہلِ کوفہ! اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو شدّاد اور اُس کی اُمت کا ہوا!''

ثانیِ زہراؑ کی تقریر ختم ہوئی اور حکومتِ وقت کا زوال شروع ہوگیا!

(مؤلفِ کتاب ''زندگانیِ زینبؑ'' نے خطبات کیلئے الگ باب قائم کیا ہے جسے ہم بعد میں نقل کریں گے۔ وہیں ان کا تبصرہ بھی ہدیۂ قارئین ہوگا)۔

✿✿✿

۱۔ ثانیِ زہراؑ کا طرزِ بیان اور استدلال

بنی اُمیہ کی استبدادی قوت کو یہ علم نہ تھا کہ خاندانِ رسولؐ اکرم کے ساتھ دست و گریباں ہونے کی کیا قیمت ادا کرنا ہوگی۔ وہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ خانوادۂ رسولؐ کو اسیر و تشہیر کر کے وہ خود اپنے لئے کتنی بڑی رسوائی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر وہ یہ سب کچھ جانتے ہوتے تو خود اپنے لئے اس قدر رسوائی کا اہتمام ہرگز نہ کرتے۔

ثانیِ زہراؑ کی گفتگو حقیقت میں خطابتِ علیؑ تھی جس کا عنوان تاریخ میں قوتِ اسلامی کا اجراء تھا، جس سے بنی امیہ کا غصبِ اقتدار و نامرادی ظاہر ہوتی تھی، اُن واقعات و مظالم کا اظہار تھا جو معاویہ کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں دنیائے اسلام کو اٹھانا پڑے تھے۔ اہلِ بیتؑ نے اپنے لئے جس پیغام کی ذمہ داری اختیار کی تھی اس کو اقدامِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے ذریعہ بہترین صورت میں افکارِ عمومی کے غور و جذب کی خاطر عملی طور پر زمانہ کے سامنے پیش کیا۔

اس مقصد کے پیشِ نظر زینبؑ عالیہ نے جس عظیم راہ کو اختیار کیا وہ معرفتِ پروردگار کی راہِ حق تھی، ایسی راہ جس سے حکومتِ حاضر کے طریقِ کار سے عوام الناس کو متعارف کروایا جائے، یہ کوشش تھی کہ موجودہ حالات سے لوگوں کو روشناس کرائیں۔ اس مقصد و ہدف کو سامنے رکھ کر اپنی تقاریر، حتیٰ کہ اپنے مراثی کے ذریعہ بھی لوگوں کو حقائق سے واقف کرایا جس کے نتیجہ میں عوام کو صراطِ مستقیم سے آشنائی اور خاندانِ رسالت سے واقفیت حاصل ہوئی۔ ہم اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عنوانوں پر بحث پیش کرتے ہیں:

تعارفِ حق

ثانیِ زہراؑ نے اپنے لئے فرض و واجب قرار دے رکھا تھا کہ ہر موقعہ و مقام پر حقائق کو کماحقہٗ بیان کریں اور پوری آب و تاب کے ساتھ حق کا تعارف کروائیں۔ دُشمن نے ہر جگہ یہ غل مچا رکھا تھا اور اس بات کو شہرت دے رکھی تھی کہ باغیوں کی ایک جماعت نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کر کے شورش پیدا کی ہے۔ یہ انہی سرکش باغیوں کی عورتیں اور بچے ہیں جن کو قید کر کے لایا گیا ہے اور اِن کو اِن کے وارثوں کے عوض گرفتار کیا گیا ہے۔

سیدہ زینبؑ نے ہر مقام پر حقیقت کی وضاحت فرمائی، دشمن کے جھوٹے دعووں کو بے نقاب کیا اور توفیقِ حق کے مطابق

کلام کیا۔ جب آپؑ نے دیکھا کہ یزید گمراہی پیدا کرنا چاہتا ہے تو آپؑ نے اپنی زبان کھولی اور لوگوں کو سمجھایا کہ جنہیں وہ اسیر دیکھ رہے ہیں یہ رسولؐ پاک کے خاندان کی خواتین اور خود ان کی بیٹیاں ہیں۔ اس طرح آپؑ نے یزید لعین کے دامن پر اُس کے جرم کی رسوائی وننگ کے دھبوں کو واضح فرمایا (فاطمہؑ زہرا،ص 105، ترجمہ: صافی) اور اس کے اتحادیوں و دوستوں کے چہروں کی اصلیت دکھائی۔ ہر مقام پر ثانیِ زہرؑا نے امام حسین علیہ السلام کی سعادتِ شہادت کا تعارف کروایا اور بتایا کہ امام حسینؑ مظلوم ہیں، مغلوب ہرگز نہیں۔ لوگوں کو سمجھایا کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں حقیقت میں ان کی اپنی حق سے بغاوت و غداری ہے جو اُن کا ذاتی جرم ہے۔ زینبؑ عالیہ نے دشمن کی گستاخی وظلم کی وضاحت فرمائی اور ثابت کیا کہ باطل کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنا کسی طرح جائز نہیں، نہ ہی غلط بیانی کو دُشمنیِ دین کے علاوہ کچھ اور قرار دیا جانا چاہیے۔

حکومتِ وقت کا تعارف

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے کوفہ وشام کے لوگوں کو ذہن نشین کرایا کہ اُس دور میں حکومت کی باگ ڈور اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو دین سے منحرف ہیں، اسلام پر وہ لوگ حکمران ہیں جو دینِ مقدس کی تقدیس کو پامال کر رہے ہیں۔ عوام الناس کو خبردار کیا کہ یہ افراد شراب خوار ہیں اور ناپاک افکار پھیلا رہے ہیں۔ یہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اسلامی حکومت کی سربراہی ان کے سپرد کی جا سکے۔

دربارِ ابنِ زیاد اور بالخصوص دربارِ یزید میں ثانیِ زہرؑا نے واضح فرمایا کہ یزید کے اعمال عدل وانصاف سے متصادم ہیں۔ اُس نے اپنے گھر کی عورتوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے جبکہ رسولؐ زادیوں کو غیر محرموں میں تماشا بنایا ہوا ہے۔ یزید کا صرف یہ ایک عمل ہی انسانیت کے خلاف اور مسلمان اسیروں کے خلاف بھی بہت بڑا جرم ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ثانیِ زہرؑا نے اپنی اسیری پر پڑے ہوئے جہل ومکروفریب کے دبیز پردوں کو چاک چاک کر دیا جو حکومتِ وقت نے لوگوں کی عقلوں پر ڈال رکھے تھے۔ آپؑ نے حکومت کے شرم ناک افعال، بلکہ یزید کے کفر کو بے نقاب کر دیا جو اس کے جاہلانہ اشعار سے ثابت ہو رہا تھا اور لوگوں کو سمجھایا کہ اُن پر کون حکمران ہیں جو معاشرہ میں اپنے آپ کو اسلامی حاکم ظاہر کرتے ہیں جبکہ وہ بالکل بے دین ہیں، اسلام کو نہ تو پہچانتے ہیں، نہ ہی اسلام کے پیروکار و معتقد ہیں۔

انہی بنیادوں پر زینبؑ علیا نے بنی امیہ کے مقابلہ پر اُن کی مخالفت کا پرچم بلند کیا، تحریکِ مخالفتِ بنی اُمیہ کو مہمیز کیا، جس پرچم کو دوسرے لوگوں نے مزید بلند کیا تھا۔ اسی کے نتیجہ میں قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام گرفتار ہوئے اور اُن کے تمام

سربرآوردگان ذلت کی موت سے ہم آغوش ہوکر فی النار ہوئے۔

حکومتِ وقت کے حالات وفضائے زمانہ کا تعارف

ثانیِ زہراؑ کا اہم ترین ہدف معاشرہ کے حالات و ماحولِ روزگار کا تعارف کرانا تھا جس میں عوام الناس زندگی بسر کر رہے تھے لیکن وہ اس کی فضا سے بالکل غافل تھے۔ ہم اُس حقیقت و واقعیت کا ذکر کر رہے ہیں کہ جنابِ ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ اقدس کے دوران جو معاشرہ بنی امیہ نے تشکیل دیا تھا وہ ہر حالت میں آلودگی اور عوام کی بے چارگی کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس ماحول میں عوام کے لئے ذلت وخواری کی کوئی حد نہ تھی۔ بے شمار مواقع ایسے تھے جہاں امر بالمعروف کی جگہ نہی عن المنکر نے اور نہی کی جگہ معروف کو لے آیا گیا تھا۔ حکمران اور صاحب اقتدار طبقہ کے پاس کوئی ایسی خوبی نہ تھی جسے لوگوں پر ظاہر کر سکتے اور اگر کچھ ہوتا بھی تو لوگوں کے سامنے اس کا اظہار قرینِ مصلحت نہ تھا کیونکہ اُس صورت میں لوگ اس سے استفادہ کرنے کی خواہش کرنے لگتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام الناس آہستہ آہستہ اپنے زمانہ اور ماحول کی کیفیات سے مانوس ہوکر حقائق سے دور ہونے لگے، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ صاحبِ اقتدار طبقہ جو کچھ کر رہا ہے وہی عینِ اسلام ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اسلامی اقدار کی تعریف معاویہ کی زبان سے سنتے تھے جس کو خال المؤمنین اور کاتبِ وحی کے طور پر متعارف کرایا گیا تھا، جبکہ یہ بات بجائے خود دنیائے اسلام پر بہت بڑا ظلم تھا۔

عوام الناس نے سیدہ زینبؑ اور دیگر اسیرانِ اہلِ بیتؑ سے سنا اور انہیں معلوم ہوا کہ دشمنانِ آلِ رسولؐ ابھی دورِ جاہلیت ہی میں ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے اخلاق وشرافت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شہداء کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے ہیں، بچوں اور خواتین کے خیام کو آگ لگائی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر انہوں نے کسی قسم کے ظلم وجور میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

ثانیِ زہراؑ کے مخاطب

کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، اس کے بعد مدینہ ومصر، غرضیکہ جہاں بھی ثانیِ زہراؑ کو جانا پڑا، آپؑ کے مخاطب مختلف لوگ ہوتے تھے۔ لہٰذا شہزادی کے مخاطبین کو تین قسم کے افراد میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ شیعوں کی جماعت جو ہر جگہ اقلیت میں تھے۔ اس کے باوجود یہ دشمنوں کے درمیان ایک خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی یہ احترام کے قابل جانے جاتے، یہ دشمن کے مقابلہ پر بھی آ جاتے اور اسی لئے دشمن ان کی

طرف سے ہراساں و وحشت زدہ رہتا۔

ب۔ دوسری جماعت دشمنانِ اہلِ بیتؑ کی تھی جن کی اکثریت بنی امیہ اور ان کے طرفداروں پر مشتمل تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بنی امیہ کی تبلیغات سے متاثر ہوتے ہوئے اپنی اصلیت کو مسخ کر چکے تھے۔ یہ لوگ خاندانِ رسولؐ کے خلاف بہت گہرا بغض و کینہ رکھتے تھے۔ لہٰذا لازم تھا کہ یہ افرادِ اہلِ بیتؑ کے لئے کسی طرح کا احترام نہیں رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اہلِ بیتِؑ رسولؐ کو جس قدر رذالت و ظلم و اندوہ اٹھانا پڑے وہ انہی لوگوں کے ہاتھوں واقع ہوئے تھے۔

ج۔ تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی جو کسی قسم کی عقل و دانش نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ گھاس کے تنکوں کی مانند تھے جن کو ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا لے جاتی ہے۔ یہ لوگ جس طرف بھی حوادث کا رخ دیکھتے اُسی طرف چل پڑتے تھے گویا، دورِ حاضر کی اصطلاح میں جس طرح بھی ممکن ہو اپنی روٹی کمانے میں مصروف رہتے تھے۔

ثانیِ زہراؑ کو موٴخر الذکر دونوں جماعتوں سے سروکار تھا۔ لازم تھا کہ اُن پر روشن کیا جائے کہ وہ کیسے نامساعد حالات سے دوچار ہیں، دشمنانِ اہلِ بیتؑ کس قسم کے گناہِ عظیم و مظالم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اُن لوگوں کو سمجھانا مقصود تھا کہ وہ سردارانِ حکومت کی صورت میں کس قسم کے رذیل و اوباش لوگوں کا اتباع کر رہے ہیں۔ ثانیِ زہراؑ کو ایسا عمل کرنا تھا جس سے عوام الناس کو ان صاحبانِ اقتدار حکام کی پیروی کرنے پر احساسِ شرم و ندامت پیدا ہونے لگے۔

ثانیِ زہراؑ کی تقاریر

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے پیغامِ تبلیغ کیلئے نہایت موٴثر الفاظ کا قالب اختیار کیا۔ یہ بھی وقت کی ضرورت کا ایک اہم تقاضا تھا۔ (ہم بازارِ کوفہ میں آپؑ کی تقریر گزشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں)۔ ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تمام رنج والم اور مصائب کے باوجود شہزادی نے نہایت سلیس زبان میں بڑی روانی اور دلائل و براہین کے ساتھ گفتگو فرمائی، ایسی گفتگو جس میں کسی موقع پر کسی قسم کا تزلزل و خوف و ہراس و کمزوری و بے چارگی نظر نہیں آتے۔

ثانیِ زہراؑ کی تقاریر رنگ لائیں، یہاں تک کہ شام کے باشندگان جو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتے تھے اور آپؑ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے، اُن میں اثراتِ انقلاب نظر آنے لگے، حتیٰ کہ بعض لوگ اُموی خاندان کے نمائندوں پر برسنے لگے اور بنی اُمیہ اور ان کے سربرآوردہ لوگوں کو ذلیل کرنے لگے۔ انہی خطابات کے نتیجہ کے طور پر لوگ اہلِ بیتؑ کے پاک و مقدس اسمائے گرامی سے واقف ہونے لگے اور سمجھنے لگے کہ انہیں اس سے بہت پہلے ان مقدس ہستیوں

سے واقف ہونا چاہئے تھا۔اس طرح علیؑ وخانوادۂ علیؑ کے حقوق واضح ہونے لگے۔ جوز ہر اہلِ بیتؑ کے خلاف اُگلا جا چکا تھا وہ لوگوں پر ظاہر و آشکار ہو گیا، اگر چہ اُس اظہار کے اثرات مستقل کیفیت حاصل نہ کر پائے۔

ثانیِ زہرؑا کی مرثیہ سرائی

زینبؑ عالیہ کے پیغام وفرائض کے بیان اور حقائق واسرارِ دین کی تبلیغ کا بہت بڑا حصہ مرثیہ گوئی کی صورت میں ہے۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں، نہ ہی ہم میں اتنی سکت ہے کہ آپؑ کی تمام مرثیہ نگاری پیش کر سکیں۔ لہٰذا آپؑ کے مرثیہ کا ایک مختصر سا گوشہ، جس کا اظہار آپؑ نے گیارہ محرم کو کربلا کی قتل گاہ میں کیا، پیش کرتے ہیں۔ اسی میں آپؑ کے چند جملوں کا ترجمہ بھی پیش کرنے کی کوشش کریں گے، اگر چہ ادا شدہ الفاظ کے تاثر کا ترجمہ کسی بھی زبان میں ممکن نہیں ہوا کرتا۔ یہ کلماتِ مرثیہ آپؑ نے اپنے بھائی سید الشہداءعلیہ السلام کے ٹکڑے ٹکڑے اور بے سر جسمِ مبارک کے پاس بیٹھ کر کہے تھے:

"بِاَبِی مَنْ اَضحیٰ مُعَسکَرُہُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ نَهباً، بِاَبِی مَنْ فُسطَاطُہُ مُقَطَّعُ العِرَیٰ، بِاَبِی مَنْ لَا غَایَتَ فَیُرجِی وَلَا جَرِیحَ فَیُداوِیٰ، بِاَبِی مَنْ نَفسِی لَہُ الْفِداءُ، بِاَبِی الْمَهمُوْمُ حَتّیٰ قَضیٰ، بِاَبِی الْعَطشَانُ حَتّیٰ مَضیٰ بِاَبِی مَنْ شَیبَتُہُ تَقطُرُ بِالدِّماءِ، بِاَبِی مَنْ جَدُّہُ مُحَمَّدُ الْمُصطَفٰی، بِاَبِی خَدِیجَۃُ الْکُبریٰ، بِاَبِی عَلِیّ الْمُرتَضیٰ، بِاَبِی فَاطِمَۃَ الزَهراء، بِاَبِی رُدَّتْ عَلَیہِ الشَّمسُ حَتّیٰ صَلّیٰ......" (لہوف: سیّد ابن طاوٗس)۔

ترجمہ: مرثیۂ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا

"میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کی لشکر گاہ کو دوشنبہ کے روز لوٹا گیا،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کی خیمہ گاہ کی طنابیں کاٹ ڈالی گئیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو ایسا گیا کہ اُس کے لوٹ کے آنے کی کوئی امید نہ رہی، اور جو ایسا زخمی ہوا کہ اُس کا علاج ممکن نہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس پر میری اپنی جان قربان ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو تا دمِ آخر غمگین رہا،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو پیاسا ہی (دُنیا سے) چل بسا،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کے نانا محمد مصطفیٰؐ ہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کے نانا معبودِ سماوات کے رسولؐ ہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو پیغمبرِ ہدایت کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربانہ ہو اُس پر جو محمد مصطفیٰؐ کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو خدیجۃ الکبریٰ کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو علیؑ مرتضیٰ کا فرزند ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو فاطمۃؑ الزہرا کا دلبند ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو اُس کا نورِ نظر ہے جس کے لئے سورج کو پلٹایا گیا یہاں تک کہ اُس نے نماز ادا کی''۔

مندرجہ بالا تمام جملے اس کلمہ سے شروع ہوتے ہیں: ''میرا باپ قربان ہو اُس پر''۔اس کے بعد اُن حادثات سے متعلق گفتگو ہے جو ماضی سے مربوط ہیں (یعنی روزِ دوشنبہ جو روزِ سقیفہ بھی ہے) اور یہاں تک پہنچتی ہے کہ اُسے پیاسا شہید کیا گیا جو دورِ جاہلیت میں عداوت و دشمنی کا دستور تھا درآنحالیکہ اُس کے نانا پیغمبرِ خدا، بابا علیؑ مرتضےٰ ہیں، وہ نسلِ خدیجہ الکبریٰ سے ہے، فرزندِ فاطمہؑ زہرا ہے.....تا آخر۔مختصر یہ کہ ایک دنیا اس کی سرگزشت کو بیان کرتی، اُس کی مرثیہ سرائی میں مصروف اور اُس سے متعارف ہے۔

نتیجۂ کلام

ثانیِ زہرؑا نے اپنے خطابات، اپنی تقاریر، اپنے مراثی اور اپنے اشعار کے ذریعہ اپنے دشمنوں کو ایسا بے نقاب کیا کہ اُن کیلئے کسی راہِ گریز و مافات کی کوئی صورت باقی نہ رہی، حتیٰ کہ یزید ملعون اپنے پوشیدہ و مخفی کفر کے اظہار کے بغیر نہ رہ سکا (لیست اشیاخی ببدر وشھدوا .....)۔وہ کہہ اٹھا: ''کاش! میرے مشرک اجداد جو جنگِ بدر میں مارے گئے تھے، آج زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ اُن کے بیٹے یزید نے کس طرح سردارانِ اسلام سے اُن مشرکین کا انتقام لیا ہے''۔

زینبِؑ کبریٰ نے اپنے طریقِ کار اور اسلوبِ خطاب کے ذریعہ یزید کے چہرہ سے اسلام نما منحوس نقاب کو نوچ کے پھینک دیا، اس کی رذیل اصلیت کو نمایاں کر دیا اور ظاہر کر دیا کہ وہ اسلام و قرآن کو ایک کھیل سے زیادہ نہ جانتا تھا (یہ اشعار یزید نے اُس محفلِ جشن و سرور میں کہے تھے جو اُس نے اپنی خوشی کی خاطر اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے سامنے منعقد کی تھی)۔اُس کے الفاظ

''ھا شِمُ بِالْمُلْکِ'' نے ثابت کر دیا کہ وہ وحیِ الٰہی پر ایمان نہ رکھتا تھا اور پیغامِ الٰہی کو بنی ہاشم کا ساختہ و پرداختہ جانتا تھا۔

یزیدِ لعین سمجھتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل سے وہ اپنے خلاف شورش کے شجر کو اکھاڑ پھینکے گا اور پھر کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر حکومت کرتا رہے گا۔ لیکن ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس کے سکون و اطمینان کو پارہ پارہ کر کے اُس کے اس گمان و آرزو کو ایسا درہم و برہم کیا کہ یزید کو اس قابل نہ رہنے دیا کہ وہ اپنی اس فتح کا کوئی تصور بھی اپنے ذہن میں پیدا کر سکے۔ ثانیِ زہرؑا نے بنی اُمیہ کے جامِ حیات کو ایسا زہر آلود کیا کہ ان کی حکمرانی کبھی دوام سے ہمکنار نہ ہو سکی اور یزید اپنی اس کامیابی کا ایک لحظہ کے لئے بھی کبھی لطف نہ اُٹھا سکا، یہاں تک کہ یہ لوگ بالآخر شکست و ریخت کے انجام کو پہنچ گئے۔ اُن کی کیفیت کا یہ عالم ہوا کہ زینبؑ عالیہ نے اِس آیۂ مبارکہ کا انہیں مصداق قرار دیا:

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُ وا السُّوْٓ آٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰاتِ اللّٰهِ وَ کَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُ وْنَ.

''پس اُن لوگوں کا انجام جنہوں نے بدی کو شعار بنایا، اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور اُن کا مذاق اُڑایا، دوزخ قرار پایا'' (سورۂ روم:10)

۲۔ بنی اُمیہ کے بُت ھائے پندار کی سیدّہ کے نورِ نظر کے ھاتھوں شکست

ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستانِ حیات اور آپؑ کی بُت شکنی کے واقعات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کی تفصیلات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس فتحِ مکہ میں پیغمبرِ اسلام کی حضرت علی علیہ السلام کی معیت میں کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے واقعات سے بھی کماحقہٗ واقف ہیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات کی کوئی کمی نہیں، اگر چہ ان عظیم بُت شکنوں کی تعداد عام انسانوں کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ لیکن تاریخِ انسانیت میں ہمیں بت شکن اور پندارِ ظلم کو شکست و ریخت سے دوچار کرنے والی خواتین شاید ہی کہیں نظر آئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے عظیم کارنامہ کے برابر کارنامے انجام دینے والی خواتین تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد سے بھی کم ہی ملیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ثانیِ زہرؑا نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو ہرگز طبیعی و عادی امر نہیں، بلکہ یہ آپؑ کا ایک معجزہ ہے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا جو اپنی طویل زندگی میں اپنے آپ کو بہت عظیم اور طاقتور سمجھتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی ریاکاریوں اور مکاریوں سے وہ مقام پیدا کر رکھا تھا کہ اُن کے خوشامدی و چاپلوس

اپنی ہرزہ سرائیوں کے ذریعہ انہیں ہرقسم کی بڑائی کے مالک بناتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ سمجھ دار لوگ ایک طرح کی بے جا خاموشی کے خوگر ہو چکے تھے، جس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کارروائیوں میں بے حد دلیر ہو کر اپنے آپ کو اس قدر طاقتور بنا چکے تھے کہ اب اُن کی نظر میں اُن کی شکست کی کوئی صورت یا احتمال باقی نہ تھا۔

ثانیِ زہراؑ کے اقدامات

دُشمنِ اہلِ بیتؑ اپنے مقام پر عاشورۂ محرم کے واقعات کے پرتو میں اپنی فتح کے نشہ میں مست تھا، قتلِ حسینؑ و انصارانِ حسینؑ نے اُس کے دماغ کو اور زیادہ مغرور کر دیا تھا۔ تاہم کبھی کبھی ایسا اندیشہ بھی اُس کے ذہن میں سر اُٹھاتا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے اور عظیم گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے لیکن اُس کا تکبر یہ سوچ بھی پیدا کر رہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو ہر طرح کی مخالفت کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے کیونکہ اُس نے فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام جیسی باعظمت و پُر شکوہ شخصیت کو آسانی سے اپنے راستہ سے ہٹا دیا ہے۔

اس سلسلہ میں یزید شدید غلط فہمی کا شکار تھا۔ اُس نے انتقام گیریٔ تاریخ میں اس حقیقت کا مطالعہ نہیں کیا تھا کہ ہر بڑائی کے مقابلہ میں بزرگ تر بڑائی ہوا کرتی ہے، ہر قوی دست کے اوپر اس سے قوی تر ہاتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوت سب سے بڑی طاقت ہے۔ وہ اُس خاتونِ معظم کی قوت سے بے بہرہ تھا جو خونِ مظلومِ سید الشہداء علیہ السلام کی مبلّغ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اس حقیقت سے غافل تھا کہ خواہرِ حسینؑ مظلوم، سیدہ زینبؑ، اپنے معصوم بھائی کے بعد زمانہ میں سب سے بڑی بت شکن ہیں۔ ہمیں سیدہ طاہرہ جنابِ فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ تاریخِ بشریت اور نسوانیت کی پوری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی سیدہؑ کی نورِ نظر کے سوا نہیں ملتی جس نے یزید جیسے حاکم ظالم اور ابنِ زیاد جیسے خونخوار فرماں روا کو اس قدر ذلیل و خوار کیا ہو اور اُن کی شان و شوکت کو بازیچۂ اطفال بنا کر بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا ہو۔

یہ وہ لوگ تھے جو اپنی حکمرانی کے خمار میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ خاندانِ علیؑ کو اپنے ظلم وسفا کی سے صفحۂ ہستی سے دھوڈالیں گے اور اس طرح اپنے مقصدِ حیات میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ہدف کے حصول میں کاملاً متزلزل ہو گئے بلکہ اُن کے نام تاریخِ بشریت کے خاک دانوں کی زینت بن کر ذلت وخواری کے نشان بن گئے۔

ثانیِ زہرؑا کے تازیانہ ہائے خطابت

ثانیِ زہرؑا کی خطابت کا کیا کہنا! زورِ خطابت کا یہ عالم ہے کہ آپؑ کے دہنِ مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ دشمن کے سر پر تازیانہ اور کوڑے کا کام کرتا ہے جس سے دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے دماغ ان مصیبت زدوں کے اندوہ وغم کے مقابل بلبلا اٹھتے ہیں۔ کتنے پُر شکوہ ہیں آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے وہ جملے جو آپؑ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمائے ہیں۔ سیدہؑ کی بیٹی ارشاد فرماتی ہیں:

''یزید! میں تیری حیثیت کو اس حقیقت سے بہت گھٹیا جانتی ہوں کہ تجھ سے اپنے آپ کو ہم کلام کروں۔ میں تجھ سے صرف اس لئے مخاطب ہوں کہ تیری رسوائی وملامت کو اپنے فرائض میں سے جانتی ہوں، اگرچہ مجھے علم ہے کہ تجھے ذلیل کرنے سے ہمارے شہید زندہ نہیں ہو جائیں گے'' (زینبیہ)۔

علیٰ ہذا القیاس ابنِ زیاد ملعون سے فرماتی ہیں:

''تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے''! (ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ)! (زینبؑ از عاشورا تا اربعین)۔

ابنِ زیاد آپؑ کی اس بات پر اس قدر غضبناک ہوا کہ آپؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس پر دوسرے لوگ درمیان میں آگئے لیکن مخدومہ نے اپنے کلام کو نہ تو مختصر کیا اور نہ ہی اُس پر کسی قسم کی عذر خواہی کی۔

اسی طرح ابنِ زیاد کے لئے آپؑ نے فرمایا تھا کہ ہماری شان وشوکت کی خاطر یہی کافی ہے کہ ہمیں نبوت وتطہیر کی کرامت حاصل ہے اور وہ ہمارا غیر ہے جو فاسق ہے، جو فاجر ہے، اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور وہ یہی ابنِ زیاد ہے۔ آپؑ فرماتی ہیں:

''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی اَكْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍصَلَّى اللّٰهُ عليه و آلهٖ وَطَهَّرَنَاالرِّجْسَ تَطْهِیْراً وَاِنَّمَایَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ وَیَكْذِبُ الْفَاجِرُوَهُوَغَیْرُنَا''. (زینبؑ اُختِ الحسین علیہ السلام)۔

ایسی ہی گفتگو ہے جس نے اُن مغرور جابروں کو اس قدر شکستِ ذہنی سے دوچار کیا کہ اُن کی نام نہاد فتح کا نشہ اُن کے ذہنوں سے اُتر گیا، اس قابل ہی نہ رہے کہ ان کا احساسِ غرورِ فتح مندی باقی رہ جائے۔ غرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے دشمن کا پندار ذلیل واضح وآشکار ہوا اور اُن کے ضمیر میں لگی ہوئی آگ زیادہ سے زیادہ بھڑکتی رہی۔ آپؑ نے اُن ظالم صاحبانِ اقتدار کو ایسے جملوں سے خطاب کیا کہ کوئی شخص جو اپنے مقام وہدف سے ناواقف ہو، ہرگز ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

چنانچہ یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں: ''تیری عقل فاسد ہو چکی، تیری حکومت ناپائیدار ہے۔ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر!.....'' (خطبہٴ زینبؑ، مکالمات)۔

ثانیِ زہراؑ کا طریقِ کار

ثانیِ زہراؑ کے طریقِ کار کا ایک اور مظاہرہ آپؑ کی اسیری کے دوران نظر آتا ہے جس نے دشمن کے بت ہائے پندار کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ دشمن کا خیال تھا کہ قیدی حسبِ معمولِ زمانہ اُس کے سامنے حاضر ہو کر اس کے پُر از جاہ و جلال دربار میں رکوع کی صورت میں اُس کی تعظیم بجا لائیں گے۔ ابنِ زیاد کی نگاہیں قیدیوں کے معائنہ کے لئے گویا دروازہ پر سل کر رہ گئی تھیں کہ اچانک اُس کے دارالامارہ کا دروازہ کھلا اور اسیرانِ اہلِ بیتِؑ رسولؐ داخلِ دربار ہوئے۔

ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق ابنِ زیاد کے محل میں اس کے دربار میں ہر طریقہ سے اُس کی شان و شوکت و ہیبت کا مظاہرہ کیا گیا تھا جس کا مقصد خاندانِ رسالتؐ کو مرعوب کرنے اور اہالیانِ کوفہ کے ذہنوں کو ہیبت زدہ کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا (زندگانیِ فاطمہؑ زہرا، ص 253)۔

ثانیِ زہراؑ ابنِ زیاد کے دربار میں پورے وقار کے ساتھ تشریف لائیں، محل کے ایک کونے کی طرف بڑھیں، بیٹھنے کی اجازت کی پروا کئے بغیر ایک کونے میں تشریف فرما ہوئیں اور آپؑ کی ہمراہی خواتین نے وہیں آپؑ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اس کیفیت نے ابنِ زیاد ملعون کو ہیبت زدہ و پریشان کر دیا کہ یہ کس قدر متکبر خاتون ہے کہ اجازت لئے بغیر بیٹھ گئی ہے۔ وہ اپنی فطری درشتگی کو روک نہ سکا اور پوچھا: ''یہ خاتون کون ہے؟''

سیدہؑ کی صاحبزادی نے جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور خاموش رہیں۔

ابنِ زیاد نے تین بار پوچھا لیکن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اُس کی تحقیر کی خاطر اپنی بے اعتنائی کو برقرار رکھا اور اسے جواب کے قابل نہ جانا۔ آخر کار اسی مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ یہ علیؑ کی صاحبزادی زینبؑ کبریٰ ہیں۔ ابنِ زیاد نے زبان کے زخم لگاتے ہوئے کچھ بے ادبانہ و گستاخانہ الفاظ کہے اور اُن کے بالکل مطابق جواب سنا (اس گفتگو کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی)۔

ذلیل دُشمن کے سامنے

دُنیا بھر کے تمام دُوسرے بت شکنوں کی طرح ثانیِ زہراؑ بھی کسی طرح دُشمن سے مرعوب و کمزور نظر نہیں آتیں۔ ہم نے

آپؑ کی جرأت وشجاعت کے چند نمونے گزشتہ صفحات میں پیش کیے ہیں۔ ان میں اس قدر اضافہ ضروری ہے کہ سیدہ زینبؑ اُس وقت ایک قوی ترین صاحبِ مسند کے مقابلہ میں قیام کر چکی ہیں اور یہ اس حالت میں کہ خود اپنی جگہ بظاہر کمزور ترین مقام رکھتی ہیں۔ کیفیت اس طرح ہے کہ ثانیِ زہراؑ اسیری کی حالت میں ہیں، جبکہ یزید سلطنت وطاقت کا حامل ہے۔ آپؑ خاتون ہیں جبکہ یزید اپنے آپ کو ایک طاقتور مرد، سیاسی رہبر اور اپنے آپ کو اس دور کے تمام مسلمانوں کا حاکم جانتا ہے۔ اس طرح وہ ملعون اپنے آپ کو بلند ترین شخصیت کا مالک اور زینبؑ عالیہ کو کمتر اور کمزور تر سمجھتا ہے۔ لیکن اصلیت وحقیقت اس کے بالکل برعکس بلکہ الٹ نکلتی ہے۔ بحث وگفتگو کے دوران آپ یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

''اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے اپنے گھر کی عورتوں کو تو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور رسولؐ اللہ کی بیٹیوں کو بے پردہ کر کے منظر عام پر لے آیا ہے؟ کیا تو عادل ہے اور یہی تیرا معیارِ عدل ہے؟ کیا تیرے لئے کربلا کا حادثہ وغارت گری کافی نہ تھا کہ تو نے حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ کو شام لے کر آؤ؟ کیا خانوادۂ رسولؐ پاک کی بے حرمتی سے تیرا دل خوش ہوا ہے؟ کیا قتلِ حسینؑ کو تو اپنی فتح جانتا ہے اور اُن کو شہید کر کے تو ڈرتا نہیں؟ اگر رسولؐ پاک سے تیری ملاقات ہو تو ہمیں اسیر و دربدر کرنے کے سلسلہ میں تو انہیں کیا جواب دے گا؟''

اظہارِ حقائق کا نتیجہ

ثانیِ زہراؑ ظالموں کے بت ہائے پندار کو توڑنے میں بالکل کامیاب رہیں، اپنے طرزِ عمل وگفتگو سے آپ نے ابنِ زیاد کو دردآلود تلخی سے دوچار کیا اور یزید کو حقائق کی تلخی کا ایسا مزہ چکھایا کہ یہ دونوں ظالم اسی تلخی کو لے کر سکراتِ موت تک پہنچے۔ ابنِ زیاد جیسے ملعون افراد آرزو رکھتے تھے کہ انہیں لفظِ 'امیر' سے پکارا جائے، یزید بھی اس بات کا منتظر تھا کہ علیؑ کی نورِ نظر اسے امیر المؤمنین یا کسی ایسے ہی لفظ یا خطاب سے مخاطب کریں۔ لیکن زینبؑ عالیہ نے ان کی ان مذموم خواہشات کو اُن کے نہاں خانہ ہائے دل میں ہی دفن کر کے رکھ دیا اور کسی حالت میں بھی دونوں متکبرین کو امیر یا امیر المؤمنین کہہ کر مخاطب نہ کیا۔

ثانیِ زہراؑ نے بنی امیہ کے بت ہائے اقتدار کو یکے بعد دیگرے زمین پر دے مارا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُن کی حیثیت کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ دنیا ٹھنڈے پانی کے ہر گھونٹ کو حلق سے اتارتے ہوئے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر درود وسلام اور یزید ملعون پر لعنت بھیجنے لگی۔ حد یہ ہوئی کہ ایک دن خود یزید کا دارالخلافہ عزاخانہ اور ماتم کدہ میں تبدیل ہو گیا۔

۳۔ ثانیٔ زہراؑ کی منزلِ تبلیغ و موعظہ

آخر وہ وقت آیا کہ ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے جدِ بزرگوار کے مقامِ رسالت و منزلِ وعظ و نصیحت کو اختیار فرمایا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا! آخر آپؑ عظیم ترین واعظہ، ناصحِ امین کی حیثیت رکھتے ہوئے سیرتِ انبیائے کرام کو اختیار کرتی ہیں جن کی حیات ہائے پاک کا ہدف و مقصد خیر خواہیِ مخلوقِ خدا، بشارتِ نجات اور اندارِ جہنم کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آپؑ رسولؐ پاک کے دامنِ عاطفت کی تربیت یافتہ تھیں، معصومہ کونین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا آپؑ نے دودھ پیا تھا، مولائے کائنات علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی نورِ دیدہ تھیں۔ آخر ان سب حضرات نے اپنے دورِ حیات میں بنی نوعِ انسان کے لئے کیا کچھ نہ کیا تھا! کیا ان سب نے مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کے علاوہ بھی کوئی عمل اپنی حیات ہائے طیبہ میں انجام دیا تھا؟ کیا اس کے علاوہ بھی ان کی زندگیوں کا کوئی پہلو نکلتا ہے کہ انہوں نے بنی نوعِ انسان کی سعادت کی خاطر اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا تھا؟

اب یہی سیدہ زینبؑ ہیں جو علیؑ و رسولؐ پاک کی چشم و چراغ ہیں۔ اب یہ خود نصیحت و موعظہ کی منزل پر ہیں کہ شاید لوگ راہِ راست اختیار کر لیں اور کج روی و انحطاطِ اخلاقی سے باز آ جائیں! اس کیفیت میں آپؑ کی نظروں میں دوست و دشمن دونوں برابر ہیں۔ اس وقت آپؑ بارانِ رحمتِ پروردگار کی مانند ہیں جو اپنی نعمات و رحمت کو ہر مقام پر برساتا ہے، حتیٰ کہ زمینِ شور بھی اس سے محروم نہیں رہتی [1]۔

دربارِ یزید میں دُخترِ علیؑ کا موعظہ

ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا نے شام میں اپنے خطبہ میں یزیدِ لعین کو آخرت کا خوف دلایا۔ آپؑ اُسے تاریخ کی دست بُرد اور حسابِ دنیا کا خوف دلاتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اُس دن سے ڈر جب اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی جس میں اس کے حبیب محمدؐ مصطفےٰ طالبِ عدل و انصاف ہوں گے۔ اُس وقت تیرے جسم کے اعضاء و جوارح تیرے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا

1۔ اسی کیفیت کو سامنے رکھ کر شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ مرحوم اپنی مثنوی 'رموزِ بےخودی' میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

چون خلافت رشته از قرآن گسیخت	حریت را زهر اندر کام ریخت
خاست آن سر جلوهٔ خیر الامم	چون سحابِ قبله باران در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت	لاله در ویرانه ها کارید و رفت
بحرِ حق در خاک و خون غلطیده است	پس بنائے لا اله گردیده است

جس کے بارے میں تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ظالموں کا انجام کیا ہوگا! (شام میں خطبہ زینبؑ)۔

اسی خطبہ میں شہزادی یزید کو خوفِ آخرت دلاتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ بدکاروں کی عاقبت دوزخ ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وا السُّوْٓ اٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ" (سورۂ روم:10)۔

اس کلام سے یزید کا کردار واضح ہو جاتا ہے اور واقعۂ کربلا کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ یہ قرآن اور وعدۂ خداوندی ہے۔ یزید کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ نام کا بھی مسلمان ہے تو اسے اس حکم کو تسلیم کرنا اور اس پر یقین کرنا ہوگا اور اگر ایمان نہیں رکھتا تو پھر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے کیلئے تیار کرلے۔

یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

"تو بالکل آزاد ہے، جس طرح چاہے عمل کرے۔ جو تجویز بھی تجھ سے ممکن ہو بروئے کار لے آ، اپنی پوری قوت اپنے شیطانی طریق میں صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم! ہرگز ممکن نہیں کو تو ہمارے نام اور ہمارے اسوہ کو دنیا سے محو کر سکے یا مٹا پائے، جیسا کہ اصول ہے:

"فَكِدْ كَيْدَكَ.....فَوَاللّٰهِ لَا تَمْحُوْا ذِكْرُنَا....." (زینبؑ اُختِ حسینؑ، سخنانش بایزید)۔

حالات کی تصویر کشی

ثانیِ زہراؑ اپنے مواعظ و نصائح اور اپنے پیغام کی ترسیل کی تصویر کشی اس طرح فرماتی ہیں گویا آپ خود اُس جگہ موجود ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ مشاہدہ کر رہی ہوں۔ کیفیت اس قدر دردناک ہے کہ خود دشمن اسے دیکھ نہیں پا رہا۔ یہ بھی مبلّغ کا اپنا ہنر ہوتا ہے کہ سننے والوں کو تصویرِ واقع کا ایک حصہ بنا دے۔ واقعات و کیفیات کی تصویر کشی ہی وجدانِ مُردہ کو زندہ کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی وجدانی کیفیت میں احساسِ عذاب بیدار ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر بچے بھی ایسے دردناک واقعات میں موجود ہوں تو ایسے خوفناک حالات کے خوگر ہو جاتے ہیں اور اُن کے نتائج کے تصور سے اپنے آپ کو الگ نہیں کر سکتے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی واقع نگاری کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یزید ملعون کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

"اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ آج ہمارے قتل سے تجھے کوئی فائدہ ہوا ہے تو یاد رکھ کہ کل جب قیامت برپا ہوگی تو تو اس کے

نقصان سے دوچار ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا جب سوائے تیرے اپنے اعمال کے کوئی چیز تیرے پاس نہ ہوگی۔ یہ وہ دن ہوگا جب تو اور تیرے پیرو عدلِ پروردگار کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ اُس دن تو دیکھے گا کہ تیرے باپ نے بدترین وراثت تیرے لئے چھوڑی ہے کہ تو رسولؐ اکرم کی اولاد کے قتل کا مرتکب ہوا ہے....'' (بررسی تاریخِ عاشورا،ص ۲۳۸)۔

ثانیِ زہراؑ کی واقعہ بینی

ثانیِ زہراؑ اس لہجہ وزبان میں اس لئے گفتگو کررہی ہیں اور تبلیغ کا یہ پہلو اس لئے اختیار کئے ہوئے ہیں کہ آپؑ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی بصیرت سے دیکھ رہی ہیں، آنے والے حوادث سے اچھی طرح خبردار وآگاہ ہیں، جانتی ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اور اُس کا ردِعمل کیا ہوگا۔ آپؑ اُس مؤرخ کی طرح ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور اُن کے نتائج کی پیش بینی کررہا ہوتا ہے اور تاریخ کے دھارے کی طرف پوری طرح متوجہ اور اس سے خبردار ہوتا ہے۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے قطعی ہونے کے بارے میں اپنے کلام میں اُن کی نشان دہی کرتی ہیں اور اپنی گفتگو اور لہجہ کو مستحکم کرتے ہوئے یزید کو مخاطب کرتی اور فرماتی ہیں:

''تونے اپنے کام کو انجام تک پہنچادیا، اپنی خواہشات کو پورا کرلے، جو بھی کرسکتا ہے کرگزر، لیکن خدا کی قسم! اپنے خیال میں تونے جو ہماری رسوائی وتذلیل کرنا چاہی ہے، اس کا داغ تیرے دامن سے ہٹ نہیں سکتا۔ تو ہمارے ساتھ اپنے اس سلوک کی بدنامی کو ہرگز ہرگز نیک نامی میں نہیں بدل سکے گا....'' (بررسیٔ تاریخِ عاشورا،ص ۲۳۹)۔

حقیقت بھی یہی ہوئی جس کی طرف شہزادی نے اشارہ فرمایا تھا۔ اُس دشمنِ ایمان نے مخدرات ودیگر اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو کوچہ وبازار میں تشہیر کرکے معکوس نتائج حاصل کئے۔ اس سلسلہ میں اُس کے مخاصمہ اور مباحث نے الٹا اثر کیا، اُن دشمنوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے جو بزم آرائیاں کی تھیں وہ عزائے شہداء میں بدل گئیں اور وہ خود سخت ترین شکنجہ ہائے تاریخ میں جکڑے گئے۔

ثانیِ زہراؑ کے خطابات کا استحکام دائمی

زینبؑ عالیہ نے چودہ سو سال قبل ایسے درس آموز مواعظ بیان فرمائے تھے، یہ سب باتیں آپؑ نے جاہل وکینہ پرور دُشمن کے گوش گزار کی تھیں، حالات بھی ایسے ہی گراں تھے۔ لیکن آج کے روشن خیال مفکر بھی جو اصولِ اسلام کے داعی ہیں، جب ہم اُن سے اس بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدہؑ طاہرہ کی نورِ نظر خود ہمارے زمانہ کے مفکرین

سے مخاطب ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ زینبؑ کی باتیں اپنے اندر ایک دنیا کو سمیٹے ہوئے ہیں، یعنی یہ باتیں ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگوں پر صادق آتی ہیں۔ ان کا اثر جاودانی ہے۔ یہ باتیں کسی خاص موقع یا زمانہ کے لئے نہیں ہیں کہ آپؑ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ہی لوگوں کے لئے سبق آموز ہوں۔ آپؑ کا درس پوری نوع انسانی پر محیط ہے، نیک ہوں یا بد۔ انسانیت کا پیکر ہو تو وہ جان لے گا کہ ہر خیانت کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور ہر عمل کا ردِعمل، عمل اچھا ہو یا فاسد، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱۔ سیّدہ زینبِؑ کبریٰ کا کوفہ میں خطاب

ہم گزشتہ صفحات میں مخدومۂ کونین جناب زینبؑ کبریٰ کے بازارِ کوفہ میں خطبہ کی تفصیلات متعدد مؤرخین کے حوالہ جات سے پیش کر چکے ہیں۔ اس خطبہ میں، جو اسیریٔ اہلِ بیتؑ بعد از شہادتِ امام حسین علیہ السلام کا پختہ ترین ثبوت ہے، کہیں کہیں لفظی اختلاف ممکن ہے پایا جاتا ہو، جو اس دور کے وقائع نگاروں کی سماعت اور سمجھ بوجھ میں اختلاف کی وجہ سے ہو، تاہم موضوع گفتگو اور اندازِ خطابت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سطورِ ذیل میں جو متنِ خطبہ پیش کیا جا رہا ہے وہ مؤلفِ کتاب جناب ڈاکٹر علی قائمی صاحب کی تحقیق کا نتیجہ ہے، جس کا ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں۔ اس خطبہ کا پیش کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ محترم مؤلف نے خطبہ پر جو تحقیق اور خطبہ کے جو تاثرات تحریر فرمائے ہیں ان کا بیان متنِ خطبہ کے بغیر موضوع کی تشنگیٔ تکمیل کا باعث بن جاتا۔ لہٰذا ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہیں کہ اس کو واقعات کا تکرار خیال نہ فرمائیں۔

آئندہ سطور مخدومۂ کونین سلام اللہ علیہا کے خطاب کو پیش کرتی ہیں (مترجم):

اس باب میں سب سے پہلے ہم اپنے موضوعِ گفتگو کی مطابقت سے ثانیٔ زہراؑ کے خطبہ کا متن پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس خطبہ کی مختصر تشریح بھی قلمبند کریں گے۔

بشیر بن خزیم الاسدی (جو اُسی دن کوفہ پہنچا تھا، بازار میں موجود تھا اور اس کے متعلق ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں، مترجم) کہتا ہے:

"وَنَظَرْتُ اِلٰی زَیْنَبَ بِنْتِ عَلِیٍّ یَوْمَئِذٍ".

"میں نے اُس روز دخترِ علی علیہ السلام حضرت زینبؑ کو دیکھا"۔

"وَلَمْ اَرَ خَفِرَةً وَاللّٰهِ اَنْطَقُ مِنْهَا".

'خدا کی قسم! اس دن تک میں نے حضرت زینبؑ سے زیادہ باعفت و باحیا گفتگو کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی تھی'۔

"کَاَنَّهَا تُفْرِغُ مِنْ لِسَانِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِ ابْنِ اَبِیْطَالِبٍ".

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کی زبان سے گویا ہیں"۔

''ثُمَّ قالَتْ'':

''پھر (میں نے ثانیِ زہراؑ کو دیکھا کہ) اس طرح فرما رہی تھیں'':

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''

''تمام حمد و ثناء اللہ تعالیٰ (کی ذاتِ اقدس) کے لئے مخصوص ہے''۔

''وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی ابِیْ مُحَمَّدٍ''

''درود و رحمتِ پروردگار ہو میرے پدرِ بزرگوار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر''

''وَ آلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الْاَخْیارِ''

''اور اُن کے پاک خاندان پر جو (دنیا میں) ممتاز افراد ہیں''۔

''اَمّا بَعْدُ یااَھْلَ الْکُوْفَۃِ''

''حمدِ پروردگار کے بعد__ اے کوفہ کے رہنے والو!''

''یااَھْلَ الْخَیْلِ (الختر) وَالْغَدْرِ (وَالخذاء)''

''اے وہ لوگو جو مکر و فریب و دھوکہ کے خوگر اور بے ہودہ گوئی کے عادی ہو!''

''اَتَبْکُوْنَ ؟''

''کیا تم (ہمارے مصائب پر) گریہ کناں ہو؟''

''فَلا رَقَأَتِ الدَّمْعَۃِ (اَلْعَبرۃ)''

''کاش تمہاری آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خشک نہ ہونے پائیں!''

''وَلاٰ ھَدَأَتِ الرَّنَّۃِ''

''تمہارے اشک و آہ کبھی ختم نہ ہوں!''

''وَانَّمامَثَلُکُمْ کَمَثَلِ الَّتِی''

''یقیناً تمہاری داستان ایسی ہے جیسی اُس نادان عورت کی تھی''

''نَقَضَتْ غَزْلَھٰامِنْ بَعْدِقُوَّۃٍ اَنْکاثاً''

''جس نے اپنے رشتہ وتعلق کو اُستوار کرنے کے بعد توڑ ڈالا''

''تَتَّخِذُوْنَ اَیْمانَکُمْ دَخَلاً بَیْنَکُمْ''

''تم نے بھی (ہمارے ساتھ) اپنے رشتہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیا''

''اَلاَ وَهَلْ فِیْکُمْ اِلَّا الصَّلْفُ وَالشَّنَفُ (وَالنَّطفُ)''

''کیا تم میں فساد و خوشامد وخود بینی ونخوت وتکبر کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟''

''وَالصُّدْرُ و الشَّنِفُ''

''تم جاہلیت کے اخلاق وصفات کی طرف پلٹ گئے ہو''

''وَمَلَقِ الْاِماءِ وَغَمْزُ الْاَعْداءِ''

''تمہارے کردار میں اب کنیز زادوں کی طرح چاپلوسی اور دشمنانِ دین کے نخرے اٹھانے کے سوا اور کچھ نہیں''۔

''وَهَلْ اَنْتُمْ اِلَّا کَمَرْعیً عَلٰی دِمَنَةٍ''

''کیا تم اُس گھاس کی طرح نہیں ہو جو کوڑے کے ڈھیر پر اُگتی ہے؟''

''اَوْ کَفِضَّةٍ عَلٰی مَلْحُوْدَةٍ''

''یا تم اس کے سوا کچھ نہیں گویا چاندی کی کان مٹی میں چھپی ہوئی ہو''۔

''اَلاَ ساءَ مَاقَدَّمَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ''

'' آگاہ رہو اور جان لو کہ تم نے خود اپنے لئے بدبختی فراہم کی ہے''۔

''اِنْ سَخَطَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ''

''مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب وشدتِ غضب تم پر آچکا ہے''

''وَفِی الْعَذابِ اَنْتُمْ خالِدُوْنَ''

''اور تم اب عذابِ خداوندی میں مستقلاً گرفتار رہو گے''۔

''اَتَبْکُوْنَ وَ تَخِبتُوْنَ''

''کیا تم ہمارے عزیزوں کو قتل کرنے کے بعد اب روتے ہو؟''

''اَیُ وَاللّٰہِ (اِنَّکُمْ اَحْرِ یاءُ بِالْبُکَاءِ)''

''یقیناً، خدا کی قسم! تمہیں رونا ہی چاہیے''،

''فَابْکُوا کَثِیرًا وَاضْحَکُوا قَلِیْلاً''

''پس تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو!''

''فَلَقَدْ ذَھَبْتُمْ بِعَارِھَا وَ شَنَارِھَا''

''تم نے اپنے لئے ننگ و عار خرید کیا اور اپنے دامن میں ننگ و عار کا پیوند لگایا''،

''وَلَنْ تَرْحَضُوھَا بِغَسْلٍ بَعْدَھَا اَبَداً''

''ایک ایسا پیوند و دھبہ کہ جس کو اپنے دامن سے دھوڈالنا تمہارے لئے ہرگز ممکن نہیں''۔

''وَأَنّیٰ تَرْحَضُوْنَ قَتْلَ سَلِیْلِ خَاتِمِ النُّبُوَّۃِ''

''تم سے کیسے ممکن ہے کہ خاتم النبیین کے خاندان کے قتل کے جرم کو اپنے سے جدا کرسکو!''

''وَمَعْدِنِ الرِّسَالَۃِ''

''وہ پیغمبرؐ جو رسالت کی جان اور عظیم ترین رسالت کے معدن ہیں''،

''وَسَیِّدِ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃَ''

''اور (قتلِ حسینؑ) جو جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں''

''وَمَلاذِدَخَیرِتِکُمْ (وَمَنَارِ مَحَجَّتُکُمْ)''

''تم نے اُسے قتل کیا جو تمہارے لئے پناہ اور تمہاری ہدایت کا چراغ تھا''،

''وَمَفْزَعِ(مَفْرَجِ)نَازِلَتِکُمْ''

''جو تمہارے لئے بلا و مصیبت کے طوفانوں میں تمہاری اعانت و سکون کا منبع تھا''،

''وَمَنَارِ حُجَّتِکُمْ''

''وہ تمہارے لئے روشنی بخشنے والا چراغ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت تھا''،

''وَمَدَرَۃِسُنَّتِکُمْ''

''وہ تمہارے لئے سنتوں کا مرکز و محل ہے''۔

''اَلاَ سَاءَ مَاتَزِدُوْنَ''

''جان لو کہ تمہارا جرم بہت سنگین ہے''۔

''وَبُعْداً لَکُمْ وَسُحْقاً (فَتعاونک)''

''(خدا کرے) تم خیر و سعادت سے محروم رہو''،

''فَلَقَدْخَابَ السَّعْیُ''

''تمہاری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوں''،

''وَتَبَّتِ الْاَیْدِیِ''

''تمہارے ہاتھ کٹ جائیں''،

''وَخَیِرَۃ الصَفْقَۃُ''

''اس گناہِ عظیم وشدید نقصان سے دوچار ہو''۔

''وَبُوْتُم بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰہِ''

''تم نے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا مستحق قرار دیا''۔

''وَ ضُرِبَتْ عَلَیْکُمُ الذِلّۃُ وَالمَسْکَنَۃُ''

''ذلت و شکست کے تازیانے ہمیشہ تمہارے سروں پر پڑتے رہیں گے''۔

''لَقَدْ جِئتُمْ شَیْاً اِدّاً''

''تم نے بدترین کام انجام دیا''

''تَکَادُالسَّمٰوٰاتُ یَتفَطَّرْنَ مِنْہُ''

''جس کے باعث خوف ہے کہ آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں''،

''وَتَنشَقُ الْاَرْضُ وَ تَخرُّ الْجِبالُ ھَدّاً''

''زمین پھٹ جائے اور پہاڑ اس میں سما جائیں''۔

"وَيۡلَكُمۡ يَااَهۡلَ الۡكُوۡفَه"

"اے اہلِ کوفہ! وائے ہو تم پر"!

"اَتَدۡرُوۡنَ اَیَّ کَبِدٍ لِرَسُوۡلِ اللّٰهِ فَرِیۡتُمۡ"

"کیا تم جانتے ہو تم نے رسولؐ خدا کے جگر کو زخمی کیا؟"

"وَاَیَّ کَرِیۡمَةٍ لَهٗ اَبۡرَزۡتُمۡ"

"تم نے کس طرح ان کی ہتک حرمت کی؟"

"وَاَیَّ دَمٍ لَهٗ سَفَکۡتُمۡ"

"کیسے تم نے اُن کا خون بہایا؟"

"وَلَقَدۡ جِئۡتُمۡ بِهَا صَلۡعَاءَ عُنۡقَاءَ"

"کس طرح تم نے اُن کے پردۂ حرمت کو پھاڑ ڈالا؟"

"سَوۡدَاءَ فَقۡمَاءَ"

"تم ایک بہت بڑے گناہ اور جرم کے مرتکب ہوئے ہو"،

"خَرۡقَاءَ شَوۡهَاءَ"

"پریشان وحیران کن"،

"کَطِلَاعِ الۡاَرۡضِ"

"ایسے گناہ جنہوں نے زمین کو بھر دیا"،

"اَوۡمِلَاءِ السَّمَاءِ"

"جو آسمان پر چھا گئے اور اسے تاریک کر دیا"۔

"اَفَعَجِبۡتُمۡ اِنۡ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَماً"

"اگر اس غم میں آسمان سے خون برسنے لگے تو کیا تم تعجب کرو گے؟"

"وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰی"

''پھر بھی عذابِ خدا آخرت میں سخت تر اور ذلت آور ہوگا''۔

''وَاَنْتُمْ لَا تُنْصَرُوْنَ''

''اُس دن کوئی تمہاری مدد کیلئے نہیں اٹھے گا''۔

''فَلَا یَسْتَخِفَّنَّکُمُ الْمَهَلُ''

''تمہارے عذاب میں اللہ نے جو تمہیں مہلت دی ہے اُس سے یہ نہ سمجھو کہ اُس نے تمہارے گناہوں کو چھوٹا جانا ہے''

''فَاِنَّهٗ لَا تَحْفِزُهُ الْمُبَادِرَةُ''

''کیونکہ اللہ تعالیٰ سزا دینے کیلئے جلدی و تیز اقدام نہیں کرتا''۔

''وَلَا یَخَافُ فَوْتُ الثَّارِ''

''اس بات میں اُسے (اللہ کو) کوئی حرج نہیں کہ خونِ مظلوم کے انتقام میں تاخیر فرمائے''،

''کَلَّا اِنَّ رَبَّکَ وَلَهُمْ لَبِالْمِرْصَادِ''

''تاہم اللہ تعالیٰ ہمارے اوران کے لئے قریب اور اُن کی گھات میں ہے''۔

(اس خطبہ کیلئے ان کتب سے استفادہ کیا گیا: بلاغات النساء، ص ۱۲۳، لہوف، اعلام النساء، تاریخِ طبری، ج ۷، متن و الفاظ میں البتہ کہیں کہیں معمولی اختلاف ہے، جس کی وجہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تبصرۂ مترجم جو ابتدائے خطبہ میں پیش کیا گیا ہے)۔

۲۔ خطبہ کے اہم نکات (اور ان کی تفصیل)

اس کتاب میں جہاں تک آپ ملاحظہ فرمائیں گے ہم نے خصوصیت کے ساتھ اختصار کو مدِنظر رکھا ہے۔ ہماری توجہ اور خواہش اس امر کی طرف رہی ہے کہ کتاب کے ابواب اور عناوین کو اس طرح ترتیب دیں کہ ہر باب و عنوان مستقبل کے محققین کیلئے بحث و تحقیق کی دعوت مہیا کرے اور اس طرح متعلقہ حضراتِ مفکرین پر دریائے ذوق و تفکر کھلتے چلے جائیں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبہ کے راویوں میں ایک نام خزیمہ اسدی کا ملتا ہے (جس کا سب مؤرخین نے ذکر کیا ہے)۔ وہ کہتا ہے کہ میں ۶۱ھ میں کوفہ میں وارد ہوا۔ میری کوفہ کی آمد کا زمانہ اتفاق سے وہی تھا جب اسیرانِ آلِ رسولؐ پاک کوفہ میں وارد ہو رہے تھے۔ اُن اسیروں کے درمیان میں نے ثانیِ زہراؑ کو دیکھا۔ خدا کی قسم! میں نے اُس دن سے پہلے ایسی

نجیب وصاحبِ حیاو پردہ دار وعفیف اور ایسی گفتگو کرنے والی کوئی خاتون کبھی نہ دیکھی تھی۔اس قدر شجاعانہ گفتگو کر رہی تھیں گویا اپنے دہنِ مبارک میں زبانِ علیؑ رکھتی ہوں (بلاغات النساء،ص13)۔

اسیروں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا۔یہ قافلہ پانچ حصوں پر منقسم تھا جن کو اس طرح ترتیب دی گئی تھی:

1۔ طبل بجانے والے اور باجوں والے آگے آگے تھے جو ہمیشہ کسی لشکر کی شان وشوکت کے مظہر ہوتے ہیں۔یہ بات عربوں کی رسومات کے عین مطابق تھی۔

2۔ اُن کے بعد سر ہائے شہدائے کربلا آئے جو نیزوں پر نصب تھے اور ہر نیزہ ایک فوجی سوار کے ہاتھ میں تھا۔

3۔ اُن کے بعد اسیر جو خواتین وبچگان پر مشتمل تھے اور انہیں میں امام سید الساجدین علیہ السلام بھی نظر آرہے تھے۔

4۔ اُن کے بعد عمر ابن سعد جیسے افسران و امراء جو عبیداللہ ابنِ زیاد کی طرف سے واقعۂ کربلا کے انعقاد اور سیدؑ الشہداء اور اُن کے اصحاب کے قتل کے ذمہ دار تھے۔

5۔ عمر ابنِ سعد کے لشکر کے سردار وسالار جو بزعم خود مردانِ میدان اور جرأت مندی کے داعی ہوتے ہوئے یہ سمجھتے تھے کہ وہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصاران کی شہادت کو سرانجام دینے میں پیش پیش تھے (زندگانی امام حسینؑ، ج2،ص708)۔

آغازِ خطبۂ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا

قیدی کوفہ میں داخل ہوئے۔حاکمِ کوفہ ابن زیاد چاہتا تھا کہ اپنی اس عظیم فتح وکامیابی کی نمائش سے عوام الناس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے اور اُن کے سامنے اپنے غرور ونخوت وتکبر کا مظاہرہ کرے۔اس واقعہ کے حوالہ سے مخالفینِ حکومت پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ جب حسینؑ جیسا شخص جو فرزندِ رسولؐ خدا تھا، ایسے حالات سے دوچار کیا جاسکتا ہے تو دوسروں کے ساتھ جو کچھ ہوسکتا ہے وہ روزِ روشن کی طرح ظاہر وآشکار ہونا چاہئے۔

کوچہ وبازار اور مکانوں کی چھتوں پر عورتیں اور مرد ہزاروں کی تعداد میں تماشہ دیکھنے کیلئے جمع تھے۔یہ لوگ شور وغوغا کرنے میں مصروف تھے اور اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کر رہے تھے۔یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری تھا،لوگ شور وغوغا اور سرورِ فتح میں مشغول تھے کہ اسیروں کا قافلہ وسطِ شہر میں آن پہنچا۔

اُس وقت ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے انہیں اپنی اُنگلی سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ شور وغوغا کس

طرح یک لخت خاموشی میں بدل گیا جس کی انتہا یہ تھی کہ، وقائع نگاروں کے بیان کے مطابق، سینوں میں سانس بند ہونا شروع ہو گئے، حتیٰ کہ اونٹوں کی گھنٹیاں تک آواز نہ دیتی تھیں (چہرۂ خونینِ امام حسین علیہ السلام)۔

ثانیِ زہراؑ نے اپنی گفتگو شروع فرمائی۔ آپؑ کے خطبہ کی تشریح، جملہ نکات کی شرح اور عمیق مطالب کے بیان کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مختصر سا خطبہ ایسے مسائل و مواعظ پر مشتمل تھا جو بہت زیادہ تشریح طلب ہیں۔ شہزادی کے کلام کی بلاغت اس نوعیت کی حامل تھی کہ اُن کی شرح و تفصیل اس مختصر کتاب میں کسی طرح ممکن نہیں۔

خطبہ کی ابتداء

خطبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ہوتی ہے اور اسی سے ثانیِ زہراؑ کا خون و گوشت و روح مرکب ہیں۔ اپنا تعارف بطور اولادِ رسولؐ پاک کرواتی ہیں جس کیلئے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت و درود کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقائق بذاتِ خود بے خبر لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کافی ہیں جس سے اُن کی سماعت میں تیزی آتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ خاتون کہہ کیا رہی ہے! کیا یہ خاتون واقعی خاندانِ رسولؐ پاک کی ایک فرد ہے؟

اس کے بعد لوگوں کی سرزنش اور توبیخ شروع ہوتی ہے اور اُن کا تعارف مکر و حیلہ و فریب کرنے والوں کے طور پر کرایا جاتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے بے انتہا مکر و فریب کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی جس کے بعد امامؑ کے بالمقابل جنگ کرنے کے لئے صف آراء ہوئے تھے۔ ایسا کرنے کیلئے کیا کسی دشمن نے انہیں فریب دیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ کیوں اُس کے فریب میں آ گئے؟ کیا کسی دشمن نے ان لوگوں سے جھوٹ بولا تھا، تو انہوں نے اس کے جھوٹ، دھوکہ اور جبر کو کیوں قبول کیا؟ اس سلسلہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ظالم اور ایسے ظلم کو قبول کر کے اقدام کرنے والے "منظلم" دونوں آتشِ دوزخ میں ہوں گے۔

گفتگو سننے والے جو لوگ جذبات و ہیجانات کی شدت سے رونے لگے تھے، ان کو شہزادی نے مزید موردِ سرزنش قرار دیا اور فرمایا کہ اب تم روتے ہو؟ کیا اب یہ تمہارے رونے کا موقعہ ہے؟ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے قوی و باہمت لوگ ہمت سے عاری ہو گئے، تمہارے باعزت افراد نے اپنی عزت و مقام سے سید الشہداء علیہ السلام اور اُن کے باوفا انصار ان کی کوئی مدد نہ کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حسینؑ شہید کر ڈالے گئے۔ اب تمہاری گریہ وزاری کس کیلئے ہو سکتی ہے اور اس کا کیا فائدہ؟

یہی وجہ ہے کہ کوفہ والے اس بوڑھی عورت کی مانند ہیں جس نے اپنے دھاگے بہت محکم و مضبوط بنائے، دن بھر یہی کرتی

رہی اور رات کو خود اپنے ہی ہاتھوں انہیں کھول کر پریشان کر دیا۔کوفہ والوں نے بھی اسی طرح اپنے معاہدو پیمانات کو محکم واستوار کیا اور پھر بہت جلد ان کو شکستہ کر دیا۔ لہٰذا کوفہ والو! تمہارا رونا مکاری کا رونا ہے،خوشامد و چاپلوسی ہے اور اس کے ذریعہ اب تم اپنے جرائم سے بری ہونا چاہتے ہو۔

خطبہ میں آپؑ لوگوں کو خبردار کر رہی ہیں کہ انہوں نے اپنے لئے برائی کی بنیاد رکھ لی ہے، اپنے لئے بُری روایات و طریقِ کار ایجاد کئے ہیں، اپنے لئے ننگ و بے عزتی خرید لی ہے، ہرگز جس کے داغ اُن کے دامن سے دُھل نہ سکیں گے۔اسی لئے تم رونے میں مصروف ہو، تمہیں آنسو بہانا ہی چاہئے۔اس لئے کہ نسلِ رسولؐ پاک کے قتل کے داغِ ندامت کو اپنے دامنوں اور اپنے معاشرہ سے تم ہرگز کسی طرح ہٹا نہیں سکتے۔

مسئلہٴ حکومت

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے خطبہ میں سننے والوں کو متنبہ فرما رہی ہیں کہ ہر شخص حکومت کا اہل نہیں۔امت کی رہنمائی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا لازم ہے جو لوگوں میں سر بلندی کا حامل ہو، اُن میں راستبازی و صلح جوئی اور اُن کی بہتری کا آرزومند ہو، اُس کی رائے پختہ و قاطع ہو جس کا انحصار منطق کے اصولوں سے مطابقت پر ہو اور وہ مسلک و طریقِ ہدایت میں مقامِ رہبری کا مالک ہو۔

شہزادی نے برملا اور صاف و واضح الفاظ میں اظہار فرمایا کہ موجودہ حکومت کے افراد فاسد اور اہلِ مکر و فریب ہیں۔ بظاہر اچھے دکھلائی دیتے ہیں لیکن اندرونی طور پر ہر طرح فاسد و ظالم ہیں۔مخدومہ نے کوشش کی کہ واشگاف الفاظ میں اُن کے عظیم مفسدہ یعنی قتلِ اولادِ رسولؐ پاک کو آشکار کر دیں۔یہ گفتگو عوام الناس کے لئے نصیحت اور دردمند قلوب رکھنے والوں کے دلوں کا مرہم ثابت ہو رہی تھی۔آپؑ نے بتایا کہ حاکم کو عوام الناس کے لئے پناہ گاہ ہونا چاہئے اور حسینؑ سے زیادہ کون عوام کی پناہ گاہ ہو سکتا تھا! حاکم کو چاہئے کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت لوگوں کی دادرسی کرے اور حسینؑ سے بہتر اس مقام کا سزاوار کون ہو سکتا تھا! حاکم کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کیلئے ہدایت کا چراغ، اُن پر اللہ کی حجت اور اُن میں سنتِ رسولؐ کو رائج کرنے والا پشت پناہ ہو اور سید الشہداء حسین علیہ السلام ہی ان اوصاف کے مطلقاً حامل تھے۔

ثانیِ زہراؑ انہیں سرزنش کرتی ہیں کہ انہوں نے اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا ہے۔اس طرح انہوں نے اپنے درمیان سے پناہ و ہدایت کو برطرف کر کے اپنا عظیم ترین ناقابلِ تلافی نقصان کیا ہے۔یہ نقصان اتنا بڑا اور مصیبت اتنی عظیم ہے

کہ اس کیلئے اگر آسمان سے خون کی بارش ہوتو یہ سزاوار ہوگا۔ حاکمِ برحق جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کا ان کا گناہ، یعنی حکومتِ اسلامی کے تزلزل کا جرم بہت زیادہ تاریک، اندوہ گیں اور ظلمت انگیز ہے۔

خطبہ کی اہمیت

زینبؑ عالیہ کا خطبہ مختلف جہات سے اہمیت کا حامل ہے۔ درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر یہ خطبہ خاص اہمیت رکھتا ہے:

اوّل: خطبہ ایک اسیر خاتون کا ہے اور ایک خونخوار دشمن کے روبرو دیا جارہا ہے۔

دوم: خطبہ اپنے اندر ایسے مطالب کو لئے ہوئے ہے کہ اسیر بچے اور خواتین واقعات کی فاجعیت سے زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کریں۔

سوم: ایسے حقائق کی طرف متوجہ کرنا لازم ہے کہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے گرد نئے افرادِ دشمن جمع ہوکر ان کیلئے ظلم وضرب وشتم ایجاد نہ کرنے پائیں۔

چہارم: یہ باتیں ایک ایسی خاتون کے دہنِ مبارک سے نکل رہی ہیں جو مصیبت زدہ ہے اور اپنے عزیزوں کی شہادت کے داغ اپنے دل پر لئے ہوئے ہے۔

پنجم: سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا سرِ بریدہ، دیگر اعزاء کے سرہائے مظلوم کے ہمراہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ انہیں دیکھ رہی ہیں جس سے شہزادی کا غم اور تازہ ہورہا ہے۔

ثانیِ زہرؑا کا یہ خطبہ ادبی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں ایسے استعارات استعمال کئے گئے ہیں جو سیدہ زینبؑ کی عظیم فصاحت و بلاغت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانیِ زہرؑا کے اس خطبہ اور آپؑ کے دیگر خطبات کے علاوہ آپؑ کی کوئی اور بات زینتِ تاریخ نہ بھی ہوتی تو یہ خطبات ہی آپؑ کی استعدادِ علم وادب کی عظمت کے اظہار وثبوت کے لئے کافی تھے۔

ذرا آپ اس بات پر غور کریں:

"وَمَلِقُ الاِماء، وَ غَمْزُ الْاَعْدَاءِ، او كَمَرْعىً عَلىٰ دِمَنَةٍ".

اس گفتگو میں، جس کا ترجمہ سابقہ صفحات میں مندرج خطبہ میں پیش کیا جا چکا ہے، آپؑ واضح کررہی ہیں کہ یہ حکومت اس کنیز کی عشوہ گری کی طرح فریب کار ہے جو اپنے سینہ پر تباہ کن رنگارنگ نشانات سجاتی ہے جن کے پیچھے لوگوں کی بے جا

ستائش وتعریف پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ کینہ، چاپلوسی، خوشامد اور ہرزہ سرائی کے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے اپنے ناز ونخرہ اور خودنمائی کا سہارا لیتی ہے۔

کوفہ اور زینبؑ عالیہ

یہاں نامناسب ہوگا اگر ہم کوفہ میں ثانیِ زہراؑ کی اہمیت کے بارے میں بات نہ کریں۔ کوفہ کے لوگ حضرت علیؑ اور آپؑ کے خاندان کو پہچانتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام یہاں حکمران رہے تھے اور آپؑ کے فرزند اس شہر میں مناصب جلیلہ پر فائز خدمتِ عوام الناس دے چکے تھے۔ ابھی امیر المؤمنین علیہ السلام کی اذان کی آواز، جو مسجدِ کوفہ سے بلند ہوا کرتی تھی، لوگوں کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کوفہ کی عورتوں کو ابھی تک ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے درس اور آپؑ کی مجالس یاد تھیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کی حکومت سے لے کر اسیریٔ دختران علیؑ تک ابھی بیس سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا۔ لہٰذا کوفہ کے مرد وزن، بالخصوص وہ لوگ جن کی عمر تیس سال سے متجاوز تھی، جنہوں نے حضرت علیؑ کو دیکھا تھا، یا وہ عورتیں جنہوں نے کم وبیش اپنے لڑکپن کے زمانہ میں سیدہ زینبؑ عالیہ کو دیکھا تھا، ان کی عظمت وجلال اور فقراء و دردمند افراد کے ساتھ اُن کی ہم نشینی وسلوک سے ہر طرح واقف ومطلع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ اس حقیقت سے آشنا ہوئے کہ قیدی علیؑ کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت زیادہ غرقِ حیرت واستعجاب ہوئے۔ اُن لوگوں پر بے اختیار رقت طاری ہونے لگی، گریہ واشک ریزی میں مبتلا ہوئے اور ہر طرف سے نالہ وفریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں......

یوں سمجھیں کہ بازارِ کوفہ کی تعطیل وآرائش کے دوران ثانی، زہراؑ نے ایک اور بازار کی بنیاد رکھی، اُس بازار میں اپنی متاع کو پیش کیا، اپنی متاع کے بے شمار خریدار جمع کیے جن میں ہر شخص اپنا سر پیٹتا اور اپنے ہاتھ کاٹتا تھا۔ دُخترِ سیدہؑ کی باتوں سے انہیں احساس ہوا کہ وہ کس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس طرح اُن یتیموں اور قیدیوں کو دیکھ کر اُن کے قلوب میں حضرت علیؑ اور اُن کے خاندان کی محبت جوش مارنے لگی جبکہ یہ مظاہرہ کرنے والے خود اپنے خاندانوں کے سربراہ ورئیس تھے۔

خطبہ کا اثر

یہ باتیں اُن کے دلوں سے نکل رہی تھیں اور قلوب واذہان میں راسخ ہو رہی تھیں۔ ایک بوڑھا شخص جو ثانیِ زہراؑ کی گفتگو سن رہا تھا، آنسو بہاتے ہوئے، گریہ کناں، کہہ رہا تھا:

"بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَ اُمِّی کُهُوْلُكُمْ خَيْرُ الْكُهُوْلِ وَشَبَابُكُمْ خَيْرُ الشَّبَابِ وَنِسَائِكُمْ خَيْرُ

النِّسَاءِ وَنَسْلُكُمْ خَيْرُالنَّسْلِ لاٰ يُخزیٰ وَلاٰ يُبزیٰ'' (لهوف، ص 88).

''میرے باپ اور ماں تم پر قربان! تمہارے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں، تمہارے جوان بہترین جوان ہیں، تمہاری خواتین بہترین خواتین ہیں، تمہارے خاندان کی نسل بہترین نسل ہے اور تم کبھی کسی حالت میں شکست و ریخت سے دوچار نہ ہو گے''۔

ایک اور شخص جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، اس طرح گویا ہوا:

''فَوَ اللّٰهِ لَقَدْرَأَيْتُ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ حَيَارىٰ يَبْكُوْنَ وَوَضَعُوْاايْدِيَهُمْ فِي اَفْوَاهِهِم.....''

''خدا کی قسم! میں نے لوگوں کو دیکھا کہ حیران و مبہوت ہو کر تنہائی میں رو رہے ہیں، اپنے ہاتھوں کو منہ پر رکھے ہوئے آنسو بہا رہے ہیں.....'' (لہوف:ص68)۔

ایک عورت نے گھر کی چھت سے ایک قیدی سے پوچھا کہ تم کس خاندان سے ہو؟ ''مِنْ اَیِّ الْاُسَارىٰ اَنْتُنَّ؟''

اُسے جواب ملا:

''نَحْنُ اُسَارىٰ آلِ مُحَمَّدٍ!''

''ہم اسیرانِ خاندانِ محمد مصطفےٰ ہیں''۔ (لہوف:ص85)

ان تمام باتوں سے ثانیِ زہرؑا نے کوفہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

۳۔ دربارِ عبید اللّٰہ ابنِ زیاد ملعون

عبیداللہ ابنِ زیاد ملعون نے شہداء کے سرہائے بریدہ اپنے سامنے منگوائے، شکوہ و جلال کا پیکر بن کو خود تخت پر بیٹھا اور قیدیوں کو دیکھنے کی تیاری کی۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کو بھی دیگر تمام اسیروں کے ہمراہ اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ شہزادی بہت سادہ و کم قیمت لباس میں ایک فردِ ناواقف کی مانند وارد ہوئیں۔ شاید چاہتی تھیں کہ پہچانی نہ جا سکیں (طبری: ج7)۔ قصر کے ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئیں 1۔ یہ وہ مقام تھا جہاں پانچ سال آپؑ کے والدِ گرامی امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سریر آرائے حکومت رہے تھے۔

1۔ بازارِ کوفہ میں تشہیر کے بعد قیدی دربارِ ابنِ زیاد میں لائے گئے۔ اس سلسلہ کے واقعات کے بیان میں بعض حضرات نے لکھا ہے: ''اس موقعہ پر حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ نے لباس میں تبدیلی کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ (جاری)

ابنِ زیاد نے اپنے زعمِ باطل میں اپنے رعب وجلال کے مظاہرہ کے لئے دربار آراستہ کیا تھا۔سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے اور اُن کے اہلِ بیتؑ کو قید کرنے میں اسے اپنی شان وشوکت نظر آرہی تھی۔اپنے اس عمل وکارنامہ پر وہ بہت خوش تھا۔اس اعتبار سے اس کا زعمِ باطل کچھ غلط نہ تھا کہ وہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی خستگی و بے چارگی کے مظاہرہ سے اپنی عظمت کو ظاہر کر سکے گا۔اسی لئے وہ منتظر تھا کہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ اس کے سامنے پیش ہوکر اس کی تعظیم بجالائیں گے۔لیکن حقیقت اس کی تمام توقعات کے برعکس نکلی۔امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظیم صاحبزادی اپنے مخصوص وقار وشکوہ وجلال کے ساتھ ابنِ زیاد ملعون کی اجازت کے بغیر ایک گوشۂ دربار میں بالکل خاموشی کے ساتھ تشریف فرما ہوئیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

بہت پست اور معمولی درجہ کے کپڑے پہن لئے تھے''۔کربلا میں خیامِ اہلِ حرم کی غارت گری کے موقعہ پر ہم نے قاری کے حافظہ کو بیدار رکھنا چاہا ہے تاکہ وہ یہ نوٹ کرلے کہ اہلِ بیتؑ کا سب کچھ لوٹ لیا گیا تھا۔سروں پر چادریں تک نہیں چھوڑی گئی تھیں تاکہ اس طرح کی عبارت سے کوئی کا اہل ذہن یہ نتیجہ نہ نکالے کہ غارت گریٔ خیام کی حکایت بے اصل ہے۔کوفہ میں اہلِ بیتؑ کے پاس اتنے کپڑے کہاں تھے کہ ثانیٔ زہراؑ نے کپڑے بدلے اور قصداً معمولی لباس پہنا۔یا تو پرانے مأخذ میں اس عبارت میں کوئی تحریف وتصحیف ہوگئی ہے...... یا بعض کتابوں میں یہ عبارت قصداً ترک کردی گئی ہے،بعض میں کچھ لفظ بدلے ہوئے ہیں......غارتگری (خیامِ اہلِ بیتؑ) کی شہرت،اموی ماحول،علوی وفاطمی ماحول،آزاد ماحول،نیز تاریخ وشعروادب کی دنیا میں یہ بات بازیابی پاچکی ہے۔ایک مشتبہ عبارت سے غارتگری کے واقعہ سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا۔اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں؛ یا تو تبدیلیٔ لباس کے مأخذ میں متن وسند کی تنقید کی جائے اور اس کی صحت سے انکار کیا جائے؛ یا عبارت میں تحریف وتصحیف کو مانا جائے یا یہ کہا جائے کہ بے شک کربلا میں اہلِ بیتؑ کا سب کچھ لٹ گیا تھا اور کچھ بھی اُن کے پاس باقی نہیں بچا تھا کہ ثانیٔ زہراؑ کوفہ میں دربارِ ابنِ زیاد میں جانے سے پہلے لباس بدلتیں اور اچھے لباس کو ترک کرکے معمولی لباس اختیار کرتیں بلکہ کوفہ میں بعض صاحبِ دل خواتین نے اہلِ بیتؑ کی بے چارگی و بے پردگی کو دیکھ کر کچھ کپڑے دیئے تھے۔

''اگر لباس کی تبدیلی کے بیان کے ساتھ کوفہ میں بعض خواتین کے لباس کے تحفہ کا بیان شامل کرلیا جائے تو غارتگری کی مسلمہ روایت سے اس کا تصادم نہیں ہوتا اور تبدیلیٔ لباس کی روایت کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے''۔(مقدمہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامون پوری،ص ۳۲،۳۳؛ رضا کار،شریکۃ الحسین نمبر ۱۳۶۱ھ)۔

مترجم کتاب عرض پرداز ہے کہ ثانیٔ زہراؑ کے تبدیلیٔ لباس کی روایت کسی طرح بھی اصولِ درایت پر پوری نہیں اترتی۔غارتگریٔ خیامِ اہلِ بیتؑ کے دوران کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ چھوڑی گئی تھی یہاں تک کہ بیمار کربلا امام زین العابدین علیہ السلام عالمِ (جاری)

ثانیِ زہراؑ کا آمادہ بہ گفتگو ہونا

اس سکوت وخاموشی میں چند دقیقہ سے زیادہ کا وقفہ نہیں جب حاضرینِ دربار کے مابین کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر ابنِ زیاد ملعون نے پوچھا کہ یہ خاتون جس کو گھیرے میں لے رکھا ہے، کون ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ سوال دو تین بار دہرایا گیا لیکن سننے والوں نے مکمل بے اعتنائی اختیار رکھی۔ آخر کار مجبور ہو کر عمر ابنِ سعد نے جواب دیا کہ یہ زینبؑ دُخترِ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

ابنِ زیاد بولا: ''خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے وحی والہام کے دعووں کو جھوٹ ثابت کیا''۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ایسی کیفیت کے ساتھ کہ آپؑ کی آنکھوں سے حقارت برس رہی تھی، ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے رسولؐ پاک کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی اور ہم سے ہر قسم کی پلیدی و رجس کو دور رکھا۔ صرف فاسق ہی ذلیل و رسوا ہوتا ہے، وہ فاجر ہوتا ہے جو جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہمارا غیر (یعنی تو) ہے، الحمدُ للہ''۔

ابنِ زیاد ملعون کو اس قسم کے جواب کی توقع نہ تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اُس نے چاہا کہ زینبؑ عالیہ کی اس حق گوئی کو روکے۔ چنانچہ اُس نے پوچھا: ''تم نے اپنے خاندان کے بارے میں اللہ کے اس عمل کو کیسا پایا؟''

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے نہایت مستقل عزم وجرأت کے ساتھ دوبارہ فرمایا: ''میں نے حکمِ پروردگار میں خوبی و زیبائی کے علاوہ کوئی شئے نہیں پائی۔ ہم وہ قوم ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مقدور فرمایا ہے۔ انہوں نے طریقِ الٰہی کو سامنے رکھا، اُس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھے اور اُن کو جمع فرمائے گا، پھر دونوں جماعتوں میں گفت وشنید اور مباحثہ ہو گا۔ پھر تجھے دیکھنا پڑے گا کہ کامیابی کی سعادت کس کو حاصل ہوتی ہے''۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

بیماری میں جس بستر پر لیٹے ہوئے تھے، وہ بھی ظالموں نے آپؑ کے نیچے سے کھینچ لیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ مخدراتِ عصمت وطہارت کے سرہائے مبارک سے ردائیں تک چھین لی گئی تھیں۔ اگر کوفہ کی صاحبدل خواتین کی طرف سے لباس کے تحفہ جات کو قبول کر بھی لیا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ تبدیلیٔ لباس کا ان مخدرات کو کون سا موقعہ حاصل تھا جبکہ ان سب کو شتر ہائے بے کجاوہ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل کیلئے کسی پردہ دار مکان کی ضرورت لازمی ہے جس میں تبدیلیٔ لباس ممکن ہو۔ کیا یہ حالت اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو دربارِ ابنِ زیاد میں پیش ہونے سے قبل مہیا کی گئی تھی؟ تاریخ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ لہٰذا یہ روایت کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ بیبیاں کربلا ہی سے اسی سادہ کیفیت میں روانہ ہوئی تھیں۔

"وَمَارَاَیتُ اِلّا جَمِیلاً، قَوم! کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیهِم بَینَکَ وَ بَینَھُمَا فَتحَاجُّونَ وَ تَخَاصُمُونَ عَنهُ، فَانظُر لِمَن یَکُونُ الفَلَحُ یَومَئِذٍ......".

"میں نے سوائے اچھائی کے کچھ نہیں دیکھا، وہ ایسے لوگ تھے جن کا قتل ہونا اللہ نے مقدور کر دیا تھا اور وہ اپنی آرام گاہوں کو چل دیئے، اور عنقریب اللہ تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا، پھر تم بحث اور جھگڑا کرو گے۔ دیکھو! اُس دن تم میں سے کون غالب آتا ہے" (الکامل، ج4، لہوف، طبری، ج7، ص372)۔

عبیداللہ ابنِ زیاد ملعون کو ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی سرزنش

اب وقت آیا کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابنِ زیاد ملعون کو سرزنش کرنا شروع کی، اس کو ہر طرح زجر و توبیخ فرمائی اور فرمایا: "تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے کہ تو نے ہمارے عزیزوں کو قتل کیا،

(ثَکَلَتکَ اُمُّکَ یَابنَ مَرجَانَه......")، (الحسینؑ و بطلة کربلا، ص210).

ابنِ زیاد نے جب اپنے لئے ثانیِ زہراؑ کی سرزنش کو سنا تو غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا اور بولا: "میں خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے حسینؑ اور اُن کے اصحاب کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشی"۔

ثانیِ زہراؑ نے یہ سن کر اپنی سرزنش کو اور محکم کیا اور فرمایا: "تو نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا، ہماری نسل کو قطع کیا، ہمارے بزرگوں کے رشتوں کو ختم کیا، ہماری بنیاد کو اُکھاڑ پھینکا۔ اگر یہ باتیں تیری تسکین کا باعث ہیں تو واقعی تو نے تسکین پالی:

"لَقَد قَتَلتَ کَھلِی، وَاَبَرتَ اَھلِی، وَقَطَعتَ فَرعِی، وَاجتَثَّتَ اَصلِی، فَاِن یَشفِکَ ھٰذافَقَدِ اشتَفَیتَ".

"تو نے میرے آقا کو قتل کیا، میرے خاندان کو تباہ کیا، میری شاخ کو کاٹ ڈالا، اور میری جڑ اکھاڑ دی، اگر اس سے تجھے سکون (شفا) ملتا ہے تو تو نے سکون (شفا) پالیا" (طبری، ج7، ص372)۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی یہ ملامت اس قدر شدید تھی کہ ابنِ زیاد ملعون چیخ اٹھا اور اپنے پہرہ داروں کو مخاطب کر کے بولا: "تم سب کھڑے دیکھ رہے ہو اور اسے چھوڑ رکھا ہے کہ مجھے برا بھلا کہتی ہے۔ اس کو لے جاؤ"۔

ایک مؤرخ کے مطابق اُس نے کہا کہ مجھے اس جماعت سے نجات دلاؤ۔

ثانیِ زہرؑا کے قتل کا حکم

ابنِ زیاد ملعون کو ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ ایک قیدی خاتون اس حد تک جرأت کرے گی کہ اُس کے سامنے ایک مرتبہ بھی، بلکہ کئی مرتبہ، ایسا کلام کرے گی، یا اُس کو براہِ راست اس طرح جواب دے گی۔ اُس کی غیرت کی رگ پھڑک اٹھی اور ثانیِ زہرؑا کی گفتگو نے اسے حیران کر ڈالا۔ اس کے جواب میں وہ بے ہودہ باتوں اور ہرزہ سرائی پر اتر آیا کہ یہ خاتون شعر کہتی ہے، مسجع و مقفع گفتگو کرتی ہے۔ اس کا باپ بھی شاعر تھا اور مسجع گفتگو کرتا تھا (یہ اصطلاح اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ جب یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شاعر ہے اور مسجع گفتگو کرتا ہے تو اُسے کہنے والے کی بے ہودہ گوئی کی علامت سمجھا جاتا ہے)۔

پس ابنِ زیاد ملعون نے چاہا کہ ماہرانہ طریقہ اور چالاکی سے مسئلہ کو اپنے حق میں بدل ڈالے، اس طرح کہ اسیروں کو اور حاضرین کو بھی مرعوب کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سیدہ زینبؑ کو لے جاؤ اور اُن کا سر تن سے جدا کر دو۔ اس پر عمرو بن حریث اُٹھ کھڑا ہوا اور مداخلت کی کہ خاتون کی گفتگو پر مؤاخذہ نہ کرے کہ ایک خاتون کا قتل عرب میں باعثِ شرم ہے۔ ابنِ زیاد ملعون بولا کہ اس کا قتل میری تسکین کا باعث ہوگا..... (زندگانی امام حسینؑ)۔ آخر وہ شہزادی کے قتل سے باز رہا۔

سیدِ سجاد علیہ السلام سے مکالمۂ بدتمیزی

تھوڑی دیر تک دربار میں سناٹا رہا۔ ابنِ زیاد ملعون کی کیفیت مزید ابتر ہوگئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ دربار کی کارروائی کو آگے بڑھائے۔ سیدِ سجاد علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے بولا: ''یہ کون ہے؟''

بتایا گیا کہ یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔ ابنِ زیاد ملعون نے پوچھا: ''کیا خدا نے کربلا میں علیؑ بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟''

سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا: ''میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علیؑ تھا۔ اسے تیرے لشکر والوں نے قتل کیا''۔

ابنِ زیاد ملعون: '' اُس کو خدا نے قتل کیا''۔

امامؑ: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا''.

یعنی ''اللہ تعالیٰ ہی جانوں کو اجل کے ساتھ موت تک پہنچاتا ہے'' (سورۂ زمر: 42)۔

ابنِ زیاد ملعون غصہ سے دیوانہ ہوگیا۔ غیظ و غضب میں بولا: ''کیا تو اب بھی جرأت رکھتا ہے کہ میرے سامنے گفتگو کرے؟ جلاد! آ اور اس کی گردن مار دے''۔

سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ شہادت ہمارا شیوہ اور افتخار ہے؟''

اس پر کچھ سپاہی آگے بڑھے کہ سیدِ سجادؑ کو شہید کرنے کے لئے لے جائیں۔اب ثانیِ زہرؑا اٹھیں اور ابن زیاد ملعون سے کہا: ''کیا ہمارا وہ تمام خون جو تو نے بہایا ہے، کافی نہیں ہے؟'' یہ کہہ کر سیدِ سجادؑ سے لپٹ گئیں کہ میں اسے نہیں چھوڑوں گی کہ تم لے جاؤ۔فرمایا: ''اگر اس کو بھی قتل کرنے کا قصد رکھتے ہو تو اس سے پہلے مجھے قتل کر ڈالو''۔

آپ نے امامؑ کو اپنے پہلو میں لے لیا اور اپنے آپ کو اُن سے لپٹا لیا۔

پھر کچھ لوگ بولے: ''اے امیرؓ! یہ بیمار ہے اور خاتون غم زدہ ہے.....'' لہٰذا ابنِ زیاد ملعون نے اپنے الفاظ واپس لے لئے ، پیشتر اس کے کہ شہزادی اور امامؑ اپنے الفاظ میں کوئی کمزوری یا رعایت اختیار کریں۔

امام حسینؑ سے مظاہرۂ عداوت و بدتمیزی

ابنِ زیاد ملعون اقدار و اخلاقِ انسانیت سے عاری، سفاک و بے رحم شخص تھا۔ہم نے دیکھا کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا اور دوسرے اسیروں کے سامنے وہ پاگل کتے کی طرح غراتا تھا۔کئی مرتبہ اس نے اُن کے قتل کا حکم دیا، بے ہودہ باتیں کیں، مذاق و استہزاء کیا اور آخر کار سرِ امام حسین علیہ السلام سے بے ادبی کرنے لگا۔چھڑی کی نوک یا لکڑی اس سر، لبوں اور دانتوں پر مارتا تھا اور یہ سب کچھ سیدہ زینبؑ اور سید الشہداء علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا۔

زیدؓ بن ارقم ،صحابیٔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابنِ زیاد ملعون کے دربار سے اٹھے، زار و قطار رونے لگے اور کہا: ''اے امیر! اس کو مت مار، یہ رسولؐ پاک کا فرزند ہے۔رسولؐ خدا ان ہونٹوں اور دانتوں کے بوسے لیتے تھے''۔

ابنِ زیاد ملعون بولا:

''اَتَبْكِی لِفَتْحِ اللّٰهِ عَلَيْنا''.

''کیا تو میری فتح پر روتا ہے؟''

''قَدْخَرِفْتَ، وَذَهَبَ عَقْلُکَ، وَ اِلَّا نَضَرَبْتُ عُنُقَکَ''.

''تو بوڑھا فاطر العقل ہے، ورنہ میں تیری گردن اڑا دیتا'' (طبری، ج4،ص249)۔

زیدؓ باہر چلے گئے اور کہتے جاتے تھے: ''لوگو! اب اس کے بعد تم ظالموں کے ظلم و ستم کے اسیر ہو جاؤ گے۔فاطمہؑ کے لختِ جگر حسینؑ کو تم قتل کر چکے اور اب یہ مرجانہ (لع) کا بیٹا تم پر حکمرانی کرے گا.....وغیرہ'' (طبری، ج4،ص249)۔

تبصرات

بہت سے مؤرخین نے دربارِ ابنِ زیاد ملعون کو بہت ذلیل قرار دیا ہے، جس کے نتائج بہت بُرے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دربار وہجوم اُس کے کسی کام نہ آیا بلکہ اس کے برعکس یہ سب کچھ اس کے نقصان میں رہا۔ خود ابنِ زیاد ملعون نے قیس بن عبادہ سے پوچھا کہ میرے اور حسینؑ کے بارے میں تو کیا نظریہ رکھتا ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھ سے یہ سوال نہ پوچھ بلکہ مجھے اس سے معاف رکھ۔ ابنِ زیاد کے اصرار پر قیس نے کہا:

''قیامت کے دن حسینؑ کا باپ اُس کی شفاعت کرے گا اور تیرا باپ بھی تیری سفارش کیلئے آئے گا''۔

ابنِ زیاد نے کہا: ''مجھے تیرے کینہ وبغض کا پتہ چل گیا۔ اگر مجھے فرصت ملی تو تیرا سر قلم کر کے زمین پر پھینک دوں گا اور تجھے نیست ونابود کر ڈالوں گا'' (عیون الاخبار، ج2، ص197)۔

تبصرۂ مترجم

مؤلفِ کتاب جناب علی قائمی صاحب نے اس سے آگے دربارِ یزید کے واقعات تحریر فرمائے ہیں ان واقعات وحالات کو شروع کرنے سے پہلے ہم دربارِ کوفہ کے بارے میں حوالہ جات پیش کریں گے جو مختلف مؤرخین ومصنفین نے قلمبند کئے ہیں تاکہ ہمارے قارئین اس دور میں اہلِ بیتِ عظام پر کئے گئے مظالم سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کر سکیں۔ علاوہ ازیں کوفہ سے دمشق تک کے سفر کے واقعات، اس سفر کے دوران فوجِ یزید کے خلاف ردِعمل اور زینبؑ عالیہ ودیگر افرادِ اہلِ بیتؑ کے طریقِ کار پر روشنی ڈالنا بھی اس سوانح عمری کی ضروریات میں سے ہے۔

اس کے علاوہ ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب تشنۂ تکمیل رہ جائے گی اگر ہم ان تمام حالات کے بیان میں ثانیِ زہراؑ کی ہمراہی مخدراتِ عصمت کے ردِعمل کا تذکرہ نہ کریں جس کا انہوں نے مختلف مقامات پر اظہار کیا ہے۔ یہ سب مخدرات جنابِ ثانیِ زہراؑ کے زیرِ اثر اور آپ کے پرتو ہی میں اظہارِ خیال کر رہی ہیں اور بالکل آپ ہی کے حالات وجذبات سے دوچار ہیں۔ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ثانیِ زہراؑ کو کاروانِ کربلا کی سرداری حاصل ہے، اس کے باوجود آپ کے تمام ہمراہی اپنے اپنے مقام پر ویسے ہی جذبات رکھتے ہیں جو ان کی سردار کے ہیں اور ویسے ہی مظالم وتکالیف کا شکار ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی بتانا لازم ہے کہ ثانیِ زہراؑ صرف دشمنوں کے مظالم پر ہی تبصرہ نہیں فرما رہیں بلکہ ہر موقعہ پر جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کے دفاع میں بھی کماحقہٗ مصروف ہیں جن کے چراغِ حیات کو دُشمن ہر لحظہ گل کرنے کے بہانوں کی

تلاش میں ہے اور اس کی خواہش ہے کہ خانوادۂ رسولؐ اکرم کے اس آخری چشم و چراغ کو بھی بجھا دے تا کہ خاندانِ رسولؐ خدا کا کوئی نمائندہ کرۂ ارض پر باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دربارِ کوفہ سے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا نیا جہاد شروع ہوتا ہے جس میں دشمنانِ آلِ رسولؐ ہر قدم پر شکست و ہزیمت سے دوچار ہیں۔

ہم قبل ازیں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا بازارِ کوفہ میں خطبہ تحریر کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مؤرخین نے حضرتِ فاطمہؑ بنت الحسینؑ، حضرت زینبؑ صغریٰ موسوم بہ ام کلثومؑ اور دیگر حضرات و مخدرات کے خطبہ جات بھی ذکر کئے ہیں جن کا تذکرہ ضروری جانتے ہوئے ہم جنابِ فاطمہؑ بنت الحسینؑ کے بازارِ کوفہ میں خطبہ سے ابتداء کرتے ہیں۔ یہ خطبہ ہم جناب عماد زادہ کی کتاب ''تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' سے نقل کرتے ہیں جن کو مؤلف ہذا نے جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، دخترِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے فاطمہ صغریٰ قرار دیا ہے۔ جناب عماد زادہ اس شہزادی کے تعارف کے طور پر رقم طراز ہیں:

''یکے از مفاخرِ زنانِ عالم، فاطمہؑ دخترِ امام حسین علیہ السلام است کہ دارائے مقامِ علم و تقویٰ و زهد و فضیلت بوده، درمهدِ ولایت و سیادت تربیت شده است، اصحابِ رجال نوشته اند:

''فاطمہؑ دخترِ حسینؑ بن علیؑ، زنی جلیل القدر، عظیمة الشان، عالیة المکان بودوشاهدِ تمام جریانِ واقعۂ کربلا بود وحسن مثنیٰ ادرا گرفت و گفته اند که اوشباهتِ تام از کردار و گفتار و منطق به فاطمه زهرا سلام الله علیهاداشته، و قائم اللیل و صائم النهار بود، وروایاتِ بسیار از پدرش واز برادرش حضرت سجاد علیه السلام نموده. فرزندانش عبدالله وابراهیم و امِ جعفر، فرزندانِ حسن مثنیٰ بوده اند. ترمذی وابودائود ونسائی درسندِ خود وابن ماجه قد دینی و ابن حجر عسقلانی از و نام برده اند........ص ۲۱۵.

فاطمہؑ از سکینہؑ بزرگتر بود، و دارائے مقامِ شعر و ادب و جلالت و بنالت شان بود (اعلام النساء، ج۳، ص ۱۱۴۸).

رأت شـمـاتة الـعـد و فيهـا	وصـنـعـه مـاشاء فی أخيهـا
رأت عـنـا اسـرا هـو انسـاً ذلا	ظـلـمـا جفا حور اسبا بالشكلا
وإنّ مـن أدهـي الـخـطوب السّود	و قـوفهـا بيـن يـدی يـزيـد

خطبۂ حضرت فاطمۂ صغریٰ درکوفه

فَقالَتْ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَ الْحَصیٰ وَزِنَةَ الْعَرْشِ إِلَی الثَّریٰ أَحْمَدُهُ وَأُؤْمِنُ بِهِ وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ أَشْهَدُ أَنْ لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ

رَسُولُهُ(صَلّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَآلِهِ) وَأنَّ وُلْدَهُ ذُبِحُوا بِشَطِّ الفُراتِ بِغَیرِ ذَحْلٍ وَلا تِراتٍ. أللّٰهُمَّ إنّی أعُوذُبِکَ مِنْ أنْ أفْتَرِیَ عَلَیکَ الْکَذِبَ وَ أنْ أقُولَ عَلَیکَ خِلافَ ما أنْزَلْتَ عَلَیهِ مِنْ أخْذِ الْعُهُودِ لِوَصِیَّةِ عَلیِّ بْنِ أبی طالِبٍ الْمَسْلُوبِ حَقَّهُ الْمَقتُولِ مِنْ غَیرِ ذَنْبٍ، کَما قُتِلَ وَلَدُهُ بِالْأمْسِ، فِی بَیتٍ مِنْ بُیُوتِ اللّٰهِ تَعالیٰ فِیهِ مَعْشَرٌ مُسْلِمَةٌ بِأَلْسِنَتِهِمْ،تَعْساً لِرُؤُوسِهِمْ ما دَفَعَتْ عَنْهُ ضَیماً فِی حَیاتِهِ وَلاعِنْدَ مَماتِهِ حَتّیٰ قَبَضْتَهُ إلَیکَ مَحْمُودَ النَّقِیبَةِ طَیِّبَ العَرِیکَةِ مَعْرُوفَ المَناقِبِ مَشْهُورَ المَذاهِبِ لَمْ یَأخُذْهُ اللّٰهُمَّ فِیکَ لَوْمَةُ لا ئِمٍ وَلا عَذْلُ عاذِلٍ،هَدَیتَهُ یارَبِّ لِلْإِسْلامِ صَغِیراً وَ حَمِدْتَ مَناقِبَهُ کَبِیراًوَلَمْ یَزَلْ ناصِحاً لَکَ وَلِرَسُولِکَ حَتیٰ قَبَضْتَهُ إلَیکَ زاهِداً فِی الدُّنیا غَیرَ حَرِیصٍ عَلَیها راغِباً فِی الْآخِرَةِ مُجاهِداً لَکَ فِی سَبِیلِکَ ، رَضِیتَهُ وَاخْتَرْتَهُ وَهَدَیتَهُ إلیٰ صِراطٍ مُسْتَقِیمٍ. أمّا بَعْدُ یا أهْلَ الْکُوفَةِ! یا أهْلَ الْمَکْرِ وَ الْغَدْرِ وَالْخُیَلاءِ! فَإنّا أهْلُ بَیتٍ ابْتَلانَا اللّٰهُ بِکُمْ وَابْتَلاکُمْ بِنا فَجَعَلَ بَلائَنا حَسَناً وَجَعَلَ عِلْمَهُ عِنْدَنا فَنَحنُ عَیبَةُ عِلْمِهِ وَوِعاءُ فَهْمِهِ وَحِکْمَتِهِ وَ حُجَّتُهُ فِی الْأرْضِ لِبِلادِهِ وَلِعِبادِهِ، أکْرَمَنَا اللّٰهُ بِکَرامَتِهِ وَ فَضَّلَنا بِنَبِیِّهِ مُحَمَّدٍ (صَلّی اللّٰهُ عَلَیهُ وَآلِهِ)عَلیٰ کَثِیرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیلاً بَیِّناً فَکَذَّبْتُمُونا وَکَفَّرْتُمُونا وَرَأیتُمْ قِتالَنا حَلالاً وَأمْوالَنا نَهْباً کَأنّا أوْلادُ تُرْکٍ أوْ کابُلٍ کَما قَتَلْتُمْ جَدَّنا بِالْأمْسِ وَسُیُوفُکُمْ تَقْطُرُ مِنْ دِمائِنا أهْلَ الْبَیتِ لِحِقْدٍ مُتَقَدِّمٍ قَرَّتْ لِذٰلِکَ عُیُونُکُمْ وَفَرِحَتْ قُلُوبُکُمْ أفْتِراءً مِنْکُمْ عَلَی اللّٰهِ وَمَکْراً مَکَرْتُمْ وَاللّٰهُ خَیرُ الماکِرِینَ فَلا تَدْعُوَنَّکُمْ أنْفُسُکُمْ إلَی الجَذَلِ بِما أصَبْتُمْ مِنْ دِمائِنا وَنالَتْ أیدِیکُمْ مِنْ أمْوالِنا فَإنَّ ماأصابَنا مِنَ المَصائِبِ الجَلِیلَةِ والرَّزایَا العَظِیمَةِو الرَّزایَا العَظِیمَةِ فِی کِتابِ اللّٰهِ مِنْ قَبْلِ أنْ نَبْرَأها انَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیرٌ لِکَیلا تَأسَوْا عَلیٰ ما فاتَکُمْ وَلا تَفْرَحُوابِما آتاکُمْ وَاللّٰهُ لا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتالٍ فَخُورٍ.

تَبّاً لَکُمْ فَانْتَظِرُوااللَّعْنَ وَالعَذابَ وَکَأنْ قَدْ حَلَّ بِکُمْ وَ تَوارَتْ مِنَ السَّماءِ نَقِماتٌ

فَيُسحِتَكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأسَ بَعْضٍ ثُمَّ تُخَلَّدونَ فِي العَذابِ الأَلِيمِ يَوْمَ القِيامَةِ بِما ظَلَمْتُمُونا ألا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّالِمينَ.

وَيْلَكُمْ! أَتَدْرُونَ أَيَّةَ يَدٍ طاعَنَتْنامِنْكُمْ وَأَيَّةَ نَفسٍ نَزَعَتْ إِلٰى قِتالِنا؟ أَمْ بِأَيَّةِ رِجْلٍ مَشَيْتُمْ إِلَيْنا تَبْغُونَ مُحارَبَتَنا؟ قَسَتْ قُلُوبُكُم وَ غَلُظَت أَكبادُكُمْ وَطُبِعَ عَلٰى أَفْئِدَتِكُمْ وَخُتِمَ عَلٰى سَمْعِكُم وَبَصَرِكُمْ وَسَوَّلَ لَكُمُ الشَّيطانُ وَأَملٰى لَكُمْ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِكُمْ غِشاوَةً فَأَنْتُمْ لاتَهْتَدُونَ.

تَبّاً لَكُمْ يا أَهْلَ الكُوفَةِ! أَيُّ تِراتٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ قِبَلَكُمْ وَ ذُحُولٍ لَهُ لَدَيْكُمْ بِما غَدَرْتُمْ بِأَخِيهِ عَلِيّ بْنِ أَبِي طالِبٍ جَدّي وَبَنِيهِ عِتْرَةِ النَّبِيِّ الطّاهِرِينَ الأَخْيارِ وَافْتَخَرَ بِذٰلِكَ مُفْتَخِرٌ:

نَحْنُ قَتَلْنا عَلِيّاً وَبَنِي عَلِيّ
بِسُيُوفٍ هِنْدِيَّةٍ وَرِماحٍ
وَسَبَيْنا نِساءَهُمْ سَبْيَ تُرْكٍ
وَنَطَحْناهُمْ فَأَيّ نِطاحٍ

بِفِيكَ أَيُّهَا القائِلُ الكِثْكِثُ وَلَكَ الأَثْلَبُ افْتَخَرْتَ بِقَتْلِ قَومٍ زَكّاهُمُ اللّٰهُ وَطَهَّرَهُمْ وَأَذْهَبَ عَنْهُمُ الرِّجْسَ ؟! فَاكْظِمْ وَأَقْعِ كَما أَقْعٰى أَبُوكَ، وَإِنَّما لِكُلِّ امْرِءٍ ماقَدَّمَتْ يَداهُ وَحَسَدتُمُونا وَيْلٌ لَكُم عَلٰى ما فَضَّلَنَا اللّٰهُ عَلَيْكُم.

فَما ذَنْبُنا أَنْ جاشَ دَهْراً بِجُورِنا
وَبَحْرُكَ ساجٍ لا يُوارِي الدَّعامِصا

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَما لَهُ مِنْ نُورٍ.

فارتفعت الأصوات بالبكاء والنحيب وقالوا: حسبُكِ ياابنة الطّاهرين فقد

أحرقتِ قلوبنا وأنضجتِ نحورنا وأضرمتِ أجوافنا؛ فسكتت.

اینجا بود که صدای ضجه ونعره بلند شد، گفتند: بس است ای دخترِ پسرِ پیغمبرؐ، دلهای ما راآتش زدی؛ وباسر بریدهِ حسین این بانوی فاضله راساکت نمودند.

''خواتینِ عالم میں قابلِ فخر ایک خاتون امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہؑ ہیں جو علم وتقویٰ وزہد وفضیلت کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہیں۔ آپ ولایت وسیادت کی آغوش میں تربیت یافتہ ہیں۔ اصحابِ رجال آپؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جنابِ فاطمہؑ جلیلۃ القدر، عظیمۃ الشان اور بلندترین مقام کی مالک خاتون ہیں۔ آپ پورے واقعۂ کربلا کی شاہد ہیں اور حضرت حسن مثنیٰ کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؑ کردار وگفتار وعلم وعقل میں جنابِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ کے ساتھ شباہتِ کامل کی مالکہ ہیں۔ آپؑ تمام رات عبادت میں بسر فرماتیں اور دن میں روزہ رکھتی تھیں۔ اپنے پدرِ بزرگوار اور اپنے بھائی جنابِ سید الساجدین علیہ السلام سے آپؑ کی بہت سی روایات مروی ہیں۔ حضرات عبداللہ و ابراہیم وامِ جعفر حضرت حسن مثنیٰ سے آپؑ کی اولادیں تھیں۔ ترمذی وابوداؤد ونسائی نے اپنی اسناد میں اور ابنِ ماجہ قزوینی، ابنِ حجر عسقلانی نے ان کے نام درج کئے ہیں...... حضرت فاطمہؑ جنابِ سکینہؑ سے بڑی تھیں اور شعر وادب وجلالت وبزرگیٔ شان کی مالکہ تھیں۔

ترجمۂ خطبہ

''حمد کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کی اتنی جتنے ریت کے ذرات اور عرش سے خاک تک کائنات میں جتنے پتھر ہیں ان کے برابر اس کی ستائش کرتی ہوں، اس پر ایمان رکھتی ہوں، اس پر توکل کرتی ہوں، گواہی دیتی ہوں کہ خدائے واحد ولاشریک کے سوا کوئی خدا نہیں، نیز محمدؐ اس کے عبد ورسولؐ ہیں، پھر یہ کہ ان کی اولاد کو فرات کے کنارے پر شہید کیا گیا حالانکہ انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا جس کا ان سے بدلہ لیا جاتا۔ خداوندا! میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس بات کی کہ تجھ پر جھوٹ بولوں یا اس کے خلاف بات کروں جو کچھ تو نے اپنے رسولؐ میرے نانا پر نازل فرمایا۔ میں تجھ سے عرض کرتی ہوں کہ تیرے رسولؐ نے اپنے وصی علی ابن ابی طالب علیہما السلام کیلئے عہد لیا تھا لیکن لوگوں نے ان کے حق کو غصب کیا، ان کو بے گناہ قتل کیا، حتیٰ کہ جب تک وہ حضرت زندہ رہے انہیں پانی نہ دیا، شہادت کے وقت تک ان کی تشنگی کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اے خدائے بزرگ! تو نے اسے اپنے پاس بلا لیا، اس کی پاک سیرت کی شان کو کسی نے نہ پہچانا، اس کی پاک روش کا کسی نے لحاظ نہ کیا، نہ انہوں نے کسی ملامت سے خوف اُٹھایا جس کے لئے تو نے سلام بھیجا اور ہمیشہ اس کی پاک سیرت کی تعریف فرمائی، وہ تیری اور تیرے رسولؐ کی طرف اپنا دل

راست رکھتا تھا، حتیٰ کہ تو نے اسے اپنے جوارِ رحمت میں لے لیا، وہ دنیا سے بے رغبت اور دنیا کی حرص بالکل نہ رکھتا تھا بلکہ تیری رضا سے اس کو رغبت تھی، آخرت میں بھی تیری رضا کے لئے اس نے کوشش جاری رکھی، تو نے اسے پسند فرمایا، برگزیدہ کیا اور اسے راہِ راست پر رکھا۔

''امابعد اے اہلِ کوفہ، اے دغاباز و بے وفا وخودخواہ وفریب والو! ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے ہماری آزمائش فرمائی اور تمہاری آزمائش ہم سے کی، ہم اس آزمائش میں کامیاب نکلے، ہم نے جان لیا، معلوم کرلیا کہ رموزِ پروردگار ہمارے ساتھ ہیں، ہم ہی علم وحکمتِ پروردگار کے محافظ ہیں اور ہم ہی وہ حجت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے زمین پر قائم کی تھی۔ اس نے ہمیں بزرگی سے نوازا، تمام مخلوق پر اپنے رسولؐ کو برتری عطا فرمائی لیکن تم نے ہمیں جھوٹا سمجھا، ہماری ہتکِ حرمت کی، ہمارے قتل کو حلال شمار کیا، ہمارے مال کو لوٹا گویا ہم ترک وکابل والوں کی اولاد تھے۔ چنانچہ تم نے کل ہمارے دادا کو قتل کیا، تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے جو ماضی کے کینہ کی وجہ سے ہے۔ تمہاری آنکھیں اس سے روشن ہوئیں، تمہارا دل اس سے خوش ہوا، تم نے اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی کی، اس سے فریب کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت بہتر و بالاتر ہے مبادا کہ تم ہمارا خون بہانے اور ہمارا مال لوٹنے سے خوش ہو کیونکہ یہ بڑی مصیبت جو ہم پر آئی ہے، تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جا چکی ہے پیشتر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا تم پر نفاذ فرمائے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ جو کچھ تمہارے ہاتھوں سے واقع ہوا، اس کے متعلق فکر نہ کرو کہ خدا نے تمہیں بخش دیا ہوگا، اس پر نازاں نہ ہو، نہ خوش ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اپنے عمل پر کوئی خوش یا نازاں ہو۔ ہلاک ہو جاؤ تم، لعنت و عذاب کے منتظر رہو، گویا وہ آنے ہی کو ہے، آسمان سے پے در پے لعنتیں تم پر برسائے گا، تمہیں ہلاک کرے گا، تمہیں اس جہان سے دُوسرے جہان میں پہنچا کر تم کو روزِ قیامت کے مستقل عذاب میں گرفتار فرمائے گا کیونکہ تم نے ہم پر ظلم کیا ہے، خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔ وائے ہو تم پر! کیا تم جانتے ہو کہ کس ہاتھ سے تم نے ہم پر ظلم کیا، کس دل سے تم نے ہمارے خلاف جنگ میں رغبت کی، کون سے پاؤں سے تم ہم سے لڑنے کیلئے آئے، تمہارے دل سخت ہو گئے، تمہارے جگر درشت ہو گئے، تمہارے دلوں، آنکھوں اور کانوں پر مہریں لگ گئیں۔ شیطان نے تمہاری نظروں میں بدی کو اچھا کر دکھایا، اجل کے دور ہونے کی تمہیں خبر دی، تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے کہ راستہ کو پہچان نہ سکو۔ اے اہلِ کوفہ! خدا تمہیں ہلاک کرے کہ تم نے رسولِ خدا سے کینہ برتا، ان کے خون بہانے کو پسند کیا جب تم نے ان کے بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ سے جو ہمارے دادا ہیں، ان کے فرزندوں سے جو عترتِ رسولؐ، پاکیزہ و برگزیدہ

ہیں، بے وفائی کی اور تم سے لوگ یہ کہہ رہے ہیں اور فخر کر رہے ہیں:

''ہم نے علیؑ اور اولادِ علیؑ کو ہندی تلواروں اور نیزوں سے قتل کیا اور ان کی عورتوں کو ترک قیدیوں کی طرح قید کیا اور کس طرح ہانک کر لے گئے۔

''اے شاعر! تیرے منہ میں خاک اور پتھر ہوں۔ کیا تو اس قوم کو قتل کرنے پر نازاں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ فرمایا، نجاست کو ان سے دور فرمایا''۔

''شہزادی یہاں تک پہنچی تھیں کہ صدائے نالہ وفریاد بلند ہونے لگی۔ لوگ پکار اٹھے کہ رسولؐ اکرم کے بیٹے کی صاحبزادی بس کریں۔ آپؑ نے ہمارے قلوب میں آگ لگا دی ہے۔ پھر انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر بریدہ کو سامنے لا کر اس مخدومۂ فاضلہ کو خاموش کیا''

علیٰ ہٰذا القیاس بازارِ کوفہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی دُوسری صاحبزادی جنابِ اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے بھی خطاب فرمایا۔ ان کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں:

''اُم کلثومؑ، خواهرِ حسین علیه السلام است که در تحقیق مابه زینبِؑ ثانی باید اطلاق کرد، ودارائے مقامِ علم و تقویٰ و سیادت و فضیلت بود، ودرنظم و نثر بهترین شاگردِ مکتبِ علوی است......ابنِ اثیرنے صراحت کی هے که حضرت امِ کلثوم کربلا میں موجود تهیں اور یه امِ کلثوم هرگز حضرت عمر کی زوجه نهیں اور جنابِ ثانیٔ زهراؑ سے مختلف هیں''. (تاریخِ زندگانیٔ امام حسینؑ، از عمادزاده، ج۲، ص ۲۲۵).

شہزادی فرماتی ہیں:

''صَہْ یا أَهْلَ الْكُوفَةِ! تَقْتُلنا رِجالُكُمْ وَتَبْكِينا نِساءُكُمْ فَالْحاكِمُ بَيْنَنا وَبَيْنَكُم اللّٰه يَوْمَ فَصْلِ الْخِطاب.

فَقالَتْ: ياأَهْلَ الْكُوفَةِ! سَوْءَةً لَكُمْ ما لَكُمْ خَذَلْتُم حُسَيْناً وَ قَتَلْتُمُوهُ وَانْتَهَبْتُم أَمْوالَهُ وَوَرِثْتُمُوهُ وَسَبَيْتُمْ نِساءَ وَبكيتُموه، فَتَبّاً لَكُمْ وَسُحْقاً وَيْلَكُم أَتَدْرُونَ أَيّ دَواهٍ دَهَتْكُم وَأَيّ وِزْرٍ عَلىٰ ظُهُورِكُمْ حَمَلْتُم وَ أَيّ دِماءٍ سَفَكْتُمُوها وَأَيّ كَرِيمَةٍ أَصَبْتُمُوها وَأَيّ صِبْيَةٍ سَلَبْتُمُوها وَأَيّ أَمْوالٍ انْهَبْتُمُوها قَتَلْتُمْ خَيْرَ رِجالاتٍ بَعْدَ النَّبِيّ وَنُزِعَتِ الرَّحْمَةُ مِنْ قُلُوبِكُمْ أَلا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الفائِزُونَ وَ حِزْبَ الشَّيْطانِ هُمُ الخاسِرُونَ.

ثُمَّ قالَتْ:

قَتَلْتُم أخِي صَبْراً فَويلٌ لِأُمِّكُم سَتُجْزَوْنَ ناراً حَرُّها يَتَوقَّدُ

سَفَكْتُم دِماءً حَرَّمَ اللّٰهُ سَفكَها وَ حَرَّمَهَا القُرآن ثمَّ مُحَمَّدُ

ألا فَابْشِروا بِالنّار انّكُم غداً لَفِي سَقَرٍ حَقّاً يَقِيناً تخلُدُوا

وَإنّي لَأَبْكِي فِي حَيَاتِي عَلٰى أخِي عَلٰى خَيْرِ مَنْ بَعْدَالنَّبِيِّ يُولَدُ

بِدَمْعٍ غَزِيرٍ مُسْتَهِلٍّ مَكَفْكَفٍ عَلَى الْخَدِّ مِنّي ذائِباً لَيْسَ يَجْمَدُ

''اے اہلِ کوفہ! خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے مرد ہمارے مردوں کو قتل کرتے ہیں اور تمہاری عورتوں ہم پر روتی ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے''۔

آپؑ نے فرمایا: ''اے کوفہ والو! تمہارا برا ہو، تمہیں کیا ہوا کہ تم نے حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیا، انہیں قتل کیا، ان کے مال و اسباب کو لوٹا، ان کی خواتین کو قید کیا اور انہیں رلایا، تم پر ہلاکت اور بربادی ہو، کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے کیسی مصیبت مول لے لی ہے اور کیسا بوجھ اپنی پشت پر لا دلیا ہے، تم نے کیسا خون بہایا ہے اور کیسی عزت کو نشانہ بنایا، کیسے ننھے بچوں کو لوٹا اور کیسے اموال کو غارت کیا؟ تم نے نبیؐ کے بعد بہترین افراد کو قتل کیا اور تمہارے دلوں سے رحمت نکال لی گئی۔ بے شک اللہ کی جماعت کامیاب ہونے والی اور شیطان کی جماعت خسارہ اٹھانے والی ہے۔'' پھر آپؑ نے فرمایا:

''تم نے میرے بھائی کو قتل کیا پس تمہاری ماؤں پر وائے ہو، تمہاری سزا آتشِ جہنم ہے گرم اور شعلہ ور، تم نے وہ خون بہائے جنہیں اللہ نے قرآن اور محمدؐ نے حرام قرار دیا، تمہیں جہنم کی بشارت ہو، کل یقیناً تم آگ میں ہوگے اور ہمیشہ وہاں رہو گے اور میں زندگی بھر اپنے بھائی پر روتی رہوں گی، اس پر جو نبیؐ کے بعد سب سے افضل ہے، بہت زیادہ آنسوؤں کے ساتھ، جنہیں بار بار اپنے چہرے سے صاف کرتی رہوں گی جو کبھی رکیں گے نہیں''۔

اس کے ساتھ ہی کتبِ مقاتل کے مصنفوں نے بازارِ کوفہ میں جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ بھی تحریر کیا ہے، جس کو ہم متن و ترجمہ کے ساتھ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

''اربابِ مقاتل نے لکھا ہے: (تاریخِ زندگانیِ امام حسینؑ، ج2، ص222)۔

''وجيء بعليّ بن الحسين علٰى بعير ظالع والجامعة في عنقه ويداه مغلولتان إلى

عنقه و أو داجه تشخب دماً فكان يقول:

یا أمّة السّوء لا سقیاً لربعکم — یا أمّة لم تراع جدّنا فینا

لو أنّنا و رسولُ اللّٰه یجمعنا — یوم القیامة ما کنتم تقولونا

تُسیّرونا علی الأ قتاب عاریة — کأنّنا لم نشیّد فیکم دینا

ثُمَّ قالَ: أیُّهَا النّاسُ مَنْ عَرفَنی فَقَدْ عَرفَنی وَمَنْ لَمْ یَعْرِفنی فَأنَا عَلیّ بن الحُسین ابن عَلیّ بْن أَبِی طالِبٍ، أَنَا ابْنُ المَذْ بُوحِ بِشَطِّ الفُراتِ مِنْ غَیْرِ ذَحْلٍ وَلا تِراتٍ، أَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِکَ حَرِیمُهُ وَسُلِبَ نَعیمُهُ وَانْتُهِبَ مالُهُ وَسُبِیَ عِیالُهُ،أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صبْراً وَکَفیٰ بِذٰلِکَ فَخْراً. أَیُّهَاالنّاسُ! ناشَد تُکُم بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّکُمْ کَتَبْتُم إِلیٰ أبی وَخَدَعْتُمُوهُ وَ أعطَیْتُمُوهُ مِنْ أَنْفُسِکُمُ العَهْدَ وَالمیثاقَ وَالبَیْعَةَ وَقاتَلْتُمُوهُ؟فَتَبّاً لَکُمْ لِما قَدّمْتُمْ لِأنفُسِکُمْ وَسَوءً لِرَایُکُمْ، بِأَ یّةِعَیْنٍ تَنْظُرُونَ إِلیٰ رَسولِ اللّٰه اِذ یَقُولُ لَکُم: قَتَلْتُم عِتْرَتی وَانْتَهَکْتُمْ حُرْمَتی فَلَسْتُمْ مِنْ اُمَّتِی.

فَقالَ:رَحِمَ اللّٰهُ اَمْرِءً اَ قبِلَ نَصِیحَتِی وَحَفِظَ وَ صِیَّتِی فِی اللّٰهِ وَفِی رَسُولِهِ وَأَهْلِ بَیْتِهِ فَإنَّ لَنا فی رَسولِ اللّٰهِ اُسْوَة حَسَنَةً.

فَقالَ(علیه السلام): هَیْهاتَ هَیْهاتَ أَیَّتُهَاالغَدَرَةُ المَکَرَةُ، حِیلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ شَهَواتِ أَنْفُسِکُم أَتُرِیدُونَ أَنْ تَأْتُوا إِلَیَّ کَما أَتَیْتُم إِلیٰ آبائی مِنْ قَبْلُ،کَلاّ وَرَبِّ الرّاقِصاتِ فَإنَّ الجُرحَ لَمّا یَنْدَمِلُ، قُتِلَ أَبی بِالأَمْسِ وَأَهْلُ بَیْتِهِ مَعَهُ وَلَمْ یُنْسِنی ثُکْلُ رَسُولِ اللّٰهِ وَثُکْلُ أَبی وَبَنی أَبی وَوَجْدُهُ بَیْنَ لَهاتی وَمَرارَ تهُ بَیْنَ حَناجِری وَحَلْقی وَ غُصَصُهُ تَجْری فی فِراشِ صَدْری وَمَسأ لَتی أَنْ لا تَکُونُوا لَنا وَلاعَلَیْنا.

رَضینا منکم رأساً برأسٍ — فلا یومٌ لنا لا علینا

لاغروإن قُتلَ الحُسین وشَیخُهُ — قَدْ کانَ خیراً من حسینٍ واکرما

فلا تفرحواأهلَ کُوفان بالّذی — اُصیبَ حسینٌ کان ذلک أعظما

قتیلٌ بشطّ النّهر رُوحی فِداؤهُ — جزاءُ الّذی أرداهُ نارَ جَهنَّما

''اور علیؑ ابن الحسینؑ کو ایک لنگڑاتے ہوئے اونٹ پر لایا گیا، ان کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں زنجیر تھی اور ان کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور وہ فرما رہے تھے:

'' 'اے قومِ بدکار! تمہیں پانی نصیب نہ ہو (یعنی بارش نہ برسے) اے ہمارے بارے میں ہمارے جدِ بزرگوار کا لحاظ نہ کرنے والو! جب قیامت کے دن، ہم اور رسولؐ اللہ اکٹھے ہوں گے تو تم کیا کہو گے؟'

'' 'تم ہمیں بے پردہ پالانوں پر لئے جا رہے ہو، گویا تم نے ہمارے دین کی عمارت کی تعمیر نہ دیکھی ہو'۔

پھر آپ نے فرمایا: '' 'اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فرزند حسینؑ ابن علیؑ کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے فرات کے کنارے انتقام وقصاص کے بغیر ذبح کر دیا گیا، جس کے حرم کی ہتک کی گئی، مال واسباب لوٹ لیا گیا اور خاندان کو قید کر لیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے قتل ہو جانے پر صبر کیا اور یہی فخر کے لئے کافی ہے۔

'اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے والد کو خط لکھے اور ان سے دھوکہ کیا؟ ان سے اطاعت کا عہد کیا، ان کی بیعت کی پھر ان سے جنگ کی؟ جو کچھ تم نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے اس سے تم پر ہلاکت ہو۔ تم کس طرح رسولؐ اللہ کی نظروں کا سامنا کرو گے جب وہ تمہیں کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو قتل کیا، میری حرمت کی ہتک کی، پس تم میری امت میں سے نہیں ہو''۔

''پھر آپؑ نے فرمایا: 'اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کے اہلِ بیتؑ کے بارے میں میری نصیحت کو قبول کیا اور میری وصیت کو یاد کیا، یقیناً ہمارے لئے رسولؐ اللہ کی ذاتِ گرامی میں ایک اسوہ ہے'۔

''پھر آپؑ نے فرمایا: 'اے اہلِ مکر وفریب! تمہاری خواہشات کا پورا ہونا محال ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میری طرف اسی طرح آؤ جس طرح اس سے پہلے میرے آباء کی طرف آئے؟ ہرگز نہیں! ابھی ہمارے زخم مندمل نہیں ہوئے۔ کل ہی تو میرے بابا کو قتل کیا گیا جبکہ ان کے اہلِ بیتؑ ان کے ساتھ تھے اور مجھے رسولؐ اللہ کی جدائی کا صدمہ اپنے والد اور ان کے بچوں کا صدمہ اور اس کی تلخی نہیں بھولتی اور میری اس سے زیادہ کچھ خواہش نہیں کہ نہ تم ہمارا ساتھ دو نہ ہم سے دشمنی کرو'۔

''اے اہلِ کوفہ! جو کچھ حسین علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا، اس پر خوش نہ ہو، یہ ایک بہت عظیم گناہ تھا، انہیں نہر کے کنارے قتل کیا گیا، میری روح ان پر فدا ہو۔ جس نے انہیں گرایا، اس کی سزا جہنم ہے''۔

مؤلفۂ کتاب ''کربلا کی شیر دل خاتون'' مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، جناب ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری، ثانیِ زہراؑ کی دربارِ ابنِ زیاد میں آمد کے سلسلہ میں تحریر کرتی ہیں:

''جب بڑے ہال کے قریب پہنچیں اور عبیداللہ کو اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھا دیکھا تو اپنا سیدھا ہاتھ اپنے دل پر رکھا تا کہ وہ دھڑ کنے نہ پائے۔

''وہ اس وقت قصر میں آ رہی تھیں جبکہ وہ اپنے باپ اور بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو کھو چکی تھیں۔ اس وقت ان کا دل چاہتا تھا کہ اس تکلیف کو رو کر اور آنسو بہا کر کم کریں لیکن ان کو یہ بات کس طرح گوارا ہو سکتی تھی کہ سرکش حاکم (عبیداللہ) کے سامنے ذلت کے ساتھ روتی ہوئی جائیں۔

''اُن کو کبھی بھی آج کے دن کی طرح اپنی قوت اور بزرگی اور شرفِ خاندان اور اعزہ کی لاج رکھنے کی ضرورت نہ ہوئی تھی۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اُن کو اپنے آپ کو اس بزرگی کے ساتھ آراستہ کرنا چاہیۓ جوان کو بحیثیت ''عقیلۂ بنی ہاشمؑ'' اور رسولؐ اللہ کی نواسی کے عبیداللہ کے سامنے جانے کیلیۓ شایان اور زیبا ہے۔ علاوہ بریں اُن کی باری تھی کہ (اس دردناک واقعہ میں) اپنے عمل کا دور شروع کریں۔

''ثانیِ زہراؑ باوجودیکہ نہایت بوسیدہ اور معمولی کپڑے پہنے ہوۓ تھیں، ایک خاص ہیبت وجلال سے داخل ہوئیں اور بغیر اس کے کہ سرکش امیر کی طرف متوجہ ہوں، بیٹھ گئیں۔

''عبیداللہ لعین کی آنکھیں اس بزرگ منش خاتون کی طرف جو اُس کی اجازت کے بغیر بیٹھ گئی تھیں، خاص طور سے متوجہ ہوئیں اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب نہیں دیا۔

''اُس نے دو تین بار یہی سوال دہرایا لیکن سیّدہ زینبؑ نے اس کو کمتر اور ذلیل سمجھ کر جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اُن کی کنیزوں میں سے ایک نے پسرِ زیاد کے جواب میں، جو اپنے سوال کو برابر دہرا رہا تھا، کہا: ''یہ زینبؑ دُخترِ فاطمہؑ ہیں۔

''ابنِ زیاد نے جو اُن کے اس رویہ سے غصہ میں تھا، کہا: 'اُس خدا کا شکر ہے کہ جس نے تم کو ذلیل ورسوا اور قتل کیا اور تمہاری روایات کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا' (یعنی نبوت کا پول کھول دیا)۔

''جنابِ زینبؑ نے اپنی نظر، جس سے حقارت برستی تھی، اُس پر ڈالی اور فرمایا: 'اُس خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو جنابِ محمد مصطفیٰؐ کے باعث فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک وپاکیزہ فرمایا۔ بے شک فاسق ذلیل اور

رُسوا ہوتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ دُوسرے لوگ ہیں'۔

''پسرِ زیاد نے دریافت کیا: 'خدا کا سلوک تم نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ کیسا دیکھا؟'

سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا نے جواب دیا کہ مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ وہ شہید ہوں اور وہ لوگ نہایت بہادری سے اپنی خوابگاہ کی طرف گئے اور بہت جلد خدائے بزرگ و برتر تم کو اور اُن کو مقامِ پرستش پر کھڑا کرے گا اور وہ لوگ اس سے انصاف کے مستدعی ہوں گے'۔

''جنابِ زینبؑ کے الفاظ نے اس ظالم کو ذلیل اور ناچیز کر دیا لیکن اس نے چاہا کہ اُن زخموں پر جو ثانیِ زہرؑا کے کلام سے اس کو لگے تھے، مرہم رکھے، لہٰذا اس نے کہا: 'خدا نے مجھ کو تمہارے نافرمان بھائی اور عزیزوں کے قتل سے شفا دی'۔

''سیّدہ زینبؑ نے اپنے آنسوؤں کو روکا اور ارشاد فرمایا: 'مجھ کو اپنی جان کی قسم، تو نے ہمارے بڑوں کو قتل کیا اور اہلِ بیتؑ کو گھر سے نکالا اور ہماری شاخ اور جڑ سب کو برباد کر دیا اور اگر تیرے قلب کی شفا اسی میں ہے تو تُو نے اپنی شفا حاصل کر لی'۔

''پسرِ زیاد نے غصہ اور تمسخر سے کہا: 'یہ عورت مثل اپنے باپ کے مسجع اور مقفیٰ الفاظ میں باتیں کرتی ہے'۔

''ثانیِ زہرؑا نے باوقار آواز میں فرمایا: 'عورت کو قافیہ بندی سے کیا مطلب۔ مجھ کو اس بات کی مہلت کہاں ہے کہ میں قافیہ گوئی میں مشغول ہوں'۔

''پسرِ زیاد نے اپنی نگاہ سیّدہ زینبؑ کی طرف سے ہٹائی اور اسیروں کی طرف دیکھا اور اُس کی نظر علیؑ بن الحسینؑ پر پڑی اور کہا: 'تمہارا کیا نام ہے؟'

''انہوں نے جواب دیا کہ میں علیؑ ابن الحسینؑ ہوں۔

''پسرِ زیاد کو تعجب ہوا اور پوچھا: 'کیا علیؑ بن الحسینؑ کو خدا نے قتل نہیں کیا؟'

''علیؑ بن الحسینؑ خاموش رہے۔

''پسرِ زیاد نے دوبارہ دریافت کیا: 'یہ خاموشی کیوں ہے؟'

''علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: 'میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علیؑ تھا۔ لوگوں نے اُس کو قتل کر ڈالا'۔

''پسرِ زیاد نے کہا کہ خدا نے ان کو قتل کیا۔

''علیؑ بن الحسینؑ خاموش رہے۔ لیکن پسرِ زیاد نے جب اُن سے جواب مانگا تو انہوں نے یہ آیت قرآنِ پاک پڑھی:

''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا. وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ''.

''خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت اُن کی روحیں اپنے پاس بلا لیتا ہے اور بغیر حکمِ خدا کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا'' (زمر:42، آلِ عمران:145)۔

''پسرِ زیاد چلایا۔ تم پر افسوس! خدا کی قسم، تم بھی انہی میں سے ہو (جن کو قتل کرنا چاہیے)۔ اس کے بعد اپنے فوجیوں کی طرف متوجہ ہوا اور اُن سے کہا: 'دیکھو کیا یہ لڑکا بالغ ہے؟ خدا کی قسم، میرا خیال ہے کہ پورا جوان ہے'۔

''پھر اُن کے قتل کا حکم دیا۔ زینبؑ نے ان کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور فرمایا: 'پسرِ زیاد اب حد ہو چکی۔ کیا اب بھی تو ہمارے خون پینے سے سیر نہیں ہوا؟ کیا تو نے ہم میں سے کسی کو چھوڑا ہے؟' اور فرمایا کہ میں اس کو اُس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک کہ تو مجھ کو بھی اس کے ساتھ قتل نہ کر دے''۔

''پسرِ زیاد نے تھوڑی دیر اُن کی طرف دیکھا اور حاضرینِ دربار سے کہا: 'قرابت کے ایسے مستحکم جذبہ پر سخت تعجب ہے۔ خدا کی قسم! میرا یہ خیال ہے کہ وہ اس بات کو دل سے چاہتی ہیں کہ میں اُن کو اس کے ساتھ قتل کر دوں'۔

'لڑکے کو چھوڑ دو کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ رہے' (کربلا کی شیر دل خاتون، ص222 تا226)۔

ہمارے قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ سیدۂ طاہرہؑ کی عظیم صاحبزادی نہ صرف اعلائے کلمۂ حق میں مصروف ہیں بلکہ اپنے پیارے بھتیجے کی جان کا دفاع بھی فرما رہی ہیں جو اب اولی الامر اور امامِ زمانہ ہے۔

اسی موضوع اور موقعہ کو شہید آیت اللہ سید عبدالحسین دستِ غیب اپنی کتاب ''حیاتِ طیبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: ''افسوس کہ زینب علیہا السلام جب اپنے میدانِ کارزار میں وارد ہوئیں، آپؑ کی چادر لوٹ لی گئی تھی''۔

''لہوف'' میں سید روایت فرماتے ہیں کہ آپؑ پرانے لباس میں ملبوس تھیں۔ اپنے آپ کو دوسری خواتین کے 'پردے' میں چھپا رہی تھیں تا کہ دشمن کی رذیل نگاہ سے محفوظ رہیں۔ مگر وہ کمینہ صفت دشمن آپؑ ہی کے درپے ہوا، بار بار پوچھا کہ یہ کون عورت ہے؟ ایک دو بار تو کسی نے جواب نہ دیا، بالآخر ایک کنیز نے کہا کہ علی علیہ السلام کی صاحبزادی اور حسین علیہ السلام کی بہن زینب علیہا السلام ہیں۔

یہاں سے ثانیِ زہراؑ کی جنگ شروع ہوتی ہے......جب ظالم نے جنابِ مخدرہ کو پہچانا تو کہنے لگا: 'خدا کا شکر ہے تم

ذلیل ہوئے، تمہارے مرد قتل کر دیئے گئے اور تمہاری چالوں کا سب کو پتہ چل گیا'۔

معظّمہ نے نہایت سکون واطمینان سے فرمایا: 'شکر اُس اللہ کا جس نے ہمیں اپنے نبی کی وجہ سے سربلند فرمایا اور ہمیں ہر آلودگی سے منزہ قرار دیا۔ ابنِ زیاد! ذلت تو بدکاروں کا مقدر ہے، مکر وفریب تو بدعنوان لوگ کیا کرتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں۔ ہم تو بہرحال خدا کا شکر کیا کرتے ہیں'۔

''.......اب اُس شقی نے دوسرا وار کیا: 'تم نے دیکھا اللہ نے تمہارے بھائی کا کیا حشر کیا؟'.....۔

''شہزادی نے پھر بڑے اطمینان سے فرمایا: 'میں تو اپنے اور اپنے بھائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی و کرم کے سوا کچھ نہیں دیکھتی.......' عنقریب تم لوگ اور وہ شہیدانِ راہِ وفا داورِ محشر کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ جوابدہی کیلئے تیار رہ۔ تو وہاں کیا جواب دے گا؟'' (ص 32،33)۔

دربارِ کوفہ کے یہ واقعات متواترات سے ہیں اور ان کا بیان دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے بغض و کینہ کا مظہر ہے۔ جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی جو تمام چہاردہ معصومینؑ کی سوانح حیات کے مصنف ہیں، لکھتے ہیں:

''ابنِ زیاد اسیرانِ اہلِ بیت علیہم السلام کو بکمالِ مسرت دیکھ کر کہنے لگا: 'شکر خدا کا جس نے تمہیں ذلیل کیا اور تم کو قتل کیا اور تمہارے دروغ کو ظاہر کیا'۔ ابنِ زیاد ملعون کا کلام سن کر جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: 'اس خدائے سبحانہٗ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے باعثِ جنابِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے ہم کو پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بے شک خدائے قادر و توانا ہر فاسق و بدکار کو ذلیل کرتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے اور ہم ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ دُوسرے لوگ ہیں'۔

''یہ دندان شکن جواب سن کر ابنِ زیاد نے کہا: 'دیکھو خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟' جنابِ زینبؑ نے نہایت استقلال سے جواب میں ارشاد فرمایا: 'جو کچھ خدا نے اُن کے ساتھ کیا، اس میں میں نے سوائے بہتری کے اور کچھ نہیں دیکھا کیونکہ آلِ محمدؑ وہ بزرگ اور معزز قوم ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنی قربت حاصل کرنے کی غرض سے درجۂ شہادت عطا فرمایا ہے۔ اس لئے یہ حضرات مقصودِ دلی کی طرف رجوع ہونے میں عجلت فرماتے ہیں۔ لیکن خدائے قادر و توانا بہت جلد ہم کو اور تم کو مقامِ پرسش پر کھڑا کرے گا اور دونوں جانب کی حجتوں کو سُنے گا۔ پس اے ابنِ مرجانہؒ تو ہی غور کر کہ اُس دن نجاتِ ابدی کس کو حاصل ہونے والی ہے'۔

''یہ سننا تھا کہ ابنِ مرجانہ اپنے غصہ کی آگ میں جل گیا اور چاہا کہ ثانیِ زہراؑ کو شہید کرے۔ عمر بن حریث اس وقت حاضرِ مجلس تھا۔ ابنِ زیاد کا دلی ارادہ معلوم کر کے اس سے کہنے لگا کہ اب تجھ میں اتنی حمیت باقی نہیں رہی کہ تو اب عورتوں پر بھی ہاتھ اٹھانے لگا۔ عمر ابنِ حریث کی فہمائش پر وہ باز تو رہا مگر اپنی شریر اور مفسد طبیعت کے تقاضہ سے عاجز و مجبور ہو کر پھر جنابِ علیاؑ مکرمہ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا کہ 'حسینؑ باغی اور مرتدینِ اہلِ بیتؑ کے قتل سے میرے قلب کی شفا ہوگئی'۔

''جب اُس مرتدِ ازلی کی یہ زبان درازی سنی تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر فرطِ گریہ کو ضبط فرما کر ارشاد کیا: 'میری جان کی قسم، تو نے ہمارے ضعیفوں کو مارا، ہماری عورتوں کو بے پردہ کیا اور ہمارے برگ و بار کو بیخ و بن سے کاٹ ڈالا۔ اگر تیرے قلب کی شفا اسی میں ہے تو تُو اپنی شفا حاصل کر'۔

''یہ سن کر ابنِ زیاد نے کہا: 'یہ عورت مثل اپنے پدرِ بزرگوار کے مسجع اور مقفیٰ الفاظ میں باتیں کرتی ہے۔ قسم خدا کی، جنابِ علیؑ مرتضیٰ بہت بڑے شجاع اور شاعر تھے'۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اگر میرے کلام مسجع اور مقفیٰ ہوں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ زیادہ تر تعجب تو اُس شخص پر ہوتا ہے جو باوجودیکہ جانتا ہے کہ عقبیٰ میں اس سے باز پرس کی جائیگی اور خداوند تعالیٰ اس سے انتقام لے گا مگر پھر بھی اپنے امامِ زمانہ کے قتل کا حکم کرتا ہے'۔

''پھر جنابِ ام کلثوم علیہا السلام ابن زیاد بدنہاد سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں: 'اے پسرِ زیاد! قتلِ امام حسین علیہ السلام سے تیری آنکھ تو ٹھنڈی ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ اس کے دیدار سے روشن ہوتی تھی اور آپؐ اُن کے لب ہائے مبارک کے بوسے لیا کرتے تھے اور اس کے بھائی امام حسنؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھاتے تھے۔ اب تو اُن جوابوں کیلئے تیار رہ جو بروزِ قیامت تجھ سے پوچھے جائیں گے'۔

''اس کے بعد ابنِ زیاد نے امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔ اس نے پوچھا: 'کیا علیؑ بن الحسینؑ کو خدا نے قتل نہیں کیا؟'

آپؑ نے اس کی کافرانہ تعریض کے جواب میں آہستگی سے ارشاد فرمایا: 'میرا ایک بھائی تھا جس کا نام علیؑ بن الحسینؑ تھا، اُن کو لوگوں نے قتل کر ڈالا'۔

اُس نے کہا کہ لوگوں نے نہیں قتل کیا۔

جواب میں آپؑ نے آیتِ قرآن تلاوت فرمائی:

"اَللّٰہُ یَتَوَفّٰی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَاوَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا". (زمر:42)

خدائے تعالیٰ انسان کے نفس کو اس وقت مار ڈالتا ہے جب اُس کی موت آجاتی ہے اور جس کا زمانۂ موت نہیں آتا وہ اپنی خوابگاہ کی طرف آسودہ ہوتا ہے۔ یہ جواب سن کر ابنِ زیاد کی آتشِ غیظ وغضب سخت مشتعل ہوئی، کہنے لگا: 'یہ کس قدر جری و گستاخ ہے۔ اس کو باہر لے جاؤ اور اس کی گردن ماردو'۔

یہ حکم سن کر جنابِ زینبؑ کو سخت اضطراب لاحق ہوا، آپؑ نے ابنِ زیاد سے مخاطب ہو کر فرمایا: 'اے ابنِ زیاد! ہمارے سب کے خون کرنے کے بعد بھی تو بس نہیں کرتا'۔ پھر اپنے ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ میں تو اس کو نہیں چھوڑوں گی۔ اگر اس کو مارنا ہے تو مجھ کو بھی مار ڈال'۔

جنابِ زینبؑ کے اس کلام نے اس بے رحم کے دل پر بھی سخت اثر کیا۔ وہ کہنے لگا: 'عزیزداری اور قرابت کے ایسے مستحکم ارادوں پر سخت تعجب ہے۔ دیکھو، یہ علیؑ بن الحسینؑ کے عوض قتل کئے جانے پر راضی ہیں۔ اس لئے ان کے قتل سے باز آؤ......

جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: 'اے زیاد کے بیٹے! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے! تو یہ نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارے لئے کرامت ہے۔ اگر ان مصیبت زدہ عورتوں میں اور تجھ میں کوئی علاقہ اور واسطہ قائم ہے تو ان بے چاریوں کو کسی اہلِ اعتبار کے ہمراہ ان کے وطن تک پہنچادے'۔ (صحیفۃ العابدین، ص20 تا 23)۔

ہم اپنے معزز قارئین کی توجہ مندرجہ ذیل کتب کی طرف مبذول کرواتے ہیں جن میں اسی مضمون کو معمولی ردوبدل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ثانیِ زہرؑا مجسمۂ شجاعت بن کر اسلام کا دفاع بھی کر رہی ہیں، سیدُ الشہداء کی شہادت کا ذکر بھی فرما رہی ہیں، اس لٹے ہوئے قافلہ میں شامل سب کی پشت پناہ بھی ہیں، امامِ وقت سید الساجدین علیہ السلام کو بھی ابنِ زیاد جیسے خونخوار شخص کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا رہی ہیں اور کسی مقام پر ان تمام فرائض میں بے بس بھی نظر نہیں آتیں:

1۔ صحیفۂ کاملہ، ترجمہ سید قائم رضا نسیم امروہوی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ (ص۱۱۶۔۱۱۷)

2۔ ہفتہ وار رضا کار، لاہور، شریکۃ الحسینؑ نمبر ۶۱ھ، مقدمہ از جناب ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامونپوری (ص۳۳ تا ۳۶)

3۔ بحار الانوار (اردو) در حالاتِ حضرت امام حسین علیہ السلام، حصہ دوم، تالیف علامہ مجلسی علیہ الرحمہ، مطبوعہ رضوی بک ایجنسی، کراچی۔ (ص۱۹ تا ۲۱)

4۔ زینبؑ، زینبؑ ہے، مؤلفہ م۔صادق، ترجمہ آغا حسن رضا غدیری، مطبوعہ بعثت فاؤنڈیشن، لاہور۔ (ص ۲۴۰ تا ۲۴۵)

یہ تمام حوالہ جات لکھنے کے بعد ہم کتاب ''حضرت زینبؑ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے''، مؤلفہ علامہ سید ابنِ حسن نجفی، مطبوعہ ادارۂ تمدنِ اسلام، کراچی کی عبارت من وعن پیش کرتے ہیں جس سے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت اور موقف پر صرف بساطِ انسان کے مطابق روشنی پڑتی ہے اور ثابت ہوجاتا ہے کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ اکرم کے افراد مظلوم تو ضرور ہیں لیکن کسی مقام پر اور کسی طرح کے حالات میں دشمنوں سے ہرگز مغلوب نہیں ہیں۔ اس عبارت سے اس وقت کے شہر کوفہ کی کیفیت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اس دور کا ایک عظیم الشان شہر اور فرعونِ وقت ابنِ زیاد ملعون کا دارالحکومت تھا۔ علامہ مذکور اس طرح رقمطراز ہیں:

''کوفہ کے شہرِ بیکراں پر آہوں کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں اور تمام شاہراہیں لوگوں کی کثرت سے چھلک رہی تھیں۔ حدِ خیال تک آدمی ہی آدمی، مگر جسے دیکھو رنگ اُڑا ہوا، منہ کھلا ہوا، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سوگوار مجمع کی ہچکیاں بندھ گئیں!

''سامنے ایک لٹا ہوا قافلہ تھا جو قدم قدم تڑپا دینے والا درد بانٹ رہا تھا اور نفس نفس ضمیروں میں اتر جانے والے غم کا ہجوم لگاتا چلا جارہا تھا!

''دوسری جانب قصرِ ریاست میں دمشق کی بازنطینی سلطنت کا جفا پیشہ نمائندہ خوشی کے مارے جھوم رہا تھا اور اس کے کہنے پر سارے درباری نام نہاد کامیابی کا جشن منارہے تھے!

''کج نہاد حاکم چاہ رہا تھا کہ اپنے مصنوعی جاہ و جلال اور جھوٹی مسرتوں کا میلہ لگا کر ان قیدیوں کو جو سچائی کا کانٹوں بھرا راستہ طے کر کے ایک پورا مقتل اٹھائے چلے آرہے ہیں، کچھ اور دکھ دیدے، تھوڑی اور اذیت پہنچادے تا کہ اُن کے اعصاب کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہوجائے!

''چنانچہ اِدھر فرمان نکلا، اُدھر سرکاری کارندوں نے ان رسن بستہ اسیروں کو 'راج محل' کے دروازہ تک پہنچا دیا، اور پھر چند لمحوں میں یہ قیدی کاخِ سفید (البیضاء) کی روشوں سے ہوتے ہوئے 'تختِ امارت' کے سامنے تھے۔

''صوبے کا کرتا دھرتا' اموی فرمانروا' یزید ابنِ معاویہ ملعون کا دستِ راست اور زیاد ابنِ ابیہ جیسے مجہول النسب باپ کا بیٹا عبید اللہ اقتدار کی کرسی پر فرعون کا کردار پیش کررہا تھا!

''علاقہ کی مشہور ہستیاں ،حکومت کے پسندیدہ اشخاص، نیز فوج اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدہ دار آنے والے قیدیوں کو دم سادھے دیکھ رہے تھے!

''لیکن ابنِ زیاد ملعون انتہائی رعونت سے اسیروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک اُس کی نظر ایوان کے آخری کونہ پر پڑی جہاں ایک مؤقر خاتون، دربار کے آداب و روایات سے بے پروا کچھ جاں نثار عورتوں کے حلقہ میں کمالِ اطمینان کے ساتھ تشریف فرما تھیں!

'' 'یہ کون ہے؟'

''عبیداللہ نے نہایت تلخ لہجہ میں دریافت کیا۔ مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ ماحول پر پرانے قبرستان کا سناٹا چھایا ہوا تھا!

''فضا میں دوبارہ ارتعاش پیدا ہوا۔ ابنِ زیاد تیوریاں چڑھا کر پھر اپنا سوال دہرا رہا تھا!

'بتاؤ یہ کون ہے؟'

''مگر اس مرتبہ بھی خاموشی طاری رہی۔

''کوفہ کے حاکم نے تیسری دفعہ غصہ میں بے قابو ہو کر پوچھا: 'آخر بتاتے کیوں نہیں، یہ کون عورت ہے؟'

''اب کے اُن فدائی عورتوں میں سے جو عظیم خاتون کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں، ایک نے منتہائے جرأت و طلاقت سے جواب دیا: '' 'پوچھنے والے! یہ علیؑ کی صاحبزادی زینبؑ ہیں!'

''زینبؑ کا نام سنتے ہی ابنِ زیاد کلیجہ کے پھپھولے پھوڑنے لگا! اُس کی وِس بھری زبان سے جو پہلا جملہ نکلا، وہ یہ تھا:

'اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَ قَتَلَکُمْ وَ اَکْذَبَ اُحْدُوْ ثَتَکُمْ'.

'' 'خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں رسوا کیا، موت کے گھاٹ اتارا اور تمہارے ناپسندیدہ ارادوں کو بے نقاب کر دیا'۔

'بس یہ سننا تھا کہ فاتحِ خیبر اور صاحبِ ذوالفقار کی بیٹی نے اپنے اقتدار شکن اور سلطنت فشا انداز سے یوں خطاب فرمایا:

'اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ وَطَھَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْھِیْرًا اِنَّمَا یُفْتَضَحُ الْفَاجِرُ وَیُکْذَبُ الْفَاسِقُ وَھُوَ غَیْرُنَا'.

یعنی ''شکر ہے اس معبودِ یکتا کا جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ہمیں عزت دی اور ہمارے گھرانے کو کمالِ طہارت کا شرف بخشا!

ابنِ زیاد! بے آبرو وہ ہوتا ہے جو سیہ کار و بداطوار ہو، نیز جھوٹا وہ بنتا ہے جو آئین کی خلاف ورزی کرے، قانون کے پُرزے اڑائے اور وہ ہم نہیں، کوئی اور ہوگا!

''تلوار کی باڑھ جیسے اس تیز جواب سے خدا کے دشمن عبیداللہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چٹیلے ناگ کی طرح بل کھا کر اس نے بڑی بے تابی سے کہا:

'كَيْفَ رَأَيْتِ صُنْعَ اللّٰهِ فِي اَهْلِ بَيْتِكِ وَ اَخِيكِ؟'

یعنی 'دیکھا! اللہ نے تمہارے 'کنبہ' کی کیا گت بنائی اور تمہارے بھائی پر کیا حشر توڑا؟'

بات اب برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اقدار و نظریات کی کھلی توہین! اس کے علاوہ ابنِ زیاد ملعون انتہائی شقاوت کے ساتھ عقیلۂ بنی ہاشم کے طہارتِ نسب، تقدس مآب خاندان اور زینبؑ کے فخرِ کائنات، عزیز اور شہید بھائی کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا!

''بنابراین ثانیِ زہراؑ کے تیور بدلے اور معلوم ہوا کہ 'برق و آتش' کا ایک چشمہ تھا جو اُبل پڑا۔ ارشاد ہوا:

' مَارَأَيْتُ اِلَّا خَيْراً. هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوْا اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَ سَيَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ، فَتُحَاجُّ وَتُخَاصَمُ، فَانْظُرْ لِمَنِ الْفَلَجُ يَوْمَئِذٍ، ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَابْنَ مَرْجَانَةَ '.

یعنی ''ہم نے ہمیشہ اچھائی دیکھی۔ ہاں! خاندانِ رسالتؐ کا رتبہ اتنا اونچا ہے کہ انہیں شہادت جیسی نعمت نصیب ہوئی۔ خدا نے جو چاہا وہ انہوں نے کر دکھایا۔ یہ قتل گاہ سے گزرے اور گنجِ شہیداں میں محوِ آرام ہو گئے! مگر یاد رکھنا پسرِ زیاد! وہ جو سب کا دادرس ہے، آخری فیصلہ کے لئے وہ بہت جلد تجھے اور انہیں اپنی عدالت میں طلب کرنے والا ہے اور جب آمنا سامنا ہوگا، تب دیکھنا مظلوم کی فریاد کیا رنگ لاتی ہے اور خونِ ناحق کیا رنگ دکھاتا ہے!

'مرجانہ کے جائے! تیری ماں کی کوکھ اُجڑے! وہ تیرا سوگ منائے! سن، ہاں سن! داورِ محشر جس دن انصاف کرے گا، اس دن تجھے پتہ چلے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟'

''کربلا کی پاسبان اور حسینیت کی نگہبان نے کوفہ کے فرمانروا کو رد کرنے میں جو دلیری دکھائی اور اسے نیچا دکھانے میں جس بے جگری سے کام لیا، وہ شجاعت و شہامت کی تاریخ میں ایک انوکھی مثال ہے۔

''اُمید کے خلاف بھڑکتے ہوئے شعلوں کا پے درپے ہجوم، اور توقع کے برعکس لپکتے ہوئے کوندوں کی لگاتار یورش سے ابنِ زیاد ہکا بکا رہ گیا! یوں لگ رہا تھا جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو، اس میں سکت نہیں رہی، غرور ٹوٹ گیا۔ اُس کی سیاست جواب دے گئی اور ریاست زلزلوں کی زد میں آ گئی! احساسِ کمتری کے بوجھ سے اس کے اعصاب شَل ہو گئے تھے۔ کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ بالآخر کھسیانہ پن مٹانے کے لئے ظالم نے اپنی زبان کھولی تو اس عنوان سے:

'لَقَدْ شَفَی اللّٰہُ قَلْبِیْ مِنْ طَاغِیَتِکِ الْحُسَیْنِ وَالْعُصاۃِ الْمَدَدَّۃِ مِنْ اَھْلِ بَیْتِکَ'.

'یعنی تمہارے سرکش بھائی اور خاندان کے دوسرے باغی افراد کے قتل سے خدا نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا'۔

''ختم المرسلینؐ کی نواسی نے چشمِ خوں بار سے ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر کمالِ تمکنت سے ارشاد فرمایا:

'لَعَصْرِیْ لَقَدْ قَتَلْتَ کَھْلِیْ وَقَطَعْتَ فَرْعِیْ وَاجْتَثَثْتَ اَصْلِیْ، فَاِذَافِیْ ھٰذَا شَفَاؤکَ فَلَقَدِاشْتَفَیْتَ ؟'

یعنی ''ابنِ زیاد! تو نے ہمارے بڑوں کو تہِ تیغ کیا، ہمارے سایہ دار شجر کی شاخیں کاٹ دیں، ہمارے پھولے پھلے درخت کو جڑ سے نکال ڈالا۔ اب اگر قلب وجگر کی آگ یوں ہی بجھتی ہے تو پھر بجھنے کو سمجھ لے کہ ٹھنڈک پڑ گئی'۔

''لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ابنِ زیاد کو اس کے بعد کبھی آرام نصیب نہیں ہوا، اس لئے کہ کربلا کے نمائندہ قافلہ کی ترجمان حضرتِ زینبؑ عالیہ نے اسلامی فکر اور انسانی ضمیر کو کچھ اس طرح جگا دیا تھا کہ یہ بیداری ایک باقاعدہ تحریک بن گئی اور کوفہ سے لے کر شام تک تمام راج محلوں اور سارے شبستانوں کے چراغ گل ہوتے نظر آنے لگے۔

''یہ عقیلۂ بنی ہاشم ہی کی تقریروں اور مکالموں کا اثر تھا جو صحابیِ رسولؐ عبداللہ ابنِ عفیف ازدی بھرے مجمع میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اسی طرح خاندانِ غامد اور بنو ائلہ کے بعض جیالے بھی حکومت کے خلاف سرگرمِ عمل ہو گئے۔

''اور پھر یہ بات اتنی عام ہوئی کہ گھر گھر بغاوت کے پرچم لہرانے لگے اور جگہ جگہ شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بڑے بڑے فوجی افسر استعفیٰ دینے لگے۔ شہر کے معزز باشندوں نے کوفہ میں رہنا چھوڑ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور زندان کے دروازے کھلنا شروع ہو گئے۔

''ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے 'اَلاِمَامَۃ وَالسِّیَاسَۃ' کے مؤلف ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ:

''عبیداللہ ابنِ زیاد ملعون کو یہ برا وقت بھی دیکھنا پڑا کہ بصرہ جیسے شہر میں جب وہ تقریر کرنے کھڑا ہوتا تھا تو عوام اس پر اینٹوں اور پتھروں کا مینہ برساتے تھے (الامامتہ والسیاستہ، ج ۲، ص ۱۶، طبع دار المعرفہ، بیروت)۔

''اسی کو اہلِ جہاں انقلاب کہتے ہیں''۔

اس سلسلہ کو ہم یہاں ختم کرتے ہیں۔ ابن زیاد ملعون اور دیگر ملعونین قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کا انجام کسی حد تک ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ یہ سب ملاعنہ اپنے فطری و قدرتی انجام کو پہنچے۔

مؤلفِ کتاب جناب ڈاکٹر علی قائمی کی ترتیب سے کسی قدر ہٹ کر ہم اہلِ بیتؑ عظام کے کوفہ سے دمشق پہنچنے کے حالات اور راستہ کے واقعات وصعوبات کا ذکر کریں گے جس کے بعد ان پاک ہستیوں کا دمشق اور دربارِ یزید ملعون میں داخلہ اور ثانیِ زہراؑ اور دیگر افرادِ آلِ رسولؐ کے خطبات پیش کیے جائیں گے۔ ان حالات کا بیان اشد ضروری اس لئے بھی ہے کہ ان تمام حالات میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا طرزِ عمل طولِ تاریخ میں قطعی بے مثال ہے اور یہی طرزِ عمل اس قدر جلد زوالِ سلطنت بنی اُمیہ کا باعث بنتا ہے۔

ان تفصیلات کیلئے ہمیں متعدد کتبِ تاریخ سے مدد لینا ہوگی جو واقعہ کربلا کے بعد کے حالات کو قلمبند کرتی ہیں، جن کے حوالہ جات انشاء اللہ حسبِ سابق پیش کیے جائیں گے تاکہ اہلِ بیتِ رسولؐ اکرم پر کیے گئے مظالم کو بے نقاب کیا جا سکے۔

ہمیں افسوس ہے کہ کتبِ مقاتل اور مسلمانوں کی تاریخ لکھنے والے بہت کم مؤرخین نے اس طرف توجہ کی ہے کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ کس راستہ سے اور کن حالات میں کوفہ سے شام تک کا طویل صحرائی سفر طے کر کے فوجِ ملاعین کے پہرہ میں یزید ملعون کے دارالحکومت دمشق تک پہنچا، حالانکہ تاریخِ کربلا کے اہم ترین ابواب میں یہ سفر اور اس کی صعوبات شامل ہیں۔

ہم ایک بار پھر وضاحت کر دیں کہ راویانِ تاریخ کے بیانات میں اگر کہیں کہیں واقعات ومقامات کا کوئی معمولی فرق پایا جائے تو اس کی وجہ اس زمانہ میں تاریخ کو جمع کرنے کے ان ذرائع کا ہرگز دستیاب نہ ہونا ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں موجود ہیں۔ صرف وقائع نگاروں کے بیانات پر انحصار ممکن ہے جو ہر فوج میں اسی مقصد کیلئے مقرر کیے جاتے تھے اور وہ ہمیشہ اپنی یادداشت ہی کو سند جانتے تھے۔ اس کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ہم سوانح نگاری کی مشکلات کا تذکرہ کر آئے ہیں جس کو سامنے رکھ کر یہ مشکل کافی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔ اس سفر میں بھی ثانیِ زہراؑ سردارِ کارواں ہیں، اس لئے بھی اس کی تفصیلات کا

بیان ضروری ہے۔

اس مختصر تبصرہ کے بعد ہم سب سے پہلے جناب سید اولا دحید رفوق بلگرامی کی کتاب ''صحیفۃ العابدین'' سے اپنے بیان کو شروع کرتے ہیں۔فوقؔ مرحوم اس طرح رقمطراز ہیں:

''عبیداللہ ابنِ زیاد نے اہلِ بیت علیہم السلام کوکوفہ میں اس وقت تک اسیر رکھا جب تک کہ اس کی اطلاع کا جواب یزید کے پاس سے نہ آ گیا۔ یزید نے ابنِ زیاد کولکھ بھیجا کہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ مع سرہائے شہداء شام میں بھیج دیئے جائیں۔ابنِ زیاد نے خط پاتے ہی فوراً تعمیلِ حکم کی اور اہلِ بیتؑ کرام کومع ان سروں کے شام کی طرف روانہ کردیا۔

''کوفہ سے یہ قافلہ شمر ابنِ ذی الجوشن،عمر بن سعد اور زجر ابنِ قیس کے ہمراہ شام کو روانہ ہوا اور اربعین کے روز یعنی بیس (۲۰) صفر کوارضِ کربلا میں داخل ہوا۔ بہ اتفاقِ فریقین ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ بروزِ اربعین داخلِ کربلا ہوئے مگر اختلاف یہ ہے کہ بعض بزرگوار شام سے کربلا میں اربعین کے روز بتلاتے ہیں اور بعض کوفہ سے۔صحیح یہی ہے کہ کوفہ سے شام تک کے سفر میں ان بزرگواروں کا داخلہ کربلائے معلیٰ میں ہوا۔ چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ جلد ششم ص۲۴۳ میں اس امر کوخوب وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں اور ان کا مختار بھی یہی ہے۔(اصولِ درایت پر بھی یہی روایت پوری اترتی ہے،مترجم)۔

کوفہ سے پہلی منزل کربلائے معلیٰ

اس میں کوئی کلام اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ اہلِ بیتؑ کا قافلہ کوفہ سے چل کر کربلا میں پہنچا اور وہاں ایک روز قیام کر کے دوسرے دن 'قادسیہ' میں داخل ہوا۔

دوسری منزل قادسیہ

قادسیہ ایک مشہور ومعروف مقام ہے جو براہِ خشکی کوفہ سے ساڑھے سات میل پر واقع ہے۔قادسیہ علاقۂ موصل سے متعلق ہے اور باعتبارِ آبادی و دستکاری اس وقت تک ایشیائے مائنر کے مشہور مقامات میں داخل ہے۔ بہر حال اہلِ بیتؑ بے سروسامان،عریان و پریشان اس شہر میں پہنچے اور یہاں ایک شبانہ روز قیام کر کے شہرِ موصل میں وارد ہوئے۔

تیسری منزل موصل

شہر موصل ملکِ جزائر اور عراق کے درمیان واقع ہے۔اسی کے وسط میں جنابِ جرجیسؑ نبی کی قبرِ مطہر واقع ہے۔ یہ شہر اسی نام سے اس وقت تک مشرقی ترکستان کے انگریزی نقشوں میں مندرج ہے۔حافظ جمال الدین محدث کہ سوادِ اعظم اہلِ سنت

کے معتبر محدثین اور مستند مؤرخین میں شامل ہیں، اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ لوگ شہرِ موصل کے قریب پہنچے تو شمر ذی الجوشن ملعون نے حاکمِ شہر کو لکھ بھیجا کہ ہم لوگ فتح ونصرت کے ساتھ مع سرہائے شہدائے کربلا تمہارے شہر میں عنقریب داخل ہونے والے ہیں، اس لئے تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اپنے شہر اور شہر کے تمام کوچہ و بازار کو اور قصرِ امارت کو بزیب وزینت تمام آراستہ وپیراستہ کرو۔ جس وقت شمر ذی الجوشن ملعون کا یہ ہدایت نامہ امیرِ موصل کو پہنچا، اس نے تمام لوگوں کو بلا کر مضمونِ خط سنا دیا اور اُن سے یہ کہا کہ اگر ان لوگوں کو ہم اس حالت سے شہر میں بلا کر اپنا مہمان کریں تو تم لوگ کسی فتنہ وفساد کے باعث تو نہ ہوگے اور یہ امر تم لوگوں کے رنج وملال کی وجہ تو نہ ہوگا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم کبھی اس امر پر رضا مند نہ ہوں گے۔ چنانچہ حاکمِ موصل نے شمر ذی الجوشن کو لکھ بھیجا کہ چونکہ اس شہر میں بہت سے شیعوں کی آبادی ہے، اس لئے ہم تم کو اور تمہارے لشکر کو اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ لوگ بگڑ جائیں گے تو موجودہ امن وامان میں بہت بڑی خرابی واقع ہوگی۔ مناسب وقت یہی ہے کہ تم لوگ شہر سے کچھ فاصلہ پر اترو۔ رسد رسانی کے متعلق تمام ضروری چیزیں فراہم کر کے بھیج دی جائیں گی۔ ایسا ہی ہوا بھی۔ شمر اور اُس کا ہمراہی لشکر موصل سے تھوڑی دُور علیحدہ اُترا اور حاکمِ موصل نے حسب الوعدہ رسد رسانی کا کافی سامان لشکرگاہ میں بھجوا دیا۔

''اکثر علماء کی تالیفات سے شہر موصل کے متعلق یہ واقعہ خاص طور پر معلوم ہوتا ہے ہے شمر ذی الجوشن نے قیامِ موصل کے وقت جنابِ امام حسین علیہ السلام کا فرقِ مبارک نیزہ سے اتارا تو ایک قطرۂ خون ٹپک کر ایک پتھر پر گر پڑا۔ اس پتھر سے ہر سال روزِ عاشورا خونِ تازہ نکلتا تھا اور شیعانِ علیؑ جوق در جوق اس پتھر کی زیارت کو آتے تھے اور وہ پتھر 'شہید نقطہ' کے نام سے مشہور تھا۔ یزید کے زمانِ حکومت تک قائم رہا۔ مروان ملعون نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اُس پتھر کو ضائع کروا دیا۔ پھر اس وقت سے اس کا پتہ نہیں چلتا (ناسخ التواریخ ص ۲۴۴)۔

چوتھی منزل شہر تکریت

موصل سے چل کر یہ قافلہ شہرِ تکریت پہنچا۔ یہ شہر بغداد سے ۴۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس شہر کے قریب پہنچ کر بھی شمر ذی الجوشن ملعون نے یہاں کے حاکم کو ویسا ہی ہدایت نامہ لکھا جیسا کہ شہرِ موصل کے امیر کو لکھا تھا۔ مگر امیرِ موصل کے خلاف امیرِ تکریت نے بڑی مستعدی سے شمر ذی الجوشن کے حکم کی تعمیل کی اور تمام شہر کو نئی زینت اور تازہ آرائش کا حکم دیا۔ تمام شہر کے لوگ زرق برق نظر آنے لگے۔ حاکمِ شہر بھی نہایت تزک واحتشام کے ساتھ سوار ہو کر لشکرِ یزید کی رسمِ استقبال کیلئے روانہ ہوا اور

اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ جو کوئی پوچھے کہ یہ کس کا سر ہے تو تم جواب دینا کہ معاذ اللہ ایک خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا۔ ابنِ زیاد نے اس کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا ہے۔ چنانچہ جو کوئی اس فرقِ مقدس کے بارے میں ان سے سوال کرتا تھا، وہ یہی جواب دیتے تھے، یہاں تک کہ ان تماشائیوں میں سے ایک نصرانی نے بڑھ کر کہا کہ یہ کسی خارجی کا سر نہیں ہے۔ میں کوفہ سے ابھی ابھی آ رہا ہوں اور اس سر کو دیکھ چکا ہوں۔ مجھے یہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ یہ امام حسین ابنِ علی ابنِ ابی طالب علیہم السلام کا سر ہے۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ شہر کے باشندوں میں عام شورش پھیل گئی اور ہر شخص اس کو سن کر اُس مجمع سے علیحدہ ہونے لگا۔ اُس شہر میں عیسائیوں کی بہت بڑی آبادی تھی۔ وہ سب اُنہی لوگوں کے ساتھ ہو گئے اور ایک دل و ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس قومِ شقاوت اثر کا کبھی ساتھ نہ دیں گے جو اپنے پیغمبرؐ کے نواسہ کو قتل کریں اور اس واقع پر خوشی منائیں۔ جب شمر ذی الجوشن وغیرہ نے ان لوگوں کے رنگ بیرنگ دیکھے تو تکریت میں نہ اُترے اور 'دارِ عروہ' میں آ کر پڑاؤ ڈال دیئے جو شہرِ تکریت سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔

پانچویں منزل وادیٔ نخلہ

دارِ عروہ سے چل کر زمینِ صلیبا سے ہوتا ہوا یہ قافلہ وادیٔ نخلہ میں پہنچا۔ ایک دن اور ایک رات وہاں مقیم رہا۔

چھٹی منزل شہر لبا

صبح کو وادیٔ نخلہ سے کوچ ہوا۔ شام کو لبا میں داخلہ ہوا۔ جب یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو واقعاتِ کربلا کے حالات سے پوری واقفیت ہوئی تو وہ لوگ ہجوم کر کے جنابِ امام حسینؑ کے سرِ مبارک کو دیکھ کر آپؑ پر اور آپؑ کے جدو پدر پر درود و سلام بھیجنے لگے اور ایک زبان ہو کر ہمراہیانِ شمر ذی الجوش علیہ اللعن پر لعنت بھیجنے لگے۔ شمر ذی الجوش نے اُن سے مقابلہ کیا اور اُن کو قتل و غارت کر کے اور ان کی آبادی کو خراب کر کے وہاں سے کوچ کیا اور دیہہ کحیل میں داخل ہوئے۔

ساتویں منزل دیہہ کحیل

یہ ایک چھوٹی سی بستی علاقۂ موصل کے متعلق دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام ہوا۔

آٹھویں منزل شہرِ نصیبین

یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام ہوا۔

نویں منزل شہر دعوات

شہرِ نصیبین سے اُٹھ کر ارضِ عین الورد ہوتے ہوئے یہ لوگ شہرِ دعوات کے نزدیک پہنچے۔ شمر ذی الجوشن نے یہاں کے

لوگوں کو بھی ویسا ہی اطلاع نامہ بھیجا جیسے پہلے موصل اور تکریت کے عاملوں کو لکھ بھیجا تھا۔ حاکمِ دعوات نے نہایت سرگرمی سے اس حکم نامہ کی تعمیل کی اور تمام شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور نہایت تزک واحتشام سے شمر وغیرہ کا استقبال کر کے شہر میں لایا اور وسطِ شہر میں اُس مقام پر جسے 'رحبہ' کہتے تھے، ایک بلند نیزہ پر جنابِ امام حسین علیہ السلام کے فرقِ مبارک کو نصب کر دیا اور ایک آدمی کو اس نیزہ کے نیچے چلا چلا کر کہنے کیلئے بٹھا دیا کہ 'ھذا رأس الخارجی' (معاذاللہ)۔

الغرض وہ گمراہ صبح وشام تک برابر چلا چلا کر یہی کہتا تھا.....علمائے کرام کی بعض تالیفات سے مستفید ہوتا ہے کہ جس مقام پر آپؑ کا سرِ مبارک نیزہ پر نصب کیا گیا تھا، وہ مقام ہمیشہ متبرک اور مقدس خیال کیا جاتا تھا اور عوام الناس انجاحِ مطالب اوراجرائے مقاصد کے لئے وہاں حاضر ہو کر دعائیں مانگتے تھے اور خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے جملہ مطالب ومقاصد کو مستجاب فرماتا تھا۔

دسویں منزل شہر قنسرین

شہرِ دعوات سے اٹھ کر یہ قافلہ شہرِ قنسرین کے قریب پہنچا۔ یہ شہر حلب سے ایک منزل پر واقع ہے۔ جب اس لشکر کی آمد کی خبر قنسرین میں پہنچی تو چونکہ وہاں کثرت سے شیعانِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ آباد تھے، اُن لوگوں نے وہاں کے دروازے بند کر لئے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر قاتلانِ امامِؑ مظلوم پر لعن وطعن کرنے لگے، اُن پر پتھر پھینکنے لگے اور کہنے لگے: اے قاتلانِ آلِ رسولؐ! اگر تم ہم سب کی گردنیں بھی تلوار کے نیچے رکھ دو گے، تو ہم تم میں سے ایک کو بھی اپنے شہر میں آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

جب ان لوگوں نے یہ مستعدی اور تیاری دیکھی تو قنسرین کے قیام سے باز آ کر مقبرۃ النعمان میں اُترے۔

گیارہویں منزل مقبرۃ النعمان

اس مقام کے لوگوں نے ان لوگوں کو اترنے کی جگہ دی اور رسد وغیرہ سب مہیا کر دی۔ وہ لوگ وہاں بہ آرام تمام شب بھر قیام کر کے علی الصبح 'مقامِ شیرز' کی طرف روانہ ہوئے۔

بارہویں منزل شہر شیرز

جب یہ قافلہ 'شہرِ شیرز' کے قریب پہنچا تو وہاں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس شہر میں ایک ضعیفہ رہتی تھی۔ اس نے شہر کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ مجھ کو بہ تحقیق خبر ملی ہے کہ یہ قومِ جفا پیشہ فرزندِ محمدِ مصطفےٰ علیؑ مرتضےٰ کا فرقِ مبارک لے کر آ رہی ہے۔ پس

ان لوگوں کو اپنے شہر میں نہ آنے دو کیونکہ ان کے آنے سے ہم سب دائرۂ اطاعتِ آلِ محمدؐ سے خارج ہو جائیں گے۔ اُس کی یہ تقریر سن کر تمام شہر کے لوگ ابنِ زیاد ملعون کی مخالفت پر متفق ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لشکرِ شقاوت اثر وہاں اترنے نہ پایا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک چھوٹے سے قلعہ میں جو اسی شہر کے باہر تھوڑے سے فاصلہ پر بنا ہوا تھا، پہنچے۔ یہ قلعہ چھوٹا تو ضرور تھا مگر بہت ہی مستحکم تھا۔ اس قلعہ کو 'قلعۂ کفر طلب' کہتے تھے۔ قلعہ والوں نے بھی دروازے بند کر لئے اور ان لوگوں کو آنے نہ دیا، بلکہ قلعہ پر سے ان کی مدافعت کی فکر کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر خولی ملعون قلعہ کے نیچے آیا اور کہنے لگا کیا تم لوگ یزید ابنِ معاویہ کی رعایا اور زیرِ فرمان نہیں ہو؟ تم لوگ ہمارے لشکر کو قلعہ میں آنے دو۔ قلعہ کے دروازے کھول دو اور آب و طعام اور جملہ ضروریات سے ہماری خبر لو۔ اُن لوگوں نے یک زبان و یک کلام ہو کر جواب دیا کہ قسم خدا کی! ہم تم کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیں گے کیونکہ تم وہی ہو جنہوں نے جنابِ امام حسین علیہ السلام کو بھوکا پیاسا میدانِ کربلا میں شہید کیا۔ اُن کا یہ کلام سن کر خولی کو پوری مایوسی ہو گئی۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور ارضِ 'سیبور' میں داخل ہوئے۔

تیرھویں منزل ارضِ سیبور

جب یہ قافلہ 'ارضِ سیبور' میں داخل ہوا تو تمام شہر کے لوگ جمع ہو کر اس امر پر شوریٰ کرنے لگے کہ آیا ان لوگوں کو یہاں پر اتارا جائے یا اور ہمسایہ مقامات کی طرح اُن کو شہر میں نہ آنے دیا جائے۔ اُن لوگوں میں ایک شخص جو اصحابِ عثمانؓ بن عفان سے تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ لشکرِ یزید کو آنے دیا جائے..... حاضرین نے جواب دیا: 'قسم خدا کی ہم ایسا نہیں کریں گے'..... پس وہ لوگ وہاں سے اٹھے اور تمام پانی کے حوض کاٹ دیئے کہ اُن کا پانی بہہ گیا اور مستعدِ جنگ ہو کر باہر نکل آئے۔ اتنے میں لشکرِ ابنِ زیاد ملعون بھی آ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ لشکرِ ابنِ زیاد سے چھ سو آدمی مارے گئے اور اہلِ سیبور سے بھی اکثر لوگ مارے گئے۔ بہر حال اہلِ سیبور نے کسی طرح ان لوگوں کو اپنے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور یہ آخر کار مجبور ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔

چودھویں منزل شہر حماۃ

یہاں کے لوگ بھی اُسی طرح پیش آئے اور یہ قافلہ وہاں سے بھی بے نیل و مرام واپس ہو کر شہرِ 'حمص' پہنچا۔

پندرھویں منزل شہر حمص

حمص شہرِ حلب و دمشق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کا قلعہ مستحکم و مشہور ہے۔ خالد بن نشیط حمص کا گورنر تھا۔ شمر ذی

الجوشن نے خالد ملعون کو اپنے آنے کی خبر لکھ بھیجی اور رسد رسانی وغیرہ کے ضروری انتظامات کے لئے ہدایت کی۔ خالد نے تمام شہر میں آئینہ بندی کا حکم دیا اور خود بھی بڑی شان وشوکت سے اپنی فوج کے ہمراہ لشکرِ یزید کے استقبال کے لئے روانہ ہوا..... خالد جب اس لشکرِ شقاوت اثر کے ہمراہ پھر شہر میں آیا تو تمام شہر میں غدر مچ گیا، تمام لوگ فوجِ یزید پر اینٹ پتھر پھینکنے لگے اور ان کے چھبیس (۲۶) آدمیوں کو مار ڈالا۔ اہلِ شہر ان لوگوں کو مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے: 'اے قومِ گمراہ! بعد ایمان کے کفر نہیں ہوسکتا اور بعد ہدایت کے ضلالت نہیں ہوسکتی۔ آخر کار اہلِ شہر نے فوجِ ابن زیاد ملعون کو ہٹاتے ہٹاتے 'کنیۂ قسیس' تک پہنچا دیا۔ تمام اہلِ شہر اس امر پر متفق ہو گئے کہ اس قومِ جفا شعار سے مقابلہ کیا جائے اور ان سے فرقِ امام حسین علیہ السلام چھین لیا جائے۔ چونکہ اہلِ حمص جرأت وشجاعت میں مشہور تھے، اس لئے شمر اور خولی کے افسرانِ فوج نے شہرِ دمشق تخت گاہِ شام کو قریب سمجھ کر اُن سے مقابلہ ومقاتلہ کیلئے مناسب وقت نہ سمجھا اور طرح دے کر وہاں سے کوچ کیا۔

سولہویں منزل بعلبک

بعلبک دمشق سے تین روز کی راہ پر واقع ہے.....شمر ذی الجوش ملعون نے یہاں کے امیر کے نام بھی رسد رسانی وغیرہ کے پورے انتظام کیلئے کامل ہدایت کی۔ امیرِ بعلبک نے شمر کے فرمان کی تکمیل کی اور تمام شہر میں آئینہ بندی کروادی.....جنابِ امِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا بعلبک۔ آپؑ نے فرمایا: 'خدائے تعالیٰ ان کی سرسبزی وشادابی کو خراب کرے اور ان کا پانی پینا گوارا نہ کرے۔ اگرچہ تمام دنیا عدل وداد سے پُر ہو لیکن اُن کو سوائے جور وستم کے اور کسی شے سے کوئی حصہ نہ ملے۔ المختصر یزید کا لشکر شب بھر نہایت عیش وعشرت اور راحت وآرام سے بسر کر کے صبح ہوتے ہی روانہ ہوا۔

سترہویں منزل دیرِ راہب

اب یہ قافلہ دیرِ راہب پہنچا.....جب یہ فوج دیرِ راہب کے قریب اُتری اور عیش وعشرت میں مصروف ہوئی تو جنابِ امام حسین علیہ السلام کے فرقِ مبارک کو ایک مضبوط اور مستحکم صندوق میں بند کر دیا اور صندوق کو عمارتِ دیر کے قریب رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کی مے نوشی مبدل بہ بے ہوشی ہونے لگی تو انہوں نے جامِ صحبت کو برخاست کر کے سفرۂ طعام بچھایا۔ ناگاہ دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اُس نے موٹے حرفوں میں یہ شعر دیوار پر لکھ دیا:

اترجوا امة قتلت حسيناً — شفاعة جده يوم الحساب

''جن لوگوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا، کیا وہ قیامت کے دن انؑ کے ناناؐ کی شفاعت کی توقع رکھتے ہیں''؟

یہ دیکھ کر اُن کو سخت تعجب ہوا اور چاہا کہ اٹھ کر اس ہاتھ کو تھام لیں کہ اتنے میں وہ ہاتھ غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہاتھ پھر نمودار ہوا اور ویسے ہی یہ شعر لکھ دیا:

فقد و اللّٰہ لیس لھم شفیع　　　　وھم یوم القیامۃ فی العذاب

''نہیں اللہ کی قسم! ان کے لئے کوئی شفاعت نہیں اور وہ قیامت کے دن عذاب میں ہوں گے''۔

ان لوگوں نے اس ہاتھ کو پھر روکنے کا قصد کیا مگر وہ غائب ہو گیا۔ تیسری بار پھر ظاہر ہوا اور یہ شعر لکھا:

وقد قتلوا الحسینؑ بحکم جور　　　　وخالف حکمھم حکم الکتاب

''انہوں نے ایک ظالمانہ فیصلے کے ذریعہ حسینؑ کو قتل کیا اور ان کا فیصلہ کتاب اللہ کے فیصلے کے خلاف تھا''۔

یہ اشعار صاحبِ ناسخ التواریخ اور روضۃ الاحباب نے لکھے ہیں۔ محقق ابومخنف نے اپنے مقتل میں سہل ساعدی کی سند سے دو شعر اور لکھے ہیں:

وقد غضبوا لالہ و خالفوہ　　　　ولم یخشوہ فی یوم الماب

الا لعن الا منی زیاد　　　　واسکنھم جھنم فی العذاب

''انہوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی اور اسے غضب ناک کیا، ان پر اس کی لعنت ہے اور عذابِ جہنم میں ان کا ٹھکانہ ہے''۔

یہ آثارِ عظیم مشاہدہ کر کے لشکر والوں کے ہوش وحواس جاتے رہے اور مارے خوف کے ان لوگوں نے رات کو کچھ نہ کھایا۔

راہبِ نصرانی کی یہ کیفیت ہوئی کہ اس کے کانوں میں عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں۔ جب وہ حسبِ معمول آدھی رات گئے عبادتِ الٰہی کے لئے اٹھا تو اُس نے دیکھا کہ ایک صندوق رکھا ہے اور اُس سے ایک عظیم الشان نور تا آسمان ساطع ہے، دروازہ ہائے آسمان کھلے ہوئے ہیں اور فرشتگانِ رحمت اس صندوق پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں.....

راہب یہ حال دیکھ کر سخت متعجب ہوا اور رات بھر خوف وبیم میں مبتلا رہا۔ جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو وہ جماعتِ شقاوت پیشہ کے پاس آیا اور خولی سے پوچھنے لگا کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ اس صندوق میں ایک خارجی کا سر ہے جو یزید کے خلاف ہو کر چڑھ آیا تھا لیکن ابنِ زیاد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اب ہم لوگ اس کے سر کو یزید ابنِ معاویہ کے

پاس لئے جا رہے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے۔ اُس نے جواب دیا حسینؑ ابنِ علیؑ۔ یہ سن کر راہب نے جواب دیا کہ خدا تمہاری قوم کو ہلاک کرے۔ تم نے ویسا ہی کام کیا جو ہمارے فرقہ کے علماء اور بزرگوار ہمیں بتلا گئے تھے۔

'اِنَّهٗ اِذَا قِيْلَ هٰذَاالرَّجُلُ تَمْطَرُ السَّمَاءُ دِمَاعَبِيْطًا'.

جس وقت یہ بزرگ قتل ہوگا، اُس وقت خونِ تازہ آسمان سے برسے گا اور یہ امرِ عظیم سوائے قتلِ انبیاء اور اوصیاء کے ممکن نہیں ہے۔ اب میں تم لوگوں سے بمنت کہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے اس سر کو میرے پاس رہنے دو۔ خولی نے کہا کہ یہ سر تو سوائے یزید بن معاویہ کے اور کہیں کھولا نہیں جا سکتا کیونکہ ہم لوگوں کو اس کے لئے انعاماتِ گرانمایہ ملنے والے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس کے لئے تم کو کون سا انعام ملنے والا ہے۔ خولی نے کہا دس ہزار درہم۔ راہب نے اسی وقت دس ہزار درہم کی تھیلی اس کے حوالہ کر دی اور سرِ مبارکِ امام حسین علیہ السلام لے کر اپنے دَیر میں داخل ہوا، فرقِ مبارک کو مشک وغیرہ سے معطر کر کے ایک ریشمی کپڑے میں رکھا اور یوں مخاطب ہو کر کہا:

'واللّٰه لعزعلی یا ابا عبداللّٰه انّ لا اواسیک بنفسی ولا کن یا ابا عبداللّٰه اذا لقیت جدک محمد المصطفیٰ صلّی اللّٰه علیه و آلهٖ وسلّم فاشهدلی انی اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وحدهٗ لا شریک له واشهد انّ محمد الرّسول اللّٰه واشهد انّ علیا ولی اللّٰه اسلمت علٰی یدیک وانا مولاک'.

''اللہ کی قسم! اے ابا عبداللہ! مجھ پر یہ بات گراں ہے کہ میں اپنی جان آپؑ پر فدا نہ کر سکا۔ لیکن اے ابا عبداللہ! جب آپؑ اپنے جدِ بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کریں تو گواہی دیجئے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ اور علیؑ اللہ کے ولی ہیں، میں آپؑ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا ہوں اور میں آپؑ کا غلام ہوں''۔

اقرارِ شہادت کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ روایاتِ علماء سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرقِ مبارک امام حسین علیہ السلام نے اسی وقت اس راہب کو دخولِ جنت کا وعدہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو ''بحر اللیالی''، ''جلاالعیون'' وغیرہ۔

جب فوجِ ابنِ زیاد نے کوچ کر کے دوسرے مقام پر قیام کیا تو اس تھیلی کو منگوا کر آپس میں تقسیم کرنا چاہا، دیکھا تو تھیلی کے ایک طرف لکھا ہوا پایا:

''لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُوْن''.

''اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو''۔

اُس کے داہنی طرف لکھا ہوا تھا:

''وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلِبٍ یَنْقَلِبُوْن''.

''اور جلد ہی ظالم دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے''۔

خولی نے ان دونوں آیتوں کو پڑھ کر اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا اور اپنے ہمراہیوں سے اس راز کو پوشیدہ رکھا......

اٹھارہویں منزل شہر حران

حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ جب یہ قافلہ حران کے قریب پہنچا تو یہاں بھی ایک عالم یہود جس کا نام یحییٰ حُرانی تھا، ایک ٹیلہ پر اپنے کلیسا میں رہتا تھا۔ اس کو جب ان لوگوں کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ اپنے ٹیلہ سے اتر کر راہ میں کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ لشکرِ ابنِ زیاد ملعون ظاہر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ سرہائے بریدہ نیزوں پر بلند ہیں اور غریب عورتیں اور بچے سر عریان، پریشان و حیران ننگے اونٹوں پر سوار ہیں۔

جونہی یحییٰ حُرانی کی نظر فرقِ مبارکِ امام حسین علیہ السلام پر پڑی، آپؑ کے جمالِ مبارک کی طلعت نے اُس کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی۔ پھر جب اس نے غور سے نگاہ کی تو دیکھا کہ آپؑ کے لبہائے مبارک بھی جنبش میں ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور قریب آیا اور کان لگایا تو سنا کہ آپؑ فرماتے ہیں:

''وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلِبٍ یَنْقَلِبُوْن''.

یہ دیکھ کر اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور سخت خوف لاحق ہوا۔ آخر وہ سردارانِ لشکر کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ اسیر کون ہیں۔ جواب ملا امام حسین علیہ السلام کے عزیز و اقارب۔ یہ سنتے ہی یحییٰ نے ہائے ہائے کر کے رونا شروع کیا اور کہنے لگا کہ شکر اس خدائے بزرگ کا کہ بہت سے اسرارِ نہفتہ آج ہم پر ظاہر ہو گئے۔ واللہ کہ شریعتِ محمدیؐ میں خونِ ناحق کی سزا ہمیشہ کے لئے جہنم ہے......

پھر اس نے پوچھا کہ اس حسینؑ کی ماں کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ فاطمہؑ دخترِ محمد مصطفٰےؐ۔ یہ سنتے ہی وہ یہودی راہب مسلمان ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ چادر وغیرہ ہدیہ کے طور پر اہلِ بیتؑ کرام کی نذر کرے مگر افسرانِ فوج نے اس کو منع کر دیا اور

سطوتِ یزید سے ڈرایا۔اس کو اُن لوگوں پر سخت غصہ آیا،محبتِ اہلِ بیتؑ کے خلوص میں اس نے اُن سے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔اس کو دروازۂ حُران میں مدفون کر دیا۔وہ اب تک یحییٰ شہید کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے...... یہ شہر شہرِ رقہ سے دوروز کی راہ پر واقع ہے۔

اُنیسویں منزل شہر دمشق

حُران سے کوچ کر کے یہ فوجِ ستم پیشہ دمشق پہنچی۔ جب شہر میں داخلہ کا وقت آیا تو جناب اِم کلثومؑ نے شمر ذی الجوشن ملعون کو خطاب کر کے فرمایا کہ میری ایک استدعا ہے۔اگر تو اسے مان لے گا تو تیرا خاص احسان ہوگا۔وہ یہ ہے کہ یہ شہر دمشق ہے، ہزاروں کیا لاکھوں تماشائیوں اور بلوائیوں کا سامنا اور ہجوم ہے، ہم کو یا تو ایسے دروازہ سے لے چلو جہاں آبادی کم ہو اور تماشائیوں کا ہجوم بھی نہ ہو اور نہیں تو مظلوم شہیدوں کے سروں کو ہمارے اونٹوں کے آگے لے جاؤ کہ تماشائی اُن کے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں اور پھر ہماری طرف ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملے۔مگر شمر ملعون ایسا کب تھا کہ اس تجویز کو پسند کرتا۔اُس نے اس کے برعکس کیا اور مصیبت زدوں کو دروازۂ ساعات سے جہاں تمام شہر سے زیادہ آبادی تھی اور تماشائیوں کا بھی ایسا ہجوم تھا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا،شہر میں لے چلا (صحیفۃ العابدین، ص ۲۶ تا ۲۷)۔

اس کے بعد کے واقعات ہم ''بازارِ دمشق'' کے عنوان کے تحت رقم کریں گے۔کئی ایک مؤرخین نے تقریباً انہی یا ان سے ملتی جلتی منازل کا ذکر کیا ہے جہاں سے اہلِ بیتؑ رسولؐ اکرم کے اسیروں کو کوفہ سے دمشق تک لے جایا گیا۔تھوڑا بہت جو اختلاف ہے اس کی وجہ صرف دورِ حاضر کی طرح واقعات کو جمع نہ کر سکنے کے لئے ایسے آلات کا فقدان ہے جو اب ایجاد ہو چکے ہیں۔نیز جیسا کہ ہم ابتدائے کتاب میں تحریر کر چکے ہیں کہ واقعات لکھنے والے دشمن کی فوج کے وقائع نگار ہیں جنہوں نے ہر جگہ اپنی مرضی اور یادداشت سے کام لیا ہے تاہم خلاصۂ واقعات ایک ہی بنتا ہے۔مثال کے طور پر ہم اپنے قارئین سے التجا کریں گے کہ ''صحیفۂ کاملہ'' جمع کردہ سید قائم رضا نسیم امروہوی صاحب، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، کے صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں جہاں منزل بمنزل قافلۂ اہلِ بیتؑ کے سفرِ کوفہ تا دمشق کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد ہم اب ایک بار پھر 'عماد زادہ' صاحب کی کتاب 'تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام' سے، جو اس موضوع پر جدید ترین کتب میں سے ایک ہے، اس سفر کی تفصیل پیش کرتے ہیں جس کی تحقیق میں فاضل مصنف نے بہت کافی محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ان تفاصیل کا بیان اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہماری مخدومہ کی سوانحِ حیات سے اس کا بہت عمیق تعلق ہے اور

اس سفر میں بطور سالارِ قافلہ جس کی ذمہ داریوں میں حفاظتِ قافلہ، دفاعِ امامِ وقت اور جملہ اسیران کی سرپرستی وغیرہ شامل ہیں، جن کو شہزادی سلام اللہ علیہا نے نہایت پامردی واستقلال واستقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیا کہ آپؑ کی ہستی سب مصیبت زدہ ومظلوم افراد کے لئے مستقل سہارا تھی۔ مؤلفِ مذکور ''خطِ سیر اسرا از کوفہ تا شام'' کے عنوان کے تحت اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''پس از توقفِ اسراء در کوفه و گزارشِ ابنِ زیاد به یزید و فرمانِ حرکت دادنِ اسرابه شام، اسبابِ سفرِ شام را تهیه دیدند و ازراهِ موصل به طرفِ شام حرکت کردند.

''ابنِ زیاد زجر بن قیس، محض بن ابی ثعلبه، شمر بن ذی الجوشن رامامور کرد که باپنج هزار سوار اسراء وسرهارا به شام بردند. روزِ اوّلِ ماهِ صفر بود که اسراء واردِ شام شدند(مقتل الحسینؑ، ص ۲۲۸، ارشادِمفید، حبیب السّیر، ص ۲۰۳، ج ۲، دمعة الساکبه، ص ۲۶۹، حجة السعادة فی صحّه الشهاده، ص ۵۷.

۱۔ کنارشطّ فرات

شمر، رئیسِ قافله بود، امام سجاد رابه غل و زنجیر به شتر بستند، و کودکان رابا خفت و خواری، روی کجاوه های بی روپوش زنان نشانده و سرهای بریده را بر نیزه ها کرده حرکت نمودند. چون مقداری راه رفتند، کنار شطّ فرات منزل کردند، وسرهارا پای دیوار خرابه ای گذاشتند و نشستند به قمار و لهو و لعب و شرب خمر، در این بین دیدند دستی از بالای سر مبارک سید الشهداء ظاهر شد و باقلم خونین بر دیوار نوشت:

أ ترجوأ امة قتلت حسیناً | شفاعة جدّه یوم الحساب

آنها برخاستند آن دست را بگیرند، کسی رانیافتند، باز نشستند مشغول قمار شدند، آن دست ظاهر شد و این شعر به رنگ خون نوشت:

فلا واللّٰه لیس لهم شفیع | وهم یوم القیامة فی العذاب

دویدند دست را بگیرند که ناپدید شد، باز به عیش خود مشغول شدند که این ابیات از هاتفی شنیدند:

ما ذا تقولون اذ قال النّبی لکم | ما ذا فعلتم و انتم آخر الأمم

بعترتی و بأهلی عند مفتقد ی | منهم اُساری و منهم ضُرجوابدم

۲_تکریت

منزل دوم تکریت بود، در نزدیکی این منزل چند نفر را فرستادند به شهر که خبر دهند تا از آنها استقبال کنند. اهل شهر تکریت به استقبال اسرای کربلا آمدند، وجمعی از نصاررادر آن شهر بودند گفتند: چه خبر است؟ اینهاچه کسانی هستند؟ گفتند: سر حسین را با اسرای اومی آورند، پرسیدند: کدام حسین ؟گفتند: پسر فاطمهٔ دختر زادئه پیغمبرصلّی الله علیه وآله وسلّم" آخر الزمان، نصارا گفتند: اف برروی شما مردم باد که پسرپیغمبرصلّی الله علیه وآله وسلّم را کشتید، و بر گشتند به کنایس خود و ناقوس زدند، وه به گریه پرداختند و عرض کردند: مااز این عمل بی زاریم و آنها را سرزنش کردند.

۳_ وادئ نخله

از تکریت کوچ کرده به وادی نخله رسیدند، آنجا صدای ضجه و نوحه بسیاری شنیدند که اصحابش رانمی دیدند.

و یکی می گفت:

مسح النّبیّ جبینه وله بریق فی الخدود
ابواه من علیا قریش و جدّه خیر الجدود

و دیگری می گفت:

الا یا عین جودی فوق جدی	فمن یبکی علی الشهداء بعدی
علی رهط تقودهم المنایا	الی متجبر فی ملک عبد

۴_مرشاد

از وادی نخله به مرشاد رسیدند، زنان و مردان آن شهر به استقبال آمدند و بادیدن این قافله،صدای ضجه و نالهٔ آنها بلندشد، وه بیم آن رفت که بر قتله حمله کنند.

۵_حران

قافلهٔ اسرابه نزدیکی حران رسید، دربالای بلندی منزل یک یهودی بود به نام یحییٰ خزائی، به استقبال ایشان آمد و تماشای سرها رامی کرد که چشمش به سر مبارک سید الشهداء افتاد، دید لبهای مبارکش می جنبید، پیش رفته گوش فراداشت، این کلام شنید:

''وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ''.

یحییٰ از مشاهدئه این حال به شگفتی فرورفته پرسید: این سر کیست؟ گفتند: سرِحسینؑ بن علیؑ! پرسید: مادرش کیست؟ گفتند: فاطمهؑ دختر رسولِ خدا (صلّی الله علیه وآله وسلّم)، یهودی گفت: اگر دین او بر حق نبود، این کرامت از او ظاهر نمی شد. یحییٰ اسلام آورد، وعمامه دق مصری که درسرداشت، از سرِ خود برداشت و قطعه قطعه کرد به خواتین حرم محترم داد، و جامه خزی که پوشیده بود به جهت امام زین العابدین (علیه السلام)فرستاد، و باهزار درهم که صرف ما یحتاج نمایند، آنها که موکلِ سرها بودند، براوبانگ زدند که مغضوبین خلیفه را اعانت و حمایت می کنی؟ دورشوو گرنه تو را خواهیم کشت. یحییٰ با شمشیر از خود دفاع کرد، جنگ در گرفت و پنج تن از آنها را کشت و کشته شد، مقبرئه یحییٰ در دروازئه حران معروف است به مقبرئه یحییٰ شهید و محل استجابت دعا است.

٦۔ نصیبین

چون قافله به نصیبین رسیدند، شمر یک نفر را فرستاد تا امیر شهر را خبر کنند و شهر رازینت کرده مهیای پذیرائی اسرای آل عصمت نمایند، امیر آن شهر نامش منصور بن الیاس بود، به استقبال قافله رفتند. چون لشکر کوفه و شام وارد شهر شدند، ناگهان برقی بجست و نیمهٔ شهر را بسوخت، و کلیهٔ مردمی که در آن قسمت برق زده بودند، سوختند. امیر قافله، شرمگین و بیمناک از غضب خدا شده، بیدرنگ حرکت کردند.

٧۔ حوزہ فرمانداری سلیمان یا موصل

قافلهٔ اسرا ره به شهر دیگری که نامش برما معلوم نیست بردند، رئیس این شهر سلیمان بن یوسف بود که او دو برادر داشت، یکی در جنگ صفین به دست امیر المؤمنین (علیه السلام) کشته شده بود، و دیگری شریک حکومت این شهر بود. یک دروازه متعلق به سلیمان و دروازئه دیگر متعلق به برادرش. سلیمان دستور داد سرهای بریده را از دروازئه فرمانفرمائی او وارد کنند، همین امر سبب نزاع دو برادر شد و جنگ درگرفت و سلیمان در آن جنگ کشته شد، وفتنه و غوغای عجیبی رُخ داد که موجب توحّش شمر و رفقایش گردید، بازشتابان از آن شهر هم بیرون رفتند.

٨۔ حلب

در نزدیکی حلب کوهی است، و دردامنهٔ کوه قریه ای بود که جمعیت آن یهودی بودند، و در

(قلعه) حصاری محکم زندگی می کردندو شغل آنها حریر بافی بود، و مصنوع آنها و لباس آنها در حجاز و عراق و شام به لطافت شهرت داشت. دردامن کوه کوتوالی بود که نامش عزیز بن هارون و رئیس یهود بود، قافله را در دامن کوه که آب و علف فراوان داشت، فرود آوردند. چون شب در آمد، کنیزکی که نامش شیرین بود نزدیک اسرا آمد و یکی از خانمهای اسیر را شناخت که در سابق خدمتگزار او بود. برخی نوشته اند: شهر بانو ولی اشتباه است، و شاید رباب بوده باشد.

کنیز که چشمش بر خانم افتاد و لباسهای مندرس و کهنهٔ او رادید شروع به گریستن کرده، سبب گریهٔ او را پرسیدند، گفت: فراموش نمی کنم روزی که حضرت امام حسین (علیه السلام) در صورت شیرین نگریست و به طور مطایبه به شهر بانو فرمود: شیرین عجب روی افروخته ای دارد، شهر بانو به گمان آنکه امام در شیرین میلی کرده عرض کرد: یابن رسول الله! من او رابه تو بخشیدم، امام فرمود: من در راه خدا او را آزاد کردم.شهر بانو خلعت بسیار نفیسی به کنیزک پوشانید و او رامرخّص کرد. امام حسین (علیه السلام) فرمودند: تو کنیزان بسیار آزاد کردی و هیچ یک را خلعت ندادی، عرض کرد: آنها آزاد کردئه من بودند، واین آزاد کردئه شمااست، باید فرقی بین آزاد کردئه من وه آزاد کردئه شما باشد. امام (علیه السلام) شهر بانو را دعا فرمود و شیرین هم در خدمت شهر بانو بود تا هنگام رحلت.وآن شب که به لباسهای کهنه خانمهای اسیر را دیده، پریشان خاطر شد، اجازه گرفت داخل ده شد تا آنچه اندوخته بود لباس خوب تهیه کند برای خانمهای بیاورد. چون به حصار رسید، دربسته بود، دق الباب کرد، عزیز رئیس قبیله پرسید: آیا شیرین هستی؟ گفت: آری، پرسید: نام مرا از کجا دانستی؟ عزیز گفت: من در خواب موسیٰ و هارون را دیدم، سروپای برهنه بادیده های گریان مصیبت زده بودند، سلام کردم پرسیدم: شماراچه شده چنین پریشان هستید؟ گفتند: حسینٌ پسرِ دخترِ پیغمبرٌ را کشته اند وسرِ او را بااهل بیتش به شام می برند، و امشب در دامن کوه منزل کرده اند.

عزیز گفت: پرسیدم از موسی مگر شما به حضرت محمد (صلی الله علیه وآله وسلم) وه پیغمبری اش عقیده دارید؟ گفت: آری، او پیغمبر به حق است و خداوند از همهٔ ماها در بارئه او میثاق و پیمان گرفته، و ماهمه به او ایمان داریم، و هر کس از او اعراض کند، ما از او بیزاریم. من گفتم: نشانی به من بنماکه یقین کنم فرمود: اکنون بروپشت در قلعه، کنیزکی به نام شیرین وارد می شود، او آزاد کردئه حسین (علیه السلام) است، از او پذیرائی کن و به اتفاق او نزد بگفت و از نظر ما غایب شد، آمدم پشت در که تو درزدی.

شیرین لباس و خوراک و عطریات برداشت و عزیزهم هزار درهم به موکلان داد که مانع

پذیرائی شیرین نشونند تا خدمتی به اهل بیت نمایند. عزیز، خود ده هزار دینار خدمت سید الساجدینؑ بردو به دست آن حضرت به شرف اسلام مشرف گردید، و از آنجا به پیشگاه سرمقدس حضرت سید الشهداء (علیه السلام) آمد و گفت:السلام علیک یابن رسول الله، گواهی می دهم که جدّ تو رسول خدا و خاتم پیغمبران بود، و حضرت موسیٰ و هارون به شماسلام رسانیده اند.

سر مقدس حضرت حسین (علیه السلام) باکمال صراحت لهجه آواز داد که: سلام خدا بر ایشان باد. عزیز عرض کرد: ای آقای بزرگ شهیدا می خواهم مرا شفاعت کنی، و نزد جدت رسولِ خدا از من راضی باشی. پاسخ شنید که: چون مسلمان شدی خداو رسول از تو خشنود شدند، و چون در حق اهل بیت من نیکی کردی، جد و پدر و مادرم از تو راضی گردیدند، و چون سلام آن دو پیغمبررابه ما رسانیدی من از تو خشنود شدم. آنگاه حضرت سیدالساجدین (علیه السلام) عقد شیرین رابه عزیز بست و تمام اهل قلعه مسلمان شدند.

۹۔دیرِنصرانی

قافله از آنجا حرکت کرد و به طرف دیرپیش رفت، ابو سعید شامی با فرماندهان قافله رفیق بود، او روایت کرد که: روزی در سفر شام به دیر رسیدند، قافله درمیان بیابان فرود آمد، نصارا مطلع شدند، و ضمناً خبری که به شمر دادند که نصر حزامی لشکری فراهم کرده می خواهد نصف شب برآنها شبیخون زند و سرهای بریده را بگیرد، درمیان رئوسای لشکر اضطرابی عظیم رخ داد، وپس از تبادل افکار قرار شد شب رادر دیر پناه ببرند.

شمر و یارانش آمدند نزدیک دیر، کشیش بزرگ آمد بر فراز دیوار گفت: چه می خواهید؟ شمر گفت: ما از لشکر ابن زیادیم، و از عراق به شام می رویم، کشیش پرسید: برای چه کار می روید؟ شمر گفت: شخصی بر یزید خروج کرده بود، یزید لشکری جرار بر او تاخت و او راکشتند و سرهای او و اصحابش را با اسرای حرمش به نزد یزید می بریم، کشیش گفت: سرهارا ببینم، نیزه دارها سرها را نزدیک دیوار بلند کردند، چشم کشیش بر سر مبارک سید الشهداء (علیه السلام)افتاد، دید نوری از آن ساطع است و روشنی مخصوصی از آن لامع است. از پرتو انوار آن هیبتی بر دلِ کشیش افتاد گفت: این دیر کفایت شما را نمی کند، سرهاو اسیران را داخل دیر نمائید، و خودتان پشت دیوار بمانید و کشیک بکشید که مبادا دشمنی بر شما حمله کند، و اگر حمله کردند بتوانیدبا فراغت دفاع کنید و نگران اسراو سرها نباشید. شمر این نظریه را پسندید، سرها را در صندوق نهاده قفل کردند، و سر حسین را در صندوق مخصوصی با اسرا و علیل بیمار

داخل دیر کردند و خود بیرون زیستند.

کشیش بزرگ، اسراء را در محل مناسبی جاداد، و سرها را در اطاق مخصوص نهاد و شبانه که به آن سرکشی می کرد، دید نوری از سر مبارک سید الشهداء پرتوافکن است و به آسمان بالا می رود، ناگهان دیدتختی از نور فرود آمد و سقف اطاق شکافته شد و یک خانم مجلّله ای دروسط آن تخت نشسته و شخصی فریاد کشید: **طرقوا طرقوا رئووسکم ولا تنظروا**، راه دهید، راه دهید، سر خود را پائین افکنید. گوید: چون خوب نگریستم، حوا مادر آدمیان و هاجر، زن ابراهیم مادر اسماعیل و راحیل، مادر یوسف، و مادر موسیٰ، و آسیه زن فرعون، و مریم دختر عمران مادر عیسیٰ، وزنانِ پیغمبر آخر الزمان همه فرود آمدند و سرها را از صندوق بیرون آورده در بر گرفته، به سینه چسبانیدند و می بوسیدند و می گریستند و زیارت می کردند، و به جای خود می گذاشتند.

ناگاه شنیدم غلغله و شورشی برپاشد که تختی نورانی آمد گفتند: همه چشم برهم نهید که شفیعهٔ محشر می آید. من بر خود لرزیدم و بیهوش شدم، کسی را نمی دیدم، اما می شنیدم در میان غوغا و خروش یکی می گوید: السلام علیک ای مظلوم مادر، ای شهید مادر، ای غریب مادر، ای نوردیدئه من، ای سرور سینهٔ من، مادر به فدایت غم مخور که داد تو را از کشندگان تو خواهم گرفت. پس از آنکه به هوش آمدم کسی را ندیدم.

پیر راهب خود را تطهیر کرده و معطر نمود و داخل اطاق شده قفل صندوق را شکست، سر حسین (علیه السلام) را بیرون آورده با کافور و مشک و زعفران شست، و در کمال احترام او رابه طرف قبله ای که عبادت می کرد، گذارده، و باکمال ادب در مقابل او ایستاد، عرض کرد: ای سرِ سرور اِن عالم! و ای مهتر بهترین اولاد آدم! همین قدر می دانم تو از آن جماعتی که خداوند در تورات و انجیل وصف کرده، ولی به حق خداوندی که تو را این قدر ومنزلت داده که محرمان انجمن قدس ربوبی به زیارت تو می آیند، بامن تکلم کن و به زبان خود بگومن کیستم.

سر مقدس سید الشهداء (علیه السلام) به سخن آمد فرمود:

"اناالمظلوم و انا المغموم و اناالمهموم، اناالمقتول بسیف الجفا، اناالمذبوح من القفا".

پیر راهب گفت: جانم به فدایت، از این روشن تر بیان کن، ای سر! حسب و نسب خود را بگو؟! سر بریده با کمال فصاحت بلند فرمود:

"انا ابن محمد المصطفیٰ، انا ابن علیّ المرتضی، انا ابن فاطمة الزّهراء، انا

الحسین الشهید المظلوم بکربلا ".

پدر روحانی سالخوردئه کلیسا فریاد و فغان بلند کرد و سر را برداشت و بوسید و به صورت خود گذاشت و عرض کرد: صورت از صورت تو برندارم تا بفرمائی که :فردای قیامت شفیع تو خواهم بود.

از سر صدائی شنید که فرمود: به دین اسلام در آی تاتورا شفاعت کنم!! راهب گفت:

"اشهد ان لا إلٰه إلّا اللّٰه و اشهد انّ محمد رسول اللّٰه".

پیر روحانی شاگردان مکتب کلیسا را جمع کرد و داستان و ماجرای خود را از سرشب تاصبح به میان نهاد و گفت: سعادت در این خانواده است، آن هفتاد نفر همه به اسلام گرویدند، و در مصیبت و ارده بر حسین گریستند، و بالباس عزا خدمت امام زین العابدین (علیه السلام) رفتند، ناقوسها را شکستند، زنارها راپیاده کردند وبه دست آن حضرت همه مسلمان شدند و اجازه خواستند که آن قومِ قتال را بکشند و با آنها جنگ کنند. حضرت سجاد (علیه السلام) اجازه نداد، فرمود: خداوند جبار منتقم است و انتقام از آنها خواهد کشید.

۱۰ـ عسقلان

شمر و رفقایش شب در پای دیوار خفتند، و صبح سرها و اسرا را گرفته به طرف عسقلان کوچ کردند. امیر آن شهر یعقوب عسقلانی بود، که در جنگ کربلا حاضر بود و امارت این شهر جائزئه او بود، دستور داد شهر را آئین بستند و اسباب لهو و طرب بیرون شهر فرستاد، و اعیان همکار او در غرفه های مخصوص نشسته سرمست باده و جام و ساغر و ساقی بودند که سرهای بریده را وارد کردند، به هم مبارک باد گفتند.تاجری به نام زریر خزاعی از اتفاق در بازار ایستاده بود، دید مردم به هم مبارک باد می گویند و مسروروشادمانند، گفت: چه خبر است که بازار را آئین بستید؟ گفتند:شخصی در عراق بر یزید خروج کرده بود، ابن زیاد لشکری جرار فرستاد او راکشتند و سرهای او رابااسرایش امروز و ارد این شهر می کنند که به شام برند.

رریر خزاعی پرسید: مسلمان بود یا کافر؟ گفتند: از بزرگان اهل اسلامند، پرسید: سبب خروجش چه بود؟

گفتند: مدعی بود که من فرزند رسول خدا هستم و سزاوار تربه خلافت از یزید می باشم، پرسید: پدر و مادرش که بود؟

گفتند: نامش حسین (علیه السلام)، برادرش حسن (علیه السلام)، مادرش فاطمه، پدرش علی

(علیهما السلام) ، جدش محمد رسولِ خدا (صلی الله علیه وآلہٖ وسلم) زریر چون این سخن بشنید بر خود بلرزید و دنیا در چشمش تیره و تار شد، شتابان آمد تا خود را به اسرارسانید. چون چشمش به علی بن الحسین السجاد (علیه السلام)افتاد، سخت با صدای بلند به گریه افتاد، امام سجاد فرمود: ای مرد! چرا گریه می کنی؟ مگر نمی بینی اهل این سهر همه در شادی هستند! زریر گفت:ای مولای من! من تاجری هستم غریب، امروز به این شهر رسیده ام، کاش قدمهای من خشک شده بود و دیدگان من کور گشته بود و شمارا به این حال نمی دیدم،آنگاه امام فرمود: مثل اینکه بوی محبت ما از تو می آید! عرض کرد: مرا خدمتی فرماکه انجام دهم و به قدر قوئه خود جانفشانی کنم، امام چهارم فرمود: اگر بتوانی برونزدآن که سر پدرم را بر نیزه در دست دارد، او را تطمیع کن که سرهارا از میان اسرا بیرون ببرد، شاید مردم متوجه سرها شده به زنان آل محمدؐ کمتر نظر افکنند.

زریر رفت نزدیک آن نیزه داروپنجاه اشرفی به او داد که سر راپیش پیش قافله ببرد، آن بدکیش پول را گرفته و سر را بیرون برد، زریر باز آمد حضور حضرت سجاد عرض کرد: خدمتی فرما! امام سجاد (علیه السلام) فرمود: اگر لباس و پارچه ای داری بیاور که به این زنان و کودکان برهنه بپوشانم. زریر شتابان رفت، لباس فراوان آورد و برای هر یک لباس مخصوص تقدیم کرد و برای امام (علیه السلام) عمامه آورد، ناگهان صدای غوغائی بلند شد، معلوم شد شمر صدای هلهله و شادی بلند کرده، مردم آن شهر با او همکاری می کنند. زریر نزدیک او رفت آب دهن به صورتش انداخت، گفت: از خدا شرم نمی کنی که سر پسر پیغمبر(صلی الله علیه وآلہٖ وسلم) را به نیزه زدی، و حرم او را اسیر کردی و چنین شادی می کنی؟! سخت او رادشنام داد، شمر گفت: او را بگیرید بکشید، زریر را دستگیر کرده آنقدر او رازدند که بیهوش افتاد، به گمان آنکه مرده از بالین او رفتندتانیمۀ شب زریر به هوش آمد و برخاست خود را به مسجدی که مشهد سلیمان پیغمبر(صلوات الله علیه) است رسانید، و آنجا جماعتی را دید از دوستان آل محمد سرها برهنه کرده به گریه و زاری عزاداری می کنند.

۱۱ـ بعلبک

قافلۀ اسرااز عسقلان به طرف بعلبک پیش می رفتند، چون شمر بنا بر معهود قبل از ورود مردم را آگاه ساخته بود، پیروجوان باساز و نقاره و طبل زنان و شادی کنان به استقبال بیرون آمدند، پرچمها بلند کرده و در سایۀ آن می رقصیدند و به تماشای اسیرانِ خاندانِ رسالت مشغول شدند تاشش فرسخ استقبال کردند.

حضرت ام کلثوم (علیها السلام) چون جمعیت و شادی ایشان را بدین میزان دید، دلش به درد آمد فرمود:

"اباداللّٰه کثرتکم و سلّط علیکم من یقتلکم".

خداوند جمعیت شما را به تفرقه اندازد و کسی را بر شما مسلط کند که همهٔ شما را به قتل برساند.

حضرت سید الساجدین (علیه السلام) بادلی بریان و چشمی گریان این اشعار را انشاد فرمود:

و هو الزمان فلا تفنیٰ عجائبه　　من الکرام وما تهدی مصائبه

فلیت شعری الی کم ذا تجاذبنا　　فنونه و ترا نا لم نجاذ به

یسری بنا فوق اقتا ب بلا وطاء　　وسابق العیس یحمی عنه غاربه

کانّنا من اساری الروم بینهم　　کا نّ ما قاله المختار کاذبه

کفرتم برسو ل اللّٰه و یحکم　　فکنتم مثل من ضلت مذاهبه

"این دنیای غدار کارهای غریب و عجیب او تمام شدنی نیست، مصیبتهائی که برنیاکان وارد می سازد منقضی نخواهد شد، نمی دانم تابه کی بامابه انواع خدعه و مکر اذیت می رساند، ماهم به اقسام مختلف متحمل می شویم و شکیبائی داریم. مارابر روی جهاز شتران برهنه سوار کرده مانند اسیر روم و زنگبار می برند، گویا آنچه پیغمبر (صلی اللّٰه علیه وآلہ وسلم) به همه خبر داده بود همه را فراموش کرده اند. ای امتِ پیغمبرؐ! کافر شدید و مانند کسانی شدید که راهِ حق را از دست داده، در راههای باطل قدم می زنند".

در این موقع نیزه داری که سر مبارک حضرت سید الشهداء (علیه السلام)بر آن نصب بود به پای دیر نصرانی که در بعلبک بود نصب کردند، شنیدند که هاتفی می گوید:

واللّٰه ما جئتکم حتی بصرت به　　بالطف منعفر الخدین منحورا

به خدا قسم نیامدم اینجا مگر دیدم حسینؑ را سر از تن جدا کرده بودند، و تن او را در خاک وخون انداخته بودند.

و حو له فتیة تد می نحو رهم　　مثل المصابیح یغشون الدجی نورا

کان الحسین سراجاً یستضاء به　　اللّٰه یعلم انّی لم اقل زورا

در اطراف آن بدن نازنین جوانان چند دیدم که سر از بدنشان جدا کرده بودند. حسینؑ چراغی بود که از روشنائی او، مردم هدایت می شدند و خدا می داند آنچه می گویم دروغ نگفته ام.

ام کلثومؑ پرسید: این هاتف کیست؟ خدا تو را رحمت کند.

شب شد راهبی که در آن دیر بود، سراز غرفه بیرون کرد، به آن سر نگریست دید نور از بالای آن سر تا آسمان تتق می کشد، سر بلند کرد دید درهای آسمان واشده فرشتگان می آیند، و دسته دسته بر او سلام می کنند! راهب تا صبح نگران این منظره بود، صبح پرسید: این سر از کیست وحسب نسبش چیست؟

گفتند: مادرش فاطمهؑ دخترِ پیغمبرؐ، و پدرش علیؑ مرتضی می باشد. راهب برخود لرزید گفت: **واعجباه من امّة قتلت ابن بنت نبیها و ابن وصیه**. آنگاه به شمر گفت: ساعتی این سر رابه من بده، گفت: باید این سر را نزد یزید ببرم، او وعده کرده ده هزار درهم جایزه بدهد، راهب گفت: من این مبلغ را می دهم و یک ساعت به من بده. راهب سر را گرفت، و به مشک و گلاب شست، و صورت خود را بر روی او گذاشت و گریهٔ بسیاری کرد گفت: یا ابا عبدالله! بسیار برمن ناگوار است که در رکاب تو کشته نشده باشم و تو را بدین حال ببینم، میل داریم فردای قیامت نزد جدت گواهی دهی که به دست شما مسلمان شده ام، آنگاه شهادتین بر زبان جاری کرد.

در این موقع وقت تمام شده بود، سر رابه سردار سپاه داد و گفت: شما را به خدا قسم با او بد رفتاری نکنید، و خود از دیر فرود آمد و در بیابهابه عبادت پرداخت تااز جهان برفت.

امّا شمر چون نزدیک شام رسید، کیسهٔ زر را از ناظر خود گرفت و گشود، و چون باز نمود تمام زرها سفال شده بود، و دریک روی آن نقش بسته بود،"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ"،ودر روی دیگر آن نوشته شده بود، "لا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ".

کوفہ سے شام تک اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا سفر

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا کوفہ میں قیام، یزید سے ابنِ زیاد کے احکام وصول ہونے اوراس کے حکم کی وصولی کہ ان اسیروں کو شام روانہ کیا جائے، کے بعد سفرِ شام کے اسباب کئے گئے اوراسیروں کوموصل کے راستے شام روانہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ابنِ زیاد نے زجر بن قیس، محفر بن ابی ثعلبہ،شمر بن ذی الجوشن کوحکم دیا کہ پانچ ہزارسواروں کے ہمراہ اسیروں اورشہداء کے سروں کو شام لے جائیں۔اس طرح یکم صفرکواسیرانِ اہلِ بیتؑ شام میں وارد ہوئے۔

(یہ بیان کسی حدتک مبالغہ پرمبنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ واقعۂ کربلا کے صرف اُنیس یا بیس دن بعد اسیرانِ اہلِ بیتؑ اور سرہائے شہداء کا کوفہ سے شام تک صحرا کا سفر کر کے شام پہنچنا ممکن معلوم نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ اس عمل کے شروع کرنے یعنی کوفہ سے روانگی سے پہلے ابنِ زیاد نے یزید سے حکم حاصل کیا تھا،اس کے بعدان کی روانگی بہ طرف شام واقع ہوئی تھی،مترجم)۔

(منازلِ سفر اس طرح بیان کی گئی ہیں):

ا۔ کنارِ شطِ فرات

شمر اس قافلہ کا سالار تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق و زنجیر میں پابند اور بچوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اونٹوں پر باندھا گیا، خواتین کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے اور شہداء کے سرہائے بریدہ کو نیزوں پر رکھ کر قافلہ روانہ ہوا۔ کچھ راستہ کے سفر کے بعد ان لوگوں نے شطِ فرات کے کنارے پر اس طرح قیام کیا کہ سرہائے شہداء کو ایک پرانی عمارت کی دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا اور خود سب جوا کھیلنے، عیش و عشرت اور شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ مبارک کے اوپر ظاہر ہوا جس نے ایک خون آلود قلم سے دیوار پر لکھا:

اترجو اُمة قتلت حسیناً ۔۔۔ شفاعة جده یوم الحساب

''جن لوگوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا، کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی توفیق رکھتے ہیں؟''

وہ لوگ اس ہاتھ کو پکڑنے کیلئے اُٹھے لیکن اس کو نہ پکڑ پائے۔ یہ پھر بیٹھ کر جوا کھیلنے لگے۔ وہی ہاتھ پھر ظاہر ہوا اور اس نے خون کے رنگ میں یہ شعر لکھا:

فلا واللہ لیس لهم شفیع ۔۔۔ وهم یوم القیامة فی العذاب

''نہیں! اللہ کی قسم! ان کے لئے کوئی شفاعت نہیں اور وہ قیامت کے دن عذاب میں ہوں گے''۔

وہ لوگ اس ہاتھ کو پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن وہ غائب ہو گیا۔ یہ پھر اسی عیش و عشرت میں مصروف ہوئے تو ہاتف غیبی سے انہوں نے یہ اشعار سنے:

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم ۔۔۔ ماذا فعلتم و انتم آخر الامم
بعترتی و باهلی عند مفتقدی ۔۔۔ منهم اساری و منهم ضرجوا بدم

''تم کیا کہو گے جب نبیؐ تم سے پوچھیں گے، آخری امت ہوتے ہوئے تم نے میرے بعد میری عترت اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا، ان میں سے کچھ قیدی اور کچھ اپنے خون میں نہائے ہوئے ہیں''۔

۲۔ تکریت

دُوسری منزل تکریت تھی۔ اس منزل کے نزدیک پہنچ کر کچھ لوگوں کو اس لئے شہر میں بھیجا گیا کہ وہاں خبر دی جائے تاکہ اُن کا استقبال کریں۔ تکریت کے لوگ کربلا کے اسیروں کے استقبال کیلئے آئے۔ اس شہر میں کافی نصرانی رہتے تھے۔ انہوں

نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ سرِ حسینؑ کو ان کے اسیروں کے ہمراہ لا رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کون حسینؑ؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ''پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؑ کا فرزند''۔

نصاریٰ نے کہا: ''تم لوگوں پر عذاب نازل ہو کہ تم نے فرزندِ پیغمبر کو قتل کر دیا ہے!''

پس یہ لوگ اپنے گرجوں کو واپس ہوئے، ناقوس بجانے لگے، گریہ وزاری کرنے لگے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اس عمل سے بیزار ہیں۔ اُن لوگوں یعنی قاتلوں کو برا بھلا بھی کہنے لگے۔

۳۔ وادیٔ نخلہ

تکریت سے چل کر یہ وادیٔ نخلہ میں پہنچے۔ یہاں انہوں نے بہت زیادہ صدائے گریہ ونوحہ سنی لیکن ایسا کرنے والا کوئی شخص انہیں نظر نہ آیا۔

۴۔ مرشاد

وادیٔ نخلہ سے یہ لوگ 'مرشاد' پہنچے۔ اس شہر کے مرد وزن ان کے استقبال کو آئے لیکن اس قافلہ کو دیکھ کر ان کی گریہ و زاری اور نالہ وفریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ فوجِ یزید کو خطرہ پیدا ہوا کہ لوگ ان قاتلوں پر حملہ کر دیں گے۔

۵۔ حران

اسیروں کا قافلہ حران کے قریب پہنچا۔ اس شہر کے ایک بلند مقام پر ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام یحییٰ خزائی تھا۔ یہ شخص ان کے استقبال کو نکلا۔ سرہائے بریدہ کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر سید الشہداء علیہ السلام کے فرقِ مبارک پر پڑی۔ اُس نے دیکھا کہ آپؑ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ یہ شخص آگے بڑھا اور اپنا کان قریب لے گیا۔ اس طرح اس نے سرِ مبارک سے یہ کلام سنا:

''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنْقَلِبٍ يَنْقَلِبُوْنَ''.

یحییٰ یہ بات دیکھ کر متعجب ہو کر آگے بڑھا اور پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے؟ انہوں نے کہا: ''یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے''۔

اس نے پوچھا: ''اِس کی ماں کون ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؑ''۔

یہودی بولا: ''اگر اُن کا دین برحق نہ ہوتا تو یہ کرامت اس سے ظاہر نہ ہوتی''۔ چنانچہ یحییٰ اسلام لے آیا۔ اپنا مصری

عمامہ جو اس کے سر پر تھا، اس کو پھاڑ کر حرمِ محترم کی خواتین کو اس کے ٹکڑے دیئے۔ ریشمی لباس جو اس نے پہن رکھا تھا، اسے اتار کر امام زین العابدین علیہ السلام کیلئے ایک ہزار درہم کے ساتھ، جو ان کی ضرورت کے وقت کام آسکے، ارسال کیا۔ جو لوگ سرہائے شہداء پر متعین تھے، انہوں نے شور مچایا کہ تو ان لوگوں کی مدد و حمایت کر رہا ہے جن پر خلیفہ غضبناک ہے؟ دور ہو جا ورنہ ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ حران کے دروازہ پر یحیٰی کا مقبرہ یحیٰی شہید کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور استجابتِ دُعا کا مقام ہے۔

۶۔ نصیبین

جب یہ قافلہ نصیبین پہنچا تو شمر نے ایک شخص کو بھیجا کہ امیرِ شہر کو خبر دے کہ وہ شہر کی زینت کر کے اسیرانِ آلِ عصمت مآب کا استقبال کرے۔ اس شہر کا امیر جس کا نام منصور بن الیاس تھا، قافلہ کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔ جب کوفہ و شام کا لشکر شہر میں وارد ہوا تو اچانک ایک بجلی گری جس سے آدھا شہر اور تمام لوگ جو اس کے احاطہ میں آئے، جل گئے۔ امیرِ قافلہ غضبِ خدا سے شرمناک ہوا اور خوفزدہ ہو کر بغیر تاخیر وہاں سے آگے روانہ ہو گیا۔

۷۔ سلیمان نامی شخص کا مقامِ حکومت یا موصل

اسیروں کے قافلہ کو ایک اور شہر میں لے گئے جس کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ اس شہر کا عامل سلیمان بن یوسف تھا جس کے دو بھائی تھے۔ ان میں ایک جنگِ صفین میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا جبکہ دوسرا اس کے ہمراہ اس شہر کی حکومت میں شریک تھا۔ شہر کے ایک دروازہ کا تعلق سلیمان سے اور دوسرے کا اس کے بھائی سے تھا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ سرہائے شہداء کو اس کی حکومت سے متعلق دروازہ سے لایا جائے۔ یہ حکم دونوں بھائیوں میں نزاع کا سبب بن گیا جس سے جنگ ہوئی جس میں سلیمان مارا گیا۔ اس طرح عجیب طرح کا فتنہ و فساد پیدا ہوا جس سے شمر اور اس کے ہمراہی پریشان ہو گئے اور جلدی سے اس شہر سے نکل گئے۔

۸۔ حلب

حلب کے نزدیک ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ایک آبادی تھی جس میں یہودی آباد تھے۔ وہ لوگ ایک قلعہ میں رہتے تھے، ان کا پیشہ ریشمی کپڑا بننا تھا۔ ان کی صنعت اور اس سے بنا ہوا لباس حجاز و عراق و شام میں بہت مشہور تھا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک کوتوال رہتا تھا جس کا نام عزیز بن ہارون تھا۔ وہ وہاں کے یہودیوں کا سردار تھا۔ قافلہ کو پہاڑ کے دامن میں جہاں پانی و سبزہ کی فراوانی تھی، لایا گیا۔ جب رات ہوئی تو ایک کنیز جس کا نام شیریں تھا، اسیروں کے پاس آئی اور اس نے اسیر

خواتین میں سے ایک خاتون کو پہچان لیا جس کی وہ ماضی میں کنیز رہ چکی تھی۔ بعض لوگوں نے اس خاتون کا اسمِ گرامی شہرؓ بانو لکھا ہے لیکن ان کو اس میں شبہ ہوا ہے۔ وہ شاید جنابِ ربابؑ تھیں۔

جب اس کنیز کی نظر اس مخدومہ پر پڑی اور ان کا پھٹا ہوا پرانا لباس دیکھا تو رونے لگی۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں بھولی نہیں ہوں۔ ایک دن امام حسین علیہ السلام نے شیریں کی شکل دیکھ کر بطور مذاح حضرت شہرؓ بانو سے فرمایا کہ شیریں بہت خوبصورت شکل رکھتی ہے۔ جنابِ شہرؓ بانو نے یہ سوچ کر کہ شاید امامؑ شیریں کو پسند فرماتے ہیں، عرض کیا کہ اے فرزندِ رسولؐ خدا! میں اسے آپؑ کو بخشتی ہوں۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں نے اسے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ جنابِ شہرؓ بانو نے ایک بہت نفیس خلعت اس کنیز کو پہنایا اور اُسے آزاد کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے بہت سی کنیزوں کو آزاد کیا ہے لیکن کسی کو ایسی خلعت سے نہیں نوازا۔ جنابِ شہرؓ بانو نے عرض کیا کہ وہ میری آزاد کردہ کنیزیں تھیں جبکہ یہ آپؑ کی آزاد کردہ ہے۔ آپؑ کی اور میری آزاد کردہ کنیزوں میں فرق ہونا بہر حال لازم ہے۔

امام علیہ السلام نے جنابِ شہرؓ بانو کیلئے دعا فرمائی اور شیریں پھر بھی اُن کی وفات تک خدمتِ شہرؓ بانو ہی میں رہی۔

اُس رات کو جب شیریں نے ان مخدرات کو پرانے لباس میں اسیر دیکھا تو بہت پریشان ہوئی۔ ان سے اجازت لے کر آبادی میں واپس آئی تا کہ اپنے جمع کردہ مال سے اچھا لباس حاصل کر کے ان مخدرات کیلئے لیکر آئے۔ جب قلعہ میں پہنچی تو دروازہ بند پایا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو رئیسِ قبیلہ عزیز نے پوچھا کہ کیا تو شیریں ہے؟ شیریں نے جواب دیا: ''میں ہی ہوں لیکن تم نے میرا نام کیسے جانا؟''

عزیز نے کہا: ''میں نے خواب میں حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ کو دیکھا۔ دونوں سر اور پاؤں برہنہ رکھتے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بہت مصیبت زدہ نظر آتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں اور آخر کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسولؐ اکرم کی صاحبزادی کے فرزند حسینؑ کو مار ڈالا گیا ہے، اس کا سر اس کی اہلبیتؑ کے ساتھ شام لے جایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

عزیز کہتا ہے کہ میں حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''ہاں! وہ پیغمبر برحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم سب سے ان کے بارے میں عہد و پیمان لیا تھا، لہٰذا ہم سب ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز جو شخص ان سے انکاری ہے، ہم اس سے بیزار ہیں۔

میں نے کہا: ''مجھے کوئی علامت دکھائیں تا کہ میں یقین کروں''۔

انہوں نے فرمایا: ''ابھی قلعہ کی پشت کی طرف جا۔ وہاں شیریں نامی ایک کنیز ظاہر ہوگی۔ وہ حسین علیہ السلام کی آزاد کردہ ہے۔ اس سے مل، اس کے ہمراہ حسین علیہ السلام کے فرقِ مقدس کے قریب جا کر ان تک ہمارا سلام پہنچا اور دینِ اسلام اختیار کر''۔ یہ کہہ کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں دروازہ کے پیچھے پہنچا تھا کہ تو نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

شیریں نے لباس، خوراک اٹھا لئے۔ عزیز نے بھی ایک ہزار درہم پہرہ داروں کو دیئے تا کہ وہ اہلِ بیتؑ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے شیریں کو مانع نہ ہوں۔ عزیز خود دو ہزار دینار لے کر جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا اور وہاں سے سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر کہنے لگا: ''السلام علیک یابن رسولؐ اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کے جد اللہ کے رسولؐ اور آخری پیغمبرؐ تھے۔ نیز حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے آپؑ پر سلام بھیجا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس سے واضح لہجہ میں آواز آئی کہ ان پر اللہ کی طرف سے سلام ہو۔

عزیز نے عرض کیا: ''اے میرے بزرگ شہید آقا! میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری شفاعت فرمائیں تا کہ آپؑ کے جدِ بزرگوار حضرت رسولِؐ خدا مجھ سے راضی ہوں''۔

جواب میں اس نے سنا: ''جب تو مسلمان ہو گیا تو اللہ اور اس کا رسولؐ تجھ سے خوش ہوئے۔ چونکہ تو نے میرے اہلِ بیتؑ کے ساتھ نیکی کی تو میرے نانا، والد اور والدہ تجھ سے راضی ہو گئے اور چونکہ ان دونوں پیغمبروں کا سلام مجھے پہنچایا تو میں بھی تجھ سے خوش ہوا''۔

اُسی وقت سید الساجدین علیہ السلام نے شیریں کا عزیز کے ساتھ عقد کر دیا اور پھر تمام اہالیانِ قلعہ مسلمان ہو گئے۔

۹۔ دَیرِ نصرانی

قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور 'دَیر' کی طرف پیشقدمی کی۔ ابو سعید شامی قافلہ کے سالاروں کے حکم سے ان کے ہمراہ تھا۔ وہ راوی ہے کہ ایک دن سفرِ شام کے دوران وہ لوگ 'دَیر' میں پہنچے۔ قافلہ بیابان میں قیام پذیر ہوا۔ وہاں کے عیسائیوں نے خبر پا کر ضمناً شمر کو مطلع کیا کہ نصر خزامی نے لشکر جمع کیا ہے اور چاہتا ہے کہ آدھی رات کو ان پر شب خون مار کر سرہائے شہداء کو چھین لے۔ لشکر کے سرداروں میں بہت زیادہ بے چینی پیدا ہوئی اور صلاح و مشورہ کے بعد انہوں نے طے کیا کہ رات کو 'دَیر'

میں پناہ لیں۔

شمراور اس کے ہمراہی 'دیر' کے قریب آئے۔ بزرگ پادری دیوار کے اوپر آیا اور اس نے پوچھا: ''کیا چاہتے ہو؟''

شمر نے جواب دیا: ''ہم ابن زیاد کے لشکر سے تعلق رکھتے ہیں اور عراق سے شام جارہے ہیں''۔

پادری نے پوچھا: ''کس لئے وہاں جارہے ہو؟''

شمر بولا: ''ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ یزید نے ایک لشکرِ جرار سے اس پر چڑھائی کر کے اسے مروا ڈالا۔ اس کا سر اور اس کے انصار کے سر اس کے اہلِ حرم کے اسیروں کے ساتھ یزید کے پاس لے جارہے ہیں''۔

پادری نے کہا: ''میں سروں کو تو دیکھ رہا ہوں''۔

نیزہ برداروں نے سرہائے شہداء کو دیوارِ دَیر کے قریب بلند کیا۔ راہب کی نظر جناب سید الشہداء علیہ السلام کے فرقِ مبارک پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ اس سے ایک نور نکل رہا ہے جس سے ایک خاص قسم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ اس سر کے انوار سے راہب کے دل میں ایک طرح کی ہیبت نے جگہ لی اور وہ بولا: ''یہ دَیر تم لوگوں کیلئے کافی نہیں ہے، لہٰذا سرہائے شہداء اور اسیروں کو دَیر کے اندر داخل کر کے خود دیوار کے باہر رہو اور اپنی حفاظت کا انتظام کرو مبادا کہ تم پر کوئی دشمن حملہ کرے۔ اس طرح اگر حملہ ہوگا تو اطمینان سے اپنا دفاع کر سکو گے، نیز اسیروں اور سرہائے شہداء کی نگرانی کی تمہیں ضرورت نہ ہوگی''۔

شمر نے اس تجویز کو پسند کیا، سرہائے شہداء کو ایک صندوق میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام کے سرِ مبارک کو ایک خاص صندوق میں الگ بند کر کے بیمار سیدِ سجادؑ کو اسیرانِ اہلِ بیتؑ سمیت دَیر میں داخل کر دیا اور خود یہ سب لوگ باہر رہے۔

بزرگ راہب نے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو مناسب مقام پر ٹھہرایا اور سرہائے شہداء کو ایک خاص کمرہ میں رکھ دیا۔ رات کو جب وہ جاگا تو دیکھا کہ سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ اقدس سے نور برآمد ہو رہا ہے اور وہ نور آسمان کی طرف جارہا ہے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک تختِ نورانی نیچے آرہا ہے۔ اس کمرہ کی چھت پھٹ گئی، ایک نورانی بارعب خاتون اس تخت کے درمیان تشریف فرما ہیں اور ایک شخص آواز دے رہا ہے:

''طرقوا طرقوا رؤوسکم ولا تنظروا''۔

یعنی ''راستہ دو، راستہ دو اور اپنے سروں کو جھکا لو''۔

راہب بیان کرتا ہے کہ میں نے اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ تخت پر جنابِ حوا، مادرِ اوّلِ انسان، حضرات ہاجرہ زوجۂ حضرت ابراہیمؑ و والدۂ جنابِ اسماعیلؑ، جنابِ راحیل والدۂ حضرت یوسفؑ، والدۂ جنابِ موسیٰؑ، جنابِ آسیہ زوجۂ فرعون، جنابِ مریمؑ بنتِ عمران والدۂ حضرت عیسیٰؑ، جنابِ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جملہ ازواجِ مطہرات تخت سے اتریں، سرہائے شہداء کو انہوں نے صندوق سے باہر نکالا، انہیں اٹھا کر سینوں سے لگالیا۔ یہ مخدرات ان سرہائے اقدس کے بوسے لیتی تھیں، گریہ فرماتی تھیں، ان کی زیارت کرتی تھیں اور ان کو ان کی جگہ پر رکھ دیتی تھیں۔

اچانک میں نے سنا کہ بہت شور وغل بلند ہوا کہ ایک نورانی تخت آرہا ہے، لہٰذا سب آنکھیں بند کرلیں کیونکہ شفیعۂ محشر تشریف لارہی ہیں۔ مجھ پر لرزہ طاری ہوا، بے ہوش ہوگیا، کسی کو دیکھا تو نہیں مگر میں نے سنا کہ شور وغوغا و گریہ کے درمیان کوئی کہتا ہے: "اے مظلوم، اے شہید، اے غریب، اے میری آنکھوں کے نور، اے میرے سرورِ جگر، ماں تجھ پر قربان، میرا اسلام ہو تجھ پر! تیری ماں تجھ پر قربان! غم نہ کر کہ میں تجھے قتل کرنے والوں سے تیرا انتقام لوں گی"۔ راہب کہتا ہے کہ میں جب ہوش میں آیا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ بوڑھے راہب نے اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ و معطر کیا اور اس کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے صندوق کا قفل توڑ کر فرقِ اقدسِ امام حسین علیہ السلام کو باہر نکال کر کافور و مشک و زعفران سے دھویا۔ نہایت احترام سے اسے قبلہ کی طرف یعنی جس طرف وہ عبادت کرتا تھا، رکھا، نہایت ادب کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا: "اے سردارِ کائنات کے سر، اولادِ آدمؑ کے بہترین فرد! میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ تو اس جماعت سے ہے جس کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائے ہیں اور تجھے اسی حق کا واسطہ دیتا ہوں جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے تجھے اسقدر شرف و منزلت سے سرفراز فرمایا ہے کہ خدائے قدوس کی پاک ترین ہستیاں تیری زیارت کو آرہی ہیں، مجھ سے کلام کر اور خود اپنی زبان سے مطلع فرما کہ تو کون ہستی ہے؟"

سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مقدس گویا ہوا اور فرمایا:

'انا المظلوم و انا المغموم و انا المهموم، انا المقتول بسيف الجفا، ان المذبوح من القفا'.

یعنی "میں مظلوم ہوں، مغموم ہوں، مہموم ہوں، شمشیرِ ظلم کا مقتول ہوں اور مجھے پسِ گردن سے ذبح کیا گیا"۔

بوڑھے راہب نے کہا: "میری جان آپ پر قربان، اس سے زیادہ وضاحت فرمائیں، اے سر! اپنا حسب ونسب بیان

فرما''۔ بریدہ سر نے کمالِ فصاحت کے ساتھ بلند آواز سے فرمایا:

''اَنَاابْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی ،اَنَاابْنُ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰی ،اَنَاابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاء،اَنَا الْحُسَيْنِ الشَّهِيْدِالْمَظْلُوْمِ الْكَرْبَلَا''۔

''میں محمدٌ مصطفےٰ کا بیٹا ہوں، میں علیؑ مرتضیٰ کا بیٹا ہوں، میں فاطمہؑ زہرا کا فرزند ہوں، میں حسینؑ ہوں کربلا کا مظلوم شہید''۔

کلیسا کا ضعیف روحانی باپ یہ سن کر بلند آواز سے نالہ وفریاد کرنے لگا۔ سر کو بوسہ دیا، اس پر اپنا منہ رکھ کر عرض کرنے لگا کہ ''میں اپنا منہ نہ اٹھاؤں گا جب تک آپؑ یہ نہ فرمائیں کہ قیامت کے دن آپؑ میری شفاعت فرمائیں گے''۔

اس کو سر سے آواز سنائی دی کہ فرماتے ہیں: ''پہلے دینِ اسلام اختیار کرتا کہ میں تیری شفاعت کروں''۔

راہب نے کہا: ''اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰه''

یعنی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں''۔

اس کے بعد اس کلیسا کے مکتب کے شاگردوں کو ان کے اس روحانی استاد نے جمع کیا، رات سے صبح تک کا اپنا واقعہ سنایا اور ان سے کہا کہ سعادت صرف اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ستر (۷۰) افراد تھے۔ سب نے اسلام قبول کر لیا، سید الشہداء علیہ السلام پر وارد شدہ مصیبت پر روتے ہوئے لباسِ عزاداری پہن کر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے ناقوس توڑ ڈالے، زُنّار اتار پھینکے، سب کے سب نے حضرتؑ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور اجازت چاہی کہ اس قاتل قوم کے افراد سے جنگ کر کے انہیں قتل کریں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ خدائے جبار منتقم ہے۔ وہ خود ان سے انتقام لے گا۔

۱۰۔ عسقلان

شمر اور اس کے ساتھی دیوار کے نیچے شب باش رہے اور صبح کو سرہائے شہداء لے کر عسقلان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس شہر کا عامل یعقوب عسقلانی تھا جو کربلا کی جنگ میں شریک تھا۔ اس شہر کی حکومت اس کے پاس تھی۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کی آرائش کی جائے اور عیش وعشرت کا سامان اس نے شہر کے باہر (شمر کی فوج کے لئے) روانہ کیا۔ اس کے امراء مخصوص دریچوں میں بیٹھے جام وشراب وساقی وساغر اور عیاشی میں مصروف تھے کہ سرہائے بریدۂ شہداء وارد ہوئے جس پر وہ لوگ ایک دوسرے کو

مبارک باد کہنے لگے۔

اتفاق سے ’زریرخزاعی‘ نام کا ایک تاجر بازار میں کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور مسرور وشادمان ہیں۔ اس نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے کہ بازار آراستہ کئے گئے ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ابنِ زیاد نے ایک لشکرِ جرار بھیج کر اس کو مار ڈالا۔ اس کا سر اور اس کے ساتھیوں کے سر آج شہر میں لائے جارہے ہیں کہ انہیں شام لے جایا جائے۔

زریرخزاعی نے پوچھا: ’’وہ مسلمان تھا یا کافر؟‘‘

جواب ملا: ’’مسلمانوں کے بزرگوں سے تھا‘‘۔

زریر: ’’اس کے خروج کا سبب کیا تھا؟‘‘

جواب: ’’وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں رسولِؐ خدا کا فرزند ہوں اور یزید سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں‘‘۔

زریر: ’’اس کے ماں اور باپ کون تھے؟‘‘

جواب: ’’اس کا نام حسین علیہ السلام، اس کے بھائی کا نام حسن علیہ السلام، والدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، والد حضرت علیؑ اور اس کے جد حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں‘‘۔

زریر نے جب یہ سنا تو اس پر لرزہ طاری ہوگیا، دُنیا اُس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی، تیزی سے آگے بڑھا کہ اسیروں تک پہنچ سکے۔ جب اُس کی نظر حضرت علی ابن الحسین سید الساجدین علیہ السلام پر پڑی تو بلند آواز سے اُس نے رونا شروع کیا۔ جناب سید الساجدینؑ نے پوچھا کہ اے شخص! تو کیوں روتا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس شہر کے سب لوگ خوشیاں منارہے ہیں؟

زریر: ’’اے میرے مولا! میں باہر سے آیا ہوں، ایک تاجر ہوں۔ آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔ کاش میرے قدم خشک ہوجاتے، آنکھیں نابینا ہوجاتیں اور آپؑ کو اس حالت میں نہ دیکھتا‘‘۔

امامؑ: ’’ہمیں تجھ سے اپنی محبت کی خوشبو آتی ہے‘‘۔

زریر: ’’کوئی خدمت فرمائیں جسے میں انجام دے سکوں اور اپنی بساط کے مطابق جاں فشانی کرسکوں‘‘۔

امامِ چہارم نے فرمایا: ’’اگر تجھ سے ممکن ہو تو اس شخص کے پاس جا جس کے ہاتھ میں میرے باباؑ کے سر والا نیزہ ہے، اس کو کوئی لالچ دے کہ سرہائے شہداء کو اسیرانِ اہلِ بیتؑ سے دُور لے جائے۔ اس طرح شاید لوگ سروں کی طرف متوجہ ہوجائیں

اور آلِ رسولؐ خدا کی خواتین کو کم دیکھ پائیں''۔

زریر اس نیزہ بردار کے پاس گیا اور اسے پچاس اشرفیاں دیں کہ سرِ اقدس کو قافلہ کے آگے آگے لے کر چلے۔ اس گمراہ نے اشرفیاں لے لیں اور سرِ اقدس کو آگے لے گیا۔ زریر سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کوئی اور حکم فرمائیں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس کوئی لباس یا چادریں ہوں تو لے آ تا کہ ان خواتینِ سر برہنہ اور بچوں کو پہنا دوں۔

زریر جلدی جلدی گیا، کافی لباس لے کر واپس آیا، ہر اسیر کیلئے الگ الگ کپڑے لایا، امام علیہ السلام کیلئے عمامہ فراہم کیا۔ اچانک اس نے شور و غوغا بلند ہوتے سنا۔ معلوم ہوا کہ شمر خوشی و انبساط کا شور بلند کر رہا ہے اور شہر کے لوگ اس کے ہمراہ اس کے ہم نوا ہیں۔ زریر اُس کے قریب گیا، اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا کہ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ فرزندِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیزہ پر چڑھا رکھا ہے، اُن کے اہلِ حرم کو قیدی بنایا ہوا ہے اور اس قدر خوشی منا رہا ہے؟ پھر اسے بہت گالیاں دیں۔ شمر نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر مار ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے زریر کو پکڑ کر اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور وہ لوگ اسے مردہ جان کر چھوڑ گئے۔ نصف شب کے قریب زریر کو ہوش آیا، اٹھا اور اپنے آپ کو کسی طرح اس مسجد تک پہنچایا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر کا مدفن ہے۔ وہاں اس نے دوستانِ آلِ محمدؐ کی ایک جماعت کو دیکھا جو سر برہنہ گریہ وزاری و عزاداری میں مصروف تھے۔

۱۱۔ بعلبک

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا قافلہ عسقلان سے بعلبک کی جانب روانہ ہوا۔ شمر نے اپنے دستور کے مطابق وہاں پہنچنے سے پہلے لوگوں کو مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ بوڑھے و جوان طبل و نقارے لیکر عورتوں سمیت خوشی مناتے ہوئے اس کے استقبال کی خاطر شہر سے باہر آئے۔ انہوں نے پرچم اٹھا رکھے تھے جن کے سایہ میں ناچتے تھے اور خاندانِ رسالتؐ کے اسیروں کے تماشے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اسی طرح چھ فرسخ تک ان کا استقبال کیا۔

حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے جب اس اژدہام اور ان کے خوشی منانے کے اس معیار کو دیکھا تو آپ کے دل سے درد اٹھا اور فرمایا:

''اباد اللہ کثرتکم و سلط علیکم من یقتلکم''۔

یعنی ''اللہ تعالیٰ تمہاری جمعیت کو متفرق فرمائے اور کسی ایسے شخص کو تم پر مسلط کرے جو تم سب کو قتل کر ڈالے''۔

حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے شکستہ دل اور چشمہائے گریاں کے ساتھ یہ اشعار ارشاد فرمائے:

و ھوالزمان فلا تفنیٰ عجائبہ ۔۔۔ من الکرام وما تھدی مصائبہ

فلیت شعری الی کم ذا تجاذبنا ۔۔۔ فنونہ و ترا نالم نجاذبہ

یسری بنا فوق اقتاب بلاوطاء ۔۔۔ وسابق العیس یحمی عنہ غاربہ

کانّنا من اساری الروم بینھم ۔۔۔ کانّ ما قالہ المختار کاذبہ

کفرتم برسول اللّٰہ و یحکم ۔۔۔ فکنتم مثل من ضلت مذاھبہ

اے دنیائے غدار! تیرے عجیب وغریب کام ختم نہ ہوں گے۔ جو مصائب نیک لوگوں پر تجھ سے وارد ہوتے ہیں، کبھی تمام نہ ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کب تک مکروفریب کی طرح طرح کی اذیتیں ہم پر آتی رہیں گی۔ ہم بھی ان سب مختلف النوع حالات کے متحمل ہو چکے اور صبر کرتے ہیں۔ ہمیں بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے روم وزنجبار کے قیدیوں کی طرح لے جا رہے ہیں گویا (ہمارے بارے میں) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا، وہ سب کچھ بھول چکے ہیں۔ اے اُمتِ رسولؐ! تم کافر ہو گئے اور ان لوگوں کی مانند ہو گئے ہو جو حق سے دستبردار ہو کر باطل کی راہ پر چل رہے ہوں۔

اس وقت انہوں نے اس نیزہ کو جس پر سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مبارک نصب تھا، بعلبکّ کے نصرانی راہب کے 'دَیر' کے نیچے گاڑ دیا۔ انہوں نے سنا کہ ہاتف کہتا ہے:

واللّٰہ ما جئتکم حتی بصرت بہ ۔۔۔ بالطف منعفر الخدین منحورا

یعنی "خدا کی قسم! میں یہاں نہیں آیا مگر میں نے دیکھا کہ انہوں نے حسینؑ کا سر جسم سے جدا کر دیا تھا اور ان کے جسم کو خاک وخون میں پڑا چھوڑ دیا تھا"۔

و حولہ فتیۃ تدمی نحورھم ۔۔۔ مثل المصابیح یغشون الدجی نورا

کان الحسین سراجاً یستضاء بہ ۔۔۔ اللّٰہ یعلم انّی لم اقل زورا

یعنی "اس جسمِ نازنین کے ہر طرف میں نے چند جوان دیکھے جن کے جسموں سے سر الگ کر لئے گئے تھے۔ حسینؑ ایک چراغ تھا جس کی روشنی سے لوگ ہدایت پاتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، وہ جھوٹ نہیں کہتا"۔

حضرت اُمِ کلثومؑ نے پوچھا یہ ہاتف کون ہے؟ خدا تجھ پر رحمت فرمائے۔

جب رات ہوئی تو اس راہب نے جو اس کلیسا میں رہتا تھا، کھڑکی سے اپنا سر نکالا، اس سرِ اقدس کی طرف دیکھا، اس سر کے اوپر سے ایک نور آسمان تک جاتا نظر آتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے، ان میں سے فرشتے آتے ہیں اور جماعتوں کی صورت میں اس پر سلام کرتے ہیں۔ وہ راہب صبح تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ صبح کو اس نے پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے اور اس کا حسب ونسب کیا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: ''اس کی ماں رسولؐ خدا کی صاحبزادی فاطمہؑ ہیں اور اس کے والد علیؑ مرتضی ہیں۔ راہب پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کہنے لگا:

''واعجباه من امّة قتلت ابن بنت نبيها و ابن وصيه''

''بڑی حیرت ہے اس عجیب قوم پر جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے اور اس کے وصی کے بیٹے کو قتل کر ڈالا''۔

پھر اس نے شمر سے کہا: ''یہ سر ایک گھنٹہ کیلئے مجھے دے دے''۔

شمر نے کہا کہ یہ سر ہمیں یزید کے پاس لے جانا ہے جس کا حکم ہے کہ اس کام کا معاوضہ دس ہزار درہم ہوگا۔

راہب نے کہا کہ میں رقم دیئے دیتا ہوں۔ تو یہ سر ایک گھنٹہ کیلئے مجھے دے دے۔

چنانچہ راہب نے سر حاصل کر لیا، اسے مشک وگلاب سے دھویا، اپنا منہ اس کے اوپر رکھ کر بہت رویا اور کہا: ''یا ابا عبداللہ! مجھ پر یہ بات بہت گراں ہے کہ آپؑ کے زیرِ رکاب قتل نہ ہوا اور آپؑ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ قیامت کے دن اپنے جدِ بزرگوار کے حضور گواہی دیجئے گا کہ میں آپؑ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوا ہوں''۔

پھر اس نے کلمہ شہادتین اپنی زبان پر جاری کیا۔

اسی اثناء میں وقتِ موعود ختم ہو گیا۔ اس نے سرِ اقدس کو سردارِ فوج کے حوالہ کیا اور کہا: ''تمہیں خدا کی قسم ہے اس سر کی بے حرمتی مت کرنا''۔ پھر وہ اپنے دَیر سے نکلا اور بیابان کا عبادت کیلئے رخ کیا حتیٰ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

جہاں تک شمر کا تعلق ہے جب وہ شام کے قریب پہنچا تو اپنے ملازم سے رقم کی تھیلی لی اور اسے کھولا، دیکھا کہ تمام رقم مٹی کے ٹکڑوں میں بدل چکی تھی۔ اس تھیلی کے ایک طرف:

''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ'' اور دُوسری طرف ''لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ''.

لکھا ہوا تھا۔ (تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام، ج ۲، مؤلفہ عمادالدین حسین اصفہانی عمادزادہ، ص ۲۵۸ تا ۲۷۲)۔

یہاں تک اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے سفرِ کوفہ تا شام کے حالات سپردِ قلم کئے گئے۔ سلسلۂ تاریخ کو جاری رکھتے ہوئے اب ہم بازارِ کوفہ کے حالات کی طرح بازارِ دمشق کے حالات مختصراً تحریر کرتے ہیں۔ یہ سب واقعات دربارِ یزید میں پہنچنے سے پہلے کے ہیں اوران تمام حالات میں مخدومۂ کونین جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نہ صرف شریکِ مصائب ہیں بلکہ آپؑ کی کوفہ و دربارِ کوفہ کی اسیرانِ اہلِ بیتؑ سے متعلق سرگزشت میں پوری ذمہ داری شامل ہے جو جنابِ سیدالشہداء علیہ السلام نے بوقتِ رخصتِ آخر آپؑ کے سپرد کی تھی۔ اس ذمہ داری میں واقعۂ کربلا کی تشہیر اور اہلِ بیتؑ عظام بلکہ امامِ وقت کا دفاع بدستور شامل ہے۔

ہم واقعاتِ بازارِ دمشق کی ابتداء جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی کی مرتبہ کتاب ''صحیفۂ کاملہ'' سے کرتے ہیں:

''ابنِ شہر آشوب نے صحابیِ رسولؐ اللہ سہلؓ بن سعد کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ سہلؓ فرماتے ہیں کہ میں ۱۴ ربیع الاوّل ۶۱ھ کو ایک سفر کے دوران دمشق پہنچا۔ دیکھا کہ بازاروں میں آئینہ بندی کی گئی ہے۔ دُکانوں پر رنگارنگ پردے لٹکائے گئے ہیں۔ لوگ لباسِ فاخرہ پہنے جا بجا میلہ لگائے ہوئے ہیں۔ دف، نقارے اور طرح طرح کے باجے بجائے جارہے ہیں۔ سوچا کہ آج یہاں کوئی مقامی تہوار ہوگا۔ بڑھ کر ایک راہگیر سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواسۂ رسولؐ امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے اور آج ان کے فرزند علیؑ بن الحسینؑ کو مع انؑ کی ماں بہنوں اور بیبیوں کے قید کر کے یہاں لایا جارہا ہے، اس لئے حکومت کی جانب سے تمام شہر کو جشن منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے سنا کہ یہ قافلہ باب الساعات سے شہر میں داخل ہوگا۔ پھر پتہ چلا کہ اُدھر ہجوم کی وجہ سے داخلہ مشکل ہے اس لئے اسیرانِ اہلِ بیتؑ بابِ ثوبا سے شہر میں لائے جائیں گے۔ آخر میں خبر ملی کہ زین العابدین علیہ السلام اور اہلِ حرم کو بابِ جیرون سے شہر میں داخل کیا جارہا ہے۔ میں دوڑ کر اس طرف پہنچا۔ اس وقت یزید کے لشکری شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ ایک بیمار، ناتواں، پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، گلے میں خاردار طوق پہنے، ہاتھ میں اونٹ کی مہار لئے گرتا پڑتا چلا آرہا ہے۔ اس کے پیچھے چند بیبیوں کے ناقے ہیں جن کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام بیبیاں سر برہنہ بال بکھرائے ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر سوار ہیں۔ بیمار کے پیچھے ناقہ پر ایک معظمہ سوار ہیں۔ اس ناقہ کے ساتھ ساتھ ایک شخص چل رہا ہے جو نوکِ نیزہ پر ایک سر لئے ہوئے ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حسینؑ مظلوم کا سر ہے اور یہ بیمار نوجوان فرزند علیؑ بن الحسینؑ ہیں جو رسولؐ زادیوں کے ناقوں کی مہار لئے ہوئے ہیں۔ میرا دل تڑپ اُٹھا، آنکھوں میں رسالتمآب کے زمانہ کی تصویریں پھرنے لگیں، سر چکرا گیا، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو

گرنے لگے۔ ہجوم کو ریلتا پیلتا کسی نہ کسی طرح اسیروں کے قریب پہنچا اور اس ہنگامہ میں جو ممکن تھا، خدمت بجالایا، یہاں تک کہ یہ قافلہ مسجدِ جامع کے قریب پہنچ گیا اور یہاں لاکر سب قیدی کھڑے کر دیئے گئے۔ یکا یک ایک بوڑھا علیؑ بن الحسینؑ کے قریب آیا اور کہنے لگا:

''خدا کا شکر ہے کہ تمہارے بزرگ مارے گئے۔ شہروں کو اُن کے مظالم سے نجات ملی۔ فتنہ وفساد کی شاخ قطع ہوگئی اور یزید تم لوگوں پر غالب آیا''۔

امامؑ نے بوڑھے کی بات سُن کر پوچھا: ''اے شیخ! تو نے قرآنِ پاک پڑھا ہے؟''

اُس نے کہا: ''ہاں کیوں نہیں! ضرور پڑھا ہے''۔

فرمایا:

''آیت 'قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى''. (شوریٰ:23)

(کہہ دو اے محمدؐ! میں تم سے رسالت کا اجر سوائے اس کے نہیں مانگتا کہ میرے قریبیوں سے محبت رکھو) ضرور تیری نظر سے گزری ہوگی؟''

''بے شک گزری ہے''، بوڑھے نے جواب دیا۔

امامؑ نے فرمایا: ''تو یقین کرو کہ وہ قرابت دارِ رسولؐ ہم ہی ہیں اور ہماری ہی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے''۔ پھر فرمایا: ''اے شیخ! تو نے آیہ 'وَاٰتِ ذاالقربیٰ حقهٗ (اے محمدؐ! ذوی القربیٰ کو ان کا حق ادا کر دو) بھی یقیناً پڑھی ہوگی''۔

اُس نے کہا: ''ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے''۔

پھر فرمایا: ''اور تو نے یہ آیت پڑھی ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے:

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى'.

''اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو مالِ غنیمت ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسولؐ اور ذوی القربیٰ کو دے دو''۔ (انفال:41)

عرض کی: ''ہاں میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے''۔

علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: ''وہ ذوی القربیٰ بھی ہم ہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ خمس کے حق میں شریک

قرار دیا ہے"۔

اُس کے بعد فرمایا: "کیا تو نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے؟"

شامی نے کہا: "جی ہاں! میں نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے"۔

فرمایا: "وہ اہلِ بیتؑ، جن کی طہارت پر خدائے تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے، ہم ہی ہیں"۔

بوڑھا یہ سن کر رو دیا اور اپنے جسارت آمیز سوال پر نادم ہوا اور عمامہ سر سے پھینک کر آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور بارگاہِ رب العزت میں رو رو کر کہنے لگا: "الٰہی میں دُشمنانِ آلِ محمدؐ سے بیزار ہوں۔ میری توبہ قبول کر"۔

(جب یزید کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے اُس بوڑھے کو گرفتار کر کے اس کے قتل کا حکم دے دیا)۔

ابھی علیؑ بن الحسینؑ اسی مقام پر کھڑے تھے کہ اتنے میں طلحہ کا بیٹا ابراہیم آپؑ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا:

"علیؑ بن الحسین! خدا کا شکر ہے کہ تم مغلوب ہوئے"۔

امامؑ نے فرمایا: "اے طلحہ کے فرزند! اگر اس امر کو جاننا چاہتا ہے کہ کون مغلوب ہوا تو نماز کے وقت اذان و اقامت میں **اشهدانّ محمداًرسول الله** سن کر فیصلہ کرنا کہ محمدؐ کی اولاد مغلوب ہوئی یا دُوسروں کی"۔ (ص۱۲۲،۱۲۳)

اسیرانِ آلِ رسولؐ کے داخلۂ بازارِ دمشق کیلئے ملاحظہ ہو جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی کتاب 'صحیفۃ العابدین' ص۳۶ تا ۳۹۔ وہاں بھی سہل ساعدی ہی کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتبِ مقاتل میں الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔ تمام حوالہ جات ہم بخوفِ طوالت چھوڑ رہے ہیں۔

جناب عماد الدین حسین اصفہانی (عماد زادہ) نے اپنی کتاب "تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام" مطبوعہ ایران میں اہلِ بیتؑ عظام کے اسیروں کے داخلۂ شام کے حالات، دربارِ یزید میں شہادتِ امام حسینؑ کی خبر کی اطلاع، یزید کے اس جرم کو ابنِ زیاد کے سر ڈالنے وغیرہ کے حالات کو مزید وضاحت اور شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم ان کی عبارت انہی کے الفاظ میں درج کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی پیش کریں گے تا کہ جو مظالم ان پاک ہستیوں پر روا رکھے گئے، ان کی تصویر کسی حد تک سامنے آسکے۔ نیز پڑھنے والے افرادِ آلِ رسولؐ کو ان مصائب و آلام میں پیش آنے والے حالات میں ان کے طریقِ کار، صبر و شجاعت، ردِعمل، اعلائے کلمۃ الحق سے بخوبی واقفیت حاصل کر کے دیکھ سکیں کہ یہ حضرات کوئی عام ہستیاں نہ تھیں بلکہ قدم قدم پر انہوں نے ترویج و تبلیغ اسلام کی خاطر ایسا کردارِ مستقل پیش کیا جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں حکومتِ بنی اُمیہ کے خلاف انقلاب

برپا ہوا اور آلِ ابوسفیان وآلِ مروان بالآخر بہت جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئیں۔

جناب عماد زادہ لکھتے ہیں:

شام و اسراء

خبر رسیدن قافلهٔ اسرا به شام رسید، یزید در مجلس خود نشسته بود که زجر بن قیس داخل شد، یزید پرسید: **ویلک ما ورائک و ما عندک؟** چه خبر داری؟ چه آورده ای؟ گفت: **ابشر یا امیر المؤمنین بفتح الله و نصره، ورد علینا الحسین فی ثمانیةعشرمن اهل بیته و ستین رجلاً من شیعة فسرنا الیهم.**

گفت: بشارت باد تو رابه فتح و فیروزی، حسین با ۱۸ نفراز خاندانش و شصت نفر از یارانش به عراق آمدند.

ما به حکم ابنِ زیاد بر سرِ آنها رفتیم و گفتیم: یا سر در بیعتِ خلیفه گذارید یا جنگ کنید: او جنگ را ترجیح داد. از طلوع آفتاب روز دهم محرم تا عصرِ آن روز آنها را احاطه کردیم و شمشیر های ما به فرق آنها جا گرفت تا همه را کشتیم، اجساد آنها را برهنه گذاشتیم و سرهای آنها بر اسرا حاضر است که وارد شام گشته اند.

یزید سر خود رابه زیر انداخت، پس از لحظه ای گفت: اگر من به جای ابن زیاد بودم از کشتم او می گذشتم، خدازشت گرداند روی پسر مرجانه را که کار را بدین جارسانید.

عبد الرحمٰن بن حکم برادر مروان، از اعیان بنی امیه در حضور یزید بود، چون این جریان را شنید گفت:

لهام بجنب الطف ادنیٰ قرابة	من ابن زیاد العبد ذی النسب الوغل
سمیة امسیٰ نسلها عدد الحصیٰ	و بنت رسول الله لیست بذی نسل

این کشته شده در طف، قرابتش به ما بنی امیه یا به تو ای یزید نزدیکتر است از پسر زیاد. پسر غلام حرامزادئه سمیه نسل او بسیار می شود، ولی از پسرِ دخترِ پیغمبرؐ باید کسی نباشد.

یزید گفت: آری خدا لعنت کند پسر مرجانه را که چنین امر مهمی را انجام داد. به خدا قسم اگر حسینؑ نزدِمن می بود، هرچه از من می خواست به او می دادم، و مانع کشته شدن او می شدم و لو آنکه به هلاکت من تمام شود.

در روایتی یزید به عبدالرحمٰن گفت: چنین موقع از این مقوله سخن مگو، و دستور داد شهر شام را زینت دادند و آئین بستند، گوشه ها و محلات و بازار ها و سر گزرها را تا دروازئه ساعات و

بیرون شهر آراستند، زن و مرد و کودک و بزرگ برای تماشا بیرون رفتند، همه لباس فاخر پوشیده مسرور و شادمان در انتظار قافلهٔ اسرا و سرهای بریده بودند، این کار برای اهل شام هم سابقه نداشت.

این کار چند ساعتی به طول انجامید تا اجازئه ورود دادند، مخدرات اهل عصمت را بر شتران برهنه سوار کرده بودند، و حضرتِ سجادؑ را باغل و زنجیر بر شتر برهنه بسته بودند، و شتر او درپیش و زنان از عقب، و سر امام حسین علیه السلام را با سایر سرها بر سر نیزه پیشاپیش می بردند. ام کلثوم فرمود: ای شمر! بگو سرها را از میانِ اسراء بیرون برند (ریاض الشهاده حاجی محمد حسن قزوینی، ص ۳۰۵).

سهل ساعدی از اصحاب رسول خدا صلّی الله علیهِ وآلهِ وسلّم ، بود، او برای بازرگانی به شام رفته بود گفت: روزی دیدم شهر قیافهٔ دیگر به خود گرفته، گفتم: چه خبر است؟ گفتند: چنین واقعه ای رخ داده و امروز اسرای حسین علیه السلام رامی آورند (دمعة الساکبه ص ۳۷۲؛ تذکرئه ابن جوزی ص ۱۵۰ ؛ فصول المهمه ص ۱۷۷ ؛ بحارالانوار مجلسی ص ۲۳۹ ج۱۰ چاپ تبریز).

ورودِ اسراء به شام

روز اوّل ماه صفر بود وارد دمشق شدند (به تصریح کامل بهائی؛آثارالباقیه بیرونی؛مصباح کفعمی ص ۲۶۹ ؛تقویم المحسن فیض ص۱۵) یزید دستور داد آنهارا درباب الساعات بیرون دروازه نگاه دارند، تازن و مرد رقاصهٔ شامی بادف و نی و بوق و کرنا در حالت رقص و سرور برای فتح و فیروزی بیرون آیند. چون شهر را زینت کرده آراستند، اجازئه ورود دادند.

یک مردی آمد نزدیک دختری ا زاسرا که نامش سکینه بود، پرسید:

"مِن ایّ السبایا انتُم؟ قالت: نحنُ سبایا آل محمد صلّی الله علیهِ وآلهِ وسلّم".

(بیٹا! آپ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ہم آلِ محمدؐ ہیں)۔(امالی صدوق ص۱۰۰)۔

یزید مست مغرور در آن منظرئه خاص نشسته، تماشای این قافله را می کرد.

سهل ساعدی از مشاهیر بازرگانان و اصحابِ رسولِ خدا بود، نزدیک علیؑ بن الحسینؑ، علیل وبیمار آمد گفت:اَلَکَ حاجَة؟ آیا حاجتی داری؟ فرمود: به حامل این سرها بگو، سرها رااز بین اسرا بیرون ببرند تا کمتر این بی شرم مردم به زنان آل محمد صلّی الله علیهِ وآلهِ وسلّم بنگرند. سهل رفت، درهم و دیناری فراوان که تا چهار صد دینار نوشته اند، به نیزه داران داد تا سر ها را بیرون بردند، حضرت فرمود: خدا جزای خیرت دهد (مقتل العوالم ص ۱۶۵).

پیر مردی آمد نزدیک حضرت سجاد گفت:

''الحمد لِلّٰه الّذی اهلککم و امکن الامیر منکم''.

شکر خدا را که شماها را هلاک کرد و امیر رابر شما تسلط کرد.

''فقال السجاد علیه السلام : یا شیخ اقراتَ القُرآن؟''

آیا قرآن خوانده ای؟

شیخ با کمال شگفتی گفت: قرآن! قرآن!! آری خوانده ام.

''قال(علیه السلام) اقراتَ (قُلْ لا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی)؟''

خوانده ای که پیغمبرؐ فرمود: اجری از شما نمی خواهم مگر مودت نزدیکان من؟

''قال (علیه السلام) اَقراتَ(وَآتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهُ)، اَقراتَ(وَاَعْلَمُوااَنَّما غَنِمْتُم مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی الْقُرْبٰی)؟

پیر مرد گفت: اینها که گفتی خوانده ام، درباب محمد و اهل بیت او است، حضرت امام زین العابدین علیه السلام فرمود:

''واللّٰه نحن القربٰی فی هٰذه الآیات''.

(خدا کی قسم! جن قرباء کا عنایات میں ذکر ہے وہ ہم ہی ہیں)۔

امام باز فرمود: آیا خوانده ای:

''اِنَّما یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَ کُمْ تَطْهِیراً؟''

شیخ گفت: آری، امام فرمود:

''واللّٰه نحن اهل البیت الّذین خصّهم اللّٰه بالتّطهیر''.

(خدا کی قسم! ہم ہی وہ اہل بیتؑ ہیں جن کو اللہ نے تطہیر سے مخصوص کیا ہے)۔

شیخ گفت: شما را به خدا قسم این طور است؟ شما خاندان اهل بیت رسالت هستید؟

''فقال (علیه السلام)وحق جدنا رسول اللّٰه انّا لنحن هم من غیر شک''.

فرمود: به خدا سوگند، به حق جدم رسولِ خدا که ما اهل بیتِ پیغمبرؐ هستیم، بدون شک.

آنگاه شیخ خود راتوی پاهای آن حضرت انداخت، می بوسید و پوزش خواست و از قاتلین آنها برائت جست. این مناظره، جمعیت را انبوه کرد، سروصدا و رستاخیزی برپا شد، یز... ور

داد، شیخ را کشتند (لهوف ص ۱۰۰ ؛ دمعة الساکبه ص ۳۷۶).

آنگاه علی بن الحسین علیه السلام فرمود: (دمعة الساکبه ص ۳۷۲؛ منتخب طریحی)

اقاد ذلیلاً فی دمشق کاننی	من الزنج عبد غاب عنه نصیر
وجدّی رسول اللّٰه فی کل مشهد	و شیخی امیرالمؤمنین امیر
فیالیت لم ادخل دمشق و لکم یکن	یرانی یزید فی البلاد اسیر

سهل گفت: من از اصحاب جدت رسولِ خدا هستم و از او حدیث شنیدم. و در منتخب طریحی می نویسد: چند جامهٔ قیمتی برای حضرت آورند، فرمود: آنها رابه نیزه داران بدهید که سرها را از میان کجاوه ها بیرون ببرند1۔

ترجمہ: **شام اوراسیرانِ اہلِ بیتؑ**

اسیروں کے پہنچنے کی خبر شام میں پہنچی۔ یزید اپنے دربار میں حاضر تھا کہ زجر بن قیس داخل ہوا۔ یزید نے پوچھا: ویلک ما ورائک و ما عندک؟ تیری خبر کیا ہے اور کیا لے کر آیا ہے؟

اس نے جواب دیا:

'ابشر یا امیر المؤمنین بفتح اللّٰہ و نصرہ، ورد علینا الحسین فی ثمانیة عشر من اهل بیته و ستین رجلاً من شیعة فسرنا الیهم'.

یعنی''آپ کو فتح وکامرانی کی خوش خبری ہو۔ حسینؑ اپنے خاندان کے اٹھارہ اور ساٹھ افرادِ انصار کے ہمراہ عراق آئے''۔

ہم ابنِ زیاد کے حکم سے ان کے سروں پر جا چڑھے، ان سے کہا کہ خلیفہ کی بیعت کیلئے سر تسلیم خم کریں یا جنگ کیلئے تیار ہو

۔1. الحصاصه: از دهات نزدیک قصر ابن هبیره است؛ تکریت شهر معروف بین بغداد و موصل است به فاصلهٔ سی فرسخی بغداد؛ صلب: بیابانی معروف است به وادی صلب؛ وادی نخله: بین صیرین و عسقلان است؛ کحیل: شهری است بزرگ در کنار دجلهبالای طرف غربی تکریت؛ جهینه: از عمال موصل است؛ موصل: شهر معروف بزرگی است؛ تل عقر: قریه نزدیک تکریت است؛ سنجار: شهری است مشهور از نواحی جزیره بینِ موصل به سه روز راه؛ نصیبین: شهری است از بلاد جزیره سر راه موصل به شام در ۹ فرسخی؛ الرقه: هر زمینی که درکنار وادی باشد رقه گویند و این رقه کنار فرات واقع است؛ البشر: قریه ای است نزدیک دمشق؛ حلب: شهر بزرگی است نزدیک شام؛ازدهات حلب است؛قنسرین: دهی نزدیک حلب است؛حمص: بین دمشق وحلب است؛بعلبک: در ۱۲ فرسخی دمشق است.

جائیں۔انہوں نے جنگ کوترجیح دی۔دس محرم کوطلوعِ آفتاب سے لے کرعصرتک ہم نے انہیں محاصرہ میں رکھا۔ہماری تلواریں ان کے سروں پر پڑیں، حتیٰ کہ سب مارے گئے۔ان کے اجساد کوہم نے برہنہ چھوڑ دیا اوران کے سروں کوقیدیوں سمیت لے کر شام میں حاضر ہوگئے ہیں۔

یزید نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا۔ایک لحظہ بعد بولا کہ اگر میں ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو اُس (حسینؑ) کوقتل کرنے سے باز رہتا۔اللہ تعالیٰ ابنِ مرجانہ (لع) کی شکل کو بگاڑ دے جس نے بات یہاں تک پہنچادی۔

مروان کا بھائی عبدالرحمن بن حکم، جو بنی امیہ کے بزرگوں سے تھا،اس وقت یزید کے سامنے حاضر تھا۔جب اس نے یہ بات سنی تو بولا:

لهام بجنب الطف ادنیٰ قرابة   من ابن زیاد العبد ذی النسب الوغل

سمیة امسیٰ نسلها عدد الحصیٰ   و بنت رسول الله لیست بذی نسل

اے یزید طف میں یہ مارا جانے والا قرابت میں بنی امیہ یا تجھ سے زیاد کے بیٹے کی نسبت نزدیک تر ہے۔سمیہ کے حرامزادہ غلام کے بیٹے کی نسل تو بڑھ رہی ہے لیکن تو نے چاہاہے کہ پیغمبرؐ کی صاحبزادی کی نسل سے کوئی نہ رہے۔

یزید بولا: ''ہاں! اللہ مرجانہ کے بیٹے پرلعنت کرے جس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔خدا کی قسم! اگر حسینؑ موجود ہوتے تو مجھ سے جو کچھ مانگتے، میں انہیں دیدیتا، میں ان کے قتل میں مانع ہوتا یہاں تک کہ بات میری ہلاکت پر تمام ہوتی''۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزید نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ ایسے موقع پر اس طرح کی بات مت کر۔پھر حکم دیا کہ شام کے شہر کو زینت دیکر آراستہ کریں، کوچوں، محلوں، بازاروں، دروازۂ ساعات اور شہر کے باہر تک کے تمام راستوں کی آرائش کی جائے، مرد وعورت و بچے و بزرگ سب تماشا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل آئیں، سب لوگ لباسِ فاخرہ پہن کر خوشی و مسرت کے ساتھ قیدیوں کے قافلہ اور کشتگان کے سروں کا انتظار کریں۔اہلِ شام کیلئے پہلے کبھی ایسا اہتمام نہیں ہوا تھا۔

اس کام میں کچھ گھنٹے وقت صرف ہوا۔پھر اس قافلہ کو داخلہ کی اجازت دی گئی۔مخدراتِ عصمت کو برہنہ (بے کجاوہ) اونٹوں پر سوار کیا ہوا تھا، سیدِ سجادؑ کو ایک برہنہ اونٹ پر طوق و زنجیر میں جکڑ کر باندھ رکھا تھا۔ان کا اونٹ سب سے آگے تھا، ان کے پیچھے مخدرات کے اونٹ تھے اور امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک نیزہ پر سب سروں کے آگے تھا۔حضرت امِ کلثومؑ نے فرمایا: ''اے شمر (لع)! ان سے کہہ کہ سروں کو قیدیوں کے درمیان سے آگے لے جائیں''۔

سہل ساعدی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب سے تھے، تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں: "ایک دن میں نے دیکھا کہ شہر کا انداز ہی بدلا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ ایسا واقع ہوا ہے اور آج حسین علیہ السلام کے اسیروں کو لایا جا رہا ہے۔

شام میں اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا ورود

ماہِ صفر کی پہلی تاریخ تھی جب (اسیرانِ اہلِ بیتؑ) دمشق میں وارد ہوئے۔ یزید نے حکم دیا کہ انہیں باب الساعات میں دروازۂ شہر کے بعد اس وقت تک روکے رکھیں جب تک کہ شام کے رقاص مرد اور عورتیں دف، بانسریوں، باجے اور ڈھول لے کر فتح و کامرانی کے پیشِ نظر رقص و سرور کی کیفیت میں باہر آ جائیں۔ جب شہر کو زینت و آرائش کے ساتھ سجا لیا گیا تو (اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو) شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

ایک شخص اسیروں میں ایک بچی کے پاس آیا جس کا نام سکینہؑ تھا اور پوچھنے لگا:

"مِن ایّ السبایا انتُم؟"

" قالت: نحنُ سبایا آل محمد صلّی الله علیهِ و آلهِ وسلّم".

"تم کون سے اسراء ہو؟"

"فرمایا: ہم اسرائے آلِ محمدؐ ہیں"۔

یزید مست و مغرور بنا ہوا ایک خاص جگہ قافلۂ اسراء کے نظارہ کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔ سہلؓ ساعدی ایک مشہور تاجر اور رسولِ خدا کے اصحاب سے تھے۔ وہ بیمار و نڈھال علیؑ بن الحسینؑ کے پاس آئے اور پوچھا:

"اَلَکَ حاجَة؟"

کیا آپؑ کی کوئی حاجت ہے؟

فرمایا کہ یہ لوگ جو سروں کو (نیزوں پر) لے جا رہے ہیں، ان سے کہئے کہ سروں کو اسیروں سے دور لے جائیں تا کہ یہ بے شرم کم سے کم لوگ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ پائیں۔

سہلؓ گئے اور کافی دینار (رقم)، چار سو دینار تک روایت کی گئی ہے، نیزہ داروں کو دیئے تا کہ سروں کو آگے لے جائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ خدا تجھے جزائے خیر دے۔

ایک بوڑھا شخص حضرت سجادؑ کے قریب آیا اور بولا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَهْلَکَکُمْ وَاَمْکَنَ الْاَمِیْرَمِنْکُمْ''.

اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں ہلاک کیا اور امیر کا تم پر تسلط کیا۔

سیدِ سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

''یَاشَیْخ! اَقَرَاتَ الْقُرْآن؟''

کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ نے بڑے تعجب سے کہا: ''قرآن! قرآن!! ہاں میں نے پڑھا ہے۔

امامؑ نے پوچھا:

''اَقَرَاتَ 'قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی''. (شوریٰ:23)

''کیا تو نے پڑھا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: 'میں تم سے کوئی اجرِ رسالت طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میرے نزدیکیوں سے مودت کرنا؟'

اس بوڑھے نے کہا کہ جو کچھ تو نے یہ کہا ہے، میں نے پڑھا ہے۔ یہ تو حضرت محمدؐ اور ان کی آلؑ کے بارے میں ہے!!

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''وَاللّٰهِ نَحْنُ الْقُرْبٰی فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ''.

''خدا کی قسم! ہم ہی وہ قرابت دار ہیں جو اس آیت کے مصداق ہیں''۔

امامؑ نے پھر فرمایا: ''کیا تو نے پڑھا ہے:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا؟''

''یقیناً اللہ نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہل بیتؑ! تمہیں ہر قسم کے رجس سے اس طرح پاک کردے جیسا پاک کرنے کا حق ہے''۔

شیخ بولا: ہاں (میں نے پڑھا ہے)۔

امامؑ نے فرمایا:

''وَاللّٰهِ نَحْنُ اَهْلُ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ خَصَّهُمُ اللّٰهُ بِالتَّطْهِیْرِ''۔

''خدا کی قسم! ہم ہی وہ اہلِ بیتؑ ہیں جن کو اللہ نے اس طہارت کیلئے مخصوص فرمایا ہے''۔

شیخ بولا: ''تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟ کیا تم اہلِ بیتؑ رسالتؐ کا خاندان ہو؟''

حضرتؑ نے فرمایا:

''وَحَقِّ جَدِّنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّا لَنَحْنُ هُمْ مِنْ غَیْرِ شَکٍّ''۔

''ہمارے جد رسولؐ اللہ کے حق کی قسم! ہم بلا شک وہی ہیں''۔

اس پر اُس بوڑھے شخص نے اپنے آپ کو اُن حضرتؑ کے قدموں میں ڈال دیا، انہیں چوما، معافی مانگی اور اُن کے قاتلوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اس مناظرہ میں بہت لوگ جمع ہو گئے، نوحہ و ماتم و قیامت کا سماں بندھ گیا۔ یزید نے حکم دیا کہ اس بوڑھے کو قتل کر دیں۔

اُس وقت حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: ''مجھے دمشق میں ایسی ذلت کے ساتھ لے جایا جا رہا ہے گویا میں ایک زنگی غلام ہوں جس کا مددگار اس سے غائب ہو چکا ہو، حالانکہ میرے جد رسولؐ اللہ اور بزرگ امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ کاش! میں دمشق میں داخل نہ ہوا ہوتا اور یزید مجھے شہروں میں قیدی کے طور پر نہ دیکھتا''۔

سہلؓ نے کہا: ''میں آپ کے جد رسولِؐ خدا کا صحابی ہوں اور ان سے میں نے احادیث سنی ہیں''۔

'منتخب' میں طریحی لکھتا ہے: حضرتؑ کیلئے چند قیمتی کپڑے لائے گئے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ انہیں نیزہ برداروں کو دے دو تا کہ وہ سرہائے شہداء کو اونٹوں کے کجاووں سے دور لے جائیں۔

ان واقعات کے بیان سے یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ شام کے لوگوں کو ہر طرح جنگ کربلا اور وہاں کے شہداء سے حکومتی سطح پر بے خبر رکھا گیا تھا۔ اُن کے خیال میں کسی عام شخص نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی تھی جس کو بزورِ شمشیر کچل کر اس کے اہل وعیال کو مقتولین کے سروں کو نوکِ نیزہ پر سوار کر کے دار الحکومت میں لایا جا رہا تھا جس سے حکومت کا رعب وجلال اور استحکام ظاہر کرنا مقصود تھا۔

فاضل مؤلف نے آرائشِ دار الحکومت کی جو تفصیل تحریر کی ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ لوگ (معاذ اللہ) باغیوں کے حشر سے مطلع ہو کر عبرت حاصل کریں اور کسی کو آئندہ حکومت کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہ ہو۔

اس کے بعد مؤلفِ کتاب اسرائے اہلِ بیتؑ کے دربارِ یزید میں داخلہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں:

مجلسِ یزید (ص ۲۷۹ تا ۲۸۳)

در "روضة الشهداء" می نویسد: در دمشق سرهای بریده را با علیؑ بن الحسینؑ و اسراء نزد یزید بردند.

یزید دستور داد قافله را پشت دروازئه دمشق نگاه دارند، ودار الاماره را بیارایند و ازرجال دولت و امراء و سفراء و کبار و اعیان مردم شام دعوت کنند (دمعة الساکبه، ص ۳۷۶).

چهار صد کرسی زرنگار که معاویه به مشابهٔ قصور سلطنتی رومیان فراهم کرده بود گذاشته و پرده های زنبوری کشیدند تازنان خودش پشت آن پرده ها جا گیرند، سفره های قمار و شراب گستردند، کرسیِ طلایِ خودش را هم مجلل ساخته در محلی که مشرف به همه باشد روی تخت سلطنت نصب کردند، مجلس مزین و مجلل به زیب و زیور، می و می گساری پذیرائی شد.

همهٔ مدعوین در جای خود قرار گرفتند، آنگاه اجازه داد سرهای بریده را پیشاپیش اسراء وارد کردند، و آنها را به یک بند طناب بسته در مقابل تخت یزید مست ومغرورنگاه داشتند.

ای دنیا! اف بر تو و بر بی اعتباری تو، زشت باد روی تبه کاری و غرورومستی، سیاه باد روی ظلم و ستم. یزید فرمان داد سر حسین را درطشت طلائی نهاده پیش او بردند، و در حال مفاخره و مست کیفیت حال را از نمایندگان ابن زیاد، یعنی عمال جنایت، پرسید، شمر وقایع را بیان کرد و گزارش جریان کار عاشورا را تا آن ساعت داد.

یزید چوب خیزرانی که به زربسته و زینت شده بود، در دست داشت بر لب و دندان امام زد و گفت: حسین! چه لب و دندان نیکوئی داشتی؟ حضار مجلس او را منع کردند.

ابو المؤیّد خوارزمی می نویسد: سمرة بن جندب گفت: ای یزید قطع اللّٰه یدیک، خدا دستت را قطع کند، چوب بر جائی می زنی که من مکرر دیدم رسول خدا صلّی الله علیهِ وآلہٖ وسلّم آنجا را می بوسید. یزید مست مغرور گفت: اگر تو از اصحاب پیغمبر نبودی گردنت را می زدم! سمره گفت: یا للعجب طرفه حالی است که تو صحابهٔ پیغمبر را احترام می کنی ولے فرزند او را بدین وضع می کشی! مردم حاضر مجلس یزید از این سخن به گریه افتادند، یزید بیمناک شد مبادا فتنه رخ دهد ساکت ماند.

حضرت علی بن الحسین با او به درشتی پاسخ داد، زینب به مناظره پرداخت، تا کار به جائی رسید که یزید دید حاضرین مجلس او رابه قتل حسین دشنام می دهند و لعن می کنند.

یزید روبه شمر کرد، به همراهانش باکمال خشونت گفت: والله من از طاعت شما بدون قتل حسین راضی بودم، لعنت بر پسر مرجانه که بر چنین امر شنیعی اقدام کرد (کشف الغمه،ص ۱۹۴؛ تاریخ اعثم کوفی،ص ۲۷۲؛ ارشاد مفید؛ تاریخ طبری؛حبیب السیر،ص ۲۰۳، ج ۲؛دمعة الساکبه، ص ۳۷۵).

شیخ طریحی می نویسد: چون اسراء وارد دمشق شدند، قاصد خبر ورود آنها را داد، یزید دستور داد آنها راپشت دروازه نگاه داشتند تا پس از تزیین شهر وارد نمودند، آنگاه زجر بن قیس آمد ،گفت: امیرا البشاره البشاره، پرسید: چه بشارتی؟ گفت: حسین را کشتیم و اسرای آنها را وارد کردیم، آنگاه گزارش کار جنگ را داد.

جریان مجلس یزید با اسراء

ارباب مقاتل نوشته اند: چون یزید اجازه داد اسرای اهلبیت را به مجلس او واردکنند، پس از چوب خیزران و مفاخرنه یزید، یک مرد شامی از خود راضی روبه یزید کرده، گفت: این دختر را (اشاره کرد به فاطمه (حضرت فاطمه از عالمات زنان اهل بیت است، از پدرش و ام سلمه و ام هانی و عمه اش زینب کبریٰ(س) و برادرش زین العابدین روایت کرده: فاطمه از ام اسحق بنت طلحه بود، و روایت است که حسن بن حسن از عمویش حسین خواهش کرد که یکی از دختر انش را به او تزویج فرماید، حسین (ع) فاطمه را انتخاب کردو فرمود: شباهت تام به مادرم فاطمه زهرا(س) دارد، و در کوفه او را خطبه خواندند.) دختر امام حسین علیه السلام که دیدم امام حسین علیه السلام او رابه حوریه و صف فرموده بود) این جاریه را به من ببخش که خادمهٔ من باشد. دختر، کودکی بود خود رابه دامن عمه اش انداخت، گمان کرد ممکن است چنین قضیه ای رخ دهد. حضرت زینب کبریٰ سلام الله علیها فرمود: عمه جان آرام باش، کسی جرأت ندارد چنین کاری کند، آنگاه باکمال شهامت روبه مرد شامی کرد که ایستاده بود، فرمود: ای بی حیا! ساکت باش، خداوند قرار نداده که خاندان پیغمبر را به کنیزی به کسی ببخشند، نه تو و نه امیرت یزید، قادر نیستید چنین کاری بکنید.

یزید در غضب شد گفت: می توانم همه را ببخشم، زینب سلام الله علیها فرمود: به خدا قسم نمی توانی مگر آنکه از دین اسلام و ملت محمدً خارج شوی و به دین و آئین دیگری درآئی.

یزید کظم غیظ کرد گفت: پدرت و برادرت از دین خارج شدند. حضرت زینب سلام اللہ علیها فرمود: ای یزید! تو به دین پدرو برادرم هدایت شدی، جدت به دست آنها اسلام آوردوآزاد شد، تو آزاده شدئه پدرم هستی!

یزید گفت: دروغ می گوئی، زینب سلام الله علیها فرمود: مادروغ نمی گوئیم، اصحاب رسول خدا هستند و فتح مکه را در نظر دارند که ابو سفیان جد تو اسیر شده بود و جدم او را آزاد کرد. توای یزید! امیر ظالم و بی حیائی هستی. یزید ساکت شد، مرد شامی نشست (لهوف سید ابن طاؤس).

درروایت دیگر است که چون شامی پرسید: این دختر کیست؟ گفتند: فاطمه دختر حسین، پرسید: حسین پسر دختر پیغمبر فاطمه زهرا؟ گفتند: آری، گفت: ای یزید! لعنت بر پدرت، پسر دختر پیغمبر را کشتی، و ذریهٔ او را اسیر کردی! من گمان کردم اسیران روم هستند، یزید گفت: این مرد شامی را به آنها ملحق کنید، گردن او را زدند (حضرت زینبِ کبریٰ، ص ۸۲).

یزید(لع) کا دربار

صاحب ''روضۃ الشہداء'' لکھتے ہیں کہ دمشق میں سرہائے بریدۂ شہداء کو قیدیوں سمیت حضرت علی بن الحسینؑ کے ہمراہ یزید کے پاس لے گئے۔ یزید نے حکم دیا کہ اس قافلہ کو دمشق کے پچھلے دروازہ پر روک لیں، پھر دارالامارہ کی آرائش کر کے درباریوں، امیروں، سفیروں اور شام کے بڑے بڑے لوگوں کو دربار میں آنے کی دعوت دیں۔

چار سو سنہری کرسیاں جو معاویہ نے رومی سلطنت کے شاہی محلات سے جمع کی تھیں، رکھی گئیں، نفیس پردے تانے گئے تا کہ اس کی عورتیں ان کے پیچھے بیٹھیں۔ جوئے اور شراب کے لئے فرش بچھائے گئے۔ سونے کی ایک کرسی اپنے لئے اپنے جاہ و جلال کے مطابق تختِ سلطنت کے اوپر اس طرح نصب کی گئی کہ سب اس کو دیکھنے سے شرفیاب ہوں۔ شاندار زیب و زینت اور پُر جلال زیور اور دولت کے ساتھ شراب خوری کی محفل قائم کی گئی۔ جب سب وہ لوگ جنہیں مدعو کیا گیا تھا، اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو حکم دیا گیا کہ سرہائے شہداء کو اسیروں کے آگے آگے پیش کیا جائے۔ سب اسیروں کو ایک رسی میں باندھ کر مغرور و مست یزید کے تخت کے سامنے لایا گیا۔

اے دُنیا! تجھ پر اور تیری بے اعتباری پر پھٹکار، تیری تباہیوں، غرور اور مستی پر لعنت، ظلم وستم کا چہرہ سیاہ ہو۔ یزید نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ پھر اس نے بڑے فخر اور مسرت کی کیفیت میں ابنِ زیاد کے نمائندوں سے، جو اس ظلم کے مرتکب ہوئے تھے، پوچھا۔ شمر نے واقعات بیان کئے اور روزِ عاشور سے لے کر اس وقت تک کی اپنی تمام کارگزاری سے اُسے مطلع کیا۔

یزید نے بید کی ایک چھڑی اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی جس پر سونا چڑھا ہوا تھا اور اسے بہت خوبصورت بنایا گیا تھا۔ اس

چھڑی سے اس ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے لب و دندانِ مبارک پر ضربیں لگائیں اور کہا: حسینؑ! تمہارے لب و دندان کس قدر خوبصورت ہیں۔ حاضرینِ دربار نے اُسے اس حرکت سے منع کیا۔

ابوالمؤید خوارزمی لکھتا ہے: سمرةؓ بن جندب (ایک صحابیِ رسولؐ) نے کہا کہ اے یزید! خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے۔ تو ایسی جگہ چھڑی مار رہا ہے جہاں میں نے بارہا حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ یزید نے اسی مستی و غرور کے عالم میں کہا کہ اگر تو اصحابِ پیغمبرؐ سے نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ سمرةؓ نے کہا کہ کتنے تعجب و حیرت کی بات ہے کہ تو اصحابِ پیغمبرؐ کا تو احترام کرتا ہے اور فرزندِ پیغمبرؐ پر اس طرح کا ظلم کر رہا ہے۔ یزید کے درباری یہ بات سن کر رونے لگے اور یزید کو خوف ہوا کہ کہیں فتنہ کھڑا نہ ہو جائے، اس لئے وہ اس حرکت سے رُک گیا۔

علی بن عیسیٰ اربلی روایت کرتا ہے کہ یزید ابنِ زبعری کے یہ اشعار پڑھنے لگا:

لیتَ اشیاخی ببدرٍ شھدوا — جَزَعَ الخزرجِ مِنْ وَقْعِ الاَسَلْ

لَاَھَلُّوا وَ اسْتَھَلُّوا فَرَحاً — ثُمَّ قالُوا یا یَزید لا تُشَلْ

''کاش میرے وہ آباء واجداد جنہوں نے بدر میں خزرج کے جزع کو سنا تھا موجود ہوتے تو خوشی سے کہہ اٹھتے: اے یزید! تو شل نہ ہو''۔

اعثم کوفی نے ان میں دو اور شعروں کا اضافہ کیا ہے کہ یزید نے یہ بھی پڑھے:

لستُ مِنْ عتبةَ اِنْ لَمْ انتَقِمْ — مِن بَنی اَحمَدَ ما کانَ فَعَلْ

لَعِبَتْ ھاشِمُ بِالمُلکِ فَلا — خَبَرٌ جاءَ وَلا وَحْیٌ نَزَلْ

''میں عتبہ میں سے نہیں اگر میں احمد کی اولاد سے اس کے فعل کا انتقام نہ لوں، بنی ہاشم نے تو اقتدار کا کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ تو کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی''۔

حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے یزید کو نہایت درشتی سے جواب دیا، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے بھی اس کا جواب دیا، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یزید نے دیکھا کہ حاضرینِ دربار قتلِ امام حسین علیہ السلام پر اسے گالیاں دے رہے ہیں اور اس پر لعنت بھی کر رہے ہیں۔

یزید نے شمر ملعون کی طرف رخ کیا اور بڑے غصہ سے اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو کہا کہ خدا کی قسم! میں قتلِ حسینؑ کے

بغیر بھی تمہاری اطاعت پر راضی تھا۔ مرجانہ کے بیٹے پر لعنت ہو جس نے اتنے برے امر کا اقدام کیا۔

شیخ طریحی لکھتا ہے: جب اسیرانِ اہلِ بیتؑ دمشق میں داخل ہوئے، قاصد نے ان کی آمد کی خبر دی تو یزید نے حکم دیا کہ ان کو دروازۂ شہر کے پیچھے روکے رکھیں تاکہ یہ لوگ شہر کی تزئین و آرائش ہو چکنے کے بعد شہر میں داخل ہوں۔ اس وقت زجر بن قیس داخل ہوا اور بولا: امیر! بشارت ہو! بشارت ہو۔ یزید نے پوچھا، کس بات کی بشارت! اس نے کہا کہ ہم نے حسینؑ کو قتل کر دیا اور اُن کے قیدیوں کو لیکر آئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے روداد جنگ سنائی۔

دربارِ یزید میں اسیرانِ اہلِ بیتؑ کا داخلہ

اربابِ مقاتل لکھتے ہیں: جب یزید نے حکم دیا کہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو دربار میں پیش کیا جائے، پھر بید کی لکڑی سے گستاخی اور یزید کا فخر وغرور ظاہر ہو چکا تو ایک شامی نے خوش ہو کر یزید کی طرف رخ کر کے کہا: اس لڑکی کو (اس نے امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہؑ(1) کی طرف اشارہ کیا (جس کے بارے میں ہم دیکھ چکے تھے کہ امام حسین علیہ السلام اس کو 'حوریہ' کی صفت سے موصوف فرماتے تھے) اس کنیز کو مجھے بخش دے کہ یہ میری خدمت کرے۔

بچی کم سن تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اپنی پھوپھی کے دامن میں چھپالیا اور خیال کیا کہ ممکن ہے ایسا ہو ہی جائے۔ حضرت زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''پیاری بھتیجی! سکون کرو۔ ایسے کام کی کسی کو جرأت نہیں''۔

پھر بڑے دبدبہ کے ساتھ اس شامی کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ''او بے حیا! خاموش رہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی کہ خاندانِ پیغمبرؐ کی کسی فرد کو کسی کی کنیزی میں دے دیا جائے۔ تو اور تیرا امیر دونوں یہ طاقت نہیں رکھتے کہ ایسا کریں۔

یزید کو غصہ آگیا اور وہ غضب ناک ہو کر بولا: ''میں سب کو اسی طرح بخش سکتا ہوں''۔ جنابِ ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''خدا کی قسم! تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ تو دینِ اسلام اور ملتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارج ہو جائے اور کسی اور دین وآئین میں داخل ہو جائے''۔

1۔ حضرتِ فاطمہؑ خواتینِ اہلِ بیتؑ کی عالموں سے تھیں۔ اپنے والدِ بزرگوار، حضرت اُمِ سلمہؑ، حضرت اُمِ ہانی، اپنی پھوپھی زینبؑ کبریٰ اور اپنے بھائی امام زین العابدین علیہ السلام سے روایات بیان فرماتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت حسن ابنِ حسین نے اپنے چچا امام حسینؑ سے خواہش کی کہ اپنی ایک بیٹی کو ان کی زوجیت میں دے دیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے فاطمہؑ کا انتخاب کیا اور فرمایا: یہ میری والدہ فاطمہؑ زہرا سے پوری شباہت رکھتی ہے۔ انہوں نے کوفہ میں بھی ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

یزید نے اپنے غصہ کو ضبط کیا اور بولا: ''تیرا باپ اور تیرا بھائی دین سے خارج ہو گئے''۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''اے یزید! تو نے میرے باپ اور بھائی کے دین سے ہدایت پائی۔ تیرا دادا انہی کے ہاتھوں پر ایمان لا کر آزاد ہوا۔ تو میرے باپ کا آزاد کردہ ہے''۔

یزید بولا: ''تو جھوٹ کہتی ہے''۔

جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ''ہم جھوٹ نہیں کہتے۔ رسولِ خدا کے اصحاب موجود ہیں اور فتح مکہ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ تیرا دادا قید ہو گیا تھا اور میرے نانا نے اسے آزاد کیا تھا۔ اے یزید! تو ایک ظالم و بے حیا حکمران ہے''۔

اب یزید خاموش ہو گیا اور وہ شامی بھی بیٹھ گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب شامی نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے تو اسے بتایا گیا کہ یہ فاطمہؑ بنتِ حسینؑ ہے۔ اس نے پوچھا: ''کیا وہی حسینؑ جو پیغمبرؐ خدا کی صاحبزادی فاطمہؑ کا بیٹا ہے؟''

کہا گیا: ''ہاں! وہی''۔

اس نے کہا: ''اے یزید! تیرے باپ پر لعنت ہو۔ تو نے پیغمبر اکرمؐ کی بیٹی کے بیٹے کو مار ڈالا اور اس کے خاندان والوں کو قیدی بنا دیا ہے! میں تو سمجھا تھا کہ یہ روم کے قیدی ہیں''۔

یزید نے حکم دیا: ''اس شامی شخص کو بھی انہی کے پاس پہنچا دو''۔ چنانچہ اس کی گردن اڑا دی گئی۔

یہاں ہم بطور مترجم اپنے سلسلۂ بیان کو ختم کر کے ایک بار پھر جناب علی قائمی صاحب کے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جو کچھ اس تبصرہ میں پیش کیا گیا، وہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ اور شہدائے کربلا کی داستانِ غمناک کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر یہ داستان بالکل نامکمل رہ جاتی ہے۔ ہمارے محترم قارئین غور فرمائیں گے کہ کوفہ سے شام کا سفر سر ہائے شہداء اور اسرائے آلِ رسولِ خداؐ کیلئے کسی طرح بھی مصائبِ کربلا سے کم نہ تھا کہ اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس سفر کے واقعات کا مطالعہ واضح طور پر آشکار کرتا ہے کہ یہی وہ موقعہ ہے جہاں ہماری مخدومہ کو ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونا ہے جو شہادتِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے بعد آپؑ کے کاندھوں پر آن پڑی تھیں، جن میں کربلا کے پس ماندگان کے حوصلوں کو مصائب کے مقابلہ میں برقرار رکھنا، ننھے ننھے بچوں کی نگہداشت، حاکمِ وقت سے مکالمہ جات اور اس کے سامنے اعلائے کلمۂ حق جس سے اسے آنے والی

دعوتِ انقلاب کا اندازہ ہو سکے، سرکارِ سید الشہداء علیہ السلام کے مؤقف کی حمایت اور سب سے زیادہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا دفاع جواب امامِ وقت تھے اور جن کی زندگی ہر لحظہ خطرہ سے دوچار تھی، یہ سب باتیں شامل تھیں، اور ان سب کی ذمہ داری امیر المؤمنین علیہ السلام کی صاحبزادیؑ کے سر پر تھی۔ اس لئے اگر سفر کے حالات کو سامنے نہ رکھا جائے تو حیاتِ ثانیِ زہراؑ تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہے بلکہ تصویرِ کربلا میں بھی پورا رنگ بھرتا نظر نہیں آتا۔

تاریخ خاموش ہے کہ اہلِ بیتِؑ رسولِؐ خدا کا دربارِ یزید میں داخلہ کس طرح ہوا اور اس کی نوعیت کیا تھی۔ ہم سابقہ صفحات میں اہلِ بیتؑ کے دربارِ ابنِ زیاد ملعون میں داخلہ کی تفصیلات بیان کر آئے ہیں۔ وہاں بھی ابنِ زیاد کے حکم سے اس قافلۂ اسیرانِ آلِ محمدؐ کو روک رکھا گیا، جب تک کہ اس ملعون کا دربار اور کوفہ کے شہر کی آرائش مکمل نہ ہوئی۔ دمشق کے سلسلہ میں بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ اسیرانِ آلِ محمدؐ کو شہر اور دربار کی زینت تک باہر روکے رکھا گیا اور اس عمل کے بعد ان کو حاضرِ دربار کیا گیا۔ علامہ حسن رضا غدیری مدظلہٗ کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' میں داخلۂ دربار کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اسیرانِ آلِ محمدؐ کا قافلہ دربارِ یزید کے قریب پہنچا تو آغوشِ ظلم و استبداد کے پروردہ یزید نے حکم دیا کہ انہیں دربار میں لانے سے پہلے دروازہ پر ٹھہرایا جائے۔ چنانچہ اس ملعون کے حکم پر رسولؐ زادیوں کو مسجدِ اُموی کے بڑے دروازہ پر تین گھنٹہ تک کھڑا کر دیا گیا تاکہ لوگوں کے ہجوم میں زہراؑ کی بیٹیوں کی توہین ہو۔ اس پر ہی اکتفا نہ کی گئی بلکہ یزید نے اپنے جلادوں کو یہ حکم بھی دیا کہ رسولؐ زادیوں کو رسیوں میں اس طرح جکڑ دیا جائے جیسے جانوروں کو باندھ دیا جاتا ہے۔

''امام زین العابدین علیہ السلام کی گردن میں جو رسی ڈالی گئی وہ حضرت زینبؑ اور دوسری بیبیوں کی گردنوں سے متصل کر کے نہایت زور سے باندھی گئی تاکہ قیدی اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکیں اور ایک جلاد کو مقرر کیا گیا جو باری باری ہر قیدی کو نہایت بے دردی کے ساتھ تازیانے لگاتا رہا، اسی کیفیت میں اولادِ رسولؐ کو دربارِ یزید میں لایا گیا''۔

اس کے بعد کے واقعات ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں، اس لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے معزز قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اس منظر کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں جس میں ایک شخص نے جنابِ فاطمہؑ بنت الحسینؑ کی طرف اشارہ کر کے ان کو یزید سے بطور کنیز (معاذ اللہ) مانگا تھا۔ وہاں یزید اور ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا مکالمہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ یہی وہ موقعہ ہے جہاں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کو جلال آ گیا اور آپؑ نے یزید ملعون اور اس کے درباریوں کو مخاطب فرما کر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے ہم سب سے پہلے جناب علی قائمی صاحب کی کتاب سے نقل کرتے ہیں جس کے بعد ہم دیگر

کتب سے اس کی اسناد بھی حسبِ سابق پیش کریں گے۔

۴۔ دربارِ یزید میں خطبۂ ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا

موجودہ بحث میں ہم پہلے دربارِ یزید میں ثانیٔ زہراؑ کا خطبہ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد دوسری بحث میں اس خطبہ کی تشریح پیش کریں گے (بلاغات النساء، ص 21 تا 23، اعلام النساء، ج 2، ص 95 تا 97)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حمد وسپاس صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جو عالمین کا پروردگار ہے

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّد

اور اللہ کی طرف سے درود ورحمت ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

وَآلِهِ اَجْمَعِیْنَ

اور اُن کی تمام اہلِ بیتؑ پر بھی۔

صَدَقَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ، کَذٰلِکَ یَقُوْلُ

خداوند سبحانہٗ وتعالیٰ نے سچ فرمایا، وہ اسی طرح فرماتا ہے

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُ واالسُّوْٓ اٰی

جو لوگ بدیوں کے مرتکب ہوئے، وہ اپنے انجام کو پہنچے

اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیَاتِ اللّٰهِ

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا

وَکَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُ وْنَ (سورۂ روم:10)

اور ان کا تمسخر واستہزاء کیا

اَظَنَنْتَ یَا یَزِیْدُ:

اے یزید! کیا تو گمان کرتا ہے کہ

حَیْثُ اَخَذْتَ عَلَیْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَ آفَاقَ السَّمَاءِ

ہمیں قید کر کے تو نے ہم پر زمین اور آسمان کی فضا کو تنگ کر دیا ہے؟

وَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ الْاُ سَارٰی

کیونکہ تو نے ہمیں قید کر کے شہروں اور بازاروں میں پھرایا ہے؟

اِنَّ بِنَا عَلَی اللّٰہِ ھَوَاناً

کیا تو خیال کرتا ہے کہ تیرے اس عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل ہوئے ہیں؟

وَبِکَ عَلَیْہِ کَرَامَۃً

اور اس طرح کیا تو نے اللہ کے سامنے اعزاز و منزلت حاصل کی ہے؟

وَاِنَّ ذَالِکَ لِعِظَمِ خَطَرِکَ عِنْدَہُ

نیز کیا تو نے گمان کر لیا ہے کہ اپنے اس عمل سے تو نے اللہ کے حضور اتنا بڑا کام سر انجام دیا ہے جس نے

فَشَمَخْتَ بِاَنْفِکَ

غرور و تکبر سے تیری ناک پھلا دی ہے؟

وَنَظَرْتَ فِی عِطْفِکَ

اور تو بڑے غرور سے اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے

جَذْلَانَ مَسْرُوْراً

درآنحالیکہ تو انتہا سے زیادہ خوش اور مسرور ہے؟

حَیْثُ رَاَیْتَ الدُّنْیَا لَکَ مُسْتَوْثِقَۃً

کیا تو دنیا کو آباد اور اپنی مرضی کے مطابق پاتا ہے؟

وَالْاُمُوْرِ مُتَسِّقَۃً

اور کیا تو سمجھتا ہے کہ دنیا کے تمام امور تیری مرضی و منشاء کے مطابق انجام پاتے ہیں؟

وَحِیْنَا صَفَاتَکَ مُلْکُنَا وَسُلْطَانُنَا

نیز کیا تو سمجھتا ہے کہ ہمارے مقام و منصب کو تو نے درست جانا ہے؟

مَهْلاً مَهْلاً

یزید! ذرا غور کر (اوران خیالاتِ باطل سے اجتناب کر)

اَنَسِيْتَ قَوْلَ اللّٰهِ تعالٰی

کیا تو فرمانِ خدائے بزرگ وبالا کو بھول گیا، جبکہ وہ فرماتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

جولوگ کفر وبے دینی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، یہ گمان نہ کریں

اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ط

کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ اُن کے فائدہ میں ہے؟

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج

بلکہ ہم نے انہیں اس لئے مہلت دی ہے کہ انہیں اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت زیادہ ملے

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (آلِ عمران:178)

اور ذلیل کرنے والا عذاب اُن کیلئے مہیا ہے۔

اَمِنَ الْعَدْلِ يَابْنَ الطُّلَقَاءَ

اے ہمارے آزاد کئے ہوئے لوگوں کی اولاد! کیا یہ انصاف ہے کہ

تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ وَ اِمَائَكَ

تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں تک کو تو پس پردہ بٹھا رکھا ہے

وَسَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا

لیکن رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا رکھا ہے،

قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْرَهُنَّ

اُن کے پردۂ حرمت کو تو نے پارہ پارہ کر دیا ہے،

وَاَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ

اُن کے چہروں اور صورتوں کو (اُن کے لباس کو خراب کر کے) بے پردہ کر دیا ہے،

تَحۡذُوابِهِنَّ الۡاَعۡدَاءُ

یہاں تک کہ دشمنانِ خدا ان کو دیکھتے ہیں،

مِنۡ بَلَدٍ اِلٰی بَلَدٍ

انہیں تو نے شہر بہ شہر پھرایا ہے

وَیَسۡتَشۡرِفُهُنَّ اَهۡلُ الۡمَنَاهِلِ وَالۡمَنَاقِلِ

حتیٰ کہ شہروں اور دیہاتوں کے باشندے ان کو دیکھتے ہیں

وَیَتَصَفَّحُ وُجُوۡهَهُنَّ الۡقَرِیۡبُ وَالۡبَعِیۡدُ

اور دُور و نزدیک کے لوگوں نے انہیں تماشا بنا رکھا ہے،

وَالدَّنِیُّ وَالشَّرِیۡفُ

اُن کے ذلیل و شریف لوگ اُن کی طرف اپنی آنکھوں کو کھولتے ہیں،

لَیۡسَ مَعَهُنَّ مِنۡ رِجَالِهِنَّ وَلِیٌّ

اُن کی کیفیت یہ ہے کہ اُن کے مرد اُن کی سرپرستی کیلئے موجود نہیں ہیں

وَلاَ مِنۡ حُمَاتِهِنَّ حَمِیٌّ

نہ وہ سرپرست اور حمایتی رکھتے ہیں۔

وَکَیۡفَ یُرۡتَجٰی مُرَاقَبَةُ اَمۡنٍ مِنۡ لَفَظَ فُوۡهُ اَکۡبَادَ وَالۡاَزۡکِیَاءُ

البتہ ایسے شخص کی طرف سے کیسے عطف و مہربانی کی توقع کی جاسکتی ہے جو اُن کی اولاد ہو جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ شہیدوں کے جگر کو چبانا پسند کیا ہو؟

وَنَبَتَ لَحۡمُهُ مِنۡ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ

ایسے شخص سے کس طرح مہربانی کی توقع رکھی جاسکتی ہے جس کا گوشت شہداء کے خون سے بنا ہو؟

وَکَیۡفَ یُسۡتَبۡطِئُ فِیۡ بُغۡضِنَا اَهۡلُ الۡبَیۡتِ

پھر وہ شخص کس طرح اہلِ بیتؑ کے ساتھ اپنے بغض و کینہ میں کمی کر سکتا ہے،

مَنْ نَظَرَ اِلَیْنَا بِالشَنَفِ وَ الشَنآنِ

جس نے ہمیشہ ہم پر بغض ونفرت ہی کی نظر ڈالی ہو،

وَالْاَحِنِ وَالْاَضْغَانِ

اور جن کیلئے اپنی پوری زندگی میں اُس نے کینہ وانتقام کی آنکھ کھلی رکھی ہو؟

ثُمَّ لَقُوْلُ غَیْرَ مُتَاثِمٍ وَلَا مُسْتَعْظِمٍ

اور وہ اپنے احساسِ گناہ کی بجائے اپنی غلطی اور جُرم کو بڑا کارنامہ جانتے ہوئے کہتا ہو:

لَاَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحاً

کہ کاش میرے آباء واجداد میری اس شادمانی وخوشحالی کو دیکھتے

ثُمَّ قَالُوْایَا یَزِیْدُ لَاتَشَلُ

تو کہتے اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

مُنْتَحِیاً عَلٰی ثَنَایَا اَبِی عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامِ

اس کے ساتھ ہی تو (حضرت) ابی عبداللہؑ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارتا ہے

سَیِّدُ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

وہی (حسینؑ) جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

تَنکُتُهَا بِمَخْصَرَ تِکَ

(نہ صرف یہ) پھر تو اپنی شان میں شاعری ونکتہ آفرینی بھی کر رہا ہے۔

وَکَیْفَ لَاتَقُوْلُ ذَالِکَ

لیکن تو کس طرح ایسی باتیں کرتا ہے

وَقَدْ نَکَاتَ الْقُرْحَةُ

درآنحالیکہ تو نے اتنی قوت حاصل کرلی ہے کہ ہمارے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

وَاَسْتَاءَ صَلَتِ الشَّافَةَ

اور اپنے دل کو ٹھنڈا کرے

بِاِرَاقَتِکَ دِمٰاءَ ذُرِّیَّةِمُحَمَّدٍ

محمدؐ کی ذُریت کے خون کو بہا کر،

صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ

وہ محمدؐ کہ اللہ جن پر اور جن کے خاندان پر درود ورحمت بھیجتا ہے؟

وَنَجُوْمُ الْاَرْضِ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

یہ وہی حضرات ہیں جو خاندانِ عبدالمطلبؑ کے درخشاں ستارے تھے۔

وَ تَهْتِفُ بِاَشْیٰاخِکَ

پھر تو اپنے آباء واجداد کو پکارتا ہے

زَعَمْتَ اَنَّکَ تُنٰادِیْهِمُ

اور تو گمان رکھتا ہے کہ وہ تیرے سوال کا جواب بھی دیں گے،

فَلَتَرِدُنَّ وَشِیْکاً مُوْرِدُهُمُ

حالانکہ تو خود بہت جلد اُن کے پاس پہنچ جائے گا

وَلَتَوَدَّنَّ اَنَّکَ شُلِلْتَ وَبَکُمْتَ

اور تو آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ مفلوج اور زبان گونگی ہوتی

وَلَمْ تَکُنْ قُلْتَ مٰاقُلْتَ

تا کہ جو کچھ میں نے کہا وہ نہ کہہ پاتا

وَفَعَلْتَ مٰا فَعَلْتَ

اور جو کچھ میں نے کیا وہ نہ کرتا!

اَللّٰهُمَّ خُذْلَنٰا بِحَقِّنٰا

پروردگارا! ان لوگوں سے ہمارے حق کو وصول فرما،

وَانْتَقِمْ مِنْ ظٰالِمِنٰا

ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے،

وَ اَحْلِلْ غَضَبَکَ بِمَنْ سَفَکَ دِمَائَنَا

اپنے غیظ وغضب کو اُن پر وارد فرما جنہوں نے ہمارا خون بہایا

وَقَتَلَ حُمَاتَنَا

اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا۔

فَوَاللّٰہِ مَافَرِیْتَ اِلَّا جِلْدَکَ

(یزید!) خدا کی قسم! اپنے اس عظیم گناہ سے تو نے صرف اپنے گوشت کو پارہ پارہ کیا ہے

وَلَا جَزَزْتَ اِلَّا لَحْمَکَ

اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نے خود اپنے بدن کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہیں (روزِ جزا کے حساب کی طرف اشارہ ہے)

وَلَتَرِدُنَّ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

بہت جلد تو پروردگار کے حکم سے رسولؐ خدا کے سامنے وارد ہوگا

بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفکِ دِمَاءِ ذُرِّیَّتِہِ

جبکہ ان کی ذُریت کا خون تیری گردن پر ہوگا،

وَانْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِہِ فِی عِتْرَتِہِ وَلُحْمَتِہِ

اُن کی عترت کی ہتکِ حرمت کا گناہ اور اُن کے گوشت و پوست کا عذاب تو اپنی گردن پر رکھتا ہوگا،

حَیْثُ یَجْمَعُ اللّٰہُ شَمْلَهُمْ

یہ وہ دن ہوگا جب اللہ نے اپنے نبیؐ اور اُن کے خاندان کو اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا،

وَیَلُمَّ شَعْثَهُمْ

اُن کے بکھرے ہوئے افراد کو اس نے اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا

وَیَاْخُذ بِحَقِّہِم

اور اُن کے حق کو اُن کے دشمنوں سے طلب فرمائے گا (اللہ اس بارے میں فرماتا ہے)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط

اور اُن لوگوں کو مردہ نہ جانو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے ہوں

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (آلِ عمران:169)

بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق حاصل کرتے ہیں۔

وَحَسْبُکَ بِاللّٰهِ حَاكِماً يَزِيْدا

پس اے یزید! یہ تیرے لئے کافی ہے کہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا،

وَبِمُحَمَّدٍ خَصْماً

محمدؐ تیرے خلاف دعویٰ کریں گے

وَبِجِبْرَئِيْلَ ظَهِيْراً

اور جبرئیلؑ ان کے گواہ و مددگار ہوں گے۔

وَسَيَعْلَمُ مَنْ سَوَّلَ لَکَ

بہت جلد ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے مکر وفریب کر کے

وَمَكَّنَکَ مِنْ رِقَابِ الْمُسْلِمِيْنَ

تجھے مسندِ اقتدار پر بٹھایا ہوگا، اپنے کئے پر جوابدہ ہوں گے۔

وَبِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلاً

تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اُس دن تیری کیفیت کیسی دردناک ہوگی اور تجھ سے زیادہ بد بخت کون ہوگا!

وَاَيُّكُمْ شَرٌّ مَكَاناً وَ اَضْعَفُ جُنْداً

اُس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ مجبور اور زیادہ شکست خوردہ ہے۔

وَلَئِنْ جَرَّتْ عَلَى الدَّوَهِيَ مُخَاطَبَتُکَ

یزید! افسوس کہ حوادثِ روزگار نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے کہ میں تیری اسیر اور تجھ سے مخاطب ہوں

اِنِّي لَاَسْتَصْغِرُ قَدْرَ تَکَ

لیکن میں تیری قوت وحیثیت کو حقیر جانتی ہوں،

وَاسْتَعْظِمُ تَقْرِيْعَکَ

اس قدر ہمت رکھتی ہوں کہ یہ باتیں تیرے منہ پر کہوں

وَاسْتَكْثِرُ تَوْ بِيْخَکَ

اور چاہتی ہوں کہ تجھے بہت زیادہ ذلیل کروں۔

لٰكِنَّ الْعُيُوْنَ عَبْرٰى

لیکن کیا کروں کہ ہماری آنکھیں گریہ کناں ہیں،

وَالصُّدُوْرُ حَرّٰى

اور ہمارے قلوب ہمارے عزیزوں کے مرگ کے غم میں جل رہے ہیں!

اَلاٰ فَالْعَجَبَ كُلُّ الْعَجَبَ

افسوس صد افسوس کہ کیا کچھ گزر چکا

لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ النُّجَبَاءَ

کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ونجیب جماعت کو مار ڈالا گیا،

بِحِزْبِ الشَّيْطٰانِ الطُّلَقٰاء

وہ بھی شیطان صفت جماعت کے ہاتھوں جو خود آزاد شدہ اسیر تھے۔

فَهٰذِهِ الْاَيْدِى تَنْطِفُ مِنْ دِمٰائِنٰا

تم لوگوں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوئے ہیں

وَالْاَفْوٰاهُ تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُوْمِنٰا

اور تمہارے منہ ہمارے گوشت بدن کو نگلنے کیلئے کھلے ہوئے ہیں،

وَ تِلْکَ الْجُثَثِ الطَّوٰاهِرَ الزَّوٰاكِي

وہ پاک جسم جو ٹکڑے ٹکڑے اور بے سر ہیں

تَنْتٰابُهَا الْعَوٰاسِلُ

آندھیوں اور طوفانوں میں خاک میں پڑے ہیں۔

وَتُعَفِّرُ ھا اَمَّھاتُ الْفَراعِلُ

بھیڑیوں کی قسم کے لوگ بیابان میں انہیں پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔

وَلَئِنْ اِتَّخَذْ تِنا مُغْنِماً

اے یزید! اگر تو نے ہمارے قتل واسیری کو اپنے لئے غنیمت جانا ہے

لِتَجِدُنا وَشِیکاً مُغْرَماً

تو تجھے جاننا چاہئے کہ اس کے عوض تجھے بہت بڑی سزا و تاوان ادا کرنا ہوگا

حِیْنَ لا تَجِدُ اِلاّٰ ما قَدَّمَتْ

اور یہ اُس دن ہوگا جب سوائے اُس چیز کے جو تو نے پہلے سے جمع کر رکھی ہوگی کچھ اور تیرے پاس نہ ہوگا

وَماٰرَبُّکَ بِظَلاّٰ مٍ لِلْعَبِیْدِ

اور اُس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم روا نہ رکھے گا۔

وَ اِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی

میں تیرے ظلم کی اللہ سے شکایت کرتی ہوں

وَعَلَیْہِ الْمُعَوَّلَ

اور اُسی سے پناہ و سرپرستی کی طالب ہوں۔

فَکِدْ کَیْدَکَ

اے یزید! ہماری دشمنی میں تو جس قدر مکر و تدبیر کر سکتا ہے، کرلے،

وَاَسْعِ سَعْیَکَ

ہماری دشمنی میں جس قدر کوشش تجھ سے ممکن ہو، کر گزر،

وَناصِبْ مُھْدَکَ

اپنے تمام طریق و خواہشات کو استعمال کرلے۔

فَوَاللّٰہِ لا تَمْحُو ذِکْرَنا

خدا کی قسم! ہمارے ناموں کو ذہنوں اور صفحاتِ تاریخ سے محو نہ کر سکے گا

وَلَا تُمِیتُ وَحْیَنَا

نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہم پر فروغِ وحی کو روک سکے۔

وَلَاتُدْرِکُ اَمَدُنَا

تیرے لئے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ ہمارے طولِ حیات اور ہمارے افتخارات کو ختم کر سکے

وَلَا تَرْحَضُ عَنْکَ عَارُهَا

نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اپنے دامن سے مستقل و دوامی ننگ و عار کے دھبوں کو مٹا سکے۔

وَهَلْ رأیُکَ اِلَّا فَنَدٌ

کیا اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے کہ تیری رائے اور عقل ضعیف و بچگانہ ہے؟

وَاَیَّامُکَ اِلَّا عَدَدٌ

کیا اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے کہ تیری زندگی کے ایام گنے جا چکے ہیں؟

وَجَمْعُکَ اِلَّا بَدَدٌ

کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ تیرے گرد جو تیری جماعت ہے، وہ پراگندہ ہونے والی ہے؟

یَوْمَ یُنَادِی الْمُنَادِی

اُس دن کو یاد رکھ جب ندا دینے والا ندا دے گا کہ

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ"

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

پس تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے

خَتَمَ لِاَوَّلِنَا بِالسَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ

ہمارے آغازِ حیات کو خوش بختی و سعادت قرار دیا

وَلِاٰخِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحْمَةِ

اور ہمارے آخر کو شہادت و رحمت سے نوازا۔

وَنَسْئَالُ اللّٰهَ اَنْ يُكَمِّلَ لَهُمُ الثَّوابُ

ہم اللہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی رحمت ورافت کی اُن پر تکمیل فرمائے

وَيُوْجِبُ لَهُمُ الْمَزِيْدَ

اور اُن کے اجروثواب میں اضافہ فرمائے

وَيُحْسِنَ عَلَيْنَا الْخِلَافَةَ

اور خلافت کو، جو یقیناً ہمارا حق ہے، ہمارے لئے قرار دے۔

اَنَّهُ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ

وہ خدائے رحیم ہے اور اپنے دوستوں کی پناہ گاہ ہے۔

وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل

اللہ ہماری حمایت کیلئے کافی ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار و مدافع ہے [1]۔

1۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے اس خطبہ کو کم وبیش تمام مؤرخین نے اپنی تالیفات وتصنیفات کی زینت بنایا ہے۔ اگر کہیں کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ صرف معمولی الفاظ کا ایسا اختلاف ہے جس سے خطبہ کے معانی بالکل اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ ہم تو اس حقیقت کو اُس معظمہ کا ایک معجزہ خیال کرتے ہیں کہ کم وبیش چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود جس عرصہ میں مختلف قسم کے حوادثِ تاریخ نے جنم لیا جن کے نتیجہ میں سلطنتیں اور بڑی بڑی طاقتیں تہ وبالا ہوگئیں، معظمہؑ کا یہ خطاب اپنی اصلی نوعیت میں قائم ہے اور دنیا بھر کے دانشوروں کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

ہم اپنی اس کاوش میں تمام مؤرخین کے بیانات وتخیل تو پیش نہیں کرنا چاہتے، صرف علامہ سید ابنِ حسن نجفی صاحب کی کتاب ''حضرتِ زینبؑ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے'' سے جسے ادارہ تمدنِ اسلام، کراچی نے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے اُس دورِ پُرآشوب کے حالات اور اہلِ بیتِؑ رسولؐ اکرم کے ردِعمل کا کسی قدر اندازہ ہوسکے گا، نیز یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ یہ کوئی عام معمولی ہستیاں نہیں بلکہ ایسے حالات وواقعات ومصائب ومظالم کے سامنے بھی اپنے کردارِ شجاعانہ کو پوری طرح قائم رکھے ہوئے ہیں کیونکہ اسی کردار کی وجہ سے دینِ اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ علامہ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے:

حدیثِ عشق دوباب است کربلا و دمشق　　یکے حسینؑ رقم کرد، دیگرے زینبؑ

اور یہ وہی حسینؑ ہے جس کیلئے شاعرِ مشرق کہتے ہیں:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بھرِ آں شهزادهٔ خیر الملل　　　　دوشِ ختمِ المرسلینؐ نعم الجمل

بہر حال علامہ نجفی مذکور رقم طراز ہیں:

''سفیانی خاندان نے دمشق کے علاقہ پر کوئی پینتیس (۳۵) برس حکومت کی، مگر اتنے طویل عرصہ میں انہوں نے اہلِ بیتِ رسالتؑ کو کبھی بھی وہاں کے عوام سے متعارف نہیں ہونے دیا.... مگر جب بیمارِ کربلا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور جنابِ زینبؑ علیا کی قیادت میں آلِ محمدؑ کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا اور متجسس ذہنوں تک دُخترِ فاطمہ ع کی تقریر کے ذریعہ ضمیروں کو ہلا دینے والی وہ آواز پہنچی اور حقیقت کھلی تو وہیں سے ایک تحریک نے جنم لیا..... بشر ابنِ خزیم اسدی واقعات کے ایک چشم دید گواہ ہیں اور اُن کا بیان اس حقیقت کا ثبوت ہے۔

''.....اس زمانہ کے ایک مشہور شخص سہل شہرزوری نے جب ایک سن رسیدہ آدمی سے دریافت کیا کہ یہ قیدی کون ہیں اور کہاں سے لائے گئے ہیں، تو اُس نے برجستہ چند شعر کہہ کر سنائے۔ درد اور جذبے میں ڈھلا ہوا ایک فکر انگیز شعر یہ تھا:

وَ اِنَّ قَتِیۡلَ الطَّفِ مِنۡ آلِ هَـاشِـمٍ
اَذَلَّ رِقَـا بَ الۡـمُسۡـلِمِیۡنَ فَذَ لَّتِ

یعنی ''خاندانِ ہاشم کے فردِ فرید اور نینوا کے شہید کے قتل نے مسلمانوں کے گلے میں ذلت کا طوق ڈال دیا اور واقعاً یہ پوری قوم رُسوا ہوگئی''۔

''بغاوت کے آثار کوچہ و بازار سے گزر کر ابنِ زیاد اور اس کے اعصاب پر طاری ہو چکے تھے۔ نیز بقول مؤرخ طبریؔ جس لحہ خانوادہَ رسالتؐ کو اس کے سامنے لایا گیا، اس وقت رسولؐ کے صحابی زیدؓ بن ارقم دربار میں موجود تھے اور جب انہوں نے قیامت کا یہ منظر دیکھا تو ابنِ زیاد پر برس پڑے اور پھر باہر نکل کر لوگوں سے یہ کہنے لگے:

''عرب کے بہادر سپوتو! آج سے تو تم اپنے جیسے انسانوں کے غلام بن گئے ہو۔ تم نے پسرِ مرجانہ کو اپنا حاکم بنا کر فرزندِ فاطمہؑ کو قتل کروایا۔ ہائے! کس بری طرح تم نے اپنے آپ کو ذلیل وخوار کیا ہے۔

''.....کوفہ کے بھرے بازار میں جنابِ ثانیِ زہراؑ کے خطاب سے ایک ہلچل مچ گئی اور پھر یہ اضطراب طوفانی کیفیت اختیار کرنے لگا۔ نیز اس لٹے ہوئے قافلہ کو جب کوفے سے دمشق کی جانب روانہ کیا گیا تو راستہ میں جو بستی آئی، جو شہر پڑا اور وہاں کے رہنے والوں کو جب معلوم ہوا کہ فوج کی نگرانی میں لائے جانے والے اسیر اہلِ بیتؑ عصمت وطہارت ہیں تو بلا اختلاف مذہب وملت، مسلم اور غیر مسلم، سب نے مل کر حکومت کے خلاف محاذ لگائے۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''.....اور جب یہ قافلہ دمشق پہنچا تو ایک طرف تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان قیدیوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی اور دوسری جانب یہ شعور عام تھا کہ دارالسلطنت کو سجانے کے لئے حکومت نے اپنا سارا خزانہ لٹا دیا ہے.....

''اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو سب سے بڑے بازار کے مرکزی حصہ باب الساعات کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ ایک جگہ ابراہیم ابنِ طلحہ نامی ایک شخص نے حضرت سید سجادؑ سے دریافت کیا:

''من الغالب؟'' اس معرکہ میں جیت کس کی ہوئی؟

امامؑ نے کمالِ اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

''اذا جان وقت الصّلوة فاذّن واقم تجد الغالب''.

یعنی ''جب نماز کا وقت آجائے تو اذان کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جانا، خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ فتح کس کی ہوئی.....''۔

اسیروں کا یہ کارواں جب جامع مسجدِ دمشق کے دروازے کے پاس پہنچا تو سہل ساعدی کے ایک سوال کے جواب میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے قرآن کی زبان میں یہ جواب دیا کہ:

''پوچھنے والے! وہ گھر جو آیۂ مودّت اور آیۂ تطہیر کا مصداق ہے، یہ قیدی اُسی گھر سے تعلق رکھتے ہیں''۔

''مگر یزید ملعون کے بھرے دربار میں حضرت ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب خطاب فرمایا تو عجیب عالم تھا، یوں لگتا تھا جیسے آگ برس رہی ہو، زلزلہ آگیا ہو.....

''بہر کیف! زینبؑ کبریٰ نے شاہی دربار میں یزید جیسے ظالم و جابر کج کلاہ کے روبرو اور سات سو اعیانِ سلطنت اور بیرونی نمائندوں کی موجودگی میں جس طرح اُس کی اور اُس کی حکومت کی اہانت کی ہے، اُس سے نہ صرف علیؑ کی بیٹی کی جرأت اور شجاعت و شہامت کا سکہ سب پر بیٹھا بلکہ جو لوگ اُس بزم میں موجود تھے، انہیں حاکمِ دمشق کا بُرا حال اور اُس کی حکومت کے خراب مستقبل کا نقشہ بھی نظر آنے لگا!

''.....دیکھتے ہی دیکھتے سیاسی اوضاع ایسے بگڑے کہ حکومت کے لئے اسیرانِ اہلِ حرم کو زیادہ عرصہ تک شام کے زندان میں رکھنا محال ہو گیا۔ نیز جب مجبوراً ان قیدیوں کو رہا کیا گیا تو بادشاہ کا محل عزاخانہ اور شام کے تمام باشندے سوگوار تھے۔

''کسی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یزید جس کو ارضِ کربلا پر ظلم و جور کے ساتھ فنا و برباد کر چکا تھا، دمشق میں اُس کا ماتم ہوا، یوں سمجھئے کہ یزید نے جس کو مٹانا چاہا، زینبؑ نے اُسے زندۂ جاوید کر دیا''۔ (ص ۴۰ تا ۴۵)

اسی خطبہ کا ترجمہ ہم علامہ سید ابنِ حسن نجفی صاحب کے الفاظ میں ذیل میں پیش کرتے ہیں: (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''جنابِ زینبؑ نے ارشاد فرمایا:

تعریف اللہ کیلئے ہے جو ساری کائنات کا پروردگار ہے اور درود و سلام رسولؐ و اہلِ بیتِ رسولؐ پر!

کتنی سچائی ہے خداوندِ عالم کے اس ارشاد میں کہ ''آخر کار جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں اُن کا انجام بھی بہت برا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے'' (سورۂ روم: 10)۔

کیوں، یزید! زمین و آسمان کے تمام راستے ہم پر بند کر کے اور خاندانِ نبوت کو عام قیدیوں کی طرح، در بدر پھرا کر تو نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کی بارگاہ میں ہمارا جو مقام تھا اس میں کوئی کمی آ گئی اور تو خود بڑا عزت دار بن گیا؟ پھر تو اس خام خیالی کا شکار ہے کہ وہ المیہ جس سے ہمیں تیرے ہاتھوں دوچار ہونا پڑا اس سے تیری وجاہت میں کچھ اضافہ ہو گیا اور شاید اسی غلط فہمی کے باعث تیری ناک اور چڑھ گئی اور غرور کے مارے تو اپنے کندھے اُچکانے لگا؟

ہاں! یہ سوچ کر تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا کہ تیری مستبدانہ حکومت کی حدیں بہت پھیل چکی ہیں اور تیری سلطنت کی نوکر شاہی بڑی مضبوط ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ تو یہ بھی سمجھ بیٹھا ہو کہ خلاقِ عالم نے تجھے بغیر کسی خطرے کے پھیل پھیل کر اطمینان سے اپنا حکم چلانے اور من مانی کرنے کا یہ موقع دیا ہے!

ٹھہر، یزید ٹھہر! ایک دو سانسیں اور لے لے۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ دراصل تو ربِ ذوالجلال کے اس فیصلے کو بھلا بیٹھا ہے کہ ''کفر کی راہ اختیار کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی بہتری ہے، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب جی بھر کر گناہ سمیٹ لیں، اس کے بعد ان کے واسطے سخت ذلت آمیز سزا اور رسوا کرنے والا عذاب ہے'' (سورۂ آلِ عمران: 178)۔

اے ہمارے آزاد کئے ہوؤں کے جائے! کیا یہی عدل ہے؟ اسی کو انصاف کہتے ہیں کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تک تو پردے میں ہوں اور نبیؐ زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں بے پردہ، سر برہنہ ایک شہر سے دوسرے شہر کشاں کشاں لے جایا جائے!

ہاں، یزید! تو نے ہی ہمیں اس حال تک پہنچایا ہے۔

ہم بے وارثوں کا قافلہ جس جگہ پہنچتا ہے وہاں تماشائیوں کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ ہر قسم کے لوگ، ہر طرح کے آدمی، راہ راہ، منزل منزل، جوق در جوق دُور اور نزدیک سے ہمیں دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں! اس کارواں کا نہ کوئی ساتھی ہے نہ حمایتی، نہ دوست، نہ نگہبان! ہاں! مگر جس کا تعلق ہمارے بزرگوں کا کلیجہ چبانے والوں سے ہو اس سے کسی رُو رعایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور جس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

کا گوشت پوست ہمارے شہیدوں کے لہو سے اُگا ہو، بھلا اس کے دل میں ہمارے لئے کوئی نرم گوشہ کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟

ہاں ہاں! جو اہلِ بیتؑ عصمت وطہارت کی دشمنی میں انگاروں پر لوٹ رہا ہو اس سے کب یہ امید باندھی جا سکتی ہے کہ وہ حقیقتوں کے بارے میں کبھی ٹھنڈے دل سے غور بھی کرے گا؟

اے یزید! تو احساسِ جرم کے بغیر اور جس ڈھٹائی سے کہتا جا رہا ہے کہ:

اگر اس وقت میرے اسلاف مجھے دیکھتے تو کتنے شاد ہوتے! وہ مجھے شاباشی دیتے اور کہتے: یزید تیرے دست وبازو کو نظر نہ لگے! تو نے محمدؐ کے گھرانے سے کیا خوب انتقام لیا ہے!

یزید! تو جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا چلا جا رہا ہے، وہ تیری اندرونی کیفیت کا اظہار ہے! ذرا دیکھ تو سہی بے ادب! اپنی چھڑی سے جس ہستی کے مقدس ہونٹوں کے ساتھ تو گستاخی کر رہا ہے، وہ جوانانِ جنت کا سردار ہے! تو نے محمدؐ کے پیاروں کا خون بہا کر اور عبدالمطلب کے چاند تاروں کو خاک میں ملا کر اپنے سوکھے ہوئے زخموں کو پھر سے ہرا اور بھرے ہوئے گھاؤ کو کچھ اور گہرا کر دیا ہے! اور اس پر تو اپنے پُرکھوں کو بھی پکار رہا ہے، اپنے گڑے ہوئے مُردوں کو آواز دے رہا ہے اور اس سے بے خبر کہ عنقریب تو خود بھی اسی گھاٹ پر اُترنے والا ہے، جہاں وہ ہیں، اور جب تو اپنے سگوں کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر رہ رہ کر تیرا دل یہ چاہے گا کہ کاش! نہ زبان میں سکت ہوتی اور نہ ہاتھوں کو جنبش! تا کہ جو کہا ہے وہ نہ کہتا اور جو کیا ہے وہ نہ کرتا!

پروردگارا! تو ان ظالموں سے ہمارا حق دلا دے اور ان ستم گروں سے ہمارے بدلے چکا دے۔ بارالہا! جن جفا شعاروں نے ہمارا لہو بہایا ہے اور ہمارے طرف داروں کو قتل کیا ہے، ان پر اپنا غضب نازل فرما۔ قسم بخدا! اے یزید! تو نے خود ہی اپنی کھال نوچی ہے، اور اپنے ہاتھوں اپنے گوشت کی تکہ بوٹی کی ہے!

یزید! جب تو اپنے ان سنگین جرائم کا بوجھ اٹھائے قیامت کے دن خدا کی عدالت میں پیش ہوگا تو پھر دیکھنا کہ داورِ محشر کس عنوان سے ریاضِ رسالتؐ کے بکھرے ہوئے پھولوں کو اکٹھا کر کے ہر برگِ گل کو آماجگاہِ صد بہار قرار دیتا ہے اور وہ منصفِ حقیقی کس طرح جور وجفا کرنے والے باغیوں سے ہم کو ہمارا حق دلاتا ہے؛ اس پیدا کرنے والے کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انہیں مُردہ نہ سمجھو، وہ تو درحقیقت زندہ ہیں! اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں'' (سورۂ آلِ عمران:169)۔

سن، یزید سن! تیرے لئے تو بس اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ بہت جلد خدائے ذوالجلال فیصلہ دے گا، محمدؐ مصطفےٰ مدعی ہوں گے اور جبرئیلؑ امین مدد کریں گے!

ہاں! اور وہ لوگ بھی اسی ہنگام اپنا انجام دیکھ لیں گے جنہوں نے زمین ہموار کر کے تجھے اس جگہ تک پہنچایا اور پھر اللہ و (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

رسول کا کلمہ پڑھنے والوں کی گردنوں پر مسلط کردیا!

جب حساب وکتاب کا وقت آئے گا تب ہی پتہ چلے گا کہ جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کو کتنی بُری سزا ملتی ہے!

اور اسی لمحے یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ کسے بدترین جگہ دی گئی اور کس کے ساتھی کس درجہ بودے نکلے!

اے یزید! یہ تو زمانے کا انقلاب ہے کہ مجھے تجھ جیسے آدمی سے بات کرنے پر مجبور ہونا پڑا! تجھے تو میں بہت چھوٹا اور بے وقعت سمجھتی ہوں، البتہ تیری سرزنش کو بڑا کام اور تیری ملامت کو ایک اچھی بات قرار دیتی ہوں!

ہاں! تجھ سے مخاطب ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ آنکھوں میں آنسو اُمنڈ رہے ہیں اور کلیجے سے آہیں نکل رہی ہیں!

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وہ خاصانِ خدا جنہیں اس نے عزّ وشرف دے کر سرفراز فرمایا، وہی فتح مکہ کے دن ہمارے آزاد کئے ہوئے شیطان صفت گروہ کے ہاتھوں تہِ تیغ ہوں!

آہ آہ! دُشمن کی آستین سے ابھی تک ہمارے شہیدوں کا لہو ٹپک رہا ہے اور آج بھی ان کے لب ودنداں پر ہمارا گوشت چبانے کے نشان موجود ہیں! اُف! ان کشتگانِ رہِ تسلیم کے پاک وپاکیزہ اجسام دامنِ صحرا میں بے گور وکفن پڑے ہیں۔

اے یزید! اگر آج ہمیں جنگی قیدی بنا کر تو سمجھ رہا ہے کہ کچھ حاصل کرلیا تو یاد رکھ، کل تجھے اس کے مقابلہ میں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا! اور یہ بات نہ بھولنا کہ تو اپنے اعمال کی صورت میں جو بھیجے گا بس وہی پائے گا۔ نیز رب العالمین اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ ہم اللہ کے سوا نہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے پاس فریاد لے جاتے ہیں! صرف اسی کی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہی ہم سب کا مرکزِ اعتماد ہے۔ اے یزید! تیرے پاس مکر وفریب کا جتنا ذخیرہ ہے اسے جی کھول کر کام میں لے آ۔ ہر طرح کی سعی وکوشش میں بھی کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا۔ اپنی سیاسی جدوجہد کو مزید تیز کردے۔ اور ہاں ساری حسرتیں نکال لے۔ تمام آرزوئیں پوری کرلے!

مگر اس کے باوجود تو نہ تو ہماری شہرت کو کم کرسکتا ہے اور نہ ہی ہمیں جو مقبولیت حاصل ہے، اُسے متاثر کرسکتا ہے! پھر یہ بھی تیرے بس میں نہیں کہ ہماری فکر کو پھیلنے اور ہمارے پیغام کو نشر ہونے سے روک دے! نیز تو ہمارے مقصد کی گہرائی تک پہنچنے اور غرض وغایت کی گیرائی کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

یزید! تیری فکر غلط ہے، تیری رائے خام ہے! تیری زندگی کے محض چند دن باقی رہ گئے ہیں، تیری بساط الٹنے والی ہے اور بہت جلد تیرے ساتھیوں کا شیرازہ بھی بکھرنے والا ہے! اس کے علاوہ وہ دن قریب ہے جب منادی آواز دے گا ہاتف غیبی کہے گا کہ "ظالموں پر خدا کی لعنت" (سورۂ ہود:18) اور حمد وسپاس اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ رب الارباب، جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کو انجامِ کارِ خیر وسعادت کے خزانۂ عامرہ سے افتخار بخشا اور ہماری آخری شخصیتوں کو شہادت ورحمت کی نعمتِ عظمیٰ سے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

سرفراز فرمایا۔ ارحم الراحمین ہمارے شہداء کے ثواب کو کمال آگیں، ان کے اجر کو فراواں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کو اپنے حسنِ کرم سے بہرہ مند فرمائے۔ یقیناً وہ بڑا مشفق اور حد درجہ مہربان ہے۔

ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے (آلِ عمران: 173) (''حضرت زینبؑ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے'' ص ۴۷ تا ۵۷)۔

دربار یزید میں ثانیِ زہراؑ کے اس خطاب کے سلسلہ میں اس خطبہ کے تاثرات کو قلمبند کرنے سے پہلے ہم اس خطاب کے متعلق مندرجہ ذیل سطور میں جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب مدظلہٗ کا مختصر سا تبصرہ نقل کرتے ہیں جو حقائق کی ترجمانی کرتا ہے۔ غدیری صاحب لکھتے ہیں:

''ثانیِ زہراؑ کے عظیم خطاب پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُس معظمہ نے فصاحب و بلاغت اور معانی و بیان کے علوم وفنون کی عظمتوں کو قالبِ سخن میں ڈھال کر اسلوبِ بیان کی کتنی پاکیزہ مثال پیش کی ہے۔

''زینبؑ کبریٰ نے اپنے خطبہ میں حقائق کے اظہار کا جو انقلاب آفریں انداز اختیار کیا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور حق وحقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فطرت کی رعنائیوں کو آزادی وحریت کے تحفظ سے ہم آہنگ کر کے جراُتِ بیان کا جو مقدس نمونہ پیش کیا، وہ ہر صاحبِ فکر و دانش کیلئے قابلِ تقلید ہے۔

زینبؑ نے اپنے مقدس بیان کی روشنی میں دنیائے انسانیت کو حقائق کے اظہار کا طریقہ، فطری حقوق کے تحفظ کا سلیقہ اور حقیقت و عقیدت کے امتزاج کا ڈھنگ سکھایا۔

''سیدہ زینبؑ نے بتلایا کہ ظالم وستمگر کے سامنے کلمۂ حق کس طرح کہا جاتا ہے اور زبان و بیان کی قوت کو شمشیر وسناں سے زیادہ تیز اثر دے کر کس طرح لوگوں کے دلوں میں اُترا جاتا ہے۔

''علیؑ کی بیٹی نے اپنے خطبہ میں طاقت کے بل بوتے پر مظلوم انسانوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف قیام کرنے کے آداب سکھائے۔

''زینبؑ کبریٰ نے جس پاکیزہ انداز میں بنی امیہ کی نخوت کا کاخ مرمر اپنے بیان کی قوت سے ریزہ ریزہ کیا، اُس کے سامنے یزید کا سر ندامت وشرمندگی سے جھک گیا اور اُسے رسولؐ زادی کا مضبوط استدلال اس طرح رسوا کر گیا کہ وہ سوچنے لگا کہ اگر زمین کا منہ کھل جائے اور وہ اُس میں چھپ کر اپنی رہی سہی عزت بچا سکے، مگر اب وقت گزر چکا تھا، افسوس وندامت کی گھڑیاں بیت چکی تھیں اور اُموی خاندان کی طاغوتیت اور فرعونیت کا بُت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا، اور اُن کی سطوت و عامریت کے چراغ گل ہو چکے تھے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اوراب یزید کےایوانِ اقتدار پر مایوسی، پریشانی، اضطراب وندامت کے سائے محیط تھے۔

''زینبؑ کبریٰ کے تاریخی خطبہ کی انقلاب آفریں تاثیر رہتی دنیا تک بنی ہاشم کی شجاعت کا پرچم سربلند رکھے گی اور فطرت کی رعنائیوں اور زیبائیوں کی نورانیت کے مشتاق علیؑ کی صاحبزادی کے عصمت شعار خطاب کی روشنی میں شعورِ نظر، شعارِ حقیقت، احساسِ عظمت، قوتِ ارادہ، حسنِ اخلاق اور کسبِ کمال کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے۔

''سیدہ زینبؑ کے حقیقت شعار خطبہ سے ہر دور میں ظالم وستمگر حکمرانوں کے ایوانِ اقتدار لرزتے رہیں گے اور مالی طاقت کے بل بوتے پر انسانیت کا خون کرنے والے طاغوت، علیؑ کی صاحبزادی کے اس تاریخی خطبہ کی انقلاب آفرینی سے نہ بچ سکیں گے اور جب بھی کربلا کے خونیں واقعہ کا تذکرہ ہوگا تو زینبؑ کے خطبوں کی یاد تازہ ہوجائے گی'' (حیات الامام حسینؑ، ج۳، ص۳۸۱، منقول از الفری السنته السابقه:6)۔

حیدرؔ گوپالپوری کہتے ہیں:

ایمان کی منزل کفِ پا چوم رہی ہے
ملت کی جبیں نقشِ وفا چوم رہی ہے
اے بنتِ علیؑ! عارفۂ لہجۂ قرآن
خطبوں کو ترے وحیٔ خدا چوم رہی ہے

(''زینبؑ، زینبؑ ہے'' ص۲۶۵، ۲۶۶)

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے کہ اس خطبۂ عالیہ کے اثرات قلمبند کریں۔ لہٰذا ہم سب سے پہلے جناب عمادالدین حسین اصفہانی عمادزادہ کی کتاب ''تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' سے ان اثرات کی ابتداء کرتے ہیں۔ مصنف موصوف اپنی کتاب کی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں:

''اینجا خطبۂ لرزاننده عقیلۂ بنی هاشم تمام شدو آتشی از کینه و حقد و حسد معاویه و یزید بر دلهای مردم برافروخت، و نهیب آنچنان زبانه کشید که به کلی شهر شام را دگرگون کرد. با این خطبه، ارکان سلطنت یزید بلکه بنی امیه را متزلزل ساخت، و آتش انقلاب و تحول فکری و سیاسی رادر سینه های مردم شعله ور ساخت، چنانچه تاده سال زبانه می کشید، وچهارصد هزارنفر مردم عربستان در اثر این خطبه به جان هم ریختند، و همه به خونخواهی حسین بن علی علیه السلام قیام می کردند. این خطبه از مهیج ترین و لرزاننده ترین خطب حضرت زینب کبریٰ سلام الله علیهابود، که در بزرگترین مجلس سلطنتی (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

یزید بن معاویه با کمال شهامت و شجاعت انشاء فرمود(بحار الانوار، ج10مقتل ابی مخنف ؛ مقتل لهوف).

''یہاں عقیلۂ بنی ہاشم کا ہلا دینے والا خطاب اختتام کو پہنچا، جس سے معاویہ و یزید کے خلاف لوگوں کے دلوں میں کینہ و بغض کی آگ بھڑک اٹھی بلکہ اسقدر بھڑکی کہ شام کا تمام شہر بلبلا اٹھا۔ اس خطبہ نے نہ صرف یزید کے ارکانِ سلطنت بلکہ پورے قبیلۂ بنی اُمیہ کو اس قدر ہلا کر رکھ دیا کہ لوگوں کے دلوں میں انقلابِ فکری و سیاسی انتشار کے شعلے اٹھنے لگے۔ چنانچہ دس سال تک شعلہ ہائے انتقام اُٹھتے رہے، اس خطبہ کے اثر سے عرب کے چار لاکھ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سب نے امام حسینؑ بن علیؑ کے خون کے انتقام کی خاطر بغاوت جاری رکھی۔ یہ خطبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا سب سے زیادہ ہیجان خیز اور لرزا دینے والا خطبہ تھا جس کو یزید بن معاویہ کی سلطنت کے سب سے بڑے دربار میں کامل ترین بے باکی و شجاعت سے ادا کیا گیا تھا''۔

اس خطابِ ثانیِ زہراؑ کے اثرات کے لئے ہم فاضل مصنفِ کتاب ''زندگانیِ جنابِ امام حسینؑ'' جناب عمادزادہ کی اصل عبارت ذیل میں پیش کرتے ہیں جس کے بعد اس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کریں گے:

''یکی از مواهب الٰهی بر بشر، نیروی بیان و قدرت کلام است. در خلقت این عالم پس از آفرینش آدم، بیان بهترین موهبت الٰهی است، و برخی کشور بیان را پس از وجود و علم می دانند. در قرآن مجید پس از گشایش باب رحمت و عطوفت، از تعلیم قرآن سخن به میان آورده، و خلقت انسان را با علم و دانش مقرون ساخته، و برای نیل به هدف اصلی و ساحل کنار دریای سعادت و کامیابی، آموزش بیان و نطق و خطابه را آورده. از این آیات شریفهٔ قرآن چنین استنباط می شود که غریزئه علم و بیان آن سرامد کلیهٔ موفقیتهای زندگانی روحانی بشری است، و بانیروی بیان میتوان بر مشکلات فائق آمد.

''کشورِ سخن و سخن پردازی، در عالمِ خلقت ِبشریت به اتفاقِ تمام اربابِ نطق و بیان سرتاسر مسخر خاندانِ عترت و طهارت و مخصوص بنی هاشم بود. آنها در این رشته، کار خطابه و بیان را به جائی رسانیدند که دست کسی بر آن نرسید، آنها فرماندهان حروف و معانی بودند، کلمات و الفاظ همچون سربازان صف بسته و در فرمان این فصحای بی نظیر بودند.

بلاغت و فصاحت در خاندان بنی هاشم و تربیت شدگان مهد نبوت و ولایت از غرایز طبیعی آنها به شمارمی رفت. چنان قوی پنجه در سخن بودند که هر معنای رقیق درونی، و هر احساسات لطیف روحانی را در قالب الفاظ رسای متناسب ریخته، و هرشنونده ای را بر خود می لرزانیدند. بااین خطاب به یزید که:

اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقاءِ تَخْدِیرکَ حَرائِرکَ وَ اِمائکَ وَ سَوْقکَ بَناتُ رَسُولِ اللّٰهِ سَبایا؟

آیا این است آن عدالت و مساوات که خدای اسلام فروفرستاده، و پیشوای اسلام در (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

زندگی مردم نهاده که تو زنان خودت را پشت پردئه زنبوری جادهی، و دختران پیغمبر را مانند اسرای روم و زنگبار بند اسارت درپیش چشم مردم در آوری، ومحرم و نا محرم به ما چشم دوزند و از دورونزدیک نماشا کنند؟

بزرگ ترین فرماندۀ سخن و پادشاه کشور نطق و بیان امیر مؤمنان علیؑ بن ابی طالبؑ است که در طول نیم قرن علاوه بر بزرگترین منصب شجاعت که جزوامثال سایرئه عرب شد، و همه جابه هرزبان می گفتند: والشّجاعة الحیدریّة،با عالیترین مدال و فرمان کشور بلاغت و فصاحت و حدت پیدا کرده و شمشیر و قلم را با نطق و زبان جمع کرده به سرحد کمال رسانیده بود.

حضرت زینبؑ کبریٰ آن تربیت شدئه مکتبِ علوی، استعداد و درس خود را از پرورش خاندانِ ولایت در بازار کوفه و شام و مجلس یزید، بروز داد و علت تامّهٔ این قیام گردید، و کلمات پر حرارت و آتشین خود در موقع شناسی یک حرکت فکری و تحول روحی مردمی به وجود آورد، که چشم روزگار ندیده و گوش بشر نشنیده است. اوباخطبه های خویش تخم انقلاب را برای نابودی دولت اموی و توجه مردم به دین اسلام و فداکاری رهبران آن جلب کرد، و نشان داد که ائمۀ دین همه بایک نقشۀ منظم و یک برنامۀ کامل و ثابت و غیر قابل تزلزل، نشر دین و تعظیم شعائر مذهب را تایید می کنند، خواه به کشته شدن یا به کشتن، خواه به گوشه نشینی و انزوایادرکنج سیاه چال زندان و مسمومیت، درهر حال مشغول انجام وظیفهٔ خویش هستند و خط سیر مسلمین را نمی گذارند عوض شود، واگر هم پرده های ظلم و جور چهرئه زیبای حقیقت را بپوشاند، پس از پاسی باز بر طرف خواهد شد.

پس از شهادت علی علیه السلام مردمی که دربازار کوفه، در مسجد کوفه، در میدان جنگ، در میدانهای عمومی، در اجتماعات ملی همه جا صدای علی امیر المؤمنین علیه السلام را می شنیدند، و با صدای سحر آمیز و لحن لرزانندئه او آشنائی داشتند، آرزو می کردند یک بار دیگر صدای مولای خود را بشنوند.

بیست سال از شهادت امیر علیه السلام گذشته بود، بیست سال از مرکزیت کوفه گذشته بود که مردم برای دیدن اسرای جنگی تجمع کرده، در بحبوحۀ انقلاب در میان جمعیت انبوه، ناگهان صدای امیر المؤمنین علیه السلام به گوش پیر مردهای سالخورده و مردم کوفه رسید، همه مانند آدمی که درخواب بوده اند بر خود لرزیدند، متوجه شدند ببینند صدا از کجا است! حس کردند از میان اسرا صدای علوی بلند است. باکمال شگفتگی نزدیک قافله شدند، شنیدند همان کلمات و الفاظ و معانی و سبک خطابه و بیان که بیست سال قبل از علی علیه السلام در گوش آنها بود، بلند است، بیشتر از این تعجب کردندکه (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

قافلۂ اسرا را خارجی می گفتند!!

حضرت زینبِ کبریٰ سلام الله علیها آن خطبۂ مهیج را بیان کرد، و با این خطب و شهامت، اسرار قیام برادر را روشن ساخت، و بر دنیا ثابت کرد که خصال آدمیت بالا ترین مقامی است که اسلام برای آن مکتب خود را گشود، و مردم مسلمان را بدین ترتیب پرورش نمود:

باشد به جهان در نظر دانشور — آغوش زن اوّلین دبستان بشر

این مکتب ابتدائی از عالی نیست — از تربیت بشر مجوئید اثر

این قدرت و نیروی نطق و فصاحت نه تنها از دختر علی علیه السلام بود بلکه تربیت شدگان مکتب ولایت یکی بعد از دیگری شروع به نطق و خطابه کردند، اما در آن اثنا تعجب و شگفتگی بیشتری برای دختر بزرگ علی علیه السلام پیدا شد، زیرااوهم چند روز بود صدای حسین را نشنیده بود، و الحان فرح بخش و جان پرور برادر به جان دلش نرسیده بود که ناگهان پس از نطقهای آتشین دختران علی علیه السلام صدای حسین علیه السلام به گوش خواهر رسید که می خواند:

"اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا" (کهف: 9)

(تاریخِ زندگانیِ امام حسینؑ، ج۲، ص۲۹۲ تا ۲۹۵، تالیف عمادالدین حسین اصفهانی، عمادزادہ)۔

''انسان پر اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک زورِ بیان اور قدرتِ کلام ہے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد دنیا میں قوتِ بیان اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت ہے۔ بعض لوگ قوتِ بیان کو وجودِ انسان اور اس کے علم کے بعد قرار دیتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں بابِ رحمت وشفقت کے کھلنے کے بعد تعلیمِ قرآن کی بات درمیان میں آئی اور خلقتِ انسان کو علم ودانش کے ساتھ متصل کیا اور ہدفِ اصلی و دریائے سعادت وکامیابی کے ساحل تک رسائی کے لئے بیان ونطق وخطابت کو درمیان میں لایا گیا۔ قرآنِ مجید کی آیاتِ شریفہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تحصیلِ علم اور اس کا بیان انسان کی روحانی زندگی کی توفیقات میں بلندترین مقام ہے۔ نیز قوتِ بیان ہی سے تمام مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

''تمام ماہرینِ خطابت وبیان اس بات پر بالکل متفق ہیں کہ عالمِ بشریت میں فنِ تقریر وادب کی مہارتِ تامہ بلکہ اس دنیا کی کامل حکمرانی بنی ہاشم میں خصوصیت کے ساتھ خاندانِ عترت وطہارت یعنی اہلِ بیتِؑ رسولؐ اکرم کو ہر لحاظ سے حاصل ہے۔ ان حضرات نے اس شعبۂ زندگی یعنی خطابت وبیان کی دنیا کو ایسے بلند مقام تک پہنچادیا جہاں کسی کو دسترس حاصل نہیں۔ یہ حضرات حروف ومعانی کے فرماں روا ہیں، کلمات والفاظ صف بستہ غلاموں کی طرح کھڑے ہیں اور ان بےنظیر فصیح وبلیغ حضرات کے زیرِ فرمان ہیں۔

''آغوشِ نبوت وولایت میں پرورش پانے والوں کے لئے فصاحت وبلاغت ان کی فطرتِ طبیعی میں شمار کی جاتی تھی۔ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

مملکتِ سخن پران کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ ہر قسم کے باریک ترین معانی اور روحانی احساسات کو متناسب الفاظ کے قالب میں اس طرح سنوار دیتے تھے کہ ہر سننے والا لرز اٹھتا تھا۔ یزید سے طرزِ تخاطب ملاحظہ ہو:

''اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِیرُکَ حَرَائِرَکَ وَ اِمَائَکَ وَ سَوْقُکَ بَنَاتُ رَسُولِ اللّٰہِ سَبَایَا؟

کیا یہی عدل وانصاف ہے جس کا پروردگارِ اسلام نے حکم دیا ہے اور اسلام کے پیشوا نے اپنی زندگی میں لوگوں کیلئے جس کا حکم دیا ہے کہ تو اپنی عورتوں کو تو پردہ کے پیچھے بٹھائے اور رسولؐ کی بیٹیوں کو روم و زنجبار کے قیدیوں کی طرح اسیر کر کے لوگوں کے سامنے لے آئے اور محرم و نامحرم دور و نزدیک سے ان کا تماشا کریں؟

بہترین گفتگو کرنے والے اقلیم نطق و بیان کے بادشاہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جنہوں نے پچاس برس کے طویل عرصہ تک نہ صرف بلند ترین منصبِ شجاعت کی ایسی مثال قائم کی کہ ہر جگہ و ہر زبان '' والشجاعۃ الحیدریہ '' کا نعرہ بلند کرتی تھی بلکہ فصاحت و بلاغت کی دنیا پر ایسی حکمرانی و وحدت قائم کر دی کہ شمشیر و قلم کو نطق و زبان کی دنیا میں اس طرح جمع فرمایا کہ ہر طرح انہیں حدِ کمال تک پہنچا دیا۔

جنابِ ثانیِ زہراؑ جو اسی مکتبِ علوی کی پرورش یافتہ تھیں، انہوں نے اپنی استعدادِ علمی اور خاندانِ ولایت سے پرورش پا کر اپنے درس کو کوفہ و شام کے بازاروں اور یزید کے دربار میں اس طرح واضح فرمایا، اپنے قیام کی علتِ تامہ اس طرح بیان فرمائی کہ اپنی گرمیٔ گفتار اور آتشِ بیان سے موقع کو پہچانتے ہوئے لوگوں میں ایسی حرکتِ فکر و انقلابِ روحانی پیدا کی جسے نہ کسی زمانہ کی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ کسی گوشِ بشر نے کبھی سنا تھا۔ آپؑ نے اپنے خطبات سے سلطنتِ بنی اُمیہ کی بربادی کے لئے انقلاب کا بیج بو دیا، لوگوں کی توجہ کو دینِ اسلام و فداکارانِ رہبرانِ دین کی طرف منعطف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ آئمۂ دین سب کے سب ایک منظم طریقِ کار کے مطابق جس کا عنوان مکمل و مستقل و ناقابلِ تزلزل ہوتا ہے، دین کی تبلیغ اور شعائرِ مذہب کی تعظیم کو قائم کرتے ہیں۔ وہ خواہ مارے جائیں یا خود قتل کریں، گوشہ نشین ہو جائیں یا زندانِ تاریک کے کسی کونہ میں بند ہوں یا زہر سے شہید کر ڈالے جائیں، ہر حال میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں، یہ نہیں ہونے دیتے کہ مسلمانوں کے حقوق کو بیچ ڈالیں اور اگر کبھی ظلم و جور کے پردے ان کے چہرہ ہائے زیبا کی حقیقت کو چھپانا چاہیں تو وہ اس کو خود نوچ کر الگ کر دیتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ لوگ جنہوں نے بازارِ کوفہ، مسجدِ کوفہ، میدانِ جنگ، مجالسِ عمومی، اجتماعاتِ قومی، غرضیکہ جہاں کہیں صدائے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو سنا تھا، آپؑ کی سحر آمیز آواز اور لرزہ پیدا کر دینے والے لہجہ سے واقف تھے، آرزو رکھتے تھے کہ ایک بار پھر اپنے مولا کی پیاری آواز سن پائیں۔ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کو بیس برس گزر رہے تھے، کوفہ کی مرکزیت کو بھی بیس سال ہی کا عرصہ ہوا تھا جب لوگ اسیرانِ جنگ کو دیکھنے کیلئے جمع ہوئے تھے کہ دورانِ انقلاب لوگوں کی کثیر جمعیت کے دوران اچانک بوڑھے افرادِ کوفہ کے کانوں کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی آواز سنائی دی۔ سب سننے والے اس طرح لرزنے لگے جیسے کوئی خواب میں لرز جاتا ہے۔ متوجہ ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ انہیں احساس ہوا کہ قیدیوں کے درمیان سے صدائے علیؑ بلند ہو رہی ہے۔ نہایت تعجب کے ساتھ اس قافلہ کے قریب آئے۔ سنا کہ ویسے ہی کلمات والفاظ ومعانی وخطاب پُر معنی وبیان جو اُن کے کانوں نے بیس برس پہلے حضرت علی علیہ السلام سے سنا تھا، بلند ہو رہا ہے۔ اکثر لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس قافلہ اسیران کو تو خارجی بتایا گیا تھا!

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا یہ ہیجان آگیں خطاب فرما رہی تھیں۔ آپؑ نے اسی شاندار خطاب میں اپنے بھائی کے قیام کے اسرار پر روشنی ڈالی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ انسانیت کے خصائل ہی وہ بلند ترین مقام رکھتے ہیں جن کی ترویج کی خاطر اسلام نے اپنے مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی تھی اور مسلمانوں کی جس کے لئے پرورش کی تھی۔

ایک دانشور کی نظر میں یہ جاننا ضروری ہے کہ آغوشِ مادر ہی انسان کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بلند منصب ایسا مکتب نہیں جہاں انسان کی تربیت کے اثرات کی تلاش ممکن ہو۔

خطابت وفصاحتِ کلام کی یہ قدرت وقوت صرف دُخترِ علی علیہ السلام ہی سے ظاہر نہیں ہوئی بلکہ مکتبِ ولایت کی تربیت یافتہ ہستیوں نے یکے بعد دیگرے ایسا ہی خطاب فرمایا، تاہم اسی اثناء میں سب سے زیادہ تعجب وحیرت حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کے کلام سے پیدا ہوئی جنہوں نے کئی روز سے امام حسین علیہ السلام کی مبارک آواز نہیں سنی تھی، ان کے عظیم بھائی کا فرح بخش اور جان پرور لہجہ ان کے قلب وجگر تک نہیں پہنچا تھا کہ اچانک امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے آتشیں خطابات کے بعد امام حسین علیہ السلام کی آواز فداکار بہن کے کان میں آئی جو فرما رہے تھے:

"اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَهۡفِ وَالرَّقِیۡمِ کَانُوۡامِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا" (کهف:9)

"کیا تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری تعجب انگیز نشانیوں میں سے تھے؟"

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے دربارِ یزید میں خطاب نے بہت سے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا جن میں دیگر ممالک کے سفیر بھی شامل تھے۔ ان میں کئی لوگوں نے اپنے ممالک میں صحیح اطلاع پہنچانے کی خاطر حالات کی نوعیت معلوم کرنا چاہی۔ انہی میں سفیرِ روم کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ جناب سید اولاد حید رفوق بلگرامی نے اس کے واقعہ کو سوانحِ امام زین العابدین علیہ السلام یعنی اپنی کتاب "صحیفۃ العابدین" میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو ہم ہدیۂ قارئین کرتے ہیں: (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

''یزید کے دربار میں جہاں اور ممالک کے سفیر حاضر تھے، وہاں سلطنت روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ اُس نے یزید سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ سر جو طشتِ طلا میں رکھا ہے، کس کا ہے؟ یزید نے پہلے تو اُسے یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ تجھے اس سے کیا غرض، کسی کا سر ہو؟ سفیرِ روم نے کہا کہ بات یہ ہے کہ جب میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں تو وہ ذرہ ذرہ تمام حالات مجھ سے پوچھتا ہے۔ اس وجہ سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اس سرِ بریدہ کی حقیقتِ حال سے مجھے مطلع فرمائیے۔

یزید نے کہا کہ یہ سر امام حسین ابنِ علی علیہما السلام کا ہے۔

پھر اُس نے پوچھا کہ ان کی ماں کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا فاطمہ علیہا السلام۔

اس سفیرِ نصرانی نے پوچھا کہ وہی فاطمہؑ جو تمہارے رسولؐ کی صاحبزادی ہے؟ یزید نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا افسوس ہے تجھ پر اور تیرے دین پر۔ میرا مذہب اور تیرا ایک نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو دیکھو کہ میرا نسب حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر تمام ہوتا ہے۔ مجھ سے لے کر جنابِ داؤد علیہ السلام تک بہت سی پشتوں کا شمار ہوتا ہے لیکن تاہم یہود و نصاریٰ آج تک میرے قدم کی خاک کو تبرک سمجھ کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور تم ایسے بزرگوار کو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب میں صرف ایک پشت سے جا ملتا ہے، قتل کرتے ہو۔ اب تو مجھ سے اس واقعہ کو ایسی تفتیش سے پوچھنے کا اصلی باعث کان لگا کر سن لے۔

یزید نے کہا اچھا بیان کر۔

اُس نے کہا مجھ کو ایک بار بحرِ عمان کا سفر درپیش ہوا اور میں ملکِ چین کے ایک جزیرے میں گیا۔ اُس جزیرہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد ہے جہاں سے کافور، عنبر اور یاقوتِ احمر لاتے ہیں اور اسی سرزمین سے عود بھی لاتے ہیں۔ اس شہر میں بہت سے عیسائیوں کے معبد ہیں اور انہیں میں سے ایک عبادت خانہ کا نام کنیسہ حاضر ہے۔ اس عبادت خانہ میں ایک یاقوتِ سرخ کا ظرف چھت سے لٹکا ہوا ہے اور اُس ظرف میں ایک سُم رکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ **علیٰ نبینا وعلیہ السلام** کے گدھے کا سُم ہے۔ ہر سال ہزاروں عیسائی اُس کی زیارت کو آتے ہیں اور نہایت خلوص واعتقاد سے اُس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ اور ایک تم لوگ ہو کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کو قتل کرتے ہو۔ لا بارک اللہ فیکم ولی فی دینکم۔ خدائے سبحانہٗ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دینی امور میں کبھی برکت نازل نہ فرمائے۔

''یزید یہ تقریر سن کر آگ ہو گیا اور اُس نے فوراً حکم دیا کہ اس مردِ نصرانی کی گردن ماری جائے۔ جب اُس کو اپنے قتل کیے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے یزید کو مخاطب کر کے کہا کہ سبحان اللہ ایک دوسرا امرِ عجیب مجھ پر ظاہر ہوا۔ اُس کو بھی سن لے۔ میں نے کل رات کو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویا میں دیکھا کہ آپؐ مجھے بہشت کی بشارت دے رہے ہیں۔ وہ روز یہی تھا (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

میں اب صدقِ دل سے اسلام کو قبول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے کلمۂ توحید زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا اور سرِ مبارکِ امام حسینؑ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور چشم و جبینِ مبارک کے پے در پے بوسے لیتا رہا، یہاں تک کہ ہوا خواہانِ یزید نے بحکمِ یزید اُس سے وہ سر لے لیا اور اُس کو قتل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ"۔ (صحیفۃ العابدین، ص۴۲۔۴۳)۔

اس نوعیت کے اور بھی بہت سے واقعات کتبِ تاریخ میں مذکور ہیں جن سب کا بیان طوالتِ کلام کا باعث ہوگا۔ ہم نے یہ واقعہ صرف اس لئے لکھا ہے کہ یہ اور اس طرح کے اور واقعات سب اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی دربارِ یزید میں موجودگی میں رونما ہوئے جبکہ وہاں اور ممالک کے نمائندگان بھی موجود تھے۔ انہیں واقعات کے دوران ہماری مخدومہ اور دیگر مخدراتِ عصمت و طہارت نے بھی کلام کیا۔ ہم ان سب کو چھوڑ کر اختصار کے پیشِ نظر ایک بار پھر جناب علی قائمی کی کتاب کے ترجمہ اور مناسب مقامات پر اس سے متعلق تبصروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۵۔ ثانئِ زہراؑ کے خطبہ کی مختصر تحقیق و تشریح

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو دمشق لایا گیا اور جو کچھ کوفہ میں ہوا تھا، یہاں بھی وہی ہوا۔ ثانئِ زہراؑ دیگر قیدیوں کے ہمراہ جب دمشق میں وارد ہوئیں تو دیکھا کہ شہر کو آراستہ کیا گیا تھا، ہر جگہ چراغاں کیا گیا تھا اور حالات لوگوں پر بالکل واضح نہ تھے، بلکہ حقائق کو مسخ کر کے لوگوں میں شہرت دی گئی تھی۔ اہالیانِ کوفہ کے برعکس شام کے لوگوں میں مشہور کیا گیا تھا کہ دین سے برگشتہ و باغی ایک جماعت جنہوں نے مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہا تھا جس کو روکنے کی خاطر اُن کے امیر المؤمنین یزید ملعون نے اُن سے جنگ کی تھی۔

ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ دینی اعتبار سے شام کوفہ کی نسبت زیادہ پُر امن و خاموش تھا۔ کوفہ حضرت علی علیہ السلام کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ آپؑ کا خاندان اور اولاد وہاں چند برس تک حکمران رہے تھے، لوگ حضرت علیؑ اور آپؑ کے فرزندوں کے مواعظ سے کاملاً آشنا تھے۔ اس کے برعکس شام چالیس سال سے معاویہ کے زیرِ حکومت تھا۔ اس تمام عرصہ میں لوگ حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے خاندان کے افراد کے ناموں سے واقف نہ تھے۔ وہاں کے لوگ معاویہ کو رہنمائے اسلام جانتے تھے۔ صرف یہی نہ تھا بلکہ اس کے بالکل برعکس حضرت علیؑ اور آپؑ کے افرادِ خاندان کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ بن چکا تھا کہ یہ لوگ اسلام میں نفاق و تفرقہ کا موجب ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان نا اتفاقی و منافرت کا باعث ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اہالیانِ شام نے اسی ذہنی کیفیت کے تحت خاندانِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے اسیروں کا استقبال کیا۔

دربارِ یزید

اسیرانِ آلِ رسولؐ کو دربارِ یزید میں لے جایا گیا۔ اس دربار کا ماحول یہ تھا کہ پورا دربار جشن و سرور کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی مناسبت سے یزید کے سامنے پیش کرنے کے لئے مرقعۂ خطاب ترتیب دیا گیا تھا۔ شرکائے دربار کی تنظیم بھی اسی مناسبت کے مطابق اہمیت کی حامل تھی۔ سربراہانِ حکومت اور بنی امیہ کے بڑے بڑے لوگ دربار میں اپنے اپنے مقام پر حاضر تھے۔

دیگر ممالک کے نمائندگان بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ دربار میں موجود تھے۔ ملکِ شام کے شیوخ، امراء، خوش حال تاجرانِ شہر اپنی سواریوں سمیت، درباری مسخرہ، گانے بجانے والے ماہرینِ موسیقی وغیرہ بڑی تعداد میں حاضر تھے اور یزید

کو اس کی کامیابی پر مبارک بادیں پیش کر رہے تھے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنی جگہ پر موجود تھا۔ یزید تختِ شاہی پر پورے جاہ و جلال و شکوہ و دبدبہ کے ساتھ اپنے غرور و تکبر و شراب کی مستی میں سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ مبارک کو بظاہر طلائی طشت میں اپنے سامنے رکھے ہوئے عظمت و تکبر کا نمونہ بن کر متمکن تھا۔

داخلۂ اسیرانِ آلِ رسولؐ

اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ وہ ملعون اپنی اس فتح و کامرانی پر بے انتہا خوش و مسرور تھا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے انجام کو سوچ کر اور نقشۂ دربار کے پیشِ نظر لرزاں و ترساں بھی تھا۔ تاہم اُس نے اپنے اشعار سے گفتگو کا آغاز کیا جو خالصتاً کفر سے مملو تھے۔ ان اشعار کا مطلب یہ تھا کہ کاش آج میرے وہ بزرگ اس دربار میں زندہ موجود ہوتے جو جنگِ بدر میں رسولِؐ اسلام اور اُن کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، تو وہ دیکھتے کہ میں نے فرزندانِ محمدؐ اور علیؑ سے کس طرح اُن کے خون کا انتقام لیا ہے۔ اگر وہ میری اس کارکردگی کو دیکھتے تو فوراً کہہ اٹھتے کہ یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے ان کو کیسی اچھی طرح قتل کیا......

وہ بے عقل یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ اُس کا امارت و حکومت کو پہنچنا اور مسندِ خلافت پر بیٹھنا اللہ کے اُسی رسولؐ، انہی جنگوں اور اُسی رسولؐ کی فتوحات کا نتیجہ تھا۔ اگر آنحضرتؐ اس زمانہ میں مشرکین کے خلاف جنگوں میں فتحیاب نہ ہوتے تو اسلام کے لفظ سے بھی کوئی واقف نہ ہوتا، نہ ہی معاویہ و یزید ان کے نام سے لوگوں پر حکمران ہوتے۔

اُس لعین نے وحی و نبوت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: (طبری، ج2)

لَعِبَتْ بَنِی هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا
خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلُ

یعنی بنی ہاشم نے نبوت کا کھیل کھیلا تھا ورنہ حقیقت میں نہ تو کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔

وہ یہ کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ مظلوم کی اہانت میں مصروف آپؑ کے لب و دندان پر چھڑی مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض اعتراض کرنے والے خاموش نہ رہ سکے۔ ثانیِ زہراؑ کو بھی بولنا پڑا اور آپؑ نے اپنا خطبہ شروع فرما دیا۔

ثانیِ زہرؑا کا یزید پر عتاب اور اُس کی توبیخ

زینبؑ عالیہ کا خطبہ ایسے افکار ورموز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جن کے ترجمہ وتشریح اور تجزیہ کے لئے آپؑ کے فرمودہ اشارات وکنایات واستعارات کو پھیلایا جائے تو اس کے لئے بذاتِ خود ایک الگ دفتر وتالیف کی ضرورت ہے۔ ہم اس خطبہ کے کچھ حصوں کی اس بحث میں تشریح کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ثانیِ زہرؑا کا پورا خطبہ یزید پر آپؑ کے عتاب، توبیخ اور سرزنش کا مرقع ہے۔

شہزادیؑ نے یزید کو موردِ عتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو حکم نامہ تو نے ہمارے بارے میں جاری کیا، تو سمجھتا ہے کہ تو نے اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ہمیں تو نے ذلت کا مورد قرار دیا ہے؟ کیا تو اپنے اردگرد جو کچھ دیکھ رہا ہے اس سے تیرا مقصد یہ ہے کہ تو نے دنیا میں اپنا مقصود پالیا ہے؟ اے یزید! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس سے مطمئن نہ ہوجا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہ بھول کہ اُس نے بدکاروں کی عاقبت کو دوزخ میں قرار دیا ہے، نیز کافروں اور بے دینوں کو مہلت دی ہے کہ اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت پاسکیں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا یزید کو اس وقت موردِ سرزنش قرار دے رہی ہیں جب اس نے اپنی عورتوں کو پردہ کے پیچھے محفوظ بٹھا رکھا ہے جبکہ دُخترانِ رسولؐ کو نامحرموں کے درمیاں اس طرح اسیر کر رکھا ہے کہ دور ونزدیک، شریف وذلیل انہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ اس حالت میں ہیں کہ سرپرستی وحمایت کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں۔

آپؑ یزید کی مذمت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ تو نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اُن کی ذرّیت کو قیدی بنایا ہے۔ اگر تو نہ ہوتا تو ابنِ زیاد کو ہرگز خونِ حسینؑ بہانے کی جراُت نہ ہوتی۔ کیا ایسا کرتے وقت تجھے بالکل خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوا؟ تو ہی اولادِ رسولؐ کا قاتل اور ان کا خون بہانے والا ہے۔

"ارَاقَتُکَ دِمَاءِ ذُرِّیَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہ علیہِ و آلہٖ وسلّم".

"تیرا ذُریتِ محمدؐ کا خون بہانا"۔

آپؑ نے اسی طرح کی باتیں یزید کے بارے میں دربارِ ابن زیاد میں بھی فرمائی تھیں۔

یزید کی ذلت وشکست

ہم نے سابقہ مباحث میں زینب عالیہ سلام اللہ علیہا کو خاتونِ بت شکن قرار دیا ہے۔ ہم دربارِ یزید میں بہت اچھی طرح

اس کیفیت کا نظارہ کرتے ہیں۔ یزید الیاس بن مضر کی بیوی 'خندف' کو، جو اجداد قریش میں ایک عقلمند عورت تھی، اپنی کئی نسل پہلے کی دادی قرار دیتا تھا۔ اپنے اس سجے ہوئے دربار میں یزید نے اپنے آپ کو کئی پشت قبل سے 'خندف' سے منسلک کر کے اس بات پر فخر کیا۔

سیدہ زینبؑ عالیہ نے فرمایا کہ تو 'خندف' پر فخر نہ کر کیونکہ اُس کے اور تیرے درمیان تیرہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اپنی دادی 'ہندہ' جگر خوارہ (معاویہ کی ماں) کا ذکر کر جو ہر حیثیت سے تجھ سے زیادہ قریب ہے (سفینۃ البحار، ج1،ص580)۔

سیدہ ثانیِ زہراؑ نے اس حقیقت کے ذریعہ جملہ حاضرینِ دربار کے سامنے یزید کو ذلیل وحقیر کیا۔ (ہم جانتے ہیں کہ 'ہندہ' نے حضرت سید الشہداء جنابِ حمزہ ابنِ عبد المطلب، عمِ رسولؐ خدا کا جگر اپنے دانتوں سے چبایا تھا، میدانِ جنگِ اُحد میں اُن کے اعضائے جسم کا مثلہ کر کے ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنا تھا (فروغِ ابدیت، ج1)۔

یزید کی ذلت اور سرکوبی کا ایک اور نمونہ ایک اور موقعہ پر بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ بھی ہم دربارِ یزید ہی میں دیکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ دربارِ یزید میں ایک شامی کی نظر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جنابِ فاطمہؑ پر پڑی۔ اُس ملعون نے یزید سے درخواست کی کہ اُس صاحبزادی کو کنیز کے طور پر اُسے بخش دے۔ جنابِ فاطمہؑ بنتِ حسینؑ نے جب یہ بات سنی تو اپنے آپ کو زینبؑ عالیہ کے دامن سے لپٹا لیا۔ جنابِ زینبؑ نے اس شامی سے فرمایا کہ تو جھوٹ بکتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ نہ تجھے یہ حق پہنچتا ہے اور نہ ہی یزید کو۔

یزید کو شہزادیؑ کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور بولا کہ خدا کی قسم میں یہ حق رکھتا ہوں اور اگر چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔ زینبؑ عالیہ نے فرمایا کہ اللہ نے تجھے یہ حق نہیں دیا سوائے اس کے کہ تو ہمارے دین سے نکل جائے۔ یزید اور زیادہ غصہ سے بولا کہ کیا تو مجھ سے اس طرح کلام کرتی ہے؟ تیرا بھائی اور تیرا باپ دینِ خدا سے نکل گئے۔

ثانیِ زہراؑ نے فرمایا کہ تو نے، تیرے باپ نے اور تیرے دادا نے میرے باپ اور میرے بھائی کے ذریعہ ہدایت پائی۔ یزید نے زینبؑ عالیہ کو جھڑک کر کہا کہ اے دشمنِ خدا تو جھوٹ کہتی ہے۔ بی بی نے فرمایا کہ تو اس وقت اپنی امارت اور بادشاہی پر نازاں ہے، اس لئے دشنام طرازی کرتا ہے۔ یہ سُن کر یزید شرمندہ ہوا (الکامل، ج4،ص86) اور جب اُس ملعون شامی نے اپنی درخواست کو دہرایا تو یزید نے بڑے شدید غصہ سے اس کو جھڑک دیا اور کہا کہ خاموش ہو جا، خدا تجھے موت دے (کہ تو ہماری ذِلت کا باعث بنا ہے)۔

تنبیہ یزید

ثانیِ زہرؑا اپنے خطاب میں یزید کو خبردار کرتی ہیں اور اُس سے فرماتی ہیں: ''اے یزید! تو نے اپنے اس ظلم سے خود اپنی ذہنیت کو بے نقاب کر لیا ہے۔ بہت جلد اپنے پروردگار کے تحت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وارد ہو کر تجھے اس خون کے لئے جواب دہی کرنا ہوگی جوان کی اولاد کا تو نے بہایا ہے۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ قیامت کے دن تو خداوندِ متعال کے دربار میں، جو قاضئ عادل ہے، رسولِ خدا کی طرف سے دائر کردہ دعویٰ کے لئے جواب دہ ہوگا، جہاں جبرئیلِ امین اُن کے پشت پناہ ہوں گے۔ اگر تو نے ہمارے قتل و اسیری کو اپنے لئے غنیمت و بہتر جانا ہے تو تجھے جاننا چاہئے کہ تو اس بارے میں بہت بڑے وبال کا شکار ہوگا اور یہ اُس دن ہوگا جب کسی شخص کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا جو اُس نے پہلے سے اپنے لئے جمع کر رکھا ہوگا''۔

مزید فرماتی ہیں: ''جو کچھ تو کر سکتا ہے کر لے، ہماری دشمنی کی راہ میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم! تو ہماری طرف آنے والی وحی کو ہرگز نہیں روک سکتا، نہ ہی تو کبھی ہمارے طولِ حیات یا ہماری عزت و افتخار کو کسی طرح کم کر سکے گا اور نہ ہی اپنے دامن سے ننگ و عار کے دھبوں کو کبھی دھو سکے گا.....''۔

دُعا و نفرین از ثانیِ زہرؑا

ثانیِ زہرؑا کے خطبہ کے آخر میں شہیدانِ راہِ خدا کے لئے دعائے رحمت اور ذُریتِ رسولؐ و شہداء کیلئے افتخار آمیز جملے ہیں جبکہ اُن کے قاتلوں اور یزید کے لئے لعنت و نفرین و تحقیر و توبیخ کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔

آپؑ دُعا فرماتی ہیں: ''خداوندا! ان لوگوں سے ہمارا حق ہمیں دلا دے اور ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ جس نے شہیدانِ اسلام کے جگرِ پاک کو چبانا چاہا، اُس کے بیٹے سے ہمارا بدلہ لے جواب بھی بنی امیہ کی دیرینہ دشمنی کو یاد رکھتے ہوئے حسینؑ مظلوم کے دندانِ مبارک سے بے ادبی کر کے خوش ہو رہا ہے''۔

(شہزادیؑ کی دعا کس قدر جلد اور کیسی قبول ہوئی کہ تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ مختارؒ ابنِ ابوعبیدہ ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر کے ابنِ زیاد ملعون اور دیگر تمام قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کو فی النار کر دیا کہ آج ان کا نام لینے والا تمام دنیا میں کہیں نہیں ملتا)۔

آپؑ یزید کو قاتل گردانتی ہیں کیونکہ اُس نے ذُریتِ پاکِ رسولؐ اکرم کا بے دریغ خون بہایا ہے۔ اس بات کو اُس کی بدبختی قرار دیتی ہیں کہ اُس کے باپ نے اُسے مسندِ حکومت پر بٹھا کر اُسے ذلیل کیا ہے۔ اُس کو بہت برا بھلا کہتی ہیں اور اُسے

اس سے بھی زیادہ زجر وتوبیخ کا مورد قرار دیتی ہیں اس لئے کہ اُس نے جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصار کے جسم ہائے پارہ پارہ کو، اُن کے جسد ہائے بے سر کو بیابانِ صحرا کی آندھیوں اور طوفانوں میں کھلا، بے گور وکفن چھوڑ دیا ہے۔

اپنے خطاب کے آخر میں جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ظالموں کو خداوند تعالیٰ کی لعنت کا مستحق اور خاندانِ رسولؐ اکرم کو صحیح وارثِ خلافتِ رسولؐ قرار دیتے ہوئے پروردگارِ عالم کو اپنی پناہ اور اپنے حقیقی مددگار کے طور پر متعارف کرواتی ہیں۔

ثانیِ زہراؑ کی گفتگو کی اہمیت

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطابات لاتعداد پہلوؤں سے اہمیت اور مخصوص قدر و قیمت کے حامل ہیں جن کی تفصیل ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے۔

ا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ یہ خطبات ایک ایسی خاتونِ محترم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے جو اپنے عزیزوں کی شہادت و خونِ ناحق کے داغ اپنے دل پر لئے ہوئے، ہجومِ مصائب سے دوچار، دردمند اور خستہ حال ہیں۔

ب۔ یہ خطبات ایسے موقعہ ومحل و ماحول میں ادا ہوئے جو خوف و رعب و وحشت سے پُر تھا اور جہاں کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔

ج۔ مخدومۂ عالیہ کا کلام فصاحت و بلاغت کا عجیب ترین و عظیم مرقعہ تھا۔ یہ کلام اپنے مقام پر مکمل طور پر واضح و آشکار، ہر طرح کامل اور کسی قسم کی گھبراہٹ و رکاوٹ کے بغیر صادر ہو رہا تھا۔

د۔ تمام کلام الہامِ قرآن، تاریخ اسلام کے جملہ اسباق، مرقعۂ یقینِ کامل، مستحکم اور اپنے دفاع کو پوری طرح انجام دے رہا تھا۔

ہ۔ آپؑ کے پورے کلام میں خوف و اضطراب کی بجائے جرأت اور شجاعتِ قلبی، جو مخدومہ کی خاندانی وراثت ہے، صاف و واضح نظر آ رہی تھی، اس لئے کہ اس کلام میں یزید کی ہر پہلو سے تحقیر، اُس کی زجر و توبیخ، اُس پر غم و غصہ کا اظہار، ظالموں کی مکمل پستی کا اعلان، حتیٰ کہ اُن پر لعنت ڈالی جا رہی تھی اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے خلاف انتقام کی استدعا کی جا رہی تھی۔

و۔ جس دربار میں یہ خطاب ہو رہا تھا وہاں دیگر ممالک اور سلاطین کے نمائندگان بھی موجود تھے جن میں ہر ایک کیلئے اس دردناک و اندوہناک واقعے سے باخبر ہونا لازم تھا۔

ز۔ ہر سننے والے کے جذبات میں یہ عظیم و فصیح و بلیغ کلام ہیجان پیدا کرنے کیلئے کافی تھا، درآنحالیکہ کلام کرنے والی ہستی کو اپنے آپ پر اس تمام ہنگامۂ دار و گیر کے باوجود پورا اعتماد و اختیارِ کامل حاصل تھا۔

ح۔ بات حاکمِ وقت یزید سے ہو رہی تھی جبکہ ثانیِ زہراؑ کی مبارک نظریں سید الشہداء کے بریدہ سرِ مبارک کی طرف تھیں اور آپؑ کا یہ عمل بذاتِ خود ایسے عوامل کا حصہ تھا جو گفتگو میں رقت اور رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

ط۔ یزید کے گھر کی تمام عورتیں حتیٰ کہ کنیزیں تک پردہ کے پیچھے ہیں جبکہ ثانیِ زہراؑ، خواتینِ اہلِ بیتِ رسولؐ اور دیگر تمام اسیر سب حاضرینِ دربار کے سامنے تماشا بنے ہوئے ہیں۔

ی۔ حاضرینِ دربار خاندانِ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کسی طرح کی مناسب معلومات نہ رکھتے تھے، اگرچہ دربار کی کارروائی کا مشاہدہ کر رہے تھے، تاہم انہیں سمجھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

ک۔ زینبؑ عالیہ کا یہی معجزہ تھا کہ ایسے سنگین و ناگفتہ بہ حالات میں مصروفِ سخن ہوئیں، گفتگو بھی اس قدر فصیح و بلیغ و فیصلہ کن جو فکری انقلاب، سیاسی خلفشار اور معاشرہ کو متزلزل کر دینے والی تھی۔ عوام الناس میں اس سے لرزہ پیدا ہوا جبکہ یزید اور بنی اُمیہ کے صاحبانِ اقتدار و اختیار سب سے زیادہ لرزہ براندام ہوئے۔

۶۔ دُشمن کے مواقع و کیفیت کا خلاصہ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر توجہ فرمائیں۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

"اِذَااَرادَ اللّٰهُ اِنفَاذَ قَضائِهِ وَقَدَرِهِ سَلَبَ ذَوِی العُقُولَ عُقُولَهُم

یعنی جب اللہ چاہتا ہے کہ اپنی قضا و قدر کو نافذ فرمائے تو صاحبانِ عقل و خرد کی دانائی و عقل کو سلب کر دیتا ہے،

حَتّیٰ یُنفِذَ فِیهِم قَضاءَهُ وَقَدَرَهُ

تاکہ وہ اپنی قضا و قدر کو نافذ فرمائے

فَاِذا مَضٰی اَمرُهُ رُدَّ اِلَیهِم عُقُولَهُم

اور اس کے بعد ان کی عقل کو واپس پھیر دیتا ہے (کافی ج 1)۔

یہی وہ مسئلہ ہے جو دوسرے لفظوں میں عوام الناس میں بالعموم پیدا ہوتا ہے۔ لوگ اس کے لئے کہا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ دشمن کو احمق بنا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ حقائق کا ادراک کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ (ہمارے پاس پوری اسناد کے ساتھ اس

موضوع سے متعلق روایات موجود ہیں)۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ واقعاً سید الشہداءامام حسین علیہ السلام اور خاندانِ رسولؐ اکرم کا دشمن احمق و دیوانہ ہو چکا تھا، اسی لئے صحیح ارادہ اور عاقلانہ اقدام اُس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اگر یہ دشمنانِ رسولؐ و آلِ رسولؐ جانتے ہوتے کہ اس واقعہ کے نتیجہ میں انہیں کیسے کیسے نتائج کا سامنا ہوگا تو ہرگز ان امور کا اقدام نہ کرتے، نہ ہی امام حسین علیہ السلام کو شہید کرتے، کم از کم اس شہادت کے بعد خاندانِ اہلِ بیتؑ کی اسیری کی طرف تو قدم نہ اٹھاتے۔

دُشمنِ اہلِ بیتؑ کیلئے سامانِ وحشت

خاندانِ رسولؐ کی اسیری اور اس سلسلہ میں اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے مختلف افراد کی گفتگو جو صرف ایک یا دو جگہ ہی واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ سید الساجدین علیہ السلام کی باتیں، سیدہ ثانی زہراؑ، سیدہ فاطمہؑ بنتِ حسینؑ، سیدہ سکینہؑ کی خطابت، وہ حوادث جو اسیرانِ آلِ رسولؐ کو پیش آتے رہے، حضرت رقیہؑ، امام حسین علیہ السلام کی تین سالہ صاحبزادی کی دنیا سے رحلت اور ایسے ہی تمام حالات دشمن کیلئے وحشت پیدا کر رہے تھے۔

امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے فرزندان و انصاران کی شہادت، پھر اس کے بعد آپؑ کے خاندان و مخدرات کی اسیری، ان سب حالات نے ایسی صورت پیدا کر دی تھی جس کا کوئی مناسب حل دشمن کے پاس نہ تھا۔ دشمنانِ اہلِ بیتؑ میں صرف امیر معاویہ ہی ایک فرد تھا جو ان مسائل کی گہرائی و سنگینی کو سمجھتا تھا۔ اسی لئے وہ اپنے فرزند یزید کی خیر خواہی کی خاطر امام حسینؑ سے نبرد آزما ہونے سے خوفزدہ تھا اور اس نے یزید کو نصیحت کی تھی کہ اُن سے کوئی سروکار نہ رکھے (الکامل: ج4)۔

لیکن یزید کا غرور و تکبر، اس کی خیرہ سری اور سب سے بدتر اس کے درباری چاپلوس و خوشامدی افراد تھے جنہوں نے اپنا کام کر دکھایا۔ ان عناصر کے نتیجہ میں یزید ملعون امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر آ گیا جس سے اس کے مسائل آسانی کی بجائے بڑھتے ہی چلے گئے۔ یزید اور اس کے خوشامدی سمجھتے تھے کہ سید الشہداءعلیہ السلام سے مزاحمت کر کے وہ اپنے تمام کام آسانی سے انجام دے سکیں گے، درآنحالیکہ اس کے نتیجہ میں ان کی حالت و کیفیت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کو گھر سے باہر نکلنے اور عوام الناس کا سامنا کرنے کی جراٴت نہ ہوتی تھی۔

دُشمنانِ اہلِ بیتؑ کے اقدامات

ہم عرض کر چکے ہیں کہ دُشمنِ اہلِ بیتؑ کو حماقتوں نے اپنی لپیٹ میں لے کر بالکل احمق بنا دیا تھا۔ اتنے بڑے بلکہ عظیم

جرم کے بعد ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں، حالات پر کس طرح قابو پائیں۔ لہٰذا وہ پے در پے ایسے اقدامات کے مرتکب ہوئے کہ جن کا نتیجہ ان کی اپنی ہزیمت، تنزل و بدبختی اور اُمتِ اسلامیہ کیلئے بالعموم مصیبت کا باعث بنتا چلا گیا۔ ان کے اقدامات کی کسی حد تک اس طرح تشریح کی جاسکتی ہے:

(ا) تکبر و غرور

واقعۂ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ہوائے کبر اُن کے دماغوں میں بھر گئی اور وہ اپنے کبر و غرور کو مزید ہوا دینے لگے۔ انہوں نے اپنے لئے جشن و سرور کی محفلیں برپا کرنا شروع کر دیں، حتیٰ کہ شہروں میں تعطیل اور دوکانوں کو خوشی و جشن کے طور پر بند کر دینے کے احکام جاری کئے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریف و پست یعنی ہر طبقہ کے لوگوں کے بڑے بڑے ہجوم بازاروں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس طرح کچھ لوگوں کو مقابلہ پر آنے کا خیال بھی پیدا ہوا جب کہ ہجوم کی بہت بڑی اکثریت کو اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی باتیں سننے کا موقعہ میسر آیا جس کے لئے اُن کے کان بہرحال کھلے ہوئے تھے۔

(ب) دُشمن کی بے ہودہ سرائی

دُشمن کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ مثلاً ابنِ زیاد ملعون نے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے جواب میں اسی انداز میں گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن لاجواب ہو کر مسخرہ پن پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ یہ خاتون اپنے باپ کی طرح مقفع بات کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یزید لعین ثانیِ زہراؑ کے سامنے اس قدر پریشان ہو گیا کہ تاریخی واقعات ہی سے انکار کر بیٹھا یعنی جب جنابِ زینبؑ عالیہ نے فرمایا کہ تیرے باپ اور دادا نے میرے باپ اور بھائی سے ہدایت پائی تھی تو وہ بولا کہ اے دُشمنِ خدا! تو جھوٹ کہتی ہے.....

(ج) دُشمن کی وحشیانہ حرکات

یہاں بھی دُشمنانِ اہلِ بیتؑ کے اضطراب و بے عقلی کا اظہار ہوتا ہے۔ ابنِ زیاد ملعون جو ثانیِ زہراؑ کے سامنے اپنے احساسِ شکست خوردگی کی آگ میں جل رہا تھا، اپنے آرام اور دل کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر (جیسا کہ اُس نے خود کہا تھا) سید الشہداء علیہ السلام کے لب و دندانِ مبارک پر ضرب لگاتا تھا۔ اسی طرح یزید ملعون بھی امامِ مظلوم کی اولاد و ازواج، آپؑ کی غمزدہ بہنوں اور داخلی و خارجی امراء و سفراء کی موجودگی میں چھڑی سے اسی طرح کی بے ادبی کا مرتکب ہوتا رہا۔ یہ عمل دُشمن کی انتہا درجہ کی کمینگی و پستی کی نشاندہی کرتا ہے۔

(د) دشمن کے رعب آور فرمان

وہ ایک بداخلاق و جاہل قوم تھی۔ جب ان کی عقل و منطق نے جواب دے دیا تو انہوں نے اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو خوفزدہ کرنا شروع کیا، اس طرح کہ ابنِ زیاد ملعون نے دیوانہ وار ثانیِ زہراؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب ایسا نہ کر سکا تو اُس نے سید الساجدینؑ کے قتل کر دینے کا حکم جاری کیا۔ اسی طرح یزید لعین چیخ کر بدتمیزی سے ثانیِ زہراؑ کو مخاطب کر کے بولا کہ تو اس طرح مجھ سے گفتگو کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اس کا خیال تھا کہ زینبؑ عالیہ اس کے مقابلہ میں خوفزدہ ہو کر خاموش ہو جائیں گی۔

(ھ) نامردانہ ظلم

اہلِ بیتِ رسولؐ کو کوفہ میں ایک ٹوٹے پھوٹے قید خانہ میں رکھا گیا جو ظاہر بظاہر بغیر چھت کے تھا۔ اس لئے اوپر سے، یا دیواروں پر سے پتھروں پر باندھ کر یہ تحریریں اس قید خانہ میں پھینکی جاتی تھیں کہ تم سب کو مار ڈالا جائے گا، سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، ہمیں صرف یزید ملعون کے حکم کا انتظار ہے۔ اسی طرح اسیری کے دوران راستہ میں کوئی بچہ تکان، پیاس یا بھوک سے رونے لگتا تو تازیانے مار کر اُسے خاموش کیا جاتا۔

(و) حکومت کا انتظام

اس خوف سے کہ شہر میں کہیں ہنگامہ کھڑا نہ ہو جائے، یا ہجوم بے قابو نہ ہو جائے، شہروں کو حکومت کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔

طبری اور دوسرے مؤرخین کے مطابق یہ کام کوفہ میں شروع ہوا (ناسخ التواریخ، ج4، ص135)۔

کوفہ سے شام تک چند شہروں میں یہی کیا گیا۔ اس عمل سے لوگ کسی حد تک روک لئے گئے لیکن آخر ایک وقت آیا کہ لوگ نکل پڑے اور حکومت کے مقابلہ پر آ گئے۔

(ز) ملاقات کی ممانعت

فتنہ، فساد اور بغاوت کے خوف سے ابنِ زیاد ملعون اور خود یزید ملعون نے بھی پوری کوشش کی کہ لوگ اسیرانِ اہلِ بیتؑ سے کسی طرح کی ملاقات نہ کر پائیں۔ اس مقصد کی خاطر ان ظالموں نے ان کو ایسے مقامات پر قید رکھا جو ہر طرف سے بند تھے، جن کی دیواریں بہت بلند تھیں اور قید خانہ کے داروغاؤں کو تاکید تھی کہ اسیرانِ آلِ رسولؐ کا عوام الناس سے کسی طرح کا تعلق یا رابطہ ہرگز نہ ہونے دیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اس قسم کا ہر رابطہ عوام الناس کی بیداری اور حالات سے مطلع ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔

(ح) اسیرانِ آلِ رسولؐ کی نقل مکانی

یہ لوگ اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی نگرانی ونگہداشت سے تنگ آ چکے تھے۔ لہٰذا کچھ مدت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو کوئی زیادہ عرصہ تک ان کو اپنی نگہداشت میں رکھے گا، اسی قدر رسوائی اور خطرات کا شکار ہوگا۔ لہٰذا چاہتے تھے کہ انہیں ایک سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہیں۔ کوفہ سے اسیرانِ آلِ رسولؐ اور سرہائے شہداء کا شام میں یزید ملعون کی طرف بھیجنا بظاہر تو نشانِ فتح کے طور پر تھا لیکن درحقیقت مسئلہ یہ تھا کہ ابنِ زیاد اُن سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔

(ط) ایک دوسرے پر الزام واتہام طرازی

ظالمین بہت زیادہ ذہنی پریشانی و دباؤ کا شکار ہو چکے تھے۔ اُن کی پریشانی و بے سکونی کا یہ عالم ہو گیا کہ یزید ملعون حضرت سید الساجدین علیہ السلام سے کہتا تھا کہ ابنِ زیاد ملعون نے میری اجازت کے بغیر حسین علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو اُن کے قتل کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ ابو عبداللہ علیہ السلام پر رحمت فرمائے۔

ابنِ زیاد ملعون نے یہ بات سنی تو کہا کہ یزید ملعون جھوٹ بولتا ہے۔ خداوند تعالیٰ خود اُسی پر لعنت کرے کہ قتلِ حسینؑ کا حکم خود اُسی نے دیا تھا۔

اسی قسم کے اتہامات عمر بن سعد ملعون اور ابنِ زیاد (لع) کے درمیان بھی ہو رہے تھے۔

(ی) عزاداری کا بہانہ

آخر کار یزید ملعون اپنے اس عمل سے بالکل پریشان و وحشت زدہ ہو گیا اور سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا کہ انہیں ہر وقت پوری آزادی ہے کہ مدینہ واپس تشریف لے جائیں یا شام میں ہی قیام فرمائیں۔ اُس نے اپنے دربار میں بھی عزاداری کی اجازت دے دی تاکہ اس بہانہ سے اسیرانِ آلِ رسولؐ کی دلجوئی کر کے ان کی آواز بلند ہونے سے رُک جائے اور لوگوں کی توجہ اصل واقعہ سے ہٹ جائے۔ اُس نے حکم دیا کہ اُس کے دربار کو سیاہ پوش کر دیا جائے اور تین روز تک اس عزاداری کو جاری رکھا[1]۔

1۔ ہم اس مقام پر دیگر مصنفوں کی تحقیق وتبصرہ کا ذکر ضروری جانتے ہوئے سب سے پہلے جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب مدظلہٗ کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسیرانِ آلِ رسولؐ کی دمشق میں آمد کے بعد جب لوگوں کو صحیح حالات کا علم ہوا تو ان کا ردِ عمل کیا تھا اور اس سے یزید ملعون اور اس کی حکومت کس قدر لرزہ براندام ہوئی۔ (جاری)

لیکن یہ سب کچھ ان آیات کا مصداق ثابت ہوا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَ

یہ وہ لوگ تھے جو گمراہی کے ذریعہ

وُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡھُدٰی

ہدایت خریدنا چاہتے تھے

فَمَارَبِحَتۡ تِّجَارَتُھُمۡ

لیکن اس معاملہ سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا،

وَمَا کَانُوۡا مُھۡتَدِیۡنَ.

اور وہ ہدایت نہ پا سکے

مَثَلُھُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی

ان کا واقعہ اُس شخص کی مانند ہے جس نے

اسۡتَوۡقَدَ نَارًا

اپنے گرد روشنی کی خاطر آگ جلائی،

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''رسولؐ زادیوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی جس سے یزید ملعون کو یقین ہو گیا کہ اگر اہلِ بیتِ رسولؐ مزید کچھ دیر کے لئے دمشق میں رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کر دیں گے اور پھر لوگوں پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ صورتِ حال اس قدر خراب ہو جائے کہ انقلاب کا طوفان پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ لہٰذا یزید ملعون نے مناسب سمجھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے گفتگو کر کے اُن سے معذرت خواہی کرے اور اپنے آپ کو اُن سے بری قرار دے کر ابنِ زیاد ملعون کو ان سب حوادث کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

''چنانچہ آغوشِ مکر و فریب کے پروردہ یزید ملعون نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا:

''خدا لعنت کرے مرجانہ کے بیٹے پر۔ خدا کی قسم! اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو جو کچھ وہ مانگتا اُسے دے دیتا تاکہ وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہ کرے اور اس مقصد کے لئے اگر مجھے اپنی اولاد بھی قربان کرنا پڑتی تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن جو ہونا تھا سو (جاری)

فَلَمَّآ اَضَآءَ تْ مَاحَوْلَهٗ

پس جب اس کے اردگرد روشنی ہوگئی،

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ

اللہ نے نورِ ہدایت کواُن سے اٹھالیا،

وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ

اورانہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ

لَّا يُبْصِرُوْنَ.

کچھ دیکھتے نہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ

یہ اندھے، بہرے اور گونگے ہیں کہ بالکل

لَا يَرْجِعُوْنَ.

عقل نہیں رکھتے۔(سورۃ البقرہ:16 تا 18)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

ہو چکا اور اب تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ اے بیٹے! جو کچھ تجھے مطلوب ہے، وہ لکھ کر مجھے بتا دو تا کہ میں اُس پر عمل کروں اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے قبیلہ والے اس سلسلہ میں ضروری اقدامات بھی کریں گے لیکن تم ہرگز ان کا ساتھ نہ دینا۔

''امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید ملعون کی مکارانہ گفتگو سن کر منہ پھیرلیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ امامؑ سمجھتے تھے کہ یہ اُس کی چال ہے جو وہ اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے چل رہا ہے۔

''اس کے بعد یزید ملعون نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ آلِ رسولؐ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے اور انہیں عزت و احترام سے مدینہ تک پہنچا دو اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ رات کی تاریکی میں انہیں دمشق سے باہر لے جایا جائے تا کہ لوگ پریشان نہ ہوں اور ان کے جذبات برانگیختہ نہ ہو جائیں'' (ص ۲۸۰۔۲۸۱)۔

اس عبارت سے، جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں تحریر کیا، یزید ملعون کی گھبراہٹ اور احساسِ جرم پر روشنی پڑتی ہے، نیز یہ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کہ اس جرم نے اسے عوام الناس کی نظروں میں کس قدر ذلیل وخوفزدہ کر دیا تھا۔ اسی موضوع پر ہم جناب عمادزادہ کی کتاب ''تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' سے بھی ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں جو یزید ملعون وقاتلانِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی گھبراہٹ اورخوفِ عوام کا مظہر ہے:

مصنف مذکوراپنی کتاب کی جلد دوم میں اس طرح لکھتے ہیں:

یزید خود را تبرہ می کند

یزید از این پیش آمد مولمہ سخت متاسف شد، ولی چون جوان و مست و مغرور و تحت تاثیر شراب و قمار و زنا وسگبازی و میمون بازی بود، دستخوش سیاستداران اطرافی قرار می گرفت.

چون اسرا به شام آوردند، یزید خواست اوّل مفاخره کند و به فتح و فیروزی مباهات نماید و مقامی برای خود قائل شود، ولذا آن مجلس تاریخی۔رابه چهار صد کرسی زرنگار آراست، و از اشراف و اعیان و بزرگان دعوت کرد، ولی چهرئه زیبای حق و حقیقت ظاهر شد، و سر بریده تکلم کرد، خطبۂ حضرت زینب علیها السلام و خطاب به یزید همه را لرزانید، بیانات مهیج حضرت سجاد علیه السلام در مسجد دمشق هزاران نفر را منقلب کرد، یک هفته عزاداری شهر شام را تکان داد و تخم انقلاب ریخت.

یزید نزد همان مردم که معاویه سفارش کرده بود که مانند اسیر تو هستند، چنان منفعل شده و بدنام گردید که روی ملاقات با آنها نداشت، چاره جز این ندید که اعیان شام را دعوت کند و خود را در این فاجعه تبرئه سازد.

یزید حس کرد که اشراف و اعیان شام از او متنفر و بیزار هستند، وا ز دیدار و حمایت او کراهت دارند، لذابزرگان آنها را دعوت کرد و پس از پذیرائی شایان گفت: ای مردم شام! شما گمان کرده اید که حسینؑ بن علیؑ را من کشته ام یا من به قتل او حکم داده ام! و حال آنکه چنین نیست بلکه پسر مرجانه حسینؑ را کشت، و لعنت خدا بر او باد. آنگاه سرلشکران و سرهنگان سپاه کوفه را که در شام بودند مانند شبث بن ربعی، مصائب بن وهیه، شمر بن ذی الجوشن، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی و چند نفر دیگر را حاضر کرده، به شبث بن ربعی رو کرد گفت: تو حسینؑ را کشتی؟پاسخ داد: مصائب بن وهیه. یزید روی به او کرد گفت: تو قاتل حسینیؑ؟اوگفت: خدا لعنت کند کسی که حسینؑ راکشت. تانوبت به خولی رسید متحیر شد، در جواب چه بگوید!! خاموش ایستاد، مردم همه به او نگریستندو او را قاتل شناختند. یزید سخت بر آنهابانگ زد که: همه از خود رفع می کنید، پس کی حسینؑ را کشت؟ آنگاه گفتند: قاتل، قیس بن ربیع بود، یزید روی به او کرده گفت: تو حسینؑ را کشتی؟ اگرتو کشتی بگو، (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

امان داری! قیس گفت: حسینؑ را آنکس کشت که رایات جنگ را برافراشت. یزید گفت: آنکس کیست؟ قیس گفت: والله یزید تو قاتلِ حسینؑ هستی؟ تو حسینؑ را کشتی!!

یزید در خشم شد، از آن جمع برخاست به سرای خود رفت و سر حسین را برداشت به دستمالی بست و در مقابل او نشست و گفت: **مالي و قتل الحسين.**

در اینجاهم یزید به جای تبرئه ثابت کرد که عامل اصلی جنایت خود او بود، و تنفر قلبی مردم از او در مصیبت حسینؑ شدت گرفت.

یزید ملعون کا اپنے آپ کو برا گردانا

یزید ملعون اس المیہ پر سخت متاسف ہوا لیکن چونکہ جوان و مست و مغرور تھا، شراب و قمار بازی و زنا، کتوں اور بندروں سے کھیلتا تھا، اپنے گرد و پیش خوشامدی قسم کے سیاست دانوں کو رکھتا تھا۔

جب اسیرانِ آلِ رسول کو شام لایا گیا تو یزید ملعون نے چاہا کہ پہلے اظہارِ فخر کرے، اپنی فتح و کامیابی کی خوشی منائے اور خود اپنے مقام پر مغرور رہو۔ لہٰذا اس نے اُس تاریخی محفل کو ہر طرف زرنگار کرسیوں سے آراستہ کروایا اور شہر کے اشراف و امراء و بڑے بوڑھوں کو آنے کی دعوت دی۔ لیکن حقیقت و حق کا خوبصورت چہرہ ظاہر ہو کر رہا اور امام حسینؑ کے بُریدہ سر نے کلام کیا۔ پھر جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبہ پر یزید ملعون کے ساتھ کلام نے سب کو لرزہ براندام کر دیا۔ اسی طرح دمشق کی مسجد میں سید سجاد علیہ السلام کے ہیجان خیز بیان نے ہزاروں افراد کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ شام کے شہر کو ایک ہفتہ کی عزاداری نے ہلا کر رکھ دیا اور انقلاب کا بیج بو دیا۔

یزید ملعون اُن لوگوں کے سامنے جن کے بارے میں معاویہ نے کہا تھا کہ تیرے غلاموں کی مانند ہیں، اس قدر شرمندہ و بدنام ہوا کہ ان کے سامنے آنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اب اسے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ شام کے برگزیدہ لوگوں کو بلائے اور اس واقعۂ فاجعہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرے۔

یزید ملعون نے محسوس کیا کہ شام کے برگزیدہ و شرفاء اس سے متنفر و بیزار ہیں اور اس کو دیکھنے اور اس کی حمایت سے بیزار ہیں۔ لہٰذا اس نے لوگوں کے بزرگوں کو جمع کیا اور ان کی مناسب تعریف کرنے کے بعد کہنے لگا: ''اے شام کے لوگو! تم نے خیال کر لیا ہے کہ میں نے حسینؑ بن علیؑ کو مار ڈالا ہے یا ان کے قتل کا حکم دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مرجانہ کے بیٹے نے حسینؑ کو قتل کیا ہے اور خدا اُس پر لعنت کرے''۔ پھر فوج کے سرداروں اور کوفہ کی فوج کے سالاروں کی طرف رخ کر کے جو شام میں موجود تھے، مثلاً شبث بن ربعی، مصائب بن وھیبہ، شمر بن ذی الجوشن، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی اور کچھ اور لوگوں کو طلب کر کے شبث بن ربعی کی طرف رُخ کر کے کہا: ''کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ خدا ان کو قتل کرنے والے پر لعنت (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

کرے۔ یزید نے پوچھا کہ پھر قاتلِ حسینؑ کون ہے؟ اس نے کہا مصائب بن وہیبہ۔ یزید نے اس کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کیا تو قاتلِ حسینؑ ہے؟ اُس نے کہا کہ جس نے حسینؑ کو قتل کیا، خدا اُس پر لعنت کرے۔ حتیٰ کہ نوبت خولی تک پہنچی۔ وہ حیران ہوا کہ کیا جواب دے۔ لہٰذا وہ خاموش کھڑا رہا۔ سب لوگ اسے دیکھنے لگے اور اسے قاتل سمجھے۔ یزید ملعون نے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم سب اپنے آپ کو بری قرار دیتے ہو تو پھر کس نے حسینؑ کو قتل کیا۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ قاتل قیس بن ربیع تھا۔ یزید نے اُس کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا؟ اگر تو نے انہیں قتل کیا ہے تو بتا دے۔ تجھے امان دی جائے گی۔ قیس نے کہا کہ حسینؑ کو اُس نے قتل کیا ہے جس نے ان کے خلاف علم بلند کیا۔ یزید نے پوچھا وہ کون ہے؟ قیس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تو خود حسینؑ کا قاتل ہے، تو نے ہی انہیں مارا ہے۔

یزید کو غصہ آ گیا۔ اس مجمع سے اُٹھ کر اپنے گھر کے اندر گیا۔ سرِ امام حسین علیہ السلام کو اٹھا کر ایک رومال میں باندھا، اس کے سامنے بیٹھا اور بولا: **مالی و قتل الحسین**۔

یہاں بھی یزید ملعون نے اپنی بریت سے ثابت کر دیا کہ اس گناہ کا اصل مرتکب وہ خود ہی تھا۔ لوگوں کی اس سے نفرت بوجۂ مصیبتِ امام حسین علیہ السلام اور بڑھ گئی (ص ۳۱۱۔۳۱۲)۔

یزید ملعون کی ایسی ہی گھبراہٹ، جس کی اکثر مؤرخین نے تصدیق کی ہے، کے بارے میں جناب سید اولادحیدر فوق بلگرامی اس طرح رقم طراز ہیں:

''ملا ابواسحاق اسفرائنی اور صاحب ناسخ التواریخ اس مقام پر پہنچ کر یہ مخصوص واقعہ لکھتے ہیں کہ اس وقت یزید نے جملہ اہلِ بیتؑ کے سامنے قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کو جمع کر کے ایک انجمن قائم کی اور اہلِ بیتؑ کے سامنے اُن سے یہ اظہار کرنا چاہا اور یہ ثبوت دلوانا چاہا کہ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام میں مَیں شامل نہ تھا اور نہ میرے حکم سے اس واقعۂ عظیم کی بنیاد پڑی۔

چنانچہ امام اسفرائنی کا بیان ہے کہ یزید نے اپنے سلسلۂ کلام کا یوں آغاز کیا اور کہا: اے لوگو! تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ خدا لعنت کرے اُس پر جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ پھر اُس نے ان لوگوں کو بلایا کہ جو امام حسین علیہ السلام کا سر لائے تھے اور دریافت کیا کہ کیونکر امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تھے۔ پہلے اس نے شیث بن ربعی سے پوچھا کہ افسوس ہو تجھ پر کیا تو نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ خدا لعنت کرے اُس پر جس نے امام حسینؑ کو قتل کیا۔ پھر خولی ابنِ یزید الاصحی کی طرف اشارہ کیا اور اس سے کہا کہ کیا تو نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ لعنت ہے اللہ کی اُس کے قاتل پر۔ اسی طرح وہ ایک ایک سے دریافت کرتا جاتا تھا تا اینکہ حصین بن نمیر ملعون کی نوبت آئی۔ اُس نے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

پہلے تو وہی کہا جو اس سے پہلے اوروں نے کہا تھا۔ بعد اُس کے کہا کہ کیا واقعی تو یہی چاہتا ہے کہ جس شخص نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُس کا میں تجھے بتلا ہی دوں؟ یزید ملعون نے کہا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔

حصین نے کہا: اچھا تو پہلے میری جان بخشی کی جائے اور مجھے امانِ جان ملے۔ یزید ملعون نے کہا کہ ہم نے تجھے امان دی۔ حصین ابنِ نمیر بولا کہ اے امیر! جس شخص نے علم قائم کئے اور مال لوگوں کو دیا اور لشکر آراستہ کر کے بھیجا اور اِدھر اُدھر خطوط روانہ کئے اور لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا، اُسی نے جنابِ امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یزید ملعون نے کہا: تو ایسا کس نے کیا؟

حصین بن نمیر نے کہا تو نے۔

یہ سن کر یزید ملعون غضب ناک ہوا اور فوراً محل کے اندر چلا گیا اور وہ طشت کہ جس میں سرِ مبارکِ امام حسین علیہ السلام تھا، اپنے سامنے رکھا۔ روتا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ کو امام حسین علیہ السلام سے کیا کام پڑا ہے!

دیکھئے مقتل امام سفرائنی، ص189 (صحیفۃ العابدین، ص57، 58)۔

۱۔ ہجومِ آلام

ہم ثانیِ زہرؑااوراُن کی جدوجہد کے بارے میں بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔اُن کے کردار کے اعجازات، گفتگو کی سحرانگیزی، اثرِ کلام اوران کی روش ورفتار کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا جاچکا ہے۔ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اپنے پیغام کودنیاوالوں تک پہنچانے اورخونِ ناحق کی تشہیر وپھیلاؤ میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کیا اورکیسی کیسی مشکلات کو برداشت کیا۔

اس سب کچھ کے باوجود ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ثانیِ زہرؑاکے ضمیر کے اندرجھانک کردیکھ سکیں کہ ان کے قلب وذہن میں کشمکش کا کیاعالم تھا،قلبِ حزیں میں کیسے کیسے طوفان اٹھ رہے تھے اوراپنے ہدفِ زندگی کے حصول کی خاطرشہزادی کس کس نوعیت کے سوزاورغم اپنے اندرچھپائے ہوئے تھیں۔مخدومۂ عالم قلبِ سوزاں اوردلِ مجروح سینہ میں رکھے ہوئے تھیں۔ایک ایسے باغبان کی مانند تھیں جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پھولوں کی نازک ترین پتیوں کونوچ کران کا شیرازہ بکھیر دیا گیاہو، جواپنی آنکھوں سے دیکھ رہاہو کہ کس طرح اُس کا باغیچہ آتشِ سوزاں کی زدمیں آچکا ہےاورخیامِ سیدالشہداءعلیہ السلام جوحقیقت میں خوداُن کے اپنے پروبال کی حیثیت رکھتے تھے،نذرِ آتش کئے جارہے تھے۔

جوکچھ ہم نے ان کی شان میں تحریرکیا ہے،اُس کوخودہمارے ہی تخیل کی کمزورپیداوارکہا جاسکتا ہے جس کی بنیادوہ تصور ہے کہ اگرہم اس مقام پرہوتے تو کیاکرتے۔ثانیِ زہرؑا کی تصویرِآلام اوراُن کے حالات کی تجسیم اسی طرح ممکن ہے کہ اپنے آپ کوایک جاں نثار بہن،ایک اسیرخاتون،ایک کڑیل جوان کوحق کی خاطرقربان کردینے والی،ایک دُرّے کھانے والی اسیر معظّمہ کے سانچے میں ڈھال سکیں۔مگرکیاایسا کرناممکن ہے؟کیاکسی کی اتنی مجال ہے کہ ثانیِ زہرؑا کی مانندمحبت واحساس پیداکر سکے؟کیادنیابھرمیں کسی ایسے وجودکا پایاجاناممکن ہے جوحسینؑ کوزینبؑ کی طرح محبوب رکھتا ہو؟کیاکوئی زینبؑ کبریٰ کے برابر سوزِدین اپنے دل میں رکھ سکتا ہے؟

غم واندوہ کی شدت

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے مصائب وآلام لاتعدادولامحدود ہیں۔سب سے پہلے انہوں نے وفاتِ جنابِ رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ اٹھایا جن کی پناہ میں مخدومہ کا دامن تھا۔ پھر اپنی والدۂ گرامی جنابِ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات اور اُن کے بیمار وزخمی جسدِ عالیہ کا نصف شب میں سپردِ خاک ہونا دیکھا۔ اس المیہ میں مخدومہ اپنی آوازِ گریہ تک کو بلند نہ کر سکتی تھیں۔ اس کے بعد بی بی کو اپنے پدرِ بزرگوار کا زہر آلود تلوار سے شگافتہ سر اور اُس کے اثر سے اُن کے زہر آلود جسم مبارک کا مشاہدہ کرنا پڑا، ایک ایسا باپ دنیا سے جا رہا تھا جو یگانۂ روزگار تھا، جو اپنی صفتِ عدالت کے باعث شہید ہوا اور جس نے اپنے مدت العمر کوئی لمحہ چین وسکون کا نہ پایا۔ بعد ازاں گھر میں موجود دشمن کے ہاتھوں اپنے برادرِ بزرگ جنابِ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زہر خورانی اور شہادت کا صدمہ برداشت کیا۔ ان سب صدمات کے بعد کربلا میں تشریف لائیں جو بذاتِ خود کرب وبلا کی سرزمین تھی۔ یہاں لاتعداد ایسے مصائب جھیلنا پڑے جن کا ذہنِ انسانی تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی چشمِ فلک نے کبھی یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ دوستوں کی بے وفائی کی مصیبت، بچوں کی صداہائے العطش کی مصیبت، شہدائے راہِ خدا کی شہادت اور ان کے جسد ہائے خون آلود کا مشاہدہ، جنابِ سید الشہداء علیہ السلام اور اُن کے انصارانِ باوفا کے سرہائے بریدہ کا نوک ہائے نیزہ پر دیکھنا، خیامِ اہلِ بیتؑ کے پسماندگان کے ساتھ ورود، خواتین وبچوں پر کوڑوں اور تازیانوں کی بارش وغیرہ وغیرہ ایسے مصائب ہیں جن میں ہر ایک مصیبت اتنی شدید تھی کہ قوی ترین مرد بھی اسے برداشت نہ کر سکتا۔

ثانیِ زہراؑ اور طوفانِ آلام

قافلۂ اہلِ بیت علیہم السلام کربلا میں سات یا آٹھ روز سے زیادہ مقیم نہیں رہا۔ اس کوتاہ مدت میں عظیم تاریخِ مصائب رقم ہوئی۔ غم وآلام کے ایسے ایسے بڑے طوفان سر پر پڑے کہ اگر پہاڑوں پر گزرتے تو اُن کی کمر بھی بارِ مصائب سے جھک جاتی۔ موت کا چکر دیوانہ وار حرکت میں آیا اور ایک ہی دن میں ظہر کے وقت تک تمام انصارانِ سید الشہداء علیہ السلام کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔ انتہا یہ ہوئی کہ اُس وقت تک امام حسین علیہ السلام کا کوئی ہمدم وناصر زندہ باقی نہ رہا۔ سب شہید ہو گئے، حتیٰ کہ فرزندانِ زینبؑ عالیہ بھی موت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ دستِ اجل اپنے کام سے فارغ ہو چکا لیکن اچانک گیارہ سالہ عبداللہ ابن حسن علیہ السلام ثانیِ زہراؑ کے ہاتھوں سے چھوٹ کر میدان کی طرف بھاگ نکلا۔ مخدومۂ عالم نے کوئی کوشش باقی نہ چھوڑی کہ اس بچہ کو پکڑیں یا روکیں، لیکن اُسے روکنا کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ یہ بچہ بھاگتا ہوا قتل گاہ میں پہنچا اور ایسا معلوم ہوا گویا سید الشہداء علیہ السلام سے راز ونیاز کر رہا ہے!

شاید کہتا ہو: ''چچا جان! یہاں کیوں لیٹے ہیں، اُٹھیں اور خیمہ میں چلیں، وہاں ہم آپؑ کے زخموں پر پٹیاں باندھیں گے،

آپؑ کے درد کا علاج کریں گے .....''۔ اسی اثناء میں ایک ظالم و بے درد دشمن آن پہنچا۔ اُس نے تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر حملہ کیا۔ بچہ نے اپنے ننھے بازو تلوار کے حملہ کو روکنے کے لئے آگے بڑھا دیئے۔ تلوار نے وہ نازک ہاتھ کاٹ ڈالے اور وہ کھال سے لٹکنے لگے۔ بچہ نے فریاد بلند کی: ''اماں، اماں!''۔ ثانیِ زہرؑا نے جواب دیا: ''لَبَّیکَ یا فتایَ''۔ ''میں آئی بیٹا!''.... سیدالشہداءعلیہ السلام پر ایک اور صدمہ گزر گیا کہ کتنا سخت وقت ہے کہ تو آواز دیتا ہے اور میں جلدی سے تیری مدد کو نہیں پہنچ سکتا! پھر اس حال میں میری مدد تجھے کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

'عزّ و اللّٰہ علیٰ عمّکَ، اَنْ تَدْعوہُ فلا یُجیبُکَ اَوْ یُجیبُکَ فلا یَنفعُکَ صوتُہٗ'.

''تیرے چچا پر بہت گراں ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے اور اگر جواب دے تو تجھے اُس کی آواز فائدہ نہ دے''۔

اتنی دیر میں معصوم بچہ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، زینبؑ عالیہ نے اُس کی لاش کو اٹھایا اور لاشِ علیؑ اکبر کے پہلو میں لٹا دیا۔

شہادت گاہ سے کوفہ تک

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا پر روزِ عاشور سے بارہ محرم تک بے پناہ مصائب کا ہجوم رہا جن کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے:

- سیدالشہداءعلیہ السلام کی آوازِ استغاثہ ''هل من ناصرٍ......'' کا سننا جس کا جواب کسی طرف سے نہ آتا تھا۔
- سیدالشہداءعلیہ السلام کا قتل گاہ میں گھوڑے سے زمین پر گرنا اور آپؑ پر پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش کا ہونا۔
- سیدالشہداءعلیہ السلام کے مرکب کو بے سوار دیکھنا، جس کی زین خون میں غلطاں تھی۔ جب وہ درِ خیمہ پر آیا تو گویا شہادتِ حسینؑ کی خبر سنانے آیا تھا۔
- خیامِ اہلِ بیتؑ کی آتش زدگی، ان میں سے بچوں کا نکل بھاگنا اور اُن صدمات کو جھیلنا جو اُن پر واقع ہوئے۔
- عصرِ عاشور کو بچوں اور خواتین کو پانی ملنا اور اُن کا شہدائے تشنہ لب کی پیاس کو یاد کر کے پانی پینے سے انکار۔
- شب یازدہم جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تنہائی و آلام کی شب تھی، بچے دشمن کے خوف سے سوتے نہ تھے۔
- گیارہویں کی صبح کو قتل گاہ میں وارد ہو کر شہداء کے بے سر اجساد کو دیکھنا جو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے تھے۔
- بچوں پر دشمن کے دُرّوں کی بارش جبکہ وہ میدانِ شہادت کو چھوڑتے نہ تھے۔

- خواتین وبچگان کو کوفہ کی طرف لے جانے پر اُنکا لاشہ ہائے شہداء سے وداع۔
- خواتین وبچگان کی سفر کی تلخیاں، دشمنوں کے مظالم اور سر ہائے شہداء کو نیزوں پر بلند دیکھنا۔

کوفہ میں ثانیِ زہراؑ پر ہجوم آلام کا نمونہ

آپ سن چکے کہ کوفہ میں ثانیِ زہراؑ نے خطاب فرمایا تو طوفان وانقلاب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ شہرِ کوفہ کی فضا میں لوگوں کے آہ ونالہ کا سیلاب آگیا، طوفانِ انقلاب کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ سیدہ زینبؑ عالیہ کو خاموش کرنے کیلئے دشمنوں نے اور کوئی چارۂ کار نہ پایا سوائے اس کے کہ سرِ حسینؑ کو شہزادیؑ کے پہلو کی طرف لے گئے تا کہ اُن کی نظر اپنے بھائی کے بریدہ سر پر پڑنے لگے۔

ثانیِ زہراؑ اس دل خراش منظر کو دیکھ کر بے چین ہوگئیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، تاہم اپنے سوزِ دل کا اشعار کے ذریعہ اظہار فرمایا جس سے اپنی اندرونی قلبی بے چینی کو تسکین دینے کی کوشش کی۔ لوگوں کی طرف سے رُخ موڑ کر سید الشہداء علیہ السلام پر اپنی نظروں کو مرکوز فرمایا اور یہ اشعار فی البدیہہ پڑھے: (ریاحین الشریعہ، ج3، ص138)

یَا هِلاَلً لَمَّا اَسْتَتَمَّ کَمَالاً	غَالَهُ خَسْفُهُ فَاَبْدیٰ غُرُوباً
مَا تَوَهَّمْتُ یَاشَقِیْقَ فُؤادِی	کَانَ هٰذا مُقَدَّراً مَکْتُوباً
یَا اَخِیْ فَاطِمِ الصَّغِیْره کَلِّمْهَا	فَقَدْ کَادَ قَلْبُهَا اَنْ یَذُوباً
یَا اَخِیْ قَلْبُکَ الشَّقِیْقُ عَلَیْنَا	مَا لَهُ قَدْ قَسیٰ وَصَارَ صَلِیْباً
یَا اَخِیْ لَوتَریٰ عَلِیّاً لَدَی الاَ	سُرِمَعَ الْیُتْمِ لَا یُطِیْقُ وُجُوباً
کُلَّمَا اَجْعُوْهُ بِالضَّرْبِ نَادَاکَ	بِذُلِّ یَفِیْضُ دَمْعاً سُکُوباً
یَا اَخِیْ ضُمَّهُ اِلَیْکَ وَ قَرِّبْهُ	وَ لٰکِنْ فُؤادَهُ الْمَرْعُوباً
مَا اَذَلَّ الْیَتِیْمُ حِیْنَ یُنَادِی	دِی اَبِیْهَ وَ لَا یَرَاهُ مُجِیْباً

اِن اشعار کا خلاصہ یہ ہے:

- اے میرے شبِ اوّلِ ماہ کے چاند! ابھی تو بدر کی صورت میں کامل نہ ہو پایا تھا کہ غروب بھی ہوگیا۔
- اے میرے میوۂ دل! میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ تجھ پر یہ کچھ گزر جائے گا۔ یہ امر مقدر ومحترم تھا۔
- اے میرے بھائی! اپنی چھوٹی (بیٹی) فاطمہؑ سے تو بات کر لے جو نزدیک ہے اور اُس کا دل غصہ وغم سے پانی پانی

ہو رہا ہے۔

- اے میرے پیارے بھائی! تیرا دل تو مجھ پر مہربان تھا۔ اب کیا ہوا کہ مجھ پر سخت ہو گیا اور میرا حال تک نہیں پوچھتا۔
- اگر علیؑ اپنے بیٹوں کو اس حال میں دیکھیں تو طاقتِ برداشت باقی نہ رکھ سکیں گے۔
- اے میری جان حسینؑ! اس بچہ سے تو بات کر جس کو تازیانے مارے جا رہے ہیں۔ وہ مجھ سے مدد طلب کر رہا ہے، اُس کے آنسو بہہ رہے ہیں، اُسے اپنے سینہ سے لگا لے، اُس کے وحشت زدہ دل کو سکون عطا کر۔
- یہ یتیم بچہ کس قدر خوار و کمزور ہو گیا ہے کہ اپنے باپ کو پکارتا ہے لیکن اُس کا جواب نہیں سن پاتا۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا یہی باتیں کر رہی تھیں کہ اپنا سر چوبِ محمل پر مارا اور آپؑ کے سر سے خون جاری ہو گیا (منتخب التواریخ، طریحی)۔

۲۔ آزار و صدمات

اس سفر میں سیدہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کو بے انتہا صدمات کا متحمل ہونا پڑا جو جسمانی بھی تھے اور روحانی بھی۔ جسمانی طور پر دشمن کی طرف سے کوڑوں اور دُرّوں کی ضربیں لگائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دشمن کی ہر قسم کی دل آزار باتیں بھی سننا پڑتی تھیں۔ دشمن جب اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو دُرّے مارتا تھا تو مخدومۂ عالم کو سب سے زیادہ انہیں برداشت کرنا پڑتا تھا، اس لئے کہ جب کسی بچہ کو دُرّہ مارا جاتا تو زینبؑ عالیہ خود تازیانہ اور بچہ کے درمیان آ جاتیں، یا بچہ کو اپنی گود میں بھر لیتیں تاکہ تازیانہ کی ضرب بچہ پر نہ پڑے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بے رحم دشمن کا تازیانہ آپؑ ہی کے جسمِ نازنین پر پڑتا۔

روحانی طور پر بھی آپؑ شدید صدمات سے دوچار تھیں کیونکہ آپؑ کا اور آپؑ کے خاندان کے افراد کا واسطہ اُن لوگوں سے پڑ رہا تھا جو آپؑ کے جدِ بزرگوار کے آزاد کردہ غلاموں کی نسل سے تھے (جس کا تذکرہ و تفصیل ہم مخدومہ عالیہ کے خطبہ دمشق میں بیان کر چکے ہیں، مترجم)۔ یہ وہ لوگ تھے جنکا خون بہانا جائز تھا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کرم فرمائی اور جذبۂ رحم کے پیشِ نظر اُن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی بجائے (فتح مکہ میں) معاف فرما کر آزاد کر دیا تھا۔

اسیری کے تباہ کن حالات

دورانِ سفرِ اسیری دشمن کا ظلم، بداخلاقی ہر قدم پر موجود بلکہ بڑھ رہی تھی۔ ممکن ہے کہ اربابِ حکومت نے تو شاید اس قدر سختی اور ظلم کا حکم نہ بھی دیا ہوتا ہم جو لوگ اسیرانِ آلِ رسولؐ پر مامور تھے، اپنے سربراہوں اور حکمرانوں کی خوشنودی کی خاطر اور

اپنے مفادات کے حصول کی غرض سے ایسا کر رہے تھے اور ہر قسم کے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔

ایک مؤرخ رقم طراز ہے کہ اسیری کے دوران دشمن کی طرف سے شدت کی نگہبانی تھی، ظلم وستم انتہا پر تھے، اسیروں کو رونے تک کی اجازت بھی نہ تھی۔ اگر قیدیوں میں کہیں صدائے گریہ بلند ہوتی تو اُس کو ضربِ تازیانہ یا لکڑی مار کر خاموش کیا جاتا تھا (معالی السبطین، ج2، ص72)۔

اس قسم کے مظالم کے اور بہت سے نمونے اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہیں جن کا ذکر بہت دردناک ہے۔ ایک اور مؤرخ لکھتا ہے کہ اسیروں کے قافلہ کو شام لے جایا جا رہا تھا۔ شمر ملعون بھی اس سفر میں ہمراہ تھا جو اس قدر وحشی، ظالم اور سنگدل تھا کہ افرادِ قافلہ میں اس کے خوف سے گریہ کرنے کی جرأت ہی باقی نہ رہی تھی۔ وہ ظالم گریہ کرنے والے کو نوکِ نیزہ سے خاموش رہنے پر مجبور کرتا تھا (زینبؑ بنتِ علیؑ: ص130)۔

سفرِ شام کے دوران قافلہ کو بے حد ظلم وتندی سے چلاتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو رات کو بھی سفر جاری رکھتے تھے۔ اس سفر میں بچے اونٹوں یا اور جانوروں پر سوار کئے ہوئے تھے۔ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا کہ کوئی بچہ شدید تکان کے باعث سواری سے گر جاتا۔ ثانیِ زہراؑ کو اس کی خبر ہو جاتی تو آپؑ اُن ظالم سپاہیوں سے اصرار فرماتیں کہ واپس مُڑیں اور بچہ کو تلاش کر کے لائیں۔ وہ ظالم پلٹ کر بچہ کو تلاش کرتے، اُس غریب کو طمانچے مارتے کہ سواری سے کیوں گرا، خود سوار رہتے اور بچہ کو اپنے پیچھے بھگاتے اور وہ معصوم اسی طرح قافلہ تک پہنچتا (منتہی الآمال، ج1)۔

یہ حالات سیدہ زینبؑ کے لئے کس قدر دردناک وروح فرسا تھے، اس کے بیان کے لئے دامنِ الفاظ تنگ وتہی ہے۔ صرف تصور شرط ہے۔

قتل گاہِ امامؑ کے حالات

ہمارا خیال ہے کہ عظیم ترین صدمہ ورنج ثانیِ زہراؑ کو سید الشہداء علیہ السلام کے بعد پہلے ہی روز دیکھنا اور برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ یہ دن سب سے زیادہ رونے، تنہائی اور اسیری کا پہلا دن تھا۔ اُس دن ظالموں نے اسیرانِ آلِ رسولؐ کے قافلہ کو روانگی کیلئے تیار کیا۔ خواتین اور بچگانِ آلِ رسولؐ اُس کیلئے نہ صرف یہ کہ تیار نہ تھے بلکہ جانتے بھی نہ تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

قتل گاہ میں شہداء کے اجسادِ بے سر پر گریہ کرنا اور پھر اُن بے گوروکفن وبے سر اجساد سے رخصت ہونا تھا۔ سیدہ زینبِ کبریٰ لاشہ ہائے شہداء پر تشریف لائیں، ایک ایک پر گریہ فرمایا اور اُن سے وداع ہوئیں۔ دشمن کے ظلم کا تقاضا تھا کہ یہ سب

مخدرات وبچگان بہت جلدی ان لاشہ ہائے بے گوروکفن سے جدا ہوں اور کوفہ کو روانگی کیلئے اونٹوں پر سوار ہوں۔ ظالمین اس عمل میں کسی طرح تاخیر کو برداشت نہیں کر رہے تھے، لہٰذا اس مقصد کے لئے پسماندگان و وارثانِ شہداء کو تازیانوں یا لکڑی کی ضربوں سے اُن کی جگہوں سے اٹھاتے اور لاشوں سے جدا کرتے تھے۔

سید الشہداءؑ کی پیاری چھوٹی صاحبزادی سکینہؑ نے یہ حالت دیکھی اور بے حال ہوگئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ظالم اُن کی عزیز پھوپھی زینبؑ کبریٰ کو تازیانہ مار رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ معصوم بچی دوڑیں اور بے اختیار ایک بار پھر دوڑ کو لاشِ پدرِ مظلوم سے لپٹ گئیں۔ کہتی جاتی تھیں کہ بابا جان اٹھئے، دیکھئے کہ ظالم پھوپھی اماں کو تازیانے مارتا ہے (چہرۂ خونینِ حسینؑ)۔

اس طرح کے واقعات اور نمونہ ہائے حوادث تھوڑے نہ تھے، جسموں کو بھی کم ایذائیں نہیں پہنچائی جارہی تھیں لیکن اللہ کی راہ میں ثانیِ زہراؑ سب کچھ برداشت کر رہی تھیں۔

شہر کوفہ اور دارالامارہ میں داخلہ

کوفہ میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا داخلہ، دارالامارہ کا منظر اور عبیداللہ ابنِ زیاد ملعون کا مسندِ امارت پر بیٹھا ہونا، یہ سب کوئی چھوٹے یا معمولی واقعات نہ تھے۔ مخدومۂ عالیہ کوفہ کی شہزادی اور آپؑ کے پدرِ بزرگوار امیر وحکومت کے مالک رہ چکے تھے، وہی پدرِ بزرگوار جو شہیدِ محراب، عدالت پر قربان ہونے والے تھے، ایسے پدرِ عالی قدر تاریخ جن کے برابر کسی دوسرے حکمران اور دینِ حق کو جاری کرنے والے کو پیش نہیں کر سکتی۔

اب اُسی معظمہ کو دارالامارہ میں حاضر کیا جاتا ہے جس میں وہ اپنے پدرِ بزرگوار کی جگہ پر ابنِ زیاد جیسی ملعون شخصیت کو بیٹھا ہوا پاتی ہیں۔ شدتِ تاثرات سے مخدومۂ عالیہ کا گلا بند ہونے لگتا ہے اور قریب ہے کہ حرکتِ لب بند ہو جائے۔ معظمہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے لیکن چاہتی نہیں ہیں کہ اشک بہہ نکلیں جنہیں دیکھ کر دشمن خوش ہو، نہ ہی یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے انہیں گریاں، اشک بہاتا دیکھیں۔ اپنے دستِ مبارک سے قلبِ حزیں کو تھام لیا، اپنے آپ کو سنبھالا، لیکن موقع و مسئلہ آپؑ کے لئے بہت مشکل تھا اور صدمۂ رُوحانی اپنی جگہ غیر معمولی تھا (زینبؑ از عاشورا تا قتل گاہ)۔

کوفہ میں اسیرانِ آلِ رسولؐ کو بڑی مسجد کے پہلو میں رکھا گیا۔ یہ نظر بندی و قید سیدہ زینبؑ کبریٰ کے لئے نہایت ہی غیر معمولی و غیر فطری بات تھی کیونکہ کہاں علیؑ کی اولاد اور کہاں قید خانہ؟ اتنا بڑا انقلاب! شروع شروع میں تو لوگ صرف ان کو دیکھنے کیلئے آتے تھے لیکن بعد میں دیکھنے والوں کا تانتا بندھنے لگا۔ ثانیِ زہراؑ نے اعلان کر دیا کہ عرب کی عورتیں حق نہیں رکھتیں

کہ آن کر ہمیں دیکھیں سوائے لونڈیوں اور کنیزوں کے جو ہمارے جیسے حالات سے دوچار ہوں (سیّد ابن طاؤس،لہوف)۔
رات کو اسی قید خانہ میں صبح تک عزاداری برپا ہوتی اور کوئی سونہ پاتا (مقتل الحسینؑ،خوارزمی)۔

صدماتِ شام

شام کے روحانی صدمات کوفہ سے بہت زیادہ شدید تھے۔اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شام ابتداء ہی سے اہلِ بیتؑ کیلئے ہر قسم کے مفاسد اور غیر سامانی کا مقام بنا ہوا تھا۔یہی وہ جگہ تھی جہاں سے ان کے قتل و اسیری و غصبِ حقوق کے احکام جاری ہوئے تھے۔دوسری بات یہ تھی کہ شام کے لوگ عجیب طرح کی نگاہوں سے ان کو دیکھتے تھے۔وہ لوگ اسیرانِ آلِ رسولؐ کو دین سے خارج جانتے تھے۔سید الساجدین علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ آپؑ پر سب سے بڑی مصیبت کہاں گزری تو آپؑ نے تین بار فرمایا:

"الشام،الشام،الشام!" (مقتل الحسینؑ،خوارزمی)۔

یہ شام ہی کا واقعہ ہے کہ اولادِ رسولؐ کو عیسائی تک تو رحم وحمایت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن اسلام کا دعویٰ کرنے والے ان سے کسی طرح کی ہمدردی کے بارے میں سوچتے بھی نہ تھے۔شام کے رہنے والے شہر کو سجا رہے تھے،شہر کی آئینہ بندی کر رہے تھے،شہر میں چراغاں ہو رہی تھی اور ان سب باتوں کو وہ لوگ فرض جان رہے تھے۔صرف یہی نہیں بلکہ مکانوں کی چھتوں سے اسیرانِ آلِ رسولؐ اور سرہائے شہداء پر پتھروں کی بارش ہوتی اور لوگ تماشا دیکھتے حتیٰ کہ ایک پتھر شہزادہ علی اکبر کے بریدہ سر پر لگا (چہرۂ خونینِ حسینؑ)۔

ظالموں نے خواتین اور بچوں کو رسیوں میں باندھ کر دربارِ یزید ملعون میں پیش کیا۔اگر قیدی چلنے میں سستی کرتے یا آرام کیلئے کہیں رکنے لگتے تو ستم شعار انہیں تازیانے مارتے۔اس تازیانوں کی بارش میں ثانیِ زہراؑ بھی تختۂ مشق بنی رہیں لیکن اس سب کے باوجود آپؑ نے حوصلہ نہ ہارا،نہ ہی ہمت وصبر کو ہاتھ سے جانے دیا۔

۳۔ بھوک اور تشہیر

آیئے پہلے ایک نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔انسان یا تو مظلوم ہوسکتا ہے یا منظلم۔

مظلوم اس کو کہتے ہیں جو کسی ہنگامہ یا واقعہ کے دوران اچھی طرح مقابلہ نہ کر پائے۔وہ سعی و کوشش تو کرے لیکن متعلقہ واقعہ کے سامنے پورا نہ اتر پائے۔دشمن اُس پر ظلم وستم کو روا رکھے اور وہ اپنے ہاتھوں اور دانتوں کی مدد سے اس پر ظلم وستم سے بچنے

کی کوشش کرے لیکن بالآخر عاجز آ جائے۔ ایسے شخص کی مدافعت خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اور اُس کے لئے درجات کا تعین بھی فرماتا ہے۔

منظلم وہ ہوتا ہے جس پر ظلم ہوتا ہو لیکن وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ ہو۔ اس کو اصطلاحی طور پر کہتے ہیں کہ وہ خوگرِ ستم ہو چکا ہے۔ اس کو ظلم کا مورد قرار دیتے ہیں اور وہ خود کسی ظلم کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ ایسا شخص ظالم ہی کی طرح آتشِ دوزخ کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں، جس میں آپؑ نے اسے سرزنش کی تھی کہ تو وہ شخص ہے جس کو رسّی میں باندھ کر مسجد میں لایا گیا تھا، تحریر فرماتے ہیں: (نہج البلاغہ، نامہ:38)

"وَمٰا عَلَى الْمُسْلِمِ مِنْ عَفٰاضَةٍ فِيْ اَنْ يُكُوْنَ مَظْلُوْماً مٰا لَمْ يَكُنْ شٰاكّاً فِيْ دِيْنِهِ".

"مسلمان کیلئے مظلوم ہونے میں کوئی عیب و ننگ نہیں جب تک کہ وہ اپنے دین کے بارے میں شک میں نہ ہو"۔

اس طرح ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا مظلوم تھیں، منظلم نہ تھیں۔ اپنے احقاقِ حق کی خاطر ہر طرح سعی و کوشش میں مصروف رہیں، اگرچہ آپؑ کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ آپؑ نے اپنی مظلومانہ فریاد بلند کی لیکن دشمن کوشش کرتا تھا کہ یہ آواز مخدومۂ عالیہ کے گلے میں گھٹ کر رہ جائے۔ یہ اور بات ہے کہ زینبؑ عالیہ کی آوازِ فریاد پورے جہانِ ہستی میں گونجی اور اسی میں ثانیِ زہراؑ کی عظمت پوشیدہ ہے اور یہی بات آپؑ کے لئے باعثِ افتخارِ عظیم ہے۔

بھوک کی شدت میں بلند حوصلگی

اہلِ بیتِ رسولؐ خدا کو اسیرِ زنداں کر دیا گیا۔ تمام روحانی و ذہنی و جسمانی صدمات کے ساتھ ساتھ بھوک کی سختی کا بھی ان کو متحمل ہونا پڑا۔ بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بقول جنابِ سید الساجدین علیہ السلام آپؑ کو مجبور ہونا پڑا کہ بڑھتی ہوئی نقاہت کے باعث نمازِ شب بیٹھ کر ادا فرمائیں (زندگانیِ علیؑ ابن الحسینؑ)۔ علیٰ ہذا القیاس بول چال، چلنے پھرنے اور عبادت کیلئے بھی قوتِ جسمانی کافی نہ رہی تھی۔

دشمن کا سلوک خاندانِ رسالتؐ کے ساتھ بے انتہا اہانت آمیز و رذیل تھا۔ اسیری کے پورے عرصہ میں معمول یہ تھا کہ ہر اسیر کیلئے دو روٹیاں ثانیِ زہراؑ کو دی جاتی تھیں جو آپؑ خود بچوں میں تقسیم فرماتی تھیں۔ روٹیوں کی تعداد بمشکل بچوں کی تعداد کے مطابق ہوتی۔ لہٰذا اندیشہ ہوتا مبادا کوئی بچہ روٹی کے بغیر رہ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خود سیدہ زینبؑ عالیہ کے لئے کھانے کو

کچھ نہ بچتا، یا پھر حضرتؑ کو اپنی روٹی سے کسی بچہ کو حصہ دینا پڑتا جس کے نتیجہ میں آپؑ خود بھوکی رہ جاتیں، لہٰذا آپؑ کی چلنے پھرنے کی قوت تک کم ہوتی گئی۔

بھوک سے بڑی مصیبت

یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ بھوک بذاتِ خود جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت تھی، لیکن اس سے شدید تر مصیبت یہ تھی کہ بچوں کے لئے غذا کافی نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا معصوم بچے مخدومۂ عالم ہی سے کھانے کیلئے مانگتے تھے جس سے وہ معظّمہ مزید ذہنی وروحانی اذیت اٹھاتی تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپؑ ایسے خاندان کی بزرگ ترین فرد تھیں جو جود وکرم و بخشش کرنے والا خاندان تھا جہاں سے غرباء وفقراء کی خورد ونوش کی تمام ضروریات، حتیٰ کہ خرما تک پوری ہوتی تھیں اور انہیں یہ تمام ضروریات اسی مقدس گھر سے تقسیم ہوتی تھیں۔ کیا یہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ہی کا گھر نہ تھا جہاں سے مسلسل تین راتوں تک اہلِ خانہ کا سامانِ افطار مسکین ویتیم واسیر میں تقسیم ہوتا رہا اور انہی کی شان میں آیۂ مبارکہ ''وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ'' (دہر:8) نازل ہوئی؟

کیا امیر المؤمنین علیہ السلام نے اہالیانِ کوفہ سے محبت کا کم اظہار کیا تھا؟ کیا یہ آپؑ ہی کا معمول نہ تھا کہ رات کو روٹیاں اور کھجوریں خود اپنی کمر پر لاد کر یتیموں اور مسکینوں کے گھروں تک پہنچاتے تھے؟ کیا علیؑ ہی اُس معظّمہ کے پدرِ بزرگوار نہ تھے جو یتیموں کیلئے آنسو بہاتے، خود اپنے ہاتھوں سے ان کیلئے روٹیاں پکاتے اور اُن کے منہ میں لقمہ دیتے؟ کیا یہ وہی سیدہ زینبؑ کبریٰ نہ تھیں جن کا خانۂ اقدس بے پناہ لوگوں اور ستم رسیدہ افراد کیلئے مرکزِ اُمید سمجھا جاتا تھا اور جہاں اُن کی تمام امیدیں وآرزوئیں پوری ہوتی تھیں؟ معاشرہ کے کتنے ایسے بھوکے وبے خوراک لوگ تھے جن کی صدائے دردناک صرف زینبؑ عالیہ اور اُن کے افرادِ خاندان کے گھروں ہی میں سنی جاتی تھی!

انقلاب تو یہ آیا کہ وہی سیدہ ثانیِ زہراؑ اور اولادِ علیؑ آج کوفہ میں بہ حالِ تباہ اسیرِ جفا ہیں، یا شام کے قید خانہ میں ہیں، جن کو اس عالمِ اسیری میں کافی غذا بھی میسر نہیں کی جاتی اور علیؑ کی نورِ نظر مجبور ہیں کہ خود بھوکی رہیں اور معصوم بچوں کو ممکن حد تک کھانا کھلانے کی کوشش کریں۔

بلند حوصلہ کی انتہا

باوجودیکہ جنابِ ثانیِ زہراؑ انتہا سے زیادہ کمزور ولاغر ہوگئیں، یہاں تک کہ ہلنے جُلنے کی قوت، قیام وقعود تک کی توانائی،

جس کی ثانیِ زہراؑ خوگر تھیں، آپؑ کے جسم میں باقی نہ رہی، لیکن یہ سب باتیں مل کر بھی مخدومۂ عالم کے حوصلہ کو شکست نہ دے سکیں، نہ ہی یہ جملہ مصائب و آلام آپؑ کو راستہ کی صعوبات اور اپنے ہدف و مقصد کے حصول سے روک سکے۔

جنابِ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا بے حد بلند حوصلہ کی مالک تھیں اور آپؑ کو اپنی ذات و اپنے استقلال پر مکمل تسلط حاصل تھا۔ مخدومۂ عالم جانتی تھیں کہ کس موقعہ پر کیا کرنا لازم ہوگا یا دشمنوں کی طرف سے اور کیسے سلوک کا امکان ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں کہ بچے بھوک سے بلک رہے تھے اور کوفہ کی عورتیں اُن کے لئے صدقات لے کر آتیں تو ثانیِ زہراؑ ہرگز ایسا نہ ہونے دیتیں کہ صدقہ کی روٹی کا ایک لقمہ بھی کسی بچہ کے حلق تک پہنچے۔ آپؑ بلند آواز سے فرماتیں: ''تم پر وائے ہو! صدقہ ہم پر حرام ہے'' (وَيْلَكُمْ الصَّدَقَةُ عَلَيْنَا مُحَرَّمَةٌ) (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

روزِ عاشور عصر کے وقت (شہادتِ امامؑ اور خیام کی لوٹ مار و آتش زدگی کے بعد) جب پانی پیش کیا گیا تو باوجودیکہ ثانیِ زہراؑ خود شدید تشنگی کا شکار تھیں، پانی پینے کیلئے تشریف نہ لائیں کیونکہ آپؑ کے حوصلہ و استقلال مانع تھے کہ تمام عزیز و اقارب اور اصحابِ سید الشہداء علیہ السلام تو تشنہ لب دنیا سے رخصت ہوئے ہوں اور آپؑ خود پانی سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس سلسلہ میں ثانیِ زہراؑ کا عظیم حوصلہ، آپؑ کی شوکت و جلال، خود اپنے مقام پر تشریح کے محتاج اور بے مثال ہیں۔

اہلِ بیتِؑ رسولِؐ اسلام کی در بدری

جنابِ ثانیِ زہراؑ خود اپنا ایک آرام دہ و پرآسائش گھر رکھتی تھیں جہاں ہر قسم کے سامانِ آرام و آسائش موجود تھے۔ آپؑ کے نہایت محبوب شوہر اور افرادِ اولاد بھی تھے۔ لیکن آپؑ نے یہ سب کچھ چھوڑ کر بیابانوں کی اذیت اور در بدری کو ترجیح دی۔ اس تمام عرصۂ در بدری میں مخدومۂ عالم کے ناز اُٹھانے والا ایسا کوئی نہ تھا جو سفر کی تکالیف میں پائے مبارک کیلئے کسی طرح کے آرام کا انتظام کرسکتا۔ لہٰذا کوئی ایسا موقعہ نہ تھا جہاں مخدومۂ عالیہ سرسبز درختوں کے سایہ اور پانی کے چشموں کے قریب سفر کرتیں۔ اس کے باوجود صحرا و بیابانوں کا سفر اور تمازتِ آفتاب کی مسلسل شدت معظمۂ عالیہ کے حوصلہ کی شکست کا باعث ہرگز نہ بن سکے۔ پھر بھی ایک عام و ذی شعور ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کتنا طویل عرصہ تھا جس میں اُن کو اپنے قافلہ سمیت تمازتِ آفتاب کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے بیابانوں میں سفر کرنا یا پتھریلی و گرم ریتیلی زمین پر سونا پڑا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر اور اُن کے لٹے ہوئے قافلہ کی کیفیت تو قابلِ صد تاسف ہے ہی، لیکن حیرت و افسوس ان انسان نما درندوں کی ذہنیت پر ہے کہ وہ حق ناشناسی کے اُس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ انہوں نے دُخترِ علیؑ

اورفرزندانِ رسولؐ اکرم کواس قدر کم جانا۔ اگر سیدہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا قیامت کے دن ان لوگوں کو معاف بھی کر دیں تو سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بھی اُن سے درگزر فرمائے گا؟ پھر اگر اللہ تعالیٰ بھی اُن سے درگزر فرمائے تو کیا ان کوایسا حوصلہ ہوگا کہ بہشت میں داخل ہوکر جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیدہ طاہرہ جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا سامنا اور اُن سے ملاقات کرنے کا حوصلہ کریں؟

تبصرۂ مترجم

سوانحِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے واقعات کوآگے بڑھانے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ زندانِ کوفہ کا مختصر تذکرہ ہدیۂ قارئین کریں تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ خانوادۂ رسولؐ اکرم کو شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد دورانِ اسیری کن حالات کا سامنا کرنا پڑا اوران لوگوں نے اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ کس طرح قیدیوں جیسا سلوک کیا۔ یہ اُس رسولؐ خدا کے گھر کے نہ صرف افراد بلکہ اولاد ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے باعثِ تخلیقِ کائنات قرار دیا تھا، جس کو مجسمۂ اخلاق بنایا تھا، جس نے بنی نوعِ انسان کو سبقِ انسانیت دیا تھا، جو مخلوقِ پروردگار کے لئے رحمتِ مجسم تھا۔ ہم نے بہت تلاش کیا کہ ان قید خانوں کی تفصیل مل سکے جن میں ناز پروردگانِ رسالتؐ پناہ کو رکھا گیا تھا، لیکن افسوس کہ سوانح نگاری کی تمام مشکلات ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم گزشتہ صفحات میں مختصر ذکر کر چکے ہیں۔ بہر حال جو کچھ مل سکا، وہ نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کے بغیر یہ سوانح عمری مکمل قرار نہ دی جاسکے گی، تاہم اس مختصر روئیداد سے قارئینِ کرام اندازہ لگا سکیں گے کہ آلِ رسولؐ کو کن حالات کا سامنا تھا۔ ہمیں ایک بار پھر کہنا پڑے گا کہ واقعاتِ کربلا لکھنے والا سب سے پہلا شخص دُشمنِ حسینؑ مظلوم یزید لعین کا ملازم تھا۔ لہٰذا اس سے صحیح حالات کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ صفحاتِ تاریخ پر مرقوم ملتا ہے اسی سے پڑھنے والے کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ شدتِ واقعات کا کیا عالم تھا۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور کی شائع کردہ 'صحیفۂ کاملہ' مرتبہ جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی' سے ہم مختصر سے دو اقتباس پیش کرتے ہیں:

ابنِ زیاد ملعون نے علی بن الحسینؑ اور اُن کے لٹے ہوئے قافلہ کو جامع مسجد کوفہ کے قریب ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا اور یزید ملعون کے پاس فتح کی مبارکباد بھیجی اور دریافت کیا کہ قیدیوں کے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے۔ دو ہفتہ بعد یزید ملعون کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لے کر آیا کہ قیدیوں کو مع شہیدوں کے سروں کے دمشق روانہ کر دیا جائے (ص،۱۱۹)۔

اس قید خانہ میں اہلِ بیتؑ کے قیام کی تصدیق ممکن نہیں۔ ہمارے قارئین کو اندازہ سے کام لینا ہوگا کہ آج سے چودہ صدیاں پیشتر ذرائع سفر، جبکہ تمام سفر زیادہ تر صحرا کا تھا اور اونٹوں یا گھوڑوں پر ہوتا تھا، کتنے دن میں آمد و رفت دونوں طرف طے ہوا ہوگا۔ اس تمام عرصہ میں اولادِ رسولؐ اکرم کو اسی تنگ و تاریک قید خانہ میں رہنا پڑا۔

یہی مؤرخ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر زندانِ شام کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

''سیدِ سجادؑ اور ان کی ماں بہنوں کو سرِ دربار مجمعِ عام میں بلوانے اور بخیالِ خود رسوا کرنے کے بعد یزید نے حکم دیا کہ انہیں اس قید خانہ میں پہنچا دیا جائے جو مسجدِ شام کی پشت پر واقع ہے۔ یہ ایسا تکلیف دہ مکان تھا جس میں گرمی و سردی سے مطلق پناہ نہ تھی اور نہایت تنگ و تاریک اور بوسیدہ تھا۔ ابتداء میں اسیرانِ آلِ محمدؐ کی خورونوش سے کامل بے توجہی برتی گئی۔ کئی کئی وقت صاف گزر جاتے تھے، یہاں تک کہ بچے بھوک پیاس سے دم توڑنے لگتے تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ کا بیان ہے کہ ایک دن انہوں نے اپنی عمہ محترمہ جنابِ ثانیِ زہراؑ کو دیکھا کہ ہانڈی چولہے پر چڑھائے اس طرح بیٹھی ہیں جیسے آگ روشن کرنے کا عزم ہے۔ آپؑ نے پوچھا عمہ گرامی! یہ کیا حال ہے؟ بولیں کہ بچے شدتِ گرسنگی سے بیتاب تھے۔ یہ انہیں بہلانے کا سامان کر رہی ہوں۔

کچھ عرصہ تک اسیرانِ کربلا اس خراب و خستہ مکان میں مقید رہے۔ اس کے بعد یزید ملعون کی چہیتی بی بی ہند بنتِ عبداللہ نے اپنے محل ہی میں ایک مکان اُن قیدیوں کیلئے خالی کر دیا''۔

اسی موضوع کو جناب علامہ حسن رضا غدیری صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے''، جو ایک ترجمہ ہے اور بعثت فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع ہوئی ہے، جس میں سے کئی حوالہ جات ہم گزشتہ صفحات میں مناسب مقامات پر لکھ آئے ہیں، میں کوفہ و دمشق کے قید خانوں کی الگ الگ کیفیت رقم کی ہے جسے ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

''ابنِ زیاد ملعون نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو تنگ و تاریک قید خانوں میں بند کر دیا جائے۔ چنانچہ علیؑ کی بیٹیوں کو قید خانہ کی طرف لایا گیا تو شہر کی گلیاں اور کوچے مردوں اور عورتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر مخدراتِ عصمت دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور اپنی مظلومیت کا ماتم کرتے ہوئے قید خانہ میں داخل ہوگئیں۔

''اشقیاء نے رسولؐ زادیوں کو ایسی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جہاں نہ تو روشنی آتی تھی اور نہ ہی ہوا۔ شہر کی عورتوں نے سیدہ ثانیِ زہراؑ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو سیدہؑ نے فرمایا: 'ہم اس وقت قیدی ہیں اور ہماری آزادی سلب ہو چکی ہے۔ لہٰذا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی کنیزوں اور بے بس لونڈیوں کے سوا کوئی عورت ہماری ملاقات کیلئے نہ آئے'۔

''بنی اُمیہ نے جو ستم اہلِ بیتِ رسولؐ پر ڈھائے، اس کی مثال تاریخِ انسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رسولؐ زادیوں کو محبوس کر کے فتح و کامیابی کا جشن منانے والے آمروں کا وجود تاریخِ بشریت کے پاکیزہ دامن پر بدنما داغ ہے اور انہی بدطینت لوگوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے اسلام کے مقدس نام کی عظمتوں کو پامال کر دیا'' (ص ۲۴۶۔۲۴۷)۔

آگے چل کر علامہ مذکور اسیرانِ آلِ رسولؐ کے قید خانۂ شام کے حالات اس طرح لکھتے ہیں:

''یزید ملعون نے اہلِ بیتِ رسولؐ کو اپنے دربار سے کسی ایسی جگہ منتقل کر دینے کا حکم دیا جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں تاکہ لوگ اُن کی حالتِ زار کو دیکھ کر یزید ملعون کے خلاف قیام نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس ستم پرور شخص نے تمام انسانی اقدار کو پامال کرتے ہوئے اولادِ رسولؐ کو ایک ایسے خرابے میں بند کروا دیا جہاں نہ تو ہوا آتی تھی اور نہ ہی روشنی۔ گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اُس خرابہ میں رسولؐ زادیوں اور معصوم بچوں کے چہرے جھلس گئے۔

''ایک اور روایت کے مطابق تین دن تک مسلسل اس خرابہ میں رہنے کی وجہ سے سب کی حالت غیر ہوگئی۔ تنگ و تاریک فضا میں عترتِ رسولؐ کے لئے سانس تک لینا دشوار ہو گیا تھا۔

'جب تک اس خرابے میں ان مظلوموں کو رکھا گیا، اُن کی زبانوں پر ہائے حسینؑ، ہائے حسینؑ کی صدائیں جاری تھیں۔

''ایک دن بیمارِ کربلا امام زین العابدین علیہ السلام خرابے سے باہر ہوا خوری کے لئے نکلے تو منہال بن عمر نے آپؑ کو دیکھ لیا۔ اُس نے امامؑ سے پوچھا: 'اے فرزندِ رسولؐ! آپ کس حال میں ہیں؟'

بیمارِ کربلا نے جواب دیا: 'ہمارا حال وہی ہے جو بنی اسرائیل کا آلِ فرعون میں تھا۔ آلِ فرعون بنی اسرائیل کے جوانوں کو ذبح کرتے اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ کر انہیں اپنے مظالم کا نشانہ بناتے تھے۔ آج عربوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ عجمیوں پر فخر و مباہات کرتے ہیں کہ محمدؐ خاتم الانبیاء عربوں میں سے تھے اور بنی قریش سب عرب قبائل کے مقابلہ میں فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے تھے۔ لیکن ہم اُسی محمدؐ کی اولاد و عترت ہیں کہ جنہیں ان لوگوں نے اپنے ظلم و استبداد کی چکی میں پیس دیا ہے۔ ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا گیا اور ہماری مستورات اور معصوم بچوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ اب ہم اپنی حالت پر یہی کہہ سکتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ'۔

''منہال نے کہا ابھی ہم آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ خرابے سے ایک خاتون نکلیں۔ انہوں نے جنابِ زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: 'اے آلِ محمدؐ کی آخری نشانی اور اے سریرِ امامت کے تاجدار! آپؑ کہاں چلے گئے؟' اُس خاتون

کی آواز سن کر جنابِ زین العابدینؑ فوراً اس کی طرف چل دیئے۔ میں نے اُس خاتون کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ اُن کی پھوپھی سیدہ زینبؑ تھیں''۔

قید خانہ وخرابۂ شام کی کیفیت یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ اس سے آگے علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں:

''ابھی رسول زادیاں خرابۂ شام میں تھیں کہ ایک رات رقیہ بنت الحسینؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا۔ (بہت سے مؤرخین نے اس صاحبزادی کا نام فاطمہؑ بنت الحسینؑ لکھا ہے جنہیں امامِ مظلوم علیہ السلام پیار سے سکینہؑ کہا کرتے تھے)۔ مظلومِ کربلا کو خواب میں دیکھ کر رُقیہؑ کی چیخ نکل گئی اور وہ بیدار ہوکر زاروقطار رونے لگیں۔ معصوم بچی کے گریہ و شیون کی آواز سن کر خرابہ میں موجود سب بی بیاں اور بچے گریہ کناں ہوگئے۔

''یزید ملعون کو صورتِ حال کی اطلاع دی گئی تو اُس نے حکم دیا کہ حسینؑ کا سر لاکر اس بچی کے سامنے رکھا جائے۔ جب سرِ امامؑ کو لایا گیا تو مظلومِ کربلا کی مظلوم صاحبزادیؑ اپنے باپ کی طرف دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ رقیہؑ نے کہا: 'بابا! تیرے بعد ہمارے خیموں کو آگ لگادی گئی، ہماری چادریں اتارلی گئیں، ہمارا سامان لوٹ لیا گیا، ہمیں قیدی بنا کر جنگلوں اور بیابانوں سے گزارا گیا، ہمیں سر برہنہ کرکے دربار و بازار میں لایا گیا اور بابا جان! اب ہم اس خرابہ میں ہیں اور آپؑ کی مظلومیت کو یاد کرکے رو رہے ہیں۔ بابا آپؑ کا سرِ اقدس کس شقی نے کاٹا؟ بابا! آپؑ کا نازنین بدن کیا ہوا؟ بابا! ذرا ہماری دردبھری حالت کو بھی دیکھئے!'

''اس کے بعد رُقیہؑ بنت الحسینؑ مظلومِ کربلا کے سرِ اقدس کے بوسے لینے لگیں اور روتے روتے اس معصوم بچی کی روح پرواز کرگئی۔

''رقیہؑ کی وفات سے آلِ رسولؐ کا غم شدید ہوگیا۔ ہر عورت اور ہر بچہ شدتِ غم سے نڈھال تھا۔ لیکن حضرت اِمِ کلثومؑ کی حالت غیر ہوگئی **(الایقاد للعظیمی منقول از عوالم للطبرانی)** اور وہ رقیہؑ کے غم میں دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں۔ حضرت ثانیِ زہراؑ نے اُمِ کلثومؑ سے کہا: 'بہن صبر سے کام لو، یہ امتحان کی منزل ہے۔ رقیہؑ کے غم نے ہم سب کو پریشان کردیا ہے اور ہم سب عزادار ہوگئے ہیں۔ آپؑ اس قدر کیوں نڈھال ہوچکی ہیں'۔

''حضرت امِ کلثومؑ نے کہا: 'بہن زینبؑ! رقیہؑ کے غم نے میرا دل توڑ دیا ہے..... شام کے بچوں کو دیکھ کر رقیہؑ نے مجھ سے ایسا جملہ کہا تھا جو میں کبھی نہیں بھلاسکتی اور اسی جملہ کو یاد کرکے غم سے نڈھال ہوتی ہوں۔ معصوم بچی نے کہا تھا: 'پھوپھی جان! کیا

ہمارا کوئی گھر نہیں اور ہم اسی خرابہ میں ہی رہیں گے؟ (مقتل الحسینؑ، سیّد محمد تقی بحر العلوم، ص296)۔

''جب قیدیوں کو دمشق میں لایا گیا تو ایک عورت یزید ملعون کی بیوی 'ہند' (ہند بنتِ عبداللہ یزید سے شادی کرنے سے قبل امیر المؤمنینؑ کے گھر میں خادمہ تھی اور گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ اُس کا دل اہلِ بیتؑ کی معرفت ومحبت سے سرشار تھا) کے پاس آئی اور اُس سے کہا: 'اے ہند! ابھی ابھی کچھ قیدی آئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔ بہتر ہے آپ بھی آئیں اور انہیں دیکھ کر دل بہلائیں'۔

''ہند اُٹھی اور اُس نے عمدہ لباس زیبِ تن کیا، اپنی چادر اوڑھی.....اور اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ اُس کیلئے کرسی لگادی جائے تاکہ آرام واطمینان سے بیٹھ کر قیدیوں کا تماشا دیکھ سکے۔

''جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو سیدہ زینبؑ کی نظر اُس پر پڑی۔ آپؑ نے غور سے اُس کی طرف دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور اپنی بہن اُمِ کلثومؑ سے کہا: 'بہن! کیا آپؑ نے اس عورت کو پہچانا ہے؟'

''حضرت امِ کلثومؑ نے جواب دیا: 'نہیں، میں نے اُسے نہیں پہچانا'۔

''سیدہ زینبؑ نے فرمایا: 'بہن! ہماری کنیز ہند بنتِ عبداللہ جو ہمارے گھر میں کام کاج کیا کرتی تھی'۔

''ثانیِ زہراؑ کی بات سن کر اُمِ کلثومؑ نے خاموش ہو کر اپنا سر نیچا کرلیا اور اسی طرح ثانیِ زہراؑ نے بھی اپنا سر نیچا کرلیا تاکہ ہند اُن کی طرف متوجہ نہ ہو۔ لیکن ہند ان دونوں بیبیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا:

'' 'بہن! آپ نے آپس میں گفتگو کر کے پُر اسرار طور پر اور خاص انداز میں اپنے سر جھکا لئے ہیں۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟'

''حضرت زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑی رہیں۔

''ہند نے پھر پوچھا: 'بہن! آپ کس علاقہ سے ہیں؟'

''اب سیدہ زینبؑ خاموش نہ رہ سکیں اور فرمایا: 'ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں'۔

''ہند نے مدینہ منورہ کا نام سنا تو اپنی کرسی چھوڑ دی، احترام سے کھڑی ہوگئی اور پوچھنے لگی: 'بہن! کیا آپ مدینہ والوں کو جانتی ہیں؟'

''سیدہ زینبؑ نے فرمایا: 'تم کن مدینہ والوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟'

''ہند نے کہا: 'میں اپنے آقا امام علیؑ کے گھرانے کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں'۔

''سیدہ زینبؑ نے فرمایا: 'تم علیؑ کے گھرانے کو کیسے جانتی ہو؟'

''علیؑ کے گھرانے کا نام سن کر ہند کی آنکھوں سے اشکِ محبت جاری ہو گئے اور کہنے لگی: 'میں اُس گھر کی خادمہ تھی اور وہاں کام کیا کرتی تھی۔ مجھے اُس گھر سے بہت محبت ہے'۔

''سیدہ ثانیِ زہرؑا نے پوچھا: 'تم اُس گھر کے کن افراد کو جانتی ہو اور کن کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟'

''ہند نے کہا: 'میں امام علیؑ کی اولاد کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں، میں حسینؑ واولادِ حسینؑ اور علیؑ کی پاکباز صاحبزادیوں کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں، خاص طور پر میں اپنی آقازادیوں حضرت زینبؑ واُمِ کلثومؑ کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہوں اور اسی طرح حضرت فاطمہ زہرؑا کے متعلق معلوم کرنا چاہتی ہوں'۔

''سیدہ زینبؑ نے ہند کی بات سن کر اشکبار آنکھوں کے ساتھ جواب دیا: 'تو نے جو کچھ پوچھا ہے میں اُس کی تفصیل تجھے بتاتی ہوں۔تو نے علیؑ کے گھر کے متعلق پوچھا ہے تو ہم اُس گھر کو خالی چھوڑ کر آئے تھے۔تو نے حسینؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو یہ دیکھ تیرے آقازادے حسینؑ کا سر تیرے شوہر یزید کے سامنے رکھا ہے۔تو نے اولادِ علیؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو ہم ابوالفضل العباسؑ سمیت سب جوانوں کو کربلا کے ریگزاروں پر بے گوروکفن چھوڑ آئے ہیں۔تو نے اولادِ حسینؑ کے متعلق پوچھا ہے تو اُن کے سب جوان مارے گئے ہیں۔صرف ایک علیؑ بن الحسینؑ باقی ہیں جو تیرے سامنے ہیں اور بیماری کی وجہ سے اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔اور جو تو نے زینبؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو دل پر ہاتھ رکھ کر سن کہ میں زینبؑ ہوں اور یہ میری بہن اُمِ کلثومؑ ہے اور یہ سب بیبیاں فاطمہ زہرؑا کی مظلوم بیٹیاں ہیں'۔

''ثانیِ زہرؑا کا دردناک جواب سن کر ہند کی چیخ نکل گئی اور منہ پیٹ کر کہنے لگی: 'ہائے میرے آقازادے کیا ہوئے؟ ہائے میرے مولا کا حال کیسا ہے؟ ہائے میرے مظلوم آقا حسینؑ! کاش میں اس سے پہلے اندھی ہو جاتی اور فاطمہؑ کی بیٹیوں کو اس حالت میں نہ دیکھتی'۔

''روتے روتے ہند بے قابو ہو گئی اور ایک پتھر اٹھا کر اپنے سر پر اتنے زور سے مارا کہ اُس کا سارا بدن خون خون ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو سیدہ ثانیِ زہرؑا اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگیں: 'اے ہند! تم کھڑی ہو جاؤ اور اپنے گھر چلی جاؤ کیونکہ تمہارا شوہر یزید ایک ظالم شخص ہے۔ ممکن ہے تمہیں اذیت وآزار پہنچائے۔ہم اپنی مصیبت کا وقت گزار

لیں گے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تمہارا سکون تباہ ہو جائے‘۔

''ہند نے جواب دیا: ’خدا کی قسم! مجھے اپنے آقا و مولا حسینؑ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ میری زندگی کا سکون ختم ہو چکا ہے اور اب میں اپنی زندگی کے باقی لمحات اسی طرح روتے ہوئے گزاروں گی، اور اے میری آقازادیو! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ سب میرے گھر آئیں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ یہیں بیٹھی رہوں گی اور قطعاً اپنے گھر نہیں جاؤں گی‘۔

''یہ کہہ کر ہند اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی چادر اتار کر منہ پیٹتی ہوئی سر برہنہ یزید کے پاس آ گئی۔ یزید اس وقت لوگوں کے عام مجمع میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہند نے یزید سے کہا: ’اے یزید! کیا تو نے حکم دیا ہے کہ میرے آقازادے حسینؑ کا سر نوکِ نیزہ پر سوار کر کے دروازہ پر لٹکایا جائے، نواسۂ رسول کا سر اور میرے دروازہ پر؟‘

''یزید نے اپنی زوجہ کو اس حالت میں دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بھرے مجمع میں اُسے سر برہنہ دیکھ کر برداشت نہ کر سکا، اُسے چادر پہنائی اور کہنے لگا: ’ہاں یہ حکم میں نے دیا ہے۔ اب تو نواسۂ رسولؐ پر گریہ و ماتم کرنا چاہتی ہے تو بے شک کر لے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابنِ زیاد نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے حسینؑ کو قتل کر ڈالا ہے‘۔

''جب یزید نے ہند کو چادر اوڑھائی تو ہند نے کہا: ’اے یزید! خدا تجھے تباہ و برباد کرے۔ اپنی زوجہ کو بھرے مجمع میں سر برہنہ دیکھ کر تیری غیرت جاگ اٹھی ہے، مگر تو رسولؐ زادیوں کو کھلے عام سر برہنہ کر کے بازار اور دربار میں لایا ہے اور اُن کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے لاتے وقت تیری غیرت کہاں گئی تھی اور اُنہیں ایک خرابہ میں بند کر کے خود امن و سکون کی نیند سونا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! جب تک انہیں میرے ساتھ نہیں بھیجے گا، اس وقت تک میں تیرے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی‘ (معالی السبطین، ج ۲، ص ۱۷۲، منقول از مقتل الحسینؑ، ابن نما)۔

''ہند کی گفتگو سن کر یزید نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو فوری طور پر مدینہ روانہ کر دیا جائے''۔ (''زینبؑ، زینبؑ ہے''، ص 271 تا 279)۔

ہم اپنے تبصرہ کو یہاں ختم کر کے سلسلۂ واقعاتِ سوانح کو آگے بڑھاتے ہیں۔

✿✿✿

۱۔ یزید لعین کی پشیمانی

حالاتِ زمانہ اور معاشرہ کی دستبرد نے یزید کو اُس کے ظلم و عمل پر پشیمان و شرمندہ کر دیا۔ یزید ایسا تو ہرگز نہ تھا کہ اپنے گناہ پر نادم ہوتا، یا اولادِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف اُس کے بغض و کینہ میں کسی طرح کی کمی واقع ہوتی۔ اس کے برعکس وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُس نے جو کام کیا ہے اور جس لقمہ کو نگلنے کی کوشش کی ہے وہ بہت بُرا اور سنگین ہے۔ اس کا نگلنا یا اگلنا اس کے لئے ناممکن ہے اور یہ عمل کسی طرح اُس کو ہضم نہیں ہو پائے گا۔ اس سوچ کے تحت اُس نے ارادہ کیا کہ کسی طرح اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرے۔

اس سلسلہ میں اُس نے کئی لوگوں سے، جن میں نعمان بن بشیر اور مروان بن حکم بھی شامل تھے، مشورہ کیا۔ اس مشورہ کے نتیجہ میں اُس نے محسوس کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو، قافلۂ اہلِ بیتؑ کو مدینہ واپس پہنچا دیا جائے تا کہ شام میں شور و احتجاج ختم ہو جائے اور بغاوت کا خطرہ بھی جاتا رہے۔ خود یزید اپنے دل میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کیونکہ وہ سخت پریشانی میں گرفتار تھا اور نہیں جانتا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ لہٰذا اُن لوگوں کا یہ مشورہ اور مسئلہ کا یہ حل اُسے پسند آیا۔

رہائیِ اہلِ بیتِؑ رسولِؐ خدا

یزید ملعون نے اس بات میں مصلحت نہ پائی کہ اسیرانِ آلِ رسولؐ کو اپنے قریب رکھے۔ لہٰذا وہ ان کی دل جوئی پر آمادہ ہوا۔ نتیجہ کے طور پر اس نے حضرت سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے دربار میں طلب کیا، اپنے پہلو میں بٹھایا، بڑی شفقت کی نظر سے اُن کو دیکھا اور کہنے لگا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے جس نے آپؑ کے والدِ بزرگوار کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اُن پر یہ ظلم روا رکھا۔ خدا کی قسم! اگر وہ اور میں آمنے سامنے آجاتے تو میں ان کی جملہ خواہشات کا مثبت جواب دیتا۔

اس کے بعد اُس ملعون نے امام علیہ السلام کو اختیار دیا کہ شام میں رہیں، مدینہ چلے جائیں یا جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے ثانیِ زہراؑ کی رائے و مشورہ پر عمل کرنے کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں طے پایا کہ قافلۂ اہلِ بیتؑ شام سے عازم مدینہ ہو جائے۔ یزید اس رائے سے خوش ہوا اور اُس نے اس سفر کے انتظامات کا حکم دے دیا[1]۔

1۔ یزید ملعون نے کن حالات سے مجبور ہو کر اہلِ بیتِؑ رسولؐ کو اپنی اذیت ناک قید سے رہا کیا اور کتنا عرصہ انہیں محبوس رکھا، تاریخ کے نہایت اہم سوال ہیں جن پر ہم بحث کریں گے۔ ہم اس سلسلہ میں علامہ حسن رضا غدیری صاحب کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' (جاری)

سید الشہداء علیہ السلام کے خون بہا کا مسئلہ

یزید ملعون کی تباہ کاریوں میں سے ایک بات جو اس کی جہالت و نااہلی کی مظہر ہے، سید الشہداء علیہ السلام کے خون بہا کا مسئلہ ہے۔ اُس نے ایک خاص دربار منعقد کیا جس میں اُس نے سید الساجدین علیہ السلام، ثانیِ زہرؑا اور دیگر اسیرانِ آلِ رسولؐ کو طلب کیا۔ اس دربار میں ان حضرات کے ساتھ اس نے نہایت احترام و عزت کا مظاہرہ کیا۔ ایک بار پھر اُس نے اپنے سابقہ الفاظ کو دہراتے ہوئے قتلِ سید الشہداء علیہ السلام کے سلسلہ میں عذر خواہی پیش کی اور پہلے جیسی باتیں کیں، یعنی اُن حضرات کے سامنے اُس نے اپنے حسنِ نیت کے متعلق انہیں مطمئن کرنا چاہا۔ اپنی گفتگو کے اختتام پر اس نے زر و جواہر سے بھرا ہوا ایک برتن سید الساجدین علیہ السلام اور ثانیِ زہرؑا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ امام حسینؑ کا خون بہا ہے، اسے قبول فرمالیں۔ یہ ایک ایسی جاہلانہ گفتگو تھی جسے سن کر ثانیِ زہرؑا کو تابِ ضبط نہ رہی اور آپؑ نے بہ آوازِ بلند فرمایا:

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں:

''رسولؐ زادیوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی جس سے یزید ملعون کو یقین ہوگیا کہ اگر اہلِ بیتِ رسولؐ مزید کچھ دیر کے لئے دمشق میں رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کردیں گے اور پھر لوگوں پر قابو پانا مشکل ہوجائے گا اور ممکن ہے کہ صورتِ حال اس قدر خراب ہوجائے کہ انقلاب کا طوفان پوری حقیقت کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ لہٰذا یزید ملعون نے مناسب سمجھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے گفتگو کر کے ان سے معذرت خواہی کرے اور اپنے آپ کو ان سے بری قرار دے کر ابنِ زیاد ملعون کو ان سب حوادث کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

''چنانچہ آغوشِ مکر و فریب کے پروردہ یزید ملعون نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا:

'' 'خدا لعنت کرے مرجانہ کے بیٹے پر۔ خدا کی قسم! اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو جو کچھ وہ مانگتا اسے دیدیتا تاکہ وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہ کرے اور اس مقصد کے لئے اگر مجھے اپنی اولاد بھی قربان کرنا پڑتی تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن جو ہونا تھا سو ہو چکا اور اب تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

اے بیٹے! جو کچھ تجھے مطلوب ہے، وہ لکھ کر مجھے بتادو تاکہ میں اس پر عمل کروں اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے قبیلہ والے اس سلسلہ میں ضروری اقدامات بھی کریں گے لیکن تم ہرگز ان کا ساتھ نہ دینا۔

'امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید ملعون کی مکارانہ گفتگو سن کر منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ امامؑ سمجھتے تھے کہ یہ اُس کی چال ہے جو وہ اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے چل رہا ہے (ص ۲۸۰۔۲۸۱)۔

(جاری)

''یزید! تو کس قدر شرم وحیا سے عاری ہے، کس قدر دیدہ دلیر و بے شرم ہے، میرے بھائی کو تو نے قتل کروادیا، میرے پورے خاندان کو شہیدِ ستم کردیا اور اب اُن کا خوں بہا پیش کرتا ہے؟

''مااَقَلَّ حَیائکَ، وَاَصلَبَ وَجھکَ، تقتُلُ اَخِی وَاھلِ بَیتِیْ وَ تُعطِینی عِوَ ضِھِمْ''.

بالفاظِ دیگر ہم عملِ یزید ملعون کو اسی لئے جاہلانہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے خیال میں قتلِ حسینؑ نہایت آسان بات تھی اور ان کی دیت دے دینا بھی آسان تھا۔ پس اُس کا خیال تھا کہ حضرتؑ کو قتل کر کے ان کا خون بہا دے کر اس جرم سے بری ہو

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

یزید کن حالات کی وجہ سے رہائی اہلِ بیتؑ پر تیار ہوا، ان کے متعلق سید قائم رضا نسیم امروہوی نے صحیفہ کاملہ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور میں سوانح امام زین العابدینؑ کے ذیل میں مزید تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان کی تحریر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

''علی بن الحسینؑ کی گرفتاری، اہلِ بیتؑ کی اسیری اور سرہائے شہداء کے ساتھ بازاروں اور درباروں میں خاندانِ رسولؐ کی تشہیر کی غرضِ اصلی یہ تھی کہ اولادِ رسولؐ اس قدر رسوا ہو جائے کہ لوگوں کے دل پھر ان کی طرف مائل نہ رہیں۔ نیز ان عبرت ناک سزاؤں کے خوف سے عوام کے حوصلے اتنے پست ہو جائیں کہ پھر کسی کو حق گوئی اور اعلانِ صداقت کی جرأت ہی نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا بلکہ الٹا اسی کے حق میں مضر پڑا کیونکہ اسیرانِ آلِ رسولؐ کی مظلومیت اور مصائب پر اُن کے صبر وتحمل نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں تک کو چند ہی روز میں یزید ملعون اور یزیدیت سے سخت متنفر کر دیا۔ اس پر سیدِ سجادؑ اور جنابِ زینبؑ کے خطبات اور تقریروں نے لوگوں کو واقعات اور حقائق سے باخبر کر دیا جس کے بعد ان کی آنکھیں کھل گئیں، ضمیر جاگ اٹھے اور ان میں باطل کو باطل اور حق کو حق سمجھنے کی جرأتیں پیدا کر دیں۔ دنیا اس نفسیاتی نکتہ کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ پورے خاندان کی تباہی، اسیری، دربدری اور قید وبند کی سخت ترین سزاؤں کے باوجود علی بن الحسینؑ اور ان کے گھرانے کی بی بیاں اور بچے تک کس قدر جری اور نڈر ہیں اور ان کے بالمقابل یزید ملعون اور اس کے ساتھی اخلاقی جرأت سے بالکل محروم ہیں..... یزید کے جاسوس اُسے اُن تمام باتوں کی خبر پہنچا رہے تھے جو عوام میں اس کے مظالم اور اہل بیتؑ کے صبر وتحمل کے متعلق کہی جارہی تھیں..... یزید ملعون چند روز اس شش و پنج میں رہا کہ اب اسے عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے اہلبیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے..... تاریخِ کامل میں لکھا ہے کہ جب علیؑ بن الحسینؑ کی اسیری اور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی خبر یزید ملعون کی چہیتی بی بی ہند بنت عبداللہ بن عامر کریز نے سنی تو وہ محل سرا سے دربار میں نکل آئی اور یزید ملعون سے پوچھا: '' کیا یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے؟

''یزید ملعون نے جواب دیا: ہاں! اب تم حسینؑ کا ماتم برپا کرو اور اُن کا سوگ مناؤ۔ خدا عبیداللہ ابن زیاد ملعون پر لعنت کرے جس نے انہیں جلد بازی میں شہید کر دیا''۔

(جاری)

جائے گا اور اس طرح بہشت کا سزاوار بن جائے گا۔ لیکن اس گفتگو کے باوجود یزید ملعون معظمہؑ عالیہ کے الفاظ سے بالکل شرمندہ نہ ہوا۔ انہوں نے بھی خوں بہا قبول نہ فرمایا اور یہ مسئلہ کسی اور طریقہ پر اختتام پذیر ہوا[1]۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''......تاریخِ ابنِ خلدون'' اور ''تاریخِ طبری'' میں درج ہے کہ جب یزید کے حرم کو قتلِ حسینؑ اور اسیریٔ اہلِ بیتؑ کی اطلاع ملی تو اس کے زنان خانہ میں کہرام مچ گیا جس کے بعد یزید یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ خود اُس کے اہلِ خانہ بھی اُس کے اس عمل سے رنجیدہ ہیں۔

'' اُسی زمانہ میں یزید نے ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا۔ امامؑ نے اس سے پوچھا: 'یزید! سچ بتانا کہ اگر رسولؐ اللہ ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو کیا رنجیدہ نہ ہوتے؟'

''یزید نے سر جھکا کر کہا: ' آپؑ ٹھیک کہتے ہیں'۔ (ص ۱۳۰ تا ۱۳۲)

اہلِ بیتِؑ رسولؐ کے مصائب اور یزید و دیگر دشمنانِ آلِ رسولؐ کی کیفیت اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جس جرم کو بنی اُمیہ کی استبدادی حکومت نے اتنا آسان سمجھ رکھا تھا، اس کے ارتکاب کی کیفیت اب انہیں عملی طور پر نظر آ رہی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام کا خونِ ناحق اب رنگ لا رہا تھا اور یزید ملعون اب سمجھ چکا تھا کہ مصائب میں ان حضرات کو مبتلا رکھ کر آثارِ انقلاب پیدا ہو چکے تھے، حتیٰ کہ خود اس کے اپنے گھر میں اس کی مخالفت شروع ہو چکی تھی اور اس کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

(حاشیہ صفحۂ ہٰذا)

1۔ اسی موضوع پر علامہ حسن رضا غدیری صاحب لکھتے ہیں:

''جب یزید نے اولادِ رسولؐ کو مدینہ بھیجنے کا اٹل فیصلہ کر لیا تو اُس نے سوچا کہ اگر عترتِ رسولؐ مدینہ میں جا کر میرے جرائم اور گھناؤنے کردار سے لوگوں کو آگاہ کریں تو ممکن ہے میرا یہ تخت و تاج خاک میں مل جائے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ انہیں کچھ مال و دولت دے کر اُن سے خاموش رہنے کا معاہدہ کر لیا جائے۔ اس مقصد کیلئے اُس نے حکم دیا کہ میرے تخت کے سامنے مال و دولت اور زر و جواہر کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ چنانچہ کثیر رقم اور قیمتی اشیاء جمع کر دی گئیں۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ اب اہلِ بیتؑ کو قید خانہ سے یہاں لایا جائے۔

''جب قیدیوں کو دربار میں لایا گیا تو یزید نے ثانیِ زہراؑ سے اس دولت کے لینے کو کہا۔

''یزید کی اس مکروہ حرکت پر علیؑ کی بیٹی کو جلال آ گیا اور غصہ کی حالت میں فرمایا: 'کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ نواسۂ رسولؐ کو قتل کر کے اس کے مقدس خون پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے؟ بھائی کو شہید کر کے بہن کو رشوت کی پیشکش کرتے ہوئے تجھے حیا آنی چاہیے۔ خدا کی قسم! زمین و آسمان ایک ہو سکتے ہیں لیکن تیرے مذموم عزائم پورے نہیں ہو سکتے''۔ (زینبؑ الکبریٰ، ص ۶۰) (زینبؑ زینبؑ ہے، ص ۲۸۲۔۲۸۳)۔

سیّد الشہداء علیہ السلام کی عزاداری کا مسئلہ

اس دربار میں جو باتیں فریقین کے درمیان ہوئیں ان میں سیدہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا یہ اعلان بھی شامل تھا کہ کوفہ و شام میں انہیں عزاداریٔ حسینؑ کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اب اجازت دی جائے کہ اُس شہر میں عزاداریٔ سیدؑ الشہداء برپا کریں۔ یزید ملعون شام میں آلِ رسولؐ کی سوگواری وعزاداری پر ہرگز رضامند نہ تھا بلکہ اس کے خلاف اور اس سے خوفزدہ تھا۔ لیکن عوامی ماحول وافکار اور عوام الناس کے غم وغصہ کو کم کرنے کی خاطر، نیز سب سے زیادہ یہ کہ سوگواری وعزاداری کے جذبات کو قابو میں رکھا جاسکے، اُس نے سوگواری کی اجازت تو دیدی لیکن وہ بھی صرف اپنے دربار تک محدود رکھی۔

خلاصہ یہ کہ عمومی عزاداری کا یزید نے اعلان کردیا اور تین روز تک اس کے دربار میں عزاداری ہوئی۔ اس مقصد کی خاطر دربار کو سیاہ پوش کیا گیا، خواتین عزاداری کے لئے جمع ہوئیں، عزاداری کی ملکہ ثانیِ زہرؑا پورے شکوہ وجلال کے ساتھ دربار میں عزاداری کے لئے تشریف لائیں، خواتین نے دخترانِ رسولؐ خدا کے دست ہائے مبارک کو بوسہ دیا اور سیدؑ الشہداء اور ان کے اصحاب پر محفلِ گریہ برپا ہوئی۔

ہم کتبِ مقاتل میں پڑھتے ہیں:

'فَلَمَّا دَخَلَتِ النِّسْوَةُ اِسْتَقْبَلَهُنَّ نِساءُ آلَ اَبِی سُفْیانَ، قَبَلْنَ اَیْدِی بَناتَ رَسُوْلِ اللّٰه وَبُكَیْنَ وَأَقَمْنَ المَاتِمَ ثلاثَةَ اَیَّامٍ' (نفس المهموم: ص293)

یعنی ''جب خواتین داخل ہوئیں تو زنانِ آلِ ابوسفیان نے اُن کا استقبال کیا، انہوں نے دخترانِ رسولؐ کے ہاتھ چومے اور روئیں اور تین دن تک ماتم برپا رکھا''۔

غرض یہ سید الشہداء علیہ السلام کی رسمِ عزاداری کی پہلی مجلس تھی جو دشمن یعنی اُن حضرتؑ کے قاتل کے گھر میں برپا ہوئی، جس کے بعد آج تک پے در پے شہادتِ حسینِؑ مظلوم کی مجالس دنیا بھر میں بپا ہوتی چلی آرہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت ووقار

ہمیں قرآنِ مجید کی اس آیۂ مبارکہ ''فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا '' (نساء:139) کو سامنے رکھنا ہوگا کہ عزت اللہ کے لئے ہے اور اُسی کی طرف سے ملتی ہے۔ وہ جس کو چاہے عزت عطا فرماتا ہے، بالخصوص جو اپنے آپ کو اُس کے ساتھ متصل کرے اور اُس کی ذات کے ساتھ اپنا رابطہ بحال رکھے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ''(آلِ عمران:26)۔

سید الشہداء علیہ السلام بارگاہِ پروردگار میں اس لئے گرانقدر عزت و آبرو کے حامل ہیں کہ انہوں نے راہِ پروردگار میں اپنے نہ صرف جان و مال بلکہ پوری ہستی کو قربان کر دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں عظیم عزت سے نوازا، ایسی عزتِ بے مثال جس نے خود آپؑ کے قاتل کے دل میں گھر کیا اور خود اس کا گھر عام عزا خانہ بنا اور اُسی کی سرزمین پر عزائے ملی حسینؑ کا اعلان ہوا۔

سیدہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا سید الشہداءؑ کی بہن ہیں۔ زمانہ نے واقعۂ کربلا کے بعد انہیں بھوکا، تشنہ لب اور گرفتارِ بلا مشاہدہ کیا۔ زمانہ نے انہیں اسیرِ کربلا اور خاک نشین دیکھا اور آج وہی زینبؑ عالیہ ہیں کہ آلِ ابوسفیان اور دربارِ یزید ملعون کے اُمراء کی عورتیں اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی طرف سے تعزیت پیش کر رہی ہیں۔ یہی وہ مجالسِ عزائے سیدؑالشہداء ہیں جن میں ''حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار پر سلام اور قاتلانِ حسین علیہ السلام پر لعنتِ خدا'' کا نعرہ ایجاد ہوا۔

۲۔ کربلا میں اربعینِ سید الشھداء علیہ السلام

شام میں چند روز عزاداری برپا ہونے کے بعد اسیرانِ آلِ محمدؐ کے اس قافلہ کیلئے جواب عملی طور پر بالکل آزاد تھے، محملیں تیار کی گئیں اور قرار پایا کہ پورے جلال و شان و شوکت و عظمت کے ساتھ ان کو مدینہ واپس پہنچایا جائے۔ حکم ہوا کہ اونٹوں کو پوری زینت سے سجایا جائے اور انہیں اس طرح آراستہ کیا جائے جس طرح اشرافِ زمانہ دورانِ سفر آراستگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر ثانیِ زہراؑ کے حکم کی تعمیل کی گئی کہ محملوں کو سیاہ پوش کر کے عزاداریٔ شہداء کی تمام علامات کو قائم کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا[1]۔

1۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید یونہی رہائی آلِ رسولؐ پر تیار نہیں ہوا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ لوگ اصل واقعات اور ظلم و ستم کا نشانہ بننے والی اولادِ رسولؐ کو جاننے لگیں۔ اس کی انتہا یہ ہوئی کہ یزید کو خود اپنے گھر میں آثارِ انقلاب نظر آنے لگے۔ اس کی بیوی ہند بنتِ عامر نے خواب دیکھا جس کا ذکر مختلف کتبِ تاریخ میں ملتا ہے، جس سے اس نے یزید کو مجبور کیا کہ اس ظلم کو بند کرے اور آلِ رسولؐ کو قید سے رہا کرے۔ قطع نظر اس کے کہ اس نے کوئی خواب دیکھا بھی یا نہیں، لیکن اس کی تفصیلات جو مؤرخین نے تحریر کی ہیں، جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی کی تحقیق کے مطابق ''یزید انہیں اپنے دل کی آنکھوں سے عالم بیداری میں دیکھ رہا تھا اور یقیناً اس نے اسی وقت جبکہ حجرہ میں زانو پر سر رکھ کر بیٹھا تھا، مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر امام زین العابدینؑ اور اُن کے اہلِ حرم کو رہا کر دے گا، چنانچہ اس نے (جاری)

کاروانِ عزادارانِ سید الشہداء علیہ السلام اس طرح روانہ ہوا کہ بنی امیہ کے سب اربابِ اقتدار و سردارانِ قبیلہ نے اس کاروان کی مشایعت کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ دیکھنے والے اس متحرک کارواں کو چشم ہائے تاسف سے مشاہدہ کر رہے تھے اور کتنا بڑا انقلاب تھا کہ بنی امیہ کے مشایعت کرنے والے اپنی تمام کارکردگیوں پر شرمندہ و منفعل تھے کیونکہ انہیں یاد تھا اور یہ خیال اُن کے ذہنوں و ضمیر پر ضربیں لگاتا تھا کہ کوئی تو اُن میں سے انہی اسیروں کے ساتھ دشنام طرازی کا مرتکب ہوتا رہا تھا، کوئی اور ان کی مظلومیت و مصائب کا مذاق اڑاتا رہا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ (یعنی ہر قسم کا برتاؤ ان مظلوموں کیساتھ روا رکھا گیا تھا)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) صبح ہوتے ہی امام زین العابدین علیہ السلام کو بلایا اور بغیر کسی تمہید کے بولا:

''علیؑ ابن الحسینؑ! میں آپ کو رہا کرتا ہوں۔ کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے'۔

''یہ سن کر امامؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا: '' میرے دل میں کسی بات کی تمنا نہیں۔ البتہ اتنی خواہش ضرور ہے کہ بزرگوں کے تبرکات جو تیری فوج نے کربلا میں لوٹے تھے، مجھے واپس کر دے'۔

''یزید نے کہا: علیؑ ابن الحسینؑ! اگر آپؑ شام میں رہنا چاہیں تو یہاں آپؑ کیلئے انتظام کر دیا جائے اور اگر مدینہ جانا چاہیں تو اس کا بندوبست کیا جائے'۔

''امام زین العابدین علیہ السلام نے جنابِ ثانیِ زہرؑا کے مشورہ سے جواب دیا کہ ہم لوگوں کا مدینہ جانا ہی بہتر ہے''۔ (صحیفۂ کاملہ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۳۳)۔

اسی قسم کا ایک واقعہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ فوق صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ ابواسحاق اسفرائنی سہل شہروزی کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن یزید ملعون کے سامنے موجود تھے کہ ایک عورت نہایت حسینہ و جمیلہ کہ مثل اس کے کبھی نہیں دیکھی تھی اور اُس کے کپڑوں کے دامن نیچے لٹکتے تھے، یزید کے پاس آئی اور اس سے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے جو ملک عراق سے تیرے دربار میں لایا گیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ سر امام حسین علیہ السلام کا ہے۔ اس عورت نے کہا قسم خدا کی بہت شاق ہے یہ امر اس کے دادا اور اُس کے باپ، ماں اور اس کے اہل پر۔ قسم خدا کی جب میں سو گئی تھی تو میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور وہاں سے پانچ بادشاہ اترے۔ اُن کے ہاتھوں میں آگ کے لوکے تھے اور وہ کہتے تھے کہ خدائے جبار نے حکم کیا ہے کہ اس گھر کو جلا دیں۔ پس یزید اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ افسوس ہے تجھ پر کہ تو میرے ملک میں رہتی ہے اور پرورش پاتی ہے اور پھر ایسی بات کہتی ہے۔ میں تجھ کو بری طرح سے قتل کروں گا۔ اس عورت نے کہا کہ کوئی ایسی شرط بھی ہے جس سے مجھ کو پناہ ملے۔ یزید نے کہا ہاں البتہ اس شرط سے میں تیرے قتل سے باز رہ سکتا ہوں کہ تو منبر پر جا کر اور جنابِ علی مرتضی علیہ السلام اور ان کی اولاد کو سب و شتم سے یاد کر۔ اُس عورت نے کہا کہ اچھا ایسا ہی کروں گی۔ پس یزید نے سب لوگوں کو جمع کرنے کا حکم (باقی)

المختصر کاروانِ اہلِ بیتؑ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس طرح یہ قافلہ شام سے دور ہوتے ہوئے اپنے مقصد و منزل کے نزدیک پہنچ رہا تھا۔ آخر یہ کارواں ایک دوراہے پر پہنچا جہاں سے ایک راستہ کربلا کی جانب اور دوسرا مدینہ کی جانب جاتا تھا۔ یہاں ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ آپؑ کہاں کا قصد رکھتی ہیں؟ معظمہؑ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کربلا کا قصد ہے تاکہ زیارتِ اربعینِ سید الشہداء علیہ السلام بجا لائیں۔ سردارِ قافلہ نے اس حکم پر سرِ تسلیم خم کیا۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

دیا۔ سب لوگ فراہم ہوئے اور وہ عورت منبر پر گئی اور اس نے کہا: 'ایہا الناس! تم کو معلوم ہے کہ یزید نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے اہلِ بیت علیہم السلام کو برا کہوں، حالانکہ وہ ساقیٔ کوثر ہے اور بروزِ قیامت لوائے حمد اسی کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی اولاد سرداران جوانانِ بہشت ہیں۔ آگاہ ہو تم لوگ کہ لعنت ہے خدا کی اور لعنت ہے لعنت کرنے والوں کی یزید پر اور ان پر جنہوں نے اس کی بیعت کی اور قتلِ امام حسین علیہ السلام پر قدم بڑھایا اور صلوات و سلام ہو علیؑ اور اولادِ علی علیہم السلام اور شیعانِ علیؑ رضوان اللہ علیہم پر جب سے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور جب تک قیامت ہو اور اسی پر میں زندہ ہوں اور اسی پر میں مروں گی اور اسی کے اوپر انشاء اللہ تعالیٰ میں قیامت کے روز مبعوث ہوں گی۔ یہ سن کر یزید کو بہت غصہ آیا اور اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اسی وقت قتل کی گئی۔ (صحیفۃ العابدین، ص ۴۸۔۴۹)۔

غرض اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سب کے یکجا کرنے کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ اس لئے ہم اس موضوع کو یہیں ختم کر کے اسیریٔ آلِ رسولؐ کے بارے میں مزید واقعات پیش کرتے ہیں۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ اہلِ بیتؑ کی اسیری کی مدت کا تعین ہو سکے۔ لیکن اس موضوع پر بڑی کاوش کے باوجود مصدقہ تفصیلات مہیا نہیں آسکیں جس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ واقعۂ کربلا کے بعد کوئی دور ایسا نظر نہیں آتا جب شیعانِ علیؑ کو اس قدر فرصت و اجازت ہوئی ہو کہ وہ مطلوبہ حالات سپردِ قلم کر سکیں۔ جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کی ہے جسے ہم انہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علیؑ ابن الحسینؑ کتنے عرصہ شام میں قید رکھے گئے؟ اس سلسلہ میں مؤرخین نے مختلف اور متضاد باتیں لکھی ہیں۔ بعض نے مدتِ قید نو ماہ، بعض نے دو ماہ، بعضوں نے چالیس روز لکھی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف نو دن قید رہے۔

''اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

1۔ ''اسیرانِ آلِ رسولؐ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ۱۱ محرم ۶۱ھ کو کربلائے معلّٰی سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

2۔ ''۱۴ ربیع الاول ۶۱ھ کو یہ قافلہ دمشق میں پہنچا تھا۔

(جاری)

اربعینِ سیّد الشہداء علیہ السلام کی تاریخ

اربعینِ سید الشہداء علیہ السلام وشہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کس دن واقع ہوا، ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بہت سے ابہام وروایات میں چھپ چکا ہے۔ بہت سے حضرات مؤرخین شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد دوسرے اربعین کے معتقد ہیں۔ایک جماعت کا بیان ہے کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے دوسرے سال اربعین منعقد ہوا جو ہمارے

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

3۔ ''جابرؓ بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب میں ۲۰ رصفر ۶۲ھ کو کربلائے معلیٰ میں زیارتِ امامؑ کے لئے پہنچا ہوں تو اسی روز امام زین العابدین علیہ السلام بھی مع اہلِ حرم کے قید سے چھوٹ کر وارِدِ کربلا ہوئے تھے۔

''ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آپؑ کم وبیش ۲۰ رذی الحجہ کو دمشق سے عراق روانہ ہوگئے ہوں گے اور رہائی کے بعد چار چھ دن دمشق میں بھی ٹھہرے ہوں گے، جیسا کہ کتبِ مقاتل میں بھی مذکور ہے۔۱۴ رربیع الاوّل سے ۲۰ رذی الحجہ تک ۹ ماہ اور چند دن کی مدت ہوتی ہے۔اس حساب سے ۹ ماہ زندانِ شام میں مقید رہنے کے قرائن زیادہ قوی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی درست ہے اور اس کے علاوہ اس سلسلہ کے باقی اقوال خلافِ قیاس اور غلط ہیں''۔ (صحیفۂ کاملہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۳۴)۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اسیرانِ آلِ محمدؐ کی رہائی وروانگی اور مدینہ واپس پہنچنے کے راستہ یا تاریخ کا تعین بہت مشکل ہے۔ مؤرخین اور ناقدین سب کے بیانات مختلف ہیں جس سے قید کے دورانیہ اور واپسی کے راستہ یا تاریخِ رہائی کے بارے میں وثوق کے ساتھ کوئی فیصلہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔صرف اشہبِ خیال ہی کسی اندازہ تک پہنچنے میں مدد کرسکتا ہے۔ جہاں تک ۱۱ رمحرم ۶۱ھ کو اسراء کی کوفہ کی طرف روانگی کا تعلق ہے، یہ بات بھی مشکل ہے کیونکہ اس بات پر سب مؤرخین متفق ہیں کہ فوجِ یزید ملعون کے سرداروں نے ۱۱ ر محرم کو اپنے مقتولین کو کوفہ کی طرف روانگی سے پہلے دفن کیا تھا۔اس میں بھی کچھ وقت یا کم از کم ایک دن یقیناً صرف ہوگیا ہوگا۔اسی طرح کوفہ پہنچنے اور وہاں کی قید کے ایام بھی متعین نہیں ہوسکتے۔اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ قافلۂ آلِ رسولؐ کے کوفہ پہنچتے ہی ابنِ زیاد ملعون نے آئندہ کیلئے ان کے بارے میں یزید سے حکم حاصل کرنے کی کارروائی کی ہوگی۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یزید ملعون کے احکام کتنے عرصہ بعد موصول ہوئے ہوں گے اور کب یہ قافلۂ اندوہگیں کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔اس کے ساتھ ہی یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ لشکرِ یزید کو، جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں لکھ آئے ہیں، راستہ میں کئی قسم کی دشواریاں پیش آئیں جن میں وقت صرف ہوا۔اس کے علاوہ لشکر کا سفر یوں بھی کافی سست رفتاری سے انجام پاتا ہے۔لہٰذا اس بات کا یقین کہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ کتنا عرصہ قید رہے، تقریباً ناممکن ہے۔ دراصل اہلِ بیتؑ کی قید اس دن سے شروع ہوتی ہے جب حرؓ نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر کا ورودِ کربلا سے پہلے محاصرہ کیا تھا۔اس کے بعد کربلا میں قید اور جنگ، کوفہ میں ابنِ زیاد ملعون کی قید جس کیلئے یزید کا حکم آئندہ کے (جاری)

خیال میں بعید از قیاس ہے۔ بعض لوگ تو سرے سے زیارتِ اربعین ہی کے منکر نظر آتے ہیں1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)
لائحۂ عمل کی خاطر حاصل کیا گیا، اس حکم کے حاصل کرنے والے کتنے عرصہ میں حکم لے کر واپس پہنچے جبکہ صحرا کا سفر ایک مشکل مرحلہ تھا بالخصوص جبکہ ذرائع سفر بھی نہایت سست رفتار تھے۔ یہ سب عرصہ اہلِ بیتِ رسولؐ کی قید ہی کا زمانہ ہے جو کسی صورت میں مختصر عرصہ قرار نہیں پاسکتا۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام ۱۰ رمحرم ۶۱ ھ کو واقعہ ہوئی۔ ۱۵ ررجب ۶۲ ھ ہماری مخدومۂ عالم کی تاریخِ وفات ہے۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخدومہ مدینہ پہنچنے کے صرف چند ماہ بعد ہی خالقِ حقیقی سے جاملیں۔ اس اعتبار سے اہلِ بیتؑ کی اسیری کا زمانہ نو دس ماہ سے کم تصور نہیں کیا جاسکتا جس کی تاریخوں کا تعین ناممکن ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) 1۔ اپنے اس بیان کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم "تاریخِ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام" مؤلفہ عماد الدین حسین اصفہانی عماد زادہ سے اسی موضوع پر اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے قارئینِ کرام کسی حد تک اندازہ لگا سکیں گے۔ حقیقت وہی ہے جس کا ہم گزشتہ صفحات میں کئی جگہ اظہار کر چکے ہیں کہ تاریخِ کربلا چونکہ دشمن کے ہاتھ سے لکھی جانی شروع ہوئی اس لئے یہ تمام شکوک وابہامات پیدا ہوئے۔ لہٰذا ہمیں زیادہ تر درایت ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جناب عماد زادہ اپنی تحقیق کے سلسلہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

بازگشت قافلهٔ شام به کربلا، اربعین

به همین جهات جابر بن عبدالله انصاری به محض آنکه شنید حسین شهید شده، خود را به کربلا رسانید و قافلهٔ آزاد شدگان اسرائی ابی عبدالله علیه السلام از شام که حرکت به مدینه کردند، بدون تردید از همان راه شام به کوفه براهِ اقصر فاصله را طی کردند و گفتند: ما را از طریق کربلا به مدینه باز گردانید. و بدون شک این قافله به کربلا بازگشته اند و سه روز در کربلا مانده و عزاداری کرده، زیارت خوانده، و به طرف مدینه از راهِ بغداد و اردن هاشمی حرکت کرده اند(۱) و در این سفر جابر را سر قبر حسین علیه السلام دیده اند، و بدون تردید اطراف قبر حسینؑ از نی علامت و آثار داشته، زیرا زنان شیعهٔ کوفه برای عزاداری و زیارت می آمدند. (تهذیب شیخ طوسی؛ لهوف سید ابن طائوس، ص ۱۱۲؛ ریاض الاحزان، ص ۱۵۷؛ مقتل الحسینؑ، ص ۲۴۴).

اینجا به یک حساب بر خورد نموده باید تحلیل کرد ببینیم طول این سفر چگونه بوده، و اربعین اوّل یا دوم بوده، و اربعین دوم یعنی سال دوم چگونه به کربلا آمده اند، و مشکلات تاریخ را اینجا حل کنیم، انشاء الله تعالیٰ.

جای تامل نیست که به اتفاق کلیهٔ مؤرخین، روز دهم محترم سال ۶۱ هجری حضرت سید الشهداء علیه السلام در کربلا شهید شد، وروز ۱۱ اهلبیت اورا به کوفه بردند، صبح ۱۲ وارد شهر (جاری)

سید الشہداء علیہ السلام کے اربعین اور آپؑ کی قبرِ اطہر کی زیارت کے سلسلہ میں کچھ اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اگر اس واقعہ کو درست تصور کیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ابن زیاد ملعون اس کو برداشت کر سکتا؟ پھر اگر یہ ممکن تصور نہ کیا جائے تو کیسے مانا جائے کہ اہلِ بیتِ عظام کربلا میں وارد ہوئے ہوں گے، اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو ابنِ زیاد ملعون نے اس بارے میں یزید سے حکم لے لیا ہو یا اُسے اس واقعہ کی بالکل خبر ہی نہ ہوئی ہو......

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

کردند، یک هفته هم در خرابهٔ بی سقف و سایبان جا دادند و یک هفته هم در منزلی بردند. اگر همان روز ۱۱ محرم ابن زیاد خبر قتل و فتح خود رابه یزید گزارش داده باشد، در این مدت بیست روز طول کشیده، زیرا ارباب مقاتل موثق می نویسند: روز اوّل ماه صفر اسرا رابه سرهای بریده از راه تکریت و موصل به شام حرکت دادند، بنا بر این قاصدی که از کوفه به شام رفته و آمده بیست روز طول کشیده، و تحقیقاً در این مدت اسرا با سر های بریده در کوفه بوده اند.

در "آثار الباقیه" و در "کامل" بهائی می نویسد: روز اوّل ماه صفر وارد دمشق شدند، و روز اربعین سرها را در کربلا به ابدان ملحق نمودند، بنا براین توقف آنها در کوفه یک هفته بیشتر نبوده است (کامل بهائی؛ آثارالباقیه بیرونی؛ مصباح کفعمی، ص ۲۶۹؛ تقویم المحسنین فیض، ص ۱۵؛ قمقام، ص ۴۷۳).

راه کوفه به شام چنانچه می بینیم دارای ۱۲ منزل بوده، که علی الحساب باید ۲۱ روز بین راه باشند، ولی خبری هست که می فرماید: چهل منزل در راه بودیم. این منازل به نظر نویسنده از کوفه به شام و از شام تا مدینه است، و گرنه به هیچ ترتیب نمی توان گفت که چهل روز از کوفه تا شام طول کشیده باشد؛ در هر حال اگر این طور باشد باید اوّل ماه صفر ۲۱ روز بین راه، یک روز هم پشت دروازنه شام، یک روز هم دربازار و معابر، و یک هفته هم در خرابهٔ بی سقف و سایبان شام، یک هفته هم تحقیقاً در خانهٔ آزادی برای عزاداری در شام زیسته اند، مجموعاً می شود یک ماه، یعنی تا آخر ماه صفر شام بوده اند. و روایتی در دست داریم که اوّل ماه ربیع المولوداز شام به طرف مدینه حرکت کردند، در این صورت اربعین اوّل مسلماً به کربلا نرسیده اند، زیرا اگر ۱۲ روز هم در سیر برگشتن باشند، بازهم ۱۲ ربیع المولود باید کربلا رسیده باشند.

اگر بگوئیم اربعین سال دوم بود، آنهم درست نیست، زیرا ما خبر وماخذی در دست نداریم که زینب علیها السلام به کربلا در اربعین دوم آمده باشد، در حالی که فاصلهٔ سه ماه پس از اربعین دوم در شام رحلت کرده است یعنی ۱۵ رجب سال ۶۲.

اگر بگوئیم در کربلا مانده باشند تا اربعین دوم، آن هم صحیح نیست، زیرا در ماه ربیع (جاری)

علیٰ ہذا القیاس ایک اور بحث بھی اس سلسلہ میں قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اس محدود عرصہ یعنی عاشورۂ محرم ۶۱ھ کے بعد صرف پچاس دن میں کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، شام سے پھر کربلا کا سفر، علاوہ ازیں کوفہ وشام میں قیامِ اسیری، یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا؟ اس سے یہ گمان غالب آتا ہے کہ اس تمام سفر اور قیام میں یقیناً اس سے زیادہ وقت لگنا چاہئے۔ تاہم اس سلسلہ میں بعض امکانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کربلا میں اربعینِ سید الشہداء علیہ السلام پہلے اربعین ہی میں برپا ہوا، گویا اسیرانِ آلِ رسولؐ کا قافلہ گیارہ محرم کو واردِ کوفہ ہوا، پھر کوفہ میں زیادہ سے زیادہ بیس محرم تک قیام، اس کے بعد دس روز کوفہ سے دمشق کے راستہ میں صرف ہوئے ہوں، اسی طرح دس دن دمشق میں قیام اور اس کے بعد دس دن کا دمشق سے کربلا کا سفر رہا ہو، تو سفر کا یہ طریقہ بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔ تاہم اصل حالات تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

المولود قافلۂ جوان کشتگان به مدینه باز گشتند.

مسلّم است که راهی از کوفه به شام بوده که در یک هفته می رفته اند، چنانچه امروز با اتومبیل ۳۶ ساعت می روند، و بنا بر این آنچه که به نظر اینجانب تحقیق و تتبع شده این است که دو نظر برای ما حاصل می شود:

اوّل اینکه روز اوّل ماه صفر از کوفه به شام حرکت کردند، اگر ۱۲ روز راه رفته باشند، در مراجعت شش روزه زیرا آزاد بوده و راه بریده، اقصر فاصله را گرفته اند، برگشتند، چنانچه ابو ریحان بیرونی می نویسد:

فی الیوم الاوّل من صفر ادخل راس الحسین مدینة دمشق و وضعه یزید بین یدیه و نقر ثنایاه بقضیب فی یدیه ویقول:

لست من خندف ان لم انتقم　　　من بنی احمد ما کان فعل

و اگر هم سه روز در خرابه، و سه روز در خانهٔ آزادی زیسته باشند می شود ۱۸ روز، و ۱۸ روز و ۲ روز می شود ۲۴ ماه صفر. و خبر سید ابن طائوس این است که به جابر در اربعین تلاقی کرده اند، یعنی جابر بن عبدالله که برای زیارت اربعین آمده بود چند روز بعد با او درهمان کنار قبر ملاقات کردند، که اربعین روز زیارت جابر می شد، و ملاقات با زیارت اربعین جابر بوده است، نه درک روز اربعین، یعنی چهلمین روز توقف جابر در کربلا ملاقات رخ داده است!!

دوم آنکه بگوئیم منظور از اربعین چنانچه شیخ طوسی رضوان الله علیه در" تهذیب" می نویسد: یعنی اربعین دوم (چهل روزدوم شهادت) که درست ۲۰ روز کوفه مانده ۱۲ روز بین راه کوفه به شام، (جاری)

مزارِ سید الشہداء علیہ السلام پر اہلِ بیتِ رسولؐ کا ورود

خلاصہ یہ کہ اربعین سید الشہداء علیہ السلام کا واقعہ بہت سی تاریخی واسلامی کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا اسیرانِ آلِ رسولؐ کے قافلہ کے ہمراہ سرزمینِ کربلا پر تشریف لائیں۔ زیارتِ قبرِ امام حسین علیہ السلام سے پہلے جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوئی۔ جابرؓ اصحابِ رسولِ اکرمؐ میں سے تھے، بہت ضعیف اور نابینا ہو چکے تھے۔ یہ اپنے دو شاگردوں (یا غلاموں) کے ہمراہ جن کے نام عطا وعطیہ بتائے جاتے ہیں، قبرِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا آئے۔ زیارت سے پہلے انہوں نے فرات میں غسل کیا، احرام باندھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر قبرِ حسین علیہ السلام پر پہنچائیں (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

دو روز هم پشت دروازه و بازار هاى شام، ۱۴ روز هم توقف در شام و ۱۲ روز هم برگشتن از شام تا كربلا، مجموعاً مى شود ۵۸ روز، يعنى در اربعين دوم شهادت نه اربعين سال ۶۲ قافلۀ اسرا به كربلا رسيده اند، و سه روز هم آنجا مانده، سپس از بغداد و اردن هاشمى به مدينه بازگشته اند، يا ازراه دومة الجندل يا راه عقبه و واقصه، به كربلا برگشته اند. روى اين حساب كه ۲۰ روز ربيع المولود به مدينه بازگشته باشند، از اربعين اوّل دست يک ماه بازگشت به مدينه بوده است. و به گمان ما صحيح ترين سند همين است كه در اربعين دوم يعنى پس از عاشورا ۸۰ روز به كربلا آمده و جابر هم آنجا بوده، واز آنجا به مدينه رفته اند.

ترجمہ اقتباسِ عمادزادہ:

زیارتِ قبرِ حسینؑ کے ثواب کے پیشِ نظر' 'جابرؓ بن عبداللہ انصاری نے جونہی یہ سنا کہ حسینؑ شہید ہو گئے، اپنے آپ کو کربلا پہنچایا۔ ادھر اسرائے ابی عبداللہ علیہ السلام کا آزاد شدہ قافلہ جو شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا، بلا خوف تردید اسی راستہ سے شام سے کوفہ کی طرف چھوٹے راستہ سے فاصلہ طے کرنے کی خاطر کہا کہ ہمیں کربلا کے راستہ سے مدینہ واپس لے چلو۔ لہٰذا بلا شک وشبہ یہ قافلہ کربلا واپس آ کر تین روز کربلا میں رہا، عزاداری کی، زیارت پڑھی اور پھر بغداد واردن ہاشمی کے راستہ مدینہ کو روانہ ہوا۔ اسی سفر میں انہوں نے جابر کو قبرِ امام حسین علیہ السلام پر پایا۔ اس بات کی تردید بھی نہیں ہوتی کہ قبرِ حسینؑ کی علامت وآثار کو بانس وغیرہ کے پودوں سے قائم رکھا گیا تھا کیونکہ شیعانِ کوفہ کی خواتین وہاں عزاداری اور زیارت کیلئے آیا کرتی تھیں۔

یہاں ہمیں ایک اندازہ لگانا پڑے گا۔ ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ یہ سفر کتنا طویل تھا اور یہ اربعین پہلا تھا یا دوسرا، نیز یہ کہ دوسرے اربعین کو کس طرح یہ حضرات کربلا آئے۔ ہم یہاں انشاء اللہ تاریخی مشکلات حل کریں گے۔ (جاری)

جابرؓ بن عبداللہ انصاری سید الشہداءعلیہ السلام سے کیسی عقیدت رکھتے تھے، ایک الگ بحث ہے۔ ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ حسنین علیہما السلام انہیں دوست رکھتے تھے اور اُن کو چچا کہہ کر بلاتے تھے۔ جابرؓ بھی ان دونوں شہزادوں سے غیر معمولی دلی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے مزارِ سید الشہداءعلیہ السلام پر ''حبیبی یا حسینؑ'' کا نعرہ مارا اور غش کھا کر گر پڑے (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اس بات میں قطعاً کسی طرح شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور تمام مؤرخین متفق ہیں کہ دس محرم ۶۱ھ کو حضرت سیّد الشہداء کربلا میں شہید ہوئے، ۱۱ر محرم کو اُن کے اہلِ بیتؑ کو کوفہ لے جایا گیا، ۱۲ر محرم کی صبح کو یہ حضرات شہر کوفہ پہنچے۔ وہاں ایک ہفتہ تک ایسے ٹوٹے پھوٹے مکان میں مقید رہے جس کی نہ چھت تھی اور نہ ہی اس پر کوئی سائبان تھا۔ ایک ہفتہ ایک مکان میں بھی قید رکھے گئے۔ اگر اسی روز یعنی ۱۱ر محرم کو ہی ابنِ زیاد ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے قتل اور اپنی فتح کی خبر یزید ملعون کو بھیج دی ہو تو بیس (۲۰) دن کا وقفہ لازمی ہونا چاہئے کیونکہ باوثوق اربابِ مقاتل لکھتے ہیں کہ ماہِ صفر کی پہلی تاریخ کو قیدی افرادِ آلِ رسولؐ کو سرہائے بریدہ کے ساتھ تکریت وموصل کے راستہ سے شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس طرح لازم ہے کہ قاصد کے شام جانے اور اس کی واپسی میں بیس (۲۰) دن کا عرصہ صرف ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتاً اس مدت کے دوران اسیرانِ آلِ محمدؐ سرہائے شہداء کے ساتھ کوفہ ہی میں رہے۔

'' آثار الباقیہ'' اور '' کامل'' بہائی میں لکھا گیا ہے کہ یہ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں وارد ہوئے اور اربعین کے دن سرہائے شہداء کو کربلا میں بدنوں کے ساتھ یکجا کیا گیا۔ اس طرح کوفہ میں ان کا قیام ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں بنتا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کوفہ سے شام تک بارہ (۱۲) منازل کا فاصلہ ہے۔ اس حساب سے بارہ دن ہر حالت میں راستہ میں لگنا چاہئیں۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے جس کے مطابق اس راستہ کی چالیس منازل ہیں۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ منازل کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ تک کی ہیں کیونکہ کسی حساب سے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کوفہ سے شام تک پہنچنے میں چالیس دن کا عرصہ لگا ہو۔ بہرحال اگر حساب لگایا جائے تو پھر اوّلِ ماہِ صفر تک بارہ دن راستہ کے، ایک دن دروازۂ شام کے پیچھے، ایک دن بازار، ایک دن عبورِ بازار، ایک ہفتہ شام کے بے چھت وسائبان خرابہ میں، تحقیق کے مطابق ایک ہفتہ شام میں آزادی کے بعد اس مکان میں جہاں عزاداری منعقد ہوئی، اس طرح مجموعی طور پر ایک مہینہ کا عرصہ یعنی ماہِ صفر کے آخر تک اہلِ بیتؑ شام میں رہتے معلوم ہوتے ہیں۔ نیز ہمارے پاس یہ روایت موجود ہے کہ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو یہ حضرات شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس صورت میں کسی طرح ممکن نہیں کہ اہلِ بیتِ رسولؐ اربعین اوّل کو کربلا پہنچ گئے ہوں کیونکہ اگر واپسی کیلئے بارہ (12) دن کا عرصہ بھی لگایا جائے تب بھی لازم ہے کہ یہ حضرات 12 ربیع الاوّل کو کربلا پہنچے ہوں گے۔

(جاری)

قبرِ امام حسین علیہ السلام پر جابرؓ کا یہ حال دیکھ کر جو قلق ثانیِ زہراؑ کے قلبِ حزیں پر گزرا محتاجِ بیان نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر مخدرات کی کیفیت بھی جو اپنے اعزّہ کی لاش ہائے پارہ پارہ اسی سرزمین پر دیکھ چکی تھیں، انہوں نے اُن کو تشنہ لب بھی دیکھا

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اگر یہ کہا جائے کہ اربعینِ دوم کو ایسا ہوا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ہمارے پاس کوئی روایت یا سند اس بات کی موجود نہیں جس سے اندازہ ہو کہ جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا دوسرے اربعین کو کربلا میں تشریف لائی ہوں گی بالخصوص جبکہ دوسرے اربعین کے صرف تین ماہ بعد یعنی ۱۵ رجب ۶۲ھ کو مخدومۂ عالم نے شام میں رحلت فرمائی۔

اگر ہم یہ کہیں کہ شہزادیؑ دوسرے اربعین تک کربلا میں رہی ہوں گی تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ ربیع الاوّل کے مہینہ میں جوانانِ مقتولین کا قافلہ مدینہ واپس پہنچ چکا تھا۔

اس طرح یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ سے شام پہنچنے کے سفر میں ایک ہفتہ صرف ہوا کیونکہ آجکل موٹر گاڑیوں کے ذریعہ یہ سفر چھتیس (۳۶) گھنٹہ میں طے ہوتا ہے۔ ان حالات میں یہی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں دو نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں:

اوّل یہ کہ یہ قافلہ یکم صفر کو کوفہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ اگر راستہ میں بارہ (۱۲) دن صرف ہوئے ہوں اور واپسی میں چھ (۶) دن لگے ہوں کیونکہ اس وقت یہ حضرات آزاد تھے اور مختصر راستہ سے تھوڑا فاصلہ طے کیا ہوگا جس سے وطن واپس ہوئے جیسا کہ ابو ریحان بیرونی نے لکھا ہے:

"فی الیوم الاوّل من صفر اُدخل راس الحسین مدینۃ دمشق و وضعہ یزید بین یدیہ و نقرثنایاہ بقضیب فی یدیہ و یقول:

لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ماکان فعل

''میں بنی خندف میں سے نہیں اگر میں احمدؐ کی اولاد سے اس فعل کا جو انہوں نے کیا، انتقام نہ لوں''۔

اور اگر خرابۂ شام میں تین دن اور تین دن آزاد رہنے کے بعد عزاداری والے مکان میں رہے ہوں، تو اس طرح اٹھارہ (۱۸) دن بنیں گے، یعنی اٹھارہ دن اور چھ دن ملا کر چوبیس (۲۴) صفر قرار پائے گی۔ سید ابن طاؤس کی روایت یہ ہے کہ یہ حضرات جابرؓ سے اربعین میں ملے، یعنی جابرؓ بن عبداللہ جو زیارتِ اربعین کیلئے آئے تھے، ان سے چند روز بعد انہوں نے قبرِ امام حسین علیہ السلام پر ہی ملاقات کی، یعنی جابرؓ کی زیارت کا دن اربعین ہی کا دن تھا اور زیارتِ اربعین ہی کے موقعہ پر ان کی جابرؓ سے ملاقات ہوئی تھی نہ کہ بالکل اربعین کے دن یعنی ان کی ملاقات جابرؓ سے کربلا میں چالیسویں روز ہی ہوئی۔

دُوسری صورت کے مطابق ہم تسلیم کریں گے کہ جیسا کہ شیخ طوسی رضوان اللہ علیہ نے ''تہذیب'' میں لکھا ہے: یعنی (جاری)

تھا، روشن و آشکار ہے 1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

دوسرے اربعین (شہادت کے دوسرے چالیس دن) گویا اہلِ بیتؑ پورے بیس (۲۰) دن کوفہ میں رہے، بارہ دن کوفہ سے شام کے راستہ میں صرف ہوئے، دو دن دروازہ کے باہر اور بازارِ شام میں لگے، چودہ (۱۴) دن شام میں قیام کیا، بارہ دن شام سے کربلا تک واپسی کے، تو اس طرح مکمل اٹھارہ (۱۸) دن بنیں گے، یعنی شہادت کے بعد دوسرے اربعین ۶۲ھ کو اسیرانِ آلِ رسولؐ کا قافلہ کربلا پہنچا۔ پھر یہ حضرات تین دن وہیں رہے، اس کے بعد بغداد اور اردن ہاشمی کے راستہ مدینہ واپس آئے، یا **دومة الجندل** یا عقبہ و واقصہ کے راستہ کربلا سے واپس ہوئے۔ اس حساب سے ربیع الاوّل کی بیس تاریخ کو یعنی اربعینِ اوّل کے پورے ایک ماہ بعد مدینہ واپس لوٹے۔

ہمارے خیال میں صحیح ترین سند اسی بات کی ملتی ہے کہ دوسرے اربعین کے زمانہ ہی میں یعنی روزِ عاشورا کے اسی (۸۰) دن بعد یہ کربلا پہنچے، جابرؓ بھی وہاں موجود تھے اور وہاں سے یہ حضرات عازمِ مدینہ ہوئے''۔ (تاریخ زندگانی امام حسینؑ، ج۲، ص۳۱۸ تا ۳۲۱)۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) 1۔ واقعات کو آگے بڑھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مؤرخین و مؤلفین کی اس سلسلہ میں تحقیق کا ذکر بھی کیا جائے تا کہ جابرؓ کی موجودگی کی واقعیت اور نوعیت واضح ہو سکے۔ علامہ حسن رضا غدیری صاحب نے اہلبیتؑ کے کربلا پہنچنے کے منظر میں جابرؓ کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ رہائیِ اہلِ بیتؑ اور ان کے کربلا میں ورود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قیدیوں کا قافلہ شام سے مدینہ کی طرف چل دیا۔ اولادِ رسولؐ کا مظلوم کارواں جب عراق کے راستہ سے گزرنے لگا تو انہوں نے سپاہیوں سے کہا: ''ہمیں کربلا کے راستے لے چلو۔

''چنانچہ آلِ محمدؐ کے ستم رسیدہ افراد کو کربلا کی طرف لے جایا گیا، یہاں تک کہ قافلہ قتل گاہِ شہداء تک پہنچ گیا۔ مظلوم سادات نے وہاں جابرؓ بن عبداللہ انصاری کو دیکھا جو تنہائی میں قتل گاہ کے گرد گھوم رہے تھے۔

''قتل گاہ کا دردناک منظر دیکھ کر رسولؐ زادیاں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ہر طرف رونے اور پیٹنے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ آلِ رسولؐ کے نوحہ و ماتم کی صداؤں سے صحرائے کربلا لرز اٹھی۔

''سیدہ ثانیِ زہراؑ منہ پیٹتی ہوئی ہائے مظلوم بھائی، ہائے رسولِ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہائے میرے حسینؑ کے بین کرنے لگیں۔ گریہ و ماتم کی شدت سے رسولؐ زادی پر غش طاری ہو گیا۔ افاقہ ہوا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے چلنے کا حکم دیا''۔

(''زینبؑ، زینبؑ ہے''، ص۲۸۴)

اسی سلسلہ میں جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی لکھتے ہیں:

''نعمان بن بشیر جز لم کے ساتھ علیؑ بن الحسینؑ اور اُن کے اہلِ حرم کا یہ قافلہ عام راستہ سے ہٹ کر دمشق سے کربلا کی (جاری)

کربلا میں وارثانِ شہداء کے ورود سے واقعاتِ روزِ عاشور زندہ و تازہ ہو گئے۔ مختلف مقامات گزرے ہوئے واقعات کی یادیں تازہ کررہے تھے۔ خواتین اور بچوں کو یاد آنے لگا کہ خیمہ گاہ اس جگہ تھی، قتل گاہ یہاں تھی، سید الساجدین علیہ السلام کا خیمہ اس جگہ تھا، مقامِ رخصتِ امامؑ یہ تھا، یہاں ظالموں سے تازیانے کھائے تھے، یہ وہ جگہ تھی جہاں خیام میں آتش زدگی کے بعد بچے اپنی جانیں بچانے کے لئے اپنے آپ کو چھپاتے تھے، تلۂ زینبیہ یہ تھا، وغیرہ وغیرہ۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

طرف چلا اور جلدی جلدی منزلوں کو طے کرتا ہوا صفر المظفر ۶۱ھ کے وسط میں کربلائے معلیٰ میں پہنچ گیا۔ (ہم اس سلسلہ میں گزشتہ سطور میں اپنی تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ مؤلف کو اس سلسلہ میں اشتباہ ہوا ہے، مترجم)۔

حسینؑ مظلوم اور دوسرے شہیدوں کے مزاراتِ مقدسہ پر پہنچ کر علیؑ بن الحسینؑ اور اُن کی ماں بہنوں اور پھوپھیوں کا ماضی کی یاد میں کیا حال ہوا ہوگا اور اُن کے دلوں پر کیا قیامت گزر گئی ہوگی، اسے سوائے اُن غم زدوں کے دوسرا محسوس نہیں کرسکتا۔ اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ سیدِ سجادؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی قبر پر پہنچتے ہی اس قدر روئے کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ یہی کیفیت ثانیِ زہراؑ و اُمِ کلثومؑ پر گزری اور گریہ و بکا کا اس قدر شور بلند ہوا کہ قریب کے لوگ (مرد اور عورتیں) آوازیں سن کر رو پڑے۔ یہ بنی اسد کے قبیلہ کے لوگ تھے جنہوں نے گزشتہ سال ان لاوارث لاشوں کو رحم کھا کر دفن کیا تھا اور جنہیں امام حسین علیہ السلام نے اپنی حیات میں 'ماریہ' کی زمین خرید کر ہبہ کردی تھی۔ ان لوگوں نے امام زین العابدین علیہ السلام اور آپؑ کے ہمراہیوں کی ضیافت کی اور اُن کی عورتوں نے مخدراتِ عصمت و طہارت کی خدمت میں حاضر ہوکر امامِ مظلومؑ کا پرسہ دیا۔

''علامہ طبری اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُس روز رسولؐ اللہ کے صحابی جابرؓ بن عبداللہ انصاری مشہدِ حسینؑ کی زیارت کو مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے اور کربلا میں مقیم تھے۔ جابرؓ پہلے شخص ہیں جنہیں مزارِ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جابرؓ کو جب معلوم ہوا کہ علیؑ بن الحسینؑ بھی اپنی پھوپھیوں کی طرح دمشق سے واپس آ گئے ہیں تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زین العابدین علیہ السلام سے لپٹ کر رونے لگے۔ جنابِ زینبؑ کو جب خبر پہنچی کہ جابرؓ بن عبداللہ انصاری آئے ہیں تو نانا کا زمانہ یاد آ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ جب تک کربلا میں رہیں، گریہ و زاری بند نہ ہوئی۔ چند روز قیام کے بعد سیدِ سجادؑ اہلِ حرم کے قافلہ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے''۔ (صحیفۂ کاملہ، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۵)۔

جناب عماد زادہ اپنی کتاب ''تاریخ زندگانیِ امام حسین علیہ السلام'' میں لکھتے ہیں:

''خبرِ شہادتِ حسین علیہ السلام را ابن زیاد به مدینه فرستاد، مردم کم و بیش اطلاع داشتند تا حضرت سجاد علیه السلام به مدینه رسیدند.

(جاری)

ان مناظر میں شورِ نالہ وگریہ بلند ہوا، دردِل کی انتہا نہ تھی، ہر کوئی کسی گوشہ میں یا کسی قبر پر بیٹھا اشک افشانی میں مصروف تھا، فرق صرف یہ تھا کہ آج سب اطمینان وآرام کے ساتھ محوِ فغاں تھے کہ اب طمانچوں اور تازیانوں کا کوئی خوف یا خطرہ نہ تھا۔ سب آزادی سے جی بھر کر مصروفِ گریہ تھے اور بلاخوف وخطر شہداء کی یاد میں گریاں تھے۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''حضرت علی بن الحسین السجاد و زین العابدین علیه السلام با ۱۸ نفر زنانِ اهلبیتؑ و چند کودک که همه از بنی هاشم بودند به کربلا رسیدند، آنجا سرهارا به بدنها ملحق کردند، وسه روز از گریه و ناله و اشک و آه آرام نداشتند. کنارِ هر قبرے می نشستند، آنها را بلند می کردند؛ طرف دیگر قبر افتاده، به ضجه و ناله آغاز مطلع نموده، اشک می ریختند و آه می کشیدند.....

''سه روز بدیں منوال گذشت، حضرت سجاد علیه السلام دیددیگر طاقتِ زنان طاق شده، آنها راتکلیف به حرکت نمود''.(ج ۲، ص ۳۲۵).

''ابنِ زیاد ملعون نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ بھیجی۔ لہٰذا جب سید سجاد علیہ السلام مدینہ پہنچے تو کم وبیش سب لوگوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی۔

''حضرت علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام اہلِ بیتؑ کی اٹھارہ خواتین اور چند ایک بچوں کے ہمراہ، جو سب کے سب بنی ہاشم سے تھے، کربلا پہنچے، وہاں سرہائے شہداء کو ان کے اجساد کے ساتھ یکجا کیا گیا اور تین دن تک کوئی گریہ و نالہ واشک وآہ کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک ایک قبر پر بیٹھ جاتے، تعویذِ قبر بلند کرتے اور دوسری قبر کی طرف چلے جاتے۔ ان مقابر پر نالہ وفریاد بلند کرتے، آنسو بہاتے اور آہیں بھرتے.....

''تین دن اسی کیفیت میں بسر ہوئے۔ جناب سید الساجدین علیہ السلام نے دیکھا کہ ان مخدراتِ بےکس میں اب مزید طاقتِ گریہ و ماتم باقی نہیں، لہٰذا آپؑ نے ان سب کو کربلا سے چلنے کی ہدایت فرمائی''۔

اسی سلسلہ میں ایک اور سوال سامنے ابھرتا ہے کہ اس تمام سلسلۂ مصائب وقید واسیری کے بعد کتنے آدمی اور کون کربلا آسکے جنہوں نے مندرجہ بالا عزاداری کی طرح ڈالی۔ جناب عماد زادہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''از تتبع تاریخ چنیں برمی آید که پس از مراجعتِ عمر بن سعد از کربلا به کوفه و اسارتِ زنان اسرائیے یاورانِ امام علیه السلام و اصحاب به شفاعتِ خویشاوندان در کوفه ماند ند و از اسارت خارج شدند، ولی زنانِ هاشمیات و اهلِ بیتِؑ اطهار را به اسارت به شام بردند'' (ص۳۴۶، ج۲)۔

''تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن سعد ملعون کے کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی کے بعد کوفہ پہنچ کر امام حسین (جاری)

ثانیِ زہراؑ کی کیفیت

زینبِ عالیہ سلام اللہ علیہا مرقدِ سید الشہداءعلیہ السلام پر تشریف لائیں۔ سوزشِ قلب اور چشمِ گریاں کے ساتھ بھائی کی قبرِ مطہر پر رودادِ سفر بیان فرمائی۔ اپنے زخم ہائے قلب اور دینِ خدا کی پیغام رسانی کی تمام کیفیات و حالات کی وضاحت فرمائی۔ راستہ بھر کے تمام صدمات و آفات و تکالیف، جن کا ابھی تک کسی سے تذکرہ ممکن نہیں ہوا تھا، تمام مشقتیں و مظالم جو برداشت کئے تھے اور جن پر ایک لفظ بھی کہنے کی ابھی تک اجازت نہ ملی تھی، تفصیل سے شہیدِ راہِ خدا پر واضح فرمائے۔

سیدہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے برادرِ عالی قدر سے امانتوں کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کس کس طرح معصوم و یتیم بچوں کی حفاظت کی تھی، مگر افسوس کہ سید الشہداءعلیہ السلام کی پیاری صاحبزادی رقیہ (اکثر کتبِ مقاتل میں اس بچی کا نام سکینہؑ بنت الحسینؑ تحریر کیا گیا ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب) کو ہمراہ نہ لا سکیں جن کو وہ بطورِ امانت دمشق کی خاک کے سپرد کر کے آئی تھیں (منتہی الآمال)۔

ان سب باتوں اور واقعات کے باوجود مخدومۂ عالم اپنے افرادِ کارواں کے آرام و سکون کی ذمہ دار بھی ہیں۔ ان کی ذمہ داری میں ان کی دلداری اور انہیں جہاں تک ممکن ہو، آرام پہنچانا بھی شامل ہے۔ انہیں گوارا نہیں کہ یہ بچے اپنے حواس کھو بیٹھیں یا غش کر جائیں۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتی ہیں کہ انہیں اپنے اس مصیبت و آفت زدہ کاروان کو جس قدر بھی یہ باقی ہے، صحیح و سالم مدینۃ الرسولؐ تک واپس پہنچانا ہے اور یہی مقصدِ حسین علیہ السلام کی کامیابی کی زندہ دلیل ہوگی۔

۳۔ مدینہ میں اہلِ بیتؑ کا ورود

یہ لٹا ہوا پریشان حال قافلہ کتنے دن کربلا میں مقیم رہا، تاریخ اس کا تعین نہیں کرتی۔ بعض نے تین روز کی مدت کا تعین کیا

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

علیہ السلام کے انصاران کی خواتین کو ان کے رشتہ داروں کی سفارشات کی بنا پر کوفہ ہی میں رہنے دیا گیا تھا اور یہ تمام خواتین اسیری سے آزاد ہو گئی تھیں، لیکن ہاشمی خواتین اور اہلِ بیتؑ اطہار ہی باقی رہ گئے تھے جنہیں قید کر کے شام کی طرف لے جایا گیا تھا"۔

یہ بیان بہ اعتبارِ درایت صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کتبِ مقاتل میں بھی کسی مصنف نے انصارانِ سید الشہداءعلیہ السلام کی، جو کربلا میں حضرتؑ کی حمایت میں شہادت پر فائز ہوئے تھے، خواتین اور بچوں کا کوفہ کے بعد کہیں تذکرہ نہیں کیا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کربلا کے اسیروں میں کوفہ کے بعد صرف بنی ہاشم ہی کے بچے اور خواتین جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کے ہمراہ دمشق میں قید رہے اور ان میں سے صرف اٹھارہ افراد اور چند بچے ہی کربلا اربعین کیلئے پہنچ پائے۔

ہے،بعض نے سات دن کہا ہے۔ جو کچھ ثانیِ زہرؑا کا ارشاد ہے وہ یہ ہے کہ مزارِ سید الشہداء علیہ السلام کو اپنی زندگی کی مستقل منزل بنانا چاہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ اور کہیں نہ جائیں۔ لیکن عنوان و پیغامِ شہادت کو ہمیشہ کے لئے مستقل حیثیت دینا بھی مخدومۂ عالم کے فرائض میں شامل تھا۔ لہٰذا اس مقدس وستم رسیدہ کارواں نے مدینہ کی راہ اختیار کی۔ بعض روایات کے مطابق اہلِ بیتِؑ رسولؐ کو تمازتِ آفتاب سے بچانے اور گرمی کی شدت سے محفوظ رکھنے کی خاطر یہ قافلہ رات کو سفر کرتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ راستہ میں صحرا کے خطرناک طوفانوں سے بچنے کے لئے سالارِ کارواں نعمان بن بشیر کو، جو رہبر و رئیسِ کارواں تھا اور جس کو اور کئی قسم کے خطرات کا اندیشہ تھا، یہ حکم تھا کہ غیر معروف راستوں سے سفر کرے۔ بہانہ یہ تھا کہ انہیں جلد از جلد منزل تک پہنچایا جائے۔ البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ راستہ بھر افرادِ کارواں پر بہت مہربان رہا اور طریق و منازلِ سفر و رفتارِ حرکت کو مستقلاً افرادِ کارواں کے اختیار میں رکھا۔

مدینہ کو واپسی

جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا مدینہ واپس لوٹیں، لیکن اب وہ پوری طرح اپنے پیغام و فرائض کو انجام دے کر آئی تھیں۔ یہ وہ فرائض تھے اور ایسی تبلیغ تھی جسے کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ شہر میں پہنچنے سے پہلے ایک شخص کو بھیجا گیا کہ شہر والوں کو خبر کر دی جائے کہ کاروانِ آلِ رسولؐ لوٹ آیا ہے۔ بشیر جزلم شہر میں آیا، سیدھا مزارِ رسولِؐ اکرم پر پہنچا اور اس طرح گویا ہوا:

يَا أَهْلَ يَثْرَبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَأَدْمُعِي مِدْرَاراً
وَالْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَاءَ مُضَرَّجٌ وَالرَّأْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدَارُ

''اے مدینہ کے لوگو! تمہارے لئے اب کوئی جائے پناہ باقی نہیں۔ امام حسین علیہ السلام مار ڈالے گئے، لہٰذا بے حد آنسو بہاؤ۔ اُن کا بدن خاکِ گرم پر پھینک دیا گیا اور اُن کا سرِ مبارک نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا'' (چہرۂ خونینِ حسین علیہ السلام)۔

غرض مدینہ ایک عزاخانہ میں بدل گیا۔ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ لوگ آنسو بہانے اور نالہ و فغاں میں مصروف ہو گئے۔ آوازِ گریہ زنان و مردانِ مدینہ کو جلانے لگی۔ سب لوگ خاندانِ رسولؐ کے استقبال کیلئے تیار ہو کر دروازۂ شہر کی جانب روانہ ہونے لگے۔

اہالیانِ مدینہ دروازۂ شہر پر ثانیِ زہرؑا اور سید الساجدین علیہ السلام کے لٹے ہوئے قافلہ سے ملاقی ہوئے اور انہوں نے اسیرانِ آلِ محمدؐ کی زیارت کی جن کے چہرے اُترے ہوئے اور ظاہری و باطنی کیفیت ہر طرح پریشان والم خوردہ تھی۔ پریشانی و

تباہی کا یہ عالم تھا کہ ثانیِ زہراؑ کے شوہر ہر طرف دیکھتے تھے لیکن معظمہؑ کو پہچان نہ پاتے تھے 1۔

1۔ سید الشہداءعلیہ السلام کے پس ماندگان کے مدینہ واپس پہنچنے کے حالات کو مختلف مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے، تاہم ان تمام کیفیات کو درایتِ انسانی کو قبول کئے بغیر کوئی چارا نہیں۔ اہلِ بیتِ رسولؐ پر جو مصائب گزرے، ان کا تصور ہی اپنے اندر غم واندوہ کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ ان تمام بیانات میں زیادہ تر ذکر سید الساجدین علیہ السلام تک محدود رکھا گیا ہے لیکن چونکہ یہ تمام حالات و واقعات جملہ پسماندگانِ سید الشہداءعلیہ السلام پر گزرے ہیں اس لئے ان کو صرف امام زین العابدین علیہ السلام تک ہی محدود نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم ان تمام حالات میں خصوصیت کے ساتھ ثانیِ زہراؑ کو شریک جانتے ہیں کیونکہ کربلا کے پورے المیہ میں آپؑ ہر طرح شریک ہیں اور ان تمام ذمہ داریوں کو جو امامِ مظلوم علیہ السلام نے بطور اولی الامر آپؑ کے سپرد کیا تھا، آپؑ نے سردارِ اسراء کی حیثیت میں رہتے ہوئے ایسا پورا کیا کہ رہتی دنیا تک ہر ذی شعور انسان نہ صرف سید الساجدین علیہ السلام بلکہ سیدّ الشہداء تک کے ساتھ آپؑ کو برابر کا شریک تسلیم کرے گا۔ لہٰذا ہم چند ایک واقعہ نگار حضرات کے تاثرات نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ 'زینبؑ' کسی بے بس و بے کس و مجبور خاتون کا نام ہی نہیں بلکہ 'زینبؑ' اس کردار کا نام ہے جس کی وجہ سے شہادتِ عظیم زندہ ہے، کلمۂ توحید و شہادتِ سید المرسلینؐ زندہ ہے، اسلام زندہ ہے اور یہ سب کچھ اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک ہماری اس مخدومۂ عالم کا ذکر زندہ ہے۔

جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں:

''رہائی کے بعد سات روز تک اہلِ بیت علیہم السلام نے شہرِ دمشق میں اور قیام کیا۔ اس کے بعد یزید ملعون نے ان حضرات کو مدینہ کی طرف روانہ کیا اور نعمان بن بشیر انصاری کو پانچ سو سواروں کے ساتھ راہداری کی غرض سے ہمراہ کر دیا۔ المختصر یہ حضرات شہرِ دمشق سے روانہ ہو کر کربلا میں داخل ہوئے اور قبرِ امام حسین علیہ السلام سے وداع ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے.....(مدینہ میں داخلہ اور حضرت محمد حنفیہ سے ملاقات کے بعد) جس وقت مخدراتِ علیا کی نظر روضۂ مقدسۂ نبویؐ پر پڑی تو ایک قیامت مچ گئی.....جنابِ اُمِ کلثومؑ نے اپنے نانا کے روضہ پر فی البدیہہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اے ہمارے جد کے مدینہ! تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل و عیال موجود تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں.....تو ناامید و مایوس ہیں.....ہم ضائع ہو گئے اور کوئی ہمارا کفیل و مددگار نہیں ہے۔ ہم نوحہ کرتے اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو دربدر اونٹوں پر پھرائے گئے اور اُن اونٹوں پر سوار کئے گئے جو بُرے اور بے سامان تھے۔ ہم دخترانِ یٰسین وطٰہٰ ہیں.....ہم وہ لوگ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں کو جو پیشوا تھے۔ آگاہ ہو اے جدِ بزرگوار! کہ لوگوں نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا.....ہماری ہتکِ حرمت کی اور ننگے اونٹوں پر سوار (جاری)

عزاداریٔ سیّدالشہداء علیہ السلام

سیدالشہداء علیہ السلام کی عزاداری اس طرح شروع ہوئی گویا پورا مدینہ عزاخانہ بن گیا۔ پورے شہرِ مدینہ میں عزاداری و سوگواری کے مراثی و عنوانات پھیلنے لگے اور مدینہ کی تمام آبادی شب و روز مختلف انداز میں رسومِ عزاداری ادا کرنے لگی۔ مختلف لوگوں کے ہجوم، مختلف خاندانوں کے افراد مرد و زن تعزیت کے لئے خاندانِ رسالتؑ میں حاضر ہونے لگے۔ ثانیِ زہراؑ کیلئے دو صورتیں تھیں۔ ایک تو مجالسِ عزاداری میں شرکت، اس طرح کہ آپؑ خود عزاداری کرنے والی ہوتیں اور پورا خاندانِ رسالتؑ آپؑ کے شریکِ کار ہوتا، جو سب مجلسِ عزا منعقد کرنے والے ہوتے۔ دوسری صورت یہ ہوتی کہ حادثات و واقعات خود ثانیِ زہراؑ بیان فرماتیں اور خاندانِ رسولِ اکرمؐ کے مرد و خواتین سننے والے ہوتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کر کے ہمیں در بدر پھرایا۔ زینبؑ کو انہوں نے بے پردہ کیا اور فاطمہؑ کا کوئی معین نہ تھا۔ سکینہؑ شدتِ گرمی سے شکایت کرتی تھی..... زین العابدینؑ کو قید کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا..... ہائے ہمیں شہر شہر پھرایا۔ تمام خلقت کے سامنے ہم کو رسوا کیا۔ یہ ہے ہمارے واقعہ کی تشریح۔ پس اے مسلمانو! ہمارے واقعہ پر بکا کرو۔ (مقتل ابی اسحاق، ص ۱۹۶) (صحیفۃ العابدین، مؤلفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، ص ۵۸۔۶۰)۔

اس سلسلہ میں مؤرخین نے تھوڑا بہت اختلاف کیا ہے جس کی وجہ، جیسا کہ پہلے ہم عرض کر چکے، واقعاتِ کربلا لکھنے کی ابتداء دُشمن کے وقائع نگاروں نے کی، تاہم تفصیلات ملتی جلتی ہیں اس لئے ہم چند ایک مصنفوں کے بیانات پر اس سلسلہ میں اکتفا کریں گے۔

علامہ حسن رضا غدیری صاحب لکھتے ہیں:

''مظلوموں کا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور شہر کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے بشیر بن جذلم کو حکم دیا کہ جلدی جلدی جا کر مدینہ والوں کو نواسۂ رسولؐ کی شہادت کی اطلاع دو۔

''بشیر بن جذلم امامؑ کا حکم ملتے ہی جلدی سے شہر میں داخل ہو گیا اور مسجدِ نبوی کے سامنے پہنچا تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور روتے ہوئے بلند آواز سے اس نے کہا:

'' 'اے مدینہ والو! اب تم اس شہر میں رہنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ تمہاری عزت خاک مل گئی ہے، نواسۂ رسول حسینؑ بن علیؑ کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا ہے اور صحرائے کربلا پر ان کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر سوار کر کے ہر طرف پھرایا گیا ہے'۔

''بشیر کے دردناک بیان کو سن کر مدینہ کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ مدینہ میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ہر طرف (جاری)

ثانیِ زہرا حوادثِ کربلا تفصیل کے ساتھ بیان فرماتیں۔ آپؑ بیان فرماتیں کہ آپؑ پر اور آپؑ کے خاندان پر کہاں کہاں کیا گزر گیا، سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ کے فرزندوں و بھائیوں پر کیا گزری۔ اہلِ بیتِؑ رسولؐ کو کس طرح اسیر کیا گیا اور اسیری کے دوران کیسے کیسے مسائل و حادثات کا سامنا تھا، وغیرہ۔ درحقیقت ثانیِ زہرؑا انقلابِ حسینی کی زندہ تاریخ کی حیثیت رکھتی تھیں، خود واقعات بیان فرماتیں اور سننے والے ان تمام واقعات کو اپنے قلوب میں محفوظ کر کے اوراقِ تاریخ کی زینت بناتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

نوحہ و ماتم کی صدائیں آنا شروع ہوگئیں۔ سب لوگ آلِ رسولؐ کے استقبال کیلئے نکل پڑے۔ شہر میں غم والم کی ہولناک کیفیت چھا گئی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے آلِ رسولؐ کا جنازہ اُٹھ رہا ہے۔ سب لوگ اشکبار، غم زدہ اور ماتم کناں تھے، روتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں کا ہجوم اتنا تھا کہ امامؑ کا ہر ایک سے گفتگو کرنا دُشوار ہو گیا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ نواسۂ رسولؐ کو پرسہ دے اور اپنے احساسِ غم کا اظہار کرے۔

''بالآخر لوگوں کے اظہارِ محبت و اخلاص کو دیکھ کر امامؑ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکے۔ امامؑ کو روتا دیکھ کر ہر طرف نالہ و شیون کی صدائیں گونج اٹھیں۔ سب لوگ منہ پیٹنے اور ماتم کرنے لگے۔ امامؑ نے انہیں صبر و تحمل کی تاکید فرمائی اور خاموش رہنے پر زور دیا۔ جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو امامؑ نے استقبال کے لئے آنے والوں سے خطاب فرمایا اور بنی امیہ کے ظلم و ستم اور بربریت کا تمام حال بیان کیا اور آلِ محمدؐ کی دکھ بھری داستان سنائی۔

''اولادِ رسولؐ کی مظلومیت کی کہانی سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

''اس کے بعد کاروانِ آلِ محمدؐ شہر میں داخل ہو گیا۔ رسولؐ اللہ کے حرمِ مطہر کے آثار نظروں کے سامنے آئے تو حضرت اُمِ کلثومؑ نے یہ نوحہ پڑھنا شروع کیا: ''اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ! اب ہم یہاں آنے کے قابل نہیں رہے۔ ہم غموں اور حسرتوں سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ آئے ہیں۔ ہم جب گئے تھے تو بھرا گھر ساتھ تھا اور اب واپس آئے ہیں تو نہ تو ہمارے مرد واپس آئے ہیں اور نہ ہی ہمارے بچے.....'

''روتے روتے سیدہ ثانیِ زہرؑا مسجد کے دروازے سے لپٹ گئیں اور چیخیں مار مار کر کہنے لگیں: 'نانا، میرا بھائی مارا گیا، نانا، میرا حسینؑ شہید کر دیا گیا'۔'' (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۸۶۔۲۸۷)

جناب قائم رضا نسیم امروہوی مدینہ میں امام زین العابدین علیہ السلام اور آلِ رسولؐ کی واپسی پر لکھتے ہیں:

''جب علیؑ بن الحسینؑ کا قافلہ کربلائے معلٰی سے چل کر مدینہ کے نواح میں پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے شہر کے باہر قیام کیا اور بشیر بن جذلم کو حکم دیا کہ اے بشیر! خدا تمہارے والد مرحوم کی مغفرت کرے، وہ بڑے اچھے شاعر تھے اور میں نے سنا ہے کہ تم بھی (جاری)

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر ایک عزادار کی حیثیت سے مجالسِ عزا میں موجود ہوتے بلکہ خود اپنے گھر میں بھی عزائے حسینؑ میں گریہ کناں رہتے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کے صاحبزادے عونؑ و محمدؑ معیتِ سید الشہداء علیہ السلام میں شہید ہوئے تھے، لیکن وہ مجالسِ عزا امام حسین علیہ السلام کے لئے برپا کرتے، اپنے فرزندوں کیلئے نہیں۔ شاید انہیں اپنے صاحبزادوں کا خیال بھی آتا ہو، مگر ثانیِ زہراؑ کیلئے یہ ممکن نہ تھا.....1۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

اچھے شعر کہتے ہو۔ مدینہ میں جاؤ اور مرثیۂ امامِ مظلوم کے چند اشعار کہہ کر اہلِ شہر کو ہماری واپسی سے آگاہ کر دو۔ شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں کہ بشیر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں آئے اور مسجدِ رسولؐ میں جا کر بہ آوازِ بلند کہا:

''اے مدینہ والو! علیؑ بن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں، بہنوں اور باقی اہلِ بیتؑ کے ساتھ واپس آگئے ہیں اور آپؑ نے شہر کے باہر قیام فرمایا ہے اور میں انہی کے ارشاد کے مطابق تمہارے پاس آیا ہوں''۔ (صحیفۂ کاملہ، ص ۱۳۵، ۱۳۶)

مدینہ میں داخلۂ آلِ رسولؐ کے سلسلہ میں یہی مؤلف لکھتے ہیں:

''تاریخ الخمیس اور مقاتل التواریخ میں ہے کہ جب یہ قافلہ تمام ہموطنوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا تو سب کے آگے جنابِ سیدِ سجادؑ ایک سیاہ علم لئے ہوئے تھے اور آپؑ کے عقب میں جنابِ اُمِ کلثومؑ یہ نوحہ پڑھتی جاتی تھیں:

''اے ہمارے نانا کے مدینے! ہمیں قبول نہ کر۔ ہم بڑے دکھ درد لے کر آئے ہیں''۔

''طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ شہر میں داخل ہوا تو حضرت عقیل بن ابی طالبؑ کی صاحبزادی (مسلمؑ بن عقیل کی بہن) اشعار پڑھ رہی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''تم جو اپنے کو خیر الامم کہتے ہو، کیا جواب دو گے رسولؐ کو جب وہ سوال کریں گے کہ تم نے میرے بعد میری اولاد میں سے بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو خون میں نہلا دیا'' (صحیفۂ کاملہ، ص ۱۳۷)۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) 1۔ اہلِ بیتؑ رسولؐ کے مدینہ میں ورود کے سلسلہ میں جناب عماد زادہ، مؤلفِ کتاب ''تاریخِ زندگانیِ امام حسینؑ'' لکھتے ہیں:

"چون حضرت زینبِ کبریٰ سلام اللّٰه علیها واردِ شهر شد، مستقیماً رو بطرف آرامگاهِ جدش به مسجد رفتند، آنجا دو دست به بازوان بگرفت و در مقابلِ جدش باگردنِ کج و اشک ریزان دلِ سوزان گرفت: **یاجداه انی ناعیة الیک اخی الحسین** و صیحه زد. پس ازاو سکینهؑ عرض کرد: **یا جداه الیک المشتکیٰ مهاجریٰ الینا فوالله مارایت القسیٰ من یزید ولا رایت کافراً ولا مشرکاً شراً منه ولا اجفی** (جاری)

بنیادِ انقلاب

واقعاتِ کربلا کے بیان، سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے اصحابِ اطہار کی خبرِ شہادت پہنچانے میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے بنی اُمیہ کے اقتدار کے خلاف عواملِ انقلاب کا ملاً فراہم کر دیئے۔ لوگ پوچھتے تھے کہ اس طرح کی طاقت وقوت کے ساتھ یہ لوگ ہرگز برداشت نہیں کیے جاسکتے تھے، نہ ہی یہ (بنی اُمیہ) دین کی نمائندگی کرنے کے قابل ہیں۔

ثانیِ زہرؑا نے واقعاتِ کربلا کے بیان سے لوگوں میں بنی امیہ کی حکومت کے خلاف جذبات کو بیدار کر دیا اور یہی ان کا اصل ہدف تھا کہ بنی امیہ کے ظالمانہ نظامِ حکومت سے لوگوں کو نجات حاصل ہو۔ آپؑ چاہتی تھیں کہ استبداد کی بساطِ ناحق کو لوگوں کے درمیان سے پلٹ دیا جائے اور اسلام کے جھوٹے داعیوں کو رسوا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی خونِ امام حسین علیہ السلام کے انتقام کا مسئلہ تھا جو اللہ تعالیٰ کو لینا تھا، جس کا تعلق روزِ محشر سے تھا (زیارتِ وارث میں آتا ہے "**السلام علیک یا ثار اللّٰہ وابن ثارہ والوتر الموتور**" یعنی "میرا اسلام ہو تجھ پر جس کا انتقام اللہ کو لینا ہے اور اس کا فرزند ہے جس کے خون کا انتقام بھی اللہ ہی کو لینا ہے اور ابھی تک یہ انتقام نہیں لیا گیا"۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

واغلظ فلقد کان یقرع ثغرابی بمخصرته وهویقول: کیف رایت الضّرب یا حسین. همهٔ بنی هاشم و خاندانِ رسالت صلی الله علیه و آله وسلم به حالِ گریه و زاری بازنانِ اصحاب و زنانِ قریش اطرافِ قبرِ رسولِ خدا صلّی الله علیه و آله وسلم را گرفتند، واز قساوتِ قلبِ یزید و مصیبتی که بر آنها وارد آورده سخن گفتند و اشعار و مراثی سرودند(ج ۲، ص ۲۳۲).

"جب حضرت ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا شہرِ مدینہ میں وارد ہوئیں تو سیدھی اپنے جدِ بزرگوار کی آخری آرامگاہ مسجدِ نبویؐ میں تشریف لے گئیں۔ وہاں دونوں ہاتھوں سے دروازہ کو پکڑ لیا اور گردن جھکا کر آنسو بہاتے ہوئے جلتے ہوئے دل کے ساتھ عرض کیا:

اے نانا! میں آپ کو اپنے بھائی حسینؑ کی موت کی خبر سناتی ہوں۔ اے نانا جان! جو کچھ ہم پر گزری، اس کی آپؐ کے حضور شکایت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ شقی اور اس سے بُرا کافر و مشرک اور اس سے بڑھ کر جفا کار اور سخت گیر نہیں دیکھا۔ وہ میرے بابا کے دانتوں پر چوٹ لگا رہا تھا اور کہتا تھا: اے حسینؑ! تو نے میری ضرب کو کیسا پایا؟"

اور گریہ کرتے ہوئے چیخ ماری۔

تمام بنی ہاشم اور خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گریہ وزاری کرتے ہوئے اصحابِ رسولؐ اور قریش کی خواتین کے ہمراہ قبرِ رسولؐ اکرم کو پکڑ لیا اور یزید ملعون کی سنگدلی اور مصیبت جو ان پر وارد ہوئی تھی، کے بارے میں بین کئے اور اشعار و مرثیہ جات کہے۔

لہذا ثانیِ زہراؑ نے شہدائے کربلا کی خاموش کی ہوئی فریادوں کو لوگوں کے کانوں تک پہنچا کر دم لیا، آپؑ نے اہلِ بیتؑ رسولؐ کی رسوائی کے تمام حالات جو دشمنانِ دین نے پیدا کئے تھے، طشت از بام کر دیئے۔ یہ سب کچھ آپؑ نے ایسے اسلوب کے ساتھ انجام دیا کہ دشمنانِ آلِ رسولؐ بالکل رسوا ہو جائیں اور عوام الناس کو بھی پتہ چل جائے کہ ان مسائل کے پسِ پشت کیا واقعات وحقائق کارفرما تھے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے جرائم وظلم وخیانتیں بے نقاب ہوگئیں۔ لہٰذا ''یا ثارات الحسینؑ'' (اے حسینؑ کے خون کے دعویٰ دارو) کے نعرے مدینہ میں گونجنے لگے۔ نہ صرف یہ بلکہ مدینہ، کوفہ اور دیگر مقاماتِ اسلامیہ پر بھی ان نعروں کی صدائے بازگشت گونج دینے لگی۔

حکومتِ وقت کا احساسِ خوف

سید الشہداء علیہ السلام جامِ شہادت سے سیراب ہوئے لیکن غیر معمولی قابلیت واہلیت کے مبلغ اپنی جگہ دنیا کو دے گئے جن میں ہر ایک فصاحت وبلاغت کے درجہ کمال پر تھا۔ مردوں میں سید الساجدین علیہ السلام تھے جو اپنی باتوں سے طوفانِ عظیم برپا کر سکتے تھے جبکہ خواتین میں امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیاں سکینہؑ وفاطمہؑ تھیں اور ان سب کی راس ورئیس خود ثانیِ زہرا جنابِ زینبؑ کبریٰ تھیں۔

ان تمام حضرات کی موجودگی میں مدینہ شورش وطوفان کیلئے آمادہ ہوگیا۔ والیِ مدینہ عمرو بن سعید اس کیفیت سے بہت خوفزدہ ہوا۔ اُس نے ایک خط کے ذریعہ یزید ملعون کو مطلع کیا اور اس سے حکم طلب کیا۔ اُس نے لکھا: ''سیّدہ ثانیِ زہراؑ کا وجود مدینہ والوں کے احساسات کو ہیجان میں لانے اور بے چین کرنے کا سبب ہے۔ وہ ایک فصیح وعقل مند خاتون ہیں۔ اُن کے ساتھیوں نے اور خود انہوں نے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

یزید ملعون نے جواب میں لکھا:

''ان لوگوں سے میل جول قطع کر دے'' (پژوهشی (تحقیق) از زندگانیِ امام حسینؑ، ص ۴۰۱)۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ واقعہ کی ایک اور اساس پیدا ہوگئی اور ایک نئی صورتِ حال سامنے آئی جس کے نتیجہ میں ہمارے ان محترم مسافروں کیلئے ایک اور دور دراز سفر کی راہ کھل گئی جس میں ثانیِ زہراؑ کو ایک بار پھر شریک ہونا پڑا[1]۔

1۔ اس سلسلہ میں ہم جناب ''م۔ صادق'' کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' مترجمہ جناب مولانا حسن رضا غدیری صاحب سے اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے کیفیتِ اہلِ بیتؑ رسولؐ کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

(جاری)

۴۔ ثانیِ زہرؑا کے سفروں کی تفصیل اور ایک اور سفر

ثانیِ زہرؑا کو زندگی میں بہت سفر کرنا پڑے۔ ہر سفر میں مقصد و ہدف سفر ہمیشہ آپؑ کے پیشِ نظر رہا۔ معظمہؑ کا کوئی سفر شوق وسیر وتفریح کے لئے نہ تھا۔ ان سفروں کی مختصر تفصیل اس طرح ہے:

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

''یزید ملعون کو ثانیِ زہرؑا کا مدینہ میں قیام ناگوارا بلکہ خطرناک لگا۔ چنانچہ اس شقی نے حضرت زینبؑ کو والیِ مدینہ کے ذریعہ کہلوا بھیجا کہ آپؑ مدینہ چھوڑ کر کسی اور شہر میں چلی جائیں، اور آپؑ جہاں جانا چاہیں، ہم وہاں آپؑ کے قیام کا مکمل بندوبست کر دیں گے۔

''ثانیِ زہرؑا یزید ملعون کا پیغام سن کر غصہ میں آگئیں اور جواب دیا:

'' 'ہم اپنے گھر بار لٹنے اور رسولؐ زادوں کے قتل کا غم دل میں لئے ہوئے ہیں اور اس بات سے حاکمِ وقت اچھی طرح آگاہ ہے کہ اُس نے کس طرح آلِ محمدؐ کو ستایا اور رسولؐ زادیوں کے گلوں میں رسیاں ڈال کر اُن کے ساتھ جانوروں سے زیادہ برا سلوک کیا۔ ہم اب تک ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے آئے ہیں، لیکن خدا کی قسم! اب ہم اپنے نانا کے شہر مدینہ سے کبھی نہ نکلیں گے خواہ ہمارے خون کی ندیاں بہادی جائیں'۔

''سیدہ زینبؑ کے اس جرأت مندانہ جواب کے باوجود یزید ملعون کی طرف سے پیغام پر پیغام آنے شروع ہو گئے۔ بنی ہاشم کی مستورات جو پہلے ہی خوفزدہ تھیں اور حاکمِ وقت کے مظالم کا شکار ہو چکی تھیں، انہوں نے مدینہ چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ زینب بنتِ عقیل بن ابی طالبؑ نے سیدہ زینبؑ سے کہا: 'بہن! خدا کا وعدہ سچا ہے اور اُس نے آلِ محمدؐ کو ساری زمین کا وارث بنایا ہے۔ ہم جہاں بھی جائیں، وہیں ہمارا گھر ہے۔ خدا ان ظالموں اور ستم گروں کو سزا دے گا۔ بہتر ہے کہ ہم کسی امن کے شہر میں چلے جائیں'۔

''بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خاندانِ رسولؐ مصر چلا گیا اور بعض نے لکھا ہے کہ شام چلے گئے''۔ (السیدہ زینبؑ، مؤلفہ بنت الشاطی، ص۱۵۳) (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص۲۹۱۔۲۹۲)۔

مدینہ سے ثانیِ زہرؑا کے تشریف لے جانے سے پہلے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم روانگی سے قبل کے مخدومۂ عالم کے حالات وکیفیتِ مزاج ومصروفیات کا ذکر کریں۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے ہم ایک بار پھر ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' کا حوالہ پیش کرتے ہیں جس سے ثانیِ زہرؑا کے غم کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا اگرچہ مخدومہؑ کی اصلی کیفیت کا تصور بھی عام ذہن کے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ مؤلف کتاب رقم طراز ہیں:

''وطن پہنچ کر ثانیِ زہرؑا کو سکون نصیب نہ ہوا۔ دن رات کا بیشتر حصہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بیٹھ کر مظلوم کربلا کی یاد میں روتے ہوئے گزارتی تھیں، کبھی عباسؑ کے کٹے ہوئے بازو یاد آتے تو کبھی علی اکبرؑ کے سینہ میں پیوست برچھی کا پھل۔ (جاری)

ا۔کوفہ کا سفر

یہ سفر اُس زمانہ میں واقع ہوا جب آپؑ کے پدرِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام خلافتِ ظاہری پر فائز ہوئے اور اس شہر کو حضرتؑ نے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ معظمہؑ اپنے شوہرِ نامدار اور صاحبزادوں کے ہمراہ کوفہ کو روانہ ہوئیں اور وہاں قیام فرمایا۔

۲۔کوفہ سے مدینہ کا سفر

امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد گمان غالب ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا پورا خاندان مدینہ واپس آ گیا۔ سیدہ ثانی

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) کبھی قاسمؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑتے ہوئے آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جاتے تو کبھی علی اصغرؑ کا تبسم یاد آ جاتا۔

''کبھی عونؑ کی جوانی کا تصور دل میں موجزن ہو جاتا تو کبھی محمدؑ کا ابھرتا شباب!

''کبھی مسلمؑ بن عقیل کا دارالامارہ کی چھت سے گرنا آنکھوں کے سامنے آ جاتا، تو کبھی طفلانِ مسلمؑ کی ننھی ننھی لاشیں دریا کی طوفانی موجوں میں بہتی نظر آتیں۔ کبھی مسلم بن عوسجہ یاد آتے تو کبھی حبیب ابنِ مظاہر!

''کبھی حسینؑ کا گھوڑے سے گرنا یاد آتا تو کبھی ذوالجناح کا خالی واپس آنا! کبھی خیموں میں آگ لگتی یاد آتی تو کبھی صحرائے کربلا پر بکھری ہوئی لاشوں کا دردناک منظر!

''کبھی سکینہؑ کے دُراترتے یاد آتے تو کبھی سجادؑ کو تازیانے لگتے!

''کبھی رسولؐ زادیوں کی چادریں چھنتی یاد آتیں تو کبھی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں لگتی!

''کبھی سہمے ہوئے یتیموں کی فریادیں سنائی دیتیں تو کبھی سیدانیوں کی دردبھری آہیں!

''کبھی شام کے بازاروں میں تماشائیوں کا ہجوم یاد آتا تو کبھی دمشق کی چراغانی اور لوگوں کے جشن وسرور کے آوازے۔

کبھی ابنِ زیاد ملعون کے دربار میں پیش ہونا یاد آتا، کبھی یزید ملعون کے ایوانِ سلطنت میں کئی گھنٹے کھڑے رہنا، کبھی زندان کی تنگ وتاریک فضا یاد آتی تو کبھی خرابۂ شام کی ٹوٹی ہوئی دیواریں! اور بالآخر کبھی مدینہ یاد آتا اور کبھی اپنا آباد گھرانا!

یہ سب غم والم اور مصیبت ودرد کے وہ حالات تھے جو علیؑ کی صاحبزادی کے دل کو کباب کر دیتے تھے اور جن کا تصور کرتے کرتے ثانیِ زہراؑ ایک بے جان ڈھانچے کی طرح ہو گئیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے رسولؐ زادی کے بدن میں روح ہی نہیں۔

زینبؑ عالیہ نے اپنے گھر یعنی عبداللہ ابنِ جعفر کے گھر کو عزاخانہ بنا لیا اور ہمیشہ گریہ وبکا میں مشغول رہتیں، آپؑ کے ساتھ دُوسری بیبیاں بھی سیاہ لباس پہن کو شب وروز نوحہ وماتم میں مصروف رہتی تھیں، سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام بچوں کیلئے کھانا تیار کرتے اور مستورات کو تسلیاں دیتے تھے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ دس محرم ۶۱ھ سے لے کر پانچ سال تک اہلِ بیتؑ کے گھر میں نہ کسی بی بی (جاری)

زہرؑا بھی مدینہ تشریف لے آئیں۔

۳۔مدینہ سے عراق کا سفر

یہ سفر معظمہؑ نے امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ اختیار کیا، چند ماہ مکہ میں قیام فرمایا، اُس کے بعد عراق کو روانہ ہوئیں اور کربلا جا کر رکیں۔

۴۔کربلا سے کوفہ اور پھر وہاں سے شام کا سفر

یہ سفر بحالتِ اسیری تھا جس میں ثانیِ زہرا حضرتِ زینبؑ سلام اللہ علیہا رئیسِ کاروان نظر آتی ہیں۔

۵۔شام سے مدینہ کا سفر

یہ سفر اسیری کے اختتام و آزادی اور یزید ملعون کی پشیمانی (اگر چہ یہ پشیمانی محض دکھاوا تھی) کے بعد وقوع پذیر ہوا۔

۶۔مدینہ سے شام یا مصر کا سفر

یہ سفر ثانیِ زہرؑا کی وفات، آپؑ کے مدفن اور راحتِ اُخروی سے عبارت ہے۔

مدینہ کو واپسی کے بعد

ہم بیان کر چکے ہیں کہ معظمہؑ شام سے (کربلا ہوتی ہوئی) مدینہ واپس تشریف لائیں۔آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ اپنی عمر کا باقی حصہ اپنے جدِ بزرگوار کی قبرِ مبارک کے پہلو میں گزار دیں گی اور اپنے موجودہ حالات کے ساتھ یادِ خدا میں مصروف رہیں گی۔فطری امر ہے ثانیِ زہرؑا نے اپنے مقصدِ حیات کو ہرگز فراموش نہ کرنا تھا، نہ ہی آپؑ کیلئے اپنے شہداء کے خونِ ناحق کو اپنے ذہن سے محو کرنا ممکن تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ثانیِ زہرؑا کا ہدفِ زندگی اب بنی اُمیہ کے مظالم کو بے نقاب کرنا تھا، آپؑ کو کربلا کے خونِ ناحق سے متعلق تمام حقائق کی وضاحت کرنا تھی، تفصیل سے بتلانا تھا کہ خانوادۂ علی علیہ السلام پر کیا کچھ گزر گیا اور سقیفۂ بنی ساعدہ کی سیاست کا نتیجہ آخر کیا نکلا! انہیں لوگوں کو سمجھانا تھا کہ اختیار و اقتدارِ اسلامی پر کیسے کیسے کمینہ و اوباش و عیاش حکمران قبضہ جما چکے

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ)

نے آنکھ میں سرمہ لگایا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالا، نہ ہی مہندی لگائی اور نہ ہی مسکرائیں، یہاں تک کہ جب مختارؒ نے ابن زیاد ملعون کا سر آلِ رسولؐ کے دل کی تسلی کیلئے مدینہ بھیجا تو اہلِ بیتؑ کے گھر میں دُشمنِ خدا اور رسولؐ کی ہلاکت کی پہلی خوشی ہوئی'' (ص ۲۸۸ تا ۲۹۰)۔

تھے۔آپؑ کی یہی حقیقت گوئی اور اظہارِ حق اس بات کا سبب بن گیا کہ آپؑ کو حالات سے دور رکھا جائے۔

مدینہ کا عامل آپؑ کے وجود کو اس شہر میں خطرہ کا سب سے بڑا سبب جانتا تھا۔لہٰذا اس نے یزید ملعون کو لکھا کہ ثانیِ زہراؑ کی مدینہ میں موجودگی لوگوں کے احساسات و جذبات کو برانگیختہ کرنے اور انقلاب لانے کا باعث ہے اور ان کا مدینہ میں قیام مصلحت کے خلاف ہے۔لہٰذا یزید ملعون نے حکم دیا کہ ثانیِ زہراؑ کے لوگوں سے رابطہ اور تعلق کو منقطع رکھا جائے۔لیکن مدینہ کے عامل نے دیکھا کہ موجودہ حالات میں ایسا کرنا ممکن نہیں۔

اس سب کچھ کے باوجود ثانیِ زہراؑ کو کہا گیا کہ مدینہ کو چھوڑ دیں۔لیکن معظمہؑ نے فرمایا کہ وہ ہرگز مدینہ سے باہر نہ جائیں گی، خواہ خون ہی کیوں نہ بہہ جائے۔تاہم بنی ہاشم کے کچھ خیر خواہوں نے ملاقات کر کے انہیں مدینہ چھوڑ دینے پر رضامند کر ہی لیا۔

(بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ثانیِ زہراؑ اپنے پیغام کے پہنچانے اور واقعاتِ کربلا سے متعلق اپنے فرائض کے پیشِ نظر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئیں۔اس سلسلہ میں مؤرخین کے بیانات بہت زیادہ اختلافات و تضادات کے حامل ہیں، اس سلسلہ میں مختلف اسناد پیش کی گئی ہیں جن کیلئے تاریخِ طبری، الکامل، منتخب التواریخ اور کتبِ مقاتل کی طرف رجوع فرمائیں)۔

ثانیِ زہراؑ کی شام کو واپسی

کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ ثانیِ زہراؑ دوبارہ شام کی طرف تشریف لے گئیں۔آپؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس بارے میں مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں جن میں اہم ترین وجوہات کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

الف۔ یزید ملعون کے سامنے نئی اسیری کی شکل میں آپؑ کی موجودگی، یا اس کی خواہش کہ آپؑ اس کی نظروں کے سامنے زندگی بسر کریں اور وہ مدینہ میں آپؑ کی موجودگی کے اثرات سے محفوظ رہے (بعض کتبِ مقاتل)۔

ب۔ مدینہ میں قحط سالی جس کے زیرِ اثر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے ارادہ کیا کہ ثانیِ زہراؑ پہلے ہی بہت زیادہ غم واندوہ و مصیبت کے ایام دیکھ چکی ہیں، لہٰذا انہیں قحط کی صعوبات سے دُور رکھنا بہتر ہوگا۔

ہماری نظر میں یہ سب بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے خیال میں زینبؑ عالیہ کی شان اس بات سے بہت زیادہ بلند ہے کہ نانا کی اُمت کو قحط کا نشانہ بننے کیلئے چھوڑ کر اپنی جان کو قحط سے محفوظ کرلیں (منتخب التواریخ)۔

ہمارے اس خیال کی مؤید ایک اور وجہ بھی ہے کہ شام کی طرف جانا آپؑ کے ان مصائب وظلم وستم وتلخی ہائے روزگار کو

زندہ کرنا تھا جو وہاں آپؑ کو پیش آئے تھے، لہٰذا ممکن نہ تھا کہ آپؑ ایک بار پھر یزید ملعون اور اہالیانِ شام کا سامنا کریں۔

ج۔ ایک اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شام کے علاقہ میں کچھ باغات واراضی حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی ملکیت تھے۔ لہٰذا انہوں نے معظّمہؑ کو مدینہ کے غم زدہ وستم آلودہ ماحول سے دُور کرنے کی خاطر اور تبدیلیٔ آب وہوا کے پیشِ نظر یہ سفر اختیار کیا ہو۔ چنانچہ ثانیِ زہرؑا وہاں تشریف لے جا کر سکونت پذیر ہوئیں لیکن تھوڑی مدت کے بعد ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوئیں اور وہی جگہ آپؑ کا مدفن قرار پائی جہاں آپؑ اب محوِ استراحت ہیں۔ وہیں آپؑ کا مزارِ مبارک ہے۔ یہ مقام عمدہ آب وہوا رکھتا ہے اور شہرِ دمشق سے کافی فاصلہ پر ہے۔

جو لوگ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی شام میں رحلت کے قائل ہیں اور وہیں آپؑ کا مدفن قرار دیتے ہیں، وہ غالباً اس کی یہ توجیہہ پیش کرتے ہیں کہ آپؑ کو دوبارہ شام لے جایا گیا اور وہ معظّمہ تھوڑے عرصہ بعد شام ہی کے دُور دراز علاقہ میں دُنیا سے رُخصت ہوئیں۔

ثانیِ زہرؑا کا مصر کی جانب سفر

اس سلسلہ میں مستند ترین دلیل ممکن ہے اس بات کو قرار دیا گیا ہو کہ زینبؑ عالیہ اپنے بہت سے طرفداروں کے ہمراہ مصر تشریف لے گئیں (یا اس طرح مدینہ سے بعید مقام پر پہنچائی گئیں) جہاں انہوں نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔ مصر کا حاکم بڑی جمعیت کے ساتھ آپؑ کے استقبال کو اپنے مستقر سے باہر آیا اور آپؑ کے ساتھ عقیدت ومہربانی سے پیش آیا۔

ثانیِ زہرؑا نے اسی مقام کو تبلیغ واشاعتِ دین کا مرکز قرار دیا، وہیں سے حقائقِ کربلا کی اشاعت فرمائی، لوگوں کو حکومت کے ظلم واستبداد کے خلاف بیدار کیا اور آخرکار اسی جگہ یعنی قاہرہ میں وفات پا کر اپنی آخری آرامگاہ کو پہنچیں (زینبؑ بطلۃ کربلا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے خیال میں ثانیِ زہرؑا مدینہ سے نکل کر کسی ایک جگہ مستقل قیام نہ کر پائیں، ایک شہر سے دُوسرے شہر تشریف لے گئیں، مختلف مقامات پر دربدری سے دوچار ہوئیں اور ہر جگہ واقعۂ کربلا کی تبلیغ واشاعت فرمائی۔ لیکن معظّمہؑ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور اسی ہجرت کے دوران اس دنیا سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئیں (زینبؑ اخت الحسینؑ، ص ۴۵)۔

❁❁❁

۱۔ عوام الناس میں بیداری و شعور

ثانیِ زہراؑ نے جس طرز و روش کو اختیار کیا تھا، اس نے بنی امیہ کو اس قابل نہ چھوڑا کہ اپنے فاسد مقاصد میں کامیاب ہو سکیں یا معظمۂ عالم کی تبلیغات کا جواب دے سکیں۔ آپؑ کی گفتگو اور مباحث نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں، ان کے شعور و عقول کو جھنجوڑ ڈالا اور انہیں اس قدر بیدار کیا کہ بنی امیہ کے ظالم حکمرانوں میں یہ سکت ہی باقی نہ رہنے دی کہ اپنے ظلم و جور پر جمع ہو پائیں اور اپنی آرزوؤں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

زینبؑ عالیہ کے طریقِ کار، خطابت، گفتگو، تنقید اور حکومت پر اعتراضات نے بنی امیہ کی فاسد حکمرانی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ لوگوں پر بالکل واضح ہو گیا کہ یزید ملعون کون ہے اور اس کے بزرگ کس نسل و خاندان سے ہیں۔ عوام الناس جس قدر بھی ان سے حسنِ ظن رکھتے تھے اس کے بدلہ میں انہیں یقین ہونے لگا کہ یہ لوگ دین سے خارج ہو چکے ہیں۔ شام کے لوگوں پر خصوصیت سے یہ بات واضح و روشن ہو گئی کہ یہ معظمہؑ، خواتینِ قافلہ اور بچے جو طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، کس نسل و خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وہ آگہی تھی جس کی بدولت کونے کونے سے بنی امیہ کے خلاف لوگ آمادہ بہ مخالفت ہونے لگے اور ہر طرف سے ان کے مظالم کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔

ثانیِ زہراؑ کے پیغام کی گونج

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد سے ہی ان کی شہادت کے پیغام اور آپؑ کے خونِ ناحق کی صدائے بازگشت کو اپنے لئے فرض قرار دے چکی تھیں۔ چنانچہ ان مخدومہؑ نے اپنے اللہ سے عہد کر لیا تھا کہ اعلائے کلمۃ الحق، خونِ ناحق کی قدر و قیمت اور اس کے تقدس کی خاطر کسی چیز کو عزیز نہیں رکھیں گی۔ اُن کی جان ہو یا مال، عزت ہو یا آبروئے خداداد، گھر و خاندان ہو یا ان کی حیات، اور حق یہ ہے کہ اس راہ میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو معظمہؑ نے اپنے ان فرائض سے عزیز تر جانا ہو۔

کربلا کے میدانِ کارزار میں دو منظم گروہ، جن کی حیثیت کسی طرح آپس میں برابر نہ تھی، ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے۔ ایک جماعت وہ جس کی تعداد تیس ہزار افراد بلکہ بعض مورخین کے نزدیک یہ تعداد ایک لاکھ افراد سے بھی متجاوز تھی۔ (اس

تعداد کے بارے میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ رموزِ بے خودی میں لکھتے ہیں:

دشمنان چون ریگِ صحرا لاتعد　　　　دوستانِ او به یزداں هم عدد)

یہ لوگ ہر قسم کے سلاحِ جنگ سے مسلح تھے اور انہیں اپنے دفاع کیلئے ہر قسم کے لوازماتِ آب و غذا و خیام وغیرہ وافر مقدار میں حاصل تھے، یہاں تک کہ جو لوگ سلاحِ جنگ نہ رکھتے تھے وہ بھی اور کچھ نہیں تو وحشیوں کی طرح پتھروں سے اپنی جھولیاں بھرے ہوئے تھے اور لشکرِ سید الشہداء علیہ السلام پر سنگ باری کرتے تھے۔

دوسری جماعت وہ تھی جس کی تعداد بہتر (۷۲) سے لے کر ایک سودس (۱۱۰) افراد تک بیان کی گئی ہے جن میں کم سن بچے، نوجوان اور ضعیف لوگ بھی شامل تھے۔ ان کو کسی طرح کے وسائلِ جنگ و اسلحہ حاصل نہ تھے، ان کی زبانیں تشنگی سے خشک اور ان کے شکم بھوک کے باعث غذا سے خالی تھے۔ اُن کی نظریں بار بار خیام کی طرف اٹھتی تھیں جہاں خواتین و بچے اسی حالت میں پریشان حال تھے اور بچوں کی شدتِ پیاس ان افراد کیلئے اور زیادہ آزردگی و پریشانی پیدا کر رہی تھی۔

فطری بات ہے کہ اس قدر شدید جنگ میں چھوٹی و قلیل جماعت کو ایک دن ہی میں اپنے اختتام کو پہنچنا تھا اور ممکن تھا کہ تمام واقعہ فراموشی و نسیان کی نظر ہو جاتا، لیکن ثانیِ زہراؑ کا کمالِ کردار تھا جس نے اس طویل و خوفناک جنگ کو نہ ذہنوں سے نکلنے دیا اور نہ ہی اس تمام ستیزہ کاری کو طاقِ نسیان کی نظر ہونے دیا۔ آپؑ نے اس جنگ کی روئیداد و وقائع کو، جو ذہنوں سے محو ہونے کے قریب تھیں، اپنی سعی و لازوال شخصیت کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ فنا سے بچالیا بلکہ اس عظیم واقعہ کو ایسا دوام بخشا کہ زمینِ کربلا پر جس پیغامِ حریت و استقامت نے جنم لیا تھا، وہ عوام الناس کے کانوں اور ذہنوں تک پہنچ کر رہا۔ مخدومۂ عالم کا یہ اقدام سبب بنا کہ ہر شخص پوچھنے اور سوچنے پر مجبور ہوا کہ آخر روئے زمین پر یہ کتنا بڑا ظلم ہوا اور کتنا سنگین حادثہ گزر گیا! [1]

اسرارِ ظلم کی بے نقابی

عراق و شامات پر معاویہ کی چالیس سالہ حکومتِ استبداد اس حقیقت کا سبب بن چکی تھی کہ خاندانِ بنی امیہ کے فسق و فجور و مظالم اور ستمگریاں چھپتے چھپتے لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو کر پردۂ نسیاں میں گم ہو چکی تھیں۔ لوگ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ

[1] شاعرِ مشرق رموزِ بے خودی میں لکھتے ہیں:

تیغ بهرِ عزتِ دین است و بس　　　　مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
خونِ او تفسیرِ این اسرار کرد　　　　ملتِ خوابیده را بیدار کرد
سرِّ ابراهیمؑ و اسماعیلؑ بود　　　　یعنی آن اجمال را تفصیل بود

حکمران طبقہ کس حسب ونسب ونسل سے تعلق رکھتا ہے اوران کی رغبتِ دینی کا معیار کیا رہ گیا ہے؟ یہ لوگ سالہا سال سے لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتے آرہے تھے، مدتوں سے ان کے ہاتھوں ہونے والی قتل وغارتگری چھپائی جاتی رہی تھی، کئی سال دہشت گردی میں گزر چکے تھے۔ (معاویہ کہتا تھا کہ اللہ نے اپنے لشکر کو شہد میں پنہاں رکھا ہے، اس سے اُن کا اشارہ شہد کے ذریعہ لوگوں کو زہر سے ہلاک کرنے کی طرف تھا جنہیں وہ زہرآلود شہد بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا)۔ لیکن اس کے باوجود حکمران نمازِ جماعت کی امامت بھی کرتے تھے اور نمازِ جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔

یہ ثانیِ زہراؑ ہی کی ہستی تھی کہ ان سنگین حالات میں آپؑ نے ابن زیاد ملعون کا بطور فاسق وفاجر تعارف کروایا، یزید ملعون کا تعارف کروادیا کہ وہ جگر خوارہ ہندہ کے خاندان سے تھا، بلکہ اس کا پوتا تھا، اور لوگوں کو یقین دلایا کہ حکام کا اختیار نہ صرف عدل سے عاری ہے بلکہ انسانیت کے بنیادی وابتدائی اصولوں سے بھی دور ہے۔ ان کی بہیمیت کا یہ عالم ہے کہ زخم خوردہ بچوں کے سامنے ان کے پدرِ بزرگوار کے کٹے ہوئے سر کو چھڑی سے مارتا ہے۔

مارٹن (ایک کتاب سے ماخوذ جس کے ترجمہ کا نام ''سیاست الحسینیہ'' رکھا گیا) نامی ایک جرمن مؤرخ کے بقول حادثۂ کربلا کے بعد بنی اُمیہ کے رموز بے نقاب ہونے لگے، اُن کی بدکاریاں آشکار ہونے لگیں، اُن کے خلاف خروج اور ان کی بداعمالیوں کی باتیں شروع ہوئیں۔ زینبؑ عالیہ نے چند مقامات پر اپنی تقاریر وخطابات میں بنی امیہ کے تمام چالیس سالہ دور کے نقوش کو نقش برآب کی طرح مٹا کر رکھ دیا، اُن کے جشنوں کو سوگواری میں بدل دیا اور واقعۂ کربلا کو لوگوں میں بنی اُمیہ کی سیاہ کاریوں کا فطری وعادی نتیجہ قرار دیا۔

عوام الناس کی حیرت ودہشت

کوفہ اور بالخصوص شام میں جو کچھ ہوا، ثانیِ زہراؑ کی جانب سے جو جو مظالمِ بنی اُمیہ آشکار ہوئے، جس قدر ان کے کرداروں کی صراحت ہوئی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بقول مؤرخین لوگ دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو گئے۔ لوگ مسلسل آنسو بہاتے تھے اور حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں میں چباتے تھے۔ دشمنوں نے سالہا سال سے جھوٹ بولا تھا، علیؑ اور خاندانِ علیؑ کا اس طرح تعارف کروایا تھا کہ یہ لوگ قرآن واسلام ومقدساتِ اسلام سے بہت دور تھے۔ حد یہ ہے کہ قاضی شریح جیسے شخص نے خروجِ امام حسین علیہ السلام کے لئے آپؑ کے جد کے دین کے خلاف ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

اب یہی لوگ دیکھ رہے تھے کہ ثانیِ زہراؑ اپنے خطبات میں رسولؐ پاک کا اپنے جدِامجد کے طور پر تعارف کروا رہی ہیں،

دورانِ خطاب آپؑ کے دہنِ مبارک سے آیاتِ قرآن کی بارش ہورہی ہے، آپؑ قیامت ومعاد، راہ ورسمِ حکمرانی، عدالت وحق طلبی جیسے عنوانات پر تقریریں فرمارہی ہیں اور ساتھ ہی ظالموں پر نفرین بھی کرتی جاتی ہیں.....لوگ سمجھ رہے ہیں کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں اس کے بالکل برعکس ہے جو انہوں نے سُن رکھا ہے۔ اسی لئے لوگ مرقعۂ حیرت واستعجاب تھے۔ ان کا تاسف وغم خصوصیت کے ساتھ اس بات پر تھا کہ انہی غلط سنی ہوئی باتوں کے نتیجہ میں انہوں نے خاندانِ رسالتؐ کی بے حرمتی اور ان پر سنگباری کا ارتکاب کیا ہے۔ اب وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ اپنے ان مظالم کا کیا علاج کریں۔

عمومی پشیمانیاں

لوگ اپنے اعمال سے پریشان تھے اور مار ڈالنے والی حسرت وپشیمانی ان کو دامن گیر تھی۔ مشہور عرب ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ کوفہ میں عورتوں کے نالہ وفریاد کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے سروسینہ کو پیٹتی تھیں اور صدائے بلند کے ساتھ اس طرح گریہ کناں تھیں جس طرح ایک فرزند مردہ کے لئے گریہ کیا جاتا ہے (البیان والتبیین)۔

مختصر یہ کہ ان کے ضمیر نے ان پر عذابِ روحانی کو مسلط کردیا۔ یہ ایسا عذاب تھا جو لوگوں کو قاتل بنادیا کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنی اس اندرونی روحانی اذیت کے باعث اپنے ہاتھوں کو اپنے ہی دانتوں سے کاٹتے تھے۔ یہ کیفیت شام میں کوفہ سے بڑھ کر تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام والے خاندانِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کو پہچانتے ہی نہ تھے بلکہ ان میں سے اکثر تو یہ سمجھتے تھے کہ بنی اُمیہ کے سوا جنابِ رسولِ اکرمؐ کا اور کوئی خاندان یا رشتہ دار ہے ہی نہیں۔

ثانیِ زہرؑا نے اپنے پیغام کے ابلاغ کے ذریعہ ایک آتشِ جاودانی عوام الناس کے ذہن وقلوب میں بھڑکا دی، ایسی آگ جس کو ان کے دلوں اور ضمیروں میں واقعۂ کربلا کی یاد کو سالہا سال تک مستقلاً باقی رکھنا تھا۔ کوفہ وشام کے لوگوں کی ذریتِ رسولؐ کے بارے میں بیداری اسیرانِ آلِ رسولؐ کی حیثیت ہی سے کافی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ابنِ زیاد ملعون حتیٰ کہ خود یزید ملعون بھی ان کو زیادہ عرصہ اپنی حفاظت ونگہداشت میں رکھنے کو قرینِ مصلحت نہ جانتا تھا۔

بیداریٔ عوام الناس

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے اختیار کردہ طریقِ کار سے شہیدانِ اہلِ بیتؑ کی روئیداد اور ان کے پسماندگان کی فریادِ غم عوام کے کانوں تک پہنچی جس نے سب لوگوں کو خوابِ غفلت وجہالت سے بیدار کیا۔ سب سننے والوں کو اپنی غفلت کا احساس ہوا اور وہ تلافیِ مافات کیلئے تیار ہونے لگے۔ یکے بعد دیگرے صداہائے احتجاج بلند ہونے لگیں، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو

حرمِ موسیٰ کی سزا کے قابل جان لیا، اپنی ناشکری ولا پرواہی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو آیہ مبارکہ:

''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط'' (بقرہ:54)

کا مصداق جاننے لگے۔

المختصر عوام کی خوشی وسرورِ فتح عزاداری میں تبدیل ہوگئی۔ شام اور کوفہ میں ہر طرف ''وَاحُسَیْنَا'' کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لوگ اپنے بدترین عمل کو جو مہمان کُشی کا عمل تھا، سمجھنے لگے، جواب ان کے دامنوں پر سیاہ ترین اور تاریک ترین وشرمناک دھبوں کی صورت میں نمایاں ہو رہا تھا۔

وہ سب لوگ تو دنیا سے بے نیل ومرام رخصت ہوئے لیکن حسین وزینب علیہم السلام اور ان کے ہمراہی فدا کار شہداء ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دنیا میں باقی وزندہ ہیں۔ اُن کے فضائل وتوصیف کرۂ ارض پر ہر طرف نشر ہونے لگے، ہو رہے ہیں اور رہتی دنیا تک ہوتے رہیں گے۔ ان کے پرچم ہر مقام پر لہرا رہے ہیں۔ کلمۂ طیبہ یعنی ''كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ. تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ'' (ابراہیم:24،25) کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں!

۲۔ دُشمنانِ آلِ رسولؐ کی تکفیر اور اُن سے نفرت

سید الشہداء علیہ السلام کے قتل اور آپؑ کے خاندان کو اسیر کرنے میں دشمن نے ایسی تندی وتیزی اور ارادہ کی پختگی کا مظاہرہ کیا گویا ایسا کرنا ایک غبار وبخار کی طرح اس کے ذہن پر سوار تھا۔ لیکن یہ بخار جس قدر تیزی سے چڑھا تھا اسی تیزی سے اس نے تمام بدکرداروں کو عرق آلود کر کے رکھ دیا، بالکل جس طرح تیز بخار کے اُترتے وقت انسان کا جسم پسینہ سے شرابور ہو جایا کرتا ہے۔ حکمرانوں نے شدید قسم کی سرعت کے ساتھ اپنے ارادوں کو لوگوں پر مسلط کر کے انہیں امام حسین علیہ السلام کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ کیا تھا، اُن کی تمام تر کوشش یہ ہوئی کہ اسی سرعت کے ساتھ میدانِ جنگ میں وارد ہو کر حضرتؑ کو جلد شہید کر کے فارغ ہوں کہ میدان سے واپس بھاگ سکیں۔

کاش اس سلسلہ میں انہوں نے کسی صاحبِ عقل وادراک شخص کے ساتھ مشورہ کر لیا ہوتا۔ ان ظالموں نے ہرگز ایسا نہ کیا اور اپنی عجلت میں کربلا کے میدان میں فرزندِ رسولِؐ خدا کے بالمقابل صف آراء ہو گئے! کاش پھر بھی یہ ظالم عاشورہ محرم کے دن امام حسینؑ کی نصیحت پر کان دھرتے، جب آپؑ نے فرمایا تھا:

''اے لوگو! میرے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو، ایسے عمل کو اختیار نہ کرو جو بعد میں تمہارے لئے غم ودرد وپشیمانی

کا باعث بن جائے"۔ لیکن "فَاجْمَعُوا اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَائَکُمْ" (یعنی اپنے کام اور شرکاء کو اکٹھا کرلو) کے مصداق ان لوگوں نے عجلت سے سب اقدام کیا اور اسی طرح بہت جلد پشیمانی کا شکار ہوئے۔

طولِ تاریخ میں لڑائیوں اور جنگوں کے حالات نظروں سے گزرتے رہتے ہیں لیکن کوئی ایسا واقعہ ہماری نظر سے نہیں گزرا جہاں روزِ عاشورۂ محرم کی کارکردگی کی طرح کوئی دشمن اتنی جلدی اپنے عمل پر پشیمانی کا شکار رہا ہو یا اپنے انجام دادہ عمل پر اس نے اتنی جلدی آنسو بہائے ہوں، یا اسے اپنے عمل کے نتیجہ میں اس قدر جلد احساسِ ناکامی ہوا ہو۔ عصرِ روزِ عاشور خود عمر بن سعد ملعون رونے لگا، اگلے ہی روز خولی ملعون نے جب ابنِ زیاد ملعون کے سامنے سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مبارک پیش کیا تو اپنے دینی نقصان کا اظہار کیا جس کے نتیجہ میں ابنِ زیاد ملعون نے اسے انعام واکرام سے محروم کردیا، بلکہ اپنی طرف سے اُس کے ساتھ ذلت و بے عزتی سے پیش آیا۔ اس کے صرف دوروز بعد ہی اسی نقصان کا عمر ابنِ سعد ملعون کو بھی احساس ہونے لگا اور حادثۂ کربلا کے ذمہ دار یہ سب افراد ایک ماہ سے کم عرصہ میں ہی ہر طرف سے لعنت و پھٹکار کے مورد ٹھہرائے جانے لگے، حتیٰ کہ یہ سب خود بھی اپنے جرائم کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔

دشمنانِ آلِ رسولؐ کی حماقتیں

دُشمنانِ اہلِ بیتؑ متعدد قسم کی حماقتوں کے مرتکب ہوئے تھے جو سیاسی نوعیت کی تھیں اور انتظامی نوعیت کی بھی۔ ہم نے سابقہ مباحث میں ان حماقتوں اور حالات کا کسی حد تک تذکرہ کیا ہے۔ ہم ان امور کو پھر یاد دلاتے اور انہیں مزید روشن کرتے ہیں:

الف۔ ان حماقتوں میں ایک امیر المؤمنین علیہ السلام کے خاندان اور اُن کے انصار کے بارے میں صحیح واقفیت حاصل نہ کرنا شامل تھا جس سے ایک عظیم معمہ پیدا ہوگیا۔

ب۔ سید الشہداء علیہ السلام کے خلاف مزاحمت، انہیں کربلا اور دیگر مقامات پر لئے پھرنا دوسری حماقت تھی۔

ج۔ تیسری حماقت امام حسینؑ کا جنگ کے لئے راستہ روکنا، جنگ کو اس قدر طول دینا، مظالم کی تفصیل، جنگ کے دوران ظلم اور دہشت انگیزی اور انہیں ان کے ہمراہیوں سمیت پیاسا رکھنا تھا۔

د۔ ایک اور حماقت جو ہمارے نزدیک سب سے بڑا جرم قرار پاتا ہے، یہ ہے کہ خاندانِ رسالتؐ کی شہادت کے بعد پسماندگان یعنی بیوگان و بچگان کو اسیر کیا گیا اور ان کی شہر بہ شہر تشہیر کی گئی، اس حقیقت کو اہمیت دینے اور سمجھے بغیر کہ ان

میں ہر شخص فصیح و بلیغ مبلّغ، بہترین مقرر اور شہدائے راہِ خدا کے پیام کو دنیا بھر میں پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا، یہاں تک کہ ان میں جہاں بھی کسی فرد کو بات کرنے کی فرصت ہوتی تو کوئی ان سے بحث کرنے کے قابل اپنے آپ کو ہرگز نہ پاتا۔

اگر یہ لوگ شہادتِ سید الشہداء علیہ السلام کے بعد ان کے پسماندگان کے ساتھ نرمی و مدارات سے پیش آتے، ان کا ادب و احترام ملحوظِ خاطر رکھتے تو شاید رسوائی کی اس قدر حدود کو نہ پہنچتے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو اپنا مزاحم جان کر قتل تو کر دیا لیکن اس کے بعد چاہئے یہ تھا کہ لاشہ ہائے شہداء کی تکفین و تدفین کرتے، خانوادۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ واپس پہنچا دیتے اور اس تمام واقعہ کی تفصیلات پر مکمل سکوت و خاموشی اختیار کر لیتے۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے ان سب حضرات کو اسیرِ ظلم کیا جو خود اپنے اپنے مقام پر بہترین خطیب تھے، اپنی حماقتوں کی حدود کو نہ سمجھتے ہوئے بھی ان کے لئے خود بھی منبر اور مقاماتِ تقریر فراہم کئے اور عوام الناس کو ان کی تقاریر و خطابت و گفتگو سننے کیلئے جمع کیا۔

عوامی ملامت کی ابتداء

عوام الناس شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے صرف دو دن بعد ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی خطابت سننے کے لئے کوفہ میں بارہ محرم کو جمع ہو گئے اور اس سلسلہ میں انہیں جو کچھ سمجھنا لازم تھا، وہ سب کچھ سمجھ گئے۔ جس چیز نے معظمۂ عالم کی خطابت کو دوام سے ہمکنار کیا، وہ ظالموں اور ستم گاروں کے انتہائے ظلم سے آگاہی تھی جو سننے والوں کے تاسف و شرمساری میں اور زیادہ اضافہ کا باعث تھی۔

لوگ اسی وقت گلوگیرِ گریہ ہو گئے، ہاتھ ملتے، امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں کوتاہی، اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت، نصرتِ حق میں سستی، جہاد میں بے توفیقی اور رکابِ سید الشہداء علیہ السلام میں فیضِ شہادت سے محرومی پر افسوس کناں اپنے آپ کو ہر طرح ملامت کرتے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق شہادت کے بعد والی رات اور اگلے روز گہرے غم و اندوہ کے بادل ان پر چھائے رہے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ رمزِ شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور اُمتِ اسلامیہ کو اس سے جو نقصانِ عظیم پہنچا تھا، اس کی وجہ ان کی فرائض میں کوتاہی اور قضیۂ بیعت تھا۔ اب وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور برا بھلا کہتے تھے کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کیلئے کیوں خطوط لکھے، اُن کو اپنی طرف آنے کی کیوں دعوت دی، پھر جبکہ حضرتؑ کو بلایا تھا اور آپؑ نے ان کی

دعوت کو قبول بھی فرمالیا تھا، پھر کیوں ان کی نصرت میں سرگرمی نہ دکھائی، امامؑ کو کیوں نرغۂ اعداء میں تنہا و بے یار و مددگار چھوڑ دیا، وغیرہ..... نعرہ زن تھے کہ ہائے افسوس امام حسینؑ ہماری بزدلی کی وجہ سے مار ڈالے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہمارے درمیان ہماری ہی تلواروں سے قتل ہوا، ہائے افسوس، ہائے افسوس! کیا اب ہم قیامت کے دن ان کے جدِ بزرگوار کی شفاعت کے امیدوار ہو سکتے ہیں؟ کیا اس ظلم کے بعد اسی دنیا میں انہی ظالم و ستم شعار حکمرانوں کے ماتحت رہ کر ہم کبھی خوشی دیکھ پائیں گے، وغیرہ......

یہ سب سوالات ثانیِ زہراؑ کی خطابت نے ہی ان کے ذہنوں میں ڈالے اور پیدا کئے تھے۔

بنی اُمیہ کے خلاف کینہ و بغض کی آگ

ثانیِ زہراؑ کے خطبات، ان کی حالت وضمیر کی کیفیت کو اس طرح واضح و آشکار کر دینے سے اُن کی اپنی کیفیت اور ان کی حکومت کے کردار سے سب لوگ واقف ہو گئے، غصہ کی آگ اور عوام الناس کے اندرونی کینہ کے شعلے بھڑک اٹھے جس کا نتیجہ حکومت کے خلاف ان کی علی الاعلان نفرت اور بنی اُمیہ پر ظاہر بظاہر لعن تکفیر و تبرا کی صورت صاف نظر آنے لگی۔

کوفہ میں ثانیِ زہراؑ کے خطاب کے دوران ہی صداہائے اشک و گریہ حکومت کے خلاف بلند ہونے لگیں۔ آپؑ کے ہر کلمہ سے سینکڑوں لوگ اور ہزاروں زبانیں غصہ و انتقام و نفرت کے شعلے اگلنے لگیں جنہوں نے بعد ازاں خرمنِ آلِ اُمیہ کو جلا کر رکھ دیا۔

حقائق معلوم ہو جانے کے بعد بنی امیہ کے خلاف نعرے و انتقام کا لاوا اُبل پڑا۔ حالت یہ ہوگئی کہ سردارانِ بنی اُمیہ لوگوں کے غصہ اور حقارت کے خوف سے بہت کم باہر دکھلائی دینے لگے۔ عمر بن سعد ملعون کی تو یہ حالت ہوئی کہ وہ جب بھی کسی کوچہ میں نکلتا تو کوفہ کے بچے ایک دوسرے کو بتاتے اور کہنے لگتے کہ یہی ہے قاتلِ حسین علیہ السلام۔ عمر بن سعد ملعون اب اپنے آپ کو ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا صحیح ترین مصداق قرار دینے لگا۔ اس کے دوسرے ہمراہیوں کی حالت بھی اس سے کسی طرح بہتر نہ تھی۔ خولی ملعون جیسے لوگوں کی نہ تو عوام میں کوئی آبرو باقی تھی اور نہ ہی ان میں اس قدر جرأت تھی کہ ایک بار پھر دارالامارہ تک ابنِ زیاد ملعون ہی کے پاس تک جا سکتے۔

سردارانِ لشکرِ یزید کی باہم لعنت و ملامت

آیئے عوام الناس کی سطح سے باہر نکل کر سردارانِ لشکرِ یزید ملعون و عوام الناس کی کیفیت کا مشاہدہ کریں اور جائزہ لیں کہ

وہ کس حال و کیفیت میں مبتلا ہیں۔ تاریخی حقائق سے یہ سامنے آتا ہے کہ ان کی حالت عام لوگوں سے بہت زیادہ خراب تھی۔ یہ لوگ ایک طرف تو اپنے ضمیر میں شرمندگی و آتشِ احساسِ عذاب میں جل رہے تھے اور دوسری طرف عوام الناس کے شور و ہیجان سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔ لہٰذا کربلا کے قتلِ عام کے بعد یہ لوگ بہت کم عوام کے سامنے آتے، جہاں بھی جانا ہوتا محافظ اپنے ساتھ رکھتے، حتیٰ کہ رات کو بھی ان لوگوں کو سکون و چین کی نیند نصیب نہ ہوتی تھی۔

دربارِ یزید ملعون میں ثانیِ زہراؑ کے کلام نے اس ظالم و جابر حکمرانِ وقت کو اس قدر شرمندہ کیا کہ وہ مجبور ہو کر ابنِ زیاد ملعون کو برا بھلا کہنے لگا، یہاں تک کہ بول اُٹھا کہ پسرِ مرجانہ پر لعنت ہو جو اس تمام کام کا باعث ہے (زینبؑ اُختِ الحسینؑ، ص 44) اور علی الاعلان کہنے لگا کہ میں نے ابنِ زیاد ملعون سے نہیں کہا تھا کہ حسین علیہ السلام کو قتل کرے۔ اُس نے خود اپنی طرف سے یہ کام کیا۔ یہ بھی کہا کہ اگر میں کربلا میں ہوتا تو ہر طرح مرگ و شہادتِ حسینؑ کو روک دیتا اگرچہ اس کام کیلئے مجھے اپنے فرزند ہی کی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے (تاریخِ طبری، ج6، ص265)۔

جب یہ بات ابنِ زیاد ملعون تک پہنچی تو وہ کہنے لگا کہ یزید جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اُس پر لعنت کرے۔ اُس نے خود مجھے قتلِ حسین علیہ السلام کا حکم دیا تھا اور میں اس کی بجا آوری پر اُسی کے حکم سے مامور ہوا تھا۔ یہ لعنت و تکفیر اس کے بعد دوسرے ملاعین کے دامنوں تک بھی پہنچی۔ ان میں ہر شخص کوشش کرتا کہ اپنے آپ کو اس لعنت سے بچائے یا اپنے دامن سے اس خونِ ناحق کو صاف کرے۔

ابنِ زیاد ملعون نے عمر بن سعد ملعون سے کہا کہ وہ فرمان واپس کر جو میں نے تجھے قتلِ حسین علیہ السلام کے لئے جاری کیا تھا۔ وہ فرمان عمر بن سعد ملعون سے گم ہو گیا تھا، اس لئے اس نے کہا کہ وہ فرمان مجھ سے گم ہو گیا ہے اور میرے پاس نہیں ہے۔ جس قدر بھی وہ کہتا ابنِ زیاد ملعون کو اعتبار نہ آتا اور وہ کہتا کہ تو اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو دکھلائے اور کہے کہ قتلِ حسین علیہ السلام کا فرمان میری طرف سے تھا۔ تُو اس طرح مجھے رسوا و ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ جب تک تو وہ فرمان مجھے نہ دے گا، عہدۂ حکومت تجھ کو حاصل نہ ہو گا۔ عمر بن سعد ملعون قسمیں کھاتا کہ وہ فرمان مجھ سے گم ہو گیا ہے لیکن ابنِ زیاد ملعون پر اس کی قسموں کا کوئی اثر نہ ہوتا (الکامل: ج4)۔ اس طرح وہ بھی اپنے آپ میں ''خَسِرَ الدُّنیَا وَالآخِرَۃ'' کا مصداق قرار پایا۔

نتیجہ

عوام الناس اپنے غم و نفرت کا اعلانیہ مظاہرہ کرنے لگے۔ یزید ملعون اور اُس کے طرفداروں کے خلاف عمومی نفرت پھیل

گئی اور انقلاب کی ایک خوفناک لہر ان کے خلاف اٹھنے لگی۔ ظالمین کے اہم نمائندوں نے عوام کے روبرو آنا کم کر دیا تا کہ ان کے خلاف طوفانِ نفرت میں تیزی نہ آتی رہے۔ یزید ملعون جس نے خود ''لعبت بنی هاشم بالملک'' جیسے نازیبا اشعار کہے تھے، اب اہلِ بیتؑ رسولؐ کیلئے شفقت و مہربانی کے سلوک کا اظہار کرنے لگا تھا۔ ظالمین سے اظہارِ بیزاری کی خاطر اب وہ خود لوگوں کی مجالس تشکیل دیتا اور اُن میں سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے پہلو میں بٹھاتا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے قریب رہے تا کہ آپؑ کیلئے احترام کا مظاہرہ کر کے عوام الناس کے غم وغصہ کو کم کر سکے۔ ابنِ زیاد ملعون سے نفرت کا علی الاعلان اظہار کرتا۔ عمر بن سعد ملعون، شمر بن ذی الجوشن ملعون اور دوسرے ملاعین جو اس کی طرف سے اپنی کارکردگی کے صلہ میں انعام و اکرام کے منتظر تھے، انعامات کی بجائے اب اس سے دور ہوتے گئے اور اُن کی یزید ملعون کے ساتھ ہمدردیاں ان کیلئے نکبت وذلت میں بدلتی گئیں۔ اس طرح وہ اپنے انجام کو پہنچتے ہوئے ''والّٰلھُمَّ اشْغَلِ الظّٰالِمِیْنَ'' کا مصداق بن گئے۔ یزید ملعون خود اپنے مقام پر اس قدر مجبور ہوا کہ آتشِ انتقام کو بجھانے اور عمومی ردِعمل کو کم کرنے کی خاطر شام میں امام حسین علیہ السلام کی مجالسِ عزاداری کا اہتمام کرنے لگا، اس نے اہلِ بیتؑ کو اسیری سے رہا کیا اور انہیں شام یا مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کی آزادی دیدی، جیسا کہ ہم اوراقِ تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے قیام کیلئے بالآخر مدینہ ہی کو پسند فرمایا۔

۴۔ تاریخ کا مستقل فیصلہ

اسیری کی مدت کے دوران ثانیِ زہراؑ کا اہم ترین فرض عاشورۂ محرم کے تاریخی واقعات اور مقصدِ سید الشہداءؑ کو صفحاتِ تاریخ بلکہ قلوبِ عوام میں دوام بخشنا تھا۔ لہٰذا آپؑ نے اپنے بیان کو بیانِ حوادث، گفتگو میں بیانِ واقعاتِ کربلا، اپنی مرثیہ گوئی، کربلا کے واقعات وحادثات پر بحث وتنقید کو تاریخ کی زینت بنا کر دوام سے ہمکنار کر دیا۔

بے شمار وقائع نگار اور مورخین اس کوشش میں ہی مصروف نظر آتے ہیں جو واقعۂ کربلا کی ایسے الفاظ میں تشریح واشاعت کرتے رہے جو خاندانِ بنی امیہ کی خوشی کا باعث تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اگر ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا اہم وجود نہ ہوتا تو شاید وہ واقعات کو بہرحال اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جاتے جس سے آلِ اُمیہ کی جواں مردی اور خدمتِ دین کا اظہار ہونے لگتا اور عوام الناس سے انقلابِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے تقدس ومعراج کو چھپانے اور کم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ جس چیز نے اب تک اہالیانِ شام کو جہالت وغفلت کی تاریکی میں رکھا تھا، وہ بنی اُمیہ کے ہوا خواہ مورخین

اور وقائع نگاروں کی مسلسل کوششیں تھیں، شاعروں اور درباری قصیدہ خوانوں کی چاپلوسیاں اور مدح سرائیاں تھیں جن میں خاندانِ امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کیلئے تو کوئی جگہ نہ تھی بلکہ امیر معاویہ کا ایک مجددِ اسلام کے طور پر رکنِ دین کی حیثیت سے تعارف کروایا جاتا تھا۔ ان سب کے مقابلہ میں صرف ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذاتِ اقدس تھی جنہوں نے نہ صرف بنی امیہ کے ماضی کی تاریخ سے پردہ اٹھایا بلکہ ان کی اصلی حیثیت کا عوام الناس کو تعارف کروایا اور بتایا کہ یہ لوگ ''ابن آکلۃ الاکباد'' یعنی مادرِ معاویہ ہندہ جگر خوارہ کی اولاد ہیں جس نے اُحد میں امیر حمزہؑ کا جگر بعدِ شہادت کچا چبایا تھا۔

تاریخ کی تصحیح

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے وجود اور خطابت سے واقعاتِ تاریخ میں تصحیح واقعہ ہوئی۔ پچاس سال کے عرصہ میں یعنی خلفائے راشدین کے دورِ اقتدار میں، جس میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ بھی شامل ہے، شام میں بنی اُمیہ نے اپنے اثر ونفوذ کا مکمل انتظام کرلیا تھا، یہاں تک کہ اُس دور کی جدید نسل کے ذہن حقائقِ اصلی سے کامل طور پر خالی ہو چکے تھے۔ پہلی دو خلافتوں میں لوگ حقائق سے کسی قدر شناسائی رکھتے تھے لیکن ایسے لوگ آہستہ آہستہ بتدریج ختم ہوتے جارہے تھے اور نسلِ نو اُن کی جگہ لیتی جارہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ماضی کے واقعات وحادثات سے بالکل ناواقف تھے، بالکل نہیں جانتے تھے کہ پہلے کیا کچھ ہو چکا ہے اور ماضی میں نوعیتِ واقعات کیا رہی ہے۔ لہٰذا جو صورتِ حالات ان کے سامنے تھی، وہ اسی کو درست تسلیم کئے ہوئے تھے۔ بڑی عجیب اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہی ذہن آنے والی نسل کو منتقل ہوتے جارہے تھے، حتیٰ کہ نئی نسل کے نزدیک یہی حالات ابتداء ہی سے اس طرح چلے آرہے تھے۔

ان حالات میں ثانیِ زہراؑ نے جو عظیم ترین کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں آپؑ کا تاریخ کی تصحیح کے لئے اقدام بھی شامل اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ آپؑ کی ہستی سے لوگوں نے جانا کہ تاریخ بالکل غلط و فاسد لکھی گئی ہے۔ جو لوگ برسرِ اقتدار آئے وہ تمام حالاتِ مابعد کیلئے ذمہ دار تھے اور انہوں نے واقعات کو یہ سمجھ کر تشکیل دیا تھا کہ وہ اسلام ہی کو اپنی اولاد و ماتحت جانتے تھے اور ہرگز نہ چاہتے تھے کہ اسلام ان کی کشمکش کے اعتبار سے ضعیف ہو یا اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے لوگوں کو خبردار کیا کہ بنی اُمیہ بنیادی طور پر طلقاء یعنی آزاد شدہ غلام ہیں۔ یہ لوگ اُن احادیث کی بنیاد پر جن کو اہلِ سنت حضرات نے بھی بیان فرمایا ہے، یہ حق ہی نہیں رکھتے کہ اسلام کے بلند و پست یا کسی طرح کے کلیدی مقامات پر قبضہ کریں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے اقتدار کی ممانعت فرمائی تھی اور اسلام کی تاریخ میں

خود اپنے اثر و اختیار کو دوام بخشتا تھا۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی تبلیغ

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی تبلیغ کیلئے خود اپنے مقرر کردہ عنوانات ہی کو سامنے رکھا۔ آپؑ جانتی تھیں کہ کہاں کیا بات کرنا موزوں و مناسب ہے، خطابت کس جگہ اور مرثیہ سرائی کو کہاں اختیار کرنا چاہیئے۔ فطرت و عقلمندی کی باتیں آپؑ کے دہنِ مبارک سے دریا کے پانی کی طرح رواں ہوتیں جن میں تمام ضروری اور مستقل طور پر باقی رہنے والی باتیں بیان ہوتیں۔

آخر ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی تبلیغ ثمر آور ثابت ہوئی۔ آپؑ کے پیغامات کامل طور پر اشاعت پذیر ہوئے۔ کہنے والی تمام ضروری باتیں آپؑ نے برملا کہہ ڈالیں اور کسی موقعہ پر کسی کہنے کے قابل بات کو آپؑ نے دشمن کے خوف یا جھجک کے باعث ناگفتہ نہ رہنے دیا۔ ان مواقع میں ابنِ زیاد ملعون و یزید ملعون جیسے جابروں کے دربار، مسلح افسرانِ فوج اور جلادوں کی موجودگی سب شامل ہیں، حتیٰ کہ سید الشہداء علیہ السلام کی قتل گاہ بھی، جو ملاعین کے نیزہ برداروں کے گھیرے میں تھی۔

مقررین و مؤرخین، شاعروں اور مرثیہ نگاروں نے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے پیغام کو دُور و نزدیک پہنچایا جن سے تمام بلادِ اسلامیہ میں روحِ بیداری و آثارِ انقلاب پیدا ہوئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان پیغامات و خطبات کے اثر سے ہر طرف آثارِ انقلاب نظر آنے لگے، ہر قسم کی بے چینی و نشرِ واقعاتِ کربلا کے مراکز قائم ہو گئے اور لوگ بنی اُمیہ کے خلاف کھلم کھلا اُٹھنے لگے۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے جذبۂ ایثار کے سایہ میں تاریخِ عاشورۂ محرم ۶۱ھ نہایت شان و شوکت اور جوش و خروش کے ساتھ اُبھری۔ اس تاریخ کے صفحات پر سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ کے انصاران کے کوفی مجاہدات نے مستقل و اَنمٹ نقوش قائم کر دیئے۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حسینؑ مظلوم کا ہدف و مقصد کس بلندی کا حامل تھا۔ دنیا بھر نے جان لیا کہ اس نذرانہ خون کا مقصد و ہدف صرف اپنے ذاتی مقام کو بلند کر کے دکھلانا تھا یا اس سے اعلائے کلمۃ الحق تھا جس کے پرچم کے سایہ میں بنی نوعِ انسان کی سعادت مضمر ہے؟ یہی وجہ تھی کہ جب عوام الناس کو نوعیتِ واقعہ سمجھ میں آ گئی تو وہ اپنے سر و سینہ کو پیٹنے اور اشک و نالہ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُشمن کی سزا

دُشمن چاہتا تھا کہ نہ صرف چراغِ حسینؑ بلکہ چراغِ اسلام ہی کو بجھا دے لیکن وہ تو آیۂ مبارکہ ''وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ'' (الصف:8) کا مصداق بن گیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ سید الشہداء علیہ السلام کے قتل اور اُن کے خانوادہ کو

اسیر بنا کر نورِ خدا کو بجھا ڈالے گا لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور اُس کی سیاہ کاریاں اور زیادہ نمایاں و آشکار ہوتی گئیں۔ پھر دشمن کا خیال تھا کہ اسیرانِ آلِ محمدؐ کی شہر بہ شہر تشہیر اور نوک ہائے نیزہ پر سرہائے شہداء کی نمائش سے لوگوں کی مختلف باتوں میں انہیں مرعوب کرلے گا، لیکن اس کے برعکس اس کی بغاوت و کارگزاریٔ گناہ اور بھی لوگوں پر آشکار ہوتی گئی اور اس مسلسل تشہیر سے قاتلانِ حسینؑ کا کردار زیادہ سے زیادہ واضح و آشکار و بے نقاب ہوتا گیا۔ خود اپنے دور میں تو وہ عوام کو کسی حد تک مرعوب و خاموش کر سکے لیکن یہ روداد ہمیشہ کیلئے خاموش نہ ہو سکی۔ یہ لوگ نیک اقدارِ انسانیت پر پردہ ڈالنے میں ہر طرح کوشاں رہے لیکن اس عظیم واقعہ کو ہمیشہ کے لئے دبا دینا ان کے بس میں نہ رہا۔ باطل ہمیشہ پانی کے چھینٹے کی مانند ہوتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن اس میں جو باقی رہ جاتا ہے، وہی آبِ خوشگوار ہوا کرتا ہے۔

عدو شود سببِ خیر

کربلا کا حادثۂ قتلِ عام اولادِ رسولؐ و انصارانِ دین اپنے اختتام کو پہنچ گیا، لیکن اس کے اثرات نہ صرف یہ کہ آج تک زندہ و موجود و دائم ہیں بلکہ انسانیت کے مستقبل میں ہمیشہ روشن تر و واضح تر مستقل طور پر موجود و قائم رہیں گے۔ جس دن نواسۂ رسولِ خدا امام حسینؑ کو مظلومانہ طور پر شہید کر رہے تھے، ثانیِ زہراؑ جب کوچہ و بازار، میدانوں اور درباروں میں علیؑ کی عظیم خطابت کے نمونے دکھا رہی تھیں اور اُس خونِ ناحق کے خلاف احتجاج اور قربانیِ اعظم کی نقابت کر رہی تھیں، تو کون تصور میں لاسکتا تھا کہ اس کے آئندہ اثرات کیا ہوں گے!

اب یہ 1420ء ہے، یعنی واقعۂ کربلا کو، سادات کے قتلِ عام کو ایک ہزار تین سو اُنسٹھ برس گزر چکے ہیں۔ آج دُنیا بھر میں کتنے منبر، کتنی امام بارگاہیں، ثانیِ زہراؑ کی کتنی یادگاریں، کتنے واعظ و مداحانِ اہلِ بیتؑ، کتنے مرثیہ خوان و مرثیہ نگار، کتنے مواعظِ تبلیغ، کتنی مجالس و نیازیں قائم ہو چکیں، جو سب اُسی روزِ عاشور کی برکات کا نتیجہ ہیں!

علیٰ ہذا القیاس کتنے احتجاج، کتنے معرکے، کتنی صداہائے بازگشت، کتنے ایثار برائے شہدائے مظلوم، ظلم کی کتنی رُسوائیاں، ظالمین ذمہ دارانِ واقعہ کی کتنی بدبختی، باطل پرستوں کی کس قدر رسوائی ہو چکی ہے، ہو رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی! یہ سب کچھ دونوں بھائی بہن، حسین و زینب علیہما السلام کی بدولت ہے جس کی اثر آفرینی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اسی طرح قائم و دائم رہے گی!

۴۔ دوامِ ذکرِ حسین علیہ السلام

کربلا کی ریتلی زمین پر جو پاکیزہ و معصوم خون بہا، وہ زمین کے ذرہ ذرہ میں پہنچا اور تمام سطحِ زمین کو رنگین کر گیا۔ اس خونِ ناحق نے ہر جگہ جوش مارا اور اُس دن سے لیکر ہر زمانہ میں اس خون نے دوام پایا۔ جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے سید الشہداء علیہ السلام کے پیغامِ فداکاری کا پرچم بلند کر کے اس پیغام کو بنی نوعِ انسان کے ہر فرد کے کانوں تک پہنچا دیا۔ اس طرح اُس معظمۂ کونین نے آئندہ کی تمام نسلوں کے لئے ظلم کے خلاف انقلاب و احتجاج کی بنیادوں کو مستقل طور پر قائم کر دیا، بنی نوعِ انسان کو سبق دیا کہ احتجاجِ حقیقی میں ان کا حملہ نہایت تیز و گرم ترین الفاظ میں ہونا چاہیئے، سننے والا اور مقابل خواہ کوئی بھی ہو!

بدنصیب، نابکار دشمن ہرگز نہ جانتا تھا کہ یہ خونِ ناحق جو وہ بہا رہا ہے، کیسے کیسے بیجوں کی آبیاری کرے گا، یا بقولِ ثانیِ زہراؑ سنگدل دشمن کو معلوم نہ تھا کہ یہ خود اپنا مقام پیدا کرے گا (خطباتِ زینبؑ کبریٰ در کوفہ و شام)۔ تاہم دُشمنِ ظلم خو اور کینہ جُو نے شیعانِ آلِ رسولؐ کے دلوں میں خون بہایا اور ثانیِ زہراؑ کے الفاظ میں جگرِ رسولِ اکرمؐ کو جلا کر رکھ دیا (خطباتِ زینبؑ کبریٰ در کوفہ و شام)۔ دوسرے لفظوں میں ظالم و ستمگر دشمنوں نے اپنی قبریں خود ہی کھود ڈالیں اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی نابودی کا اہتمام کر لیا۔

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظیم صاحبزادیؑ نے تو اپنی اسیری و مجبوری میں کوفہ و شام کے درباروں، بازاروں اور اجتماعات میں، کوفہ و شام کے راستوں میں امام حسین علیہ السلام اور خاندانِ علی و فاطمہ علیہما السلام کی شہادتوں کا مکمل جان داری سے دفاع کیا جس سے تمام فرسودہ افکارِ ماضی کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا، بلکہ عوام الناس کے قلوب میں نورِ ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے۔ یہی نہیں بلکہ معظمۂ عالیہ نے اپنی گفتگو اور علم سے ان کے فکر میں ان، جذبات میں ہیجان اور نورِ بینا پیدا کر دیا، ان میں ظلم و ستم کے مقابلہ کے حوصلہ کو جنم دیدیا اور ہر قلب و ذہن میں مقابلۂ ظلم کی راہ ہموار کر دی۔

نعرۂ انقلاب

عوام الناس کی ناراضی، غم اور غصہ کے اظہار کی ابتداء نعرہ ہائے انقلاب، دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے خلاف نفرت، خاندانِ رسالتؐ سے وفاداری و محبت و عقیدت سے ہوئی۔ ان نعرہ ہائے انقلاب نے لوگوں کے شعور کو بیدار کیا جس کے باعث جمع ہو کر جماعتوں کی شکلیں بننے لگیں جنہوں نے ظلم و ظالم کے خلاف بغاوت و انتقام کی شکل پیدا کی۔ ایک راوی کے مطابق اس مقصد

کے لئے بہت سے نعرے درودیوار پر نظر آنے لگے جو بعدازاں زبان زدِ خلائق ہوتے گئے۔ ان میں چند ایک نعرے اس طرح کے تھے:

قاتلانِ حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟

لوگو! انتقامِ خونِ ناحق کی تیاری کرو؛

قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینا ہمارا حتمی ہدف ہے؛

انتقام لینے کیلئے تیار ہو جاؤ؛

اسیرانِ آلِ رسولؐ کا قافلہ جو جنگی قیدیوں کی شکل میں اس شہر سے گزرے گا، وہ ہمارے لئے باعثِ صداحترام ہے؛

اس شہر کے ہم سب کے سب باشندگان شہادتِ حسینؑ کے سوگوار ہیں؛

شہادتِ حسینؑ کے سلسلہ میں یعنی اس کے حق میں احتجاج، وغیرہ وغیرہ۔

چھوٹے چھوٹے مختصر نعرے لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر سنائی دینے لگے، مثلاً ''یالثارات الحسینؑ'' (اے خونِ حسینؑ کے دعویٰ دارو!)۔

فطری امر ہے کہ یہ سب نعرے اور سخن ہائے احتجاج انتقام اور انقلاب کے داعیوں کی زبانوں پر روز بروز بڑھتے جارہے تھے اور دن بہ دن ان سے حکمرانوں اور ہوا خواہانِ بنی امیہ کی وحشت و سراسیمگی و اضطراب میں اضافہ ہورہا تھا۔ لہٰذا کیفیت یہ پیدا ہورہی تھی کہ جو لوگ اس تحریک کے مستقبل سے آشنا تھے، اُن کی کوشش تھی کہ اپنے آپ کو ہر ممکن حد تک اقتدار و اختیار سے دور رکھیں اور عوام الناس کے نزدیک آنے کی کوشش کریں۔

تحریکِ عام اور احتجاجِ عوام

واقعۂ کربلا اور سادات کے قتلِ عام کو پانچ برس گزر گئے۔ اس عرصہ میں لوگوں نے کیا کچھ کیا، بذاتِ خود ایک مستقل سوال ہے جس میں عمیق تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس مدت میں نعرے بلند کرنے یا درودیوار پر نعرہ ہائے انقلاب ثبت کرنے سے بہت آگے بات نکل گئی اور اجتماعات وصدا ہائے احتجاج نے ان کی جگہ لے لی۔ عوام الناس نے ایک مستقل تنظیم کی شکل اختیار کی اور تحریک شروع کرنے کے اہتمام اور عہد و پیمان ہونے لگے۔ بعض لوگوں نے تو باقاعدہ اعلانِ قیام کردیا، اگرچہ مکمل حمایت نہ پاکر لقمۂ شمشیر ہی ہوگئے (جیسا کہ توابین کی جماعت کا حشر ہوا)۔ ان حالات میں کچھ لوگوں نے زیرِ زمین تحریک بھی شروع کی،

تاہم ہر حالت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اجتماعات خطابتِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا سے پہلے شروع نہیں ہوئے تھے، اگر چہ ان میں شامل تمام لوگ انہی خطبات سے متحرک ہوئے تھے۔

اس عرصہ میں یزید ملعون اس دنیا سے راہیٔ دارِ فنا و عازم سفرِ آخرت ہوا اور اس کا بیٹا معاویہ ثانی اس کی جگہ تخت نشین ہوا جس نے تحریکِ انتقامِ خونِ حسینؑ کے نتائج کے خوف سے دو تین ماہ ہی میں حکومت و اختیار سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ حکومت اب اس قدر ذلیل و رسوا ہو چکی تھی کہ کوئی شریف انسان اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ لوگ سوچتے تھے کہ ایسی پستی و ذلت کو شریف انسان کس طرح اختیار کر سکتے ہیں اور اس سے انہیں کیا ملا، کہ جس کی خاطر امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی کو شہید کر دیا گیا؟

قاتلانِ حسینؑ کی سرگزشت و انجام

ہم 65 ہجری میں کوفہ کے شہر میں بہت بڑے قتلِ عام کا منظر دیکھتے ہیں۔ یہ قتل و غارت توابین کی جماعت سے پہلے سیدؑ الشہداء اور ان کی اولاد کے قتل کے انتقام میں نہیں بلکہ خونِ حسین علیہ السلام بہانے کے خلاف واقع ہوئی جس کے نتیجہ میں چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام سے دو سو اسی افراد، جو میدانِ کربلا میں موجود تھے، مار ڈالے گئے جن میں قیس بن اشعث، حصین بن نمیر، شیث بن ربعی اور شمر ملعون جیسے سردارانِ فوج شامل تھے (تاریخِ طبری)۔

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا تھا، وہی بد بخت جنہوں نے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کے ہمراہیوں کو آزردہ کیا تھا، ان کی حالت اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ یہ ملاعین بے یار و مددگار بے چارگی کے عالم میں ہر طرف بھاگتے پھرتے تھے اور جو کوئی بھی ان میں سے لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا، اس کو پکڑ لیتے، اُسے مار ڈالتے اور بازار میں اس کے قتل کی خبر مشہور ہو جاتی۔ ہر روز اس قسم کی خبریں گشت کرتیں کہ فلاں مارا گیا اور فلاں گرفتار ہو گیا۔

لوگ اس قدر غم و غصہ میں تھے کہ قاتلانِ حسینؑ کو دردناک انجام تک پہنچاتے، مثلاً کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتے اور اسی طرح چھوڑ دیتے، کسی کو زندہ نذرِ آتش کر دیتے، کسی کی گردن گوسفندِ قربانی کی طرح کاٹ دیتے، کسی ایسے شخص کو جس نے سید الشہداء علیہ السلام کو تیر مارا ہوتا، اتنے تیر مارتے کہ اس کا جسم چھلنی ہو جاتا، کسی کو زمین پر لٹا کر پتھروں سے اس کا سر ریزہ ریزہ کر دیتے، حتیٰ کہ وہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر فی النار ہو جاتا۔ بہ الفاظِ دیگر شعلۂ انتقام اپنے عروج پر تھا، یہاں تک کہ بعد میں بنی اُمیہ کے تڑپتے ہوئے نیم جان لاشوں پر دستر خوان بچھایا گیا اور اس پر کھانے کیلئے لوگ جمع ہوئے (بنی عباس)۔

جماعتِ توابین

عاشورۂ محرم الحرام کو اہلِ بیتِ رسولؐ اکرم کے میدانِ کربلا میں قتلِ عام کے بعد عوام الناس کی ایک جماعت کا غم وغصہ اس انتہا کو پہنچا کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنی جانیں قربان کر ڈالیں اور ان کی توبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح ہی قبول ہو سکے گی جن پر موت کو خود اپنے ہاتھوں مسلط کیا گیا تھا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"فَتُوبُوٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ". (بقرہ: 54)

یعنی "پس اپنے رب کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے"۔

توابین کی جماعت وہ ہے جنہوں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی امداد نہ کرنے کا گناہ صرف اسی طرح بخشا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی جانیں دینے کا اقدام کریں۔ چنانچہ ان کے نعروں نے کوفہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ سب لوگ کوفہ میں شیعانِ علیؑ کے سربراہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابی جنابِ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر پر جمع ہوئے، اپنی کوتاہیوں کا اقبال کیا اور مصمم ارادہ کیا کہ اس گناہ کو اپنے دامن سے دور کر کے رہیں گے۔

چنانچہ اس جماعت کے سب لوگ اکٹھے ہو کر کربلا میں جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی قبرِ مطہر کی جانب روانہ ہوئے، اسی کیفیت میں مندرجہ بالا آیتِ قرآنِ مجید (بقرہ: 54) کی تلاوت کرتے ہوئے قبرِ مبارک پر پہنچے، قبرِ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوئے، گریہ و ماتم میں مشغول ہوئے، قبرِ مبارک پر مناجاتِ پروردگارِ عالم ادا کی اور دعا کی کہ خداوندا! ہماری توبہ کو قبول فرما کہ ہم نے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا، ہمارے اس گناہ سے درگزر فرما کہ اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا تو ہم بدبخت و گنہگار قرار پائیں گے۔

یہاں انہوں نے خود آپس میں اور سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ عہد کیا کہ قاتلانِ حسین علیہ السلام سے جنگ کریں گے اور اپنے خون کے آخری قطرے تک ان سے لڑیں گے۔ اس کے بعد تلواریں سونت کر قبرِ مبارکِ امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر حضرتؑ کے قاتلوں کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ جماعت قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کے مقابلہ پر صف آرا ہوئی، ان کو دردناک طور پر قتل و غارت کیا اور اپنی جماعت کے آخری فرد تک اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے قتل ہو گئے۔

✿✿✿

ا۔ شمعِ پُرسوز

تاریخِ اسلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا تاریخِ اسلام کی اہم ترین فرد ہیں۔ یہ وہ ممتاز و کامیاب ترین ہستی ہے جو اپنے فرض کی ادائیگی میں ایمانِ کامل اور عقیدۂ مستقل کے ساتھ گامزن ہے۔ یہ وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے کردار کی استقامت سے نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تاریخِ انسانیت کو از سرِ نو تحریر فرمایا۔

واقعۂ کربلا، بلکہ یوں کہہ لیں کہ (جسٹس سید امیر علی مرحوم کی زبان میں) کربلا کے قتلِ عام کے بعد آپؑ کی عمر زیادہ نہیں ہوئی۔ لیکن یہ سب عرصہ برکات سے پُر تھا۔ آپؑ نے لاتعداد آثارِ جاودانہ اوراقِ تاریخ پر ثبت فرمائے، بے شمار ایسے اسباق عالمِ انسانیت کو تعلیم فرمائے جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا۔ یہ اسباق فرض شناسی، عبادتِ پروردگار، وفاداری و تقویٰ، شہید پروری و حق گوئی، بنی نوعِ انسان کے اخلاق جیسے موضوعاتِ جلیلہ پر مشتمل ہیں۔

ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کی پوری زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا جب اتنے شدید قسم کے ہجومِ آلام کے باوجود اُن فرائض کی بجا آوری میں، جو آپؑ کے ذمہ تھے، آپؑ نے کسی قسم کی کمزوری یا سستی کا مظاہرہ کیا ہو۔ ایک لمحہ کیلئے بھی آپؑ نے اپنے آپ کو اپنی فطری نورانیت کی شعاعوں کے پھیلنے یا فروغِ انسانیت سے نہیں روکا۔ تمام عمر راہِ پروردگار میں عبادت گزاری میں بسر کی اور اپنی پوری ہستی کو انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار کے احیاء میں صرف کر دیا۔ طولِ تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی عظیم خاتون آپؑ کے اور آپؑ کی مادرِ گرامی سلام اللہ علیہا کے سوا نظر نہیں آتی۔

ثانیٔ زہراؑ کے مصائب و آلام

ہم اس سلسلہ میں قبل ازیں انہی اوراق میں عرض کر چکے کہ اپنے فرائض کی ادائیگی، اپنی ہمت و سعی کی راہ میں ثانیٔ زہراؑ کو بے انتہا مصائب و آلام برداشت کرنا پڑے۔ کس کس مصیبت و غم کو بیان کریں! سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کی شہادتیں، اپنے دوسرے بھائیوں کی شہادتوں کے صدماتِ جاں سوز، اپنے جوان صاحبزادوں کی شہادت، اسیری کی مصیبت، بھوک و پیاس، سید الشہداء علیہ السلام جیسے بھائی کی مفارقت، دشمن کے انسانیت سوز مظالم، دُرّے کھانا، بچوں کے صدمات، غارتِ خیام، ان کی آتش زدگی اور ان سب پر مستزاد دشمن کی زبان سے لگائے جانے والے زخم!

کیسے ممکن ہے کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا پر کئے گئے مصائب و مظالم کا ہمارے ذہن اندازہ لگا سکیں! کیسے ممکن ہے کہ زینبؑ کبریٰ کے حالاتِ زندگی کا احصاء کرسکیں! ایک عام ذہن کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ معظمہؑ کونین کے درد کو محسوس کر سکے جبکہ درد جسمانی بھی ہے، ذہنی بھی اور روحانی بھی! صرف ایک واقعہ ہی کو لے لیجئے اور توسنِ خیال کو مہمیز کر کے گرمیٔ احساس کی شدت کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے! خرابہٴ دمشق میں ثانیِ زہراؑ کی بھتیجی، سید الشہداء علیہ السلام کی لاڈلی صاحبزادی، باپ کے سینہ پر سونے والی رقیہ (سکینہؑ) کی المناک رحلت! تاریک رات ہے، بے سروسامانی کا عالم ہے، کفن کیلئے کپڑا میسر نہیں، ان حالات میں غم کے بے حساب تاثر کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں اور پھر اندازہ لگائیں کہ مخدومہٴ عالم کے صبر و تحمل و برداشت کا معیار و موقعہ و مقام کیا ہے!

عاشورہ کے دن سے اسیری کے اختتام تک دو ماہ سے زیادہ (یہاں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو اشتباہ ہوا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور مورخین کے نزدیک کربلا سے شام اور پھر رہائی کے بعد کربلا واپس پہنچنے کا عرصہ کسی طرح نو ماہ سے کم نہیں بنتا) عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن زینبؑ عالیہ اپنے آپ پر بظاہر غم و آلام کو حاوی کئے بغیر اپنے اندر بالکل ٹوٹ پھوٹ گئیں، لیکن اپنے صبر و قرار کو اس حد تک ہاتھ سے نہ جانے دیا کہ دشمن کے سامنے اشک ریز ہو جائیں، تاہم ان تمام اندوہ و آلام اور ذمہ داریوں نے معظمہؑ کو بالکل ضعیف کر ڈالا، سرِ مبارک کے بال سفید ہو گئے بلکہ روایت تو یہاں تک ہے کہ مدینہ واپسی پر آپؑ کے شوہر جنابِ عبداللہ ابنِ جعفرِ طیار بھی آپؑ کو پہچان نہ پائے اور پوچھنے لگے کہ کیا آپ ہی 'زینبؑ' ہیں؟

ثانیِ زہراؑ کا موقع و مقام ظاہری

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا اپنی خاندانی زندگی میں کسی وقت، کسی طرح بھی بے چارگی و بے بسی سے دوچار نہ تھیں۔ آپؑ ہرگز ہرگز ایسی زندگی کی خوگر نہ تھیں جو درد و غم سے مملو ہو۔ آپؑ کا اپنا گھر اور پُرسکون زندگی تھی، اپنی حیاتِ عالیہ میں ہر طرح سرگرم و مطمئن تھیں، شان و شوکت کی مالک تھیں جو ہر طرح ایک مطلق العنان شہزادی کے شایانِ شان ہو، چاہنے والا شوہر رکھتی تھیں، صاحبِ اولاد تھیں، زندگی کی ہر آسائش آپؑ کو حاصل تھی، لیکن وقت آنے پر یہ سب کچھ آپؑ نے راہِ خدا میں قربان کر دیا۔

آپؑ کی حیاتِ مقدس ایک شمع کی مانند تھی جو ماحولِ حیات کو زیادہ سے زیادہ روشنی دینے کے لئے تیزی سے جلتی اور اپنے اختتام کو پہنچنے لگتی ہے۔ یہی مثال اچھی طرح آپؑ پر صادق آتی ہے کہ آپؑ نے بھی جلد ہی اس عالمِ فانی کو خیر باد کہا۔ واقعہٴ

کربلا کے بعد اپنی پوری ہمت وقوت کے ساتھ آگے بڑھیں 1، اپنی پوری ہستی کو اپنی سعی میں صرف کر دیا و راس طرح خرابۂ دمشق سے رہائی کے بعد آپؑ چند ماہ سے زیادہ زینت دہِ حیات نہ رہ سکیں۔

سیدہ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا کی موجودہ ناسازگاریٔ حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ سامنا ایسے جاہل و غافل لوگوں سے ہے جن کا روزِ حساب پر ایمان ختم ہو چکا ہے اور وہ مال و عہدوں کے لالچ وہوس میں فرزندِ رسولؐ الثقلین کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت آپؑ کو اندر ہی اندر ختم کرتی چلی گئی، آتشِ غم اندر ہی اندر آپؑ کو جلاتی رہی، اسی آتشِ درونی نے کمرِ مبارک کو جھکا ڈالا، جسم کو بالکل لاغر کر دیا، حتیٰ کہ قوتِ جسمانی جاتی رہی، لیکن روحانی طور پر اب بھی حالات ومظالم کا مقابلہ کرنے کی پوری ہمت وتوانائی حاصل رہی۔

ثانیِ زہراؑ کے سفر کا دوام

عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور طویل اسیری ومصائب سے واپسی کے بعد ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ایک طویل عرصہ تک آرام فرمائیں گی اور اپنی مساعیٔ دینی کو ملتوی رکھیں گی۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہو رہا تھا کہ آپؑ کی جسمانی تندرستی وتوانائی انتہا سے زیادہ لاغری میں بدل چکی تھی اور آپؑ ظاہری طور پر بھی بہت کمزور وضعیف نظر آتی تھیں۔ لیکن اس طرح کے گمان کے برعکس زمانہ نے دیکھا کہ زینبؑ کبریٰ ہرگز آرام طلب خاتون نہیں ہیں۔ آپؑ کو ہرگز اس احساس کی ضرورت نہ پڑی کہ اب آرام وسکون سے زندگی بسر کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس سید الشہداء علیہ السلام کے عظیم پیغامِ شہادت کی تبلیغ کو آپؑ نے قطعی طور پر اپنی زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری تصور فرمایا۔ آپؑ کا قلبِ حزیں لوگوں کی طرف سے غم واندوہ کے شعلوں سے روشن تھا۔ آپؑ چاہتی تھیں کہ ان شعلوں کو روشن رکھیں اور اُن حقائقِ دینی کو جن کی خاطر معظمۂ عالیہ کے والدین شریفین، بھائیوں، تمام عزیزوں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور جن کی تبلیغ کی ذمہ داری آپؑ کے کاندھوں پر تھی، عوام الناس کے کانوں تک پہنچا کر، بلکہ ذہن نشین کروا کے انہیں اچھی طرح اسرارِ دین سے آشنا کریں۔

دین کی تبلیغ کی اس ذمہ داری واہمیت کے پیشِ نظر ثانیِ زہراؑ نے مدینہ میں صرف اس لئے اور اس قدر قیام فرمایا کہ انقلاب کی بنیاد رکھ سکیں اور اہالیانِ مدینہ کو ان حقائق سے آشنا کریں جو آپؑ پر گزر رہے تھے۔ اس کے بعد ایک اور فرض آپؑ نے

1۔ اسی موقعہ کیلئے کہا گیا:

نقیبِ فتحِ شہِ مشرقین بن کے اُٹھی
نہ تھے حسینؑ تو زینبؑ حسینؑ بن کے اُٹھی

اپنے ذمہ لیا جو یہ تھا کہ مدینۂ رسولؐ کے باہر دیگر مقامات کا سفر اختیار کر کے خونِ ناحق سید الشہداء علیہ السلام کے پیغام اور تفصیلات وحقیقتِ شہادت کو عوام کے کانوں تک پہنچائیں۔ اس ضرورتِ دینی کے تحت معظمہؑ عالم نے ایک اور سفر اختیار فرمایا جو آپؑ کی حیاتِ طاہرہ کے ہدف کے عین مطابق تھا۔

پیغامِ شہادت کی ابتداء اور اس کا انجام

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذمہ داریٔ تبلیغ پیامِ خونِ حسینؑ روزِ عاشور سے شروع ہوئی، عین اس وقت جب سید الشہداء علیہ السلام نے امورِ امامت کو اپنی عظیم بہن کے سپرد کیا تھا اور اہلِ بیتِ رسولؐ سے حضرتؑ آخری رخصت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد پے در پے جو واقعات پیش آئے وہ شہادتِ سید الشہداء علیہ السلام، آتش زدگیِ خیامِ آلِ رسولؐ، پسماندگان کا قتل گاہ میں ورود اور لاشِ حسینؑ سے وداعِ آخری پر مشتمل ہیں، جبکہ جسدِ پاکِ نواسۂ رسولؐ سے آخری وداع اس حالت میں تھا کہ وہ جسدِ پاک ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔

قتل گاہِ سید الشہداء علیہ السلام میں آپؑ کے سامنے دو باتیں یا دو پیمان تھے؛ ایک سید الشہداء علیہ السلام کیساتھ جن کا یہ آخری دیدار تھا؛ دوسرا جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان الفاظ میں:

"هٰذا حُسَيْنُکَ مَرَمَّلُ بِالدِّ ماء، مُقَطَّعُ الْاَ عْضاءِ، وَبَناتُکَ سَبایاً".

یعنی "اے اللہ کے رسولؐ! یہ ہے آپ کا پیارا حسینؑ جو خود اپنے خون میں غلطاں ہے، جس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے اور آپؐ کی بیٹیاں اسیر ہیں" (مناقب، ج۴، ص۱۱۳)۔

اس طرح آپؑ نے اپنی تبلیغ کی ابتداء کا اعلان فرمایا اور لاشِ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ عہد باندھا۔ اس پیغامِ تبلیغ کا انجام اور اختتام اسیری سے واپسی پر مدینہ میں پیغمبرِ اکرمؐ کے مزارِ مقدس پر واقع ہوا جب معظمہؑ نے قبرِ رسولؐ پر پہنچ کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! میں اسیری سے واپس آ گئی ہوں اور آپؐ کیلئے آپؐ کے نورِ نظر حسینؑ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔

(یا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّی ناعِیَةُ اِلَیْکَ اَخِی الْحُسَیْنُ)(ریاض الشریعه، ج۳، ص ۲۰۴).

حقیقت یہ ہے کہ ثانیِ زہراؑ نے کب امام حسین علیہ السلام کے پیغام کی تبلیغ کو ختم کیا، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپؑ نے اپنا آخری پیغام اپنے بسترِ مرگ پر دیا، اُس وقت جب آپؑ نے اپنی جانِ عزیز جانِ آفریں کے سپرد کی۔

۴۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ زندگی بھر آپؑ کو بہت زیادہ اور کئی نوعیت کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپؑ نے جو کارِ تبلیغ برائے خونِ ناحق اپنے ذمہ لیا تھا، وہ انجام پا چکا تھا۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد آپؑ کے زمانۂ وفات کے بارے میں مؤرخین اختلاف کا شکار ہیں۔ بعض مؤرخین واقعۂ کربلا کے بعد آپؑ کا عرصۂ حیات ایک سال پانچ ماہ، بعض دو سال پانچ ماہ، بعض کم و بیش چار سال بیان کرتے ہیں (عمر رضا کَحالَۃ، ص 501) لیکن بیشتر معتبر تر اسنادِ تاریخ کے مطابق یہی بات سب سے زیادہ قابلِ اعتبار اور قرینِ درایت ہے کہ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپؑ صرف ایک سال پانچ ماہ زندہ رہیں اور اس کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا سنِ وفات و تاریخ

اس سلسلہ میں بھی روایات و اسنادِ تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپؑ کی تاریخِ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا ہی اختلاف آپؑ کی تاریخِ وفات میں بھی ہے۔

اگر مشہور روایات کی بنا پر آپؑ کا سنِ ولادت 6ھ اور تاریخِ وفات بعض راویان کے خیال کے مطابق ۱۵ رجب ۶۲ھ تصور کیا جائے تو اس حساب سے حضرتؑ کا سنِ مبارک بوقتِ وفات چھپن (۵۶) سال بنتا ہے یعنی سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپؑ کی عمر پچپن (۵۵) سال سے بھی کسی قدر کم معلوم ہوتی ہے۔ ایسا اس وقت ہی ممکن ہے جب آپؑ کی وفات ۶۵ھ میں واقع ہوئی ہو جیسا کہ بعض راویوں نے روایت کی ہے۔ تاریخِ وفات بھی بعض لوگوں نے ۱۵ رجب کی بجائے ۱۴ رجب قرار دی ہے اور وہ لوگ معتقد ہیں کہ حضرتؑ کی وفات شبِ یکشنبہ میں واقع ہوئی۔ تاہم آپؑ کی وفات ماہِ رجب کے نصف ہی میں متفقہ طور پر تسلیم کی گئی ہے۔

مقامِ وفات و محلِ دفن

ثانیِ زہراؑ نے کس جگہ دُنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ فرمایا اور آپؑ کا مزارِ اقدس کہاں واقع ہے، اس بارے میں بہت سی بحثیں وجود میں آئی ہیں جن میں اہم ترین ہم آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں۔ تاہم اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ثانیِ زہراؑ نے جس جگہ بھی وفات پائی، اسی جگہ آپؑ کو سپردِ خاک کیا گیا اور پھر وہیں آپؑ کا مزار بنا۔

الف۔ مدینہ منورہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا نے مدینہ میں وفات پائی۔ صاحب اعیانِ الشیعہ اسی روایت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اسی امر پر موقوف ہے کہ آپؑ مدینہ ہی میں مدفون ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ معظمۂ عالیہ کا اسیریٔ اہلِ بیتؑ کے بعد مدینہ آنا ایک قطعی امر ہے، جبکہ اس کے بعد آپؑ کے مدینہ سے باہر جانے کی قطعی کوئی روایت نہیں ملتی (اعیان الشیعہ، ج ۳۳)۔

ب۔ شام

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ثانیِ زہرؑا نے شام کا سفر کیا اور وہیں دُنیا سے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ ان راویوں نے مدینہ سے شام کے سفر کی وجہ مدینہ میں قحط بتلائی ہے جو ہمارے خیال میں بعید از حقیقت ہے (منتخب التواریخ، ص ۱۱۴)۔

بعض کا خیال ہے کہ آپؑ کو یزید ملعون کے حکم سے شام بلایا گیا۔ یہ روایت بھی بالکل بعید از قیاس ہے۔

یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ شام کے کسی مقام پر آپؑ کے شوہر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی زمینداری تھی جہاں آپؑ زندگی بسر کرنے اور آرام کی غرض سے تشریف لے گئیں۔ وہیں بیمار ہوئیں، سفرِ آخرت اختیار فرمایا اور وہاں چھ قبروں میں ایک قبر آپؑ کی ہے، تاہم فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ 'زینبیہ' میں موجود قبروں میں آپؑ کی قبر کون سی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے کہ ان میں ایک قبر زینبؑ عالیہ کی ہے، لیکن وہ زینب کون ہے، بحث طلب بات ہے۔ ہم اس سے پہلے عرض کر چکے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی 'زینب' نام کی تین بیٹیاں تھیں (دُوسرے مؤرخین نے مصر میں آپؑ کی قبرِ مبارک کے بارے میں بھی یہی شک پیدا کیا ہے)۔

ج۔ مصر و قاہرہ

بعض معتبر راویان نے دلائل کے ساتھ آپؑ کی قبرِ مبارک کو مصر میں قرار دیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ۶۱ھ میں مصر تشریف لائیں (یہ خیال بعید از قیاس ہے کیونکہ 61ھ میں تو واقعۂ کربلا رونما ہوا جس کے بعد طویل عرصہ اہلِ بیتؑ کی اسیری کا ہے جس کا صحیح تعین کسی نے کرنے کی کوشش ہی نہیں کی)۔ مصر کے رہنے والوں اور وہاں کے عامل نے آپؑ کا استقبال کیا (زینبؑ بانوئے قہرمانِ کربلا، ص ۲۴۸)۔ آپؑ ایک عرصہ تک مصر میں بقیدِ حیات رہیں، وہیں انتقال فرمایا اور آپؑ کو اسی مقام پر جو آپؑ کے نامِ نامی سے موسوم ہے، سپردِ خاک کر دیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں فاطمی حکمرانوں نے آپؑ کے مزار

کی ایک اور مزار کے ہمراہ، جسے مزارِراس الحسینؑ کہتے ہیں، بنیاد رکھی۔ اس روایت کے معتقدین کا گمان یہ ہے کہ زینب کبریٰ کا مزار اسی جگہ ہے۔ شام میں جنابِ زینبؑ صغریٰ کا مزار ہے جو امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی دُوسری صاحبزادی ہیں۔

تشریحاتِ دیگر

لوگ اس بارے میں بہت سی تشریحات پیش کرتے ہیں اور ان کے دلائل کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ہم بنظرِ اختصار اِن میں سے چند ایک موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؑ کا مزار مصر میں ''قناطر السباع'' نامی ایک جگہ پر ہے اور یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں اور پورا یقین رکھتے ہیں (عمر رضا کَحالَۃَ، ص ۱۰۵)۔
- بعض حضرات کا خیال ہے کہ زینبؑ کبریٰ کا مصر میں مدفن ہونا قطعاً غلط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی ایک اور صاحبزادی زینبؑ صغریٰ (اُمِ کلثوم) ہیں جو جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی صاحبزادی نہیں ہیں بلکہ امیر المؤمنینؑ کی ایک اور زوجہ سے ہیں جن کا نام ''صہباء ثعلبیہ'' تھا (ترجمہ زینبؑ کبریٰ، نقدی، ص ۲۱۲)۔
- بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مصر میں جو بی بی دفن ہیں وہ زینب بنت یحییٰ بن زید بن حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں جو 93ھ میں مصر تشریف لائیں اور وہیں انہوں نے وفات پائی (ریاحین الشریعہ، ج ۳، ص ۳۶)۔

ایک اور تجزیہ

- حضرات کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ اور اسی پایہ کے دیگر بزرگ مؤرخین و مفکرین مقامِ مدفنِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ذکر ہی نہیں کرتے۔
- اپنی اپنی تحقیق کی بناء پر ابنِ عساکر، ابنِ طلولون وغیرہ جیسے حضرات آپؑ کے مزارِ مبارک کے مصر میں واقع ہونے کے ہی قائل ہیں اور اسی بارے میں اپنی اپنی اسناد پیش کرتے ہیں۔
- بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر شخص نے اپنے لئے افتخار کے حصول کی خاطر کوشش کی ہے کہ آپؑ کے مدفن کو خود اپنے ہی شہر میں قرار دے۔ یہ ذہنیت بھی بحث کے اُلجھ جانے کی وجوہات میں سے ایک ہے۔
- ان تمام دلائل کے علاوہ ندرتِ خیال رکھنے والے حضرات بھی ہیں جو اس بات کے معتقد ہیں کہ ثانیِ زہراؑ کے مدفنِ عالیہ کے مقام میں اختلاف خود اقوالِ آلِ رسولؐ سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ایک

انقلابی خاتون تھیں۔ لہٰذا یہ امر بعید از قیاس قرار نہیں پاتا کہ آپؑ کے محلِ دفن کا تعین افرادِ اہلِ بیتؑ کے لئے مسائل پیدا کرنے کا باعث بن جاتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے آپؑ کے والدِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ واقع ہوا کہ عرصۂ دراز تک آپؑ کی قبرِ اطہر کو مخفی رکھا گیا۔

تبصرۂ مترجم

راقم الحروف کی معلومات و مطالع کے مطابق اکثر مقاماتِ مدفنِ افرادِ آلِ رسول علیہم السلام کا مخفی یا کئی مقامات پر ان کی نشاندہی ہونے کی سب سے بڑی وجہ زمانۂ متعلقہ کی سیاست تھی۔ یہی سبب ہے کہ اکثر حضرات کی قبورِ اقدس کے متعلق وثوق سے کہنا مشکل ہے اور محض درایت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاں کسی بزرگ کی قبر کا صحیح علم ہوا، وہیں مزار کو مٹا دینے اور صاحبِ مزار کے جسم کے ساتھ بے ادبی کے واقعات پیدا ہو گئے۔ جنابِ زید بن علیؑ بن الحسینؑ ہی کے مزار کو لے لیجئے۔ حکومتِ وقت کے خوف سے بہتے ہوئے ایک کھال میں پانی کو روک کر جگہ خشک کی گئی، وہاں قبر کھود کر آپ کو دفن کیا گیا اور پانی کو پھر اس پر رواں کر دیا گیا۔ حکومتِ وقت کو کسی طرح اس مدفن کا علم ہو گیا۔ لہٰذا قبر کو کھود کر لاش نکالی گئی، اسے جلایا گیا اور راکھ کو ہوا میں بکھیر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کی اصل قبور کا پتہ لگانا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ بہر حال جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں تحریر کر آئے ہیں، جہاں بھی کسی کے مدفن کا پتہ چلتا ہے وہاں ایک ہی قسم کے اثرات و کرامات نظر آنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے خوش عقیدہ لوگ ان کے مناسب احترام کا انتظام کرتے ہیں اور وہیں سے اپنی مرادیں بہ تصدق و واسطۂ بزرگانِ اہلِ بیتؑ پانے لگتے ہیں۔

جہاں تک جنابِ ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کے مدفن کا تعلق ہے، آپؑ کی قبرِ مبارک کا مدینہ منورہ میں واقع ہونا قرین از درایت معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا ثبوت واقعۂ کربلا کے بعد پیدا ہونے والے واقعات سے ملتا ہے۔ حجاز وہ علاقہ تھا جہاں ابھی تک کافی تعداد میں اصحابِ رسولؐ زندہ موجود تھے جن میں عبداللہؓ ابنِ عباس، جابرؓ بن عبداللہ وغیرہ جیسے حضرات بہت نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں حضراتِ تابعین کا پتہ چلتا ہے جو سب عقیدت مندانِ آلِ رسولؐ سے تھے۔ ان کی موجودگی کا ثبوت واقعۂ کربلا کے بعد ان شہروں میں بے چینی و بدامنی سے ملتا ہے جس کے نتیجہ میں افواجِ یزید ملعون نے ان دونوں شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مدینہ منورہ کا واقعۂ حرہ اور مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کے انہدام و آتش زدگیِ غلافِ کعبہ ایسے واقعات ہیں جن سے کوئی طالبِ علمِ تاریخ انکار نہیں کر سکتا۔ ان واقعات سے ہر ذی شعور ذہن اندازہ کر سکتا ہے کہ حجاز میں شہادتِ امام حسینؑ اور

کربلا کے قتلِ عام، پھر اسیری و در بدریٔ آلِ رسولؐ نے کس قدر شورش برپا کی ہوگی۔ ان حالات میں سید الشہداء علیہ السلام کے پسماندگان کی مدینہ واپسی اور اہالیانِ مدینہ کے ردِ عمل کے بارے میں کچھ کہنا ضروری نہیں۔ یہی واقعات اور ان کے نتائج پورے حجاز بلکہ جہاں جہاں سے قافلۂ آلِ رسولؐ کا گزر ہوا، وہاں اثراتِ انقلاب کا رونما ہونا ایک منطقی عمل تھا۔ لہٰذا تاریخ میں اس قسم کے شواہد ملتے ہیں کہ حاکمِ مدینہ کو خصوصیت کے ساتھ یزید ملعون کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں کہ اس شورش کا مقابلہ کرے جو استحکامِ حکومت کے لئے لازمی تھا۔

ان حالات میں یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ ان شہروں کے عامل کسی طرح بھی بنی ہاشم کے افراد کو سختی یا نرمی، خوف و خوشامد، کسی طرح بھی کربلا کے سلسلہ میں خاموش رہنے پر آمادہ یا مجبور کر سکتے۔ لہٰذا ان کو دیکھ کر ایسے لوگوں کا خاموش و پرسکون رہنا بھی ممکن نہ تھا جنہوں نے یا جن کے بزرگوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے مظاہرات ان حضرات کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ یہ دونوں شہر اور دیگر تمام وہ مقامات جہاں رسولِ اسلامؐ و آلِ رسولؐ کے عقیدت مند موجود تھے، کسی طرح خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ لہٰذا حکومتِ وقت جہاں آلِ رسولؐ و اولادِ رسولؐ کے بارے میں اپنی قوت و طاقت کے زعم میں فحش حماقتیں کر چکی تھی، اب عافیت اسی میں جان سکتی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو ان افراد کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سے جیسے بھی ممکن ہو، اوجھل کریں۔ معظمۂ کونین کے مدینہ چھوڑنے کیلئے ایسے حالات کا پیدا کرنا حکومت کیلئے نہایت ضروری تھا اور انہوں نے ایسے حالات پیدا کئے جن کے تحت ثانیِ زہراؑ کو جو الیۂ کربلا کی اُس وقت سب سے بڑی نمائندہ تھیں، مدینہ مع اہل و عیال ترک کرنا لازمی ہوگیا۔ اب رہا یہ سوال کہ مخدومہ اور ان کے شوہر جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر جو بذاتِ خود بڑی اہمیت کے حامل تھے، مدینہ چھوڑ کر دمشق تشریف لے گئے یا مصر کی طرف ہجرت کر گئے، کسی طرح طے نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ ان کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور عالمِ غربت ہی میں اس دُنیا سے راہیٔ ملکِ عدم ہوئیں۔ آپؑ کے مقامِ وفات و مدفن کا تعین تاریخ سے ممکن نہیں اس لئے کہ تاریخِ کربلا تحریر کرنے کیلئے محبانِ اہلِ بیتؑ کو بہت عرصہ بعد اس قدر فرصت و اجازت حاصل ہوئی کہ کچھ لکھ سکتے۔ لہٰذا ان واقعات سے پردہ اٹھانا کسی طرح ممکن نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جہاں بھی ان حضرات کی کوئی نسبت اور اس نسبت کے معتقدین موجود ہیں، وہی ہمارے لئے مقامِ احترام ہے۔

اس سلسلہ میں اپنے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے مندرجہ بالا بیان و عقیدہ کے بارے میں مؤرخین کے بیانات پیش کرتے ہیں۔ کتاب ''کربلا کی شیر دل خاتون'' کی مؤلفہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری تحریر فرماتی ہیں:

''زینبؑ چاہتی تھیں کہ وہ اپنی عمر کا جو کچھ زمانہ باقی رہ گیا تھا، اپنے نانا کے مزارِاقدس کے سایہ میں گزاریں۔لیکن بنی اُمیہ اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ ثانیِ زہراؑ اور وہ لوگ جوان کے ساتھ کربلا سے واپس آئے تھے، مؤمنین کو یزید ملعون کی فوج کے مظالم اور دردناک بدعتوں کا حال، جوانہوں نے امام حسینؑ اوران کے رفقاء کے ساتھ کی تھیں، سناتے تھے۔

''زینبؑ کا مدینہ میں قیام اس بات کیلیۓ کافی تھا کہ غم کی آگ لوگوں کے سینوں میں شہیدوں کی مصیبت پر روشن کرے اورعوام کو یزید ملعون کی حکومت کے خلاف برانگیختہ کرے یہاں تک کہ مدینہ کے حاکم نے یزید ملعون کو خط لکھا کہ زینبؑ نے اپنی دانائی اور گویائی کی قوت سے مدینہ کے باشندوں میں ہیجان پیدا کردیا ہے اور چاہتی ہیں کہ ان کی امداد سے امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

''یزید نے حکم دیا کہ حسینؑ کے باقی ماندہ خاندان والوں کومختلف شہروں اور اطراف میں متفرق کردیا جائے۔اس پر مدینہ کے حاکم نے زینبؑ کو بلا کر کہا کہ مدینہ سے نکل جایئے اور جہاں دل چاہئے جا کر قیام کیجئے۔

''زینبؑ نے غصہ اور جوش میں آکر جواب دیا: 'خدا گواہ ہے کہ ہم پر کیا کیا مصائب گزرے ہیں، ہمارے بہترین لوگ قتل کردیۓ گئے اور جو باقی بچے، ان کو مثل چوپایوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہنکایا گیا اور ہم کو شترانِ بے کجاوہ پر پھرایا گیا۔خدا کی قسم !اگرتم ہم کو مار بھی ڈالو تب بھی ہم مدینہ سے باہر جانا پسند نہ کریں گے۔

''بنی ہاشم کی خواتین نے جو ظالم یزید ملعون کے قہر وغضب سے ڈر رہی تھیں، زینبؑ سے نہایت نرمی اور لجاجت سے درخواست کی کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں۔

''زینب دُخترِ عقیل نے کہا: 'اے چچا کی بیٹی! خدا کا وعدہ ہمارے حق میں سچا ہے۔روئے زمین میں جس جگہ ہم رہنا چاہیں، اس کو ہماری میراث کردیتا ہے اور ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ایسی جگہ چاہئے جہاں آپؑ کو امان ملے۔

''زینبؑ مجبوراً اپنے نانا رسول اللہؐ کے مدینہ سے چلی گئیں اوراس کے بعد مدینہ والوں نے ان کو کبھی نہ دیکھا۔

''زینبؑ مصر تشریف لے گئیں۔افسوس زینبؑ نے کس قدر زیادہ سفر اپنی زندگی میں کئے.....قافلہ حجاز کی زمین سے جو آباء واجداد کا وطن اور بچپن کی پرورش کا گہوارہ تھا، گزر کر نیل کی وادی میں پہنچا، ایسی سرزمین جہاں نہ کوئی وطن والا اور نہ کوئی عزیز.....

''جونہی سیدہ زینبؑ نے مصر کی سرزمین میں قدم رکھا، شعبان 61ھ (یہ تاریخ درایت کے مطابق نہیں کیونکہ یہ زمانہ تو

اہلِ بیتؑ کیلئے یزید کے قید خانہ کا ہے جس کا عرصہ نو ماہ کے قریب بنتا ہے) کا چاند نمودار ہوا اور اس کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مصر کا ایک گروہ قافلہ کے استقبال کیلئے آیا ہے۔

''جیسے ہی یہ لوگ قریۂ بلبیس کے قریب قافلہ کے ساتھ ساتھ پہنچے، ایک دوسری جماعت جو دارالسلطنت سے آئی تھی، وہاں اُن سے آکر مل گئی۔ اس جماعت میں مسلمہ بن مخلد انصاری، امیرِ مصر اور علماء اور اراکینِ سلطنت کا ایک گروہ شامل تھا جو دُخترِ زہراؑ اور امامؑ شہید کی بہن کی زیارت کے لئے آئے تھے۔

''جس وقت ان کی نگاہ زینبؑ پر پڑی، اُن پر گریہ طاری ہوا اور ان کو حلقہ میں لے لیا اور دارالسلطنت تک پہنچایا۔ مسلمہ بن مخلد اُن کو اپنے گھر لے گئے اور زینبؑ نے وہاں ایک سال کے قریب قیام کیا اور اس عرصہ میں شب و روز مصروفِ عبادت رہیں۔ بعدازاں گردشِ ایام اختتام کو پہنچی۔

''مشہور ترین قول کے مطابق سیدہ زینبؑ نے بروز یکشنبہ بوقت شام ۱۴/رجب ۶۲ھ کو انتقال فرمایا اور اُن آنکھوں کو جنہوں نے کربلا کی قتل گاہ دیکھی تھی، ہمیشہ کیلئے بند کرلیا.....اُن کو مسلمہ کے مکان میں جہاں ان کا قیام تھا، دفن کیا (ملاحظہ ہو اخبار زینبیات، ص ۷، ۱۹، ۵۹، تحفۃ الاخبار علامہ سخاوی حاشیہ ص ۱۱۱؛ طبقات الکبریٰ علامہ شعرانی، ص ۲۹، الخطط مؤلفہ مبارک شاہ)۔ ان کی قبر آج تک زیارت گاہ ہے اور مسلمان دور دراز گوشوں سے زیارت کیلئے وہاں جاتے ہیں'' (ص ۲۴۷ تا ۲۵۱)۔

اسی موضوع پر ہم جناب علامہ غدیری کی کتاب ''زینبؑ، زینبؑ ہے'' سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ رقمطراز ہیں: ''سیدہ زینبؑ کی وفات کے سلسلہ میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مرقدِ مطہر کے بارے میں بھی مؤرخین کا کسی ایک نکتہ پر اتفاقِ نظر نہیں، یہاں تک کہ بعض اہلِ تحقیق نے آپؑ کی تاریخِ وفات اور مرقدِ مطہر کے سلسلہ میں کسی قسم کا اظہارِ رائے کرنے کی بجائے اسے موردِ بحث قرار نہیں دیا اور نہایت اجمالی بیان کے ساتھ اس سلسلہ میں چند باتیں کرنے پر اکتفا کرلیا۔

''جن مؤرخین نے سیدہؑ کی تاریخِ وفات کے سلسلہ میں اپنی تحقیقی رائے کا اظہار کیا، ان کے مطابق اس سلسلہ میں تین نظریات ملتے ہیں:

1۔ سیدہؑ نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں؛

2۔ مصر میں فوت ہوئیں اور وہیں آپؑ کو دفن کیا گیا چنانچہ وہاں آپؑ کا مرقدِ مطہر بھی موجود ہے جو اہلِ ایمان کی عظیم

زیارت گاہ ہے۔

3۔ آپؑ اپنے شوہر جناب عبداللہ ابنِ جعفر کے ساتھ شام گئیں اور وہاں بیمار ہوگئیں اور وہیں آپؑ کی وفات ہوئی اور ''راویہ'' نامی بستی میں آپؑ کو دفن کیا گیا چنانچہ آپؑ کا مشہور و معروف مرقدِ مطہر بھی وہیں ہے۔

اگر چہ مذکورہ نظریات کی روشنی میں کسی واضح نتیجہ تک پہنچنا دشوار ہے لیکن ان نظریات کے حامل مؤرخین نے اپنے اپنے تحقیقی زاویہ نگاہ کی صحت پر ٹھوس دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

''چنانچہ مؤرخین جو پہلے نظریہ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؑ کی وفات مدینہ میں ہوئی، انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ سیدہ زینبؑ اہلِ بیتؑ کے دوسرے افراد کے ساتھ شام کی قید سے رہا ہو کر مدینہ آئیں اور پھر مدینہ سے باہر جانے کے متعلق کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت نہیں۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہؑ کی وفات مدینہ ہی میں ہوئی اور وہیں آپؑ کو دفن کیا گیا۔ اس نظریہ کی تائید کتاب اعیان الشیعہ کے فاضل مؤلف نے بھی کی ہے۔

''جن مؤرخین کی نظر میں آپؑ کی وفات مصر میں ہوئی اور وہیں آپؑ کا مدفن ہے، انہوں نے چند ایسے اہلِ تاریخ کے اقوال کا سہارا لیا ہے جو اپنے اس منفرد نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ثانیِ زہراؑ نے مصر کا سفر کیا اور وہاں کے مؤمنین و مؤمنات کے بھرپور اصرار پر وہیں قیام پذیر ہوگئیں اور وہیں آپؑ کا انتقال ہوا۔

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدہؑ کا مزار شام میں ہے، وہ اس سلسلہ میں ٹھوس دلائل پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ میں قحط پڑ گیا (1) تو سیدہؑ نے دمشق کی طرف کوچ کیا اور دمشق کو اس لئے منتخب کیا کیونکہ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کی کچھ زمینیں دمشق کے قریب ایک گاؤں میں تھیں۔ قحط کی شدت کے خوف سے جناب عبداللہ ابنِ جعفر نے دمشق کی طرف ہجرت کرنے کو پسند کیا۔ وہاں پہنچ کر سیدہؑ علیل ہوگئیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ اسی گاؤں میں جس کا نام 'راویہ' بیان کیا جاتا ہے، سیدہؑ کو دفن کر دیا گیا اور اب موجودہ مرقدِ مطہر اسی مقام پر ہے۔

''بہر حال تمام واقعات اور تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں نے سیدہ زینبؑ کا سکون لوٹ لیا اور رسولؐ زادیؑ واقعۂ کربلا کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہیں بلکہ ۱۲ ماہ کی قلیل مدت کے بعد ۱۵/ رجب ۶۲ھ کو اس

1۔ مدینہ میں قحط کے کے بارے میں روایات کسی طرح بھی اصولِ درایت پر پوری نہیں اترتیں، نہ ہی مؤرخین نے اس کے بارے میں کوئی مستند حوالہ جات پیش کئے ہیں جبکہ قبلِ اسلام قحط کے واقعات کے سلسلہ میں بالخصوص مکہ اور مدینہ کے شہروں کے بارے میں کافی مستند روایات ملتی ہیں حالانکہ یہ وہ دور تھا جب واقعاتِ تاریخ کی قلمبندی کا کوئی طریقِ کار ابھی ایجاد نہ ہوا تھا۔ (جاری)

دارِفانی سے کوچ کر گئیں۔

''سیدہ زینبؑ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کی کٹھن منزلیں طے کرتی ہوئی زندان کی سختیاں جھیل کر وطن پہنچیں مگر عزیزوں کی شہادت کا آنکھوں دیکھا حال سیدہؑ کیلئے ناقابلِ برداشت بن گیا اور بالآخر زندگی کی تلخیوں سے تنگ آگئیں اور آخرت کا سفر اختیار کر لیا۔

''سیدہؑ کا مدفن شام میں ہو یا مصر میں یا مدینہ میں، بہرصورت آپؑ کی عظمت وجلالت اور روحانی اقدار کے فیض سے بہرہ مند ہونے والے اپنی اخلاص بھری نگاہوں کو آپؑ کی زیارت سے مشرف ومنور کرتے رہتے ہیں اور آپؑ کی نورانی شخصیت کے پرتو میں رضائے الٰہی کے حصول کی امید پر تمام اہلِ حق اور صاحبانِ ایمان کے دل ہی آپؑ کا مزار ہیں اور وہ ہمیشہ آپؑ کی عظیم شخصیت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

''سیدہؑ کی وفات اور مزار کے متعلق تاریخ کے اختلافی زاویے، آپؑ کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ جہاں بھی ہوں، اپنے کردار کی بلندی سے تاریخِ اسلام میں اپنی عظمت کے اَنمٹ نقوش سے پہچانی جاتی ہیں اور تاریخِ بشریت کی قدآور شخصیات سیدہ زینبؑ کی دہلیزِ عظمت پر سجدہ ریز نظر آتی ہیں''۔ (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص۲۹۳ تا ۲۹۵)۔

اس سلسلہ میں ہم جناب سید ابنِ حسن نجفی صاحب کی تحقیق بھی پیش کرتے ہیں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

''مصر کے باشندے یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ قاہرہ کے قناطر السباع والے علاقہ میں شاہراہِ سیدہ زینبؑ پر جو مزار ہے، وہ ثانیِ زہرا جنابِ زینبؑ علیا کی درگاہ ہے..... مصر میں ایک سے زیادہ ایسے مقامات ہیں جنہیں شاہدِ زمینی کا نام دیا گیا ہے اور خیال ہے کہ جنابِ زینبؑ علیا وہیں آرام فرما رہی ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحۂ سابقہ) اس کے علاوہ یہ بھی پیشِ نظر رکھنا لازم ہے کہ عرب کے خاندان ہائے نجیب بالخصوص قریش و بنی ہاشم محض قحط کی وجہ سے ہجرت کر جاتے۔ ہجرت کی کوئی اور وجہ تشخیص کی جاتی تو شاید قابلِ فہم ہوتی۔ ان خاندانوں کا قحط کی وجہ سے مدینہ چھوڑنا سمجھ میں آنے والی بات ہرگز نہیں ہوسکتی۔

ان سب باتوں کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر قحط ہی سیدہؑ کی مدینہ سے ہجرت کا باعث ہوتا تو پھر پورے قبیلۂ بنی ہاشم کو ہجرت کرنا چاہئے تھی جن میں عبداللہ ابنِ عباس اور دیگر افرادِ اولادِ عباس ابنِ عبدالمطلب اور دیگر اولادِ عبدالمطلب جو اشرافِ عرب میں شمار ہوتے تھے، کا بھی شامل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ یہ سب حضرات اپنے اپنے مقام پر کافی صاحبانِ اقتدار و املاک تھے۔ اس اعتبار سے مدینہ میں قحط اور اتنا شدید قحط جس کی وجہ سے صرف عبداللہ ابنِ جعفر جیسے متمول شخص کو ہجرت کرنا پڑی، کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

''مثلاً اسوان شہر کے قبرستان میں ایک مقبرہ ہے جو قبۂ زینبیہ کہلاتا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس جگہ حضرت زینبؑ بنت علیؑ نہیں بلکہ اموی دور کی ایک مشہور خاتون عباسیہ بنت جریح (متوفی ۱۷ھ) دفن ہیں۔

''دُوسرا مرقد باب النصر قاہرہ کے شہرِ خموشاں میں ہے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبرِ مطہر ہے، لیکن باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اس احاطہ میں جنابِ محمد حنفیہ کے پڑپوتے احد بن محمد کی صاحبزادی مدفون ہیں۔ ان کا نام بھی زینب تھا۔

''تیسرا روضہ مقابرِ قریش میں ہے اور اس متبرک جگہ کے بارے میں زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ یہی جنابِ زینبؑ کا مزار ہے۔

''لیکن تحقیق کرنے والے کہتے ہیں کہ اس مقام پر حضرت امام حسینؑ کی پڑپوتی زینب بنت یحیٰی المتوّج کا مزار ہے۔ ۱۹۳ھ میں آپ نے وفات پائی۔ بڑی صاحبِ کرامت بی بی تھیں۔

''فاطمی خلیفہ ظافر اپنے محل سے ننگے پاؤں چل کر آپ کے دربار میں حاضری دیتا تھا.....وقائع نگار لکھتے ہیں کہ کربلا کے روح فرسا اور جاں گداز المیہ کے بعد جب اہلِ حرم مدینہ پہنچے تو پورا شہر عزاخانہ بن گیا۔ شہیدوں کی یاد، مصائب کے ہجوم اور شب و روز کی گریہ وزاری سے جنابِ زینبؑ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ پھر ایک مشکل یہ پیش آئی کہ مدینہ میں کال پڑ گیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر نے طے کیا کہ کچھ عرصہ کیلئے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی شریکۂ حیات جنابِ ثانیِ زہراؑ کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا۔ دمشق کے آس پاس آپ کے باغات تھے۔ زرخیز زمینیں تھیں اور عام طور پر وہاں موسم خوشگوار رہتا ہے۔

مشہور مؤرخ مرزا حسن خان مراغی (متوفی ۱۳۱۲ھ) اپنی تصنیف ''الخیرات الحسان'' کی دوسری جلد کے صفحہ 29 پر اور معروف محقق سید حسن صدر اپنی علمی کاوش ''نزہتہ اہل الحرمین'' کے صفحہ 67 پر لکھتے ہیں:

''امیر المومنین علیہ السلام کی صاحبزادی ثانیِ زہراؑ یثرب میں خشک سالی کے باعث عبدالملک بن مروان کے زمانے میں اپنے شوہر کے ہمراہ شام تشریف لائیں مگر جلد ہی آپؑ کی صحت جواب دے گئی اور آپؑ دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ جنابِ عبداللہ ابنِ جعفر کے باغ ہی میں آپؑ کا مزار بنا''۔

''.....ابوبکر موصلی اپنی تصنیف ''فتوح الرحمٰن'' میں تحریر کرتے ہیں:

''سیدہ ثانیِ زہرؑا جو علیؑ کی دُخترِ گرامی اور فاطمہؑ کے فرزند حسنؑ اور حسینؑ اور محسنؑ کی بہن تھیں، واقعۂ کربلا کے بعد شام آئیں اور دمشق کے نواحی علاقہ 'راویہ' میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ وہیں آپؑ کی لحد پر آسمان شبنم افشانی کرتا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر زیارتِ قبرِ زینبی کے لئے جاتا تھا مگر ہم میں سے کوئی شخص روضہ کے اندر داخل نہیں ہوا کہ ادب واحترام کا یہی تقاضا تھا''۔

''نویں صدی ہجری کے مصری عالم ابوالبقاء بدری اپنی کتاب ''نزہتہ الانام فی محاسن الشام'' میں رقم طراز ہیں:

''ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا بنتِ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ اپنے بھائی حسینؑ کی شہادت کے بعد شام آئیں اور یہاں آنے کے بعد بیمار پڑ گئیں۔ یہیں آپؑ کا انتقال ہوا اور دمشق کے نواحی علاقہ 'راویہ' میں دفن ہوگئیں۔ اب اس مقام کو 'بلدۃ الست' (سیدہؑ کا شہر) کہا جاتا ہے۔(ص ۲۷۴ طبع مصر)۔

''حافظ ابنِ طولون دمشقی متوفی 953ھ اپنی کتاب 'سیدۃ العقیلہ زینبؑ کبریٰ' میں رقم فرماتے ہیں:

''علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی صاحبزادی زینبؑ کبریٰ دمشق کے قریہ راویہ میں مدفون ہیں۔ یہ جگہ 'قبرِالست' کے نام سے شہرت رکھتی ہے''۔

''اسی طرح علامہ شیخ حسن یزدی، شیخ الفقہا میرزا علی، آیۃ اللہ الفقید میرزا محمد حسن شیرازی، محدثِ کبیر میرزا حسین نوری اور مؤرخِ جلیل شیخ عباس قمی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا شام میں آرام فرما ہیں۔

''مگر 'راویہ' جہاں ثانیِ زہرؑا کا مزار ہے، اب دمشق کا ایک قریہ یا مضافاتی بستی نہیں بلکہ ایک سجا ہوا شہر ہے جس میں چوڑی چوڑی سڑکیں، بھرے ہوئے بازار، خوشنما مکان، شاندار ہوٹل، آرام دہ ذرائع آمدورفت، اطمینان بخش مواصلاتی نظام، عصری طرز کے مدرسے، قابلِ فخر علمی ادارے اور سب سے بڑی بات امن وامان کی فضا، روحانیت سے بھرا ہوا ماحول اور اس میں ثانیِ زہرؑا کے روضۂ اقدس کی نور برساتی ہوئی جاذبِ نظر عمارت جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے اور قلب وضمیر کو زندگی ملتی ہے''۔(حضرت زینبؑ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے، مطبوعہ ادارۂ تمدنِ اسلام، کراچی، ص59 تا63)۔

ہم اپنی اس حقیر کاوش کو ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے ان کلمات پر ختم کرتے ہیں:

''جو شخص اپنے کردار کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کو منور کر کے خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہتا ہے تو اُسے چاہئے کہ

اپنی زبان کو حمدِ الٰہی کے تقدس سے بہرہ ور کرے کیونکہ پروردگارِ متعال ہر حمد کرنے والے کی حمد کو سنتا ہے اور جو شخص دل کی گہرائیوں سے حمدِ الٰہی بجالاتا ہے، گویا وہ قدرتِ خدا کی لازوال عظمتوں کے سامنے تواضع و اخلاص کا عظیم مظاہرہ کرتا ہے جس سے تقربِ الٰہی کے حصول کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں'' (اعیان الشیعہ، احوالِ سیدہ زینبؑ)۔

۴۔ ثانیِ زہراؑ اور ہمارے فرائض

ہمارے لئے اب زینبؑ عالیہ کا دوسرا وجود قائم کرنا ممکن نہیں۔ چودہ صدیاں گزر گئیں کہ آپؑ نے اپنے خون اور اپنے خانوادہ پر کئے جانے والے مظالم کا پیغام دنیا بھر کو پہنچا کر اسے تاریخ کا مستقل حصہ بنا دیا اور خود دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ فرما گئیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اپنے ضمیر کا تجزیہ کریں، زینبِ عالیہ کے بارے میں غور کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ یہ عظیم ہستی تھی کون، انہوں نے دینِ خدا کی خاطر اور اس کی ترویج کی راہ میں کیا کیا فرائض انجام دیئے اور ہمیں ان سے کیا حاصل ہوا۔

اس حقیقت میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ نہ صرف شیعہ بلکہ دنیا بھر کے تمام حریت پسند انسان اور وہ حضرات جنہوں نے حسینؑ و زینبؑ کی تاریخ اور کربلا کے قتلِ عام کی تفصیلات کا بغور مطالعہ کیا ہے، ان دونوں ہستیوں اور کربلا میں شہدائے راہِ حق کے ساتھ عقیدت رکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایران، مصر، شام، عراق، پاکستان، ہندوستان، حتیٰ کہ یورپ و امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ایامِ محرم و صفر کے بارے میں ہمارے پاس کیسے حالات کی تفاصیل پہنچتی ہیں، کس قدر مرثیہ خوانی دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہے، کس قدر گریہ ہوتا ہے اور سیدؑ الشہداء و ثانیِ زہراؑ و شہدائے کربلا کے لئے کس قدر نالہ و زاری ہوتی ہے، اس کی تفصیل پیش کرنا کسی شخص کے لئے بھی ممکن نہیں۔

ہمارے خیال میں یہ اشک افشانی و گریہ و ماتم بہت اچھے کام ہیں، لیکن اس سے بہتر ہے کہ ہم ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ مقدس اور واقعات سے سبق حاصل کریں، ان کے اسوۂ حسنیٰ کو زندگی کا نصب العین و دستور العمل قرار دیں، سید الشہداؑ اور زینبؑ عالیہ کے فرمودات پر عمل کریں، ان فرمودات کی روشنی میں ایسا کردار تعمیر کرنے کی سعی کریں جس کا مطالبہ ہمارا دین ہم سے کرتا ہے اور کوشش کریں کہ ان کی مقدس زندگیوں سے ہر گوشہ اور ان کے تمام احکام و نصائح پر عمل کر کے ان کی پیروی کریں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کا مختصر تعارف

حضرات علی و فاطمہ علیہا السلام کی عظیم دختر، پروردۂ آغوشِ رسولؐ اعظم، خدیجۃ الکبریٰ، ملیکۃ العرب کی نورِ نظر، نسلِ

عبدالمطلبؑ کا سرمایۂ ناز، فرزندِ مدینہ ویثرب، خانۂ وحی میں تربیت یافتہ، حسنؑ وحسینؑ سردارانِ جوانانِ جنت کی پیاری بہن، ان کے ساتھ پلنے اور کھیلنے والی، پھر آخرِ کار اپنے دونوں عظیم و معصوم بھائیوں کی ہمراز و ہمدم وہم پلہ، اپنے عہد پر قائم ودائم، شریعتِ رسولؐ کی نمائندہ ومکلّف، فرض شناس، انسان دوست، پیکرِ اخلاقِ حسنہ، مصائب وآلام برداشت کرنے والی بردبار، میدانِ عمل کی آزمودہ کار وتجربہ کار، سیاسی معلم ومربی، مفسرِ قرآن، راویٔ احادیثِ رسولؐ ومعصومین، تاریخ دان، امور ومسائلِ معاشرہ کی بصیر وپختہ کار وفہمیدہ، اپنے قلبِ پاک میں اندوہِ دین وغمِ اُمت کے شعلہ ہائے فروزاں رکھتی ہیں۔ عجیب وحیرت انگیز کیفیات، بے سروسامانی کی ایک دنیا اور جاہل ونادان قوم سے سابقہ رکھے ہوئے ہیں، یہ ایسی قوم ہے جو حق کو اس کے مقام پر نہیں دیکھتی، اس کے برعکس باطل کو حق کے مقام پر رکھے ہوئے، ہمیشہ سے اس فکر میں ہے کہ مقامِ امام اور والیِ امر سے آگے نکل جائے اور انہیں نظرانداز کرے، یہ سمجھے ہوئے ہے کہ اپنے آپ کو آتشِ دوزخ میں جلا کر بھی راہِ حق پر ہی رہے گی۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا شہیدِ تاریخ ہیں۔ آپؑ کی والدۂ محترمہ، پدرِ بزرگوار، برادرانِ عالی قدر، فرزندانِ ذی وقار، غرضیکہ آپؑ کے گھر کے سب افراد ایسے ہیں کہ اپنی جان ہائے عزیز وگرانقدر کو اعلائے کلمۂ حق کی خاطر قربان کئے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ معظمۂ عالیہ عرصۂ حیات میں آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنی منزلِ آخر تک پہنچیں۔ سفر میں ہر قسم کے اندوہ وغم سے دوچار رہیں جبکہ آپؑ کے برادرانِ بزرگ اور پدرِ بزرگوار علیہم السلام نے ایک دم داعیٔ اجل کو لبیک کہا، لیکن آپؑ ان سب آلام کو دیکھنے اور برداشت کرنے کیلئے زندہ رہیں۔ آپؑ کی مادرِ گرامی بھی گویا ہر روز موت سے ہمکنار ہوتیں، ہر لمحہ سانس کم ہوتے جاتے، حتیٰ کہ حیاتِ طیبۂ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا، اسی طرح اپنے اختتام کو پہنچی۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے کارہائے نمایاں

زینبؑ کبریٰ نے حیاتِ تازہ بخشی:

- دین کو
- شرافت وتقویٰ کو
- عفت وحیا کو
- وفائے عہد وپیمان کو
- راہ ورسمِ حیاتِ عقیدت کو

- عزت کی زندگی کو
- اسلام کے فراموش کردہ آثار واصول کو
- اسلام کی تاریخ کو
- خواتینِ عالم کے حقیقی وصحیح شعار کو
- خواتین کے لئے فرائض وپیغامِ دین کو

(کہاں تک بیان کیا جائے کہ معظمۂ عالم کے اسوۂ حسنیٰ وکارہائے عظیم کی انتہا نہیں)۔

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظیم نورِ نظر نے معجزانہ اقدام پیش کیے:

- اپنے فرائض کی قبولیت میں
- ہمت وسعی میں
- خاندان، اپنی زندگی کے نصب العین وسخاوت میں
- اپنے صاحبزادوں کی راہِ دین میں قربانی میں
- آرام وآسائش کو دین کی خاطر ترک کرنے میں
- آبرو کو خطرات سے دوچار کرنے میں
- مال وزروزیور حتیٰ کہ اپنی ردا کو قربان کردینے میں
- اپنے جسمِ ناتواں کو دشمن کے تازیانوں کی نظر کرنے میں اور یہ سب کچھ ناناؐ کے دین کو حیاتِ دائم مہیا کرنے کی خاطر کیا۔

اپنے فرائضِ دین کی انجام دہی کیلئے، پیغامِ دین کو نشر کرنے کیلئے علیؑ وفاطمہؑ کی عظیم بیٹی:

- سیدالشہداء علیہ السلام کے ساتھ وطن سے بے وطن ہوئیں،
- بھوک وپیاس میں ان کا پوری طرح ساتھ دیا
- بیٹوں کی مصاحب وسرپرست بنیں
- اسیر ہوئیں
- دربارِ ابنِ زیاد ملعون میں گئیں

- دربار یزید ملعون میں جانا
- کوفہ وشام کے بازاروں میں دربدر ہوئیں
- خطبات دیئے جن سے غیرتِ انسانی جھنجھوڑی گئی
- ظالمین کو اپنے فرمودات سے شرمندہ کیا
- فرائضِ منصبی انجام دیئے
- اپنے حصہ کا کھانا بچوں کو کھلا کر گرسنگی کا مسلسل شکار رہیں
- اپنے جسمِ نازنین کو سید الشہداء علیہ السلام کے بچوں اور دشمن کے تازیانوں کے درمیان رکھ دیا
- خونِ ناحق اور شہادتِ عظمٰی کے پیغام کو دنیا بھر کے کانوں تک پہنچانے کیلئے قیام فرمایا۔

ثانیِ زہراؑ نے کیا دیکھا اور آپؑ پر کیا کچھ گزر گیا

ثانیِ زہراؑ نے لاتعداد داغ ہائے ستم دیکھے، تلخیوں کو برداشت کیا، بے حیاؤں کا مشاہدہ وسامنا کیا، بے وفائیوں کو ملاحظہ فرمایا، دشمنوں کی نامردیوں اور اپنوں کی نامرادیوں کو دیکھا، ایسے مصائب وآلام سے گزریں کہ چشمِ فلک نے جنہیں کبھی دیکھا نہ تھا، اپنی عزیز ترین ہستی امام حسین علیہ السلام کو زیرِ خنجرِ ظلم دیکھا، شہید صاحبزادوں کی لاشیں خیام میں لائی گئیں لیکن احترامِ سیدؑ الشہداء اور انتہائے صبر کے پیشِ نظر ان کے دیدار کیلئے بھی آگے نہ بڑھیں۔

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا غربت نصیب اور رنج والم کی تختۂ مشق ہستی تھیں۔ دشمن نے ان کو اور ان کی زیرِ سرپرستی خواتین کو شہروں اور قصبوں میں تشہیر کیا لیکن زینبؑ عالیہ نے اپنی اس آوارہ وطنی کو اپنے مقدس ہدف کے حصول کا ایک وسیلہ قرار دیا۔ ان تمام حادثات وآلام کو برداشت کیا تاکہ:

- اسلام زندگی پائے
- بھوک کو برداشت کیا تاکہ عوام الناس کے دسترخوان پر روٹی مہیا ہو سکے
- پیاس کی متحمل ہوئیں تاکہ معاشرہ کے چشمہ جات میں پاکیزہ پانی بہہ سکے۔

آپؑ حزن وملال وغم اور اس کے تاثرات وتاسف کی خوگر ہوئیں لیکن ان کیفیات کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا مبادا کہ یہ اظہارِ دشمن کے دل کی خوشی کا سبب بنے۔ قلبِ حزیں اندر ہی اندر اشک ریز تھا لیکن مکار وکمینہ دشمن کے سامنے ایک آنسو بھی

آنکھ سے نہ گرایا کہ وہ آپؑ کی اشک افشانی کو اپنی فتح وکامرانی نہ جاننے لگے۔اس طرح دشمن آپؑ کے لب ہائے مبارک سے ایک آہ سننے کو بھی ترس گیا۔

ان سب باتوں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے دوستوں کے قلوب میں غم والم اور گریہ وماتم کے ایسے شعلے بھر دیئے کہ ہم صدیوں سے آپؑ کے غم میں گریہ کناں ہیں لیکن پھر بھی یہ احساس رکھتے ہیں کہ ابھی وہ سیلِ اشک ہمارے قلوب میں موجزن ہے جس کا نہ تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پوری طرح بہا کر اشک افشانی سے سیر ہو سکتے ہیں۔

ثانیِ زہراؑ کی حیاتِ اقدس سے حاصل کردہ دروس

افسوس کہ من حیث القوم ہماری اکثریت نے زینبِؑ کبریٰ کی یاد اور آپؑ کے مصائب پر گریہ کرنے اور اشک افشانی کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ ہماری خواتین نے ثانیِ زہراؑ سے اظہارِ محبت وعشق میں ان کی مہربانیوں کے عوض مرثیہ خوانی، اشک ریزی یا آپؑ کے یومِ ولادت پر مجالس ومحافلِ جشن کے انعقاد سے آگے کچھ نہیں کیا۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ کے کردارِ عظیم کے راہ و رسم کو اپنانے، ایک خاتون کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنے پیغام کو پہنچانے، عرصۂ حیات میں آپؑ کی سیرت و کردار کو بطور نمونہ اختیار کرنے، اپنے ہدف کے حصول کی خاطر آرام وزینت وآسائش وسکون کو ترک کرنے، حصولِ مقصد کیلئے لذاتِ دُنیاوی کو ٹھکرا دینے، اپنے آپ کو صدمات ومصائب کا تختۂ مشق بنانے.....ان سب کیفیات میں ہمیں کوئی فرد ایسا نظر نہیں آتا جس نے کسی طرح کوئی پیش قدمی کی ہو۔

اس مقصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں سابقہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔ کم از کم ہم اپنے ان مطالب کی فہرست ہی کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیں جو ہم نے معظمۂ عالم کے متعلق اس کتاب میں قائم کئے ہیں۔اس صورت میں ہمیں اندازہ ہو سکے گا کہ زینبِؑ عالیہ کی حیاتِ اقدس سے ہمیں کیا سبق لینا ہے۔ زینبِؑ عالیہ جیسا کون ہو سکتا ہے جو اپنے حصولِ مقصد کے لئے ایسی ایسی بلیات ومصائب کا مقابلہ کرے اور اس قدر صبر و استقامت کا اظہار کر سکے؟ ہم زینبِؑ عالیہ جیسے تو ہرگز نہیں ہو سکتے لیکن کم از کم اتنا تو کرنا ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نقوشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے ان کے کردار کی کسی حد تک نقل کرنے کی کوشش کریں۔

مرثیہ نگاری

ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے مداحوں نے آپؑ کی مدح میں قصائد کی صورت میں ہر زمانہ میں مدح سرائی کی ہے اور

مرثیہ نگاروں نے بھی نہایت عمدہ و دقیق اشعار و عبارات نثر آپؑ کے غم میں موزوں کیے ہیں جن سب کا جمع کرنا ہماری اس تالیف کے مقاصد میں شامل نہیں۔ ہم یہاں کاشف الغطاء مرحوم کے چند اشعار ان کے ایک مرثیہ سے پیش کرتے ہیں جو اُن کے وسیع مجموعۂ اشعار کا حصہ ہیں:

رأت! مِن الخُلوبِ والرَّزایا　　　امراً تَهوُن دُونَهُ الْمَنایا

انہوں نے مشکلات و مصائب کو مسلسل برداشت کیا جن کے مقابلہ میں موت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

رَأتَ رُوساً بِالقَناتِ شالَ　　　وَجُثثاً اَ کفانُهاالرِّمالُ

انہوں نے سروں کو نیزوں پر دیکھا جو جسموں سے الگ کیے گئے تھے اور اُن کے جسموں کے کفن صحرا کی خاک و ریت تھی

رَأتْ رَضِیْعاً بِالسَّهامِ لَفظِمَ　　　وَصَبیَةُ بَعْدَ اَبیْهِمُ اُتِیمُوا

انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیر خوار بچہ کو تیر مار کر دودھ سے محروم رکھا گیا اور بچوں کو دیکھا جو باپ کی موت سے یتیم ہو گئے

رَأتْ شماتَةَ العَدوّ فِیْهَا　　　وَصُنْعُها ما شاء فی اَخِیهَا

وہ دشمن کی شماتت و سرزنش سنتی تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ وہ ان کے بھائی کے (حسینؑ مظلوم کے بریدہ سر) ساتھ کیا کر رہے تھے!

مَغْلُوْلَةُ الْاَیْدِی الی الاَعْنَاقِ　　　تَسْبِیْ عَلٰی عجف مِن النُّیاقِ

اُن کے اور سب اسیروں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور ان سب کو ایک ہی زنجیر میں باندھ رکھا تھا

قَدْ تَرَّ کْتُ عَزِیْزَ هاعَلَی الثَریٰ　　　وَ خَلَّفَتْهُ فی الهَجِیرِو العَرّیٰ

انہوں نے اپنے عزیزوں کو اس وادی و بیابان میں خاک پر بکھرے ہوئے بے کفن و برہنہ دیکھا تھا

اِنَّ نَظَرَتَ لَهاالْعُیُوْنُ وَلُوَلَتْ　　　اَو نَظَرَتْ اِلی الرّوؤسِ وَلُوَلَتْ

اگر چشم (انسانی) ان عریاں جسموں کو اور آنکھیں اُن بریدہ سروں پر پڑیں تو نالہ و فریاد بلند ہونے لگیں

حاسِرَةُ الْوَجهِ بِغَیْرِ بُرْقِعِ　　　لاسَتْرَ غَیْرَ ساعِدِ وَاَذْرُعِ

چادر اُن کے سر سے چھین لی گئی تھی اور اُنہوں نے اپنے چہروں کو اپنی ہتھیلیوں سے چھپایا ہوا تھا۔

❁❁❁

۱۔ تبصرۂ اختتام

عظیم علیؑ کی عظیم بیٹیؑ کی سوانحِ حیات ختم ہوئی۔ ہمارے کمزور وناتواں وبے بضاعت ہاتھوں کی کاوش کسی طرح بھی ایسی عظیم ہستی کے بارے میں کماحقہٗ طور پر کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں بلکہ کسی گوشۂ حیات کے بارے میں کچھ بھی کہنا ناممکن ہے۔ معظمۂ کونین وہ ہیں جن کی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توصیف فرماتے ہیں، بابِ مدینۃ العلم ابوالآئمہ امیر المومنین علیہ السلام جن پر فخر کرتے ہیں، حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام برادرِ بزرگ ہوتے ہوئے جن کے مشورہ کو ہر شعبۂ زندگی میں لازم جانتے ہیں اور سب سے آخر میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نہ صرف آپؑ کو رموزِ امامت سپرد فرماتے ہیں، نمازِ شب میں مخدومۂ عالمین سے اپنے آپ کو یاد رکھنے کی درخواست کرتے ہیں، اپنے پورے قافلہ کی نگران مقرر فرماتے ہیں بلکہ دنیا پر ثابت کررہے ہیں کہ وراثتِ سید المرسلینؐ اور آنحضرتؐ کی ولایت کیلئے جواب سید الساجدین علیہ السلام کی صورت میں دنیا میں باقی ہے، آپؑ ہی محافظ ہوسکتی ہیں۔ ہم جیسے کمزور خادم کی نجات کیلئے تو اتنا ہی کرم بہت کافی ہے کہ مخدومۂ کربلا، غلط یا صحیح، کسی طرح بھی اپنے ادنیٰ ترین ذکر کرنے والوں کی صفِ آخر ہی میں کھڑے ہونے والوں میں ہمیں قبول فرمالیں، تو یہ ہم ایسے بے بضاعت کے لئے سہارۂ عاقبت ہوجائے۔ ہمارے پاس ان کے لئے ہے کیا؟ چند حقیر آنسو اور انہی سے درخواست کہ ہمیں اپنے یاد کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیں کہ:

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

✿✿✿

۲۔ زِیَارَۃُ المُفجِعَة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ سَیِّدِ الْاَ نْبِیَآءِ ،

سلام ہو آپ پر اے سیدؐ الانبیاء کی نورِ نظر۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَا بِنْتَ صَاحِبِ الْحَوضِ وَاللِّوَ آءِ ،

سلام ہو آپ پر اے والیِ کوثر اور لواء الحمد کے مالک کی لختِ جگر۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَا بِنْتَ مَنْ عُرِجَ اِلَی السَّمَآءِ ،

سلام ہو آپ پر اے قَابَ قَوسَیْنِ اَو اَدْنیٰ کی منزل

وَوُصِلَ اِلٰی مَقَامِ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی،

تک افلاک کی بلندیوں سے گزر کر پہنچنے والے کی صاحبزادی۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ نَبِیِّ الْهُدٰی، وَسَیِّدِ

سلام ہو آپ پر اے سرچشمۂ ہدایت نبی کی پارۂ جگر جو سردارِ

الْوَرٰی، وَمُنْقِذِ الْعِبَادِ مِنَ الرَّدٰی،

دو جہاں اور خلقِ خدا کے محافظ ہیں

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَا بِنْتَ صَاحِبِ الْخُلُقِ الْعَظِیْمِ،

سلام ہو آپ پر اے صاحبِ خلقِ عظیم کی بیٹی،

وَالشَّرفِ الْعَمِیْمِ، وَالْاٰ یَاتِ وَالذِّ کْرِالْحَکِیْمِ،

جو شرفِ بے پایاں کے مالک، مظہرِ آیاتِ پروردگار، صاحبِ قرآنِ حکیم ہیں۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَا بِنْتَ صَاحِبِ الْمَقَامِ

سلام ہو آپ پر اے صاحبِ مقامِ محمود، ساقیِ واردانِ

الْمَحْمُوْدِ، وَالْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ، وَاللِّوَ آءِ الْمَشْهُوْدِ ،

تسنیم، روزِ قیامت جس کا علَم بلند ہوگا

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْهَجِ دِیْنِ الْاِسْلاَمِ،

سلام ہو آپ پر دینِ اسلام کے رہنما،

وَصَاحِبِ الْقِبْلَةِ وَالْقُرْاٰنِ، وَعَلَمِ الصِّدْقِ

قبلہ و قرآن کے مالک، سچائی و حق و

وَالْحَقِّ وَالْاِحْسَانِ،

نیکی کے والد نشان کی فرزند۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ صَفْوَةِ الْاَنْبِیَآءِ،

سلام ہو سرتاجِ انبیاء کی نورِ نظر پر،

وَعَلَمِ الْاَ تْقِیَآءِ، وَمَشْهُوْرِ الذِّ کْرِفِیْ السَّمَآءِ

پرہیزگاروں کے سرمایۂ افتخار، عالمِ افلاک کی محبوب ہستی

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ،

جس کواللہ کی رحمت و برکات حاصل ہیں۔

اَلسَّلاَمُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ، وَسَيِّدِ

سلام ہواُس کی عظیم صاحبزادی پر جومخلوقِ خدا میں بہترین، اس کی مخلوق کا

خَلْقِهٖ، وَاَوَّلِ الْعَدَدِ قَبْلَ اِيْجَادِ اَرْضِه

سردار، جوزمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے عالمِ وجود

وَسَمَاوَاتِهٖ، وَ اٰخِرِ الْاَ بَدِ بَعْدَ فَنَآءِ الدُّ نْيَا

میں لایا گیا، جودنیا اور دنیاوالوں کی فنا کے بعد حیاتِ جاوداں

وَاَهْلِهٖ، اَلَّذِیْ رُوْحُهٗ نُسْخَةُ اللاَّ هُوْتِ

سرشار ہوگا، جس کی روح کتابِ خدا کا نسخۂ مفردہ،

وَصُوْرَتُهٗ نُسْخَةُ الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ،

جس کی صورت اقتدار وعظمت کا صحیفۂ یکتا،

وَقَلْبُه خُزَانَةُ الْحَيِّ الَّذِی لاَ يَمُوْتُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَ کَا تُهٗ.

جس کا قلب حیٌ وقیوم پروردگار کا خزانہ، جس پر اللہ کی رحمت و برکات نازل ہوتی ہیں۔

اَلسَّلاَمُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ الْمُظَلَّلِ بِالْغَمَامِ،

سلام ہواس کی لختِ جگر پر جسے رفعتوں کا سایہ حاصل ہے،

سَيِّدِ الْکَوْنَيْنِ، وَمَوْ لَی الثَّقَلَيْنِ، وَشَفِيْعِ

دنیاوآخرت کی سیادت جس کے لئے ہے، جن وانس کے آقا،

الُاُ مَّةِ یَوْمَ الْمَحْشَرِ، وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

یوم حشر اُمت کے شفیع، آپ پر اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ سَیِّدِ الْاَوْصِیَآءِ

سلام ہو آپ پر اے سید الاوصیا کی صاحبزادی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ اِمَامِ الْاَتْقِیَآءِ

سلام آپ پر اے متقیوں کے امام کی نورِ نظر

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ رُکْنِ الْاَ وْلِیَآءِ

سلام ہو آپ پر اے اولیاء کے سہارے کی لختِ جگر

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ عِمَادِ الْاَصْفِیَآءِ

سلام ہو آپ پر اللہ کے منتخب بندوں کی ڈھارس کی فرزند

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ یَعْسُوْبِ الدِّیْنِ

سلام ہو آپ پر اے دین داروں کے سردار کی صاحبزادی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ،

سلام ہو آپ پر اے امیر المؤمنین کی بیٹی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ سَیِّدِ الْوَصِیِّیْنَ

سلام ہو آپ پر اے سید الاوصیاء کی نورِ نظر

اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ قَائِدِ الْبَرَرَةِ،

سلام ہو آپ پر اے تمام لوگوں کے قائد کی آرامِ جاں

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ قَامِعِ الْکَفَرَةِ

سلام ہو آپ پر اے کفر اور برائیوں کی بیخ کنی

وَالْفَجَرَةِ،

کرنے والی نورِ چشم

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ وَارِثِ النَّبِيِّيْنَ

سلام ہو آپ پر اے انبیاء کے وارث کی بیٹی

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ خَلِيْفَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

سلام ہو آپ پر اے انبیاء کے سردار کے خلیفہ کی دُخترِ عظیم

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ ضِيَآءِ الدِّيْنِ

سلام ہو آپ پر اے دین کو ضیاء بخشنے والی کی نورِ نظر

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ النَّبَاءِ الْعَظِيْمِ عَلَى الْيَقِيْنِ

سلام ہو آپ پر اے نبأِ عظیم (علیؑ مرتضٰی) و سرچشمۂ یقین کی راحتِ جان

اَلسَّلامُ عَلَيْکِ يَابِنْتَ مَنْ حِسَابُ

سلام ہو آپ پر، اس کی فرزند جو لوگوں کا حساب و کتاب

النَّاسِ عَلَيْهِ. وَالْکَوْثَرَ فِيْ يَدَيْهِ.

چکانے والا، حوضِ کوثر سے اپنے ہاتھ سے سیراب کرنے والا،

وَالنَّصَّ يَوْمَ الْغَدِيْرِ عَلَيْهِ، وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ.

اور غدیر کے دن خلافتِ الٰہیہ کی سند پانے والا، اللہ کی رحمت و برکات ہوں آپ پر

اَلسَّلامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ قَادَ زَمَامَ

سلام ہو آپ پر اس کی صاحبزادی جس کے ناقہ کی مہار

نَاقَتِهَا جبْرَ آئِیْلُ وَشَارَ کَهَا فِیْ مُصَابِهَآ

جبرئیل کے ہاتھ میں ہوگی، اسرافیل جس کے غم واندوہ میں برابر

اِسْرَافِیْلُ وَغَضِبَ بِسَبَبِهَاالرَّبُّ الْجَلِیْلُ

شریک رہے، جس کے مصائب ربِ جلیل کے غضب کا باعث،

وَبَکٰی لِمُصَابِهَآ اِبْرَاهِیْمُ الْخَلِیْلُ، وَنُوْحٌ.

جس کے صدمات پر اللہ کے خلیل ابراہیمؑ، اور نوحؑ و

وَمُوْسَی الْکَلِیْمُ. فِیْ کَرْبَلآءِ الْحُسَیْنِ الشَّهِیْدِ الْغَرِیْبِ.

موسیٰ کلیم اللہ، کربلا میں حسینؑ شہید وغریب پر رویا کیے۔

اَلسَّلامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ الْبُدُوْرِ السَّوَاطِعِ

سلام ہو آپ پر اے چاند کی طرح اُجالا کرنے والوں کی لختِ جگر،

اَلسَّلامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ الشُّمُوْسِ الطَّوَالِعِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ،

سلام ہو آپ پر اے سورج کی طرح روشنی برسانے والے کی روحِ رواں، اللہ کی رحمت وبرکات ہوں آپ پر،

اَلسَّلامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ زَمْزَمَ وَ صَفَا،

سلام ہو آپ پر اے زمزم وصفا کی صاحبزادی،

اَلسَّلامُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَکَّةَ وَمِنٰی

سلام ہو آپ پر اے مکہ ومنیٰ کی روشنی۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ حُمِلَ عَلَی الْبُرَاقِ فِی الْھَوَ آ ءِ.

سلام ہو آپ پر ہوا میں برق پر سوار ہونے والے کی صاجزادی

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ حَمَلَ الزَّ کوٰةَ

سلام ہو آپ پر اے عبا میں بھر بھر کر فقراء میں

بِاَطْرَافِ الرِّدَ آءِ، وَبَذَ لَهُ عَلَی الْفُقَرَ آءِ،

زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کی مایۂ ناز صاجزادی۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ اُسْرِیٰ بِهٖ

سلام ہو آپ پر اُس کی فرزند جس کو مسجد الحرام سے

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَ قْصٰی،

مسجدِ اقصٰی تک سیر کروائی گئی۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ ضَرَبَ بِالسَّیْفَیْنِ،

سلام ہو آپ پر اے دو تلواروں سے جہاد کرنے والی کی نورِ نظر

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مَنْ صَلّٰی قِبْلَتَیْنِ،

سلام ہو آپ پر اے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھنے والے کی فرزند

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی

سلام ہو آپ پر اے محمدؐ کی لختِ جگر

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ عَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی

سلام ہو آپ پر اے علیؑ مرتضٰی کی فرزند

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ فَاطِمَةَ الزَّھْرَ آءِ

سلام ہو آپ پر اے فاطمہ زہراؑ کی پارۂ دل

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَابِنْتَ خَدِیْجَةَ الْکُبْرٰی

سلام ہو آپ پر اے خدیجہؑ کبریٰ کی صاحبزادی

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ وَ عَلٰی جَدِّکَ مُحَمَّدِ نِ الْمُخْتَارِ

سلام ہو آپ پر اور آپ کے جد محمدؐ مختار پر

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ وَعَلٰی اَبِیْکِ حَیْدَرِ الْکَرَّارِ

سلام ہو آپ پر اور آپ کے پدرِ بزرگوار حیدرؑ کرار پر

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ وَعَلَی السَّادَاتِ الْاَطْھَارِ

سلام ہو آپ پر اور ساداتِ پاک پر جو خیرات کرتے تھے

الْاَخْیَارِ، وَھُمْ حُجَجُ اللّٰہِ عَلَی الْاِقْطَارِ،

اور دنیا بھر کے لئے اللہ کی حجت تھے،

سَادَاتُ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ ، مِنْ وُلْدِ اَخِیْکِ

زمین اور آسمانوں کے سردار تھے، آپ کے برادرِ بزرگ

الْحُسَیْنِ الشَّھِیْدِ الْعَطْشَانِ الظَّمْاٰنِ،

حسینؑ پر جو تشنہ لب و تشنہ کام شہید ہیں،

وَھُوَ اَ بُو التِّسْعَةِ الْاَطْھَارِ، وَھُمْ حُجَجُ

نو معصوموں کے باپ ہیں، اللہ کی حجت ہیں

اللّٰهِ فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ وَالْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ.

مشرق ومغرب وزمین وآسمان پر

اَلَّذِيْنَ حُبُّهُمْ فَرْضٌ عَلٰى اَعْنَاقِ كُلِّ

جن کی محبت فرض ہے کائنات کی تمام

الْخَلَآئِقِ الْمَخْلُوْقِيْنَ لِخَالِقِ الْقَادِرِ السُّبْحَانِ

مخلوق پر جو قادر وسبحان نے خلق فرمائی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَابِنْتَ وَلِيِّ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ،

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے سب سے بڑے ولی کی صاحبزادی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَابِنْتَ وَلِيِّ اللّٰهِ الْمُعَظَّمِ.

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے ولیِ معظم کی دُختر

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَابِنْتَ يَاعَمَّةَ وَلِيِّ اللّٰهِ الْمُكَرَّمِ.

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے مکرم ولی کی پھوپھی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَااُمَّ الْمَصَآئِبِ يَا زَيْنَبُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.

سلام ہو آپ پر اے اُمّ المصائب، اے زینبؑ (علیا) اور آپ پر اللہ کی رحمت وبرکات ہوں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الصِّدِّيْقَةُ الْمَرْضِيَّةُ.

سلام ہو آپ پر اے صدیقہ وراضی برضائے پروردگار بی بی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْفَاضِلَةُ الرَّشِيْدَةُ،

سلام ہو آپ پر اے فاضلہ وعلم پرور معظمہؑ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ اَيَّتُهَا الْكَامِلَةُ الْعَالِمَةُ الْعَامِلَةُ،

سلام ہو آپ پر اے علم و عمل میں کامل خاتونِ مکرم

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ اَيَّتُهَا الْكَرِيمَةُ النَّبِيلَةُ،

سلام ہو آپ پر اے گرامی مرتبت و کرامت نسب مخدرہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ اَيَّتُهَا التَّقِيَّةُ النَّقِيَّةُ،

سلام ہو آپ پر اے تقویٰ سرشت و پاک نہاد مخدومہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَامَنْ ظَهَرَتْ مَحَبَّتُهَا

سلام ہو آپ پر جس کی عظیم محبت نے اپنے برادرِ

لِلْحُسَيْنِ الْمَظْلُومِ فِیْ مَوَارِدَ عَدِيْدَةٍ،

مظلوم حسینؑ کو لاتعداد مواقع پر سہارا دیا،

وَتَحمِلُ الْمَصَآئِبَ الْمُحْرِقَةِ لِلْقُلُوْبِ

ایسے مصائب میں ساتھ دیا جن سے قلوب جل جائیں

مَعَ تَحَمُّلَاتِ شَدِيْدَةٍ.

اور شدید حالات میں ہمراہ رہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا مَنْ حَفَظَتِ الْإِمَامَ فِیْ

سلام ہو آپ پر جس نے عاشور کے دن امامِ وقت

يَومِ عَاشُوْرَ آءِ فِیْ قَتْلٰی،

کی حفاظت کا فرض انجام دیا،

وَبَذَلَتْ نَفْسَهَا فِيْ نَجَاتِ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ

اور امام زین العابدین (علیہ السلام) کو شقی ترین شخص

فِيْ مَجْلِسِ اَشْقَى الْاَشْقِيَآءِ،

یعنی (بادشاہ) کے دربار میں اپنی جان لڑا دی،

وَنَطَقَتْ كَنُطْقِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِيْ

اور کوفہ کے کوچہ و بازار میں حضرت علیؑ کے

سِكَكِ الْكُوْفَةِ، وَحَوْلُهَا كَثِيْرٌ مِنَ الْاَعْدَآءِ،

لہجہ میں کثیر دشمنوں سے خطاب فرمایا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَامَنْ نَطَحَتْ جَبِيْنُهَا

سلام ہو آپ پر کہ آپ نے نیزہ کی انی پر

بِمُقَدَّمِ الْمَحْمِلِ، اِذْ رَأَتْ رَاْسَ سَيِّدِ الشُّهَدَآءِ

سید الشہداء علیہ السلام کا سر دیکھ کر کجاوہ کی چوب سے اپنا سر زخمی کر لیا

وَيَخْرُجُ الدَّمُ مِنْ تَحْتِ قِنَاعِهَا، وَمِنْ

اور آپ کا خون جب محمل سے گر کر زمین میں جذب ہوا تو

مَحْمِلِهَا، بِحَيْثُ يَرٰى مِنْ حَوْلِهَا الْاَعْدَآءُ.

دشمن کی آنکھوں نے بھی یہ سماں دیکھا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا تَالِيَ الْمَعْصُوْمِ،

سلام ہو آپ پر اے مظہرِ عصمت

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكِ يَا مُمْتَحِنَةً فِيْ تَحَمُّلاَتِ

سلام ہو آپ پر اے مصائب کی یورش میں

الْمَصَآئِبِ كَالْحُسَيْنِ الْمَظْلُوْمِ، وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَ كَاتُهُ.

حسینؑ مظلوم کی طرح کامیاب وکامران اور آپ پر اللہ کی رحمت وبرکات ہوں

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْبَعِيْدَةُ مِنَ الْاَوْطَانِ.

سلام ہو آپ پر اے غریب الوطن مخدومہ

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَاالْاَسِيْرَةُ فِي الْبُلْدَانِ

سلام ہو آپ پر اے اسیرِ محن معظمہ

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَاالْمُتَحَيِّرَةُ فِيْ خَرَابَةِ الشَّامِ.

سلام ہو آپ پر اے خرابۂ شام میں قید رہنے والی عظیم بی بی

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَاالْمُتَحَيِّرَ ةُ فِيْ وُقُوْفِكِ

سلام ہو آپ پر اے سید الشہداء علیہ السلام کے جسدِ پاک

عَلَى جَسَدِ سَيِّدِ الشُّهَدَ آءِ

پر حیران وپریشان کھڑی ہونے والی جو اُس وقت

وَخَاطَبْتِ جَدَّكِ رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ، بِهٰذَ النِّدَ آءِ،

کہہ رہی تھی اے نانا! آپ پر تو

صَلّٰى عَلَيْكَ مَلاَ ئِكَةُ السَّمَآءِ، هٰذَا

آسمانوں کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں، یہ ہے آپ کا

حُسَيْنٌ بِالْعَرَ آءِ،مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ

حسینؑ جس کی عباوعمامہ سب لوٹ لئے گئے،

وَالرِّدَ آءِ ،مُقَطَّعُ الْاَعْضَآءِ،

جس کے جسم کے ٹکڑے میدان میں بکھرے پڑے ہیں،

وَبَنَاتُکَ سَبَایَا، وَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی وَقَالَتْ:

آپ کی بیٹیوں کوقید کر دیا گیا،اللہ کے سواجن کی کوئی شکایت سننے والانہیں۔

یَامُحَمَّدُ! هٰذَا حُسَیْنٌ تُسْفِیْ عَلَیْهِ

اے محمد مصطفیٰ! یہ آپ کا حسینؑ ہے جس پر بادِصبا خاک کی چادر چڑھا

رِیْحُ الصَّبَا، مَجْذُوْذُ الرَّ أسِ مِنَ الْقَفَا،

رہی ہے،جس کوپسِ گردن سے ذبح کیا گیا،

قَتِیْلَ اَوْلاَ دِ الْبَغَایَا،

جسے بدکاروں کی اولاد نے قتل کیا،

وَاحُزْنَاهُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ!

ہائے! اباعبداللہ الحسینؑ

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ تَهَیَّجَ قَلْبُهَا لِلْحُسَیْنِ

سلام ہواس بہن کے ہیجان آمیز قلب پر جس نے حسینؑ مظلوم

الْمَظْلُوْمِ الْعُرْ یَانِ الْمَطْرُوْحِ عَلَی الثَّرٰی،

کی میّت بے کفن زمین پر پڑی دیکھی

وَقَالَتْ بِصَوْتٍ حَزِيْنٍ،

اورانتہائی دردناک لہجہ میں کہا:

بِاَبِیْ مَنْ نَفْسِیْ لَهُ الْفِدَ آءُ

میراباپ قربان اس مقتولِ راہِ حق پر

بِاَبِیْ الْمَهْمُوْمِ حَتّٰی قَضٰی

میراباپ قربان ہواس افسردہ خاطر قتیل پر

بِاَبِی الْعَطْشَانِ حَتّٰی مَضٰی

میراباپ قربان اس پر جوزندگی کے لحۂ آخر تک پیاسا رہا

بِاَبِیْ مَنْ شَیْبَتُهُ تَقْطُرُ بِالدِّمَآءِ

میراباپ قربان اس شہید پر جس کی ریش سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ بَکَتْ عَلٰی جَسَدِ اَخِیْهَابَیْنَ الْقَتْلٰی

سلام ہواس عظیم بہن پر جس نے مقتول بھائی پر گریہ کیا، اس طرح کہ

حَتّٰی بَکٰی لِبُکَآ ئِهَا کُلُّ عَدُوٍّ وَصَدِیْقٍ

دُشمن ودوست سب اس پر رونے لگے

وَرَایَ النَّاسُ دُمُوْعَ الْخَیْلِ تَنْحَدِرُ عَلٰی

اورلوگوں نے دیکھا کہ سواری کے گھوڑے بھی اس پر اس قدر اشکبار

حَوَافِرِ هَا عَلَی التَّحْقِیْقِ،

ہوئے کہ ان کے سُم بھیگ گئے

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ تَکَفَّلَتْ وَاجْتَمَعَتْ

سلام ہو اُس پر جس نے کفالت کی اور جمع کیا

فِیْ عَصْرِ عَاشُوْرَ آءِ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، وَ اَطْفَالِ الْحُسَیْنِ.

عصرِ عاشور کو رسولؐ اللہ کی صاحبزادیوں کو اور حسینؑ مظلوم کے بچوں کو

وَقَامَتْ لَهَا الْقِیٰمَةُ فِیْ شَهَادَةِ الطِّفْلَیْنِ

اور جس پر اس وقت قیامت گزر گئی جب دو بچے غریب و مظلوم

الْغَرِیْبَیْنِ الْمَظْلُوْمَیْنِ

ان کے سامنے شہید ہو گئے۔

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ لَمْ تَنَمْ عَیْنُهَا لِاَجْلِ

سلام ہو اس مخدومہ پر جس نے اللہ والوں یعنی اہلِ بیتؑ کی

حِرَاسَةِ اٰلِ اللّٰہِ، فِیْ طَفِّ نِیْنَوَ آءِ،

حفاظت میں تمام رات جاگ کر نینوا کے ریگستان میں گزاردی،

وَصَارَتْ اَسِیْرًا ذَلِیْلاً بِیَدِ الْاَ عْدَ آءِ

جو معظّمہ اسیر ہوئی جسے دشمنوں نے اس کے مرتبہ سے گرانے کی کوشش کی

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ رَ کِبَتْ بَعِیْرًا بِغَیْرِ وَطَاءٍ،

سلام اس پر جسے بے عماری کے ناقہ پر سوار کیا گیا اور اس وقت

وَنَادَتْ اَخِیْهَآ اَ بَاالْفَضْلِ بِهٰذَا النِّدَ آءِ:

جس نے اپنے بھائی ابوالفضلؑ کو دردناک آواز میں پکارا

اَخِیَ اَبَاالْفَضْلِ، اَنْتَ الَّذِیْ رَ کِبْتَنِیْ اِذَا

اے بھائی ابوالفضلؑ! تو نے مجھے محمل میں سوار کرایا تھا جب

اَرَدْتُ الْخُرُوْجَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ

ہم مدینہ سے چلے تھے۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ خَطَبَتْ فِیْ مَیْدَانِ الْکُوْفَةِ،

سلام ہو اس عظیم خاتون پر جس نے میدانِ کوفہ میں خطاب فرمایا

بِخُطْبَةٍ نَافِعَةٍ، حَتّٰی سَکَنَتِ الْاَصْوَاتُ مِنْ کُلِّ نَاحِیَةٍ

اس قدر عبرت خیز تقریر کی کہ آوازیں خاموش ہو گئیں اور سناٹا چھا گیا۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ احْتَجَّتْ فِیْ مَجْلِسِ ابْنِ زِیَادٍ

سلام ہو اس پر جس نے ابنِ زیاد کے دربار میں احتجاج کیا

بِاحْتِجَاجَاتٍ وَاضِحَةٍ، وَقَالَتْ فِیْ جَوَابِهٖ بِبَیِّنَاتٍ صَادِقَةٍ

ایسا احتجاج جو واضح تھا، اس کے دربار میں اس کے جواب میں حقیقت کو آشکار کر دیا

اِذْقَالَ ابْنُ زِیَادٍ لِزَیْنَبَ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَیْهَا:

جب ابنِ زیاد نے زینبِ عالیہ سلام اللہ علیہا سے کہا کہ

کَیْفَ رَأَیْتِ صُنْعَ اللّٰهِ بِاَخِیْکِ الْحُسَیْنِ

اللہ نے تمہارے بھائی حسینؑ کے ساتھ کیا کیا

قَالَتْ: مَارَأَیْتُ اِلَّا جَمِیْلاً!

تو فرمایا کہ ہمیں اللہ نے نیکی و بھلائی عطا فرمائی۔

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکِ یَآ اَسِیْرًا بِاَیْدِیْ الْاَ عْدَ آءِ

سلام ہو آپ پر اے مخدومہ جسے دشمنوں نے اسیر کیا، جسے

فِیْ الْفَلَوَاتِ، وَرَ أَیْتِ اَھْلَ الشَّامِ فِیْ حَالَۃِ

صحرانوردی کرنا پڑی، جس نے شام والوں کو جشنِ مسرت مناتے

الْعَیْشِ وَالسُّرُوْرِ وَنَشْرِ الرَّایَاتِ

اور جھنڈے لہراتے دیکھا۔

اَلسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ شُدَّ الْحَبْلُ عَلٰی عَضُدِ ھَا

سلام ہو اس معظمہؑ پر جس کے بازو اور زین العابدینؑ کی گردن

وَعُنُقِ الْاِمَامِ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ

ایک ہی رسّی میں باندھی گئیں

وَاذْ خَلُوْھَامَعَ سِتَّۃَ عَشَرَ نَفَرٍ مِنْ آلِ

جس کے ہمراہ سولہ افرادِ آلِ رسولؐ کو عام

رَسُوْلِ اللّٰہِ، وَھُمْ کَالْاُ سَرَ آءِ مُقَرَ نِیْنَ بِالْحَدِیْدِ

قیدیوں کی طرح جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے،

مَظْلُوْمِیْنَ، وَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلاَمُ لِیَزِیْدَ:

یزید کے دربار میں لایا گیا اور علیؑ بن الحسینؑ نے یزید سے کہا

یَایَزِیْدُ مَاظَنُّکَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ،

اے یزید! تیرا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

لَوْ رَ أنَا عَلٰی هٰذِهِ الْحَالَةِ

ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو ان پر کیا گزرتی

ثُمَّ قَالَتْ اُمُّ الْمَصَآئِبِ زَیْنَبُ، لَهُ قَآ ئِلاً:

پس جناب اُم المصائب زینبؑ کبریٰ نے یزید سے کہا جب وہ شعر پڑھ رہا تھا

فَاَهَلُّوْ وَاسْتَهَلُّوْ فَرَحاً،

کہ میرے بزرگ میری کامیابی کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے

ثُمَّ قَالُوْا یَا یَزِیْدُ لاَ تَشَلْ،

تو کہتے اے یزید! ترے بازو شل نہ ہوں

مُنْتَحِیاً عَلٰی ثَنَایَآ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ، سَیِّدِ

ساتھ ہی چھڑی سے حسینؑ مظلوم پر بے ادبی کرر ہا تھا جو جوانانِ

شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، تَنْکُتُهَا بِمَخْصَرَ تِکَ، ثُمَّ قَالَتْ:

جنت کے سردار ہیں، ان کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا تھا، پس مخدومہ نے فرمایا:

وَلَئِنْ جَرَتْ عَلَی الدَّوَاهِیْ مُخَاطِبَتُکَ،

یہ زمانہ کے نشیب وفراز ہیں کہ میں آج تجھ سے مخاطب ہوں،

اِنِّیْ لَاَ سْتَصْغِرُ قَدْرَکَ، وَاَسْتَعْظِمُ تَقْرِیْعَکَ

میں تجھے انتہائی کم ظرف وچھچھورا جانتی ہوں، تیری سرزنش بڑا

وَاَسْتَکْثِرُ تَوْبِیْخَکَ، لٰکِنَّ الْعُیُوْنَ عَبْرَا

کام اور تیری ملامت میری نظر میں ایک

وَالصُّدُوْرَ حَرىٰ.

اچھی بات ہے لیکن آنکھیں آنسو برسارہی ہیں اور کلیجہ سلگ رہا ہے۔

اَلاَ! فَالْعَجَبُ کُلَّ الْعَجَبِ! مِنْ اِقْدَامِکَ

افسوس کس قدر حیرت کا مقام ہے اللہ کے وہ بندے جن پر شرافت کو ناز ہے،

لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ النُّجَبَآءِ، بِحِزْبِ الشَّیْطَانِ الطُّلَقَآءِ

ہمارے آزاد کردہ غلاموں کی جماعت، شیطانی ٹولے کے ہاتھوں قتل ہوں۔

وَلَئِنِ التَّخَذْ تَنَا مَغْنَماً لَتَجِدُنَا، وَشِیکاً

(یزید!) اگر تو ہمیں آج مالِ غنیمت سمجھ رہا ہے تو کل تجھے اس کی بڑی قیمت

مَغْرَماً حِیْنَ لاَ تَجِدُ اِلاَّ مَاقَدَّمَتْ یَدَاکَ

ادا کرنا ہوگی۔ یہ نہ بھول کہ جو اعمال تو آگے بھیجے گا وہی تجھے ملے گا کیونکہ

وَمَارَبُّکَ بِظَلاَّمٍ لِلْعَبِیْدِ

اللہ عادل ہے، کبھی ظلم روا نہیں رکھتا۔

وَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکیٰ،

ہم اللہ کے حضور ہی فریاد کرتے ہیں

وَعَلَیْهِ الْمُعَوَّلُ فِی الشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ

اور ہمیں اچھے یا برے وقت میں اسی پر بھروسہ ہے۔

فَکِدْ کَیْدَکَ، وَاسْعَ سَعْیَکَ، وَنَاصِبْ

پس (اے یزید) اپنے مکروفریب کو آزمالے، کسی اقدام میں کسر اُٹھا نہ رکھ، جاں فشانی

جَهْدَکَ، فَوَاللّٰہِ لاَ تَمْحُوْذِکْرَنَا، وَلاَ تُمِیتُ

میں کوئی فرق نہ آنے پائے، اس کے باوجود تو ہمارے ذکر کو بخدا نہیں مٹا سکتا، نہ ہی

وَحْیَنَا،

ہمارے پیغام پر اثر انداز ہونا تیرے امکان میں ہے۔

وَلاَ تُدْرِکُ اَمَدَنَا

تو ہمارے بلند مقصد کا ادراک نہیں کر سکتا

وَلاَ تَرْحَضُ عَنْکَ عَارَھَا

اپنے چہرہ سے بے شرمی کے داغ تو مٹا نہیں سکتا

وَھَلْ رَأْیُکَ اِلَّا فَنَدًا،

تیری رائے غلط ہے،

وَاَیَّامُکَ اِلَّا عَدَدًا،

تیرے دن پورے ہو چکے ہیں۔

وَجَمْعُکَ اِلَّا بَدَدًا،

تیرے ساتھی تجھے چھوڑ کر بھاگنے والے ہیں۔

یَایَزِیْدُ! اَمَا سَمِعْتَ قَوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی:

اے یزید! کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھنا

اللّٰهِ اَمْوَا تاً، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَ بِّهِمْ یُرْزَ قُوْنَ ؟

بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں؟

وَحَسْبُکَ بِاللّٰهِ حَاکِماً، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ

تیرے لئے یہی کافی ہے کہ روزِ حشر منصفِ حقیقی فیصلہ دے گا، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

خَصِیْماً وَبِجِبْرِیْلَ ظَهِیْرًا، ثُمَّ قَالَتْ:

اور جبرئیلؑ ان کے مددگار ہوں گے۔ اس کے بعد معظمہؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَتَمَ لِاَوَّلِنَا بِالسَّعَادَةِ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمارے اسلاف کو سعادت کی دولت دی ہے

وَالْمَغْفِرَةِ، وَ لِاٰ خِرِنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحْمَةِ،

اور ہمارے خاندان کے بعد میں آنے والوں کو شہادت و رحمت سے سرفراز فرمایا۔

اِنَّهٗ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ، وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَ کِیْلُ،

بے شک وہ بڑا شفیق کرم گستر، بہترین کارساز ہے،

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ، وَاَ هْلِ

محمدؐ، ان کی آلؑ و پاک و پاکیزہ اہلِ بیتؑ پر جنہیں

بَیْتِهِ الطَّاهِرِیْنَ الْاَ ئِمَّةِ الْمَعْصُوْمِیْنَ.

معصوم آئمہ کا مرتبہ حاصل ہوا۔

آمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ.

اے رب العالمین ہماری دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ آمین۔

❁❁❁

واقعۂ کربلا کے بارے میں مرثیہ جات

واقعۂ کربلا کے متعلق ہر زبان میں مفکرین وشعراء نے اپنی آراء ومراثی پیش کئے ہیں جو جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ ان کی عقیدت کے مظہر ہیں۔ نہ صرف مسلمان شعراء نے اس عظیم شہادت کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے بلکہ غیر مسلم حضرات بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ یہ خیال کہ واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں صرف شیعہ قوم کے اربابِ فکر وشعراء نے اظہارِ تخیل کیا ہے، بالکل غلط ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے داعی ہیں کہ صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلم مؤرخین نے بھی اس عظیم حادثہ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اہلِ سنت شعرائے کرام بھی اس سلسلہ میں پیچھے نہیں رہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر ہم نے مناسب بلکہ ضروری جانا کہ اپنی اس کاوش کے آخری باب کو مراثی سے مزین کریں، اس لئے ہم اس سلسلہ کی ابتداء جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم کے کلام سے کرتے ہیں، پاکستان میں جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا یہ کلام اس لئے بھی ہمیں ضروری معلوم ہوا کہ واقعۂ کربلا اگرچہ نواسۂ رسولؐ وجگر گوشۂ بتولؑ ونورِ نظرِ علیؑ ہی کی عظیم قربانی ہے۔ تاہم آپ کے ہمراہی کسی زاویۂ نظر سے ایسی کوئی چیز پیش نہیں کرتے جس میں اپنے عظیم رہبر کے زیرِ سایہ ان میں سے کسی فرد نے کسی موقعہ پر، وہ آقا ہو یا غلام، اپنے قبیلہ کا رئیس ہو یا غلام حبشی، مرد ہو یا خاتون، بچہ ہو یا بڑا، کسی قسم کی کمزوری یا کردار میں جھول دکھلایا ہو۔ ثانیِ زہراؑ تو بہر حال اپنے عظیم بھائی کی شریک کار ہیں، اسی عظیم ماں کے دودھ سے پلی ہیں جس نے نانا کے دین کو بچانے کی خاطر کسی قسم کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ثابت کردیا کہ اگر حسینؑ ہے تو نامِ رسولؐ باقی ہے اور اگر نامِ رسولؐ باقی ہے، بلکہ جب تک باقی ہے، تو کلمۂ توحید باقی ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ کربلا کی تمام شخصیات کو جو اپنے رہبر کے نہ صرف اشارۂ چشم کی منتظر ہیں بلکہ اپنے قائد کو جو زمین پر نمائندۂ پروردگار کی حیثیت سے قیام کررہا ہے، مجبور کررہے ہیں کہ انہیں جہاد کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے آقا کے قدموں میں جان دے کر اللہ کے دین کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے رسولؐ کے سامنے سرخرو ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیشِ نظر ہم اپنی اس مختصر سی تمہید کے ساتھ آغا شورش کاشمیری مرحوم کے کلام سے ابتداء کررہے ہیں تاکہ کربلا کے عظیم ہیرو کے ہمراہیوں کا ذکر بھی ہوجائے جو ایسی شخصیات کے حامل تھے جن پر خود

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے انصار ملے جیسے نہ میرے عظیم نانا کو مل سکے جو باعث تخلیق کائنات ہیں، نہ میرے بابا کو مل پائے جو **قسیم النار والجنہ و اشجع عالم** ہیں، نہ میرے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کو ملے جو تصویرِ رسولؐ ہیں۔

آغا شورش کاشمیری کی نظم کا عنوان ہے ''مسلمان (دولت کے بھکاری، طاقت کے پجاری)''، مرحوم فرماتے ہیں:

سوچتا ہوں کہ اُسی قوم کے وارث ہم ہیں ۔۔۔ جس نے اولادِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا
جس نے سادات کے خیموں کی طنابیں توڑیں ۔۔۔ جس نے لختِ دلِ حیدرؑ کو تڑپتا دیکھا
برسرِ عام سکینہؑ کی نقابیں اُلٹیں ۔۔۔ لشکرِ حیدرِؑ کرار کو لٹتا دیکھا
اُمِ کلثومؑ کے چہرے پر طمانچے مارے ۔۔۔ شام میں زینبؑ و صغریٰ کا تماشا دیکھا
شہِ کونین کی بیٹی کا جگر چاک کیا ۔۔۔ سبطِ پیغمبرِؐ اسلام کا لاشہ دیکھا
دیدۂ قاسمؑ و عباسؑ کے آنسو لوٹے ۔۔۔ قلب پر عابدِؑ بیمار کے چرکا دیکھا
توڑ کر اصغرؑ و اکبرؑ کی رگوں پر خنجر ۔۔۔ جورِ دوراں کا بہیمانہ تماشا دیکھا
بھائی کی نعش سے ہمشیر لپٹ کر روئی ۔۔۔ فوج کے سامنے شبیرؑ کو تنہا دیکھا
پھاڑ کر گنبدِ خضریٰ کے مکیںؐ کا پرچم ۔۔۔ عرش سے فرش تلک حشر کا نقشہ دیکھا
قلبِ اسلام میں صدمات کے خنجر بھونکے ۔۔۔ کربلا میں کفِ قاتل کا تماشا دیکھا
ابوسفیان کے پوتے کی غلامی کر لی ۔۔۔ خود فروشوں کو دنائت سے پنپتا دیکھا
اے مری قوم ترے حُسنِ کمالات کی خیر ۔۔۔ تو نے جو کچھ بھی دکھایا وہی نقشہ دیکھا

یہ سبھی کیوں ہے یہ کیا ہے مجھے اب سوچنے دے
کوئی تیرا بھی خدا ہے مجھے اب سوچنے دے

مرثیہ میں ذکرِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ فارسی یا اردو زبان میں خالصتاً جنابِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں مستقل مرثیہ جات بالکل دستیاب نہیں ہیں۔ چند ایک اردو شعراء نے اس سمت میں سعی کی ہے لیکن ان کے کہے ہوئے مرثیہ جات کسی

طرح تاریخی کیفیات پر پورے نہیں اترتے، مثلاً یہ کہ ثانیِ زہرؑا نے اس لئے مدینہ چھوڑا کہ اس وقت کی حکومت نے جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کو قید کر کے دوبارہ دمشق بلوایا تھا۔ یہی سفر ثانیِ زہرؑا کی دمشق میں شہادت کا سبب بنا۔ ایسی ہی روایت مصر کے متعلق پائی جاتی ہے جہاں ثانیِ زہرؑا کا مزار بنا ہوا ہے۔ اس قسم کی کوئی روایت اصولِ تاریخ پر پوری نہیں اُترتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام شعراء نے بی بی کا کربلا کے المیہ میں ایک مصیبت زدہ خاتون ہی کے طور پر ذکر کیا ہے جس سے کردارِ زینبؑ کبریٰ پر روشنی نہیں پڑتی جن کا جہاد جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد سے شروع ہوتا ہے جب آپ نہ صرف کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی سالار ہیں بلکہ امامِ وقت یعنی سید الساجدین علیہ السلام سمیت اس تمام قافلہ کی محافظ و رہبر بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ وقت کسی بھی فیصلہ سے پہلے اپنی عظیم پھوپھی سے مشورہ کرتے ہیں جو ہر موقعہ پر امامؑ سمیت تمام ارکانِ قافلہ پر کئے گئے مظالم اپنی ذات پر لے رہی ہیں اور اسی حالت میں نمازِ شب تک کی ادائیگی کو نظر انداز نہیں کرتیں جس کے بارے میں خود سید الشہداء علیہ السلام کا ارشاد صفحاتِ تاریخ کی زینت نظر آتا ہے جب آپؑ فرماتے ہیں کہ بہن! اپنی نمازِ شب میں مجھے فراموش نہ کرنا۔

اس سلسلہ میں جناب سید العلماء سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا ایک جملہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ حسینؑ کے جہاد میں زینبؑ شریک تھیں لیکن جب زینبؑ کا جہاد شروع ہوا تو حسینؑ ان کے ہمراہ نہ تھے۔ بالفاظِ دیگر جہادِ زینبؑ کی ایک جداگانہ کیفیت ہے جس کے بغیر واقعۂ کربلا میں رنگ بھرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

افسوس ہے کہ اتنی عظیم شخصیت کو مرثیہ نگار حضرات صرف بین کرتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ فارسی زبان کے شعراء نے قدرے بہتر صورت پیش کی ہے۔ اردو کے شعراء میں میر انیسؔ مرحوم اور ان کے افرادِ خاندان یعنی ان کے والد بزرگوار میر خلیقؔ و برادران میر مونس و میر اُنس اور پھر ان کے بعد میں آنے والے میر نفیسؔ وغیرہم نے اردو مرثیہ گوئی کو بہت عروج دیا لیکن جہاں تک جنابِ ثانیِ زہرؑا کا تعلق ہے، جن کو بجا طور پر عقیلۃ القریش یا عقیلۂ بنی ہاشم کے القاب حاصل ہیں، کے بارے میں کہیں بھی کوئی مستقل مرثیہ نہیں کہا۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پائی جاتی ہے وہ شہدائے کربلا کے لاشوں کے گنجِ شہداء میں لانے پر بی بی کے کچھ بین ملتے ہیں جن میں حضرات عونؑ و محمدؑ کی شہادتوں پر نہایت اختصار کے ساتھ بی بی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

انیسؔ و دبیرؔ کے بعد ایک زمانہ مرثیہ کی صنف میں خموشی کا نظر آتا ہے جس میں شاعروں کی توجہ زیادہ تر قومیات کی طرف

نظر آتی ہے۔ یہ زمانہ انگریز کے تسلط کا زمانہ ہے جس میں طویل دورِ حکمرانی کے بعد مسلمانوں کا دورِ غلامی شروع ہوتا ہے جس کے بعد عصرِ حاضر کے نوجوان شعراء مجالسِ عزا کے سلسلہ میں اس میدان میں کسی قدر فعال نظر آتے ہیں۔ ان میں محسنؔ نقوی شہید مرحوم پیش پیش ہیں جنہوں نے مرثیہ کی صنف کو اپنانے کی بجائے سلام وقطعات تک اکتفا کی ہے۔ لاہور نے کافی مرثیہ گو حضرات پیدا کیے لیکن انہوں نے بھی پرانے شعراء کے طریقِ کار پر عمل کر کے اپنی شاعری کو زینتِ مجالس بنانے سے زیادہ کاوش نہیں کی یعنی کربلا کی اس اہم ترین شخصیت کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہم انشاء اللہ، جہاں تک ہماری قلیل معلومات نے اجازت دی، عصرِ حاضر کے بی بیؑ سے متعلق کلام کے چند نمونے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

غرض شعرائے کرام نے سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے تاثرات اپنے اپنے الفاظ اور طرزِ بیان کے مطابق پیش کیے ہیں جو معظمہؑ کے غم دیدہ واقعات کی انسانی ذہن کے مطابق تشریح کرتے ہیں، تاہم جن لوگوں نے کربلا کے واقعات اور شہادتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے تاثرات کو جامۂ الفاظ میں پیش کرنا قطعاً ناممکن ہے کیونکہ یہ ایسی شہادتیں ہیں، ظلم کے ایسے مظاہرات ہیں جن کی نظیر چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

اسی سلسلہ میں ہم نے بہت کوشش کی کہ اردو زبان میں شعراء کے کلام پیش کریں لیکن ہم ایسے حالات و بیانات کی تلاش میں ناکام رہے جن سے مخدومۂ عالم کے کربلا اور اس کے بعد کے واقعات میں کردار پر روشنی پڑتی ہو۔ زیادہ تر شعرائے کرام نے یہی کیا ہے کہ لاشہ ہائے شہداء پر مخدرات کے بین وفریاد کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھے۔ عصرِ حاضر کے بعض شعراء نے البتہ اس سلسلہ میں اپنی اپنی مساعی پیش کی ہیں جن کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم سید شمیم رضا زیدی صاحب کا کلامِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

گو ظاہری شکست ہوئی کربلا کے بعد — نازاں تھا کفر معرکۂ کربلا کے بعد

اے ربِ ذوالجلال یہ توفیق ہے تری — تفسیرِ کربلا ہے رقم کربلا کے بعد

سر سے رِدائیں چھن گئیں اور ظلم سب سہے — سیدانیاں اسیر ہوئیں کربلا کے بعد

کوئی نہ تھا جو روکتا شمر و یزید کو — اسلام ڈگمگانے لگا کربلا کے بعد

زینبؑ نے کربلا میں نچھاور کیے پسر — بے مقنہ و رِدا بھی ہوئیں کربلا کے بعد

اللہ رے فراستِ زینبؑ تجھے سلام — اسلام کی حیات بنی کربلا کے بعد

شبیرؑ کے مشن کو بڑھاتی چلی گئیں — اسلام کو بچاتی رہیں کربلا کے بعد
شبیرؑ کی تو شام ہی مقتل میں ہو گئی — زینبؑ کی شام ، شام تلک کربلا کے بعد
کوفہ میں جا کے قافلۂ اہلِ بیتؑ نے — اسلام کو سہارا دیا کربلا کے بعد
ذکرِ حسینؑ کرتی چلیں زینبؑ حزیں — فکرِ رسولؐ لے کے چلیں کربلا کے بعد
انسانیت کا درس سکھاتی چلی گئیں — اسلام پھر سے زندہ کیا کربلا کے بعد
زینبؑ نے راز فاش کیا کون لٹ گیا — اسلام کی بقا کے لئے کربلا کے بعد
لہجہ میں مرتضیٰؑ کے دیا خطبۂ بلیغ — میدانِ شام فتح کیا کربلا کے بعد
بے شک وہ پاسبانِ امامت تو ہیں مگر — وہ پاسبانِ دین بنیں کربلا کے بعد
کرتا رہا کمال دلیری سے کارواں — تشہیرِ ظلم شام تلک کربلا کے بعد
اس طرح سے بساط اُلٹ دی یزید کی — ذکرِ حسینؑ دب نہ سکا کربلا کے بعد
تختِ یزید ہلنے لگا ظلم جھک گیا — دیکھی فلک نے یہ بھی فضا کربلا کے بعد
تجھ پر سلام شمعِ امامت کی پاسباں — بخشی حسینیت کو جِلا کربلا کے بعد
اسلام کی بقا کے لئے دربدر پھریں — زہراؑ کی جان ، بنتِ علیؑ کربلا کے بعد
دربار میں یزید کے زینبؑ کا وہ خطاب — اِک انقلاب لا کے رہا کربلا کے بعد
زیدیؔ کی شاعری سے حقیقت ہے آشکار — لطفِ حیات ختم غمِ کربلا کے بعد

اب جناب ضمیر امام زیدیؔ صاحب کا کلام پیشِ خدمت ہے:

بیعتِ باطل پہ کیوں اصرار ہے — غاصبو! انکار تھا ، انکار ہے
کربلا سویا نہیں بیدار ہے — بنتِ حیدرؑ! شام کا دربار ہے
بیکسی میں اور کیا درکار ہے — عزمِ راسخ جذبۂ ایثار ہے
ہل گیا ہے پایۂ تختِ یزید — محوِ حیرت چرخِ کج رفتار ہے
ہر محاذِ ظلم پر ثابت قدم — ہر تعدی کے لئے تیار ہے

کیا طلاقت ، کیا فصاحت ، کیا بیاں	کیا لب و لہجہ ہے ، کیا گفتار ہے
آج اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ و حسینؑ	اِک بھتیجا عابدؑ بیمار ہے
اللہ اللہ عالمِ بے چارگی	سر برہنہ برسرِ پیکار ہے
کٹ رہا ہے زعمِ باطل کا گلا	خطبۂ زینبؑ ہے یا تلوار ہے
شیر دل بیٹی نے ثابت کر دیا	ورثہ دارِ حیدرِؑ کرار ہے
''بلدیہ زینبؑ'' ہے اب شہرِ دمشق	کارفرما اب یہی سرکار ہے
بس یہی کہنا ہے محشر میں ضمیرؔ	میرے مولا تُو بڑا غفار ہے

جدید مرثیہ گوشعراء میں جناب قیصر بارہوی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ہم اپنی معظّمہؑ کے عنوان پر دو ایسے مرثیے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جو نہ صرف مرثیہ گوئی کے میدان کی زینت ہیں بلکہ اردو ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔

ایک مرثیہ کا عنوان ''جہادِ زینبؑ'' ہے اور دوسرے کا ''جنابِ زینبؑ''۔ اوّل الذکر مرثیہ سے پہلے قیصرؔ مرحوم کے دو قطعے پیش کیے جاتے ہیں، عنوان ہے ''جہادِ زینبؑ'':

ہاتھوں میں لئے چادرِ زینبؑ کی ترازو	اکبرؑ کی جوانی سے تجھے تول لیا ہے
اب اور کہاں جائے گی اے شوکتِ اسلام	شبیرؑ نے سر دے کے تجھے مول لیا ہے

قطعۂ ثانی:

سن لیں یہ بات ملتِ جعفر کی بیٹیاں	بے پردگی خلل ہے خدا کے نظام میں
وقت آ گیا تو چہرہ پہ بالوں کو ڈال کر	زینبؑ نے پردہ رکھ لیا بازارِ شام میں

ہم سابقہ صفحات میں تاریخ کے اس المیہ کا ذکر کر آئے ہیں کہ شام کے ملک میں عوام الناس کو یہ تاثر بلکہ یقین دلایا گیا تھا کہ بنی اُمیہ سے زیادہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کوئی رشتہ دار نہیں۔ انتہا یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ جب شام والوں کو اطلاع ملی کہ کسی نے علیؑ کو محرابِ مسجد میں شہید کر دیا ہے تو وہ لوگ حیرت زدہ تھے کہ علیؑ کا مسجد سے کیا تعلق! لہٰذا جب لٹا ہوا قافلۂ اہلِ بیتؑ شام کے بازار میں سے گزر رہا تھا تو لوگوں کو بتایا جا رہا تھا کہ ایک (معاذ اللہ) باغی نے امیر المؤمنین یزید کے خلاف

بغاوت کی تھی جس کو فرو کر کے باغیوں کے پس ماندگان کو قید کر کے لایا جا رہا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

اسی سلسلہ میں جب شام کے عوام کو اصلیت کا علم ہوا تو لوگ اس کیفیت کو پہنچ گئے کہ یزید ملعون کو شام میں انقلاب اور حکمرانی کا تختہ اُلٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں کو بتدریج معلوم ہونے لگا کہ یہ عام قیدی نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ وفا کے وہ مدارج پیش کیے ہیں عقلِ انسانی جن کا تصور پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں اسلام کے وفادار مردوں کے سر عوامِ شام نیزوں پر دیکھ رہے تھے لیکن ایک آوازِ زندہ انہیں وفائے اسلام کی صورت میں سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز علیؑ کی بیٹی کی آواز تھی جس نے بنی اُمیہ کے ایوانِ اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔

جناب قیصر بارہوی مرحوم شریکۃ الحسینؑ کا ان الفاظ میں تعارف کرواتے ہیں:

زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیت　　　زینبؑ کا تذکرہ ہے صدائے حسینیت
ہو کیوں نہ سربلند لِوائے حسینیت　　　زینبؑ کی محنتیں ہیں ندائے حسینیت

طوفان سے بچا کے حسینؑ چراغ کو
زینبؑ نے روح دی ہے محمدؐ کے باغ کو

تاریخِ کربلا یہ سناتی ہے باربار　　　زینبؑ کا حوصلہ ہے شہیدوں کی یادگار
قرآں کا احترام ہو یا دین کی بہار　　　زینبؑ کے بے نقاب سفر سے ہے برقرار

جتنا بھی غیرتِ بشری کا نظام ہے
زینبؑ کے بازوؤں کی رسن کا پیام ہے

صحرا میں کارنامۂ مردانِ حق مآب　　　زینبؑ کی جراُتوں سے بنا روحِ انقلاب
کام آچکا جو اکبرؑ و عباسؑ کا شباب　　　زینبؑ کا صبر بن گیا تیغِ ابوترابؑ

ظلم آشنا دلوں کو فنا کر کے دم لیا
باطل کے بازوؤں کو جدا کر کے دم لیا

کیا تھے مخالفانِ محمدؐ کے پیچ و خم　　　زینبؑ نے پاش پاش کیے پیکرِ ستم
لے کر اُٹھی جو غیرتِ شبیرؑ کا علم　　　توڑیں یزیدیت کی چٹانیں قدم قدم

قانونِ کبریا کی طنابیں سنبھال لیں
جو دین پر اُٹھی تھیں وہ آنکھیں نکال لیں

قلبِ جفا میں موت کا خنجر اُتار کے		فرقِ ستم پہ ضبط کی تلوار مار کے
بیداریٔ ضمیر کی زُلفیں سنوار کے		مظلومیت کی راہ سے خود کو گزار کے

اربابِ اقتدار کی دنیا جھنجھوڑ دی
زینبؑ نے ہر غرور کی دیوار توڑ دی

رفتارِ وقت دین کی صورت مٹا نہ دے		ظلمت کہیں چراغِ شریعت بجھا نہ دے
قربانیوں کا رنگ یہ دنیا چھپا نہ دے		کیا کر گئے حسینؑ زمانہ بھلا نہ دے

اس ولولے میں شام کی تسخیر کے لئے
زینبؑ اسیر ہو گئی تشہیر کے لئے

کیوں لٹ گیا رسولؐ کا مہکا ہوا چمن		مقتل میں کیوں بکھر گئے زہرؑا کے گلبدن
کیوں نہر کے قریب تھے سوکھے ہوئے دہن		مظلوم کیوں پڑے رہے صحرا میں بے کفن

کیا کیا چراغ بادِ مخالف بجھا گئی
زینبؑ کی بیکسی یہ کہانی سنا گئی

سنئے تو ڈوبتے ہوئے سورج کی گفتگو		زینبؑ ہے کاروانِ قیادت کی آبرو
کہہ دے گا خود حسینؑ کے ہر زخم کا لہو		زینبؑ کے دم قدم سے امامت ہے سرخرو

عاشور کے جلے ہوئے گھر کا بیان ہے
زینبؑ کے آنسوؤں سے رسالت کی شان ہے

وہ کوفہ و دمشق کی گلیاں وہ بام و در		اب تک زبانِ حال سے کہتے ہیں چیخ کر
خطبوں کا لفظ لفظ لکھا ہے فضاؤں پر		زینبؑ کا انقلاب ہے بیداریٔ بشر

اسلام کیا ہے غم کے اُجالوں سے لکھ گئی
دربار میں کھلے ہوئے بالوں سے لکھ گئی

فرعونیت کے شیش محل کانپنے لگے		خوت مزاج دیو اجل کانپنے لگے
نام آورانِ جنگ و جدل کانپنے لگے		زینبؑ اُٹھی تو اہلِ دَول کانپنے لگے

لہجہ ملا جو ضیغمِ پروردگار کا!!
لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

سفیانیت کا زہر گھلا تھا فضاؤں میں زنجیرِ زر پڑی تھی زمانے کے پاؤں میں
لادینیت کا رنگ تھا دولت کی چھاؤں میں انسان کی حیات چھپی تھی جفاؤں میں
شبیرؑ کی بہن نے یہ نقشہ بدل دیا!
تاجِ یزید اپنے قدم سے کچل دیا!

سیلابِ اقتدار نے روکا ہزار بار دُنیا نے بام و در سے کئے پتھروں کے وار
چاروں طرف تھے قہقہہ پرور ستم شعار ذرّوں سے جسم پاک ہوا سرخ آبشار
لیکن رعونتوں کے کلیجے ہلا دیئے
زینبؑ نے انقلاب کے دریا بہا دیئے

پانی کا شہر شہر ہوا کا چمن چمن آبادیوں کی محفلیں ویرانیوں کے بن
صحراؤں کی بساط پہاڑوں کی انجمن دُنیا کا ہر مقام ہے اس طرح نعرہ زن
ماتم سے ''یا حسینؑ'' کی جتنی بہار ہے
زینبؑ کے احتجاج کی اِک یادگار ہے

زندانِ شام ، دشتِ بلا ، مرقدِ بتولؑ زینبؑ نے ہرزمیں کو دیئے آنسوؤں کے پھول
غم کی بہار نوحہ گرِ خانۂ رسولؐ ہو گی نہ کائنات میں زینبؑ سی دل ملول
زینبؑ دلوں کا درد بھی ہے اور دوا بھی ہے
یہ سوگوار بانیِ بزمِ عزا بھی ہے

خوشبوئے گلستانِ عمل معدنِ وقار مریمؑ نظر خدیجہؑ اثر حاجرہؑ شعار
قرآں مزاج ثانیِ خاتونِ روزگار مثلِ حسنؑ حسینؑ شرافت کی تاجدار
تقدیسِ دو جہاں کے صدف میں ڈھلی ہوئی
دامانِ مصطفیٰؐ و علیؑ میں پلی ہوئی

ظاہر ہے صاف اسمِ گرامی سے زین اب زینبؑ کے سامنے ہے مودّب ہر اِک ادب
کس کو ملا ہے ذاتِ الٰہی سے یہ نسب اجداد منتخب ہیں تو ماں باپ منتخب
سب سے عظیم گھر ہے یہ تحریر ساتھ ہے
یعنی گواہ آیۂ تطہیر ساتھ ہے

نانا محمدؐ عربی ختم مرسلیں وجہِ وجودِ کون و مکاں نورِ اوّلیں
تزئینِ عرش صاحبِ معراج بالیقیں بعدِ خدا ملے کوئی ایسا نہیں نہیں
کس کی مجال حقِ تعارف ادا کرے
ہو کوئی انتہا تو کوئی انتہا کرے

پورے ہوئے نہ تھے سنِ ہجری کے پانچ سال بزمِ جہاں میں آگئی زینبؑ خجستہ حال
ناناؐ کے بازوؤں میں دوبالا ہوا جمال یا صاحبِ نصیب ہوئی سیدہؑ کی آل
آنکھیں کھلیں تو اپنی ہی تقدیر بن گئی
زینبؑ خدا کے نور کی تصویر بن گئی

فطرت ہوئی جو شاہِ رسالتؐ سے بہرہ ور ساری فضیلتیں ہوئیں زینبؑ کی ہم سفر
لیکن رسولؐ اپنی نواسی کو دیکھ کر انجام کی خبر سے یہ بولے بچشمِ تر
زینبؑ اسے کہو یہ مری نورِ عین ہے
یہ مہ لقا محافظِ نامِ حسینؑ ہے

زینبؑ کے باپ ضیغمِ یزداں ابوترابؑ نفسِ رسولؐ گوہرِ کعبہ شرف مآب
جرأت کے آسمان شجاعت کے آفتاب عینِ خدا لسانِ خدا وارثِ کتاب
قرآں گواہ صاحبِ تاجِ غدیر ہیں
مثلِ رسولؐ دونوں جہاں کے امیر ہیں

قربان ہو شعور وہ حسنِ شعور بھی فاقہ کشی بھی سجدۂ حق کا سرور بھی
لوحِ جبیں میں گیارہ اماموں کا نور بھی کرتیں اگر غرور تو سجتا غرور بھی
لیکن ہجومِ درد میں شکرِ خدا کیا
زینبؑ کو صبر و ضبط کا زیور عطا کیا

اُبھری جو قصرِ شام سے رسمِ ملوکیت چھائی دلوں پہ ساغر و مینا کی سلطنت
ظاہر ہوا تمام خمارِ منافقت اب ہر طرح تھی آلِ نبیؐ سے مخالفت
کس کو رہی تمیز گناہ و ثواب میں
قرآن ڈوبنے لگا جامِ شراب میں

بعدِ حسنؑ چلیں وہ پُرآشوب آندھیاں   تاریکیوں میں ڈوب گیا گلشنِ جہاں
انسانیت کے خون کا دریا ہوا رواں   بیٹھا سریرِ شام پہ خونخوار حکمراں
پنہاں جو سرکشی تھی وہ منظر میں آ گئی
ابلیسیت یزید کے پیکر میں آ گئی

پھر اس کے بعد گردشِ حالات کی نظر   غم کا پہاڑ بن گئی زینبؑ کے حال پر
ماں کا مزار ناناؐ کی تربت کو چھوڑ کر   بھائی کے ساتھ جانبِ صحرا کیا سفر
بڑھتی رہیں مصیبتیں ابنِ رسولؐ کی
مثلِ بتولؑ ساتھ تھی بیٹی بتولؑ کی

پھر کوفہ و دمشق کے بازار اور عوام   پیشِ عوام عترتِ پیغمبرِ انام
زنجیر و طوق پہنے ہوئے وقت کا امامؑ   نیزوں پہ ساتھ ساتھ محمدؐ کے لالہ فام
ایسے میں فاطمہؑ کا جگر جھومتی رہی
زینبؑ نظر سے بھائی کا سر چومتی رہی

آنکھوں میں اب نہ اشک نہ چہرے پہ کچھ ملال   اب زندگی تھی مقصدِ شبیرؑ کا خیال
خاموشیوں کی تیغ سے کاٹے ستم کے جال   ظلمت کا دم نکل گیا بکھرے جو سر کے بال
اِک اِک عمل تھا حق کی بھلائی کے واسطے
بازو بندھے تھے عقدہ کشائی کے واسطے

اب مقصدِ سفر تھا سفر کی تھکن نہ تھی   اب درد کے چراغ تھے فطرت کی روشنی
زخموں کی ٹیس ہمتِ سجادؑ بن گئی   اب فتحِ کائنات کی سرخی تھی بیکسی
دربارِ شام قلعۂ خیبر سے کم نہ تھا
زینبؑ کا انقلاب بھی حیدرؑ سے کم نہ تھا

قیصرؔ مری نگاہ میں زندانِ شام ہے   پلکوں پہ خونِ دل نہیں طوفانِ شام ہے
احساس میں حدیثِ اسیرانِ شام ہے   یہ مرثیہ بھی نذرِ غریبانِ شام ہے
قرطاسِ عقل و فکر پہ حرفِ دوام ہوں
میں خواہرِ حسینؑ کا ادنیٰ غلام ہوں

موجودہ زمانہ میں جناب وحید الحسن ہاشمی کسی خاص تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ موصوف ایک عرصہ تک شعبۂ درس و تدریس سے منسلک رہے ہیں، ایک بلند پایہ شاعر ہیں اور آجکل کئی پرچوں میں ان کے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ ہاشمی صاحب مدت تک امامیہ مشن لاہور کے روحِ رواں رہے ہیں اور امامیہ مشن کا ماہنامہ ''پیامِ عمل'' انہی کی ادارت میں قوم کی خدمت کرتا رہا ہے۔ انہوں نے بھی ''ناموسِ وفا'' کے عنوان کے تحت جناب خاتونِؑ کربلا کا مرثیہ کہا ہے جس کے کچھ بند ہم ہدیۂ قارئین اور اپنی اس کاوش کی زینت کے طور پر معرضِ تحریر میں لا رہے ہیں کہ پڑھنے والے حضرات خاتونِؑ کربلا کے عزم و ہمت سے شناسائی حاصل کر کے یہ سمجھ سکیں کہ دنیا کے اس عظیم واقعہ کی تکمیل کیلئے جس عزم و کردار کی ضرورت تھی، وہ ہماری مخدومہؑ کے وجود کے بغیر نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں بلکہ اس سانحہ کے صحیح خدوخال مخدومہ کی موجودگی کے بغیر ابھر نہیں سکتے۔ ہاشمی صاحب موصوف کے مرثیہ کے چند بند ملاحظہ ہوں:

ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھئے — کل کا شباب آج کے پیکر میں دیکھئے
جوہر صدف کا تابشِ گوہر میں دیکھئے — اوصاف انبیاء رُخِ حیدرؑ میں دیکھئے

دیروز ایک نقشِ غمِ ناتمام ہے
امروز حُبِ آلِ محمدؐ کا نام ہے

تہذیب کے چمن میں کھلے بے شمار پھول — رنگینیٔ جمال پہ دل سے نثار پھول
صورت گہِ حیات کے آئینہ دار پھول — بھاری ہزار خار پہ دو تین چار پھول

اُکھڑی ہوا تو زیست کا نقشہ بگڑ گیا
ہر خار ڈر کے پھول کی پتی میں گڑ گیا

دولت کو زندگی کی سمجھتے تھے جو اساس — جن کے بدن پہ زر کی غلامی کا تھا لباس
پھرتے تھے جو مآلِ تکبر سے بے ہراس — اندھا کئے ہوئے تھی جنہیں مال و زر کی آس

پلٹا ہوا کا رُخ تو مصیبت میں پھنس گئے
خود اپنے ہی غرور کی دلدل میں دھنس گئے

تڑپی کبھی شبیہِ پیمبرؐ کے رُوپ میں — اُٹھی کبھی جلالتِ حیدرؑ کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغرؑ کے رُوپ میں — نکلی کبھی حسینؑ کی خواہر کے رُوپ میں

بھائی نہ تھے تو دیں کی نگہدار بن گئی
زینبؑ وفا کی قافلہ سالار بن گئی

زینبؑ وفا کی منزلِ رفعت کا نام ہے　　زینبؑ شعور و فکر کی عظمت کا نام ہے
زینبؑ حسینیت کی حمایت کا نام ہے　　زینبؑ یزیدیت سے بغاوت کا نام ہے
لٹنے نہ دی عزیز کمائی حسینؑ کی
زینبؑ نے خود لڑی ہے لڑائی حسینؑ کی

زینبؑ کا نام مقصدِ اسلام کا پیام　　زینبؑ کا نام فکر کی تطہیر کا قیام
زینبؑ کا نام امن کی کوشش کا احترام　　زینبؑ کا نام ضامنِ آزادیٔ عوام
ٹوٹے ہوئے قلوب کی دم ساز بن گئی
بنتِ علیؑ رسولؐ کی آواز بن گئی

زینبؑ سوالِ ظلم کا بے ساختہ جواب　　زینبؑ قیامِ سطوتِ شاہی کا سدِباب
زینبؑ ہے احتجاج کی اک مستقل کتاب　　مرحب اگر یزید تو زینبؑ ہے بوترابؑ
کیونکر مقابلہ ہو بھلا ایسے وار کا
اس کے بیان میں ہے اثر ذوالفقار کا

زینبؑ ہے جسمِ عالمِ انسانیت کی جان　　زینبؑ کے نور سے ہے عیاں پنجتنؑ کی شان
زینبؑ جہاں میں مقصدِ شبیرؑ کی زبان　　زینبؑ نمازِ خالقِ کونین کی اذان
زینبؑ کی چاہ جزوِ درود و سلام ہے
زینبؑ نہیں تو نصِ عبادت حرام ہے

زینبؑ سے آدمی کے چلن کو بقا ملی　　زینبؑ سے ہمتِ بشری کو جلا ملی
زینبؑ سے اہلِ درد کو سطحِ وفا ملی　　زینبؑ سے شام میں خبرِ کربلا ملی
شاہی کے جم سکے نہ قدم تھرتھرا گئی
زینبؑ حسینیتؑ کی صدا بن کے چھا گئی

اسلام کے لباس میں شاہی تھی جلوہ گر　　دینِ خدا تھا دستِ حکومت میں بے اثر
دُھندلا گئی تھی شام میں قرآن کی نظر　　بیٹھا تھا کفر مسندِ آلِ رسولؐ پر
بس اِک نظر سے وقت کے فرعون کٹ گئے
زینبؑ بڑھی تو کفر کے سائے سمٹ گئے

تشہیر غمزدوں کی جو تقدیر بن گئی　　زینبؑ حیا کی بولتی تصویر بن گئی
اُمت کی فکر پاؤں کی زنجیر بن گئی　　زنجیر شانِ آیۂ تطہیر بن گئی
زینبؑ کے رُخ پہ دیکھ کے جلوہ حسینؑ کا
پڑھنے لگی حیات قصیدہ حسینؑ کا

بڑھنے لگا تھا دہر میں نام و نسب کا زہر　　تھی ساحلِ عوام پہ حرص و ہوا کی لہر
اخلاص کے ضمیر پہ تھا آدمی کا قہر　　لوگوں کے ذہن میں تھی رواں خودسری کی نہر
قصرِ نمائشِ اُموی خاک کر دیا
زینبؑ نے شیطنت کا گلا چاک کر دیا

قاتل کو فکر تھی کہ جفا کی خبر نہ ہو　　مظلومیت کا قلبِ جہاں پر اثر نہ ہو
تخریب کار کو کسی جانب سے ڈر نہ ہو　　مجرم کا اقتدار محلِّ نظر نہ ہو
زینبؑ مگر حریفِ جفا کار بن گئی
پیشِ یزید آہنی دیوار بن گئی

ہو رائیگاں حسینؑ کا غم کیا مجال ہے　　پرچم حسینیتؑ کا ہو خم کیا مجال ہے
اُٹھیں شقی کے سبز قدم کیا مجال ہے　　زین العباؑ کا سر ہو قلم کیا مجال ہے
آئے تو کوئی قصدِ شہادت کے واسطے
زینبؑ کھڑی ہے حفظِ امامت کے واسطے

پھیلائیں لاکھ اہلِ ریا سازشوں کے جال　　باطل ہزار رُخ سے چلے مکر و فن کی چال
قوت کے جس قدر بھی نمایاں ہوں خد و خال　　مردہ مگر یزید ہے، زندہ علیؑ کا لال
ظلمت کی اس فضا میں اکیلا نہیں حسینؑ
زینبؑ علم بدوش ہے تنہا نہیں حسینؑ

خیرالنساء کے دُودھ کی تاثیر دیکھنا　　گفتار سے جہاد کی تصویر دیکھنا
قرآں لہو میں غرق ہے تفسیر دیکھنا　　قائد ہے اب حسینؑ کی ہمشیرؑ دیکھنا
ڈنکا حسینیتؑ کا بجے گا عوام میں
جیتے گی کربلا کی لڑائی کو شام میں

عباسؑ اب نہیں ہیں کہ دیکھیں بہن کی جنگ　　بالکل بدل گیا ہے جہادِ وفا کا رنگ
طاقت نہ ہو تو یہ ہے لڑائی کا خاص ڈھنگ　　اس زینبی جہاد پہ عقلِ یزید دنگ

جور و جفا کی آخری دیوار توڑ دی
زینبؑ نے دستِ ظلم کی تلوار توڑ دی

شانے بندھے ہوئے ہیں مگر حوصلہ وہی　　سر پر رِدا نہیں ہے مگر دبدبہ وہی
کیا کیا رُکاوٹیں ہیں مگر راستہ وہی　　بھائی نے جو کہا تھا بہن کی صدا وہی

یہ ارتباطِ فکر و نظر کا مقام ہے
زینبؑ حسینیتؑ کی اشاعت کا نام ہے

دُنیا سمجھ رہی تھی کہ زینبؑ ہے مضمحل　　عباسؑ کے فراق میں ٹوٹا ہوا ہے دل
دردِ جدائیِ علیؑ اکبر ہے جاں گسل　　بیٹوں کا زخم قلب میں ہوگا نہ مندمل

ہنگامِ امتحاں نہ الم ہے نہ آہ ہے
زینبؑ کے لب پہ اَشْھَدُ اَن لَا اِلٰـــہ ہے

محبوس ہے مگر متزلزل قدم نہیں　　ظالم کا سامنا ہے مگر کوئی غم نہیں
دل میں لگی ہے آگ مگر آنکھ نم نہیں　　بکھرے ہوئے ہیں بال مگر شان کم نہیں

تیغِ زباں چلے گی اگر اژدھام میں
اِک اور کربلا نظر آئے گی شام میں

اب ہے اسیرِ ظلم و شقاوت کا امتحاں　　دربار میں حسینؑ کی غیرت کا امتحاں
بنتِ رسولؐ پاک کی محنت کا امتحاں　　نامحرموں میں دین کی عزت کا امتحاں

زینبؑ نے سر اُتار کے قاتل کی آن کا
معیار کر دیا ہے بلند امتحان کا

دل رکھ دیا تھا درد کے منظر کے سامنے　　زہرؑا بنی کھڑی تھی ستمگر کے سامنے
لہرائی لاکھ تیغِ جفا سر کے سامنے　　زینبؑ جھکی نہ تمکنتِ شر کے سامنے

ختم الرسلؐ نہ فاتحِ بدر و حنین سے
بیٹی علیؑ کی داد طلب تھی حسینؑ سے

طوفان اٹھا جو قلب میں بھائی کی یاد کا خطبوں کی رُوح بن گیا جذبہ جہاد کا
سیفِ زباں سے توڑ دیا سر عناد کا دل ہل گیا یزید کا ابنِ زیاد کا
جانے کو قید خانے میں وہ نوحہ گر گئی
دربار میں حسینؑ کی مجلس تو کر گئی

اب قید کی فضا میں عزاداریٔ حسینؑ ماتم بلا کی دھوپ میں تاریکیوں میں بین
عابدؑ کی دیکھ بھال میں ٹھکرا کے دل کا چین زینبؑ تھی اور مقصدِ سلطانِ مشرقین
سمجھا کے سطحِ صدق بیانی حسینؑ کی
بچوں سے کہہ رہی تھی کہانی حسینؑ کی

زنداں میں ضعفِ عابدؑ منظر کا بھی خیال زخموں کی فکر طوق کے لنگر کا بھی خیال
اکبرؑ کا غم سکینہؑ کے گوہر کا بھی خیال بے پردہ بیبیوں کے کھلے سر کا بھی خیال
خود کو بدل لیا تھا غموں کے نظام میں
عباسؑ بن گئی تھی بہن ، قیدِ شام میں

اُٹھا جو درد مادرِ اکبرؑ سے بات کی تڑپا جو قلب شاہ کی دُختر سے بات کی
آنسو رُکے تو عابدِؑ مضطر سے بات کی نیند آ گئی تو شہؑ کے کٹے سر سے بات کی
قابو جگر پہ رکھ نہ سکی اضطراب میں
چوما بہن نے بھائی کے ہونٹوں کو خواب میں

پیہم صعوبتوں سے بدن ہو گیا تھا چُور چھلنی غمِ فراق سے تھا قلب ناصبور
آتا تھا یاد اکبرِؑ گلفام کا شعور روتا تھا دُور ہو کے نظر سے نظر کا نور
یہ غم تھا موت جانے کہاں دیکھتی رہی
بیٹے کا دم نکل گیا ، ماں دیکھتی رہی

زنداں کا حبس اور وہ کعبے کے پاسباں زنداں کا حبس اور وہ ملت کے میہماں
زنداں کا حبس اور وہ حیدرؑ کے قلب وجاں زنداں کا حبس اور وہ زہراؑ کی بیٹیاں
آئیں مصیبتیں نگہ و دل کے سامنے
زینبؑ مگر جھکی نہیں باطل کے سامنے

لاہور کی مجالس جناب سید ظہور حیدر جارچوی سے نامانوس یا غیر آشنا نہیں ہیں۔ موصوف آج ضعیفی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے ہماری خاتونِ معظم کے تعارف پر کچھ بند کہے ہیں۔ ہم یہ سب بند بعینہٖ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جس کا مقصد صرف اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ بی بی کے جہاد کے بغیر دنیا کربلا اور اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر رہ جاتی۔ یہ سب اسی خاتونِ معظم کا جہاد ہے جس سے نہ صرف واقعۂ کربلا زندہ ہے بلکہ اقدارِ انسانیت زندہ ہیں جن کو شام کا لاڈلا حاکم اپنے مشرک بزرگوں کے قتل کے انتقام کے طور پر اپنے غصب شدہ تختِ اقتدار کے نیچے دفن کرنا چاہتا تھا اور واضح الفاظ میں اولادِ رسولِ اعظمؐ کو قتل کرکے ان مشرکین کا بنی ہاشم سے بدلہ لے رہا تھا۔ ظہور حیدر جارچوی فرماتے ہیں:

زینبؑ کمالِ صانعِ قدرت کا نام ہے
زینبؑ جمالِ روئے مشیت کا نام ہے
زینبؑ مآلِ کارِ صداقت کا نام ہے
زینبؑ جلالِ صاحبِ غیرت کا نام ہے
زینبؑ ہے نام عزمِ رسالت مآبؐ کا
زینبؑ ہے نام دبدبۂ بوترابؑ کا

زینبؑ شعاعِ نورِ الٰہی کا نام ہے
زینبؑ شعورِ دین پناہی کا نام ہے
زینبؑ یزیدیت کی تباہی کا نام ہے
زینبؑ حسینیت کی بقاہی کا نام ہے
زینبؑ ہے نام عظمتِ آلؑ رسولؐ کا
زینبؑ ہے نام دین کی اصلِ اصول کا

زینبؑ عظیم باپ کی بیٹی، عظیم ہے
زینبؑ فہیم ہی نہیں، فہمِ سلیم ہے
زینبؑ نقیبِ علمِ علیم و حکیم ہے
زینبؑ خطابِ عارفِ ذاتِ کریم ہے
زینبؑ لقب ہے عدلِ خدا کے گواہ کا
زینبؑ ہے نعرہ اشہد ان لا الٰہ کا

زینبؑ دلِ حبیبِ الٰہی کا چین ہے
زینبؑ نظیرِ فاتحِ بدر و حنین ہے
زینبؑ جنابِ فاطمہؑ کی نورِ عین ہے
زینبؑ ثباتِ عزمِ امامِ حسینؑ ہے

زینبؑ حسینیت کی مکمل کتاب ہے
زینبؑ یزیدیت کا مدلل جواب ہے

زینبؑ ہے گلستانِ سیادت کی پاسباں
زینبؑ ہے مصطفیٰؐ کی شریعت کی پاسباں
زینبؑ ہے کاروانِ ہدایت کی پاسباں
زینبؑ ہے ہر نبی کی نبوت کی پاسباں

زینبؑ کی والدہ ہے رسالت کے ساتھ ساتھ
زینبؑ رہے گی زندہ، امامت کے ساتھ ساتھ

زینبؑ وہ جس سے منزلتِ ہاشمی رہی
زینبؑ وہ شمعِ حق جو ہوا میں تھمی رہی
زینبؑ ستم کی جس پہ نہ کوئی کمی رہی
زینبؑ جہادِ راہِ خدا میں جمی رہی

زینبؑ کو قید، دُرّوں سے مضروب کر سکے
زینبؑ کو اہلِ ظلم نہ مرعوب کر سکے

زینبؑ وہ جس کے عہد سے قائم ہے بزمِ دیں
زینبؑ وہ جس کے صبر سے باقی ہے یہ زمیں
زینبؑ وہ جس کی مثل نہ ہو گی کبھی کہیں
زینبؑ وہ جس کی فوج ہے دُنیائے مؤمنیں

زینبؑ کی درس گاہ ہے بزمِ غمِ حسینؑ
زینبؑ کو ہے عزیز تو بس ماتمِ حسینؑ

زینبؑ ہے سوگوارِ شہیدانِ کربلا
زینبؑ نگاہدارِ اسیرانِ کربلا
زینبؑ سکوتِ شامِ غریبانِ کربلا
زینبؑ سکونِ قلبِ یتیمانِ کربلا

زینبؑ تبر ہے ہر سرِ جلاد کے لئے
زینبؑ سپر ہے باقرؑ و سجادؑ کے لئے

زینبؑ وہ باب ہے کہ مدینے کو ناز ہے
زینبؑ وہ ناخدا کہ سفینے کو ناز ہے
زینبؑ ہے وہ حیات کہ جینے کو ناز ہے
زینبؑ وہ بندگی کہ قرینے کو ناز ہے

زینبؑ اسیر ہو کے بھی بااختیار ہے
زینبؑ جہاد میں بھی تہجد گزار ہے

زینبؑ ہوئی ہے خلق بڑے کام کے لئے
زینبؑ ہے رُوح پیکرِ اسلام کے لئے
زینبؑ ہے انقلاب خوش انجام کے لئے
زینبؑ ہے آفتابِ سحر شام کے لئے

زینبؑ کے نور ہی سے مکمل ہے نور بھی
زینبؑ کے فیض ہی سے ہے قائمؑ ظہور بھی

زینبؑ اسیر ہو کے جدھر بے رِدا گئی
زینبؑ کے ساتھ ساتھ خدا کی رضا گئی
زینبؑ یزیدیت کے پرخچے اُڑا گئی
زینبؑ علیؑ کے نام کا ڈنکہ بجا گئی

زینبؑ نے فاطمہؑ کا دوبالا حشم کیا
زینبؑ نے فتح قلعۂ ظلم و ستم کیا

زینبؑ جو ننگے سر گئی دربارِ عام میں
زینبؑ سے تھرتھری تھی یزیدی نظام میں
زینبؑ کئے ہوئے تھی جو ضبط اژدہام میں
زینبؑ کے دم سے صبحِ قیامت تھی شام میں
زینبؑ وہ سیف صبر کے جوہر دکھا گئی
زینبؑ کی آہ ، تخت کو تختہ بنا گئی

زینبؑ کے خشک اشکوں میں ہے آب وتابِ عزم
زینبؑ کی سرد آہ بنی ہے سحابِ عزم
زینبؑ کی بیکسی میں ہے زورِ شبابِ عزم
زینبؑ ہے شاہکارِ رسالت مآبِ عزم
زینبؑ نے فتح پائی خطابت کے وار سے
زینبؑ نے تاج چھین لیا اقتدار سے

زینبؑ مرقعِ حسناتِ رسولؐ ہے
زینبؑ نگاہبانِ وقارِ بتولؑ ہے
زینبؑ وکیلِ صدق و فروع و اصول ہے
زینبؑ جوابِ دعوئ فردِ جھول ہے
زینبؑ نے یوں ذلیل کیا ہے پلید کو
زینبؑ نے زندہ گاڑ دیا ہے یزید کو

زینبؑ کا آج مملکتِ غم پہ راج ہے
زینبؑ حسینیوں کے لئے سر کا تاج ہے
زینبؑ یزیدیت کے خلاف احتجاج ہے
زینبؑ محمدؐ عربی کا مزاج ہے
زینبؑ کلیم بھی ہے علیؑ کا کلام بھی
زینبؑ ہے عورتوں میں نبی بھی امام بھی

زینبؑ مبصرِ اثرِ واردات ہے
زینبؑ کی ذات آئینۂ واقعات ہے
زینبؑ خلاصۂ کتبِ حادثات ہے
زینبؑ شہیدِ کرب و بلا کی حیات ہے

زینبؑ کا دل ہزار اَلم سے فگار ہے
زینبؑ خزاں کے رنگ میں رُوحِ بہار ہے

زینبؑ ادب نواز بھی ہے اور ادیب بھی
زینبؑ گُلِ فسردہ بھی ہے عندلیب بھی
زینبؑ بلا نصیب بھی ہے خوش نصیب بھی
زینبؑ ہے شاہزادی ، بظاہر غریب بھی

زینبؑ طبیبِ رُوح و ضمیرِ عوام ہے
زینبؑ خطیبِ منبرِ خیرالانام ہے

زینبؑ عزیزِ مریم و سارہؑ کہیں جسے
زینبؑ شبیہِ فاطمہؑ زہرا کہیں جسے
زینبؑ علیؑ کے دل کی تمنا کہیں جسے
زینبؑ کنیزِ خالقِ یکتا کہیں جسے

زینبؑ سحابِ لطفِ خدا بالعموم ہے
زینبؑ فصیلِ عظمتِ شہرِ علوم ہے

زینبؑ مآلِ آرزوئے پنجتنؑ بھی ہے
زینبؑ کے سر پہ سایۂ حلمِ حسنؑ بھی ہے
زینبؑ کا پاسباں سرِ شاہِ زمن بھی ہے
زینبؑ امامؑ وقت پہ سایہ فگن بھی ہے

زینبؑ کے بازوؤں میں بندھی ریسمان ہے
زینبؑ کے صبر و ضبط کا یہ امتحان ہے

زینبؑ نے زندگی میں سہے بے شمار دُکھ
زینبؑ کے دُکھ زمانے میں ہیں یادگار دُکھ
زینبؑ نے ایک دن میں اُٹھائے ہزار دُکھ
زینبؑ کو کر سکے نہ مگر بیقرار دُکھ

زینبؑ کو غم تو تھے ، نہ مگر اضطراب تھا
زینبؑ کے دل میں حوصلۂ بوترابؑ تھا

زینبؑ صغیر سِن تھی جو ناناؐ کو روئی تھی
زینبؑ کے سر سے والدہ بھی جلد اُٹھ گئی
زینبؑ نے دیکھا کوفے میں زخمی سرِ علیؑ
زینبؑ حسنؑ کے غم کو نہ دل سے بھلا سکی

زینبؑ تھی کربلا میں بھرے گھر کی سوگوار
زینبؑ ہے قبر میں بھی بہترؑ کی سوگوار

زینبؑ کتابِ علم و عمل کا مقدمہ
زینبؑ فقیہہ ، عالمہ ، غیرِ معلّمہ
زینبؑ نگاہِ اہلِ کرم میں مکرمہ
زینبؑ عظیم ہستیوں میں ہے معظّمہ

زینبؑ حق آشنا ہے حقیقت شناس ہے
زینبؑ نظامِ مصطفوی کی اساس ہے

زینبؑ نے پائی عظمتِ آغوشِ مصطفےؐ
زینبؑ کو بھی نصیب ہوا دوشِ مصطفےؐ
زینبؑ کو گھٹنیوں میں ملا جوشِ مصطفےؐ
زینبؑ حواسِ مرتضیٰؑ ہوشِ مصطفےؐ

زینبؑ مصیبتوں میں بھی حاضر دماغ ہے
زینبؑ نبیؐ کی عقل کا روشن چراغ ہے

زینبؑ کے ساتھ ساتھ ہے توفیقِ کبریا
زینبؑ کے ہر عمل میں ہے تصدیقِ مصطفےٰؐ
زینبؑ کا لفظ لفظ ہے تحقیقِ مرتضیٰؑ
زینبؑ کا حرف حرف ہے توثیقِ مجتبیٰؑ

زینبؑ کے کارناموں پہ حیراں سماج ہے
زینبؑ کی ٹھوکروں میں سرِ سامراج ہے

زینبؑ نے پایا ورثہ میں بنتِ اسد کا دل
زینبؑ کا دل ہے اصل میں زینبؑ کے جد کا دل
زینبؑ ہلا کے سنگدلِ مستند کا دل
زینبؑ جھکا رہی ہے ہر اہلِ خرد کا دل

زینبؑ کے دل میں بند جو طوفانِ نوحؑ ہے
زینبؑ کے خستہ تن میں خدیجہؑ کی روح ہے

زینبؑ کو حوریں جھولا جھلاتی رہیں مدام
زینبؑ کو جبرئیلؑ بھی کرتے رہے سلام
زینبؑ کو بھی خدا نے دیئے خلد کے طعام
زینبؑ کا ہر امامؑ کے دل میں ہے احترام

زینبؑ اسی لئے نہ کبھی مرتعش ہوئی
زینبؑ کی شیرِ فاطمہؑ سے پرورش ہوئی

زینبؑ ثبوتِ حلم حسنؑ ، شوکتِ علیؑ
زینبؑ شجاعِ کفر شکن ، صورتِ علیؑ
زینبؑ کو خود علیؑ نے کہا ، عظمتِ علیؑ
زینبؑ کی ذات حجتِ حق ، حجتِ علیؑ

زینبؑ جسے نصیب ہیں معصوم والدین
زینبؑ سی بیٹیوں سے ہیں محروم والدین

زینبؑ ہے مدعائے رسولِؐ فلک وقار
زینبؑ ہے بارگاہِ خدا میں بافتخار
زینبؑ ہے وجہِ عظمتِ نسوانِ روزگار
زینبؑ نے پانچ اماموں میں رہ کر شریکِ کار

زینبؑ نے دین اپنی رِدا میں چھپا لیا
زینبؑ نے خود کو حاصلِ ایماں بنا لیا

زینبؑ بقائے عترتِ اطہار بن گئی
زینبؑ شفائے اُمتِ بیمار بن گئی
زینبؑ صدائے احمدِؐ مختار بن گئی
زینبؑ خدائے قوتِ اظہار بن گئی

زینبؑ کی ذات پاک ہے اعجاز کی طرح
زینبؑ ملی ہے دین کو اعزاز کی طرح

زینبؑ زبان جس کی ہے توقیرِ ذُوالفقار
زینبؑ وہ جس کا خطبہ ہے ایمان کی پکار
زینبؑ وہ جس کے عزم سے لرزاں ہیں کوہسار
زینبؑ جو لائی دین کی کشتی بھنور سے پار

زینبؑ کی چشم اشکوں کا بحرِ محیط ہے
زینبؑ غم و الم کی فضائے بسیط ہے

زینبؑ نے دیکھے بعدِ نبیؐ دُکھ بھرے سماں
زینبؑ نے دیکھا حیدرِؑ صفدر کا امتحاں
زینبؑ نے دیکھی باپ کی گردن میں ریسماں
زینبؑ نے دیکھیں ٹوٹی ہوئی ماں کی پسلیاں

زینبؑ کی ماں بقیع میں جا کر جو روتی تھی
زینبؑ کبھی تو ماں کبھی ناناؐ کو روتی تھی

زینبؑ نے دیکھا طشت میں ٹکڑے دلِ حسنؑ
زینبؑ ہوئی حسینؑ کے ہمراہ بے وطن
زینبؑ نے دیکھا لٹتا ہوا باغِ پنجتنؑ
زینبؑ نے دیکھے لاشے شہیدوں کے بے کفن
زینبؑ نے دیکھا آخری سجدہ حسینؑ کا
زینبؑ کا وعدہ بن گیا وعدہ حسینؑ کا

زینبؑ سے حالِ شامِ غریباں نہ پوچھئے
زینبؑ ہے کلمہ گویوں کی مہماں نہ پوچھئے
زینبؑ کے میزباں ہیں مسلماں نہ پوچھئے
زینبؑ سے کب ملے شہِ مرداں نہ پوچھئے
زینبؑ دلِ حرم میں ہے احساس کی طرح
زینبؑ ہے سب کا حوصلہ عباسؑ کی طرح

زینبؑ کی زندگی ہے شریعت کی زندگی
زینبؑ نے کی ہے پردہ نشینوں کی رہبری
زینبؑ کے ہر عمل سے عیاں سیرتِ نبیؐ
زینبؑ سے دُشمنی ہے محمدؐ سے دُشمنی
زینبؑ کی خاکِ پا کو جو سرمہ بنائیں گے
زینبؑ کی بارگاہ سے وہ فیض پائیں گے

زینبؑ کے خادمو! حقِ خدمت ادا کرو
زینبؑ کے پیارے مر گئے آہ و بکا کرو
زینبؑ اسیر ہو گئی محشر بپا کرو
زینبؑ کے ہاتھ بندھ گئے ماتم سوا کرو
زینبؑ کے ساتھ بچوں پہ دُرّے برستے ہیں
زینبؑ کے ساتھ اسیر مدد کو ترستے ہیں

زینبؑ کے غم میں سینہ و سر پیٹو مؤمنو
زینبؑ کو کربلا کے شہیدوں کا پرسہ دو
زینبؑ کی طرح خاکِ عزا سر پہ ڈال لو
زینبؑ کے بدلے روؤ امامِ حسینؑ کو

زینبؑ کی بے بسی کا ہے صدمہ خدائی کو
زینبؑ نہ دفن کر سکی مظلوم بھائی کو

زینبؑ کو ہر شہید کا صدمہ شدید ہے
زینبؑ کو فکرِ دفنِ حسینؑ شہید ہے
زینبؑ کہاں سے لائے کفن نااُمید ہے
زینبؑ کی سدِّ راہ سپاہِ یزید ہے

زینبؑ نہ جانے پائی تنِ پاش پاش پر
زینبؑ نہ روئی بیٹھ کے بھائی کی لاش پر

زینبؑ کے خیمے آگ کی زد میں ہیں آہ آہ
زینبؑ کی حالِ عابدؑ بیکس پہ ہے نگاہ
زینبؑ کے اجتہاد نے شعلوں سے لے لی راہ
زینبؑ کو جب ملا نہ کوئی اور خیر خواہ

زینبؑ نے خود ہی چوتھی امامت بچائی ہے
زینبؑ بچا کے آگ سے عابدؑ کو لائی ہے

زینبؑ کا حالِ زار نہیں قابلِ بیاں
زینبؑ کے گرد و پیش ہیں خونخوار برچھیاں
زینبؑ پہ ظلم و جور کی بارش ہے الاماں
زینبؑ کا دل فگار ہے ملبوس دھجیاں

زینبؑ لہو میں ڈوبی ہوئی سُرخ پوش ہے
زینبؑ کے دل میں نصرتِ ایماں کا جوش ہے

زینبؑ شہیدِ ظلم کی ہمشیر ، السلام
زینبؑ معینِ حضرتِ شبیرؑ ، السلام
زینبؑ اسیر ، غمزدہ ، دلگیر ، السلام
زینبؑ غم و ملال کی تصویر ، السلام

زینبؑ سلام آپؑ کو ہر ذی شعور کا
زینبؑ کریں قبول یہ ہدیہ ظہورؔ کا

ہمارا موضوع بالکل نامکمل رہ جائے گا اگر ہم یہاں عصرِ حاضر کے حمادِ اہلِ بیتؑ جناب محسن نقوی شہید مرحوم کے تخیل کا ذکر نہ کریں جنھوں نے ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں نہایت قیمتی فکر پیش کیا ہے اور کربلا کے شہیدوں سے عقیدت رکھنے کے جرم ہی میں عصرِ حاضر کے یزیدوں نے انہیں بھرے بازار میں شہید کر دیا اور پھر چوروں کی طرح چھپ گئے۔

محسن شہید مرحوم اپنے مجموعۂ کلام کے مقدمہ میں جو انہوں نے ''سرِلوحِ چشمِ تر'' کے عنوان سے اپنے مجموعۂ کلام ''موجِ ادراک'' کے شروع میں پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

''میں نے جب بھی اسلام کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے مجھے اسلام کا بچپن ابو طالبؑ کی گود میں بہلتا ہوا نظر آیا، جوانی عبداللہؑ کے یتیم اور پیغمبرِ انسانیت کے دامن کی چھاؤں تلے محوِ آرام ملی، بڑھاپا علیؑ کے طاقتور بازوؤں کے آنگن میں سانس لیتا دکھائی دیا، اسلام کی عصمت کا نام بتولؑ، عظمت کا لقب حسنؑ، زندگی کا ضامن حسینؑ اور ہیبت کا تخلص ''اُم المصائب'' ٹھہرا''۔

ہم شہید مرحوم کے اس پیارے فکر پر کوئی تبصرہ کرنے کے قابل تو نہیں ہیں البتہ اتنا ضرور کہیں کہ اُم المصائبؑ کی ہیبت کا اس قدر خوف وقت کے فرعون حکمرانوں پر طاری ہوا کہ پھر کسی کو نہ تو کسی امامِ معصوم سے وہ مطالبہ کرنے کی جرأت ہوئی جو امام حسینؑ سے کیا گیا اور نہ ہی انہوں نے ہماری مخدومہ کی مدینۃ النبیؐ میں موجودگی کو برداشت کیا جس کی ہیبت زمانہ پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ وقت کے سب سے بڑے فرعون کو اپنا سنگھاسن ڈولتا ہوا نظر آ رہا تھا جس کو بچانے کی یہی صورت اسے نظر آ رہی تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو ثانیِ زہراؑ کو مدینہ میں رہنے نہ دے جس کی خاطر وہ بار بار مدینہ کے اپنے عامل کو ہدایات دے رہا تھا۔ آخر کار حضرت عبداللہ ابنِ جعفر نے اپنے خاندان سمیت مدینہ کو چھوڑ دیا۔ تاریخ کا کتنا بڑا ظلم اور ستم ظریفی ہے کہ وہ ہماری مخدومہ کے مدفن کا تعین نہیں کر پاتی کہ مخدومہ کا مزار دمشق کے مضافات میں ہے یا قاہرہ کے۔

بہر حال ہماری معظمہؑ کی اتنی بڑی شخصیت ہے کہ نقوی شہید مرحوم اپنے مجموعۂ کلام ''موجِ ادراک'' میں جو مسدس

''نگہبانِ رسالتؐ'' کے عنوان سے پیش کرتے ہیں، اس کا اختتام مخدومۂ عالم کے ذکر کے بغیر نہیں کرتے اور کہہ اٹھتے ہیں کہ:

اے مؤرخ وقت کے مغرور کرداروں سے پوچھ! پوچھ! تاریخِ عرب کے سب ستمگاروں سے پوچھ!
کربلا میں ٹوٹتی بے لوچ تلواروں سے پوچھ! شام کی گلیوں سے، چوراہوں سے بازاروں سے پوچھ!

ذریت کس کی یزیدی حوصلوں پر چھا گئی؟
کس کی پوتی ظلم و استبداد سے ٹکرا گئی؟

بول اے تاریخ کے زندہ اصولوں کی زباں کس کے بام و در سے ٹکراتی رہی ہیں بجلیاں!
کون باطل کے مقابل آج تک ہے کامراں! سوئے کوفہ پا بجولاں تھا وہ کس کا کارواں!

کس نے صدموں کی صدا دی حق پسندی کے لئے!
کس کا گھر اُجڑا تھا دیں کی سربلندی کے لئے!

شہید نقوی نے اپنے تمام اصنافِ سخن میں مخدومۂ عالم کے ذکر کو ضروری جانا ہے کیونکہ اس کے بغیر تصویرِ کربلا میں رنگ بھرنا قطعاً ناممکن ہے۔ اسی لئے مرحوم تقریباً اپنے ہر سلام میں مخدومۂ عالم کا ذکر کرتے ہیں۔

ایک سلام میں کہتے ہیں:

ہر ستم پر چھا گئی بنتِ علیؑ
مدتوں میں عقدۂ خیبر کھلا

علیٰ ہذا القیاس ایک سلام کے اشعار ملاحظہ ہوں:

بے رِدا شہر کی گلیوں سے گزر زینبؑ کا پشتِ عابدؑ پہ ہے تحریر سفر زینبؑ کا
گر پڑا خاک پہ عباسؑ کا سر مقتل میں نوکِ نیزہ سے نہ دیکھا گیا سر زینبؑ کا
خونِ شبیرؑ کی ہر بوند کا مقروض بشر خونِ شبیرؑ ہے مقروض مگر زینبؑ کا
رات لگتی ہے مجھے بنتِ پیمبرؐ کی رِدا چاند لگتا ہے مجھے دیدۂ تر زینبؑ کا
یہ الگ بات کہ محفوظ رہا دینِ رسولؐ یہ الگ بات کہ لوٹا گیا گھر زینبؑ کا
لاشِ اکبرؑ پہ حسینؑ ابن علیؑ کہتے تھے کس نے چھلنی کیا برچھی سے جگر زینبؑ کا
جس جگہ شامِ غریباں کی ہو مجلس برپا ذکر ہوتا ہے وہاں تا بہ سحر زینبؑ کا

شہید نقوی مدحتِ سرکارِ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا میں ''عقیلۂ بنی ہاشم'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

اسلام کا سرمایۂ تسکین ہے زینبؑ ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینبؑ
حیدرؑ کے خدوخال کی تزئین ہے زینبؑ شبیرؑ ہے قرآن تو یٰسین ہے زینبؑ

یہ گلشنِ عصمت کی وہ معصوم کلی ہے
تطہیر میں زہراؑ ہے تو تیور میں علیؑ ہے

آزادیٔ اسلام کی تقدیر ہے زینبؑ نبیوں کے ہر اک خواب کی تعبیر ہے زینبؑ
بولے تو سدا جرأتِ شبیرؑ ہے زینبؑ چپ رہ کے بھی قرآن کی تفسیر ہے زینبؑ

اسلام تو قائم ہے حوادث کے بھنور تک
زینبؑ نے ضمانت دی قیامت کی سحر تک

سلطانۂ تقدیسِ حرم ، پیکرِ ایثار تاریخ کی نظروں میں دمکتا ہوا کردار
ہر دَور کی عظمت کے لئے نقطۂ معیار زینبؑ ہے خواتین میں خود حیدرِؑ کرار

باطل کے ارادوں کو جو مٹی میں ملا دے
تیور جو بدل جائیں تو دُنیا کو ہلا دے

آئی جو رُخِ دیں پہ کبھی آنچ ذرا سی چھائی جو نبوت کے تصور پہ اُداسی
پل بھر کو شریعت جو ہوئی عدل کی پیاسی تڑپی ہے کچھ اس طرح محمدؐ کی نواسی

اسلام کا سرمایۂ انفاس بنی ہے
زینبؑ کبھی حیدرؑ کبھی عباسؑ بنی ہے

بازو کو ترازو کی طرح تولنے والی بھائی کی شہادت کی گرہ کھولنے والی
تاریخ کی آنکھوں میں حیا گھولنے والی وہ فاتحِ خیبر کی طرح بولنے والی

اسلام کو روشن بصد اعزاز کیا ہے
عباسؑ کے پرچم کو سرافراز کیا ہے

قندیلِ شبستانِ مناجاتِ امامت وہ ضبط کہ خود حوصلہ مندی میں قیامت
وہ عزمِ مسلسل کہ مصائب میں سلامت زینبؑ ہے شریعت کے تقدس کی علامت

اے فاطمہؑ زہرا تیری تقدیر بھلی ہے
بیٹے جو محمدؐ ہیں تو بیٹی بھی علیؑ ہے

اُلجھے جو کبھی عدل سے جاں دادۂ منصب یا حد سے بڑھی سازشِ کم ظرفیِ مرحب
یہ طے ہے کہ اسلام پریشاں ہوا جب جب توحید کا پرچم لئے آگے بڑھی زینبؑ
بولی تو ستم خوف سے خود خاک بہ سر تھا
ہر لفظ میں اِک ضربِ یداللہ کا اثر تھا
زینبؑ کے وہ خطبات وہ آیات کا طوفان جذبوں کا تلاطم وہ تہہِ تابشِ ایمان
ہر حرف کے ادراک میں کھلتا ہوا قرآن یک جنبشِ لب صورتِ برقِ سرِ فاران
جل بجھ گیا باطل کہ دُھواں تک نہیں ملتا
اب بیعتِ فاسق کا نشاں تک نہیں ملتا
جب ظلم کا خنجر ہوا پیوستِ رگِ جاں! جب سو گئے صحرا میں شریعت کے حدی خواں
نیزوں پہ سجائے گئے جب صبر کے قرآں نازل ہوئی افلاک سے جب شامِ غریباں
آوازِ دلِ شیر جلی بن گئی زینبؑ
اظہارِ شجاعت میں علیؑ بن گئی زینبؑ
عباسؑ کے پرچم کو بڑی دھج سے سنبھالا لہجے کو امامت کے خم و پیچ میں ڈھالا
جلتے ہوئے خیموں سے یتیموں کو نکالا یوں خونِ شہیداں سے رُخِ عزم اُجالا
آئی یہ صدا آج سے تو محورِ دیں ہے
زینبؑ تو شریعت کے لئے فتحِ مبیں ہے
تجھ سے ہے رُخِ دیں پہ صباحت مری بی بیؑ تو مصحفِ ناطق کی وضاحت مری بی بیؑ
تفسیرِ حیا تیری فصاحت مری بی بیؑ اے دہر میں محرومۂ راحت مری بی بیؑ
اس واسطے بگڑی ہوئی تقدیر بنی ہے
اسلام کے سر پر تری چادر جو تنی ہے
اے تاجورِ کشورِ عصمت ، دلِ اجداد اے جرأتِ بے باک کی تجدیدِ خداداد
انبوہِ مصائب میں بھی بے بہرۂ فریاد ماں فخرِ جناں باپ ہے جبریل کا اُستاد
دُنیا کی خواتین میں یہ عزم کہاں ہے
تاریخ کی نظروں میں مصائب کی تُو ماں ہے

اے مصحفِ ناطق کے ہر اِک لفظ کی تفسیر — ہر ظلم پہ غالب رہی آخر تری تدبیر
اللہ رے وہ حشر جگاتی ہوئی تقریر — اِک پل میں پگھلنے لگی ہر جبر کی زنجیر

زینبؑ تری آواز سے وہ ضرب پڑی ہے
تاریخ ابھی گوش بر آواز کھڑی ہے

آباد ہے اُمت کا ہر اِک گھر ترا صدقہ — شاہوں سے غنی تیرے گداگر ترا صدقہ
بہنوں کے سلامت ہیں برادر ترا صدقہ — ماؤں کے سروں پر بھی ہے چادر ترا صدقہ

ہر رسم عزا تجھ سے زمانے میں چلی ہے
تو شارحِ کردارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

ہم ایک بار پھر اپنے قارئینِ کرام کی توجہ شہید محسن نقوی کی کتاب ''موجِ ادراک'' کی طرف مبذول کرواتے ہیں۔ ایسے ایسے بلند پایہ اشعار جس کے صفحات کی زینت ہیں۔ایک سلام میں شعر ہے:

حسینؑ کی لاشِ بے کفن سے یہ کہہ کے زینبؑ جدا ہوئی ہے
جو تیرے مقتل میں بچ گیا ہے وہ کام میری رِدا کرے گی

اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں کہ بقائے اسلام کیلئے جو کام خونِ حسینؑ نے کیا، رِدائے زینبؑ کسی طرح اس سے پیچھے نہیں رہی۔

ایک اور سلام میں کہتے ہیں:

یہ ابر کا ٹکڑا جو بکھرتا ہے فضا میں — سادات کے جلتے ہوئے خیموں کا دُھواں ہے
بہنے لگا ہر ظلم مثالِ خس و خاشاک — زینبؑ تری تقدیر بھی اک سیلِ رواں ہے
شبیرؑ کی آواز جو گونجی سرِ مقتل — زینبؑ یہی سمجھی علی اکبرؑ کی اذاں ہے
بازار کے ہر موڑ پہ زینبؑ نے صدا دی — سجادؑ سے پوچھو مرا عباسؑ کہاں ہے

علیٰ ہذاالقیاس:

شبیرؑ کے مقتل سے گزرتا ہے جو اکثر — وہ ابر نہیں ثانیِ زہراؑ کی رِدا ہے
زینبؑ کی صدا سن کے یہ جبریلؑ نے پوچھا — یہ حیدرِؑ کرار کہاں بول رہا ہے

آخر کیوں نہ ہو کہ صدائے خطبۂ ثانیِ زہراؑ کو سن کر کوفہ کے سب لوگ جنہوں نے خطابتِ علیؑ کو سنا تھا، حیران تھے کہ یہ

برس پہلے شہیدِ راہِ خدا علیؑ واپس کیسے آ گئے ہیں!!

اسی طرح ایک سلام میں کتنا بلند پایہ شعر ہے جو شاعر کے ذہن پر بی بی کے دین کے بغیر نہیں کہا جا سکتا:

زینبؑ! خدا کے دیں کو ہے تیری رِدا پسند — ثابت ہوئی یہ بات دیارِ دمشق سے

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اپنی مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں جنابِ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا موازنہ حضرت مریمؑ سے کرتے ہوئے ایک خاتون کے تین روپ دکھلائے ہیں، یعنی بطور ایک بیٹی، ایک زوجہ اور ایک ماں۔ لیکن بطور بہن بھی ایک خاتون کا رُخ ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنی مثنوی میں نہیں کیا۔ اس کمی کو شہید محسن نقوی نے پورا کیا ہے۔ مسدس کا عنوان ہے ''مریمِ کربلا'' سلام اللہ علیہا۔

ہم اس مسدس کو برائے مطالعۂ قارئینِ عظام سطورِ ذیل میں نقل کرتے ہیں جو ثانیِ زہراؑ کی مددِ غیبی سے ایک الہامی کلام سے کسی طرح کم نہیں:

''مریمِ کربلا (سلام اللہ علیہا)''

زینبؑ، نبیؐ کا ناز، امامت کی آبرو — جس کے شرف کی دھوم ہے عالم میں چارسُو
شرم و حیا کی جھیل، شرافت کی آبجو — جبریلؑ جس کا نام نہ لیتا ہو بے وضو
وہ جس کا نام سن کے فضا عطر بیز ہے
تعظیم دیکھنا کہ قلم سجدہ ریز ہے

بزمِ نساء کی صدر، مصائب میں حق شناس — جس کی رِدا تھی دیں کے لئے خُمس میں لباس
جس کا وجود، حق کے ارادوں کا اقتباس — کوثر کی موج بن گئی جس کے لبوں کی پیاس
جو لُٹ کے بھی وجودِ خدا کی دلیل تھی
اپنی صداقتوں کی جو تنہا وکیل تھی

مہکا گئی جو اپنے چمن کی کلی کلی — جس نے حسینیت کو سجایا گلی گلی
کانٹوں بھرے سفر میں جہاں تک چلی چلی — لیکن سکھا گئی ہے جہاں کو علیؑ علیؑ
اسلام بچ گیا یہ اسی کا کمال تھا
ورنہ خدا کے دیں کا تعارف محال تھا

ہر چند اُس کے باغ کی ہر شاخ جھڑ گئی　　لیکن مثالِ برق ہواؤں سے لڑ گئی
بھائی کے ساتھ ساتھ اصولوں پہ اڑ گئی　　زینبؑ ضمیرِ سنگ میں آئینے جڑ گئی

بھائی سے یوں بہن نے تڑپ کر علَم لیا
آخر یزیدیت کو فتح کر کے دَم لیا

طاعت میں بے مثال، شجاعت میں بے بدل　　قدموں میں بھی ثبات ارادوں میں بھی اٹل
سیرت میں بُردبار، بصیرت میں بے خلل　　معیار باوقار تو گفتار بر محل

انساں کو زندگی کا قرینہ سکھا گئی
زینبؑ حسینیت کو بھی جینا سکھا گئی

اللہ رے عزم و ہمتِ بنتِ شہِ نجف　　حالاتِ غم بجاں تھے تو جذبات سر بکف
ہر چند ریزہ ریزہ تھا احساس کا صدف　　پھر بھی بصد خروش چلی شام کی طرف

ظلمت کو عکسِ صبحِ درخشاں بنا دیا
پاؤں کے آبلوں کو گلستاں بنا دیا

زنداں میں حریت کے دریچوں کو وا کیا　　ہر فرضِ کردگار اُجڑ کر ادا کیا
اسلام کو حسینؑ سا بھائی عطا کیا　　پھر بھی یہ پوچھتے ہو کہ زینبؑ نے کیا کیا؟

دیں کی خزاں کو تھی جو ضرورت بہار کی
زینبؑ نے ہنس کے چادرِ زہرؑا نثار کی

پردے میں رہ کے ظلم کے پردے اُلٹ گئی　　پہنی رسن تو ظلم کی زنجیر کٹ گئی
نظریں اُٹھیں تو جبر کی بدلی بھی چھٹ گئی　　لب سی لئے تو ضبط میں دُنیا سمٹ گئی

بولی تو پتھروں کو پگھلنا سکھا گئی
انساں کو لغزشوں میں سنبھلنا سکھا گئی

مریم مزاج، عرش مکاں، آسماں قدم　　عصمت مآب، خلد زمیں، کہکشاں حرم
زہرؑا شعور، ہاجرہ خو، مصطفیٰؐ حشم　　خالق صفت، کلیم زباں، مرتضیٰؑ کرم

بہر ستم یہ صبر کی شمشیر بن گئی
زینبؑ دیارِ شام میں شبیرؑ بن گئی

دیکھا جو کربلا میں دلِ دیں کا انتشار نکلی نیامِ خیمہ سے شمشیرِ کردگار
ملنے لگا زمیں میں تشدد کا اقتدار مجبور ہو کے رہ گیا شاہی کا اختیار
حملہ کیا تو کر گئی اعلانِ عام بھی
تا حشر اَب نہ لے کوئی بیعت کا نام بھی

روحِ وفا ، مزاجِ حیا ، پیکرِ حجاب وہ جس کے سائے سے بھی گریزاں تھا آفتاب
لیکن گہن میں دیکھ کر زہرؑا کا ماہتاب آیا کچھ اس طرح سے طبیعت میں انقلاب
بعد از حسینؑ صبر کی عکاس بن گئی
بنتِ علیؑ جلال میں عباسؑ بن گئی

گرتے ہوئے علَم کو سنبھالا کچھ اس طرح بھائی کے خوں سے دیں کو اُجالا کچھ اس طرح
تاجِ شہی فضا میں اُچھالا کچھ اس طرح نطقِ پدر میں لہجہ کو ڈھالا کچھ اس طرح
ہر بات ذُوالفقار کی جھنکار بن گئی
پردہ نشیں تھی حیدرِؑ کرار بن گئی

طے ہو چکے جو صبرِ مسلسل کے مرحلے دیکھو وہ لب ہلے وہ کھلے دیں کے مسئلے
چونکے خمارِ خواب سے مدت کے ولولے زینبؑ جگا رہی ہے سرِ شام زلزلے
آواز گونجتی ہے جو عرشِ برین پر
جبریلؑ پر بچھائے ہوئے ہے زمین پر

لوگو! زمین بھی ہم ہیں ، فلک بھی فضا بھی ہم حق آشنا بھی ، خالقِ حق کی رضا بھی ہم
لوح وقلم بھی ہم ہیں ، قدر بھی قضا بھی ہم عادل بھی ہم ، قسیمِ جزا و سزا بھی ہم
دیکھو ہمیں کہ ہم ہی رُخِ ذُوالجلال ہیں
پہچان لو کہ ہم ہی محمدؐ کی آلؑ ہیں

سوچو کجا یہ رنج و محن اور ہم کجا دیکھو کجا یہ طوق و رسن اور ہم کجا
لوگو! کجا یہ سرخ کفن اور ہم کجا بولو ، کجا یہ بھیڑ ، گھٹن اور ہم کجا
پوچھو ، مرے چمن کے شگوفے کدھر گئے
کتنے یتیم تھے جو سفر ہی میں مر گئے

یہ بے رِدا اسیر محمدؐ کے گھر کے ہیں　　سارے ہی تشنہ لب ہیں اور آٹھوں پہر کے ہیں
مہمان کچھ یتیم یہاں رات بھر کے ہیں　　پاؤں میں آبلے بھی ابھی تک سفر کے ہیں

تحریر کس طرح کی یہ لوحِ جہاں پہ ہے
منبر پہ بے نماز ، نمازی سناں پہ ہے

کھلنے لگی وہ بات جو اَب تک تھی راز میں　　آیا جو زلزلہ سا ضمیرِ حجاز میں
یہ احتجاج بارگہِ بے نیاز میں　　یارب! سرِ حسینؑ کٹے اور نماز میں

یہ کہہ کے جب حسینؑ کو دیکھا تو رُک گئی
زینبؑ خموش ہو کے سکینہؓ پہ جھک گئی

اپنی اس حقیر کاوش کے آخر میں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری مخدومۂ عالم کا مقام اس قدر بلند وارفع ہے کہ ہمارے طائرِ خیال کی حدودِ پرواز سے بالکل باہر ہے۔ صرف نذرِ عقیدت ہی پیش کر سکتے ہیں جو اگر شرفِ قبولیت پالے تو اس بے بضاعتی کے باوجود ہمارے لئے توشۂ آخرت بن سکتی ہے۔ آخرِ کلام میں ہم سید محسن نقوی شہید کی ایک نظم پیش کر کے اس حقیر کاوش کو اختتام پر پہنچاتے ہیں۔ نظم کا عنوان ہے ''علیؑ کی بیٹی''۔ اس کے ساتھ ہی شہید کیلئے بلندیٔ درجات اور خالقِ کائنات کے حضور ان کی مغفرت و جوارِ شہدائے کربلا میں جگہ پانے کی دعا کرتے ہیں، اس امید و یقین کے ساتھ کہ خالقِ غفور ورحیم و ستارالعیوب شہید مرحوم کے کلام اور ہماری کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

علیؑ کی بیٹی

قدم قدم پر چراغ ایسے جلا گئی ہے علیؑ کی بیٹی
یزیدیت کی ہر ایک سازش پہ چھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

کہیں بھی ایوانِ ظلم تعمیر ہو سکے گا نہ اَب جہاں میں
ستم کی بنیاد اس طرح سے ہلا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

عجب مسیحا مزاج خاتون تھی کہ لفظوں کے کیمیا سے
حسینیت کو بھی سانس لینا سکھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

بھٹک رہا تھا دماغِ انسانیت جہالت کی تیرگی میں
جنم کے اندھے بشر کو رستہ دکھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

دکانِ وحدت کے جوہری دم بخود ہیں اس معجزہ پہ اب تک
کہ سنگریزوں کو آبگینے بنا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

خبر کرو اہلِ جور کو اب حسینیت انتقام لے گی
یزیدیت سے کہو سنبھل جائے، آ گئی ہے علیؑ کی بیٹی

نبیؐ کا دیں اب سنور سنور کے یہ بات تسلیم کر رہا ہے
اُجڑ کے بھی انبیاء کے وعدے نبھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

نہ کوئی لشکر، نہ سر پہ چادر، مگر نہ جانے ہوا میں کیونکر
غرورِ ظلم و ستم کے پُرزے اُڑا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

پہن کے خاکِ شفا کا احرام، سر برہنہ طواف کر کے
حسینؑ! تیری لحد کو کعبہ بنا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

کئی خزانے سفر کے دوران کر گئی خاک کے حوالے
کہ پتھروں کی جڑوں میں ہیرے چھپا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

یقین نہ آئے تو کوفہ و شام کی فضاؤں سے پوچھ لینا
یزیدیت کے نقوش سارے مٹا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

ابد تلک اب نہ سر اُٹھا کے چلے گا کوئی یزید زادہ
غرورِ شاہی کو خاک میں یوں ملا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

گزر کے چپ چاپ لاشِ اکبرؑ سے پا برہنہ رسن پہن کر
خود اپنے بیٹوں کے قاتلوں کو رُلا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

میں اس کے در کے گداگروں کا غلام بن کے چلا تھا محسنؔ
اسی لئے مجھ کو رنج و غم سے بچا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

❁❁❁